

تبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

مُصنّف فخر المفسّرین زبدۃ المحدثین عمدۃ المتکلمین فاضلِ اجل حضرت
مولانا ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ،

تفسیرِ فتح المنّان

المشہور بہ

تفسیرِ حقّانی

اس بے نظیر تفسیر میں جس طرح بے شمار دریائے علوم کو کوزے میں بند کیا ہے
اسی طرح اس کی زبان عام فہم سلیس اور صاف ہے تاکہ ہر خاص و عام
استفادہ کرے اور لطائف و حقائق و نکات قرآنیہ سے
فیض یاب ہو

ناشر میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

تفسیر حقانی

جلد



تفسیر حقانی

پارہ ۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی
وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ
اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو دو بار اس کا بدلہ دیں گے
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾
اور اس کے لیے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے۔
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ
اے نبی کی بیویو تم کسی عام عورتوں جیسی
النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ
نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو تو دبی زبان سے
بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ
بات نہ کہا کرو کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ
مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾
طمع کرے گا اور (بے رکاوٹ) دستور کے موافق کلام کیا کرو۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ
اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو اور (بناؤ سنگار) دکھاتی نہ پھرا کرو
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ
جیسا کہ اگلے جاہلیت کے زمانے میں دکھاتی پھرا کرتی تھیں اور نماز ادا
الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ
کرتی رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول
وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ
کی اطاعت کیا کرو اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے گھر والو!
عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ
تم میں سے ناپاکی دور کر دے اور
يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ
تم کو خوب پاک کر دے اور تمہارے گھروں
مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ
میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تم کو پڑھ کر سنائی

الحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا ﴿۳۴﴾

جاتی ہیں اُن کو یاد رکھو بیشک اللہ جو ہے تو بھید جاننے والا خبردار ہے

ع ۱۔

ترکیب

ومن شرطیہ یقنت بالیاء رعایۃ للفظ من و بالتاء رعایۃ لمعناہا۔ تعمل معطوف علی یقنت۔ نؤتہا جوابہا۔ واعتدنا معطوف علی نؤتہا۔ کاحد اصل احد وحد بمعنی الواحد ثم وضع فی النفی العام مستویا فیہ المذکر والمؤنث و الواحد والکثیر والمعنی لستن کجماعۃ واحدۃ من جماعات النساء فی الفضل۔ اھل البیت منصوبا علی النداء والمدح من اٰیٰت بیان لمایتلیٰ والحکمۃ معطوف علی اٰیٰت اللہ۔

تفسیر

ومن یقنت منکن الخ القنوت الطاعۃ۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی، اور نیکی کرے گی تو اسی طرح اس کو دوچند مرتبہ ملے گا کیونکہ وہ تمام عورتوں سے اشرف ہیں۔ چنانچہ خود اللہ ان کی بزرگی بیان فرماتا ہے ینساء النبی لستن کاحد من النساء کہ اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ تمہارا مرتبہ بلند ہے۔

حضرتؐ کے کثرتِ ازواج پر اعتراض اور اس کا جواب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس موقع میں مخالفینِ اسلام یہ اعتراض کیا کرتے ہیں اور حضرتؐ کی سیرتِ پاک پر دھبہ لگایا کرتے ہیں:۔

قولہم۔ محمدؐ باوجود اس دعوے کے کہ میں خاتم المرسلین ہوں عورتوں کی طرف بڑے حریص تھے۔ قانونِ قدرت کے مطابق ہر مرد کو ایک عورت کافی ہے۔ جو علاوہ حاجتِ انسانی پورا کرنے کے اس کی ضروریاتِ خانہ داری کو بھی بخوبی انجام دے سکتی ہے پھر متعدد عورتیں رکھنا ایک قسم کی شہوت پرستی ہے جو اولوالعزم لوگوں کی شان کے بالکل مخالف ہے۔ محمدؐ نے اور مسلمانوں کے لیے تو چار عورتوں کی حد لگادی اور اپنے لیے کوئی حد ہی نہیں رکھی اور ایک وقت نو بیویاں اور کئی ایک حرم میں موجود تھیں۔ اوروں کے لیے تو نکاح کرنے کی بھی قید تھی اور اپنے لیے تو یہ بھی قید نہ رکھی بلکہ جیسا کہ اگلی آیتوں میں آتا ہے جو کوئی عورت نبی کو اپنا نفس بخش دے[1] تو وہ نبی کو حلال ہے واامرأۃ مؤمنۃ ان وھبت نفسھا للنبی اور خود زید کی بیوی کو بغیر نکاح کے رکھ لیا اور کہہ دیا کہ میرا نکاح آسمان پر فرشتوں نے پڑھا دیا ہے۔ اور بھی ایسے واقعات گزرے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے ایک عورت کا شہرۂ حسن سن کر کسی کو بھیج کر اس کو بلایا اور عائشہ کے ڈر سے اس کو باہر باغ میں اتارا اور جب آپؐ نے اس پہ ہاتھ دراز کیا تو اس نے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں یعنی آپؐ کو پسند نہیں کیا پھر آپؐ کو برا معلوم ہوا جس لیے اس سے صحبت نہ کی۔

اس کے علاوہ اور مسلمانوں کو تو عورتوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا کہ باری سے ہر ایک کے پاس رہا کریں اور اپنے لیے یہ بھی فرض نہ تھا جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے: ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء اسی لیے عائشہ جل کر کہتی ہیں کہ کیا کوئی عورت اپنا نفس بھی ہبہ کرتی ہے اور جب یہ آیت ترجی اتری تو کہا کہ اللہ اے محمدؐ تیری خواہشوں کو بہت جلد پوری کرتا ہے (بخاری و مسلم) اس لیے محمدؐ کی بیویوں میں بڑا جھگڑا رہا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک بار سب عورتیں آپ سے چڑ گئیں ایک کہتی تھی

[1] بغیر گواہ اور مہر کے وہ نبی کے لیے حلال ہو جاتی ہے ۱۲ منہ

مجھ سے صحبت کر، دوسری کہتی تھی مجھ سے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور حجروں کے باہر ابوبکرؓ نے یہ بے ہودہ باتیں سن کر کہا کہ اے محمد نماز کو آئیے اور ان کے منہ میں خاک ڈالیے۔ اس بات کو بھی بخاری نے نقل کیا ہے۔ توبہ توبہ یہ شہوت پرستی اور یہ دعویٰ۔ اور لطف یہ کہ اتنی تو بیویاں کیں اور اس قدر اُن پر سخت احکام مقرر کیے اس پر روٹی کپڑا مانگنے سے منع کر دیا۔ پہلے انبیاء نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت مسیح نے تو سرے سے کوئی بھی عورت نہیں کی اور دنیا میں جس قدر باکمال لوگ آئے ہیں وہ عورتوں سے نفرت ہی کرتے آئے ہیں۔ ان کو شہوت پرستی سے کیا علاقہ؟

جواب تحقیقی

اگر منصف مزاج ذرا بھی انصاف کرے تو سب اعتراض اٹھ جاویں۔ یہ بات تمام اہلِ تاریخ کے نزدیک مسلّم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں عین جوشِ جوانی کے وقت جو انسانی قویٰ کے موجیں مارنے کا زمانہ ہوتا ہے ایک بڑھیا عورت سے نکاح کیا، یعنی خدیجۃ الکبریٰؓ سے جو حضرتؐ سے عمر میں بہت زیادہ تھیں، وہی پاک باز عورت آپؐ کو غارِ حرا کے خلوت خانہ میں دو چار روز کا کھانا پانی لے آیا کرتی تھیں۔ اُن کے انتقال کے بعد ایک اور عورت عمر رسیدہ سیاہ فام سے نکاح کیا جن کا نام حضرت سودہؓ تھا۔ باون ۵۲ برس کی عمر تک جو انتہا جوشِ جوانی کا موقع تھا یکے بعد دیگر انہیں بیویوں کے ساتھ زندگانی بسر کی باوجودیکہ آپؐ خاندانی تھے نہایت خوبصورت بھی تھے اور قریش آپ کو حسین مہ جبین عورتوں کا لالچ بھی دیتے تھے اور عرب کے دستور کے موافق مکہ جو آپؐ کا وطن تھا متعدد حسین نوجوان عورتوں کا میسر آجانا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ کم مرتبہ کے آدمیوں کے پاس مکہ میں متعدد عورتیں رہتی تھیں اور یہ بات عرب کے نزدیک کچھ معیوب بھی نہ تھی مگر آپؐ نے مطلق توجہ بھی نہ فرمائی۔

ہجرت سے کچھ دنوں آگے صدیق اکبرؓ نے بڑی التجا کے ساتھ اپنی دخترِ نیک اختر عائشہؓ سے جو چھ برس کی لڑکی تھیں صرف نکاح کر دیا تھا جو بمنزلہ منگنی کے تھا۔ رخصت نہ کی تھی اور کرتے بھی تو یہ نہایت صغیر سن تھیں مدینہ میں آکر جہاں ہر طرف سے مصیبت کے دروازے کھل گئے اور تمام عرب دشمن ہوگیا، ادھر مہاجروں کی فکر بھی آپؐ ہی کے سر پر پڑ گئی تھی حضرت عائشہؓ کو جوان ہونے پر رخصت کیا۔ اب اس پردیس میں اور اس مصیبت کے زمانے میں اور اس تنگ دستی میں کہ ہفتے کے ہفتے بے روٹی کے گزر جاتے تھے کھجور کے چند دانوں اور پانی پر بسر اوقات ہوتی تھی اور اس عمر میں کہ پچاس سے تجاوز ہوگئی جوانی کے زور جاتے رہے بڑھاپا آگیا کون دانشمند کہہ سکتا ہے کہ آپؐ نے اتنی بیویاں شہوت پرستی کے لیے کی تھیں اور معاشرت کا طریقہ نفرت انگیز اختیار کیا تھا؟ پردیس میں تو اپنی عزت بڑھانے کے لیے خصوصاً اس قوم میں جا کر جو مددگار اور خاص مرید ہوں کوئی نفرت کی بات ہو تو لوگ چھوڑ دیا کرتے ہیں کہ مبادا لوگ بد اعتقاد ہو جاویں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپؐ سے کوئی انصار و مہاجر بد اعتقاد نہ ہوئے۔ پس عقلِ سلیم تاریخی واقعات پر نظر کر کے صاف صاف کہہ دے گی کہ اتنی بیویاں اور ان کے ساتھ یہ برتاؤ شہوت پر مبنی نہ تھا اور جو ہوتا بھی تو یہاں آکر اس قدر عورتوں نے کیوں ازواجِ مطہرات میں داخل ہونے کی رغبت کی مکہ میں جوانی کے وقت نہ کی؟

معلوم ہوا کہ یہ اور بات تھی وہ یہ کہ حضرتؐ جس طرح خاتم المرسلین بنائے گئے تھے اسی طرح آپؐ کے دین میں حلّت و حرمت، طہارت و نجاست مرد و عورت کے

سب احکام تھے۔ مردوں میں سے تو علم دین سیکھنے کے لیے ایک جماعت اس کام کی ہوکر درِ دولت پر آپڑی تھی جن کو اصحاب الصفہ کہتے تھے۔ اسی طرح عورتوں کی جماعت بھی اس کام کے لیے پر ضرور تھی کہ وہ عورتوں کو تعلیم دیا کریں۔ خصوصاً وہ مسائل جو عورتوں سے متعلق ہیں اور جن کا ذکر غیر مرد سے سننا شرم کی بات ہے۔ اب یہ جماعت نساء اگر محض شاگردوں کے سلسلہ میں ہوتی اوّل تو آپؐ ان اجنبی عورتوں سے وہ شرم کے متعلق مسائل حیض ونفاس غسل وجنابت بیان کرتے شرم کرتے اور وہ بھی ان کے دریافت کرنے سے شرم کرتیں مقصود فوت ہوجاتا۔ دوم شاگردوں کا خلوت وجلوت میں رہنا ضروری بات ہے جو قولاً وفعلاً ہر قسم کی تعلیم پاسکیں اور اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو اجنبی عورتوں کے ساتھ رہنے سے بدگمانی ہوتی۔ سوم مردوں کی جماعت تعلیم پانے کے وقت صبر اور محنت کشی سے اپنے رزق کا فی الجملہ آپ بندوبست کرسکتے ہیں اور کچھ نہیں تو لکڑیوں کا گٹھا لاکر بیچ سکتے ہیں بخلاف عورتوں ضعیف البنیان کے، اس لیے ان کا بندوبستِ رزق وحاجات بھی حضرتؐ ہی کے ذمہ ٹھیرا اس لیے ان تلامذہ کو سلسلۂ نکاح میں داخل کرنا پڑا۔ اگر غیر کی بیویاں ہوتیں تو ان کے خاوند ان کو اس قدر مہلت کیوں دیتے۔

اور نیز اس میں یہ بھی مقصود تھا کہ آپؐ لوگوں کو صفت توکل تعلیم کریں کہ عورتوں کی کج خُلقی برداشت کرنے کے عرب عادی ہوجاویں جو بے رحمانہ برتاؤ کیا کرتے تھے اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوجاوے کہ آنحضرتؐ عیال داری پر کسی کی بھی پروا نہ کرتے تھے مشہور ہے کہ ایک بیوی کرکے سَو کا غلام بننا پڑتا ہے۔ اور بہت سی باتوں میں حق سے چشم پوشی کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان نیک بیویوں کو جو دینی مدرسہ کی طالب علم تھیں اور وجوہ مذکورہ سے بضرورت ان کو سلسلۂ زوجیت میں لایا گیا تھا یہ سنا دیا ینساء النبی لستن کاحد من النساء کہ تم اور عورتوں جیسی عورتیں نہیں ہو تم خاص دین کے لیے اس بیت العلوم میں داخل کی گئی ہو اور اسی لیے وہ زوجیت معمولی سمجھ کر اور عورتوں کی طرح آرائش وتجمل کے سوالات کرکے حضرتؐ کو تکلیف دیتی تھیں ان کو اختیار دیا گیا جس پر وہ سمجھ گئیں۔

جب یہ بات تھی تو پھر آپؐ کے اس مدرسہ یا بیت العلم میں داخل ہونے کے لیے کس لیے تعداد مقرر ہوتی؟ پھر کسی قدر کیوں نہ آدمی بشرطِ صلاحیت لینا ہی پڑتا تھا۔ اور اسی لیے اس داخلہ کے لیے نکاح کا لفظ خاص نہ ہوا نفس کے بخشنے اور دیگر امورِ مقررہ ان کی توسیع کے لیے جائز قرار پائے ضرور ہوئے اور اسی لیے پھر اور گواہوں کی بھی ہبت نفسی میں ضرورت نہ ہوئی۔ اور اس لیے بیویوں کی طرح باری کے ساتھ ان کے پاس رہنا ضروری نہ ہوا گو آپؐ اس پر بھی باری سے رہتے تھے اور ان کی اطمینان قلبی کی باتیں ملحوظ رکھتے تھے۔

اور اگر کوئی عورت دور سے آئی ہو اور پھر اس کو مصائبِ دنیا دیکھ کر اس بیت العلم میں داخل ہونا منظور نہ ہوا تو آپؐ نے داخل نہ کیا اور باغ میں اتارنا کوئی عیب کی بات نہیں۔

رہا عورتوں کا باہمی جھگڑا سو یہ ان کی جبلی بات ہے۔ اور معاذاللہ اس شب میں وہ پاک باز بیویاں امر خاص کے لیے آپؐ سے خواستگار نہ تھیں۔ بات یہ تھی کہ آپؐ ایک کے گھر تشریف لے گئے حضرتؐ کے انفاس متبرکہ کو ہر ایک غنیمت جانتی تھیں اور بھی آگئیں اس گھر والی کو ناگوار گزرا جو ایک طبعی بات ہے اس پر باہم کچھ قیل وقال تھی جس کو سن کر صدیقِ اکبرؓ اس وجہ سے کہ ان کی صاحبزادی بھی ان میں شامل تھیں عورتوں پر

بزرگانہ طور پر خفا ہوئے۔ اصل بات یہ تھی اب مخالف اس کو جس پیرایہ میں چاہے ڈھالے

جواب الزامی

حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام کی بیویاں اور حرمیں تو سیکڑوں تھیں پھر عیسائی اور یہودی ان کی کتابوں کو الہامی مانتے ہیں۔ اسی طرح ہنود کے ہاں کرشن جی کی چودہ ہزار گوپیاں ناچا گایا کرتی تھیں اب خواہ اس کو آریا لوگ بھجن کہیں یا کچھ اور ہم کچھ نہیں کہتے۔ رہا تعددِ ازواج کا اعتراض سو اس کا جواب کئی بار ہو چکا کہ انسانی ضرورتیں بعض اوقات ایک بیوی سے پوری نہیں ہو سکتیں اور پہلی کا بغیر قصور چھوڑ دینا انسانی مروت کے خلاف ہے اور فرض کہ وہ مرض یا کسی وجہ سے اولاد جننے کی اس میں صلاحیت نہیں پس اسلام نے بضرورت تعددِ ازواج کی اجازت اور وہ بھی مشروط دی کہ عدل پورا ہو۔

آمدم برسر مطلب۔ اس تمہید کے بعد پھر ازواجِ مطہرات کو چند احکام کی تعلیم دیتا ہے۔ ان اتقیتن اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو۔ یہ جملہ اس لیے فرمایا کہ صرف اسی بات پر بھروسہ نہ کر لینا کہ ہم نبی کی بیویاں ہیں۔ بلکہ یہ فضیلت تقوٰی کی وجہ سے ہے چنانچہ ازواجِ مطہرات ہمیشہ زیورِ تقوٰی سے آراستہ تھیں حضرتؐ کی حیات میں بھی اور آپؐ کے بعد بھی۔ جواب شرط کا محذوف ہے لستن کاحد من النساء اس پر دلالت کرتا ہے

پہلا حکم

اور بعض کہتے ہیں فلا تخضعن بالقول لوگوں سے جو بات چیت کرنے کا اتفاق ہو تو بات میں نرمی اور لگاوٹ نہ کرو۔ فیطمع الذی فی قلبہ مرض تاکہ ناپاک آدمی کہ جس کے دل میں شہوت اور بدکاری کا مرض ہے طمع نہ کرے۔ کھری بات کہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو عورتیں مہین مہین باتیں اور بڑے اخلاق سے اور ہنس ہنس کر کیا کرتی ہیں خواہ وہ پاک اور صاف دل ہی کیوں نہ ہوں مگر ناپاک آدمی کے دل میں گدگداہٹ اور تحریکِ باطل پیدا کر دیتی ہیں یہ ایک حکم تھا۔

دوسرا حکم

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ۔ وقرن اہل مدینہ اور عاصم نے وقرن بفتح قاف پڑھا ہے اور لوگوں نے بکسر قاف۔ پہلی قراءت کے موافق یہ معنی ہوں گے قرن اے الزمن بیوتکن من قولہم قررت بالمکان اقر قرارا فحذفت الراء الاولی ہی عین الفعل لثقل التضعیف ونقلت حرکتہا الی القاف کما فی ظلت ظللت وعلی الثانی فقیل ہو من قررت اقررت اقر معناہ اقررن بکسر الراء فحذفت الاولیٰ ونقلت حرکتہا الی القاف و قیل ہو من الوقار من قولہم وقر فلان یقر وقورا اذا اسکن و اطمئن فہو امر کعدن من الوعد وصلن من الوصل۔ یعنی اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو۔ بغیر ضرورت باہر نہ جایا کرو۔ یہاں سے پردہ فرض ہوا۔ سامنے ہونے کی جیسا کہ پہلے جاہلیت میں دستور تھا ممانعت ہو گئی۔ جیسا کہ اخیر جملہ میں فرماتا ہے ولا تبرجن تبرج اظہارِ زینت اور مواقعِ زینت۔

مجاہد کہتے ہیں کہ پہلے عورتیں لوگوں کے سامنے آیا جایا کرتی تھیں پس یہی تبرج جاہلیت ہے (ابن کثیر)

جاہلیت اولیٰ کے معنی ابن عباسؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانے کو جاہلیت اولیٰ کہتے ہیں بعض کہتے ہیں نوح و ابراہیم کا درمیانی زمانہ۔ بعض کہتے ہیں موسیٰ و عیسیٰ کا

مگر ابن عطیہ کا قول بہت صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیتِ اُولیٰ سے اسلام سے پہلے کا زمانہ مراد ہے اور اس کو اُولے زمانۂ اسلام کے لحاظ سے کہا نہ اس لیے کہ کوئی جاہلیتِ اُخریٰ اسلام کا وہ زمانہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جس میں فسق وفجور رواج پا گیا۔

پردہ کا حکم

ان آیات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے بلا ضرورت باہر جانا حرام ہو گیا تھا۔ ضرورت شرعیہ میں سے حج وعمرہ ہے۔ امت کی بیبیوں پر گھر میں رہنا باہر نہ نکلنا اس آیت سے بعض کے نزدیک واجب ہے۔ قوی تر یہی ہے کہ پردہ میں رہنا مستحب ہے اور اگر بضرورت باہر جاویں تو برقع میں یا ایسے چادرے میں کہ جس سے کوئی ستر کی چیز دکھائی نہ دے، یہ پردہ فرض ہے۔ اس میں جو کچھ حکمتیں ہیں غیر قوموں کی بے پردہ عورتوں کے بے جا حالات دیکھ کر بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

تیسرا حکم۔ چوتھا حکم۔ پانچواں حکم

تیسرا حکم واقمن الصلوٰۃ چوتھا حکم واٰتین الزکوٰۃ زکوٰۃ دیں۔ اس میں صدقہ وخیرات بھی داخل ہے۔ اس کے سوا اور جس قدر احکام شرعیہ ہیں ان کو بھی بجا لاویں۔ کما قال واطعن اللہ ورسولہ یہ پانچواں حکم جمیع احکام کو شامل ہے اس میں حج اور رمضان کے روزے بھی آ گئے۔ مگر نماز اور زکوٰۃ کو تاکید واہتمام کے لیے جداگانہ بیان کر دیا۔

یہ وہ احکام ہیں جو تدبیر المنزل واخلاق اور معاد اور حسن معاشرت کے اصل الاصول ہیں اور تہذیب و شائستگی کا عطر اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی وجہ بیان فرماتا ہے: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا کہ اے اہلِ بیت نبی کے گھر والو! یعنی بیویو! ان احکام سے اللہ تم کو پاک کرنا اور تمہاری ناپاکی دور کرنا چاہتا ہے۔ الرجس الاثم والذنب۔ میل کچیل ظاہری کے سوا انسان کی اخلاقی بھی میل کچیل ہوتی ہے جو مکارم اخلاق اختیار کرنے اور ذکر الٰہی اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے دور ہوتی ہے وہ کسی دریا یا کنویں کے پانی یا کسی مسالے یا صابن سے دور نہیں ہوتی۔

اہل بیت کی تحقیق

اہلِ بیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق خاص بیوی پر ہوتا ہے گو گھر میں بیٹا بیٹی پوتا نواسہ نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر خادم بھی۔ اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ یہی اہل البیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر بھی مستعمل ہوا ہے اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت اور عرب بولتے ہیں کیف اہلک۔ یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہلِ خانہ گھر والی بیوی کو کہتے ہیں۔ اس لیے علماء اسلام کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔

جس کو قرآنی مذاق کچھ بھی ہے وہ سیاق وسباق پر نظر کر کے اس بات کو جلد تسلیم کر سکتا ہے۔ ابن عباس وعکرمہ وعطاء وکلبی ومقاتل وسعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں عکرمہ کہتے ہیں میں اس بات پر مباہلہ کر سکتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں اول میں بھی خطاب نبی کی بیویوں سے ہے کما قال قل

لازواجك اور یہاں تک انہیں کے متعلق احکام چلے آتے ہیں گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں بھی انہیں کی طرف خطاب ہے واذکرن ما یتلی فی بیوتکن اور نیز بیت سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے جو حضرتؐ کی بیویوں کے رہنے کی جگہ ہے جہاں آپؐ شب باش ہوتے تھے۔

ابوسعید خدریؓ ومجاہد وقتادہ اور کل اہل شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ بیت سے مراد اس جگہ علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عنکم و یطھرکم مذکر کے صیغے ہیں جو ازواج مطہرات پر اطلاق نہیں کیے جاتے۔ اس کا جواب ان کی طرف سے یہ ہے کہ لفظِ اہل کی رعایت سے تذکیر کے صیغے کلام میں آجایا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر اہل البیت کا اطلاق ہوا ہے وہاں بھی علیکم مذکر کا صیغہ ہے۔

اب فریقین کے وہ دلائل کہ جن سے ہر ایک نے اپنے مطلب کو ثابت کیا ہے روایات واحادیث و اقوال ہیں جن کا ہر ایک فریق نے ڈھیر لگا دیا ہے پھر ہر ایک نے دوسرے کے راویوں میں کلام کیا ہے اور پھر ہر ایک فریق نے اس کا جواب دیا ہے اگر اس سب کو نقل کروں تو یہ جلد بھی کافی نہ ہو اس لیے سب کو ترک کرتا ہوں۔

مگر فریق ثانی کی ایک حدیث بڑی زور آور ہے۔ جس کو ام سلمہؓ و عائشہؓ و واثلہ بن الاسقع سے بطرقِ مختلفہ ترمذی و ابن المنذر و حاکم و ابن مردویہ و بیہقی و ابن ابی حاتم و طبرانی و ابن ابی شیبہ و احمد و مسلم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے گو اس کے بعض طرق محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہیں۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے، کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کو ایک سیاہ کملی میں لپیٹا کہ جس کو آپؐ اوڑھے ہوئے تھے یہ آیت پڑھی اور پھر یہ کہا اللھم ھولاء اہل بیتی اللھم اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔ کہ اے اللہ! یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں ان کی ناپاکی دور کر دے اور ان کو پاک کر دے۔

اور ایک حدیث انہیں لوگوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آں حضرتؐ فجر کی نماز کو جب مسجد میں جانے تھے تو فاطمہؓ کے گھر پر کھڑے ہو کر یا اہل البیت الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر یہ آیت پڑھتے تھے۔

اور مسلم نے زید بن ارقمؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے میں تم کو اپنے اہلِ بیت کے حق میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں یعنی ان کی مراعات رکھنا۔ زید سے کسی نے پوچھا اہلِ بیت کون ہیں، کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان کی اہلِ بیت نہیں ہیں؟ کہا آپؐ کی بیویاں آپؐ کی اہلِ بیت ہیں۔ لیکن آپؐ کے اہلِ بیت وہ لوگ ہیں کہ جن پر صدقہ حرام ہے علیؓ اور عقیلؓ اور جعفرؓ اور عباسؓ کی اولاد۔

ان تینوں حدیثوں کو صحیح مان لینا چاہیے۔ مگر ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ خاص علیؓ و فاطمہؓ و حسنینؓ ہی اہلِ بیت ہیں اور حضرتؐ کی بیویاں اہلِ بیت نہیں ہیں۔ بلکہ پہلی حدیث تو یہی کہہ رہی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کو بھی کملی میں لے کر اہلِ بیت میں شامل فرمایا اور ان کے لیے دعا کی۔ ورنہ کیا اللہ کو معلوم نہ تھا کہ یہی لوگ اہل بیت ہیں؟ پھر ھولاء اہل بیتی کہنے کی کیا حاجت تھی؟ اور اسی طرح دوسری حدیث سے پایا جاتا ہے۔ اور تیسری حدیث تو ان دونوں کے مخالف ہے۔ اس کے علاوہ یہ قول زید کا ہے جو جعفرؓ و عقیلؓ و علیؓ و عباسؓ کی اولاد کو اہلِ بیت کہہ رہے ہیں۔

قولِ فیصل

قولِ فیصل یہ ہے کہ در اصل اہلِ بیت تو ازواج مطہرات ہی ہیں اور ان میں حضرتؐ نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرما لیا اور کیوں نہیں، بال بچے اور بہت قریب کے عزیز و اقارب بھی گھر ہی کے لوگ شمار ہوتے ہیں بس اعتقادِ صحیح اور محبتِ خالص یہی ہے کہ ازواجِ مطہرات اور ان پاک باز لوگوں کو بھی اہلِ بیت سمجھ کر ان کا تہ دل سے ادب کرے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور فاطمہ زہرا اور حسنین بھی داخل ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ف کیا حضرت علیؓ و جعفرؓ و عقیلؓ و عباسؓ کی اولاد بھی جو سیکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئی اور ہوگی سب اہلِ بیت ہیں؟ حقیقت میں اہلِ بیت اور آل وہی لوگ تھے جو حضرتؐ کے سامنے موجود تھے اور ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کو جو اہلِ بیت اور آلِ نبی کہا جاتا ہے تو مجازاً اور ادباً۔ کس لیے کہ نہ یہ حضرتؐ کے گھر میں کبھی رہے ہیں نہ حضرتؐ ان کی عیالت کرتے تھے حق بات یہی ہے باقی افراط و تفریط ہے جو تعصب یا فرطِ محبت پر مبنی ہے۔

چھٹا حکم

واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من ایٰت اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا یہ چھٹا حکم ہے کہ اے نبی کی بیویو! وہ جو تمہارے گھروں میں آیات اللہ اور حکمتِ الٰہیہ کا درس ہوتا ہے اس کو خوب یاد رکھو، لوگوں کو سمجھاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزاءِ خیر دے گا کیونکہ وہ لطیف یعنی مہربان لطف کرنے والا خبردار ہے۔ اس پر تمہاری کوشش مخفی نہیں۔ یہ وہی اصلی حکم ہے کہ جس کے لیے یہ پاک باز باخدا بیویاں مدرسہ علم دینیہ میں داخل کی گئیں۔ اور ان کو نبی کی زوجیت کا شرف عطا کیا گیا۔ پہلے احکام تو خود ان کی تہذیب و شائستگی اور ادبِ صحبت اور حسنِ معاشرت کے لیے تھے اور یہ اُس خاص مقصد کے لیے کہ جس کے لیے یہ بیویاں بنائی گئیں۔

ایٰت اللہ قرآن کی آیات اور حکمت سُنت۔ یہ قرطبی کا قول ہے۔ اور ممکن ہے کہ حکمت سے بھی قرآن ہی مراد ہو یا اسرارِ شریعت و رموزِ طریقت جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے وقتاً فوقتاً ان کو حاصل ہوتے تھے اور یہ حاصل ہونا گویا ان پر پڑھا جانا یعنی پڑھ کر سُنایا جانا ہے۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات شب و روز اسی میں مصروف تھیں۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَ
بے شک اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَ
ایمان دار مردوں اور ایماندار عورتوں کے لیے اور فرماں بردار مردوں اور

الْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ
فرماں بردار عورتوں کے لیے اور راست باز مردوں اور عورتوں

وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ
اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں کے لیے اور (خدا سے) ڈرنے والے مردوں

وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَ
اور عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور

الْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَ
خیرات کرنے والی عورتوں اور روزہ دار مردوں اور

الصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ
روزہ دار عورتوں اور پاک دامن مردوں

وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا
اور پاک دامن عورتوں کے لیے اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مردوں

وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً
اور بہت یاد کرنے والی عورتوں کے لیے بخشش (کا صلہ) اور بڑا اجر
وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ
تیار کر رکھا ہے نہ کسی ایمان دار مرد اور نہ کسی ایمان دار
لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ
عورت کو یہ لائق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی
اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ
کام کا حکم دے تو ان کو اپنے کام میں اختیار
اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَاِذْ
تو وہ صریح گمراہ ہوا اور (یاد کرو) جبکہ
تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
اس کو کہ جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی احسان
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ
کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اب اپنی بیوی کو اپنی زوجیت
زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ
میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور اپنے دل میں وہ بات
نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى
مخفی رکھتے تھے کہ جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور لوگوں سے
النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ
ڈر رہے تھے اور ڈرنا تو زیادہ اللہ ہی سے چاہیے
فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا
پھر جب زید اُس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکا تو اس کا ہم نے آپ سے نکاح کر دیا
لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ
تاکہ ایمان داروں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا
بیویوں سے نکاح کرنے کی ممانعت نہ رہے جب کہ وہ ان سے
مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
بے تعلقی کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر
مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ
رہتا ہے ۔ نبی پر اس بات میں کچھ بھی ممانعت
مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ
نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے جیسا کہ
اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَ
اللہ کا پہلے لوگوں میں دستور تھا (ان پر نکاح کرنے میں کوئی ممانعت نہ تھی) اور
كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾
اللہ کا حکم مقرر ہو چکا تھا
الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ
وہ پہلے لوگ جو اللہ کا پیام پہنچاتے رہے
وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا
اور اللہ سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے
اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾
نہ ڈرتے تھے اور کافی ہے اللہ حساب لینے کو ۔

ترکیب

اعد اللہ بجملہ خبر انّ و الخیرۃ ما یتخیر و جمع الضمیر الاول لعموم مؤمن و مؤمنۃ لانہما فی حیز النفی و جمع الضمیر فی من امرھم للتعظیم واللہ والواو للحال سنۃ اللہ نصبہ علی المصدر ای سن ذلک سنۃ الذین یبلغون صفۃ للذین خلوا مدح لہم منصوب او مرفوع ۔ الوطر الحاجۃ ۔

تفسیر

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بالخصوص اور بھی مرد اور نیک عورتیں ایسی تھیں کہ جو دین کی اشاعت میں بڑے سرگرم تھے گویا انہوں نے اپنی جان و مال کو اسی کام کے لیے وقف کر دیا تھا جیسا کہ عشرہ مبشرہ اور اصحاب الصفہ اور ابوہریرہ وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عورتوں میں سے انصار و مہاجرین کی بہت سی عورتیں۔

اِن آیاتِ مذکورہ سے شاید ان کے دل میں یہ خطرہ گزرتا ہوگا کہ ازواج مطہرات ہی کی مساعی جمیلہ خدا کے ہاں پسند ہیں جن کا آیاتِ مذکورہ میں بیان ہوا اور ہماری کوشش چنداں قابلِ التفات نہیں۔ پس ان کی تسلی کے لیے یہ آیت ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات الخ نازل ہوئی اور اسی کی مؤید یہ روایت ہے کہ جس کو عبداللہ بن حمید وطبرانی نے روایت کیا ہے کہ ام عمارہؓ انصاریہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ عرض کیا کہ مردوں ہی کا قرآن میں ذکر ہے عورتوں کا کچھ بھی نہیں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اسی طرح ام سلمہؓ سے احمد ونسائی وابن جریر وابن المنذر وطبرانی نے روایت کیا ہے اور ایسا ہی طبرانی وابن جریر نے ابن عباسؓ سے جس کی اسناد کو سیوطی نے حسن کہا ہے۔ اس آیت میں مسلمان اور ایمان دار مرد اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے اور ان کے لیے یہ چند اوصاف اس وعدہ کے لیے شرط قرار پائے ہیں۔ اسلام۔ ایمان گرچہ عرفِ علماء میں دونوں لفظوں کا مصداق ایک ہی ہے مگر قرآن واحادیث میں مقامات متعددہ میں لغوی معنی کا لحاظ کر کے اسلام سے مراد انقیاد یعنی احکام ضروریہ کا بجا لانا مراد لیا ہے جیسا کہ حدیث جبریل سے ثابت ہے جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے:

ان تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتحج البیت وتصوم رمضان اور ایمان میں اعمال کا ذکر نہیں صرف اللہ اور رسول اور ملائکہ اور کتبِ الٰہیہ اور اس کے رسولوں اور تقدیر کی تصدیق کرنا اور یقین کرنا اسی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ قنوت یعنی عبادت واطاعت۔ صبر یعنی شہوات و دیگر تکالیف کی برداشت کرنا۔ اس میں اشاعتِ دین کی تکالیف بھی آگئیں۔ خشوع، اللہ سے عاجزی کرنا سر نگوں دنیا میں رہنا تکبر اور سرکشی نہ کرنا۔ صدقہ دینا۔ زکوٰۃ و خیرات اور دیگر نیک کاموں میں مال صرف کرنا۔ صوم روزہ رکھنا۔ عفاف پاک دامن رہنا۔ ذکرِ الٰہی کرنا۔ اور بہت کرنا کسی وقت اس کو دل سے نہ بھلانا یہاں تک کہ دست بکار دل بیار رہے۔

اس کے بعد علی العموم مرشدِ برحق یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیتا ہے فقال وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا کہ کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور رسول کے حکم دینے کے بعد یہ مجاز باقی نہیں رہتا کہ اس کو عمل میں نہ لاوے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو صریح گمراہی میں پڑتا ہے کیونکہ مرشدِ کامل اور ہادی برحق کا خلاف کرنا گمراہی میں پڑنا ہے۔ یہ ایک عام حکم ہے جو احکام سابقہ کے لیے سرِبمہر ہے۔ نہ اس میں زینبؓ کے نکاح کا ذکر ہے نہ کسی اور کا۔ مگر مفسرین نے اپنی عادت کے موافق کہ وہ آیت کے معنی سے چسپاں کرنے کے لیے کوئی قصہ یا واقعہ خواہ مخواہ گھڑ کر اس آیت کو اسی پر ڈھال دیا کرتے ہیں گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ یہ روایت کیا ہے کہ

حضرتؐ نے زید سے نکاح کرنے کے لیے زینب بنت جحش کو پیغام دیا جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ زینب نے زید کو حقیر جان کر انکار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی تب زینب نے زید سے نکاح کرنا منظور کر لیا اور ان کی باہم شادی ہو گئی۔ مگر مؤرخین کہتے ہیں کہ زید سے زینب کا نکاح ہجرت سے آٹھ سال پہلے ہو چکا تھا۔ اور یہ سورت ہجرت کے پانچویں برس نازل ہوئی ہے پھر اس میں زینب کے نکاح کی طرف کیوں کر اشارہ ہو سکتا ہے؟ نبی کی نافرمانی یعنی اللہ اور رسول کی کسی بات میں نافرمانی اگر انکار کے طور پر ہے تو کفر ہے اور اگر قبول ہے مگر سستی سے یا خواہش نفسانی سے ہے تو فسق ہے۔

لوگوں کی ہدایت کا دار و مدار نبی علیہ السلام کی عظمت پر ہے اس لیے مخالفوں کے بعض مطاعن کو جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کرتے تھے (اور ایسا ہوتا ہی آیا ہے کس لیے کہ کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں آیا ہے کہ جس کی کسی بات پر بھی لوگوں نے اپنی کج رائی بد باطنی کی وجہ سے انکار نہیں کیا ہے) دفع کرتا ہے۔

من جملہ ان مطاعن کے ایک طعن زید کی بیوی زینب سے نکاح کر لینے کے بارے میں تھا جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کے طلاق دینے اور عدت گزر جانے کے بعد ایک حکم آسمانی اور مصلحت الٰہیہ کی وجہ سے کیا تھا۔

فقال اذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ۔ اس آیت میں ضرور ایک واقعہ گزشتہ کی طرف اشارہ ہے اور باتفاق مفسرین وہ زید بن حارثہؓ اور ان کی بیوی زینب بنت جحش کے جھگڑے کی طرف اشارہ اور اسی پر آیت کے الفاظ چسپاں ہیں۔ وہ قصہ یہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت و کفالت اور بڑی کوشش سے زینب کا نکاح زید سے ہوا تھا۔ زینب قوم کی قریش اور اس پر تند خو تھیں اکثر معاملات میں میاں بیوی کی تُو تُو میں میں رہتی تھی۔ آخر ناچار ہو کر زید نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور بجز آپؐ کے اس کا تھا کون۔ اور یہ بھی ظاہر کیا کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں۔ اس کی بدمزاجی سے میرا اس کا نباہ ہو نہیں سکتا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو (کہ جس پر اللہ نے انعام کیا اس کو مشرف باسلام کیا اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر انعام کیا کہ اس کو آزاد کیا) منع کیا اور کہا طلاق نہ دے، کیوں کہ جانتے تھے کہ پھوپی کی بیٹی ہے میں نے ہی اس کا نکاح کروایا ہے۔ آخر پھر مجھ کو ہی اس کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جاوے گا اور میں جو اس سے نکاح کروں گا تو لوگ مجھے طعنہ دیں گے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ بات تھی کہ جس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دل میں مخفی رکھتے تھے یعنی سوچے ہوئے تھے اور اسی سبب سے لوگوں کی طعنہ زنی سے ڈرتے تھے جس پر اللہ تعالےٰ آپؐ کو تنبیہ کرتا ہے کہ لوگوں سے کیا ڈرتا ہے اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ لوگوں سے ڈرنا اور ایک ناجائز رسم کے توڑنے میں رسول کو دل میں لوگوں کے طعنہ کا خوف کرنا خدا کے نزدیک ناپسند بات تھی کہ جس کی نسبت فرماتا ہے تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ یہ تو اپنے دل میں جو بات سوچ کر چھپاتا اور لوگوں سے ڈرتا ہے اللہ اس کو ظاہر ہی کر کے رہے گا۔ چنانچہ خدا نے اس کو ظاہر کر دیا جیسا کہ خود فرماتا ہے:

فلما قضٰی زید منہا وطرا زوجنٰکہا کہ جب زید اس عورت یعنی زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکا نکاح کر کے گھر میں رکھ کے طلاق دے دی تو اس کا نکاح

ہم نے اے نبی تجھ سے کر دیا۔ یعنی ہم نے اس کے نکاح کرنے کا تجھ کو حکم دیا۔

بخاری و ترمذی و احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ زید بن حارثہؓ زینبؓ کی شکایت لے کر آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان کو یہی سمجھایا کہ نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو، اس پر یہ آیت وتخفی فی نفسك الخ نازل ہوئی پھر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرلیا۔ اور ان کا ولیمہ ایسا کیا جو کسی بیوی کا ولیمہ نہیں کیا۔ سب لوگوں کو گوشت اور روٹی کی دعوت کھلائی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ خود خدا نے یا آسمان پر فرشتے نے نکاح پڑھایا[1] تھا اور آپؐ چُپ چاپ زینبؓ کے پاس چلے گئے تھے جیساکہ معترض روایات میں غور نہ کرنے سے سمجھتا ہے۔

زوجنا کا فرمانا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی خوف کا اظہار کر دیتا ہے کہ جس کو آپؐ دل میں لوگوں کے ڈر سے مخفی رکھتے تھے۔

اور اے نبی تجھ سے اس کا نکاح ہم نے کیوں کر دیا؟ لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیاٰئھم اذا قضوا منھن وطرا وکان امر اللہ مفعولا ۔ کہ مسلمانوں کے لیے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں جب کہ وہ ان کو طلاق دے چکیں کوئی ممانعت نہ رہے یعنی یہ عورت اسلام میں محرمات میں سے نہیں ہے اور ایک رسم کی وجہ سے اس کو حرام جانتے ہیں۔ یہ رسم اور الحاق جاہلیت مٹ جاوے۔ درحقیقت ایسی رسوم کے توڑنے میں لوگوں پر بڑے حملے ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چچی اور ممانی سے نکاح کرنا بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس رسم کے توڑنے کے لیے کرلیتا ہے تو پھر دیکھیے اس پر کیسے کیسے بہتان باندھے جاتے ہیں اور کیسے حملے ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے یہ بات ہو کر رہنے والی تھی خدا کو اس کا مٹانا منظور تھا۔

ما کان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ کوئی اگر شبہ کرے کہ اس رسم کو نبی سے کیوں مٹوایا کسی اور کا نکاح کر کے اس کو توڑ دینا تھا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نبی پر کیا عیب ہے اور کیا تنگی اور ممانعت ہے اس کام کے کر لینے میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا۔ یا اس کو اس پر مامور کر دیا۔

سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل اگلے انبیاء اور صلحاء میں بھی اللہ کا یہی دستور چلا آیا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ سے رسوم جاہلیت کو تڑوایا کرتا ہے انہیں کو اس کے توڑنے پر مامور کیا کرتا ہے۔ کیونکہ نشانہ ملامت بننا انہیں مردانِ خدا کا کام ہے۔

وکان امر اللہ قدرا مقدورا اور اللہ کی بات مقرر ٹھیرائی گئی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ٹلتی نہیں ہو کر رہتی ہے اور یہ دستور رسم شکنی کن لوگوں کا ہے؟ الذین یبلغون رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ ۔ اُن کا جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، کسی کے طعن و تشنیع اور بُرا بھلا کہنے کی ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی ہے۔

وکفی باللہ حسیبا اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو۔ جو ان پاک بندوں پر طعن کرتے ہیں ان سے وہ ضرور حساب لے گا بازپرس کرے گا۔

یہ ہیں ان آیات کے صاف صاف معنی جن پر کوئی بھی خدشہ کسی مخالف کا وارد نہیں ہو سکتا۔ واضح ہو کہ

---

[1] یہ لفظ صاف صاف کہہ رہا ہے کہ آسمان پر نہیں بلکہ برسر معہود زمین پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور جو آسمان پر نکاح کرنا آیا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ آسمان سے یہ حکم آیا تھا ۱۲ منہ

اسلام میں ظاہر ہو کر مخالف ہمیشہ سے اپنی کاری گری کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے بہت سی جھوٹی حدیثیں بھی گھڑی ہیں جن سے اسلام اور پیغمبرؐ پر بدنما دھبہ لگانا مقصود ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں بھی وہ ایسی روایات شامل کر دیتے ہیں کہ جن سے آیات کا مطلب اُلٹ پلٹ ہو جاوے اور اسلام پر کوئی عیب لگے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر انہوں نے ایسا کیا ہے۔ من جملہ ان کے یہاں بھی عجیب و غریب روایات گھڑی ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ زینب اچھے کپڑے پہنے کھڑی تھی۔ پیغمبرؐ جو زید کے گھر میں گئے زینب کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور اللھم مقلب القلوب پڑھ کر چلے آئے۔ زینب اس لگاوٹ کو سمجھ گئی اس نے زید سے کہہ دیا۔ زید کو غیرت آئی طلاق دیدی آپؐ نے جھٹ پٹ نکاح کر لیا بلکہ بے نکاح کیے شوق میں آکر اس کے گھر میں گھس گئے اور اس سے ہمبستر ہوئے اور جو کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ میرا نکاح اس سے آسمان پر ہو چکا ہے تخفی فی نفسک کے معنی زینب کی محبت اور اس کا عشق مراد لیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دل میں تو یہ تھا کہ زید اس کو چھوڑ دے لیکن اس کو لوگوں سے ڈر کر ظاہر نہیں کرتے تھے اور بظاہر زید کو کہتے تھے کہ اس کو طلاق نہ دے۔

معاذ اللہ معاذ اللہ نبی علیہ السلام پر کیا کیا بہتان باندھے ہیں۔ زینبؓ تو آپؐ کی پھوپی زاد بہن تھی، لڑکپن سے آپؐ کے سامنے ہوتی تھی اور کون عورت تھی کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ کرتی تھی۔ پھر کیا آج ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو دیکھا تھا۔ اور اگر ابتدا سے محبت تھی تو زید سے کیوں نکاح کروایا جو بمشکل اس کے ورثہ راضی ہوئے تھے، آپ ہی کیوں نہ کر لیا جو بڑی خوشی سے اس کے وارث منظور کرتے۔ ع ۶

ان بے دینوں سے تو یہ بہتان بندی کچھ بھی تعجب نہیں مگر تعجب تو اپنے بعض[۱] سیدھے سادے بھولے بھالے مفسرین سے ہے کہ جنہوں نے ان کی روایات کو اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا۔ اور ان کے اس کہنے سے دھوکہ میں آگئے کہ حدثنا فلان عن فلان۔ یہ حضرات تو بس اس حدثنا پر غش ہیں، پھر نہیں دیکھتے کہ اس کے راوی کیسے ہیں اور یہ روایت کیسی ہے؟ جو مخالفین اسلام ان روایات یا ان سادہ لوح مفسرین کے اقوال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگاتے ہیں وہ عیب در اصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ بھی نہیں لگتا بلکہ اُن راویوں پر لگتا ہے۔ نہ ہم ان بیہودہ روایات کی صحت کے قائل ہیں نہ ان پر جو اعتراضات پڑتے ہیں ان کے جواب کے ذمہ دار ہیں

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ
محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں
رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ
(زید کے بھی نہیں) لیکن وہ اللہ کے رسول
وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ
اور سب نبیوں پر مُہر ہیں اور اللہ ہر
شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
بات جانتا ہے ایمان والو!
اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَ
اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور

۱؎ برخلاف محققین مفسرین کے اللہ ان کو جزاء خیر دے انہوں نے اس مقام پر ہمارے موافق معنے لکھے ہیں۔ ابن کثیر نے ان روایات پر ذرا بھی توجہ نہ کی اور کہہ دیا کہ یہ چھوڑ دینے کے قابل ہیں ۱۲ منہ

سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ
اس کی صبح و شام پاکی بیان کیا کرو وہی ہے

الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ
جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی

لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط
تاکہ تم کو (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لائے

وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُهُمْ
اور وہ ایمان والوں پر (بڑا) مہربان ہے جس دن مومن

یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ج وَّاَعَدَّ لَهُمْ
خدا سے ملیں گے ان کے لیے سلام کا تحفہ ہوگا اور ان کے لیے عزت کا

اَجْرًا کَرِیْمًا ﴿۴۴﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ
اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی! ہم نے

اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ
آپ کو گواہی دینے اور خوشی اور ڈر سنانے کے لیے

نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ
بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف لوگوں کو بلانے کو

وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ
اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے اور (نبی) خوشخبری دو ایمان داروں کو

بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا ﴿۴۷﴾
کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے

وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَ
اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا اور

دَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ط
ان کی ایذا سے درگزر کرتے رہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو

وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ﴿۴۸﴾
اللہ کافی ہے کارسازی کو۔

ترکیب

ولٰکن بالتشدید فخبرہ محذوف ای ولکن رسول اللہ اب من غیر وراثۃ۔ او یقال ولکن کان رسول اللہ بکرۃ و اصیلا ظرفان للتسبیح۔ تحیتھم اضافۃ المصدر الی المفعول مبتدا، و سلٰم خبرہ یوم یلقونہ ظرف لہ۔ ای یحیون یوم لقائہ تعالیٰ عند الموت او الخروج من القبر او دخول الجنۃ بالسلام یقال لھم السلام علیکم او یخبر بالسلامۃ من کل مکروہ و آفۃ فضلا کبیرا اسم ان لھم خبرہ و من اللہ صفتہ والجملۃ معطوف علی محذوف مثل فراقب احوال امتک۔

تفسیر

ماکان محمد ابا احد من رجالکم اب ان کے اس طعن کا جواب دینا ہے کہ محمدؐ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا کہ محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ ہی نہیں کیونکہ اس وقت فاطمہ زہراؓ اور بعض صاحبزادیاں تھیں وہ مرد نہیں۔ اور صاحبزادے قاسم و طیب وغیرہ لڑکپن میں انتقال کر چکے تھے۔ رہے حسنؓ و حسینؓ کو وہ حقیقی بیٹے نہ تھے بلکہ نواسے مگر مرد یعنی بالغ جوان وہ بھی اس وقت نہ تھے بچے تھے۔ مطلب یہ کہ زید کے آپؐ باپ نہیں۔ پھر کس وجہ سے طعن کرتے ہو؟ ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے پچھلے ان کی نبوت کا سلسلہ ختم کرنے والے ہیں۔ ابن عامر و عاصم نے خاتم کو

ل اگر کوئی کہے کہ جب مومنین کے لیے بھی اللہ اور ملائکہ کی طرف سے صلوٰۃ بھیجنا آیا اور بعد میں نبی کے لیے ہے حیث قال ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی تو پھر کیا فرق رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صلوٰۃ میں اور اس میں فرق ہے ۱۲ منہ

بفتح تا، پڑھا ہے جس کے معنے ہیں مُہر کے کہ آپؐ سب نبیوں کی مہر ہیں۔ جب کسی چیز پر بند کر کے مہر لگا دیتے ہیں تو اس میں اور نہیں داخل ہوتی۔ اسی طرح آپؐ سے سلسلۂ نبوت کو تمام کر کے اس پر مہر کر دی گئی کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آوے گا۔ اور دوسرے قرا نے بکسر تا، اسم فاعل کا صیغہ قرار دیا ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے احادیث صحیحہ میں بھی تصریح آگئی ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ قصر نبوت میں ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی سو وہ اینٹ آپؐ ہیں۔ اس کو بخاری و مسلم و احمد و ترمذی وغیرہ نے مختلف صحابیوں سے روایت کیا ہے۔ مختلف عبارات میں۔ اور اسی پر تمام امت کا اتفاق ہے اور اجماع۔

خاتم النبیین پر دلیلِ عقلی

اور دلیلِ عقلی اس پر یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے سیکڑوں انبیاء دنیا میں آئے اور گمراہی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، طرح بطرح احکام کے تبدیل و تغیر کرنے سے اصلاحیں ہوتی رہیں آخر جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ آپؐ کے عہد میں پوری کر دی گئی۔ رہیں نئی پیش آنے والی ضرورتیں ان کی تدبیر بھی کتاب و سنت میں رکھ دی گئی ہے۔ وقتاً فوقتاً مجدد یا مجتہد یا حکیم امت کتاب و سنت سے وہ حاجت برآری کر سکتے ہیں۔ نئے نبی بھیجنے میں سیاستِ ملیہ میں بڑا انقلاب واقع ہوتا ہے جس میں ہزاروں گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس مشقت اور زحمت کو اپنے بندوں سے دور کر دیا جس کی طرف وکان اللّٰہ بکل شیٔ علیماً میں اشارہ ہے کہ عواقب امور اللہ کی نظر میں ہیں اس کی مصلحت وہ خوب جانتا ہے اور نیز آیندہ آیات میں اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ حضرتؐ کے بعد قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آویں گے جیسا کہ اہل اسلام بلکہ عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے۔ پھر آپؐ خاتم کیوں کر ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نئے نبی نہیں ہیں بلکہ وہ آپؐ سے پہلے ہو چکے ہیں اور زمین پر آ کر حضرتؐ کے دین کی اشاعت کریں گے آپؐ کے نائب ہو کر۔

بندوں پر خدا نے ایسے نبی کے بھیجنے سے بڑا احسان کیا ہے اس لیے اس نعمت کے شکریہ میں حکم دیتا ہے: یایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا کہ اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اور بعثتِ انبیاء سے مقصود بھی یہی ہے کہ بندے اپنے اللہ کو یاد کیا کریں۔

وسبحوہ بکرۃ واصیلا اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔ سبحان اللّٰہ بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم کہو۔ بری باتوں سے اس کی پاکی بیان کرو کہ وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔ بعض علماء نے اس سے صبح اور عصر کی نماز مراد لی ہے ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل کے بہت کچھ فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ انسان کی دنیا کی کمائی میں سے یہی بڑا حصہ ہے پھر جس کو خدا نصیب کرے۔

ھو الذی یصلی علیکم وملٰئکتہ صلوٰۃ کا لفظ جب اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے اور جب ملائکہ کی طرف تو استغفار۔ مگر یہاں مراد معنی مشترک ہیں وہ عنایت و توجہ بطرف اصلاحِ کارِ بندگان۔ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ اللہ اور عالمِ بالا کو تمہارے حال پر مہربانی ہے اس لیے اس نے رسول بھیجا۔ لیخرجکم من الظلمٰت الی النور تم کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لاوے۔

وکان بالمؤمنین رحیما وہ مومنین پر نہایت مہربان ہے۔ یہ دنیا کی رحمت ہے۔ اور آخرت میں تحیتھم یوم یلقونہ سلٰم جس دن ملیں گے، یا

مرنے کے بعد وہ ان سے السلام علیکم کہے گا جس کے معنی یہ کہ تم پر سلامتی ہو۔ واعد لھم اجرا عظیما۔ اور ایمان داروں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کی شرح کرتا ہے کہ نبی کریم کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال یایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا کہ اے نبی ہم نے (یہ نہیں کہ از خود بن گیا) تجھ کو بھیجا ہے شاہد اور مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر۔ شاہد بھی ہے عقول آراء لوگوں کے تعارض میں اور عادات و رسوم کے اختلاف میں اور تجارب کی کشمکش میں کہ جہاں کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ رائے لگاتا ہے خدا کی طرف سے اصلی اور سچی بات کے حق ہونے کی شہادت یعنی گواہی دیتا ہے اسی کی شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے۔ وہی لوگوں کو نیک کاموں کے عمدہ نتیجہ کا مژدہ اور بشارت دے کر کمر ہمت بندھوا دیتا ہے سعادت حاصل کرنے میں سرگرم کر دیتا ہے۔ وہی بارگاہِ کبریائی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اس کے حکم سے اس کے گھر میں جا کر نعمتیں حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے صلائے عام پکارتا ہے کہ ادھر آؤ شہنشاہِ حقیقی کی بارگاہ میں تم کو میں لے چلوں، میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ کوئی مانع نہ ہوگا۔ وہی سراج منیر چراغ روشن ہے۔ (سراج منیر محاورہ عرب میں آفتاب کو کہتے ہیں) تمام دنیا ظلمات اور اندھیروں میں ٹکراتی پھرتی تھی، جب اللہ تعالیٰ کا یہ آفتاب جہاں تاب مکہ کے پہاڑوں پر جلوہ گر ہوا اس نے مشرق سے مغرب تک کو منور کر دیا۔ جس نبی میں یہ اوصاف ہوں اور اس نے دنیا کو منور کر دیا ہو اس کے بعد اور نبی آ کر کیا کرے گا۔ ایک آفتاب کے بعد دوسرے کی کیا ضرورت؟

اس کے بعد خود اس صلائے عام کا بھی علیہ السلام کو حکم دیتا ہے۔ فقال وبشر المؤمنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا کہ ایمان داروں کو خوشخبری دے کہ اللہ کا ان پر بڑا فضل ہے دنیا میں ان کو ہر طرح سے سرفرازی دے گا آخرت میں اجر عظیم دے گا۔

اب رہے کافر و منافق جو تصدیق نہیں کرتے اور طرح بطرح کے بہتان باندھتے اور طعن کرتے ہیں اور آپ کو اپنی مرضی کے موافق کرنا چاہتے ہیں پس ولا تطع الکفرین والمنٰفقین ان کا کہنا نہ مان ودع اذاھم اور ان کی تکلیف اور ایذا سے درگزر کرو وتوکل علی اللہ اور اللہ پر بھروسہ رکھو یہ تمہارا کیا کر سکتے ہیں وکفی باللہ وکیلا اور اللہ کارسازی کے لیے بس ہے۔ آپ کو ان کی کیا احتیاج ہے جو نہیں مانتا نہ مانے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ
اے ایمان دارو! جب تم مومن عورتوں سے

الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ
نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے

قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ
پہلے ہی طلاق دیدو تو تمہارے لیے ان پر کوئی

مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ
عدت نہیں کہ جس کی تم کو گنتی پوری کرنی پڑے پس ان کو کچھ دیدو

وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا (۴۹)
اور خوش اسلوبی سے چھوڑ دو

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ
اے نبی ہم نے آپ کے لیے وہ بیویاں

اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ
حلال کر دیں کہ جن کو آپ نے ان کا مہر دیدیا

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ
اور وہ عورتیں بھی جو آپکے ہاتھ لگیں اس غنیمت سے جو اللہ نے
عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ
تم کو عنایت کی ہے اور آپکے چچا کی بیٹیاں اور پھوپی کی
عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ
بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور
خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً
بھی وہ جو آپکے ساتھ ہجرت کرکے آئی ہیں اور وہ ایماندار
مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ
عورت بھی جو اپنی جان نبی کو بخشدے
اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ق
بشرطیکہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے
خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
(یہ) خالص آپکے لیے ہے نہ کہ اور مسلمانوں کے لیے
قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ
ہم کو معلوم ہے جو کچھ ہم نے مسلمانوں پر ان کی
اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ
بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کر دیا ہے
لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط وَ
تاکہ آپ پر کوئی دقت نہ رہے اور
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾
اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب

وامراۃ منصوب بفعل محذوف یفسرہ ماقبلہ اے احللنا لک امراۃ مؤمنۃ ویمکن ان یکون معطوفا علی ما سبق ولا یمنعہ ان التی للاستقلال فی قولہ ان وہبت لان المراد بالاحلال الاعلام بالحل اذا وقع الفعل علی ذلک کما یقال ابحت لک الکلام بزید ان سلم علیک خالصۃ یمکن ان یکون حالا من الضمیر فی وہبت وان یکون صفۃ المصدر ای ہبۃ ویجوز ان یکون مصدرا ای اخلصنا لک ذلک اخلاصا وقد جاءت فاعلۃ مصدرا مثل العاقبۃ۔

تفسیر

اوّل حکم

زینبؓ کے نکاح کا حضرتؐ سے پچھلی آیتوں میں تذکرہ تھا۔ اس لیے کچھ احکام نکاح و طلاق و عدت کے متعلق بیان فرماتا ہے فقال یایہا الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیہن من عدۃ تعتدونہا یہ ایک حکم ہے کہ جس ایمان دار عورت سے نکاح ہوا پھر اس کے پاس جانے سے پہلے اس کو طلاق دینے کی ضرورت پڑ جاوے تو اس عورت کے لیے کوئی عدت نہیں کہ جس کو تم گنو۔ اس کو اختیار ہے کہ طلاق کے بعد فوراً اور سے نکاح کرلے من قبل ان تمسوھن ہاتھ لگانے سے پہلے۔ اگر اس کے معنی صحبت کرنا لیا جاوے تو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دینے میں عدت نہیں۔ اس سے یہ بات پیدا ہوگئی اگر صحبت نہیں کی اور خلوت ہوئی تب بھی عدت نہیں جیسا کہ امام شافعی کہتے ہیں۔ اور اگر اس لفظ کو عام لیا جاوے کہ جس میں خلوت بھی آگئی تو یہ معنی ہوں گے کہ صحبت اور خلوت سے پیشتر طلاق دینے میں عدت نہیں پس اگر خلوت کا اتفاق ہوا اور صحبت نہ کی اور طلاق دیدی تو عدت بھی لازم ہوگی اور مرد کو پورا مہر بھی دینا پڑے گا کیوں کہ خلوت بمنزلہ صحبت کے ہے اور اس بات کا امتیاز کہ خلوت کے بعد صحبت کی

یا نہیں مشکل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا یہی قول ہے اور قرطبی اور ابن کثیر نے اس بات پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ مسئلہ اجماعی ہے۔ عدت تین حیض تک نکاح کرنے سے رُکا رہنا۔ اس عرصہ میں عورت اور سے نکاح نہ کرے اور جو حیض نہیں آتا تو تین مہینے تک بند رہے۔

المؤمنٰت کا لفظ یہ کہتا ہے کہ حکم مسلمان عورت کے لیے ہے مگر حکم عام ہے۔ اگر اہلِ کتاب کی عورت سے نکاح کر کے صحبت سے پہلے طلاق دیدی تو اس کے لیے بھی عدت نہیں۔ مگر مؤمنات کا لفظ اس لیے آیا کہ مسلمان کو بہتر یہی ہے کہ مسلمان ہی عورت سے نکاح کرے اور ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ پس یہ قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے کہ یوں ہی اتفاق ہوا کرتا ہے

نکاح کے لغوی معنی صحبت کرنے کے ہیں مگر قرآن میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے تو اس سے مراد عقد ہے خواہ بطور حقیقت خواہ بطور مجاز۔

فما لکم کا لفظ یہ کہہ رہا ہے کہ عدت میں عورت کو رکھنا مرد کا حق ہے اگر وہ عدت میں نکاح کرنا چاہے تو یہ اس کو روک سکتا ہے۔

تعتدونھا من عدت الدراہم اس کے معنی گنتی کے ہیں اور بعض نے اس کو بالتخفیف بھی پڑھا ہے تو یہ اعتدار بمعنی ظلم سے ہوگا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان پر اس صورت میں عدت نہیں کہ جس کے اندر تم ان پر زیادتی کرو۔ والاول اقویٰ۔

دوسرا حکم

شریعت نے عورت کے لیے عدت اس لیے مقرر کی ہے کہ حمل کا حال معلوم ہو جاوے اگر فوراً نکاح کرے یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے خاوند کا حمل ہے یا دوسرے کا۔ جب صحبت نہیں تو پھر عدت سے کیا فائدہ؟ فمتعوھن و سرحوھن سراحًا جمیلا یہ دوسرا حکم ہے کہ ان کو متعہ دو اور صاف طور سے چھوڑ دو پھر ان سے کوئی دعویٰ نہ رکھو۔ یہ نہ ہو کہ اُدھر ہی لٹکائے رکھو۔

متعہ اس عطیہ کا نام ہے جو خاوند کی طرف سے طلاق کے بعد بیوی کو دیا جایا کرتا ہے۔ جس کی تعیین میں علماء کا کسی قدر اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کے نزدیک تین کپڑے ہیں اور وہ کس قیمت کے ہوں؟ یہ غنی اور تنگ دست کے حال پر چھوڑا گیا ہے۔ کما قال علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ (سورہ بقرہ) مگر اس کی قیمت نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہ ہو۔ امام شافعیؒ نے اس کی مقدار حاکم کی رائے پر ٹھیرائی ہے۔

اب کلام ہے تو اس میں ہے کہ ایسی عورت کو کہ جس کو صحبت سے پہلے طلاق دی گئی ہو اس کو متعہ دینے سے کیا مراد ہے؟ کیا واجب ہے یا مستحب اور اس کے سوا اس کو اور بھی کچھ ملنا چاہیے یا نہیں؟ یہ مسئلہ سورہ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے کما قال وان طلقتموھن

ف والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء۔ وقولہ تعالیٰ والّٰئِی یئسن من المحیض من نساءکم ان ارتبتم فعدتھن ثلٰثۃ اشھر ان آیتوں میں جو طلاق دی ہوئی عورت کے لیے تین حیض یا تین مہینے کی عدت بیان فرمائی ہے ان سے مراد وہ عورت ہے کہ جس سے صحبت کی ہو۔ اس لیے صحبت نہ کی ہوئی عورت کی عدت کا حال بیان کر دیا کہ اس کے لیے کوئی عدت نہیں۔ ابن التبری کہتے ہیں کہ یہ آیت پہلی دونوں آیتوں کے عموم کی مخصص ہے ۱۲ منہ

من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الآیۃ ان دونوں آیتوں پر نظر کر کے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر اس عورت کے لیے مہر معین نہیں ہوا اور صحبت سے پہلے طلاق دیدی ہو تو اس کے لیے صرف متعہ دینا واجب ہے مہر کچھ نہ ملے گا۔ اس آیتِ احزاب میں غالباً یہی مراد ہے۔ اور اگر مہر معین ہو چکا ہے تو نصف مہر ملے گا، جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت میں ہے۔ اور متعہ دینا اس صورت میں مستحب ہے نہ واجب۔ یہ اس لیے واجب ہوا کہ آخر اس عورت سے نکاح ہوا ہے گو صحبت نہیں ہوئی اور اس بے چاری کا مہر بھی معین نہیں اور اس پر طلاق کی عار عائد ہوتی ہے ضرور اس کو کچھ دینا شرطِ مودت ہے۔

یاایھا النبی انا احللنا لک ازواجک الّٰتی اٰتیت اجورھن[1] یہاں سے وہ احکام بیان فرماتا ہے جو خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی بابت متعلق ہیں۔ ہم کہہ چکے ہیں بلکہ ثابت کر چکے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ متعدد نکاح جو مدینہ میں آکر ہوئے ان سے غرض یہی تھی کہ اپنی بیویوں کی ایک جماعت بنا کے ان کو دینیات کے سیکھنے پر مامور کریں۔ دراصل یہ بیویاں دینی مدرسہ کی طالب العلم تھیں اور اور اسی نیت سے ان کو زوجیت میں لیا جاتا تھا تاکہ ان کو نان نفقہ سے فراغ بالی ہو جائے اور خلوت و جلوت میں آپ سے مسائل سیکھیں۔ اس لیے ان کے اقسام اور اس مدرسہ کے داخلہ کے دستور اور پھر ان کے اسی غرض کے لحاظ پر حقوق بیان فرماتا ہے۔ ان بیویوں کی کئی قسم تھیں یعنی کئی ایک طور سے آپ کے زنانہ مدرسہ میں ان کا داخلہ ہوا تھا۔

قسمِ اوّل

قسمِ اوّل وہ بیویاں ہیں کہ جن کا معمولی طور پر نکاح ہوا اور آپ نے ان کا مہر ادا کر دیا جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ اجور جمع اجر بمعنی مہر۔ اٰتیت کے یہ معنی نہیں کہ جن کے مہر ادا کیے گئے وہی آپ کو حلال تھیں اور جن کے ادا نہ ہوئے وہ حلال نہ تھیں۔ کیونکہ اگر سرے سے مہر کا ذکر بھی بوقتِ نکاح نہ آوے یا ادا نہ کیا جاوے یا مؤجل قرار پاوے سب صورتوں میں بیوی بالاتفاق حلال ہے۔ بلکہ ایک قیدِ اتفاقی ہے۔ کس لیے کہ عرب میں مہر کم ہوتے تھے اور شوہر ان کو پہلے سے ادا کر ہی دیا کرتا تھا۔ یہ لاکھوں اور ہزاروں کے مہر نہ تھے جو محض فخراً باندھے جاتے ہیں۔ جن کا مبالغہ تو کیا اس کے خاندان سے بھی ادا ہونا مشکل ہے۔ اس آیت کی بابت ابن زید و ضحاک یہ کہتے ہیں کہ اس میں عام اجازت ہے کہ آپ محارم کے سوا جس سے چاہیں بلا تعداد نکاح کر لیں مہر ادا کر دیں وہ مباح ہیں۔ جمہور کا یہ قول ہے کہ یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ بیویوں کی حلت بیان کی گئی ہے کہ جن کا آپ مہر ادا کر چکے تھے۔ اگر تعمیم ہوتی تو بنٰت عمک الخ جو آگے آتا ہے بے کار ہو جاتا۔

قسمِ دوم

قسمِ دوم وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک وہ عورتیں جو آپ کے ہاتھ کا مال تھیں غنیمت میں ہاتھ آئی تھیں، جیسا کہ صفیہ و جویریہ جن کو آپ نے آزاد کر کے

[1] توریت سفر خروج کے بائیسویں باب ۱۶-۱۷ درس میں عورتوں کو مہر دینے کا ذکر ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں:۔ قولہ البتہ وہ مہر دے کے اس سے نکاح کرے۔ وقولہ وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقد دے یعنی مہر مثل یہ وطی بالشبہ وغیرہ کے احکام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ ؑ کی شریعت میں بھی مہر دینا ضروری بات تھی ۱۲ منہ

ان سے نکاح کیا اور اسی طرح ماریہ تھیں کہ جن کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ یہ بھی آپؐ کے مکارم اخلاق میں سے تھا کہ لونڈیوں کو اس مرتبۂ علیا پر پہنچا دیا مما افاء اللہ کی قید بھی اتفاقی ہے ورنہ جو لونڈی خریدی جاوے یا ہبہ سے حاصل ہو وہ بھی حلال ہے۔

قسم سوم

قسم سوم وبنٰت عمک وبنٰت عمّٰتک وبنٰت خالک وبنٰت خٰلٰتک چچا اور پھوپی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیاں بھی حلال ہیں اگر آپؐ ان سے چاہیں نکاح کریں۔ مگر اس میں یہ شرط تھی التی ہاجرن معک کہ وہ ہجرت کر کے تیرے ساتھ بھی آئی ہوں۔ کیوں کہ اگر ہجرت میں شریک نہیں گو مومنہ ہوں ان سے آپؐ کا نکاح درست نہ تھا۔ ترمذی و ابن جریر وطبرانی نے اُمّ ہانیؓ بنت ابی طالب سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے مجھ سے نکاح کی درخواست کی مگر میں نے ہجرت نہ کی تھی اس لیے آپؐ کو منع کر دیا گیا۔

قسم چہارم

قسم چہارم وامراۃ مؤمنۃ ان وہبت نفسہا للنبی وہ عورت جو اپنا نفس نبی کو بخش دے۔ یعنی وہبت لک نفسی کے صیغہ سے نکاح میں آئے وہ بھی آپؐ کے لیے حلال تھی۔ مگر صرف اس کا یہ کہہ دینا آپؐ کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا تھا کہ آپؐ اس کو خواہ مخواہ اپنی زوجیت میں داخل ہی کر لیں بلکہ آپؐ کی مرضی پر منحصر تھا کما قال ان اراد النبی ان یستنکحہا بشرطیکہ نبی کو اس سے نکاح کرنا بھی منظور ہو تب اس کا وہبت نفسی کہنا ایجاب نکاح تھا اور آپؐ کا قبلت فرمانا قبول۔ انہیں لفظوں سے عقد ہو جاتا تھا۔ مگر اس میں بھی یہ شرط تھی کہ وہ عورت مؤمنہ ہو یعنی مسلمان۔ کتابیہ حضرتؐ کے نکاح میں نہیں آتی تھی۔ گو امت کے لیے کتابیہ سے نکاح درست ہے۔ مگر آپؐ کے بلند مرتبہ کے لائق یہ ناپاک باطن درست نہ تھی۔ خالصۃ لک من دون المؤمنین یہ نکاح بہ لفظ ہبہ و بغیر مہر و شہود خاص حضرتؐ کے لیے درست تھا نہ اور کسی مسلمان کے لیے۔

بعض علماء نے جیسا کہ سعید بن المسیب و زہریؒ مجاہد و عطاء و ابن ربیعۃ و شافعی و مالک ہیں خالصۃ لک میں نکاح بہ لفظ ہبہ کو بھی لیا ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح اور کسی سے نہیں ہو سکتا یہ خصوصیت حضرتؐ کی تھی۔ مگر اور علماء خصوصاً کوفہ کے علماء جن میں ابراہیم نخعی اور ابو حنیفہ ہیں یہ کہتے ہیں کہ اوروں کا نکاح بھی ہبہ اور تملیک کے لفظ سے ہو سکتا ہے اور آپؐ کی اس میں خصوصیت نہ تھی۔ خصوصیت صرف مہر اور گواہ نہ ہونے میں تھی بعض علماء کہتے ہیں کہ خود حضرتؐ کا بھی کوئی نکاح بہ لفظ ہبہ نہیں ہوا کس لیے کہ موہوبہ عورت کے بارے میں ان اراد النبی ان یستنکحہا کا لفظ وارد ہے۔ جو کوئی عورت یہ لفظ کہتی تھی تو گویا اپنا منشاء ظاہر کرتی تھی کہ میں نے اپنی جان کو دینی کاموں کے لیے نبی کی خدمت گزاری کے واسطے ہبہ کر دیا۔ اس کے بعد آپؐ اس میں صلاحیت دیکھ کر اس کو زوجیت میں داخل کرتے تھے۔ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ و مجاہد کہتے ہیں کہ حضرتؐ کے گھر میں ایسی کوئی عورت نہ تھی کہ جو صرف نفس کو ہبہ کر کے آئی ہو۔ بلکہ جس قدر عورتیں آپؐ کے پاس تھیں یہ وہی تھیں کہ جن سے نکاح کیا تھا اور یہ بات بطور شرط و جزاء کے آیت میں ہے کہ اگر کوئی عورت ایسا کرے تو جائز ہے نہ یہ کہ ایسا کسی نے کیا بھی تھا۔ اور علماء کہتے ہیں کہ ہاں ایسی عورتیں تھیں۔ پھر کسی نے کہا ہے وہ زینب بنت

خزیمہ ہلالیہ تھی جس کو ام المساکین کہتے تھے۔ عروہ کہتے ہیں وہ خولہ بنت حکیم تھی قبیلہ بنی سلیم کی۔

چوتھی قسم کے سوا ان احکام نبویہ میں اور مسلمان بھی شریک ہیں البتہ تعداد میں شریک نہیں یہ چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اس لیے فرماتا ہے قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم کہ ان باتوں میں اور مؤمنین بجمیع وجوہ شریک نہیں ہیں نہ چار سے زیادہ جمع کر سکتے ہیں نہ بغیر مہر کے نکاح باندھ سکتے ہیں۔ ان کے اوپر جو کچھ حقوق زوجیت ہم نے مقرر کیے ہیں وہ ہم کو معلوم ہیں ہم ان کو بھول نہیں گئے ہیں کہ ان کو بھی ان کے حقوقِ مقررہ کو نسیاً منسیاً کر کے نبی کے ساتھ شریک کر دیا جاوے۔ اور نہ صرف بیویوں ہی کے حق بلکہ وما ملکت ایمانھم ان کی لونڈیوں کے بارے میں جو حقوق ان پر مقرر ہیں (اہل الذمہ کی عورت لونڈی نہیں ہو سکتی حربی کی ہو سکتی ہے) اور ان کے کھانے پینے کی رعایات اور حسن سلوک وغیرہ وہ بھی ہم کو معلوم ہیں یہ جملہ معترضہ ہے درمیان خالصۃ لک من دون المؤمنین کے اور درمیان لکیلا یکون علیک حرج کے اور کیلا بیانِ سابق سے متعلق ہے کہ یہ احکام مذکورۂ بالا ہم نے تیرے لیے اے نبی اس لیے نافذ کیے کہ تجھ پر تنگی نہ ہو اور کوئی حرج واقع نہ ہو بلکہ سہولت اور وسعت ہو جاوے و کان اللہ غفوراً رحیماً اور اللہ جو ہے تو بخشنے والا مہربان ہے۔ بندوں سے جو احکام کی تعمیل میں کوئی قصور ہو جاوے تو اس پر بھی ہم معاف کر دیتے ہیں اور مہربانی کرتے ہیں۔ اور ہماری مہربانی تھی جو تم پر سہل احکام نازل کیے۔

اس مقام پر کتب اصول فقہ میں ایک دلچسپ بحث کی ہے۔ جس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔

بحث قد علمنا ما فرضنا

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مہر کی کوئی مقدار شرع سے قائم نہیں کی۔ زیادہ سے زیادہ کہیں تک ہو اور کم سے کم پیسے دو پیسے تک کا ہو سکتا ہے۔ جو چیز معاملاتِ بیع و شرار میں قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ مہر ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔ اہلِ ظواہر کے نزدیک قرآن مجید کی تعلیم بھی مہر ہو سکتی ہے اور ایسی قسم کی خدمات بھی۔ ان کے دلائل بہت سی صحیح احادیث و اقوالِ صحابہ ہیں۔ مگر علمار کا ایک فریق کہ جن میں امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں مہر کی مقدار کمی کی جانب میں شارع کی طرف سے دس درہم ٹھہراتے ہیں کہ زیادہ کا شوہر کو اختیار ہے۔ مگر کم دس درہم سے نہ ہو۔ کیوں کہ یہ کمی کی حد شرع نے مقرر کر دی ہے ان کے پاس بھی بہت سے دلائل ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ آیت ہے۔

فرض کے لغت میں معنی قطع کے ہیں۔ اس کا استعمال کبھی بمعنی ایجاب ہوا ہے اور کبھی بمعنی تقدیر یعنی اندازہ کرنا اور عرفِ شرع میں اس کا اخیر معنی میں اس قدر استعمال ہوا ہے کہ منقول ہونے کے بعد گویا حقیقت عرفیہ ہے۔ فرض کے معنی اندازہ کرنا اور جب اس کو متکلم کی طرف مستند کیا تو یہ معنی ہو گئے کہ ازواج کے بارے میں جو کچھ ہم نے ٹھہرا دیا ہے یعنی اس کا اندازہ مقرر کر دیا ہے وہ ہم کو معلوم ہے اور کلام مہر میں ہے پس ثابت ہوا کہ مہر اللہ نے ٹھہرا دیا اور اس کی حد مقرر کر دی۔ زیادہ کی حد کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، البتہ کم سے کم کی حد مقرر کی۔ اور یہ مہر ایک عضو مخصوص کا عوض ہے۔ اور شرع نے کم سے کم اعضا کے قطع میں جو مقدار قائم کی ہے وہ دس درہم ہے۔ دس درہم سے کم پر چوری کرنے میں ہاتھ نہیں کٹتا۔ معلوم ہوا کہ اس عضو کی قیمت یہ ہے پس اس عضو کو اس پر قیاس کر لیا۔ اس کی بھی دس درہم سے

کم قیمت نہ ہونی چاہیے اور آثارِ صحیحہ میں بھی اس کا بیان آگیا ہے اور صحابہ اور تابعین میں سے بھی اس طرف لوگ گئے ہیں۔ مگر اس دلیل میں فریقِ ثانی کو بہت کچھ کلام ہے۔

دوسری بحث
لونڈی غلاموں کی بابت

اس وقت کے نوتعلیم یافتہ یہ کہتے ہیں کہ غلام لونڈی رکھنا انسانی ہمدردی کے برخلاف اور نہایت مکروہ کام ہے پھر تعجب ہے کہ پیغمبرؐ نے اس کو روا رکھا۔ اور بہائم کی طرح سے لونڈی غلاموں کو خدمات پر مامور کرنے کی اجازت دی، لونڈیوں سے مباشرت کرنا جائز سمجھا۔ یہ بات پہلے انبیاء کے بھی برخلاف ہے۔

اس کا جواب بعض آزاد لوگوں نے قرآن و احادیث میں تاویل و تحریف کر کے یہ دیا ہے کہ اسلام میں یہ فعل درست نہیں ہے۔ مگر عقلاء کے نزدیک یہ جواب ہو نہیں سکتا۔ کس لیے کہ وہ کہاں تک قرآن و احادیث کی الٹ پلٹ کریں گے پھر بھی یہ فعل اسلام میں ثابت ہی رہے گا۔ خصوصاً یہ آیات بہ آوازِ بلند کہہ رہی ہیں کہ اسلام نے لونڈیوں کی معاشرت کی بابت کچھ حقوق مقرر کر دیے ہیں اور لونڈیوں سے صحبت کرنا جائز ہے کما قال تعالیٰ:

قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم اور اس سے پہلے کی یہ آیت انا احللنا لك ازواجك التی اٰتیت اجورھن وما ملکت یمینك مما افاء اللہ علیك وبنت عمك الخ

اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک آسمانی سلطنت قائم کی ہے جس کا وعدہ اگلے انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰؑ کی معرفت ہوا تھا۔ اس سلطنت کا بادشاہ یا دنیا میں قائم کرنے والا حضرت محمد علیہ السلام ہیں۔ دنیاوی سلطنتیں خاص جہانداری اور حقوقِ عباد کے لیے ہیں۔ اس سے بڑھ کر خداوندی حقوق کا وہ مطالبہ نہیں کرتیں۔ بلکہ آج کل کی شائستہ سلطنتیں ایسے حقوق کے مطالبہ کو برا جانتی ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی خدا تعالیٰ کو اور اس کے جمیع برگزیدہ انبیاء و اولیاء کو برا کہے بت کو پوجے اس کا انکار کرے کچھ پروا نہیں۔ لیکن آسمانی سلطنت سب سے اول انہیں حقوق کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ ایسے جرموں کی سزائیں دے۔ اور خصوصاً کفر و شرک کے جرم کا مطالبہ سخت کرے، مگر رحم دلی کے ساتھ اس سلطنت میں برتاوا کیا گیا ہے۔ اول ان لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے اگر نہ مانیں تو اس سلطنت کے خلاف میں ہونے سے ممانعت کی جاتی ہے اور ماتحتی پر مامور کیا جاتا ہے اگر پھر بھی وہ مقابلہ پر آویں تو جنگ ہوتی ہے جس میں بجز قتلِ طرفین کے اور کیا ہوا کرتا ہے مگر عورتوں اور بچوں اور بڈھوں کو اس جوش کے وقت میں بھی اس سے محفوظ رکھا ہے پھر جو لوگ کہ قتل سے آزاد کیے جاتے ہیں ان کو لونڈی غلام بنایا جاتا ہے۔ پھر ان کے آزاد کرنے کی یہاں تک تاکید اور ثواب بتلایا گیا ہے کہ جو بہت کو آزادی دلا دی جاتی ہے اور غلامی کی حالت میں ان کے وہ حقوق قائم کیے ہیں کہ جو اور قوموں میں آزاد لوگوں کے لیے بھی نہیں۔ یہ داغِ غلامی صرف اس جرمِ آسمانی کی یادگاری ہے۔

اب بتلاؤ کہ اس میں بے رحمی ہے یا ان کے قتل کر ڈالنے میں جیسا کہ موسیٰؑ کی شریعت میں ہوا۔ کیا اس میں دنیاوی جرائم کی قیدوں سے زیادہ بے رحمی ہے؟ موسیٰؑ کی شریعت میں بھی غلام لونڈی رکھے جاتے تھے۔ دیکھو توریت سفر احبار ۲۵ باب ۴۴ درس۔

ف۱ توریت سفر احبار کے ۲۴ باب ۱۶ درس میں کفر بکنے والے کو ضرور مار ڈالنے کا حکم ہے ۱۲ منہ

تُرْجِیْ مَنْ تَشَاۤءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْۤ
آپ ان بیویوں میں سے جس کو چاہیں الگ رکھیں اور جس کو چاہیں
اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۤءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ
اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو آپ نے الگ کر دیا تھا
مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ
اپنے پاس بلاؤ تو بس اس پر کچھ بھی گناہ نہیں۔
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا
یہ اس لیے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں رنج
يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ
نہ کریں گی اور جو کچھ بھی آپ ان کو دیں اس پر سب خوش رہیں
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ
اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ
اللہ جاننے والا تحمل والا ہے۔ نہ اس کے بعد آپ کے
النِّسَاۤءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ
لیے اور عورتیں حلال ہیں اور نہ یہ کہ ان کو بدل کر
بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ
اور عورتیں کر لو گو آپ کو ان کی
حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ
صورت بھلی معلوم ہو مگر آپ کے ہاتھ کا مال (لونڈیاں درست ہیں)
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع
اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

ترکیب

من ابتغیت من موضع نصب بابتغیت وہی شرطیۃ والجواب فلا جناح علیك ویمکن ان یکون مبتدأ۔ والعائد محذوف ای والتی ابتغیتها والخبر فلا جناح۔ کلهن منصوب علی توکید الضمیر فی آتیتهن والرفع علی توکید الضمیر فی یرضین۔ من ازواج من مزیدۃ لتاکید الاستغراق و لو اعجبك حال من فاعل تبدل والتقدیر مفروضا اعجابك بهن الا ما ملکت استثناء من النساء۔ وهو فی موضع رفع بدلا من النساء او فی موضع نصب علی اصله۔

تفسیر

ان آیات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بیویوں کی بابت معاشرت کے متعلق احکام سناتا ہے اور ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بیویاں در اصل مدرسہ دینیہ کی طالب علم تھیں جو بوجہ مذکورہ ان کو ازواج میں داخل کیا گیا تھا، احکام آئندہ کے لیے اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

فقال ترجی من تشاء منهن وتؤی الیك من تشاء ترجی مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح سے آیا ہے۔ ارجاء تاخیر ارجئه اخره۔ اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت شب باشی کے بارے میں ہے کہ آپ کو اختیار ہے جس کو چاہیے موخر کیجیے ساتھ نہ سوئیے اور جس کو چاہیے اپنے پاس بلائیے۔ یہ ایک حکم خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ آپ پر شب باشی میں برابری رکھنا واجب نہ تھا، بلکہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا جس کے پاس چاہیں رات کو رہیں جس کے پاس چاہیں نہ رہیں۔

بخاری و مسلم نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں ان عورتوں پر جو اپنے نفس کو ہبہ کر دیتی تھیں عیب رکھتی تھی پھر جب یہ آیت ترجی الخ نازل ہوئی تو میں نے کہہ دیا کہ یا حضرت! اللہ تعالیٰ تیری خاطر رکھنے میں بہت جلدی کرتا ہے یسارع فی هواك کے یہ معنی ہیں کہ جو بات تجھ پر

شاق گزرتی ہے اللہ اس کو تجھ سے دور کر دیتا ہے اس کو تیری خاطر بہت منظور ہے۔

ابن رزین کہتے ہیں کہ جب امہات المومنین نے حضرتؐ کو نان نفقہ کے بارے میں تنگ کرنا شروع کیا اور آپؐ خفا ہو کر ایک مہینے تک سب سے الگ ہوئے تب آیت تخییر نازل ہوئی اور آپؐ نے سب کو کہہ دیا اگر دارِ آخرت منظور ہے (کہ جس کے لیے تم کو بیوی بنایا گیا) تو جس حال میں رکھا جاوے اس پر رہنا منظور کرو اور جو دنیا مقصود ہے تو آؤ تم کو طلاق دیدوں۔ سب بیویوں نے دارِ آخرت کو منظور کیا۔ سب باری سے رہنا بھی واجب نہ رہا۔ یہ آیت اسی بارے میں ہے۔ کیوں کہ جب ان کو سمجھا دیا گیا کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو تم ایک خاص دینی کام کے لیے بیویوں میں شامل کی گئی ہو۔ بیویوں نے بھی سمجھ لیا کہ ہم اسی لیے ہیں تب سب اس بات پر راضی ہوگئیں اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ آزادی پیغمبر کو حاصل نہ ہو تو ادر سیکڑوں اہم مقاصدِ دینی میں فرق آجاوے، رات دن بیویوں ہی کے جھگڑے سے فرصت و مہلت نہ ملے۔

مگر اس کے بعد بھی حتی المقدور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حقوق میں اپنی طرف سے برابری رکھتے تھے جیسا کہ ابن العربی وغیرہ علماء کہتے ہیں اور اسی پر سب کا اتفاق ہے اور اُس حدیث سے کہ جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے یہی سمجھا جاتا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ہماری باری کے دن جو آپؐ اور بیوی کے پاس رہنا چاہتے تھے تو ہم سے اجازت لیتے تھے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد۔

شعبی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت طلاق کے بارے میں ہے کہ جس کو آپؐ چاہیں طلاق دیں جس کو چاہیں رکھیں آپؐ کو اختیار ہے۔ ابنِ عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

اور حسن کہتے ہیں کہ یہ آیت نکاح کے لیے ہے کہ جس سے چاہیں آپؐ نکاح کریں جس سے چاہیں نہ کریں۔ آپؐ کو نکاح کی عام اجازت دی گئی ہے۔ اس تقدیر پر علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت ناسخ ہے اگلی آیت لا یحل لك النساء من بعد کی۔ و من ابتغیت ممن عزلت اور تو جس کو چاہے پاس بلا لیوے ان میں سے کہ جن کو الگ کر چکا ہے ساتھ سونے سے یعنی جن کے ساتھ سونا ترک کر دیا ہے ان میں سے اگر کسی کو بُلاوے اور ساتھ سُلاوے فلا جناح علیك تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ تتمہ ہے ترجی من تشاء کا۔

ذلك ادنى ان تقر اعینھن ولا یحزن ویرضین بما اتیتھن کلھن یہ اختیار اور تفویض تجھ کو اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہوں اور جو کچھ آپ ان کو دیویں اس سے ہر ایک خوش رہے۔ کس لیے کہ جب ان کو یہ معلوم ہو جاوے گا کہ ہمارا شب باشی میں کوئی حق مقرر نہیں ہے پھر جس قدر آپ جس سے التفات کریں گے وہ اس کو احسان سمجھے گی۔ مگر آپؐ نے اس پر بھی برابری رکھی۔

واللہ یعلم ما فی قلوبکم اور تمہارے دلوں کے حالات کو اللہ خوب جانتا ہے کہ کس کی طرف زیادہ رغبت ہے کس کی طرف کم۔ وکان اللہ علیما حلیما اور اللہ خبردار ہے۔ ہر چیز کا ظاہر و باطن اور ہر چیز کی حکمت و علت اس کو معلوم ہے جو حکم دیتا ہے اس میں مصلحت دیکھ کر دیتا ہے۔ حلیم بھی ہے کہ جو بندوں سے احکام کی بجا آوری میں تقصیر ہوتی ہے تو وہ اس پر جلد عتاب نہیں کرتا۔

دوسرا حکم

لا یحل لك النساء من بعد یہ حضرتؐ کو دوسرا حکم ہے کہ اب آپ کو اور کوئی عورت حلال نہیں۔ مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ ابن عباسؓ و مجاہد و ضحاک و قتادہ و حسن و ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرتؐ کو ان موجودہ

نو بیبیوں کے سوا جو آپؐ کے پاس تھیں جنھوں نے اللہ اور رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا تھا اور عورتوں سے نکاح کرنا منع ہو گیا تھا ان کی اس نیکی کے بدلے میں۔ اور وہ نو بیویاں یہ تھیں۔ عائشہؓ۔ حفصہ بنت عمرؓ۔ ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ۔ سودہ بنت زمعہؓ۔ ام سلمہ بنت ابی امیہ۔ صفیہ بنت حیی بن اخطب۔ جو خیبر کے رئیس یہودی کی بیٹی تھیں۔ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ۔ زینبؓ بنت جحش اسدیہ۔ جویریہ بنت حارثہ مصطلقیہ۔ رضی اللہ عنہن۔ حضرتؐ کی وفات تک یہی موجود رہیں۔ ان کے بعد اور کی اجازت تو درکنار ان کی جگہ اور عورت کا قائم کرنا ممنوع تھا کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ اور دوسری کو لاویں اور نو کے عدد کو پورا رکھیں۔ کما قال ولا ان تبدل بھن من ازواج و لو اعجبك حسنھن مگر اور لونڈی رکھنے کی اجازت تھی کما قال الا ما ملکت یمینك مگر وہ جو تیرے قبضہ میں آجاوے۔ یہ آیت محکمہ ہے اسی پر اخیر تک حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عمل درآمد رہا۔ اور اس کے بعد ایک لونڈی آپؐ کے پاس آئی جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ مقوقس بادشاہ مصر نے ہدیۃً آپؐ کی خدمت میں بھیجی تھی۔ اس سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے، آٹھویں سال ہجری میں ذی الحجہ کے مہینے میں جو شیر خوارگی کے زمانے میں انتقال کر گئے۔ انہیں کی وفات پر حضرتؐ نے فرمایا تھا و انی بفراقك یا ابراھیم لمحزون کہ میں تیری جدائی سے اے ابراہیم غمگین ہوں۔

بعض علماء اس تقدیر پر اس آیت کو منسوخ کہتے ہیں۔ سنت سے اور آیت ترجی من تشاء سے چنانچہ احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی نے عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ کو اجازت عام ہو گئی تھی اور ابی بن کعب و عکرمہ و ابو رزین وغیرہ کہتے ہیں کہ النساء سے مراد وہ نو بیویاں ہیں بلکہ وہ چاروں اقسام جو پہلے مذکور ہوئیں ان کے سوا اور کسی سے آپؐ کو نکاح کی ممانعت تھی اور تعداد اور تبدل میں آپؐ مختار تھے اور اقسام اربعہ ہی کے تبدل سے منع کیے گئے تھے۔ اور انہیں کی تائید کرتا ہے وہ قول کہ النساء سے مراد کتابیات و مشرکات ہیں کہ آپؐ کو مشرک اور اہل کتاب یعنی غیر مذہب والی عورتیں درست نہیں۔ ہاں غیر مذہب والی لونڈیوں کا مضائقہ نہیں۔ کس لیے کہ ام المؤمنین ہونے کا شرف مسلمان عورت ہی کو ہے۔ اور یہی قوی ہے کس لیے کہ مدرسۂ دینیہ کے لائق کافرہ نہیں ان کو نکاح میں لانے سے کیا فائدہ؟ اس صورت میں آیت کو منسوخ کہنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔

وکان اللہ علی کل شیء رقیبا اللہ ہر شے پر محافظ ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے جو کام کرو اس بات کا خیال رکھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا
ایمان والو! نبی کے گھروں میں

بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ
نہ جایا کرو مگر یہ کہ تمہیں کھانا کھانے کے لیے

إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ
اجازت دی جائے بغیر اس کے کہ اس کے پکنے کا انتظار کرو لیکن

إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ
جب بلائے جاؤ تو داخل ہو جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو

فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ
تو اٹھ جایا کرو اور باتوں کے لیے جم کر نہ بیٹھا کرو

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي
کیونکہ اس سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے شرم

مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَ
کرتا ہے اور حق بات کہنے سے اللہ شرم نہیں کرتا اور

إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ

اب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر

مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ

سے مانگا کرو اس میں تمہارے اور ان

لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ط وَمَا كَانَ

کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی ہے اور تم کو

لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَآ

زیبا نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ

أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ط

یہ لائق ہے کہ اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی نکاح کرو

إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللّٰهِ عَظِيمًا ۝۵۳ إِن

البتہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اگر

تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللّٰهَ

تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ

كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝۵۴

ہر بات جانتا ہے۔

ترکیب

الا ان یؤذن فی موضع الحال ای لاتدخلوا الامأذونا لکم۔ الی طعام متعلق بیوذن لانہ فی معنی یدعو غیر نظرین بالنصب علی الحال من الفاعل فی یدخلوا او من المجرد۔ فی لکم ولقرأ بالجر علی الصفۃ للطعام وہو غیر جائز عند البصریین لانہ جری علی غیر ما ہولہ فیجب ان یبرز الفاعل فیکون غیر ناظرین انتم۔ ولا مستانسین معطوف علی نظرین او مقدر بفعل ای ولاتدخلوا ولاتمکثوا مستانسین۔

تفسیر

ازواج مطہرات کے حقوق جو نبی علیہ السلام پر تھے ان کو بیان فرما کر اب وہ حقوق بیان فرماتا ہے جو لوگوں پر ہیں اور نیز بزرگوں کے ساتھ حسن معاشرت کا کیا طریقہ ہے۔

ایک حکم

فقال یا یھا الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر نظرین انٰہ الخ یہ ایک حکم ہے اس میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب کہ تم کو کھانے کی اجازت دی جائے (کھانے کی قید بھی اتفاقی ہے کس لیے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہی سبب تھا کہ حضرتؐ نے زینبؓ کے نکاح پر لوگوں کی دعوت ولیمہ کی۔ لوگ کھا پی کر باتوں میں مشغول ہو گئے جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ چلے جاویں شرم کے مارے کہہ نہ سکے، کئی بار اٹھے کہ لوگ اٹھ جاویں مگر تین آدمی پھر بھی باتوں میں مصروف ہی رہے جب وہ اٹھ گئے تو حضرتؐ گھر میں آرام کے لیے تشریف لائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو بخاری و مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے) تو جاؤ۔ اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ پہلے ہی سے جا کر پکنے کے انتظار میں نہ بیٹھ جایا کرو (اناہ نضجہ وادراکہ یقال انی یانی اذاحان وادرک) جیسا کہ عرب کا دستور تھا ہاں جب تم کو بلایا جائے تو جاؤ۔

۲ دوسرا حکم

پھر جب کھا چکو تو اٹھ جاؤ باتیں کرنے کو نہ بیٹھ جایا کرو۔ (یہ دوسرا حکم ہے) کیوں کہ اس میں نبی علیہ السلام کو تکلیف

ہوتی ہے وہ شرم کے مارے نہیں کہتے لیکن اللہ کو حق بات بیان کرنے سے کوئی شرم نہیں۔ عام مسلمانوں کے گھروں کی بابت بھی یہی حکم ہے۔

تیسرا حکم

واذا سألتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ذٰلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن۔ یہ تیسرا حکم ہے کہ نبیؐ کی بیویوں سے جو کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے باہر سے آواز دے کر مانگا کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی صفائی کے لیے عمدہ بات ہے۔ کس لیے کہ جوان عورت کے آمنے سامنے ہونے میں خطرات پیدا ہوتے ہیں اس آیت کو آیتِ حجاب کہتے ہیں۔

حجاب کا حکم

ابن جریر وغیرہ نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ شب کے وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں حاجتِ ضروری کے لیے باہر جایا کرتی تھیں اور عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرتؐ سے پردہ کرنے کے بارے میں عرض کیا کرتے تھے ایک بار سودہؓ بھی نکلیں لمبے قد کی عورت تھیں عمرؓ نے دیکھ کر کہا اے سودہ! ہم نے پہچان لیا، اس غرض سے کہ پردہ کا حکم نازل ہو۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن سعد نے انسؓ سے نقل کیا ہے کہ پانچویں سال ہجری میں پردہ کا حکم ہوا اور میں اس وقت پندرہ برس کا تھا۔ بخاری نے بھی نقل کیا ہے کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کئی بار عرض کیا کہ آپ کے پاس نیک و بد سب طرح کے آدمی آتے ہیں اگر امہات المومنین کو پردہ کا حکم ہو جاوے تو بہتر ہے پس یہ آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

اور سودہؓ کے بارے میں جو عمرؓ نے فرمایا ہے بخاری کی کتاب التفسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ حجاب کے بعد سودہؓ باہر نکلی تھیں اور یہی حدیث اس اسناد سے کتاب الطہارۃ باب خروج النساء میں موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حجاب سے پہلے کا معاملہ ہے۔

سیوطیؒ کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ اس حدیث میں جو آیا ہے خرجت سودۃ بعد ما ضرب الحجاب۔ اس حجاب سے مراد بدن ڈھانکنا ہے جس کا ذکر سورۂ نور میں آچکا ہے اس کے بعد کسی غیر قوم نے امہات المومنینؓ کو نہیں دیکھا۔ اور یہ حکم گو وقرن فی بیوتکن سے بھی سمجھا جاتا تھا جو اس سے پہلی آیتوں میں آیا تھا مگر یہاں بالکل تصریح ہو گئی۔

اور یہی حکم سب مسلمانوں کی عورتوں کے لیے ہو گیا اور اس وقت سے مسلمانوں میں پردہ کا رواج ہوا۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی عمدہ بات ہے کہ جس کو غیرت مند لوگ ہی جانتے ہیں۔ ہاں جن قوموں میں یہ رسم نہیں (اور بجز اسلامیوں کے اور قوموں میں نہیں اور ہے تو انہیں کی صحبت سے اور عہدِ آدمؑ سے لے کر اب تک کسی قوم میں مروج نہیں) ان کی آزاد طبیعتیں جو چاہیں اس پر طعن کریں اور عورتوں کو قید میں ڈالنا یا اور کچھ کہیں مگر غیرت اور عصمت پسند طبائع اس کو بہت عمدہ رسم کہتی ہیں۔

چوتھا حکم

وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ یہ چوتھا حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذاء اور دُکھ دینا مسلمانوں پر حرام ہے خواہ زبان سے ایذا دی جاوے یا آپؐ سے مخالفت کی جاوے اور آپؐ کے دینِ پاک میں کوئی بدعت ایجاد کی جاوے، یا آپؐ کی یا آپؐ کے اقارب خصوصاً اہلِ بیتؓ کی توہین کی جاوے، حضرتؐ کی ازواجِ مطہرات پر کوئی عیب لگایا جاوے سب حرام ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

پانچواں حکم

ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا یہ پانچواں حکم ہے کہ نبیؐ کے بعد یا آپؐ کے طلاق دینے کے بعد کسی مسلمان کو آپؐ کی بیویوں سے نکاح کرنا ابدًا حرام ہے۔ ایک تو اس لیے کہ وہ مسلمانوں کی دینی مائیں ہیں جو حقیقی ماؤں سے بھی تعظیم و تکریم میں بڑھ کر ہیں اور ماں سے نکاح کرنا حرام ہے دوسرا یہ کہ بیوی مرد کا فراش اور محکوم ہوتی ہے اس کی خدمت کے لیے اس کو آمادہ رہنا پڑتا ہے۔ اگر ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کیا جاوے تو یہی ذلت ان کے لیے بھی ظہور میں آوے۔ اور یہ شانِ نبوت کی پوری توہین ہے اس لیے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان ذٰلکم کان عند اللہ عظیما کہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے اور بڑا گناہ ہے۔

اور وجہ

اگر کوئی کہے اس میں بیویوں کی بڑی حق تلفی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کچھ بھی حق تلفی نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرتؐ کے بعد ان کا نان و نفقہ تو بیت المال کے ذمہ کر دیا تھا۔ اور آپؐ نے بھی اپنی حیات میں ان کو اس سے مطمئن فرما دیا تھا۔ اب رہی خواہشِ نفسانی سو اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو مستغنی فرما دیا تھا۔ ان کے دل میں یہ ہوس باقی نہیں رکھی تھی۔ حضرتؐ کے بعد خود ان کو کسی کی بیوی بننا گوارا نہ تھا۔ اس صحبت کے بعد ان کو کس کی صحبت پسند آسکتی تھی ؎

ذوقِ الطاف تو اے کاش نہ یافت دلم
یاد ہر لحظہ تو اکنوں سبب صد الم ست

اور وجہ

اور سب سے بڑھ کر ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہونے کی ایک اور وجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس کام کے لیے یہ حضرت نبی علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھیں یعنی علوم دینیہ سیکھنے اور پھر اس کے پھیلانے کے لیے، یہ کام ان سے فوت ہو جاتا۔ کس لیے کہ یہ خانہ داری کے جھگڑوں میں اور بال بچوں کے جنجال میں پھنس کر اور دوسرے مرد کی پابند اور محکوم رہ کر کبھی اس کام کو سر انجام نہ دے سکتیں۔

اور وجہ

اور ایک وجہ اور بھی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موت عرضی عارض ہوئی انك میت و انھم میتون مگر اس پر بھی ایک ایسی حیاتِ ابدی حاصل تھی اور ہے کہ جو شہیدوں سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے۔ اس ہادی برحق م کا تعلق اب بھی دنیا میں امت سے وہی ہے اور اسی لیے جسمِ اطہر کو خاک نہیں کھا سکتی اور اسی لیے بہت سے آثارِ غریبہ لوگوں نے مشاہدہ کیے ہیں۔ ان لحاظات سے آپؐ زندہ ہیں اور حیات النبی مشہور ہیں پس زندہ کی بیوی کسی سے کیوں کر نکاح کر سکتی ہے ؟

اور وجہ

ایک اور بھی وجہ ہے کہ بزرگوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنا ان کی گستاخی ہے اس کو طبائع سلیمہ برا جانتی ہیں اور اسی لیے ہندوؤں میں یہ مسئلہ مہاراجوں اور پیشواؤں کے لیے ایجاد ہوا تھا جو ان کی دیکھا دیکھی اور شرفاء اہلِ ہند میں بھی رواج پا گیا۔ غلط فہمی سے برہمنوں نے ازدواج ثانی کو حرام کہہ دیا مگر اسلام نے یہ بات خاص ازواجِ مطہرات ہی کے لیے رکھی ہے اوروں کے لیے نہیں۔ ہاں طبیعت کا اختیار ہے۔ کچھ نکاح ثانی کے لیے مجبور بھی نہیں کیا ہے مگر برسمِ ہنود اس کو ترک کرنا بھی ممنوع ہے

علماء کا اتفاق ہے کہ جو بیوی آپؐ کے نکاح میں آگئی

اس کا نکاح غیر سے حرام ہوگیا، خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو. بعض کہتے ہیں اگر صحبت سے پہلے طلاق دیدی تو درست ہے. کیونکہ اس مستعیذہ نے کہ جس کو صحبت سے پہلے آپؐ نے طلاق دیدی تھی حضرت عمرؓ کی خلافت میں اشعث ابن قیس سے نکاح کیا جس کے سنگسار کرنے کا قصد کیا گیا. مگر جب یہ معلوم ہوا تو چھوڑ دیا گیا (بیضاوی) اور لونڈیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صحبت کی تو ان سے نکاح حرام ہے ورنہ نہیں. اس بارے میں خطرات قلبی سے دل پاک رکھنے کے لیے فرماتا ہے ان تبدوا شیئا او تخفوہ فان اللہ کان بکل شیء علیما.

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ
ان عورتوں پر کچھ گناہ نہیں اپنے باپ کے سامنے ہونے میں نہ
ع ۶ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ
اپنے بیٹوں کے اور نہ بھائیوں کے اور نہ اپنے
اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ
بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور
لَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ
نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنے ہاتھوں کے مال کے (یعنی
اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
غلاموں کے) اور اللہ سے ڈرتی رہا کرو بے شک اللہ
كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾
کے سامنے ہر چیز موجود ہے
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي
البتہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے
النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا
رہتے ہیں ایمان والو تم بھی
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ
اس پر درود اور سلام بھیجا کرو اور جو
الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی
وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَ
اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور
الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ
جو ایماندار مرد اور
الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا
عورتوں کو ناکردہ گناہوں پر ستاتے ہیں
فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾
تو انہوں نے بہتان اور بڑا گناہ اٹھایا۔

ترکیب

لاجناح استیناف فی اباۂن متعلق لمحذوف ای الدخول او مثلہ مایناسب المقام واتقین اللہ استیناف او معطوف علی الکلام السابق لانہ فی معنی الانشاء وان ترکناہ علی ظاہرہ فیجوز عطف الجملۃ الانشائیۃ علی الجملۃ الخبریۃ عند الفصحاء تسلیما مصدر مؤکد

تفسیر

آیت حجاب بظاہر عموم الفاظ کے لحاظ سے یہ کہتی تھی کہ ازواج مطہرات کے باپ بھائیوں و دیگر محارم سے بھی پردہ ہے اور اس میں بڑی دقت تھی اس لیے اس آیت لاجناح علیھن فی اباۂن الخ میں اس بات کو

ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں سے پردہ نہیں۔

کن لوگوں سے پردہ نہیں؟

اس آیت میں ہے کہ ازواج مطہرات کے باپوں اور بیٹوں سے عام ہے کہ حضرتؐ سے ہوں یا ان کے پہلے خاوندوں سے ہوں اور ان کے بھائیوں سے عام ہے کہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی اور ان کے بھتیجوں سے اور ان کے بھانجوں سے اور ان کی خدمت گار عورتوں سے اور ان کے مملوک لونڈی غلاموں سے پردہ نہیں۔

خدمت گار عورتوں سے مراد علماء نے مسلمان عورتیں لی ہیں بقرینہ اضافت نسائھن اور کافر عورتیں جو ازواج مطہرات کے سامنے جاتی تھیں تو ازواج مطہرات ان سے بجز منہ اور ضروری اعضاء کے سب بدن چھپاتی تھیں اور وما ملکت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں صرف لونڈیاں مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں لونڈی اور غلام دونوں۔ بعض نے فیصلہ کیا ہے کہ نابالغ غلاموں کو اندر جانے کی اجازت تھی۔ اس مسئلہ کی کامل شرح سورۂ نور میں ہو چکی۔

اب کلام اس میں ہے کہ ماموں اور چچا کا کیوں ذکر آیت میں نہیں آیا حالانکہ ان سے بھی پردہ نہیں۔ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ ابائھن میں داخل ہیں۔ یعنی یہ بھی باپ عرف میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمیع محارم کا ذکر سورۂ نور میں آچکا ہے یہاں بعض کا ذکر کیا گیا۔ اس حکم کی تائید کے لیے فرماتا ہے واتقین اللہ اور اللہ سے ڈرتی رہو سب باتوں میں خصوصاً پردہ کے امر میں کیوں کہ ان اللہ کان علی کل شیئ شہیدا۔ اللہ کے نزدیک ہر شے حاضر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں۔ درحقیقت احکام الٰہی پر سرگرمی سے عمل جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب انسان اس کو ہر وقت حاضر و ناظر سمجھے گا۔

اس حکم میں بھی اور عورتیں شریک ہیں ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ پردے میں رہا کریں اور بجز محرموں کے اور کوئی اندر نہ جایا کرے اور یہ بھی آواز دے کر۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ کا بیان

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات داخل بیت اطہار کی تعظیم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پر مبنی ہے۔ اس لیے اس کے بعد آں حضرت علیہ السلام کی عزت و عظمت کا حال بیان فرما کر مسلمانوں کو اس کی رغبت دلاتا ہے۔

تفال ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجا کرتے ہیں۔ بخاری نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد ملائکہ کے روبرو آپ کی ثناء وصفت کرنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے مراد دعا کرنا ہے۔ اور ترمذی نے اپنی سنن میں سفیان ثوری وغیرہ بہت سے اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے استغفار ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ مرتبہ بتلاتا ہے جو اس کے نزدیک اور ملاء اعلیٰ میں ہے کہ اللہ اس کی ثناء وصفت ملاء اعلیٰ میں بیان کرتا ہے اور آپ پر رحمت بھیجا کرتا ہے اور ملائکہ آپ کے لیے دعاء خیر کیا کرتے ہیں پس مسلمانوں کو بھی یہی کرنا چاہیے

مقصد یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور ان کے متعلق احکام اور مخالفوں کے طعن سے یہ نہ سمجھ لینا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک معمولی آدمی ہیں ہماری طرح سے آپ کے ساتھ بھی دنیاوی جھگڑے لگے ہوئے ہیں۔ نبی کو دنیاوی باتوں زن و فرزند سب سے الگ تھلگ رہ کر ملائکہ کی طرح

رہنا چاہیے۔ یہ خیال نہ کرنا یہ باتیں بشریت کے لوازمات میں سے ہیں۔ روحانی طور پر آپؐ ملائکہ سے بھی بڑھ کر ہیں۔ کیوں کہ عالم ملکوت کے بادشاہ اور اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ وہ ملائکہ کے بھرے دربار میں آپؐ کی ثنا وصفت کرتا ہے اور دربار کے ملائکہ آپؐ کے لیے دعا کرتے ہیں اور مدح میں شریک ہوتے ہیں۔

ابحاث

(۱) صلوٰۃ کے معنی بلحاظ اللہ اور ملائکہ کے مختلف ہیں اور کتب اصول فقہ میں اس بات کو بڑے زور سے ثابت کیا ہے کہ ایک لفظ بول کر ایک ہی استعمال میں نہ تو حقیقی و مجازی دونوں معنی مراد لے سکتے ہیں نہ ایک لفظ مشترک المعانی کے ایک سے زیادہ معنی مراد لے سکتے ہیں۔ اور اس لفظ یصلون میں اللہ اور ملائکہ دونوں شریک ہیں اور لامحالہ دو معنی لینے پڑتے ہیں۔ پس اس کا جواب صاحب توضیح وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اس مقام پر ایک معنی مجازی ایسے وسیع مراد ہیں کہ جو حقیقی اور مجازی دونوں معنی کو شامل ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں اور یہی حقیقت لغوی ہے اور اس کے علاوہ مجازی اور وہ معنی مجازی ارادۂ خیر ہیں جو رحمت الٰہی اور استغفار و دعا ملائکہ کو بھی شامل ہیں اور اسی معنی میں مسلمانوں کو اقتدا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ اور بعض نے دوسرا لفظ یصلون محذوف مانا ہے وفیہ ما فیہ۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ ضمیر واحد اور کلام واحد میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو ملانا جائز نہیں۔ مگر محققین کہتے ہیں اگر ملانا اس طور سے ہو کہ جس سے دونوں کی برابری سمجھی جاوے تو ممنوع ہے جیسا کہ آپؐ نے اس خطیب کو کہ جس نے ومن یعصہما کہا تھا بئس الخطیب فرمایا کہ برا خطیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا ومن یعص اللہ ورسولہ۔ اور اس طرح سے نہیں تو جمع کرنا جائز ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ صیغہ یصلون میں اللہ اور ملائکہ دونوں شامل ہیں۔ اور نیز صحیح بخاری میں آیا ہے کہ خیبر کے مقام پر آپؐ نے منادی سے کہا کہ یہ پکار دے ان اللہ ورسولہ ینھیانکم عن لحوم الحمر الاھلیۃ۔

یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔ جب اللہ اور ملائکہ آپؐ کی تعظیم کرتے ہیں تو ایمان والو! تم بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو اور سلام۔ بخاری اور مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت آپ پر سلام کہنا تو ہم کو معلوم ہو گیا ہے صلوٰۃ آپ پر کس طرح سے بھیجنی چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا یوں کہو اللھم صل علی محمد وعلی اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید۔ اور ابن ابی شیبہ و عبداللہ بن حمید و احمد و نسائی نے طلحہ بن عبید اللہ سے اٰل ابراھیم بھی دونوں فقروں میں نقل کیا ہے۔ اور دیگر احادیث صحیحہ میں اور طور سے بھی صلوٰۃ کا کہنا آیا ہے اور اسی طرح حضرت صلی اللہ

ل اور ہمارے نزدیک آیت میں دو معنی مراد نہیں بلکہ ایک کیوں کہ اللہ صلوٰۃ بھیج رہا ہے جو اس کے مناسب ہے یعنی ثنا وصفت کرتا ہے اور ملائکہ اس بھرے دربار میں ہاں ہاں اور بجا بجا کرتے ہیں گویا دونوں مل کر ثنا وصفت کرتے ہیں ۱۲ منہ

ل وہ تشہد میں آپؐ نے تعلیم فرمایا ہے یعنی التحیات میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (ابن کثیر) ۱۲ منہ

علیہ وسلم کی صفاتِ مختلفہ کو بھی اس میں شامل کیا ہے مگر اکثر احادیث میں حضرتؐ کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر بھی درود بھیجنے کا ذکر ہے۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں صلوا ہیں امر وجوب کے لیے آیا ہے اس لیے سب کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے مگر اس کے اوقات و تعداد میں اختلاف ہے۔ مالکؒ طحاوی کے نزدیک عمر بھر میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے اور باقی مندوب۔ اور بعض کہتے ہیں جس مجلس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آوے درود بھیجنا لازم ہے۔ اور کرخی فرماتے ہیں جب آپؐ کا نام سنے درود بھیجے۔ اور اس میں احتیاط ہے اور یہی جمہور کا قول ہے (مدارک) اور امام شافعیؒ کے نزدیک قاعدہ اخیرہ میں درود پڑھنا واجب ہے اول میں سنت ہے۔ درود کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ گو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کچھ احتیاج نہیں بلکہ لوگوں کے فائدے کے لیے اس کا حکم دیا۔ خدا کے برگزیدہ لوگوں پر رحمت بھیجنے اور دعا کرنے سے اللہ اس دعا کرنے والے پر رحمت و برکت نازل کرتا ہے۔

دیکھو توریت سفر الخلیقہ کے بارہویں باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے قولہ "اور میں تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک برکت ہوگا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتا ہے لعنتی کروں گا۔" الحمدللہ کہ یہ امت پنج گانہ نماز میں ابراہیم پر بھی برکت دیتی ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ صلوٰۃ و سلام کا لفظ خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے تبعاً غیر پر بھی درست ہے جیسا کہ عزوجل کا لفظ اللہ کے لیے مخصوص ہے اور رضی اللہ صحابہ اور اہلِ بیت کے لیے اور رحمۃ اللہ اوروں کے لیے۔

اس کے بعد حضرتؐ کو ایذاء دینے والوں کی سزا بیان فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ الخ کہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا تھا اس سے بھی بڑھ کر ان کو آخرت میں ذلت کا عذاب ہوگا۔ اور آپؐ کے ساتھ متبعین کا بھی رتبہ بیان فرماتا ہے والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنٰت الخ کہ وہ جو ناحق مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں ان پر بہتان لگاتے ہیں اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ
اے نبی! اپنی بیویوں اور
بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ
بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے
عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ
مونھوں پر نقاب ڈالا کریں اس میں یہ ہوگا
اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ
کہ وہ پہچانی جایا کریں گی پھر ستائی نہ جاویں گی اور
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ
اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے اگر منافق
يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ
اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ
مدینہ میں غلط خبریں اڑانے والے
فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ
باز نہ آویں گے تو آپ کو ہم ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر

لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾

تو وہ اس شہر میں تیرے پاس نہ ٹھیر سکیں گے مگر بہت کم

مَّلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا

پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے گئے پکڑے گئے

وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی

اور جان سے مارے گئے جیساکہ اللہ کا دستور

الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ

چلا آیا ہے پہلی امتوں میں اور اللہ کے

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

دستور کو تو کبھی بدلا ہوا نہ پائے گا۔

ترکیب

یدنین ہو مثل قولہ قل لعبادی یقیموا الصلوٰۃ فی ابراہیم فتذکرہ۔ من جلابیبھن للتبعیض فان المرأۃ ترخی بعض جلبابہا والبعض علیٰ راسہا۔ ثم لا یجاورونك عطف علیٰ لنغرینك وثم للدلالۃ علی ان الجلاء اشد علیھم من سائر المصائب۔ الا قلیلا زمانا اوجوارا قلیلا۔ ملعونین نصب علی الذم اوالحال والاستثناء ینتاولہ لایجاورون الا ملعونین

تفسیر

پیغمبر علیہ السلام اور مومنین کی ایذاء کی برائی کے بعد ایذاء کے بعض اسباب دور کرنے کی تدبیر بتلاتا ہے فقال یا یھا النبی قل لازواجك وبنتك ونساء المؤمنین الخ ابن سعد نے طبقات میں ابی مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرتؐ کی بیویاں حاجت ضروری کے لیے باہر جایا کرتی تھیں (جب تک گھروں میں پاخانے نہ بنے تھے) اور منافق لوگ رستہ میں ان پر آوازے کستے تھے یعنی چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ اس کی بیویوں نے شکایت کی تو اُن لوگوں سے کہا گیا، کہنے لگے کہ ہم تو لونڈیوں کو چھیڑا کرتے ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ پردہ کے بعد بھی حاجت ضروریہ وشرعیہ کے لیے پردہ کے ساتھ عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت تھی جیساکہ بخاری کی اس حدیث سے سمجھا جاتا ہے کہ جس میں شب کو سودہؓ کے باہر جانے اور عمرؓ کے باہر جانے کا ذکر ہے۔ پاخانے کو بھی جاتی تھیں شب کے وقت نماز میں بھی شریک ہوتی تھیں رستہ میں منافق چھیڑا کرتے تھے یہ بھی بڑی ایذا تھی۔

اس آیت میں حکم دیا گیا کہ نبی کی بیویاں اور بیٹیاں اور مسلمانوں کی عورتیں جو بضرورت باہر نکلیں تو چادرے میں چھپ کر نکلیں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ لونڈیاں نہیں بیویاں ہیں۔ کیوں کہ لونڈیوں کا لباس اور ہوتا ہے وہ کپڑا اس طرح سے اوڑھ کر نہیں نکلتیں (اسی لیے حضرت عمرؓ نے ایک بار کسی لونڈی کو چادرے میں لپٹے ہوئے جاتے دیکھ کر فرمایا کم بخت! بیویوں کے مشابہ ہوا چاہتی ہے اس کپڑے کو اُتار) پھر بیوی سمجھ کر کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔ جلابیب جمع جلباب بڑا کپڑا اوڑھنا وغیرہ کہ جس سے تمام بدن سر سے پاؤں تک ڈھک جاوے۔

وکان اللّٰہ غفورا رحیما۔ اور جو پردہ کے بارے میں کچھ قصور ہو جاوے بشریت سے تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

منافقوں کی ایک اور بھی ایذا رسانی تھی وہ یہ کہ مدینہ میں طرح طرح کی خوفناک خبریں اڑا کر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے کہ فلاں بادشاہ چڑھ کر آتا ہے وہ آکر یوں قتل عام کرے گا۔ فلاں قوم آتی ہے۔ ان سب کی نسبت فرماتا ہے لئن لم ینتہ المنفقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ کہ اگر یہ منافق اور

وہ لوگ کہ جن کے دل میں مرض ہے شک و شبہ یا مرض زناکاری ہے اور وہ جو افواہیں اڑایا کرتے ہیں باز نہ آویں گے تو لنغرینک بھم تو اے نبی تجھ کو ہم ان پر اُبھاریں گے اور مسلط کریں گے۔ ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلاً کہ پھر وہ تیرے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے۔ ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلاً اور مدینہ سے باہر نکل کر بھی خوش حال نہ رہیں گے بلکہ ذلیل و خوار ہو کر کہ جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جاویں اور قتل کیے جاویں۔ یہ جملہ بطور تہدید کے ہے کہ اگر منافق اس بات سے باز نہ آوینگے تو جہاں پائے جاویں گے قتل کیے جاویں گے۔ والذین فی قلوبھم اور اس کے بعد جو جملے بطور عطف کے آئے ہیں ان سب سے منافق ہی مراد ہیں واؤ زائد ہے جیسا کہ اس شعر میں ؎

الی الملک القرم وابن الھمام
ولیث الکتیبۃ فی المزدحم

بعض کہتے ہیں کہ منافق کئی قسم کے مدینہ میں تھے۔ بعض وہ تھے کہ جن کے دل میں مرض تھا زناکاری کا، وہ اسی لیے رستہ میں آتے جاتے عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور بعض غلط افواہیں اڑایا کرتے تھے۔ الارجاف من الرجفۃ وہی الزلزلۃ سمی الاخبار الکاذب لکونہ متزلزلاً غیر ثابت۔ بیضاوی۔

سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل کہ ہمیشہ سے اللہ کا دستور رسولوں ہی چلا آتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو غارت ہی کیا کرتا ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً اور اللہ کا یہ دستور کبھی نہیں پلٹے گا۔ اس کے بعد منافق اپنی اس حرکت سے باز آگئے تھے۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ
لوگ آپ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں کہہ دو

إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ ۚ وَمَا يُدْرِيكَ
اس کی خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تجھے کیا خبر کہ

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿۶۳﴾ إِنَّ
شاید قیامت قریب ہی آلگی ہو اللہ نے

اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ
کافروں پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لیے جہنم تیار

سَعِيرًا ﴿۶۴﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّا
کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ

يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ
کوئی حمایتی پاویں گے اور نہ مددگار اُس دن کہ

تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ
آگ میں ان کے منھ اُلٹ جاویں گے کہنے لگیں گے

يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿۶۶﴾
اے کاش! ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ
اور کہیں گے اے رب! ہم نے اپنے سردار وں اور

كُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿۶۷﴾
بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہم کو گمراہ کر دیا

رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ
اے رب! ان کو دوگنا عذاب دے

ع ۸ ۵ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿۶۸﴾
اور ان پر بڑی لعنت کر۔

ترکیب

قریبا اے شیئا قریبا[1] وانتصابہ علی انہ خبر کان۔ قریب

[1] ولاحاجۃ ای تقدیر الشئ الموصوف ۱۲ منہ

فعیل وہو اذا کان فی معنی المفعول کما فی ہذہ الآیۃ فیستوی فیہ المذکر والمؤنث کما فی قولہ تعالیٰ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین فلا یقال قریبۃ ۔ وقیل المعنی تکون الساعۃ عن قریب اے فی زمان قریب وانتصابہ علی الظرفیۃ والتذکیر لکون الساعۃ فی معنی الیوم او الوقت مع ان الساعۃ لیس مؤنثا حقیقیا ۔ یوم ظرف فیقولون ۔ الرسولا لرعایۃ الفواصل ۔

تفسیر

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی عذاب کے سوا قیامت کے عذاب سے بھی ان بدکاروں سرکشوں کو خوف دلایا کرتے تھے، لیکن وہ بدبخت اس بات کو کب باور کرتے تھے ۔ ہنسی اور تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے کہ وہ قیامت کب آوے گی؟ چنانچہ ان آیتوں میں انہیں باتوں کا تذکرہ ہے ۔

فقال یسئلک الناس عن الساعۃ کہ لوگ آپ سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ وہ کب ہے؟ یہ سوال کرنے والے وہی بدکردار منافق تھے اور ان کے ساتھ اور کافر بھی شریک تھے ۔ اس سے سوال کرنے کا قرآن مجید میں جہت جگہ ذکر آیا ہے کیوں کہ منکر نظام عالم کا بگڑنا محال جانتے تھے اور قدم دہری کے قائل تھے اور پھر اس کو ابدی بھی جانتے تھے جیسا کہ آج کل ہنود کے فرقے قائل ہیں اور مشرکوں میں یہ عقیدہ مدت سے چلا آتا ہے ۔ قیامت کا وقت ایک مصلحت سماویہ کی وجہ سے مخفی رکھا گیا ہے اس لیے اس کا تو کچھ بھی جواب نہیں دیا نہ یہاں نہ قرآن مجید میں اور کسی جگہ ۔ مگر اس آنے والی مصیبت کا حال بیان کر دیا اور بھی مواقع انذار میں مناسب تھا ۔ اور اس جگہ گو وقت معین تو نہ بتلایا مگر یہ بات بتلا دی کہ اس کا وقت بہت دور نہیں بلکہ قریب ہے

فقال انما علمہا عند اللہ وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا ۔

حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا ۔ (متفق علیہ) یعنی جس طرح سے یہ دونوں ملی ہوئی ہیں اسی طرح سے قیامت کبریٰ اور میری بعثت ملی ہوئی ہے ۔ غرض یہ کہ نزدیک زمانہ آگیا ہے ۔ واضح ہو کہ احادیث صحیحہ میں موت کو بھی قیامت کہا ہے اور یہ قیامت صغریٰ ہے من مات فقد قامت قیامتہ اور کبھی انقراض قرن کو بھی قیامت کہا ہے اس کو قیامت وسطیٰ کہتے ہیں ۔ اگر قیامت صغریٰ و وسطیٰ ہی مراد ہوں تو اس کا قرب آنکھوں کے سامنے ہے ۔ انسان کی زندگی حباب کی بقا سے کم تر ہے مرتے ہی اس پر دارو گیر آخرت شروع ہو جاتی ہے خود ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے اس کا وقت کیا پوچھنا؟

ان اللہ لعن الکٰفرین الخ یہاں سے ان غفلت شعار لوگوں کا وہ معاملہ بیان فرماتا ہے جو آخرت میں بہت جلد ان کے سامنے آنے والا ہے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ان کو اس بلا سے وہاں کوئی نہ چھڑا سکے گا اس روز ان کے منہ آگ میں الٹے پلٹے جاویں گے ۔ منہ سے مراد ان کی ذات ہے ۔ یعنی وہ الٹے پلٹے جاویں گے کہ جس طرح کباب کو بھونتے وقت الٹا پلٹا کرتے ہیں ۔ یہ دنیا میں ان کے الٹنے پلٹنے کی سزا ہے کہ کبھی کچھ کبھی کچھ کہتے تھے ۔ جو نفاق کی شان ہے ۔ اور وہاں ان کو اپنے مذہب اور اس کے پیشواؤں کا حال معلوم ہوگا کہ انہوں نے ہم کو مفت بدراہ کیا ۔ اس لیے جل کر کہیں گے کہ خداوندا ان کو دوگنا عذاب دے ایک ان کی گمراہی کا دوسرا ہمارے گمراہ کرنے کا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا
اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ
كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ
کہ جنہوں نے موسیٰ کو ستایا پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کی
مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
باتوں سے بری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک
وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
عزت دار تھے ایمان والو!
اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾
اللہ سے ڈرا کرو اور راستی کی بات کہا کرو
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ
تاکہ وہ تمہارے اعمال کو درست کر دے اور تمہارے
لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ
گناہ معاف کر دے اور جس نے اللہ اور
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾
اس کے رسول کا کہنا مانا سو وہ بڑی مراد کو پہنچا۔

ترکیب

کالذین خبر کان۔ مما متعلق بہ برّاہ۔ و کان الجملۃ معطوفۃ علی فبرّاہ اللہ ویمکن ان تکون حالا من الضمیر فی فبرّاہ۔ یصلح و یغفر مجزوم جواب للامر و من یطع اللہ شرط۔ فقد فاز جوابہ سدیدا قاصدا ای مستقیما صالحا صوابا من سدّ یسدّ سدودا وجیھا ذا وجاہۃ

تفسیر

منافقوں کو تو تہدید کی ہی تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح ایذائیں دیا کرتے تھے مگر کچھ نادان مسلمان بھی بعض موقع میں بے سوچے سمجھے بے ہودہ باتیں کہہ گزرتے تھے جن کو ان آیات میں منع کیا گیا اور حکم دیا کہ منہ سے اچھی باتیں کہا کرو تاکہ تمہارے اعمال درست ہوں یعنی مقبول ہوں اور تمہارے گناہ بخشے جاویں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس لیے ان آیتوں میں اسی بات کا تذکرہ کرتا ہے۔ فقال یا ایھا الذین امنوا لا تکونوا کالذین اذوا موسی فبراہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا کہ ایمان والو! تم ان نادان لوگوں جیسے نہ ہو جایا کرو کہ جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی، لیکن اللہ نے موسیٰ کو ان کے الزامات سے بری کیا اور وہ اللہ کے نزدیک ذی مرتبہ تھے یعنی ان الزامات کے قابل نہ تھے۔

ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت مشابہت تھی۔ شریعت میں احکام الٰہی کے جاری کرنے، قوم کو ورطہ ضلالت سے نکال کر سرفرازی بخشنے میں۔ پس بعض نادان مسلمانوں نے بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ہی الزام لگائے کہ جو موسیٰ پر ان کے لوگوں نے لگائے تھے۔

اب اس آیت کی تفسیر میں دو باتوں کی تشریح ضروری ہوئی۔ اوّل یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ایذا دی تھی؟ دوم یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیا ایذا دی تھی؟ پہلی بات کی بابت محدثین کی ایک جماعت نے کہ جن میں امام احمد اور بخاری اور مسلم اور ابوداؤد و ترمذی ہیں مختلف راویوں اور مختلف اسناد سے یہ نقل کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے مال آیا تھا جس کو آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن کسی انصاری نے اپنے کسی دوست سے کہا کہ محمدؐ نے یہ تقسیم اللہ کے لیے نہیں کی یعنی اس میں

در عایت کی ہے۔ یہ خبر آپ کو پہنچی۔ سُن کر فرمایا کہ چھوڑو۔ موسیٰ کو ان کی قوم نے اس سے زیادہ ایذا دی جس پر انہوں نے صبر کیا۔

دوسری بات کی بابت بھی ہمارے راویوں نے یہ نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شرمیلے آدمی تھے نہاتے تو پردہ کرکے۔ اس پر بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ موسیٰ کو نہانی کوئی عارضہ ہے جس کو وہ چھپاتا ہے جس کو سن کر موسیٰ کو رنج ہوا۔ ایک بار موسیٰؑ پتھر پر کپڑے رکھ کر نہارہے تھے کہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا اور جہاں بنی اسرائیل کا مجمع تھا وہاں لایا لوگوں نے موسیٰؑ کو برہنہ دیکھ کر یقین کرلیا کہ کوئی عارضہ نہیں ہے۔ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ روایت ہے کہ ہارونؑ جو موسیٰ کے ساتھ پہاڑ پر گئے تھے اور وہیں مرگئے ان کے کپڑے لاکر موسیٰ نے ان کے بیٹے کو دیے۔ اسرائیلیوں نے کہنا شروع کیا کہ آپ بھائی کو مار ڈالا جس سے موسیٰ کو سخت صدمہ ہوا لیکن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس اتہام سے بری کردیا۔

پچھلی بات کا تو کسی قدر توریت سے پتہ لگتا ہے مگر پہلی بات کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا اس لیے ہم کو توریت کا دیکھنا پڑا۔ اس کو جو دیکھا تو ایسے بہت سے واقعات ملے کہ جن میں بنی اسرائیل نے حملے کیے اور خدا تعالیٰ نے موسیٰ کی برات کی۔ من جملہ ان کے ایک قادح یعنی قارون کا حملہ ہے جس کی پوری تفصیل ہم اسی جلد میں کر آئے ہیں۔

من جملہ ان کے ایک واقعہ توریت سفر عدد کے بارھویں باب میں مذکور ہے وہ یہ کہ حضرت موسیٰ نے ایک حبشی عورت لی تھی جس کی نسبت آپ کی بہن مریم اور ہارونؑ نے کوئی الزام لگایا (اس میں اس سبب سے کہ ہارون کو کوئی سزا نہ ملی صرف مریم کو کہ وہ مبروص ہوگئی ہارونؑ کی شرکت نہیں معلوم ہوتی۔ ممکن ہے کہ اور بنی اسرائیل بھی اس میں شریک ہوں) جس سے خدا تعالیٰ کا غصہ بھڑکا اور خدا کا جلال بدلی میں سے نمودار ہوا مریم کو برص ہوگیا اور موسیٰ کی نسبت فرمایا وہ میرے سارے گھر میں امانت دار ہے وکان عند اللہ وجیھا اسی کے قریب قریب ہے اور یہی قصہ زیادہ ترچسپاں ہے کیونکہ اسی سورۃ میں حضرتؐ پر بھی زینبؓ سے نکاح کرنے میں لوگوں نے طعن کیا تھا اور الزام لگایا تھا۔

ع ۹ ۶

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے

وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ

سامنے امانت پیش کی پھر اس کے اٹھانے سے

يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا

انہوں نے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور اس کو انسان نے

الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿۷۲﴾

اٹھالیا البتہ وہ بڑا ظالم جاہل تھا۔

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِينَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

تاکہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں

وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكٰتِ

اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے

وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ

اور مومن مردوں اور عورتوں پر

الْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ

مہربانی کرے اور اللہ

غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۷۳﴾

معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب

الامانۃ مفعول لعرضنا۔ علی السموٰت متعلق بہ ان یحملنہا مصدریۃ والجملۃ بتاویل المصدر مفعول لابین من ابی یابی بمعنی انکر لیعذب اللام متعلق بحملہا ویتوب معطوف علی یعذب منصوب لدخول لام کی۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس کو دارین میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس جگہ اس طاعت باعث کامیابی کا مال بیان فرماتا ہے کہ یہ اس امانت کے ادا کرنے کے لیے ہے جو انسان کو سپرد ہوئی اور زمین و آسمان اس کو نہ لے سکے پس جو اللہ اور اس کے رسول کی طاعت کرتا ہے تو اس امانت الٰہی کو ادا کرتا ہے۔

فقال انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض کہ ہم نے وہ امانت آسمانوں اور زمین کے آگے پیش کی روزِ ازل میں فابین ان یحملنہا و اشفقن منہا ان میں اس کے لینے اور اٹھانے کا مادہ نہ تھا اس لیے وہ اس سے ڈر گئے اور لینے سے انکار کیا مگر حملہا الانسان انسان نے اس کو اٹھا لیا انہ کان ظلوما جھولا کیوں کہ یہ اس کے انجام کار سے بے خبر اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔

اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لیعذب اللہ المنٰفقین و المنٰفقٰت والمشرکین والمشرکٰت کہ جس نے اس امانت کو ادا نہ کیا نفاق اور شرک وغیرہ قبائح میں مبتلا ہوا اس کو اللہ اس خیانت کی سزا دے گا عذاب کرے گا۔

ویتوب اللہ علی المؤمنین والمؤمنٰت اور جس نے اس امانت کو ادا کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت کہ وہ صدقِ دل سے ایمان لا کر متبع شریعت ہوا تو اس پر مہربانی کرے گا۔ وکان اللہ غفورا رحیما اور اللہ تعالیٰ کی صفت مہربانی کرنا اور معاف کرنا ہے۔

یہ آیت کے معنی ہیں جو ظاہر الفاظ قرآن مجید سے سمجھے جاتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق چند بحثیں ناظرین کے افادہ کے لیے درج کرتے ہیں۔

امانت کے معنی

(بحث اول) امانت کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ قیل وقال کی ہے۔ عونی ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد طاعت ہے۔ اور مجاہد و سعید بن جبیر و ضحاک و حسن بصری وغیرہم یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرائض اور طاعت کرنا ہے کہ جس کے بجالانے اور ادا کرنے پر ثواب اور ترک کرنے اور خیانت کرنے پر عذاب ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ جمہور کا یہی قول ہے پھر ادا فرائض کو بنظر اہتمام شان مختلف اقوال میں امانت سے تعبیر کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں پنج گانہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور روزہ رکھنا اور حج کرنا، سچ بولنا، قرض ادا کر دینا، انصاف کرنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا یہ سب امانت الٰہی ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں جس سے منع کیا گیا ہے اس سے باز رہنا اور جس کا حکم دیا گیا ہے اس کو بجالانا امانت ہے۔

اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ کہتے ہیں کہ سب سے اول خدا نے انسان کی پیشاب گاہ بنائی ہے اور یہ اس کی امانت ہے پس اگر اس کو بدکاری سے محفوظ رکھا تو امانت ادا کر دی۔ پس شرم گاہ امانت ہے کان امانت ہیں آنکھیں امانت ہیں زبان امانت ہے پیٹ امانت ہے

یادوں امانت ہیں ان کو کسی بری بات میں نہ لگاوے الغرض سب اقوال اداء فرائض وطاعت کی تفاصیل ہیں۔ یہ مذہب ہے قدما کا۔

آسمان و زمین کو ان فرائض کے ادا کرنے پر مامور نہیں کیا ان میں مادہ افعال اختیاریہ کے بجالانے کا نہیں تھا۔ یہ مادہ نہ ہونا زبان حال سے گویا اس کی ذمہ داری سے انکار کر دینا ہے۔ اور انسان میں اس کا مادہ ہونا گویا اقرار کرنا ہے اور نیز اس کے مادہ کی وجہ سے ہوا کہ جس میں قوت غضبیہ و شہوانیہ بھی ہیں کہ جو ظلم وجہل کی جڑ ہیں

(۲) بیضاوی و نیشاپوری نے اس آیت کے معنی یوں بیان کیے ہیں کہ طاعت جو بندوں پر فرض کی گئی اس کو واجب الاداء ہونے کی وجہ سے امانت کہا گیا ہے۔ اب یہ معنی ہوئے کہ عظیم الشان ہونے کی وجہ سے اگر ایسے ایسے بھاری اجرام پر بھی دھرے جاتے اور ان کو عقل و شعور ہوتا تو وہ اس کے اٹھانے سے انکار کرتے اور ڈر جاتے کس لیے کہ عبادت وطاعت ایک تکلیف ہے اور تکلیف خلاف طبیعت کام پر مامور ہونے میں ہوتی ہے۔ پس اس قسم کی تکلیف اٹھانے کی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو طاقت نہیں ہے۔ کیونکہ آسمانوں سے خلاف طبع کام جو ہبوط ہے ہو نہیں سکتا اسی طرح زمین سے صعود اور پہاڑوں سے حرکت بھی سرزد نہیں ہوتی یہ جس کام پر قضا و قدر نے لگا دیے ہیں اسی پر لگے ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح ملائکہ سے بجز تسبیح و تقدیس کے اور کوئی خلاف بات سرزد نہیں ہو سکتی لیکن باوجود ضعیف البنیان ہونے کے انسان نے اس کو اٹھالیا۔ پس جو اس کو بجالایا امانت ادا کی وہ دارین میں فلاح پائی۔ اور جس نے اس کو ادا نہ کیا وہ ظلوم وجہول ہے۔ پس امانت کے پیش کرنے کے ان اجرام پر یہ معنی ہیں اور ان کا اس اٹھانے سے انکار کرنا یہ ہے کہ ان میں اس کی صلاحیت نہیں اور کلام میں حقیقی معنی سے گفتگو نہیں بلکہ ایک تصویر و تمثیل ہے یعنی استعارہ تمثیلیہ ہے انسان کی حالت اور اس کی ہیئت تکلیفیہ کو ایک حالت مفروضہ سے تشبیہ دی گئی کہ اگر وہ ان اجرام پر پیش کی جاتی تو اس سے انکار کر بیٹھتے کما قال لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ ظاہر تر یہی بات ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے کہ جس پر ہر ایک مخلوق مجبول کی گئی اور حمل امانت سے مراد خیانت کرنا ادا نہ کرنا کما یقال فلاں رکب علیہ الدین۔ پس جس نے اس کو قوت کے مرتبہ پر پہنچا دیا اس نے ادا کر دی ورنہ وہ اس کے ذمہ باقی ہے اور وہ اس کا حامل ہے۔ اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ آسمان اور ستارے امر الٰہی کے ہر وقت مسخر ہیں۔ کما قال ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین۔ وکل یجری لاجل مسمی وقال تعالیٰ وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ وقال وللہ یسجد من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب الآیۃ۔ اور اسی طرح ملائکہ کا حال ہے وما منا الا لہ مقام معلوم۔ اسی طرح قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں۔

بخلاف حضرت انسان کے یہ ثابت قدم نہ رہا اس لیے ظلوم یعنی ظالم اور جہول یعنی نادان ٹھیرا۔ ظلوم اس لیے کہ اس نے استعداد کو خلاف بات میں صرف کیا اور جہول اس لیے کہ اس نے استعداد کے برباد کرنے کا نتیجہ نہ جانا یا اپنے علم پر عمل نہ کیا، اس سے کچھ ثمرہ نہ اٹھایا۔ کیا خوب کہا ہے ؎

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

حملھا الانسان میں لام جنس کے لیے ہے جو اس کے

بعض افراد پر صادق آنے کی وجہ سے جنس پر صادق آگیا۔ اور وہ بعض افراد فاسق و منافق و کفار و مشرکین ہیں (نیشاپوری وغیرہ)۔

(۴) اس آیت کے متعلق کاتب الحروف کے دل پر بھی ایک معنی القا ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ عالم علوی سے لے کر سفلی تک ذرّے سے آفتاب تک اسی کے ہاتھ کی کاری گری ہے اسی کے جمالِ جہاں آرا کا آئینہ ہے اس نے اس عالم میں کسی چیز کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے ہر ایک شے کو اپنی ایک صفت کا مظہر بنایا اور ہر ایک کو ایک خاص کام پر لگایا ہے۔ یہ نظامِ عالم اس بات کا مقتضی تھا کہ اس میں ایک شخص ایسا بھی ہو جو تمام عالم کا مجموعہ بن کر خدا تعالیٰ کی جمیع صفات کا مظہر اور اس کے جمالِ باکمال کا کامل آئینۂ صافی ہو جاوے۔ پس وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اسی لیے صحیح بخاری میں ایک حدیث شریف آئی ہے کہ ان اللّٰہ خلق آدم علیٰ صورتہ کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ صورت سے مراد سیرت ہے اور اس معنی میں یہ لفظ زبانِ عرب اور ان کے اسلوبِ کلام میں بہت وارد ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ صورت و شکل سے پاک ہے۔ آیاتِ تنزیہات اس بات کی صاف گواہی دے رہی ہیں اور اسی لیے قرآن مجید میں جیسا کہ آیاتِ الٰہی کے ملاحظہ کے لیے آفاق کے صحیفہ کے مطالعہ کا حکم دیا ہے اسی طرح انسان کو اپنے نفس میں غور و تامل کرنے کا حکم دیا ہے اور انہیں معنی سے انسان کو عالم کبیر کہا جاتا ہے۔ پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم میں ہر ایک طرح کی قوت ودیعت رکھی ہے۔ قوتِ ادراکیہ۔ قوتِ غضبیہ۔ قوتِ رحمانیہ وغیرہا۔ اور ان قویٰ کی ترکیب اور ان کی اصلاح سے اس میں وہ وہ صفات پیدا ہوئیں کہ جو نہ آسمان و زمین کو حاصل ہیں نہ جن کو نہ فرشتہ کو من جملہ ان کے ایک دردِ دل اور محبت اور جذب ہے جو کسی میں نہیں۔ یہی سوزِ نہانی ہے جو شب بیداروں کو رات بھر جگاتا اور صبح کو سجدہ میں سر رکھوا کر پھوٹ پھوٹ کر رُلواتا ہے اور اسی لیے شیطان نے بہت سی عبادت کر کے ایک گناہ کیا بخشا نہ گیا، برخلاف آدمؑ کے کہ اس قدر عبادت بھی نہ کی تھی اس کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا دار الخلد میں بسایا گیا ان انعامات پر گناہ کر لیا جس کی جس قدر سزا ہوتی تھوڑی ہوتی اور ابد تک بخشش نہ جاتی تو بجا تھا۔ مگر آدمؑ کے دردِ دل نے جب اس کو جوش دلایا اور ابر کی طرح رُلایا اور منہ سے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین نکلوایا تو فوراً دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آیا۔ ایک گناہ تو کیا اگر ایسے ہزار گناہ ہوتے اور زمین بھر کے ہوتے تو سب معاف ہو جاتے ؎

واہ رے شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک
استخواں میرے ہُما کس مزے سے کھائے ہے

ملائکہ نے صرف قوتِ غضبیہ و شہوانیہ پر نظر کر کے بارگاہِ کبریائی میں عرض کیا تھا اتجعل فیھا من یفسد فیھا چونکہ اس مجموعۂ خوبی و گلدستۂ محبوبی کے اسرار کی خبر نہ تھی، جواب ملا انی اعلم مالا تعلمون کہ تم کچھ نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں۔

پس وہ امانتِ الٰہی یہی دردِ دل ہے اور یہی اس کے قویٰ مودوعہ ہیں جن کے قابل نہ آسمان و زمین تھے نہ کوہ و شجر نہ ملائکہ نہ کوئی اور جو اس کو لیتا اور اس بارِ گراں کو اٹھاتا۔ یہ خلیفۃ اللہ ہی کے حصہ میں آیا اسی نے اس کو اٹھایا اور کیوں نہ اٹھاتا یہ اسی لیے پیدا ہوا تھا سب سے اول اسی نے سر جھکایا اور عرض کیا مجھے دیجیے آپ دیں اور میں نہ لوں ؎

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

انہ کان ظلوما جھولا۔ ملائکہ و دیگر لوگوں پر تعریض ہے کہ یہ وہی ہے کہ جس کو تم ظالم و جاہل سمجھتے تھے

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے بارِ گراں کو اٹھانا اور اس بلاء و محنت کو گلے میں ڈالنا دانش مند اور دور اندیش سے کب ہو سکتا ہے یہ ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جو اپنی جان پر مصیبت گوارا کر لیں اور دور اندیشی نہ کریں ؎

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

ان آیتوں میں خدا تعالیٰ بنی آدم کو اس سترِ نہانی کو یاد دلا کر طاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس امانت کے پورا نہ کرنے کی صورت میں عتاب اور پورا کرنے میں ثواب کا وعدہ وعید فرماتا ہے۔ اور اس سورت میں بیشتر احکام ہیں ان کے خاتمہ میں یہ ذکر ایک نمک ہے۔

سورہ سبا

مکہ میں نازل ہوئی اس میں چون (۵۴) آیات اور چھے (۶) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
سب خوبیاں اللہ ہی کو ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي
سب اسی کا ہے اور آخرت بھی اسی کی

الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ①
ستائش ہے اور وہ حکمت والا خبردار ہے

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ
جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے

مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا
باہر آتا ہے اور وہ جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ

يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②
اس میں چڑھ جاتا ہے سب جانتا ہے اور وہی مہربان بخشنے والا بھی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ
اور منکر کہہ چکے کہ ہم پر وہ گھڑی (قیامت ہیں) نہ آئیگی

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ
کہہ دو ضرور آئے گی مجھے اپنے رب کی قسم جو غیب کا جاننے والا ہے

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
جس سے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز ذرہ کے

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ
برابر بھی غائب نہیں اور ذرہ سے

اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا
چھوٹی اور نہ بڑی کوئی بھی ایسی

فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③ لِّيَجْزِيَ
چیز نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو (قیامت اس لیے آئے گی) تاکہ خدا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ
ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے نیک بدلا

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
یہی وہ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی

كَرِيْمٌ ④ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ
تیار ہے اور جو ہماری آیتوں کے

اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ
رد کرنے ہی کوشش کرتے پھرتے ہیں ان کے لیے

عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤
ذلت کا عذاب ہے۔

ترکیب

فی السموٰت متعلق بثبت فی الاٰخرۃ یجوز
ان یتعلق بالحمد یعلم مستانف وقیل حال موکدۃ علم الغیب
بالجر صفۃ لربی او بدل وبقرء بالرفع لے ہو عالم اصغر بالرفع
عطفا علیٰ مثقال ۔ وبالجر عطفا علیٰ ذرۃ ۔ لیجزی متعلق
بمعنی لایعزب فکانہ قال یحصی ذلک لیجزی ۔ الیم بالجر
صفۃ لرجز وبالرفع صفۃ لعذاب ۔ والرجز مطلق
العذاب ۔

تفسیر

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی ہے ۔ اس قسم کی سورتیں کہ جن کے اول میں الحمد للہ ہے پانچ ہیں ان میں سے دو نصف اول میں ہیں انعامؔ و کہفؔ اور دو اخیر قرآن میں ہیں ایکؔ یہ دوسری ملائکہ ۔ پانچویں الحمد کہ جس کو چاہو نصفِ اول میں شمار کرو خواہ نصفِ اخیر میں ۔ اور سر اس میں یہ ہے کہ خدا کی بے شمار نعمتیں دو قسم کی ہیں ۔ ایکؔ نعمتِ ایجاد ہے کہ اس نے معدوم سے ہم کو موجود کر دیا ۔ دوسریؔ نعمتِ بقار ہے کہ ہم کو باقی رکھا اور زندہ رہنے کے سامان عطا کیے ۔ اور بندہ کی بھی دو حالتیں ہیں ایک ابتدار جو اس عالم سے علاقہ رکھتی ہے ۔ دوسری اعادہ کہ بار دیگر ہم کو زندہ کر کے وہاں کے سامان عطا کرے گا ۔ پس ان پانچوں سورتوں میں کہیں ایجاد کی نعمتیں یاد دلائی ہیں کہیں بقار کی ، پھر کہیں اس عالم کی کہیں اُس عالم کی ۔ اس سورت میں بھی مافی الارض تک تو نعمتِ بقار کا ذکر ہے کہ جو اس عالم میں آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو پیدا کرنے میں ہے ۔ کیوں کہ اگر آسمان و زمین کے اندر کی چیزیں بارش ہوا رزق وغیرہ نہ ہوں تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا ۔

ولہ الحمد فی الاٰخرۃ میں آخرت کی جمیع نعمتوں کی طرف اشارہ ہے

وھو الحکیم الخبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عالم کی یہ نعمتیں کہ جن کو لوگ معمولی باتیں سمجھے ہیں خود بخود پیدا نہیں ہو گئی ہیں نہ ان کو بے سوچے سمجھے خدا نے پیدا کیا ہے بلکہ ہر ایک کو حکمت و علم سے بنایا ہے ۔

یعلم مایلج فی الارض الخ میں اپنے علم و حکمت کو دکھاتا ہے کہ جو کچھ زمین میں گھستا ہے پانی ، اموات ، تخم وغیرہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو اشیار زمین سے پھر باہر نکلتی ہیں جڑی بوٹیاں اور پانی چشموں کا اور جواہر اور معدنیات جو اسی کی اس اندھیرے میں کاری گریاں ہیں ان کو بھی خوب جانتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے پانی اور ملائکہ اور وحی و دیگر برکات ان کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ پھر آسمان کی طرف جاتا ہے اعمالِ صالحہ اور ملائکہ سب کو جانتا ہے ۔ یہ سب تدبیر و تصرف اسی کی رحمت سے ہے اور اسی کی مغفرت ہے کہ گناہوں سے ان چیزوں کو بند نہیں کرتا اس میں اس کی کمالِ قدرت کا ثبوت ہے ۔

اس کے بعد مشرکینِ مکہ کا قول نقل کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں قیامت برپا نہ ہوگی ۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ کہدے خدا کی قسم وہ ضرور آوے گی اور پھر اس کے برپا کرنے کی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس سے آسمان و زمین کی کوئی چیز اور کوئی ذرہ غائب نہیں وہ تمہارے اجزارِ بدن اور اس کے ذرات کو جمع کر دے گا ۔ پھر قیامت کے برپا کرنے کی دلیل بیان فرماتا ہے کہ دنیا تو دارِ تکلیف ہے دارِ جزار نہیں ، اور جزارِ نیک و بد کی دینی اس کی خدائی کا لازمہ ہے ۔ لیجزی الذین اٰمنوا سے کر من رجز الیم تک میں یہی ذکر ہے ۔

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي
اور جن کو وہ علم دیا گیا ہے جو
أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَ
آپ کی طرف آپ کے رب کے ہاں سے نازل ہوا ہے تو وہ اس کو برحق جانتے ہیں اور

يَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥

وہ زبردست خوبیوں والے کا رستہ دکھاتا ہے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ

اور کافر کہتے ہیں کہ (دیکھو تو) ہم تم کو ایک ایسا

عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ

شخص بتلائیں جو تم کو کہتا ہے کہ جب تم مرکر

كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ

ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا

جَدِيْدٍ ⑦ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

کیے جاؤ گے کیا اس نے اللہ پر جھوٹ بنا لیا ہے

اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

یا اس کو جنون ہے ؟ (یہ کچھ بھی نہیں) بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ⑧

نہیں رکھتے ہیں (خود) مصیبت اور بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا

کیا وہ آسمان اور زمین کو جو ان کے آگے اور

خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ

پیچھے سے محیط ہے نہیں دیکھتے ؟

اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ

اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا

نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ

ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ

خدا کی طرف رجوع کرنے والے بندے کے لیے

مُّنِيْبٍ ⑨ ع ۹

بڑی نشانی ہے۔

ترکیب

ویری معطوف علی لیجزی ویمکن ان یکون مستانفا الذی انزل مفعول اول الحق مفعول ثانی هو الضمیر للفصل وقرئ الحق بالرفع علی الابتداء والخبر۔ ویهدی فاعله الضمیر یرجع الی الذی انزل والمراد به القرآن ای القرآن یهدی۔ ویمکن ان یرجع الی الله ویمکن ان یعطف علی موضع الحق بتقدیر ان اذا مزقتم عامله محذوف دل علیه ما بعده ای تبعثون ممزق مصدر بمعنی تمزیق ویحتمل ان یکون مکانا۔ جدید بمعنی فاعل من جد۔ افتری الهمزة للاستفهام وہمزة الوصل حذفت استغناءً۔ افلم یروا والمعنی اعموا فلم ینظروا الی ما احاط بجوانبهم من السماء والارض ولم یتفکروا اهم اشد خلقا ام هی وانا ان نشا نخسف بهم الارض او نسقط علیهم قطعة من السماء لتکذیبهم الآیات۔

تفسیر

ویری الذین اس جملہ کو اگر لیجزی پر معطوف کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ قیامت برپا کرنے میں ایک اور "حکمت" ہے وہ یہ کہ اہلِ علم جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی باتوں کو صدقِ دل سے مانتے ہیں جب قیامت کو برپا ہوتے دیکھیں گے تو ان کو اور بھی یقینِ کامل ہو جاوے گا اور عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جاوے گا۔ جیسا کہ آیا ہے لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ هذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔ ویهدی کا عطف یری پر ہو کر یہ معنی ہوں گے کہ قیامت اس لیے برپا کریں گے کہ وہ (ایمان داروں کو مفعول محذوف) خدا زبردست کا رستہ دکھا دے گی یقینِ کامل پیدا کرے گی۔ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ اور اگر اس کو جملہ مستانفہ کہیں تو یہ معنی ہوں گے کہ جو اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا علم رکھتے ہیں ان کو اللہ نے علم کتاب اللہ دیا ہے وہ اس بات کو یعنی اللہ کے

کلام کو برحق جانتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ کلام اللہ زبردست خوبیوں والے کا رستہ دکھاتا ہے۔ کسی کے شبہ سے ان کے دل میں شبہ نہیں پڑتا۔ مطلب یہ کہ کفار تو آیاتِ الٰہی کے مٹانے میں ساعی ہیں اور ایمان دار اہلِ علم صحابہ یا تابعین یا جو کوئی ہو ان کو برحق اور ہادی راہ خدا جانتے ہیں۔

وقال الذین کفروا اس جگہ ان اہلِ علم و ایمان کے برخلاف احمق لوگوں کا قول نقل کرتا ہے کہ منکر یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص بھی دیکھا ہے کہ جو مرنے کے بعد جب کہ جسم کے ریزے ریزے ہو جائیں گے دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ایسے شخص سے ان کا اشارہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا۔ ھل ندلکم کہو تو ہم بتلا دیں۔ یہ عرب کے محاورہ میں ایسی بات ہے کہ جس طرح ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ کوئی ایسا بھی ہے؟ یعنی وہ اس بات کے خبر دینے سے کہ مرکر زندہ ہوں گے سخت تعجب کرتے ہیں اور رسول کو جھوٹا یا دیوانہ کہتے ہیں۔ افترا بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور ایک بات بنا لینا۔ کوئی نئی قسم نہیں جس سے جھوٹ اور سچ میں کوئی واسطہ یعنی تیسری چیز اور ثابت ہو جاوے۔ ہر کلام کہ جس میں کسی بات کی خبر دی جاوے اگر واقع کے مطابق ہے تو سچا کلام ہے۔ ورنہ جھوٹا۔

کفار کا مقصد یہ تھا کہ یا تو یہ شخص جھوٹا ہے اور بڑا جھوٹا ہے جو عمداً جھوٹی بات کہتا ہے یا دیوانہ ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ وہ تو ایسا نہیں بلکہ کافر عذاب دینے والی بات اور بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امکانِ حشر پر ایک دلیل بیان بیان فرماتا ہے افلم یروا کہ وہ آسمان و زمین میں غور کرکے نہیں دیکھتے کہ جس نے ایسی چیزیں بنائی ہیں کیا وہ قیامت برپا کرنے پر قادر نہیں؟ ان کے انکار پر ہم صبر کرتے ہیں اگر چاہیں تو ان کو زمین میں غرق کر دیں یا کوئی آسمانی چیز ان پر ڈال کر ہلاک کر دیں جو ان کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ

اور البتہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بزرگی دی تھی (ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا) اے پہاڑو

اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾

انکی تسبیح کی آواز کا جواب دیا کرو اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا اور ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ

کہ فراخ زرہیں بناؤ اور اندازہ سے کڑیاں جوڑا کرو

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور (ان کے خاندان کو حکم دیا تھا کہ) اچھے کام کیا کرو ہم جو کچھ تم کر رہے ہو

بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا

دیکھ رہے ہیں اور ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا کہ جس کی صبح کی

شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ

منزل مہینے بھر کی راہ اور شام کی منزل مہینے بھر کی راہ تھی اور ان کے لیے

عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ

تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور کچھ جن اس کے آگے کام کیا

بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ

کرتے تھے اس کے رب کے حکم سے (تھا) اور جو کوئی ان میں سے

مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ

ہمارے حکم سے سرتابی کرتا تھا تو ہم ان کو آگ کا عذاب

السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ

چکھاتے تھے اور وہ جو چاہتا تھا محرابیں اور

مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ

مورتیں اور لگن حوض جیسے بنایا کرتے تھے اور بڑی بھاری

كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ

دیگیں بھی (جو ایک جا جمی رہتی تھیں ہلتی نہ تھیں اور ہم نے کہہ دیا تھا)

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَ

اے داؤد کے لوگو! شکر کیا کرو اور

قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿١٣﴾

میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے تو بہت ہی کم ہیں

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم دیا تو ان کو اس کی

عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ

موت کی نے نہ بتائی مگر گھن کے کیڑے نے

تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ

جو اس کے عصا کو کھاتا رہا پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں کو یہ بات

الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

معلوم ہوگئی کہ اگر وہ غیب کی باتیں

الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ

جانتے تو ذلت کی مشقت میں

الْمُهِيْنِ ﴿١٤﴾

نہ پڑے رہتے

ترکیب

داؤد مفعول اول فضلاً مفعول ثانی لاتینا۔ یجبال تفسیر للفضل والطیر بالنصب لانہ معطوف علیٰ محل جبال وفیہ وجوہ اخرٰی۔ وبالرفع عطفا علی لفظہا اے جعلنا الجبال والطیور منقادین لامرہ فی نفاذ مشیتہ فیہما۔ ان اعمل اے امرناہ ان اعمل وان مفسرۃ و مصدریۃ۔ الریح بالنصب اے سخرنا الریح و بالرفع علی الابتداء غدوہا الغدو مصدر لیس بزمان اے سیرہا من الغدو بمعنی الصباح الی الزوال شہر والجملۃ فی موضع الحال من الریح۔ من یعمل من فی موضع نصب۔ منساتہ۔ والمنسأ العصی علی مفعالۃ کمیضاۃ من نسأت البعیر اذ طردتہ لانہا تطرد بہا۔

تفسیر

داؤد علیہ السلام کا تذکرہ

پہلے فرمایا تھا ان فی ذلک لآیۃ لکل عبد منیب اب اس جگہ بعض رجوع کرنے والے بندوں کا ذکر کرتا ہے جن کو عبد منیب کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی بتلاتا ہے کہ ایسے بندوں پر ہمارے انعام و افضال بھی بے حد ہوتے ہیں منجملہ ان کے ایک حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ فرماتا ہے کہ داؤد پر ہم نے بڑا فضل کیا تھا کہ پہاڑ اور پرند اس کے تسبیح کرنے میں شریک ہوتے تھے۔ ابن عباسؓ و مجاہد وغیرہ علماء کہتے ہیں اوبی کے معنی ہیں سبحی کہ اس کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔

لغت میں تاویب کے معنی ترجیع کے ہیں۔ اٹھارہویں زبور کے شروع میں حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے:

"میں نے تنگی کے وقت خداوند کو پکارا اور اپنے خدا کے آگے چلایا اس نے میری آواز اپنے ہیکل میں سے سنی اور میری فریاد اس کے سامنے اس کے کانوں تک پہنچی تب زمین کانپی اور لرزی سارے پہاڑ جڑ مول سے ہل گئے۔" الخ

قرآن مجید میں داؤد علیہ السلام کی مناجات کا بیان ہے کہ ان کی مناجات کے وقت پہاڑ اور طیور موافقت کرتے تھے۔

بیضاوی فرماتے ہیں وذلک اما بخلق صوت مثل صوتہ فیہا او بحملہا ایاہ علی التسبیح اذا تامل

مافیہا کہ یا تو پہاڑوں میں بھی داؤد کی تسبیح کی آواز جیسی آواز پیدا ہوا کرتی تھی (یعنی پہاڑ گونج اٹھتے تھے جیسا کہ کنویں یا گنبد میں آواز دینے سے ویسی ہی آواز سنائی دیا کرتی ہے) یا پہاڑوں میں غور کرنے سے داؤد علیہ السلام تسبیح کرنے پر آمادہ ہوتے تھے۔

اول بات قوی ہے کہ اس وقت پرندوں اور پہاڑوں پر بھی ایک حالت طاری ہوجاتی تھی۔ داؤد علیہ السلام کی تسبیح اور سوزِ دروںی کا ان پر بھی اثر پڑتا تھا وہ بھی ان کے ساتھ اس میں شریک ہوجاتے تھے۔ اس سے داؤد کا کمال اور خلوص اور تصرفِ باطنی ثابت ہوا اور اسی لیے ان کے فضائل میں یہ بات بیان ہوئی ورنہ پہاڑ تو ہر ایک بلند آواز سے گونج اٹھا کرتے ہیں۔

والنّالہ الحدید یہ داؤدؑ کی دوسری فضیلت ہے کہ ان کے لیے لوہا نرم ہوگیا تھا۔ ان اعمل سبغت دروعًا سعات کہ بڑی لمبی چوڑی زرہیں بنا۔ وقدر فی السرد سرد درز دوختن ادیم تسرید مثلہ وزرہ بافتن۔ والسرد اسم جامع للدروع وسائر الحلق۔ (صراح) کہ زرہ کے حلقے ایک اندازہ سے جوڑ۔ مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کا علم دیا تھا یعنی سامانِ جنگ بھی عطا کیے تھے۔ جیسا کہ اسی زبور کے ۳۲ ورس میں آیا ہے۔ جس طرح ان کو کمالاتِ درویشی عطا ہوئے تھے اسی طرح شاہی اور جنگی قوت بھی دی گئی تھی۔ ان دونوں نعمتوں پر ان کو یہ حکم ہوا تھا واعملوا صالحا کہ نیک کام کیا کرو کیوں کہ انی بما تعملون بصیر ہم تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں قوت وسلطنت پا کر شرارت اور بدکرداری نہ کرنا اور یہی نعمت کا شکر یہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ

ولسلیمٰن الریح یہ دوسرے بندۂ خالص حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے اور جانشین تھے۔ خدا تعالیٰ نے جس طرح ان کے باپ کے لیے لوہا مسخر کر دیا تھا ان کے لیے ہوا مسخر کر دی تھی کہ غدوھا شہر ورواحہا شہر کہ وہ ہوا صبح سے لے کر دوپہر تک ایک مہینے بھر کی راہ طے کرتی تھی اور شام کو یعنی پچھلے پہر کو بھی مہینے بھر کا رستہ طے کرتی تھی۔

تختِ سلیمانؑ

دوم کتاب التواریخ کے نویں باب ۱۷ ورس میں لکھا ہے کہ سلیمانؑ نے ہاتھی دانت کا ایسا تخت بنایا تھا کہ جو زمین کے سب بادشاہوں سے سبقت لے گیا تھا پھر کچھ اس کے حالات لکھے ہیں۔ اگرچہ عہد عتیق وجدید سے نہیں ثابت ہوتا کہ یہ تختِ سلیمانؑ ہوا پر چلا کرتا تھا اور اول دن میں مہینے بھر کی راہ اور آخر دن میں مہینے بھر کی راہ طے کرتا تھا مگر اہلِ اسلام کے اکثر مؤرخ اس بات کے قائل ہیں۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ ریل کے جاری ہونے سے پہلے ریل کی یہ تیز روی اور اس قدر بارکشی اور بے بیل اور گھوڑوں کے روانگی نہایت عجیب بات معلوم ہوتی تھی۔ اب چند روز سے غبارہ اڑانے کا فن جاری ہوا ہے اگر ترقی کر جاوے تو کیا کچھ ہو جاوے۔ اور اس میں کوئی بھی شبہ نہ کرنا چاہیے کہ زمانہ نے بھی عجیب رنگ پلٹے ہیں۔ اس کا جزرومد تواریخ اور زمین کے نیچے سے عجائب آلات اور مکانات برآمد ہونے سے بخوبی ثابت ہے پھر کیا تعجب ہے کہ سلیمانؑ کے عہد میں ایسے صناع لوگ پیدا ہوئے ہوں کہ تخت کو غبارہ کی طرح سے ہوا پر اڑا لے جانے کا علم جانتے ہوں۔ پھر جس طرح اور صدہا چیزیں اور سیکڑوں علوم وفنون مٹ گئے یہ بھی جاتا رہا۔ اور کتاب التواریخ سے جو اہلِ کتاب کے نزدیک الہامی کتاب ہے

یہ ثابت ہے کہ سلیمانؑ کے عہد میں صناعی اور دیگر فنون کا رواج تھا۔

ہمارے بعض معاصر جو اپنی فہم شریف کے تابع تمام عجائب صنع باری کو کرتے ہیں ان آیات کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہوا کے مسخر ہونے سے اور اس قدر جلد چلنے سے جہازوں کے بیڑے کی طرف اشارہ ہے جو سلیمانؑ کے لیے دور سے لکڑیاں وغیرہ چیزیں لاد کر لایا کرتے تھے[1]۔

واسلنا له عين القطر۔ قطر بالکسر مس[2] (صراح)

یہ دوسرا انعام ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا تھا۔ خداتعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو جب بادشاہوں پر حکمران کیا تو ہیکل کی تعمیر شروع کی اور بڑے بڑے پیتل کے حوض اور ستون اور دیگر ظروف ڈھلوائے جیسا کہ دوسری کتاب التواریخ کے چوتھے باب میں مشرحاً مذکور ہے اور ان چیزوں کے ڈھالنے والے شہر صور کے کاری گر آئے تھے جن کو شاہ حورام نے بھیجا تھا۔ اور پھر ایک ڈھلا ہوا بحر بنایا جو اردگرد گول تھا۔ عرض ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک دس ہاتھ تھا اور بلندی پانچ ہاتھ اور اس کا گھیر تیس ہاتھ اور اردگرد اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں تھیں وہ بارہ بیل ڈھلے ہوئے تھے جن پر وہ بحر قائم تھا۔ اور اسی کتاب کے تیسرے باب میں ہے اور اس نے پاک ترین مکان میں دو کروبیوں کو تراش کر بنایا اور ہیکل بھی بنائی جس میں محرابیں اور پھاٹک اور کواڑ اور بڑی صناعی خرچ کی تھی اور سلیمانؑ نے اسرائیل کے ملک میں پردیسیوں کو گنوایا تو ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو تھے ان میں سے ستر ہزار کو باربرداری پر اور اسی ہزار کو سنگ تراشی پر مقرر کیا اور تین ہزار ان کے افسر مقرر کیے کہ ان سے کام لیتے تھے۔

پیتل یا تانبے کے چشمے جاری کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ پیتل اس کے لیے اتنا فراہم ہوا اور ڈھالا گیا کہ گویا اس کا چشمہ جاری ہو کر بہہ نکلا۔ یہ ایک محاورہ کی بات ہے اور ممکن ہے کہ کسی پہاڑ میں سے یہ مادہ اُن دنوں بہہ نکلا ہو جس کو سلیمانؑ کے کاری گروں نے لے کر صرف کیا۔

ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ۔ یہ ایک اور نعمت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے آگے جن کام کرتے تھے ومن یزغ منھم عن امرنا نذقہ من عذاب السعیر اور باوجود سرکشی کے کوئی نافرمانی نہ کرتا تھا اور جو کرتا تھا تو سخت سزا پاتا تھا۔

یعملون له مایشاء من محاریب۔ محاریب جمع محراب بلغت عرب میں بلند مکان کو کہتے ہیں۔ ضحاک و قتادہ کہتے ہیں محاریب سے مراد بیت المقدس ہے۔ و تماثیل جمع تمثال یعنی مورتیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ کروبیوں اور بیلوں وغیرہ کی مورتیں پیتل کی ڈھالی گئی تھیں سلیمانؑ کی شریعت میں ان کا ڈھالنا اور زینت کے لیے مکان میں رکھنا ممنوع نہ تھا۔ شریعت مصطفوی میں بت پرستی کی جڑ مٹانے کے لیے منع ہو گیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔

وجفان جمع جفنة لگن۔ کالجواب جمع جابیة وھو حفیرة وقیل الحوض الکبیر۔ یہ ان حوضوں اور بحر کی طرف اشارہ ہے۔ وقدور جمع قدر۔ راسیٰت ثابتات اور بڑی بڑی دیگیں بھی بنائیں جو ایک ہی جگہ دھری رہتی تھیں۔

[1] صور کے بادشاہ حورام کی طرف سے صنوبر اور سرو اور صندل کے ٹھنے لبنان پہاڑ سے مسجد کی تعمیر کے لیے جہازوں میں لاد کر بحر شام سے آیا کرتے تھے اور یافہ میں بیڑا اترتا تھا وہاں سے یروشلم پہنچاتے تھے ۱۲ منہ

[2] مجاہد کہتے ہیں قطر سے مراد صفر یعنی پیتل ہے ۱۲ منہ

بڑی ہونے کی وجہ سے ہلتی نہ تھیں۔

ان نعمتوں پر ان کو حکم ہوا تھا اعملوا اٰل داؤد شکرا اے داؤد کے گھرانے! اس کے شکریہ میں نیک کام کرو۔ یا یہ معنی کہ اس کا شکر کرو و قلیل من عبادی الشکور مگر میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔

من الجن کے ظاہری معنی یہی بتلا رہے ہیں کہ قوم جن کے لوگ سلیمان علیہ السلام کے آگے یہ کام کرتے تھے وجود جن تسلیم کرنے کے بعد اس بات میں کچھ بھی تعجب نہیں رہتا کہ جن سلیمانؑ کے مسخر تھے۔ اور جو لوگ وجودِ جن نہیں مانتے وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ شہ زوری اور غیریت کے اعتبار سے ان پردیسیوں کو جن سے تعبیر کیا ہے جو ان کاموں پر مامور تھے اور سخت اور قوی آدمی کو جن کہہ دینا ایک محاورہ کی بات ہے۔ مقدمہ تفسیر میں یہ بحث آچکی ہے۔

فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض تاکل منساتہ فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین یہاں سے دنیا کی بے ثباتی بیان کرنے کے لیے سلیمان علیہ السلام کی موت اور ان کے جاہ و حشم کا اختتام بیان کرتا ہے کہ سلیمان مر گئے اور ان کی موت کا حال ایک کیڑے نے ظاہر کیا جو ان کے عصا کو کھاتا تھا۔ پھر جب سلیمان گر پڑے تو سب کو معلوم ہو گیا اور جنوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ ہم غیب نہیں جانتے اگر جانتے تو اب تک سلیمان کی قید میں نہ پڑے رہتے۔

مفسرین کے اس میں دو قول ہیں۔ اول عام مفسرین کا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام عبادت کے لیے مہینوں تخلیہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ اخیر بار جو بیٹھے تو ٹھوڑی کے نیچے عصا لگا ہوا تھا، عبادت ہی میں روح نکل گئی۔ خدا تعالیٰ کی اس میں چند مصلحتیں تھیں کہ سلیمان علیہ السلام کے جسم پر آثارِ موت ظاہر نہ ہونے دیے۔ از اں جملہ یہ کہ لوگ جنوں کو غیب داں سمجھا کرتے تھے ان کی غیب دانی پر پتھر پڑ گئے۔ از اں جملہ کچھ انتظام مملکت بنی اسرائیل سے تمام کرانا مقصود تھا لوگ یہی سمجھا کیے کہ سلیمان زندہ ہیں اندر کوئی جانے نہیں پاتا تھا باہر سے بیٹھا ہوا آنکھ بند کیے لکڑی پر سہارا دیے بیٹھا ہوا مشغول بحق دیکھتے تھے۔ کئی مہینوں کے بعد جب خدا کو اس بات کا اظہار منظور ہوا تو دیمک یا گھن نے لکڑی کو کاٹ ڈالا۔ سلیمانؑ گر پڑے سب کو معلوم ہو گیا۔ مگر سلیمانؑ کی موت کی بابت یہ بیان اہلِ کتاب کی کتبِ موجودہ میں نہیں۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم نے سلیمان کی موت مقرر کر دی تھی کہ فلاں وقت مریں گے اس بات کو کوئی نہیں جانتا تھا مگر دابۃ الارض دیمک یا گھن سے معلوم ہوا جو سلیمانؑ کے عصائے حیات کو کھا رہا تھا۔ پھر جب وقتِ خاص آگیا اور وہ عصائے حیات کٹ گیا سلیمانؑ گر پڑے تو سب نے جان لیا اور جنوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ ہم غیب داں نہیں اگر سلیمانؑ کی موت کا وقت معلوم ہوتا تو اس کی اطاعت میں نہ پڑے رہتے۔ دابۃ الارض سے مراد بطور استعارہ کے انقراض عمر ہے اور منساتہ سے اس کی عمر و اقبال، جس کے زور پر حکومت کرتے تھے۔ افسوس کہ ہر ایک کے عصائے حیات کو دیمک یا گھن لگ رہا ہے مگر عصا کٹ جانے سے پہلے ہم بے خبروں کو معلوم نہیں۔

ف سلیمان علیہ السلام کی سلطنت نہر فرات سے لے کر فلسطیوں کے ملک تک اور مصر کی حد تک تھی اور روپیہ یروسلم میں کنکریوں کی مانند تھا چالیس برس تک سلطنت کر کے جاں بحق ہوئے۔ کتاب التواریخ ۱۲ منہ

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ

البتہ قوم سبا کے لیے ان کے وطن میں دو باغ دائیں اور

جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ كُلُوْا

بائیں قدرت کی نشانی تھی (اور حکم دیا تھا کہ) اپنے

مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ

رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کیا کرو

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

پاکیزہ شہر رہنے کو اور رب معاف کرنے والا

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ

پس انہوں نے نافرمانی کی پھر ہم نے ان پر بند کا پانی

الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ

چھوڑ دیا اور ان کے ان دو باغوں کے بالعوض اور

ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ

دو باغ بدمزہ پھل کے اور جھاؤ کے اور کچھ

مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

تھوڑی سی بیریوں کے بدل دیئے یہ ہم نے ان کی

بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم ناشکروں ہی کو برا بدلہ دیا کرتے ہیں

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ

اور ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں کہ جن میں برکت رکھی تھی (یعنی شام

بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا

کے قریات) دکھلائی دینے والی بستیاں قائم کی تھیں اور ان میں

فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ

منزلیں مقرر کی تھیں (حکم دیا تھا کہ) رات دن امن سے

اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ

بڑے پھرا کرو پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہماری

بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

منزلوں کو دور دور کردے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ستم کیا

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ

پھر تو ہم نے ان کو افسانہ ہی بنا دیا اور ان کو تباہ

كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

(و پریشان) کر دیا البتہ اس میں ہر ایک صبر

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ

شکر کرنے والے کے لیے عبرت ہے اور البتہ

صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ

شیطان نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا

فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾

سوائے ایمان داروں کے ایک فریق کے سب اس کے تابع ہوگئے۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا

حالاں کہ اس کا ان پر کچھ زور بھی نہ تھا مگر

لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ

یہی کہ ہم کو معلوم کرنا تھا کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے

مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ

اور کون اس سے شک میں پڑا ہوا ہے

وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

اور آپ کا رب ہر شے کا

حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع

نگہبان ہے۔

ع ۲ ۱۲ ۸

ف مزق جامہ پارہ کردن مزقناہم کل ممزق محاورہ ہے کہ ہم نے تباہ و پریشان کرنے والوں کو تباہ و برباد کردیا۔ حقانی

ترکیب

اٰیۃ اسم کان وجنتٰن بدل منہا او خبر مبتدا۔ محذوف و قرئی بالنصب علی المدح۔ والمراد جماعتان من البساتین بلدۃ اے ہذہ بلدۃ ورب اے وربکم رب غفور وقد یقرء بلدۃ وربا بالالف شاذا علی انہ مفعول اشکروا العرم جمع عرمۃ وہو ما یمسک الماء من بناء وغیرہ اے وقت حاجۃ (بند) خمط فی الصراح خمط نوعے از اراک کہ میوہ دارد۔ و التقدیر اکل اکل خمط فحذف المضاف اے الاکل الثانی لان الخمط شجر والاکل ثمرۃ واقیم المضاف الیہ مقامہ اسے خمط فی کونہ بدلا من الاکل الاول او عطف بیان للاکل الاول ویقرء بالاضافۃ وہو ظاہر۔ بٰعد وبعد علی السوال و یقرء بعد علی لفظ الماضی۔ ممزق مصدر او مکان صدق بالتخفیف والتشدید۔ ابلیس فاعلہ و ظنہ مفعول من بمعنی الذی فینتصب بنعلم ویجوز ان یکون استفہاما فی موضع رفع علی الابتداء منہا اما للتبیین اے الشک منہا واما للحال من شک۔

تفسیر

شکر کرنے والے بندوں کے ذکر کے بعد ناشکری کرنے والوں اور ان کی مصیبت کا ذکر کرتا ہے اس لیے سبا کا ذکر کرتا ہے۔

قصہ سبا

فقال لقد کان لسبا الخ ان آیات کی تفسیر ایک تاریخی واقعہ کے متعلق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

یمن کے ملک میں جو عرب کا جنوبی حصہ سمندر سے ملا ہوا ہے قحطان بن عامر بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا یعرب ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا یشجب ہوا۔ ابن سعید مغربی کہتے ہیں اسی کو سبا کہتے ہیں اور مورخین کے نزدیک سبا اس کے بیٹے کا نام ہے۔ اسی کے نام سے اس کی اولاد نام زد ہوگئی اس تمام خاندان یا قبیلہ کو سبا کہتے تھے۔ یہ لوگ متعدد مقامات میں بستے تھے۔ ان کی بستیوں کو اب مآرب کہتے ہیں شہر صنعاء سے تین دن کے فاصلہ پر۔ احمد وعبد بن حمید وطبرانی وحاکم وابن مردویہ وغیرہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ کسی نے پوچھا سبا ملک ہے یا کسی عورت کا نام ہے؟ فرمایا نہ ملک کا نام ہے نہ عورت کا بلکہ وہ ایک مرد تھا جس کے دس بیٹے تھے چھ تو ان میں سے ملک یمن میں رہے اور چار شام میں جا رہے۔ یمن میں جو بسے ان کے یہ نام ہیں ازد۔ اشعر۔ حمیر۔ کندہ مذحج۔ انمار اور شام والوں کے یہ نام ہیں۔ لخم۔ جذام۔ غسان۔ عاملہ۔ ہر ایک کی اولاد اسی کے نام سے مشہور ہے اور ان کے قبیلوں کے یہی نام ہوگئے۔

بخاری اور مسلم میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ حمیر کے خاندان میں ملک یمن کی سلطنت رہی۔ شداد بن الماطاط بن سبا بھی اس ملک کا بادشاہ ہوا جو بڑا جبار تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی لقمان بن عاد ہوا (بعض نے اسی کو وہ لقمان کہا جس کا سورہ لقمان میں ذکر ہے) اس کے بعد اس کا دوسرا بھائی ذوسدد تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حارث الرائش بادشاہ ہوا یہی تبع اول ہے اس کے بعد اس کا بیٹا صعب ہوا یہی ذو القرنین ہے اس کے بعد اس کا بیٹا ذو المنار ابرہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا افریقس بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بھائی ذو الاذعار اس کے بعد اس کا بھائی شرحبیل اس کے بعد اس کا بیٹا الہدہاد ہوا اس کے بعد اس کی بیٹی بلقیس بادشاہ ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی تھی (ابو الفداء)

سبا کی اولاد میں سے جو یہ سلاطین گزرے ہیں ان میں بعض خدا پرست اور نیک بھی تھے جیسا کہ تبع اور

ذوالقرنین اور بعض بت پرست۔ اور بعض کی سلطنت عرب سے تجاوز کر کے مصر اور شام اور ایران اور ہند تک پھیلی تھی۔ ان شاہان تبع کی یادگار عمارات غمدان وغیرہ اب باقی ہیں من جملہ ان کے ایک یہ بند ہے جس کی مفصل کیفیت مسلمانوں کی کتب جغرافیہ میں دیکھو۔ کتاب المسالک و الممالک اور کتاب البلدان اور احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم اور مسالک الممالک وغیرہ کو دیکھو۔

اسی بند کی مجمل کیفیت یہ ہے کہ انہیں سلاطین میں سے کسی نے (کہ جس کو بعض بلقیس کہتے ہیں بعض ذوالقرنین) برسات کا پانی روکنے کے لیے ایک مستحکم بند[1] تیار کیا تمام برساتی نالوں کا پانی یہاں سال بھر جمع رہتا تھا پھر اس میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالیں جن سے ملک میں کھیتیاں اور باغ سیراب ہوتے تھے اور سیدھے راستوں کے دو طرفہ باغ تھے اور پاس پاس بستیاں آباد تھیں اور یہ آبادی اور شادابی منزلوں تک تھی سفر بھی ان بستیوں کی وجہ سے بڑے آرام سے ہوتا تھا اور امن عام بھی تھا۔ اس نعمت کو لوگوں نے ایک معمولی بات سمجھنا شروع کیا اور بدکاری اور کفر بکنے میں دلیر ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے انتقام کا وقت آگیا ایک بار اس بند سے پانی ٹوٹا اور تمام آبادیوں اور باغوں اور کھیتیوں کو غرق کر دیا سب باغ برباد ہو گئے اور یہ حادثہ حضرت عیسیٰ اور محمد علیہما السلام کے درمیان کے زمانہ میں گزرا ہے پھر بجائے باغوں کے جھاؤ کے دیگر نکمے جھاڑ جھنکاڑ درخت رہ گئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں لقد کان لسبا فی مسکنھم اٰیۃ کہ قوم سبا کے لیے ان کے مسکن یعنی وطن یا بستیوں میں اللہ کی طرف سے ایک بڑی نشانی تھی وہ کیا؟ جنّٰتٰن عن یمین و شمال۔ کہ ان کے رستوں کے دائیں اور بائیں باغوں کی دو قطاریں تھیں۔ اس لیے ان کو اجازت تھی کلوا من رزق ربکم واشکروا لہ اپنے رب کی عطا کی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو بلدۃ طیبۃ ورب غفور شہر کہ جس میں تم رہتے ہو پاک ہے نہ اس میں کوئی بیماری ہے نہ اور کوئی پسو کھٹمل، دشمن، وبا وغیرہ کی مصیبت ہے اور رب تمہارا معاف کرنے والا ہے تمہاری خطاؤں اور قصوروں پر تم پر کوئی بلا نہیں بھیجتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ اس عہد میں کون نبی تھا اور کس شریعت پر عمل تھا۔

فاعرضوا پھر انہوں نے شکر گزاری سے اعراض کیا بجائے طاعت و نیکوکاری کے کفر و بدکاری میں مبتلا ہو گئے کم بخت انسان کی عادت ہے کہ جب سختی کے بعد ان پر کوئی راحت آتی ہے تو چند روز کے بعد بھول جاتے ہیں اس عیش و آرام میں پڑ کر بدکاری کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس نعمت کو ایک معمولی بات اور اپنے باپ دادا کی میراث سمجھ لیتے ہیں۔

ہندستان کے امراء اور ان کی بدکاری کو دیکھ لو، اس پر جو برباد ہو گئے ہیں اس سے عبرت نہیں بلکہ اور بھی غفلت ہے توبہ توبہ۔

جب ان کا یہ حال ہوا تو فارسلنا علیھم سیل العرم[2] ان پر ہم نے بند کا پانی چھوڑا اور بند کو توڑ کر سخت رو آئی جس سے سیکڑوں ڈوب گئے اور باغ جن میں انگور اور طرح طرح کے میوے تھے برباد ہو گئے۔

وبدلنٰھم بجنّتیھم جنّتین ذواتی اکل خمط و

---

[1] جس کا نام عرم ہے جو اب تک بے مرمت موجود ہے بڑے بڑے مربع ترشے ہوئے پتھروں سے بنا ہے چونے اور لوہے کی میخوں سے پتھروں کو جمایا ہے کئی میل تک طول اور تخمیناً اسی ہاتھ بلند ہے اور پندرہ بیس گز کا عرض ہے اس میں کھڑکیاں اوپر نیچے رکھی ہوئی ہیں کہ پانی کے اتار چڑھاؤ سے وہ کھولی جاتی تھیں ۱۲ منہ

[2] قال السدی العرم السد قال عطاء العرم اسم الوادی قال ابن الاعرابی العرم السیل الذی لا یطاق وروی عنہ العرم من اسماء الفار۔ قال مجاہد العرم ماء احمر ارسلہ اللہ فی السد فشقہ و ہدمہ

تفسیر ۱۲ منہ

اثل وشیٔ من سدر قلیل اور ان کے ان دو رویہ باغوں
کے بدلہ میں ہم نے ان کو اور دو رویہ کڑوے بے مزہ اور جھاؤ
اور کچھ بیریوں کے درخت دیے۔ یعنی ایسے نکمے درخت اُگے۔
اور ان پیڑوں کو باغ تہکم اور مشاکلت کے طریق پر فرمایا جیسا
ہمارے محاورے میں کہتے ہیں پلاؤ قورمے کی دعوت کے بدلے
جوتیوں اور لکڑیوں کی دعوت کی۔ اثل جھاؤ۔ بعض کہتے ہیں
فراش

سدر بیری۔ اور اس کی دو قسم ہیں۔ ایک بیری جو
باغوں میں لگائی جاتی ہے اس کے بیر عمدہ چیز ہوتے ہیں۔ ایک
جنگلی بیری جس کو جھاڑی، بوٹی یا جھڑ بیری کہتے ہیں اس کے
بیر کسیلے اور بے مزہ ہوتے ہیں۔ اس جگہ یہی مراد ہے اور اسی لیے
سدر کے بعد قلیل کا لفظ آیا۔

ذلک جزینٰہم بما کفروا۔ ہم نے یہ سزا ان کو ان کے
کفر اور ناشکری کے بدلہ میں دی۔ وھل نجازی الا الکفور
اور ہم کافروں اور ناشکروں ہی کو ایسی سزا دیا کرتے
ہیں۔

اس بات کا تجربہ ہو گیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی کسی نعمت
کی ناشکری کی گئی وہ نعمت اس سے چھین لی گئی، خواہ
جلدی خواہ دیر میں۔ تاریخ کھول کر دیکھ جاؤ کہ اس ناشکری
اور بدکاری کے سبب دنیا میں کتنے خاندان برباد ہوئے۔
حال ہی میں شاہان دہلی اور ان کے عیاش امراء کو دیکھ لو
کہ کیا انجام ہوا؟ جن محلوں میں رقص اور زناکاری اور شراب
خواری کی محفلیں ہوتی تھیں ان کو اُکھیڑ کر بنیادوں سمیت
گرا دیا گیا اور ان کی نحوست سے اور بھی برباد ہو گئے۔ ان
کے ننگ و ناموس برباد ہوئے نان شبینہ سے محتاج ہوئے
بے رحمی سے مارے گئے۔

اس کے بعد ان کی آبادی اور سیر اور امن کی کیفیت
بیان فرماتا ہے اور اس پر ان کی سرکشی سے جو بلا نازل ہوئی
اس کا بھی ذکر کرتا ہے۔

فقال وجعلنا بینہم وبین القری التی برکنا فیھا
قری ظاہرۃ کہ ہم نے ان کے وطن سے لے کر ان بستیوں تک
کہ جن میں میووں اور باغوں کی وجہ سے برکت دے رکھی ہے
درمیان میں ظاہر بستیاں آباد کر دی تھیں۔ یعنی یہاں سے
لے کر وہاں تک درمیان میں آباد گاؤں تھے جو ایک گاؤں
سے دوسرا گاؤں دکھائی دیتا تھا آس پاس اور کثرتِ آبادی کی
وجہ سے۔

اکثر مفسر بین القری التی برکنا فیھا سے مراد شام
کی بستیاں لیتے ہیں کہ یمن سے شام تک جو وہ تجارت کے
لیے جاتے تھے تو رستہ میں قریب قریب گاؤں پڑتے تھے
مگر عرب کا نقشہ اور جغرافیہ سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا
ہے کہ بیچ میں ریگستان کے جنگل اور خشک پہاڑ بھی
منزلوں تک ہیں جہاں آبادی کے نام و نشان بھی نہیں
اور نہ وہاں آبادی ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس زمانہ
میں آب پاشی کی وجہ سے وہاں ایسی آبادی ہو گئی ہو۔ مگر
القری سے شام ہی کے قریٰ مراد لینا ایک رائے ہے
ممکن ہے کہ اس سے مسقط وغیرہ کے وہ گاؤں مراد لیے جاویں
جہاں کثرت سے باغات اور شادابی ہے پس مآرب سے
لے کر وہاں تک ایسی آبادی کا ہونا قرین قیاس ہے۔

ان کو زبانِ حال سے حکم ہوا تھا سیروا فیھا لیالی و
ایاما آمنین کہ ان بستیوں میں رات دن بے خوف پھرا کرو
کسی رہزن قزاق کا خطرہ نہ تھا۔ مگر انہوں نے اس نعمت
کی قدر نہ کی۔

فقالوا ربنا بٰعد بین اسفارنا وظلموا انفسھم
تو کہنے لگے اے رب ہمارے سفروں میں درازی کر دے۔
سفر کا مزہ نہیں ملتا۔ سفر میں دھوپ پیاس منزلوں بیابان
دشمن اور درندے کا خوف نہ ہو تو کیا لطفِ سفر ہے؟
اور طرح طرح کی بدکاری بھی شروع کی۔

فجعلنٰھم احادیث ومزقنٰھم کل ممزق پھر ہم نے

ان کو غارت کر دیا کہ صرف ان کے تذکرے افسانے اور قصے کہانیاں ہی لوگوں کی زبان پر باقی رہ گئیں اور ان کو پریشان کر دیا۔

ان فی ذلک لاٰیٰت لکل صبار شکور اس میں صبر کرنے والوں شکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں اور عبرت ہے

ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ الخ کہ شیطان کو جو ان کی نسبت ظن تھا کہ میں بہکاؤں گا تو میرے بہکانے میں آجاویں گے تو اس نے اپنے گمان کے مطابق پایا۔ الا فریقا من المؤمنین مگر ایمان داروں کی جماعت اس کے داؤں میں نہ آئی۔

وما کان لہ علیھم من سلطن الخ اور شیطان کی ان پر کچھ زبردستی نہ تھی اس کو صرف امتحان کے لیے چھوڑا گیا کہ کون آخرت پر ایمان لا کر ثابت قدم رہتا ہے اور کون شک کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا محافظ ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن
اے رسول کہہ دو جن کا اللہ کے سوا تم کو گھمنڈ ہے

دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
ان کو پکارو وہ نہ تو آسمان ہی میں ذرہ بھر

فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ
اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں اور نہ

فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن
ان کا ان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ان میں سے خدا کا کوئی

ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ
مددگار ہے اور اس کے نزدیک کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہیں دیتی

إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ
مگر اس کو کہ جس کے لیے اجازت دے یہاں تک کہ جب ان کے دل سے

عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ
گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا

قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾
وہ کہتے ہیں سچی بات فرمائی اور وہ بڑا بلند مرتبہ ہے

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَ
پوچھو وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی

الْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ
دیا کرتا ہے کہہ دو اللہ۔ اور ہم یا تم (دونوں میں سے)

لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾
ضرور ایک نہ ایک تو راہ راست پر ہے یا صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے

قُل لَّا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا
کہہ دو ہمارے گناہوں سے تم نہ پوچھے جاؤ گے اور نہ جو

نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ
کچھ تم کرتے ہو اس سے ہم ہی پوچھے جائیں گے کہہ دو ہم کو

بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ
ہمارا رب جمع کرے گا پھر ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دے گا

وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ أَرُونِيَ
اور وہ فیصلہ کرنے والا خبردار ہے کہو جن کو تم نے

الَّذِينَ أَلْحَقْتُم بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا
اس سے ملا رکھا ہے (شریک بنا کر) ایسے مجھے بھی تو دکھاؤ

بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾
بلکہ وہی اللہ زبردست حکمت والا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ
اور آپ کو جو ہم نے بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو

بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
خوشی اور ڈر سنانے کے لیے لیکن اکثر لوگ

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی
جانتے بھی نہیں　اور کہتے ہیں　کب ہے
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾
یہ　وعدہ　اگر　تم　سچے　ہو
قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ
کہہ دو　تمہارے لیے　ایک دن کا وعدہ ہے　کہ جس سے نہ ایک ساعت
عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾
تم پیچھے ہو سکتے ہو　اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔

ترکیب

زعمتم ای زعمتموہم آلھۃ وہما مفعولا زعم حذف الاول لطول الموصول بصلتہ والثانی لقیام صفتہ مقامہ۔ قالوا قال القول الحق۔ لمن اذن یتعلق بالشفاعۃ۔ فزع لم یسم فاعلہ۔ عن قلوبھم قائم مقام الفاعل۔ او ایاکم معطوف علی اسم ان وانا الخبر فیجب ان یکون مکررا[1] کقولک ان زیدا او عمرا قائم۔

تفسیر

شکر اور ناشکری کے نتائج بیان فرما کر عرب خصوصاً اہلِ مکہ کی ناشکری کا رد کرتا ہے۔ انسان کے لیے اس سے زیادہ اور کیا ناشکری ہے کہ وہ اپنے معبودِ حقیقی اور منعم کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرے۔

فقال قل ادعوا الذین زعمتم کہ بت پرستوں سے کہو کہ جن کو تم اس کا شریک سمجھتے ہو ان کو پکارو دیکھیں وہ تمہاری کہاں تک مدد کر سکتے ہیں؟

اقسامِ شرک

مشرکوں کے اپنے معبودوں کی نسبت کئی طرح کے خیال تھے

(۱) بعض یہ سمجھتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا تو اللہ ہی نے کیا ہے مگر ان میں تصرفات کے اختیارات ہمارے معبودوں کو دے رکھے ہیں اس لیے ہم ان کی دہائی دیتے نذر و نیاز کرتے ہیں۔ عموماً مشرکین اسی خیالِ باطل میں مبتلا ہیں۔ اس کے رد میں فرماتا ہے لا یملکون مثقال ذرۃ فی السموٰت ولا فی الارض کہ ان کا آسمانوں اور زمین میں کچھ بھی اختیار نہیں۔

(۲) بعض یہ سمجھتے تھے کہ آسمان تو خدا تعالیٰ نے خود بنائے ہیں اور زمین اور وہاں کی چیزیں کواکب کی حرکات اور طوالع کے وسیلہ سے بنائی ہیں۔ اسی کے قریب قریب حکماء یونان کا خیال ہے کہ اس نے عقلِ اول کو بنایا پھر اسی کے وسیلہ سے اور چیزیں بنائیں۔ اس کے رد میں فرماتا ہے وما لھم فیھما من شرک سو ان کا ان میں کچھ بھی حصہ نہیں۔

(۳) بعض یہ خیال کرتے تھے کہ ملائکہ اور علویات اور ارواحِ عالیہ خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے اور روزی دینے اور مارنے وغیرہ حوادث میں مددگار ہیں ان کی اعانت کی اس کو حاجت پڑتی ہے اس لیے ان چیزوں کے نام سے تانبے اور پیتل اور پتھر اور دیگر فلزات کے بت بنا رکھے تھے اور ان کی پرستش اور نذر و نیاز کے دستورات بھی قائم کر رکھے تھے۔ ان کے رد میں فرماتا ہے وما لہ منھم من ظھیر کہ اس کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں نہ کوئی اس کا مددگار ہے سب

ع ۹ ۳
النصف

[1] تقدیرہ ان زیدا قائم او ان عمرا قائم فعلیٰ ہذا لعلیٰ ھدی خبرالاول و او فی ضلٰل معطوف علیہ خبر الثانی وخبران محذوف دل علیہ المذکور ۱۲ ابو محمد عبدالحق۔

کچھ آپ ہی کرتا ہے۔
(۴) بعض یہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ بلند مرتبہ ہیں۔ خدا تعالیٰ سے کہہ کر ہماری حاجات کو روا کروا دیتے ہیں اس لیے ان کی نذر و نیاز اور پکارنا ضروری ہے اس کے رد میں فرماتا ہے ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ کہ اس کی اجازت بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کی اجازت ہو چکی اور وہاں پھر بھی ہوگی۔

فرماتا ہے کہ جن ملائکہ اور روحانیات کو تم اس کے گھر کا مختار سمجھتے ہو ان کی خود خوف کے مارے یہ حالت ہے کہ وہ جب کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔ اذن کے منتظر رہتے ہیں۔ جب وہ گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتا ہے کیا حکم صادر ہوا۔ ان میں سے بعض بتلاتے ہیں کہ حق بات کا حکم ہوا یعنی فلاں حکم۔

بخاری و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ جب آسمانوں پر کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو ڈر کے مارے فرشتے پر جھاڑنے لگتے ہیں جب گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا؟ فرشتے کہتے ہیں حق۔ اکثر مفسرین اس بات کو ملاء اعلیٰ اور ملائکہ کے بارے میں کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں شافع و مشفوع کے بارے میں ہے قیامت کے روز۔

قل من یرزقکم یہاں سے یہ بات سب مشرکوں کو بتاتا ہے کہ کسی کی عبادت اور نذر و نیاز کا کم تر فائدہ یہ ہے کہ رزق دے سو یہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس قدر روزی کے اسباب آسمانی یا زمینی ہیں سب اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ بارش کا برسانا، گرمی و سردی کا بدلنا۔

حجت تمام کر کے جاہل مخاطبوں کو قائل کرنے کا طریقہ ارشاد فرماتا ہے وانا او ایاکم لعلی ھدی او فی ضلل مبین مخاطب کو اگر یوں کہا جاوے کہ تو غلطی میں ہے تو اس کو جوش آ جاوے اور حق بات کی تحقیق چھوڑ کر مقابلہ کو آمادہ ہو جاوے۔ برخلاف اس کے جب اس کو یوں کہا جاوے کہ ہم میں سے ایک نہ ایک تو ضرور غلطی پر ہے اور ہمیشہ غلطی میں پڑا رہنا اچھا نہیں، اس لیے غور کرنا چاہیے۔ ایسی بات سے امید ہے کہ وہ غور کرے اور حق پر آ جائے۔ اس کو حسن کلام کہتے ہیں۔ اس بات پر اللہ نے اپنے رسول کو مامور کیا کہ ان سے یوں کہو۔ باوجودیکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہادی و مہتدی ہونے میں کوئی بھی شبہ نہ تھا۔

قل لا تسئلون عما اجرمنا الخ یہ کلام اور بھی مخاطب کو نرم کرتا ہے اس لیے جرم کو اپنی طرف منسوب کیا۔ اور یہ کہہ دیا کہ ہر ایک کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی پس حق کے تلاش کرنے میں اور بھی کوشش کرنی چاہیے۔

قل یجمع بیننا الخ یہ کلام اور بھی مخاطب کو حق کی طلب پر آمادہ کرتا ہے۔ صرف غلطی سے بچنا ہی مقصود نہیں جو ایک عمدہ بات ہے بلکہ قیامت کے دن خدا کے سامنے فیصلہ بھی ہونا ہے۔

قل ارونی الذین الخ پھر اصل مدعا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ غیر اللہ کو یا دفعِ ضرر کے لیے پوجتے ہیں، سو اس کا رد پہلے کر دیا تھا بقولہ قل ادعوا الذین کہ کوئی ضرر دور نہیں کر سکتا، یا امیدِ نفع کے لیے سو اس کا ابطال بھی کر دیا قل من یرزقکم کہ کوئی نافع نہیں۔ اور بعض لوگ محض مستحقِ عبادت ہونے کی وجہ سے پوجتے ہیں۔ سو ان کا رد اس جگہ کرتا ہے کہ مجھے دکھاؤ وہ کون مستحق عبادت ہے؟

وما ارسلنٰک الخ توحید کا مسئلہ تمام کر کے یہاں سے مسئلہ رسالت شروع کرتا ہے۔ آپ کو ہم نے برائی بھلائی بتلانے کو بھیجا ہے پھر جو آپ سے الجھتا ہے نادان ہے۔ کافۃ اے ارسالۃ کافۃ عامۃ لجمیع الناس[1]۔ او

---

1. حاشیہ بر صفحہ آیندہ۔

یقال کافۃ تکف الناس انت من الکفر والمعاصی الھاء للمبالغۃ۔

مسئلہ رسالت کے بعد مسئلہ حشر کا بیان کرتا ہے و یقولون متی ھذا الوعد الخ کہ وہ جو اس دن کو پوچھتے اور جلدی کرتے ہیں کہہ دیجیے وہ وقت مقرر ہے ضرور آوے گا پھر جلدی کرنا بے فائدہ ہے اس کے لیے کچھ تیاری کرو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا

اور کافروں نے کہہ دیا کہ ہم ہرگز اِس قرآن پر ایمان

الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَ

لائیں گے اور نہ اُس پر جو اس سے پہلے تھا اور

لَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ

اگر آپ دیکھیں کہ جب کہ ظالم اپنے رب کے پاس

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى

کھڑے کیے جائیں گے ایک دوسرے کی بات کا جواب

بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

دے رہا ہوگا کمزور سرکشوں

اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

سے کہیں گے کہ

لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱

اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار ہو جاتے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ

متکبر (جواب میں) کمزوروں سے

اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ

کہیں گے کیا جب کہ تمہارے پاس ہدایت

عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ

آئی اس کے بعد ہم نے تم کو اس سے روکا تھا ؟ بلکہ

كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ

تم خود ہی مجرم تھے اور کمزور

اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

متکبروں سے کہیں گے

بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ

بلکہ تمہاری شب و روز کی تدابیر نے باز رکھا جب کہ تم ہم کو

اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ

اللہ کا انکار کرنے اور اس کے لیے شریک بنانے کا حکم دیا کرتے تھے

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ

اور دل میں یہ بڑے پشیمان ہوں گے جب یہ عذاب کو سامنے دیکھیں گے۔

وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ

اور منکروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال

كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا

دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اسی کا تو بدلہ

يَعْمَلُوْنَ ۝۳۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ

پا رہے ہیں۔ اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والا

مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا

ایسا بھیجا تو وہاں کے دولتمندوں نے یہی کہا کہ تم

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۴ وَ

جو لے کر آئے ہو ہم تو اس کو مانتے ہی نہیں اور

قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ

یہ بھی کہا کہ ہم تم سے مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ مجھ کو پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ میں تمام خلق کا نبی کیا گیا ہوں اور پہلے نبی ایک قوم کے نبی ہوتے تھے ۱۲ منہ

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ
اور ہم کو (آخرت میں بھی) عذاب نہیں ہوگا کہہ دو میرا
رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے)
وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
اندازے سے دیتا ہے لیکن اکثر آدمی
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع ۴ ۶ ۱۰
جانتے نہیں۔

تفسیر

وقال الذین کفروا الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ تیاری اور زاد آخرت حاصل کرنا تو درکنار وہ اس کی جگہ کفر بکتے ہیں کہ قرآن تو کیا ہم اس سے پہلی کسی کتاب کو بھی نہیں ماننے۔ یہ مشرکینِ مکہ کا قول تھا جہالت اور جوش میں آکر کہتے تھے۔

ولو تری اذ الظلمون الخ سے حشر کے دن پیش آنے والی مصیبت کا بیان کرتا ہے۔

وما ارسلنا فی قریۃ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ یہ انکار کوئی نئی بات نہیں ہر نبی سے پیٹ بھرے ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ جو اپنے حق پر ہونے کی دلیل دنیاوی جاہ وحشم بیان کرتے ہیں کہہ دو یہ قبولیت کی دلیل نہیں۔ یہ کم زیادہ مصلحت سے ہر ایک کو ملتا ہے۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ
اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ
بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا
جو ہمارے نزدیک تمہارے لیے تقرب کا درجہ بڑھا دیں مگر
مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ
وہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک کام بھی کیے سو انہیں کو ان کے
جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي
عمل کا دوچند بدلہ ہے اور وہی بہشت
الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ
کے دریچوں میں اطمینان سے بیٹھے ہوں گے اور وہ جو
يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ
ہماری آیتوں کے رد کرنے میں کوشش کرتے پھرتے ہیں وہ
فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ
عذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جاویں گے کہو میرا
رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ
رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے (اور جس
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ
کے لیے چاہتا ہے) اندازے سے دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو (راہِ خدا
شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
میں) اس کے بدلے میں وہ اور دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر
الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا
روزی دینے والا ہے اور جس دن کہ وہ سب کو جمع کرے گا
يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ
پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہیں کو
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ
پوجا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ذات ہے
اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ
تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ وہ لوگ بلکہ
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ
وہ جنوں کو پوجا کرتے تھے ان میں سے بڑا

بهم مؤمنون ﴿۴۱﴾ فاليوم لا يملك
انہیں پر ایمان لائے ہیں پھر آج تم میں سے کوئی کسی کے
بعضكم لبعض نفعا ولا ضرا ط
نفع نقصان کا مالک نہیں
ونقول للذين ظلموا ذوقوا
اور ہم ظالموں سے کہیں گے تم اس آگ کا
عذاب النار التي كنتم بها
عذاب چکھو کہ جس کو تم
تكذبون ﴿۴۲﴾ وإذا تتلى عليهم
جھٹلایا کرتے تھے اور جب ان کو ہماری کھلی ہوئی
آياتنا بينات قالوا ما هذا إلا رجل
آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ ہے کیا مگر ایک ایسا شخص
يريد أن يصدكم عما كان
کہ جو تم کو اس کی عبادت سے روکنا چاہتا ہے کہ جس کو تمہارے
يعبد آباؤكم وقالوا ما هذا
باپ دادا پوجا کرتے تھے اور یہ بھی کہتے ہیں کیا ہے یہ قرآن
إلا إفك مفترى وقال الذين
مگر جھوٹ بنایا ہوا اور کافروں نے جب کہ
كفروا للحق لما جاءهم إن
حق ان کے پاس آگیا تو کہہ دیا یہ تو
هذا إلا سحر مبين ﴿۴۳﴾ وما آتيناهم
کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو اور ہم نے ان
من كتب يدرسونها وما
(مشرکین عرب) کو کتابیں نہیں دی کہ جن کو وہ پڑھتے اور نہ آپ
أرسلنا إليهم قبلك من نذير ﴿۴۴﴾
سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرسنانے والا بھیجا تھا

وكذب الذين من قبلهم لا و
اور ان سے پہلے لوگ جھٹلا چکے ہیں
ما بلغوا معشار ما آتيناهم
حالانکہ ان کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا گیا جو ہم نے ان کو دیا تھا
فكذبوا رسلي قف فكيف
پھر انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا پھر کیسا
كان نكير ﴿۴۵﴾ ع
عذاب ہوا

ع ۵/۹

تفسیر

اور مال و اولاد کہ جس پر تم کو تفاخر ہے اللہ کے نزدیک ان سے تمہارا کوئی مرتبہ بلند نہیں ہو جاتا ہے۔ ایماندار اس دنیا میں مسافر ہے اس کا گھر اور ہے اس کا عیش و آرام اور اس کی زینت و تجمل کی ہمیشہ رہنے والی چیزیں وہیں ہیں اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ فرماتا ہے الا من آمن وعمل صالحا الخ اور وہ اس غرور میں آکر یسعون فی آیتنا معجزین ہماری آیات کے ابطال میں کوشش کرتے ہیں وہ وہاں عذاب دائمی میں گرفتار رہیں گے یہ مال و اولاد کچھ کام نہ آوے گا۔

اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ کفر کرنے سے دنیا ملتی ہے اور نیکوں کو یہاں کچھ ملتا ہی نہیں بلکہ کہہ دیجیے ان ربی یبسط الرزق لمن یشاء الخ میرا رب جس کو چاہتا ہے دنیا میں روزی رزق زیادہ دیتا ہے جس کو چاہے کم۔ اس میں کافروں کی کوئی خصوصیت نہیں۔ بہت سے ایمانداروں کو دنیا میں وہ کچھ دیا ہے کہ جس کا حساب نہیں، داؤد و سلیمان کو دیکھو۔ اور برخلاف تمہارے ایماندار جو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں وہ اس کے بدلے انہیں دنیا میں بھی اور زیادہ دیتا ہے۔

صحیح بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم خرچ کر کہ تجھ پر خرچ کیا جاوے گا یعنی دے تجھے اور ملے گا۔

اور صحیح بخاری میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک کہتا ہے یا اللہ دینے والے کو دے دوسرا کہتا ہے یا اللہ ہاتھ روکنے والے کو برباد کر۔

اس بات کا بارہا تجربہ راقم الحروف نے بھی کیا ہے کہ جب تنگ دستی آئی اور اللہ کی راہ میں کچھ دیا گیا خدا تعالیٰ نے اس کو دفع کر دیا۔ یہ میرا عمل مجرب ہے جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔

ویوم یحشرھم یہاں سے لے کر تکذبون تک حشر کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں ملائکہ کو شفاعت کی غرض سے پوجتے ہیں وہ وہاں صاف انکار کر جائیں گے اور کہیں گے ہم کو نہیں بلکہ جنوں یا ارواح جنیہ کو پوجتے تھے اور انہیں پر اکثر کا ایمان تھا۔

واذا تتلی علیھم ایتنا بینٰت الخ یہاں سے مشرکین عرب کی ہٹ دھرمی اور حماقت کا اظہار کرتا ہے کہ جب ان کو آیات بینات سنائی جاتی ہیں کہ جن میں ذرا سا غور کرنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ برحق باتیں ہیں تو اس کے جواب میں نہ کوئی دلیل عقلی پیش کرتے ہیں بلکہ جاہلانہ طور سے یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول ہم کو ہمارے باپ دادا کے طریقہ سے روکنا چاہتا ہے اور یہ جھوٹا ہے۔ اور یہ قرآن اور اس نبی کے معجزات صریح سحر ہیں۔ اور نہ کوئی دلیل نقلی ان کے پاس ہے۔ کس لیے کہ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ کوئی رسول آیا ہے۔ اور نقلی دلیل کتاب اللہ یا رسول کے قول پر مبنی ہوا کرتی ہے ایسے معاملات ہیں۔ وکذب الذین یہ ان کا انکار کوئی نئی بات نہیں ہے ان سے پہلے بھی بی

جھٹلائے جا چکے ہیں حالانکہ ان کو اس قدر ثروت و عمر ملی تھی کہ اس کا دسواں حصہ بھی ان کو نہیں ملا۔ پھر ان پر رسولوں کے جھٹلانے سے کیا بلا آئی۔ پھر یہ تو کیا چیز ہیں؟ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان مشرکین عرب کو قرآن و معجزات ایسے دلائل دیے گئے ہیں جو اگلوں کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا تھا پھر انکار سے ان پر بلا آئی ان پر تو بدرجہ اولیٰ آئے گی۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ
کہو میں تو تم کو ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ
تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ
تم خدا کے لیے دو دو ایک ایک کھڑے ہو کر
تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ
فکر تو کرو کہ تمہارے اس دوست کو کچھ
جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ
جنون تو نہیں یہ تو صرف تم کو ایک بڑی آفت کے
يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا
آنے سے پہلے متنبہ کرنے والا ہے کہو اس پر
سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ
جو کچھ میں نے تم سے اجرت مانگی ہو تو وہ تمہارے ہی پاس رہے میری
اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ
مزدوری تو اللہ ہی پر ہے اور وہ ہر
شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ
چیز پر گواہ ہے کہو میرا رب تو
يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾
سچ کو ظاہر کر رہا ہے (اور) وہ غیب کی باتیں خوب جانتا ہے

ع ۶ ۹ ۱۲

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ

کہو حق ظاہر ہوگیا اور جھوٹے دین سے نہ تو اول کی کچھ کشود کار ہوا ہے

وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَآ

نہ آیندہ ہوگا کہو اگر میں گمراہ ہوگیا تو محض

أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۖ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ

اپنے نقصان کے لیے اور اگر میں راہِ راست پر ہوں

فَبِمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ

تو اس سبب سے کہ میرا رب میری طرف وحی بھیجتا ہے بے شک وہ سننے والا

قَرِيبٌ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَزِعُوا فَلَا

نزدیک ہے اور کاش آپ اس وقت دیکھیں کہ جب وہ گھبرائے گھبرائے پھریں گے اور بھاگ کر

فَوْتَ وَأُخِذُوا مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٥١﴾

نہ جاسکیں گے اور پاس ہی سے پکڑے آئیں گے

وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ

اور کہیں گے ہم اس پر ایمان لائے اور اس دور دراز سے ایمان کو

مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ وَقَدْ كَفَرُوا

کہاں حاصل کرسکیں گے حالانکہ پہلے سے تو

بِهِ مِنْ قَبْلُ ۖ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ

اس کا انکار کرتے رہے اور دور سے غیب کے گولے

مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ

پھینکتے رہے اور ان میں اور ان کی

وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ

خواہش میں آڑ کردی جائے گی جیسا کہ ان کے

بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا

ہم جنسوں کے ساتھ پہلے کیا گیا کیوں کہ وہ بھی

فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ﴿٥٤﴾

بڑے قوی شک میں پڑے ہوئے تھے

تفسیر

دلائل قائم کرکے ہٹ دھرم مخاطبوں کو اب ایک اور طریقہ سے ہدایت کی طرف بلاتا ہے فقال قل انما اعظکم بواحدۃ کہ میں تم کو ایک ہی بات کہتا ہوں نصیحت اور خیر خواہی کے طور پر۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ ان کو صرف ایک ہی حکم پر مامور کرتے تھے توحید وغیرہ کہ پھر باقی احکام اسکی قرار دی جاویں جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے بلکہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں لو اب تم ایک کام کرو۔

ان تقوموا للہ کہ ایک ایک تنہا ہوکر اور باہم مل کر خدا کے لیے یہ تو سوچو کہ تمہارے صاحب کو یعنی مجھے کچھ جنون تو ہے نہیں۔ یہ رسالت کے اثبات میں کلام ہے کہ خوب غور کرو کہ میں دیوانہ نہیں ہوں۔ جب دیوانہ نہیں تو کون عاقل ایسی جھوٹی بات کا مدعی بن سکتا ہے کہ جس کے سبب دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ سیکڑوں مصائب کا سامنا ہو۔ پس یہی ہے کہ نذیر لکم بین یدی عذاب شدید میں تم کو ایک سخت عذاب آنے والے سے خبردار کرنے والا ہوں۔ انسان کی دو حالت ہیں ایک تنہا فکر کرنا دوسرے چند اشخاص کا باہم مجتمع ہوکر فکر کرنا اس لیے ان دونوں باتوں کا ذکر کیا۔ ان تقوموا سے مراد یہ نہیں کہ کھڑے ہوکر فکر کرو بلکہ یہ کہ آمادہ ہوجاؤ۔ یہ بھی ایک محاورہ کی بات ہے۔

قل ما سالتکم من اجر جب تم کو غور کرنے سے یہ معلوم ہوگیا کہ میں دیوانہ نہیں اور یہ بھی ہے کہ میں تم سے کچھ مانگتا

ؔ اشیاع جمع شیع وہو جمع شیعۃ فالاشیاع جمع الجمع وشیعۃ الرجل اتباعہ وانصارہ۔ مریب من الریب ای الشک فہو کعجب عجیب وشعر شاعر ۱۲ منہ

نہیں، کہ میرا وعظ و پند کسی طمع دنیاوی پر محمول کیا جاوے بلکہ میری اجرت اللہ کے ذمہ ہے جو ہر بات کو دیکھ رہا ہے پھر ایسے شخص کو جھوٹا کہنا اور اس سے نفرت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

حقیقت میں جب کوئی واعظ محض دردمندی سے وعظ کرتا ہے اور دنیاوی طمع بھی نہیں کرتا اس کا وعظ ضرور اثر کرتا ہے۔

قل ان ربی یقذف بالحق اب اگر کوئی کہے کہ محمدا تجھے اس خیر خواہی اور دردمندی سے کیا غرض؟ اس کا جواب دیتا ہے کہ میں مامور الٰہی ہوں عالم بالا اور حق سبحانہ کا ہی یہ منشأ ہے کہ حق بات کو ظاہر کرے اندھوں کی آنکھیں کھولے بیماروں کو شفا دے وہ علام الغیوب ہے جس قدر پیش آنے والی باتوں کی خبر دی ہے بجا ہے۔ انبیاء سابقین بھی خبریں دیتے چلے آئے ہیں کہ اخیر زمانہ تاریک ہو جائے گا اللہ ایک نبی کو برپا کرے گا وہ عالم کو منور کریگا اب پھر وہی زمانہ آگیا ہے۔ ان سے کہہ دے جاء الحق حق ظاہر ہو گیا

ومایبدئ الباطل ومایعید بہت دنوں دنیا میں بت پرستی ہو چکی اب نہ سرے سے شروع ہوگی نہ وہ زمانہ لوٹ کر آوے گا۔

پھر ان کو تسلی دیتا ہے کہ ان ضللت فانما اضل علی نفسی اگر میں تمہارے خیال کے بموجب گمراہی پر ہوں تو تمہارا کیا حرج اس کا وبال مجھ ہی پر ہے وان اھتدیت فبما یوحی الی ربی اور اگر میں راہ راست پر ہوں (اور ضرور ہوں) تو یہ وحی الٰہی کا سبب ہے وہ مجھ سے قریب ہے، میری بات سنتا ہے مجھے مطلع فرماتا ہے۔

مسئلہ رسالت کے بعد پھر حشر کا مسئلہ بیان کرتا ہے کہ بوقت مرگ یا قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا جبکہ وہ گھبراویں گے۔ فلا فوت پھر کہاں جا سکتے ہیں واخذوا من مکان قریب اور دور نہیں جا سکیں گے وہیں سے پکڑے جاویں گے اور کہیں گے ہم ایمان لائے وانّی لہم التناوش اور اس بات کو کہاں حاصل کر سکیں گے۔ التناوش من التوش الذی ہو التناول۔ من مکان بعید ایمان لانے کی جگہ جو دنیا تھی بہت دور رہ گئی اس دور دراز جگہ میں یہ مراد کہاں ملتی ہے۔ دنیا میں کفر اختیار کر چکے اور یہ عالم وہاں سے بہت دور تھا۔ یہاں کی بابت غیب کی باتیں بے تکی کیا کرتے تھے اب یہ مراد نہیں حاصل ہو سکتی جیسا کہ ان سے پہلوں کو حاصل نہ ہوگی اور نہ ہوئی۔ دنیا میں وہ شک میں تھے۔

سورہ فاطر

مکیہ ہے اس میں پینتالیس آیات
اور پانچ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
سب تعریف اللہ کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے

جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ
فرشتوں کو پیغام بر بنانے والا ہے جن کے

مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ
دو دو تین تین چار چار بازو ہیں مخلوق کی بناوٹ میں جو چاہے

مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ
زیادہ کر سکتا ہے بے شک اللہ ہر بات پر (برابر)

قَدِیۡرٌ ① مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ
قادر ہے اللہ بندوں کے لیے جو رحمت

رَّحۡمَةٍ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمۡسِكۡ ۙ

کھولتا ہے تو کوئی اس کو بند نہیں کر سکتا اور جس کو وہ بند کرے

فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَهُوَ

تو اس کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں اور وہ

الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۲

زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب

فاطر السموٰت الاضافۃ معنویۃ لانہ بمعنی الماضی فصح وقوع فاطر صفۃ للہ وکذلک جاعل الملٰئکۃ قال الطیبی ان جاعل باعتبار انہ یدل علی المضی یصلح کونہ صفۃ للمعرفۃ وباعتبار انہ یدل علی الحال والاستقبال یصلح للعمل فرسلا مفعول ثانٍ - و اولی بدل من رسل او لغت لہ ویجوز ان یکون جاعل بمعنی خالق فیکون رسلا حالا مقدرۃ ومثنی لغت للاجنحۃ یزید فی الخلق مستانف۔ مایفتح اللہ ما شرطیۃ فی موضع نصب ومن رحمۃ بیان لذلک۔

تفسیر

قرطبی کہتے ہیں سب کے نزدیک یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور بخاری وغیرہ نے بھی ابن عباسؓ سے یہی روایت کی ہے۔ اور جو سورتیں الحمد کے ساتھ شروع ہوئی ہیں یہ ان کا خاتمہ ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ حمد بیشتر کسی نعمت پر ہوا کرتی ہے اور نعماء الٰہی دو قسم پر ہیں۔ ایک عاجلہ دوسری آجلہ یعنی بعد میں آنے والی۔ پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ایک پیدا کرنا۔ دوسرا اس کو باقی رکھنا اور وقتاً فوقتاً اس کی ضروریات کو بہم پہنچا دینا۔ اس سورت میں ہر ایک قسم کی نعمت پر حمد ہے فاطر السموٰت والارض میں ایجاد اور بقاء اول کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا جس طرح اس کے یعنی حضرت انسان کی ایجاد کے لیے ہے اگر آسمان و زمین پہلے سے نہ ہوتے تو انسان بھی موجود نہ ہوتا اسی طرح اس کی بقاء اور عیش وآرام کا بھی یہی چیزیں باعث ہیں۔ اس کی زندگی کے سب سامان ہیں سے بہم پہنچتے ہیں۔ فطر کے لغت میں معنی ابتداء واختراع کے ہیں فاطر السموٰت۔ آسمانوں کا بنانے والا بغیر کسی نمونہ اور بغیر مادہ کے

جاعل الملٰئکۃ رسلا اس سے نعمت بقاء کی طرف اشارہ ہے۔ بقاء دنیوی وبقاء اخروی۔ بقاء دنیاوی اس لیے کہ ملائکہ کا رسول بنانا اور ان کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی بھیجنا اور تمام قوانین انتظامی کا جاری کرنا نوع انسانی کے قیام وتحفظ کے لحاظ سے بڑی نعمت قابل حمد وشکر ہے۔ اور پھر انہیں کے ذریعہ سے دار آخرت اور سعادت اور حیات ابدی کے متعلق باتیں تلقین فرمانا بقاء اخروی کے اعتبار سے بڑی نعمت ہے۔ سب ملائکہ کو رسول نہیں بنایا گیا بلکہ بعض کو۔ ملائکہ میں سے رسول جبرئیل ومیکائیل واسرافیل وعزرائیل علیہم السلام ہیں

اولی اجنحۃ جمع جناح یہ ملائکہ کی صفت ہے کہ وہ بازو رکھتے ہیں۔ کسی کے دو ہیں کسی کے تین کسی کے چار اور اسی میں حصر نہیں بلکہ یزید فی الخلق مایشاء۔ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ بعض کے چھ سو تک بھی ہیں وہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے

ف خدا تعالیٰ مادے اور مادیات سے بالکل پاک وصاف ہے اور انسان مادی ہے اس درمیان میں کوئی واسطہ ضروری ہے وہ فرشتے ہیں جن کے ذریعہ سے فیض واحکام پہنچتے ہیں۔ جب یہ عالم امر میں سے عالم خلق کے لیے وارد ہوئے تو تعمیل حکم کے لیے ان میں سرعت بھی ضروری ہے اس سرعت سیر ونفاذ کو بطور استعارہ (باقی برصفحہ آئندہ)

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط
جو تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہو
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ز فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾
اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے چلے جارہے ہو
وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ
اور اگر وہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے پیشتر بہت
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
سے رسول جھٹلائے گئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہر بات رجوع
الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ
کرتی ہے (اسی کے بس میں ہے) لوگو! اللہ کا وعدہ
اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وقفہ
برحق ہے پھر ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈال دے
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾
اور ایسا نہ ہو کہ شیطان دھوکہ باز تم کو اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے
اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ
بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن
عَدُوًّا ط اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا
ہی سمجھو اپنی جماعت کو وہ اسی لیے بلاتا ہے کہ
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۶﴾ اَلَّذِيْنَ
وہ جہنمی ہو جاویں جن لوگوں نے

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ملائکہ کبوتر یا اور کسی پرندکے مانند نہیں ہیں جو ان کے لیے بھی اسی طرح بازو اور پر ہیں۔ بلکہ جناح سے مراد جہت ہے۔ پھر کوئی ذوجنتین ہے کہ ایک جہت اللہ سے نعماء حاصل کرنے کی ہے' دوسری مخلوق میں پہنچانے کی۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے نزل بہ الروح الامین۔ علمہ شدید القویٰ۔ فالمدبرات امرا۔ اور بعض چار اور ملائکہ کے واسطہ سے کار کرتے ہیں ان کے متعدد جہات ہیں۔ یا یہ ملائکہ کی صفاتِ متعددہ کی طرف اشارہ ہے اور مدبرات امر کے لیے ضروری بات ہے۔ واللہ اعلم۔

ملائکہ کے رسل اور واسطہ بنانے میں وہم جاسکتا تھا کہ خدا تعالیٰ بغیر ان کے کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کا دفع کرتا ہے۔ ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر کہ وہ ہر بات پر قادر ہے عاجز نہیں۔ ان نعمتوں کے بعد عام طور سے بتلاتا ہے کہ ہم بندوں پر نعمت کے دروازے کھولتے ہیں تو ان کو کوئی بند نہیں کرسکتا۔ من جملہ ان کے کتاب اور رسول کا بھیجنا ہے اور جو بند کرتے ہیں تو کوئی کھول نہیں سکتا۔ وہ زبردست حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ
لوگو! تم اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جو
عَلَيْكُمْ ط هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ
تم پر ہے بھلا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بازو اور پروں سے تعبیر کیا ہے کیوں کہ طیور کی سرعت سیر انہیں پر موقوف ہے اور تشبیہ طیور سے ہے اس لیے بہ لحاظ مراتب سرعت کسی کے دو دو کسی کے تین تین کسی کے چار چار بازو ثابت کیے۔ حضرت جبرئیل امین چوں کہ ان کے بادشاہ ہیں ان کے لیے چھ سو بازو ثابت کیے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ بعض ناعاقبت اندیش کا اس بات کو نہ سمجھ کر یہ اعتراض کر دینا کہ بازو اور پروں کے جانور پیغمبر علیہ السلام کے قلب تک کیوں کر پہنچ سکتے ہیں۔ پھر اس پر پھکڑ بازی کرنا سراسر جہالت و سفاہت ہے جو خدا پرستوں کی شان سے نہایت بعید ہے۔ خود قرآن نے تصریح کر دی ہے کہ جبرئیل قرآن کو لے کر نبی علیہ السلام کے قلب تک آئے۔ حقانی

كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَ
انکار کیا ہے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ان کے لیے
مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝
بخشش اور بڑا اجر ہے۔

ترکیب

غیر اللہ یقرأ بالرفع وفیہ وجہان احدہما ہو صفۃ لخالق علی الموضع وخالق مبتدا والخبر محذوف تقدیرہ لکم او للاشیاء والثانی ان یکون فاعل اے ہل یخلق غیر اللہ شیئا و یقرء بالجر علی الصفۃ لفظا یرزقکم یجوز ان یکون مستانفا ویجوز ان یکون صفۃ لخالق الذین کفروا یجوز ان یکون مبتدا وما بعدہ الخبر وان یکون صفۃ لحزبہ اوبدلا منہ وان یکون فی موضع جر صفۃ لاصحٰب السعیر من التبیان۔

تفسیر

اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی نعماء کو یاد دلاتا ہے۔ فقال یایہا الناس اذکروا نعمت اللہ کہ لوگو میری نعمتوں کو یاد کرو۔ پھر ان نعمتوں کی تفصیل کرتا ہے ھل من خالق غیر اللہ کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی پیدا کرنے والا ہے؟ اس میں نعمت ایجاد ابتدائی کی طرف اشارہ ہے۔ یرزقکم من السماء والارض کہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دلوے؟ آسمان سے روزی دینا مینھ برسانا، زمین سے روزی دینا میوے اور غلہ پیدا کرنا۔ اس میں نعمت بقاء کی طرف اشارہ ہے اس استفہام کے بعد آپ ہی جواب دیتا ہے لا الٰہ الا ھو کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں فانی تؤفکون پھر کہاں بہکے چلے

جاتے ہو۔ اور اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے ہو الافك بالفتح الصرف پھرنا بہکنا وبالکسر الکذب لانہ مصروف عن الصدق۔

اصل اول توحید کے بعد دوسری اصل رسالت کو ثابت کرتا ہے فقال وان یکذبوك فقد كذبت رسل من قبلك کہ اے نبی اگر ان لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو اس سے رنج نہ کر آپ سے پہلے بھی انبیاء جھٹلائے گئے ہیں۔ رسالت اللہ کی نعمت ہے اور نعمت کی ناشکری انسان کی عادت ہے والی اللہ ترجع الامور اور ہر بات اللہ ہی طرف رجوع کرتی ہے اس کا فیصلہ بھی اسی کے پاس ہے پس اس نے ان منکروں کا برا انجام کیا۔

اس کے بعد تیسری اصل کو ثابت کرتا ہے یایہا الناس ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور لوگو! اللہ کا وعدہ مرنے اور مرکر دوبارہ زندہ ہونے اور جنت و دوزخ میں جانے کا برحق ہے۔ اور دنیا کی زندگانی پر فریفتہ ہو کر حق سے غافل نہ ہو۔ انسان موت کو بالطبع مکروہ سمجھتا ہے لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر مرنا مرنا کہتا ہے مگر دنیاوی لذات وشہوات کے نشہ میں اس کو اپنے مرنے کا خیال بھی نہیں آتا اس لیے آخرت سے غافل ہو کر شب و روز دنیا اور اس کے لذائذ کی طلب میں رہتا ہے۔ یہ ہے دھوکا کھانا۔ بعض کم عقل ضعیف الذہن بدرائے ہوتے ہیں۔ ادنیٰ سی بات میں دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اور بعض اس سے ذرا بہتر ہوتے ہیں وہ دوسرے کے فریب میں ڈالنے سے فریب میں آجاتے ہیں۔ اس لیے اول مرتبہ کے لحاظ سے فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا فرمایا اور

ف الغرور بفتح الغین المبالغ فی الغرور وہو الشیطان ابن السکیت وابو حاتم

ع ۷ ۱۳

دوسرے کے لحاظ سے لا یغرنکم باللہ الغرور ارشاد ہوا۔ وقری بضم الغین قال ابن السکیت الغرور بالضم ما یغر من متاع الدنیا وقیل مصدر غرہ کاللزوم۔

پھر فرماتا ہے ان الشیطن لکم عدو الخ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم کو فریب دیا کرتا ہے سو اس کو دشمن ہی جان کر اس کا کہنا نہ مانو اور جو اس کا کہا مانتا ہے تو پھر جہنم کی طرف لے جاتا ہے منکر بنا دیتا ہے پھر منکروں کو سخت عذاب ہے۔ اور جو اس کے فریب میں نہیں آتے ایمان لاتے اور نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے دارِ آخرت ہے بخشش اور بہتر بدلہ جناتِ ابدی اور سرورِ جاودانی۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ
بھلا جس کے بُرے کام بھلے کر دکھائے گئے ہوں پھر وہ ان کو اچھا بھی جانتا ہو

حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَ
(نیک کے برابر ہو سکتا ہے) پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ
جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے پھر آپ ان پر افسوس

نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
کھا کھا کر ہلاک نہ ہو جائیں کیوں کہ اللہ

عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (۸) وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ
خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کر رہے ہیں اور اللہ ہی ہے جو

اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ
ہوائیں چلاتا ہے پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں پھر ہم اس کو مرے ہوئے

اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ
شہروں کی طرف رواں کرتے ہیں پھر ہم اس سے زمین کو زندہ کرتے ہیں

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ (۹)
ان کے مرنے کے بعد اسی طرح مر کر جی اٹھنا ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ
جو کوئی عزت چاہتا ہے (تو اللہ کی طرف رجوع کرے) کیوں کہ عزت تو سب

جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ
اللہ ہی کے پاس ہے کلمہ طیب (عمدہ باتیں) اسی کی طرف چڑھ کر

الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ
جاتا ہے اور نیک کام اس کو بلند کرتا ہے

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ
اور وہ جو برائیوں کے لیے داؤ کرتے ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ
تو ان کو سخت عذاب ہے اور ان کا مکر

اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ (۱۰) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ
بھی برباد ہو جائے گا اور اللہ نے تم کو

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ
خاک سے بنایا پھر نطفہ سے پھر تم کو جوڑے

اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ
جوڑے کر دیا اور کوئی مادہ بھی بغیر اس کی خبر کے نہ پیٹ

لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ
رکھتی ہے نہ جنتی ہے اور نہ کوئی معمر

مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ
عمر پاتا ہے اور نہ کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي
مگر سب کتاب میں لکھا ہوتا ہے البتہ یہ بات

اللّٰهِ يَسِيْرٌ (۱۱)
اللہ پر آسان ہے۔

ترکیب

افمن الخ ہذہ الجملۃ مستانفۃ لتقریر ما سبق بین ذکر التفاوت بین عاقبتی الفریقین ومن فی موضع رفع بالابتداء وخبرہ محذوف قال الزجاج تقدیرہ کمن ہداہ وقیل کمن لم یزین لہ۔ فلا تذھب نفسک علیھم حسرات تذہب بضم التاء وکسر الھاء من الاذہاب ونصب نفسک علیھم حسرات مفعول لہ و علیھم صلۃ تذہب کما یقال ہلک علیہ حیا ومات علیہ حزنا۔ ویجوز ان ینتصب حسرات علی الحال کما روی عن سیبویہ وقال المبرد انہا تمیز وقری تذہب بفتح التاء والھاء من الذہاب ونفسک مرفوعا ومعناہ فلا تہلک نفسک علیھم للحسرات علی غیھم یرفعہ الفاعل ضمیر العمل والھاء للکلم ای العمل الصالح یرفع الکلم ومکر اولئک مبتدأ والخبر یبور وھو فصل او توکید ویجوز ان یکون مبتدأ ویبور الخبر والجملۃ خبر مکر

تفسیر

یہاں سے شیطان کے فریب کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے فریب دبے ہوئے ایسے بھی ہیں کہ بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بت پرستی کو نجات کا باعث جانتے ہیں پیغمبر کی عداوت کو ثواب سمجھتے ہیں۔ معاذاللہ انسان جب ایسا تیرہ باطن ہو جاتا ہے تو اس پر تاریکی ضلالت کے بڑے گہرے پردے پڑ جاتے ہیں

فرماتا ہے بھلا ایسا شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس کو خدا ان اندھیریوں کی موجوں سے نکال کر روشنی میں لایا ہو اس کو نیک و بد میں کامل تمیز ہو؟ ہرگز دونوں برابر نہیں پس ایسی حالت میں بجز مایوسی کے اور کچھ نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے فان اللہ یضل من یشاء الخ کہ اللہ ہی اگر چاہے تو ہدایت ہو سکتی ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو اسی گمراہی میں پڑا رہنے دے۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ جب ان کی یہ حالت ہے تو آپ ان پر افسوس کچھ نہ کھائیں۔

واللہ الذی الخ یہاں سے پھر اصل مطلب یعنی اثبات حشر میں کلام شروع ہوتا ہے اور ہوائیں چلانا اور ان سے بادلوں کا اٹھانا پھر بادلوں کو بلد میت یعنی خشک شہر یا زمین کی طرف روانہ کر کے مینھ برسانا اور اس کو شاداب کر دینا اپنے عجائب قدرت ذکر فرما کر اس کو قیامت برپا کرنے کا نمونہ بتلاتا ہے چند وجوہ سے۔ اول یہ کہ جس طرح اس مردہ زمین نے اپنے قابل حیات قبول کر لی اسی طرح اعضا بھی قبول کریں گے۔ دوم یہ کہ جو قادر مطلق ہوا سے ابر کو جمع کر لیتا ہے اسی طرح اعضاء انسانیہ کو بھی۔ سوم یہ کہ اسی طرح سے ہم روح کو جسم کی طرف رواں کریں گے

مشرکین اپنے بتوں کو اس لیے بھی پوجتے ہیں کہ عزت و حرمت حاصل ہو۔ یعنی ہر بات میں ان کی پرستش سے کامیاب رہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ الخ کہ جو عزت کا طالب ہے تو عزت بھی اللہ ہی کے ہاں ہر طرح کی موجود ہے۔ پھر اس عزت حاصل کرنے کی ترکیب بتلاتا ہے۔

الیہ یصعد الکلم الطیب کہ اچھی باتیں یعنی کلمہ توحید و تمجید و تہلیل امر بالمعروف و نہی عن المنکر اللہ کی طرف بلند ہو کر جاتی ہیں یعنی مقبول ہوتے ہیں اور عزت حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے بندے کو بھی عزت ہوتی ہے یعنی نیک بات سے انسان کا بول بالا ہوتا ہے والعمل الصالح یرفعہ اور نیک کام بندے کو بلند مرتبہ کرتا ہے۔ یا یہ معنی کہ نیک کام سے کلمہ طیب بلند ہوتا ہے۔ کوئی نیک بات بغیر نیک کام کے مقبول نہیں ہوتی۔ زبانی جمع خرچ کچھ کام نہیں آتا۔ حسن۔ مجاہد۔ سعید بن جبیر۔ قتادہ۔ ابو العالیہ۔ ضحاک

والذین یمکرون السیئات الخ اور جو برے کام کرتے ہیں اور بری تدبیر کرتے ہیں وہ سب تدبیریں رد ہو جاتی ہیں۔

ذلت دلاتی ہیں۔

واللہ خلقکم الخ یہاں سے پھر دلائل توحید شروع کرتا ہے۔ ولا ینقص من عمرہ کی ضمیر معمر کی طرف نہیں پھرتی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر انسان کی عمر کا دراز ہونا اور کسی کی عمر کا طبعی عمر سے کم ہونا سب علم ازلی میں ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذْبٌ

اور دو دریا برابر نہیں کہ یہ ایک تو

فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ

شیریں اس کا پانی خوشگوار ہے اور یہ ایک دوسرا کھاری

أُجَاجٌ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا

کڑوا ہے حالانکہ ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت (مچھلیاں) بھی

ع ۲ / ۱۴

طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا

کھاتے ہو اور زیور (موتی) مونگا بھی نکالتے ہو کہ جس کو پہنا کرتے ہو

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا

اور (اے مخاطب) تو دریا میں پانی کو پھاڑتے ہوئے جہاز بھی چلتے دیکھتا ہے تاکہ تم اس کی عنایت کردہ

مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾

روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ

وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں

فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

داخل کرتا ہے اور آفتاب اور ماہتاب کو بس میں رکھا ہے

كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَلِكُمُ

کہ ہر ایک بندھے ہوئے وقتوں پر چلتا ہے یہ ہے

اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ

اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور جن کو

تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ

تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے

مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿۱۳﴾ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا

بھی مالک نہیں اگر تم ان کو پکارو تو

يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا

وہ تمہارے پکارنے کو بھی نہیں سنتے اور جو سنیں بھی

مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن تو

يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ

تمہارے شرک کا انکار ہی کر دیں گے۔ اور (اے مخاطب) تجھ کو اللہ

مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿۱۴﴾

خبردار کی طرح تو اور کوئی بتا دیگا ہی نہیں۔

ترکیب

سائغ علی فاعل شرابہ مرفوع لاعتمادہ علی ماقبلہ لتبتغوا اللام متعلقۃ بمواخر ویجوزان یتعلق بما دل علیہ الافعال المذکورۃ۔ یولج جملہ مستانفۃ ذلکم مبتدا اللہ خبرہ ربکم خبر ثان لہ الملک الجملۃ خبر ثالث و الذین مبتدا ما یملکون خبر من قطمیر بیان لمفعول ما یملکون ای لا یملکون شیئا من قطمیر۔

تفسیر

مایستوی البحران یہاں سے ان دونوں شخصوں کی تمثیل بیان کرتا ہے یعنی اس کی کہ جس کو شیطان نے اندھا کیا بلکہ برعکس میں کر دیا۔ اور اس کی جو سیدھے رستہ پر چلا جاتا ہے کہ جس طرح شیریں اور کھاری دریا برابر نہیں گو دونوں میں سے تازہ گوشت مچھلیاں اور زیور پہننے کا موتی

اور مونگا نکالتے ہیں اور ہر ایک میں کشتیاں بھی جاری ہیں کہ جن سے روزی حاصل ہوتی ہے تجارت کے ذریعہ سے اور یہ شکر گزاری کا موقع بھی ہے۔ اور نیز اس تفاوت میں قادر مختار کی قدرت کا بھی اظہار ہے۔ اسی طرح مومن و کافر بھی برابر نہیں گو بہت سے اوصاف میں دونوں مشترک ہیں۔ اور دو دریاؤں کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسانی خیالات دریا کی طرح رواں ہیں پر دونوں میں فرق ہے مومن کا دریا جو موج زن ہے تو اس میں شیرینی ہے۔ کافر کے دریا میں انجام کار تلخی۔

یولج الیل الخ یہاں سے اختلافِ زمانہ سے اپنے قادر ہونے پر استدلال کر کے یہ فرماتا ہے ذلکم اللہ ربکم یہ ہے اللہ تمہارا رب، اسی کے قبضہ میں زمین و آسمان رات دن چاند سورج ہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

والذین تدعون الخ اور جن کو کہ تم اس کے سوا پکارتے ہو ان کا رب اور خالق ہونا تو درکنار ان کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ اے شیطان کے فریب میں ڈالے ہوؤ! تم ان بتوں سے کیا عزت ڈھونڈتے ہو۔ اول تو ان کو کچھ اختیار ہی نہیں۔ دوم ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔ سوم ولو سمعوا ما استجابوا لکم اگر فرض کیا جاوے کہ سنتے ہیں تو بھی کچھ فائدہ نہیں، کس لیے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے اور تمہارا کہا نہیں کر سکتے۔

ویوم القیمۃ یکفرون بشرککم اور قیامت کے دن تمہارے شرک کرنے کا انکار کریں گے اور کہیں گے ماکنتم ایانا تعبدون۔ اور ممکن ہے کہ اس جملہ میں ملائکہ اور جن اور شیاطین اور انبیاء علیہم السلام مراد ہوں کہ جن کو لوگ دنیا میں پوجتے اور پکارتے ہیں۔

ولا ینبئک مثل خبیر۔ یہ پیش آنے والی کہ قیامت کو وہ ان کے برخلاف ہو جاویں گے غیب کی باتیں ہیں تجھ کو

اللہ خبردار نے بتلائیں اور اس خبردار کے برابر کون بتلا سکتا ہے۔

ف فرات بالضم آبِ خوش۔ یقال ماء فرات و میاہ فرات۔ سائغ سوغ آسان بگلو فرو شدنِ آب و فرو بردن۔ ملح بالکسر نمک۔ ماء ملیح لغت منہ ولا یقال مالح الا فی لغۃ ردیۃ۔ ماء اجاج بالضم آبِ شور۔ اجوج بالضم مصدر منہ۔ طرو۔ طری تازہ۔ طراوۃ و طراۃ تازگی۔ قطمیر بالکسر پوستک تنک دانہ خرما یا نقطہ سپید بر پشت دانہ کہ خرما از وے روید۔ صراح

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى
لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج
اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾
ہو اور اللہ ہی بے پروا سب خوبیوں والا ہے
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ
اگر چاہے تو تم کو مٹا کر اور نئی مخلوق
جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
لے آوے اور یہ اللہ پر کچھ بھی
بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
مشکل نہیں اور (قیامت کے دن) کوئی کسی کا بوجھ نہ
اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى
اٹھاوے گا اور اگر جس پہ بارِ گناہ ہو وہ کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کو
حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ
بلاوے تو اس کا کچھ بھی بوجھ نہ بٹایا جاوے گا گو
كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ
وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو آپ تو صرف انہیں کو ڈر سناتے ہو جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا

بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز

الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى فَإِنَّمَا يَتَزَكّٰى

پڑھتے ہیں اور جو کوئی سدھرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو

لِنَفْسِهٖ ۚ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۸﴾ وَ

سدھرتا ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا ہے اور

مَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ﴿۱۹﴾

برابر نہیں ہو سکتے اندھا اور آنکھوں والا

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّورُ ﴿۲۰﴾ وَلَا

اور نہ اندھیریاں اور نہ روشنی (برابر ہیں) اور نہ

الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي

سایہ اور نہ دھوپ (برابر ہیں) اور برابر نہیں

الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ

زندے اور مردے اللہ جس کو

يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ

چاہتا ہے سنواتا ہے اور قبر کے مردوں کو تو

مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴿۲۲﴾ إِنْ أَنْتَ إِلَّا

آپ سنا نہیں سکتے آپ تو صرف ایک

نَذِيرٌ ﴿۲۳﴾

ڈر سنانے والے ہیں۔

ترکیب

ان شرطیہ یشاء شرط مفعولہ محذوف۔ یذھبکم جواب الشرط ویأت معطوف علیہ و لذا قری مجزوما وزر اخری مفعول ولا تزر مثقلۃ قال الفراء ای نفس مثقلۃ بالذنوب قال وھذا یقع للمذکر و المؤنث الحمل بالکسر ما یحمل علی الظھر ونحوہ والجمع احمال و حمول۔ والحمل بالفتح ما کان فی البطن او علی راس شجرۃ۔ یقال امرأۃ حامل وحاملۃ اذا کانت حبلی۔ قال الازھری ولو وصلیۃ تتعلق بلا یحمل۔ انما تنذر استانفۃ۔ ولا الحرور فعول من الحر غلب علی السموم وقیل السموم ما یھب نہارا والحرور ما یکون باللیل خاصۃ وقیل عکسہ۔ و لا لتاکید نفی الاستواء وتکریرھا لمزید التاکید۔

تفسیر

جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کو ہدایت پر بلانے میں اصرار ہوا اور مخالفوں کی طرف سے سخت انکار ہوا تو کفار کہنے لگے شاید خدا کو ہماری طاعت وعبادت کی سخت ضرورت ہے کہ جس پر مامور کرتا ہے اور ترک کرنے پر عذاب سے ڈراتا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے یا ایھا الناس انتم الفقراء الخ کہ اے لوگو! تمہیں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ جو ہے تو بے پرواہ ہے اور سب خوبیوں والا ہے۔ اس کو کسی کی عبادت وطاعت کی کچھ پروا نہیں تمہارے ہی بھلے کو تم کو عبادت کا حکم دیا جاتا ہے جس پر تم کو اس قدر غرور اور سرکشی ہے اور تم کیا غرور کرتے ہو۔ ان یشا یذھبکم ویأت بخلق جدید اگر اللہ چاہے تو تم کو نیست ونابود کرکے اور نئی خلق پیدا کردے اور یہ بات اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں۔ اور نبی علیہ السلام کو بھی تم سے کوئی غرض و مطلب نہیں۔ کس لیے کہ ولا تزر وازرۃ وزر اخری۔ قیامت کو کوئی کسی کا بار گناہ نہ اٹھاوے گا، تم جو کروگے آپ بھگتوگے اور قیامت کے دن کوئی گناہ گار اپنے بار گناہ کے اٹھانے کو کسی سے کہے گا تو کوئی نہ اٹھاوے گا گو وہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں نفسی نفسی کا بازار گرم ہوگا۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی اپنی برادری اور کسی فرضی معبود پر گھمنڈ نہ کرے وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آوے گا۔

عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہمارے گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھالے گئے اور ہمارے عوض آپ معاذ اللہ تین روز جہنم میں رہے اس کا بھی ابطال کر دیا کہ یہ خیال غلط ہے۔ کسی کے جرم میں کوئی کیوں پکڑا جاوے؟ اور یہ آیت اس آیت کے مخالف نہیں ولیحملن اثقالہم واثقالا مع اثقالہم کیوں کہ اس میں جو اوروں کا بوجھ اٹھانا آیا ہے تو وہ بھی دراصل انہیں کا بوجھ ہے کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔

انما تنذر الذین الخ فرماتا ہے اے نبی! (علیک السلام) آپ کا وعظ و پند سنانا انہیں کو نافع اور کارآمد ہے جو غائبانہ اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ من تزکّٰی الخ جو کوئی اصلاح پذیر ہوتا ہے اور نیک بختی اختیار کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کے لیے ہے اللہ اور نبی کو کوئی فائدہ نہیں۔

والی اللہ المصیر۔ اور اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ وہاں پائے گا۔ اور یہ گمراہ اپنی گمراہی پر کیا نازاں ہیں کافر و مومن برابر نہیں ہو سکتے جیساکہ اندھا اور آنکھوں والا اور روشنی اور اندھیرا اور سایہ اور دھوپ اور مردہ اور زندہ برابر نہیں۔ یہ کافر و مومن کی مثالیں ہیں۔

پھر فرماتا ہے ان اللہ یسمع من یشاء الخ کہ یہ ہدایت اور گمراہی اللہ کی طرف سے ہے اللہ جس کو چاہے سنا دے یعنی ہدایت دے اور اے نبی تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ یعنی کفار بمنزلہ مُردوں کے ہیں۔ ان میں ہدایت کا مادہ ہی نہیں مگر اتمام حجت کے لیے تیرا کام ہر ایک کو متنبہ کر دینا ہے۔ ان انت الا نذیر۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ

(اے رسول) ہم نے آپ کو دینِ حق دے کر خوشی اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾

اور کوئی فرقہ ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ

اور اگر وہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے بھی

الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم

جھٹلا چکے ہیں ان کے پاس بھی

بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ

ان کے رسول نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب

الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا

لے کر آئے تھے پھر میں نے منکروں کو پکڑ لیا

ع ۳ ۱۲ ۱۵ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾

پھر میری ناراضی کا انجام (دیکھا) کیسا ہوا میرا عذاب۔

ترکیب

بالحق متعلق بارسلنا ویمکن ان یکون حالا ای متلبسا بالحق۔ وکذا بشیرا ونذیرا حالان ویمکن ان یکونا مفعولا لاجلہ وان یکذبوک شرط وجوابہ محذوف ای فاصبر کما صبر الانبیاء فقد کذب الخ دلیل لہ زبر۔ جمع زبور بالفتح۔ قال فی الصراح زبر بالکسر نبشتہ زبور بضم ج و بالفتح نبشتہ و ہو فعول بمعنی مفعول و کتاب داؤد علیہ السلام انتہی۔

تفسیر

جب کہ یہ فرمایا تھا کہ ان انت الا نذیر اس کے بعد یہ بھی فرمایا انا ارسلنٰک بالحق بشیرا ونذیرا کہ اے نبی! آپ اپنی طرف سے نذیر نہیں بن گئے ہیں بلکہ ہم نے آپ کو

ف البینٰت معجزات۔ زبر صحیفے۔ جیساکہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے و
ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر ایسا کوئی گروہ اور کوئی قوم
نہیں کہ جس میں نذیر یعنی نبی بنا کر نہ بھیجا ہو۔ وہ قومیں بھی اپنے
انبیاء سے اسی طرح سے پیش آئی ہیں۔ جلالین میں ہے نذیر نبی
ینذرہا۔ بیضاوی فرماتے ہیں من نبی او عالم ینذر عنہ والاکتفاء
بذکرہ للعلم بان النذارۃ قرینۃ البشارۃ۔ اور کئی جگہ قرآن مجید
میں اسی مضمون کی آیتیں آئی ہیں انما انت منذر ولکل
قوم ھاد۔ ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا۔ وما کنا
معذبین حتی نبعث رسولا۔

ہر ملک میں نبی آئے ہیں

ان آیات اور باعث ارسال رسل پر نظر کر کے اہل حق
قاطبۃ اس بات کے قائل ہیں کہ بنی اسرائیل اور ملک شام
کی کچھ خصوصیت نہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانے میں
خدا تعالیٰ کی طرف سے داعی موجود رہا ہے یا وہ خود نبی ہو یا
اس کے جانشین اور علماء اور کتاب ہو۔ عام ہے کہ وہ نبی کے
پیرو اس کے مذہب کے داعی اسی خاص طریقہ پر ہوں یا
زمانے کے انقلابات سے ان میں کچھ افراط و تفریط ہوگئی ہو
جس کو تحریف و تبدیل کہتے ہیں۔ ہاں جب وہ تحریف و
تبدیل اس درجہ کو پہنچ گئی ہو کہ اصل منشاء نبوت کو پورا
کرنے سے قاصر ہوگئی تب دوسرا نبی یا کوئی مجدد بھی خدا
کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے اور ایسے ہی انتظار
کے وقت کو زمانہ فترت کہتے ہیں یعنی وحی کے بند ہو جانے
کا زمانہ۔ کل امۃ و کل قوم کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ ایک
زمانہ میں ایک ملک میں ہر ہر قوم کا ایک ایک جدا
نبی ہو گو ایسا بھی ہوا ہو اور اسی لیے ایک قوم میں ایک
زمانے میں کئی کئی نبی پائے گئے ہیں۔ مگر نبی اور ہاد کا لفظ
خاص نبی ہی کے لیے مختص نہیں جیسا کہ بیضاوی نے تعمیم
کر دی ہے بلکہ اس کے پیرؤوں کو بھی شامل ہے۔ البتہ
اس بات سے یہ ماننا پڑے گا کہ گو نبی صاحب شریعت و
کتاب صدہا برسوں تک اور بہت سی قوموں اور ملکوں
کے لیے ایک ہی ہو مگر ہر قوم میں اس کے پیرو داعی
ضرور بھیجے گئے ہیں۔ اب ان کا ہم کو علم ہو یا نہ ہو۔ پس جس
قدر انبیاء علیہم السلام کا قرآن و احادیث میں ذکر آگیا ہے
ان کی تصدیق تو یقینی و تعینی طور پر واجب ہے اور باقی کو
اجمالاً برحق کہنا شیوہ اسلام ہے۔ اس میں ہند، فارس،
روم، عرب کوئی ملک کیوں نہ ہو۔ اب رہے ان ملکوں
کے مشاہیر اکابر ان کی نسبت ان کے طریقے کو دیکھ کر
بشرطیکہ وہ انہیں کا مروج طریقہ ہو ہم خیال ظاہر کریں گے
ورنہ علم الٰہی کے سپرد کریں گے۔ ہاں ان کے اس طریقے
میں جو مروج ہو رہا ہے اور ان کے پیرو ان کی طرف
منسوب کرتے ہیں اگر کچھ خرابی ہے تو ضرور کہیں گے کہ یہ
طریقہ من جانب اللہ نہیں، خواہ محرف ہو جانے کے سبب
سے یا اس سبب سے کہ در اصل ہی خود تراشیدہ ہے
مگر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا
صرف آپ کے مجدد ہی نذیر اور ہر قوم کے ہادی اور داعی رہیں گے
واللہ اعلم۔

وان یکذبوک الخ اس میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو تسلی اور منکروں کو تہدید ہے کہ پہلے لوگوں کے
پاس بھی ان کے انبیاء معجزات اور صحیفے اور بڑی کتابیں
لے کر آئے، لوگوں نے جھٹلایا اس سے ان پر عذاب
آیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ادریس و ابراہیم و دیگر انبیاء علیہم السلام
کو چھوٹی چھوٹی کتابیں حسب ضرورت دی گئیں۔ الکتب المنیر بڑی کتاب
جس میں شریعت بھی ہو جیسا کہ توریت تھی ۱۲ منہ

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء ج

اے بندے کیا تو نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ

پھر اس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کیے

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ

اور پہاڑوں میں مختلف رنگتوں کے کچھ تو سفید اور کچھ سرخ

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

اور کالے بھجنگ ہیں

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ

اور اسی طرح آدمیوں اور زمین پر چلنے والے جانوروں اور چارپایوں

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا

کی بھی مختلف رنگتیں ہیں اللہ سے

يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

تو اس کے بندوں میں سے صرف علم والے ڈرتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

بے شک اللہ زبردست معاف کرنے والا ہے جو لوگ کہ

يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز ادا کرتے

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ

اور ہمارے دیے میں سے چھپا کر اور ظاہر کر کے

عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ

دیتے ہیں وہ ایک ایسے سودے کی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ جس میں

تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ

کبھی گھاٹا ہی نہیں کیونکہ اللہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا اور

يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ

اپنے فضل سے اور بھی بڑھ کر دے گا بے شک وہ بخشنے والا

شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ

قدر دان ہے اور (اے رسول) وہ کتاب کہ جو ہم نے آپ کی

مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

طرف وحی کی ہے وہ سر تا سر ٹھیک ہے اپنے سے پہلی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ

(کتابوں کی) تصدیق کرتی ہے البتہ اللہ اپنے بندوں کے حال سے

لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ

خبردار ہے (اور) ان کو دیکھ رہا ہے پھر ہم نے اپنی کتاب کا ان کو وارث کیا

الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ

کہ جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کر لیا

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ

پھر ان میں سے کچھ تو اپنے ہی برا کرنے والے ہیں (یعنی گنہ گار) اور کچھ ان میں سے

مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ

درمیانی حال پر ہیں اور کچھ ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں کے کرنے میں

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾

پیش قدمی کرنے والے ہیں یہی تو خدا کا بڑا فضل ہے

ترکیب

الوانہا مرفوع بمختلف۔ وجدد بفتح الدال جمع جدۃ و ہی الطریقۃ و بیض ابیضہا و ہو جمع جدید کسریر و سرر قال الجوہری الجدۃ الخطۃ التی فی ظہر الحمار تخالف لونہ والجدۃ الطریق و الجمع جدد و جدائد۔ قال المبرد طرائق وخطوط وغرابیب سود عطف علی بیض وعلی جدد کانہ قیل ومن الجبال ذو جدد مختلفۃ اللون ومنہا غرابیب متحدۃ اللون ۔ وغرابیب جمع غربیب ہو الشدید السواد الذی یشبہ لونہ لون الغراب والغرابیب تابع و تاکید لسود وحق التاکید التاخیر فقیل فی جوابہ ہو تاکید مضمر یفسرہ سود کما جاء فی قول النابغۃ ؎ المؤمن العائذات الطیر یمسحہا والطیر عطف بیان للعائذات وہو الشاہد۔ ومن الجبال

؎ (ترجمہ) قسم ہے امن دینے والے کی پناہ مانگنے والے (باقی برصفحہ آئندہ)

مستانفہ کانہ قال و اخرجنا بالماء ثمرات مختلفۃ الالوان و فی الاشیاء الکائنات من الجبال جدد دالۃ علی قدرتہ ویمکن ان یکون معطوفا کذٰلک فی موضع نصب ای اختلافا مثل ذٰلک العلماء مرفوع لکونہ فاعلا لیخشی۔ یرجون خبر ان الذین۔ لیوفیھم یتعلق بیرجون۔

تفسیر

یہ ایک اور دلیل اس کی وحدانیت پر ہے فقال الم تران اللہ انزل من السماء ماء۔ کذٰلک تک۔ اوپر سے پانی برسنا اور اس سے مختلف رنگتوں کے پھل پیدا ہونا مخاطبین کے نزدیک ایک یقینی اور ظاہر بات تھی جس لیے الم تر استفہام تقریری کے ساتھ کلام شروع کیا۔ ایک پانی سے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے مختلف رنگتوں کے میوے ہونا صریح دلیل ہے کہ یہ کسی قادرِ مطلق کی گل کاری ہے ورنہ طبیعت اور مادہ سب میں یکساں ہے اور علتِ فاعلیہ بھی ایک ہے پر یہ اختلاف کیوں ہوگیا؟ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اختلافات زمین کی وجہ سے ہیں دیکھو کہیں نباتات پیدا نہیں ہوتے اور کہیں بکثرت پیدا ہوتے ہیں اس کا جواب دیتا ہے و من الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانہا وغرابیب سود کہ اچھا یہ زمین میں اختلاف کس کی وجہ سے پیدا ہوا، کس نے زمین کے ٹکڑوں میں مختلف تاثیریں بخشیں؟ زمین کے ایک بڑے سخت حصہ پہاڑوں کو دیکھو جو اپنی صلابت کی وجہ سے دوسرے کے اثر کو بمشکل قبول کرتے ہیں۔ وہ

کس کا یدِ قدرت ہے کہ جس نے رنگ برنگ کی ان بلند پہاڑوں میں دھاریاں ڈالیں کہ کہیں ایک سفید دھاری چلی آتی ہے اوپر سے لے کر نیچے تک سفید پتھروں کی تہہ چُنی ہوئی ہے۔ جہاں تک کھودتے چلے جاؤ گے وہی سفید نکلتا چلا آوے گا۔ اور اس کے آس پاس اور رنگ کا پہاڑ ہے۔ اسی طرح سے کہیں سرخ رنگ ہے اور کہیں نہایت سیاہ پھر یہ اختلاف کس نے کیا؟ اور جمادات اور نباتات پر کیا موقوف ہے حیوانات میں بھی یہی اختلافات ہیں۔

حیوانات میں اشرف المخلوقات انسان کو دیکھو دو بھائی ایک ماں ایک باپ ایک ملک پھر ایک گورا ایک کالا۔

والدواب اور زمین پر چلنے والوں کو یعنی کیڑے مکوڑے سانپ وغیرہ کو دیکھو کہ ایک ہی قسم کے جانوروں کی کیسی مختلف رنگتیں ہیں کوئی سانپ سیاہ ہے کوئی زرد کوئی کوڑیالا۔ ایک ہی میں کئی رنگتیں اور کئی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔

اور اسی طرح الانعام چارپایوں کا حال ہے کوئی بیل سفید کوئی سرخ کوئی سیاہ پھر ایک ہی میں کئی رنگتیں، کان سفید تو تمام سیاہ کسی کی کمر سرخ باقی سیاہ علی ہذا القیاس۔ وہ کون ہے کہ جس نے ان پر مختلف رنگوں کی گوچیاں پھیری ہیں۔ پس جو ان باتوں میں غور کرتے ہیں تو وہ خدا تعالیٰ ہی کا یدِ قدرت دیکھتے ہیں اور اس کی قدرت و جبروت کا خیال کر کے ڈرتے ہیں۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤا کے یہ معنی ہیں جو اس کو قادر مختار جانتے ہیں وہ اس سے ڈرتے اور اس کا احسان مانتے ہیں کہ اس نے ہم کو انسان بنایا اور ایسا بنایا۔ چاہتا تو گدھا بنا دیتا اور انسان ہی بناتا تو لولا لنگڑا کر دیتا یا ناسمجھ پیدا کر دیتا اور وہ جو چاہے کر دے۔ پھر جو اللہ سے ڈرتے ہیں اللہ ان پر فضل کرتا ہے۔ کس لیے کہ ان اللہ عزیز غفور۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پرندوں کو۔ شاعر عذر کرتا ہے کہ مجھے اس اللہ کی قسم کہ جو مکہ میں کبوتروں کو پناہ دیتا ہے جو حرم میں سواروں کے پاس رہتے ہیں میں نے فلاں جرم نہیں کیا۔ اور اس کا اخیر مصرعہ یہ ہے رکبان مکۃ بین الغیل و السند ۱۲ ابو محمد عبدالحق

۱؎ بر صفحہ آئندہ

وہ کون لوگ ہیں ان الذین یتلون کتٰب اللّٰہ و اقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنٰھم سرا وعلانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور وہ ہیں جو اللہ کی کتاب قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور من جملہ اعمال کے بدنی عبادات میں سے سب کا اصل الاصول نماز ہے اس کو دل سے ادا کرتے ہیں اور مالی عبادت بھی ادا کرتے ہیں سب مال نہیں بلکہ اس میں سے ایک حصہ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں چھپا کر بھی اور ظاہر کرکے بھی۔ چھپا کر دینا بہتر ہے اور اگر ریاکاری کا اندیشہ نہیں تو ظاہر کرکے دینے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ اور ممکن ہے کہ چھپا کر دینے سے اشارہ صدقۂ نافلہ کی طرف ہو اور ظاہر کرکے دینے سے مراد زکوٰۃ ہو کیونکہ یہ ظاہر کرکے دی جاتی ہے (کرخی)

یہ لوگ ایک ایسا سودا یا تجارت کر رہے ہیں کہ جس میں کبھی نقصان نہ ہوگا کیوں کہ ایسے اعمال کی جزاء خیر کا اللہ نے قطعی وعدہ کر لیا ہے۔ کما قال تعالیٰ لیوفیھم اجورھم یہ اس لیے کہ اللہ ان کو ان کے کاموں کا پورا بدلہ دے گا، بلکہ ویزیدھم من فضلہ اپنے فضل وکرم سے اور بھی بڑھ کر دے گا محنت سے زیادہ اجر دے گا کس لیے انہ غفور شکور وہ بخشنے والا ہے اور بڑا قدر دان ہے۔ کوئی اخلاص کے ساتھ نیکی کرتا ہے اس کا نہ صرف اس کو بلکہ اس کے متعلقین کو بھی بدلہ دیتا ہے، بڑی غریب پرور قدر دان سرکار ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں کوششیں کی ہیں آج تک ان کو تو کیا ان کی ذریت کو بھی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

دونوں آیتوں میں بڑی حکمت رکھی گئی ہے انما یخشی اللّٰہ میں عمل قلب کی طرف اشارہ ہے جو جمیع حسنات کا اصل الاصول ہے۔ اور ان الذین یتلون میں عمل زبان کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی زبان ذکر الٰہی سے تر رہتی ہے۔ اور اقاموا الصلوٰۃ میں عبادت بدنی کی طرف اشارہ ہے جس میں تمام اعضاء اور روح بھی شریک ہے۔ اور انفقوا میں مالی عبادت کی طرف اشارہ ہے۔ اور تمام حسنات کی دو ہی جانب ہیں۔ ایک اللہ کی تعظیم، دوسری خلق خدا پر احسان کرنا۔ سو ان جملوں میں دونوں آگئیں

اس کے بعد مسئلہ رسالت کو ثابت کرتا ہے اور رسالت کی عمدہ تر چیز کتاب اللہ ہے اس لیے فرماتا ہے والذی اوحینا الیک من الکتٰب ھو الحق کہ وہ کتاب جو ہم نے تیرے پاس اے محمد بھیجی ہے یعنی قرآن مجید وہ برحق کتاب ہے۔ پھر جو اس میں وعدے کیے گئے ہیں وہ بھی برحق ہیں اس سے اس تجارت کے نافع ہونے کا بھی وثوق دلایا گیا ہے۔ الحق کا لفظ ایک بڑی قوی دلیل کی طرف اشارہ ہے جو قرآن کے کتاب آسمانی ہونے پر قائم کی جاتی ہے کہ اس کے تمام مطالب عالیہ پر غور کر جاؤ پھر اس کی خوبی آپ ظاہر ہو جاوے گی۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

مصدقا لما بین یدیہ یہ دوسری دلیل ہے کہ اگلی کتابوں کے کوئی بات برخلاف نہیں پھر اُمّی شخص جو اگلی کتابیں نہ پڑھا ہو بغیر الہام الٰہی کے ان کے مطابق کلام کر سکتا ہے؟

امام رازیؒ ساتویں جلد کے صفحہ ۵۴ میں فرماتے ہیں ف[2]

ف[1] حکماء کا قوس قزح کے اختلاف الوان بیان کرنے میں ہی ناطقہ بند ہے۔ پھر دیکھیں وہ ایک ہی پھول میں مختلف الوان کی کوئی شافی وجہ تو بیان کر دیں۔ ۱۲ منہ

ف[2] امام رازیؒ توریت وانجیل موجودہ کو غیر معتبر کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وجواب عن سوال الکفار وھی انھم کانوا یقولون بان التوراۃ ورد فیھا کذا والانجیل ذکر فیہ کذا وکانوا یفترون من التثلیث وغیرہ وکانوا یقولون بان القرآن فیہ خلاف ذلک فقال التوراۃ والانجیل لم یبق جھما وثوق بسبب تغیرکم فھذا القرآن ما ورد فیہ ان کان فی التوراۃ فھو حق وباق علی ما نزل وان لم یکن فیہ اویکون فیہ خلافہ فھو لیس من التوراۃ فالقرآن مصدق للتوراۃ۔ خلاصہ یہ کہ موجودہ انجیل وتورات قابلِ اعتبار نہیں۔ اگر قرآن کے موافق ہے تو ٹھیک ہے اور جہاں مخالف ہے وہ غلط ہے اور محرف ہے اسی پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔ پس وہ جو جواب تفسیر حقانی میں ایک مخفی عیسائی یہ کہتا ہے کہ توریت وانجیل موجودہ حرفاً حرفاً برحق ہے اور اس بات کو امام رازی کی طرف منسوب کرتا ہے محض غلط اور سخت دھوکا ہے۔

کتاب اللہ کی خوبی بیان کرکے جو لوگ نبی کے بعد اس کتاب کے وارث ہوئے ان کی کیفیت بیان فرماتا ہے ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ کہ پھر ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو قرآن کا وارث کیا یعنی ایمان داروں کو بے شک ایمان لانے والے کافروں کے لحاظ سے برگزیدہ ہوتے ہیں پھر ایمان داروں کی تین قسم ہیں۔ بعض گنہ گار ہیں کہ اپنی جان پر کبائر وصغائر کرکے ظلم کررہے ہیں۔ یعنی اس کتاب پر ایمان تو ہے عمل نہیں کرتے۔ اور بعض ان میں سے درمیانی حالت میں ہیں عامل تو ہیں مگر پورے عامل نہیں۔ اور بعض کامل ہیں ایمان بھی ہے اور عمل بھی پورا ہے ہر ایک نیک کام میں پیش قدمی کرتے ہیں مقاتل اور نسفی اور ابو یوسف اور جمہور کا یہی قول ہے

اور ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی شرح میں فرمایا کہ یہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کے اسناد میں دو راوی مجہول ہیں۔ اور احمد و ابن ابی حاتم وطبرانی وحاکم نے روایت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ سابق بالخیرات وہ لوگ ہیں کہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ اور مقتصد وہ ہیں جو کسی قدر حساب دے کر جاویں گے۔ اور ظالم لنفسہ وہ ہیں جو محشر میں روک دیے جاویں گے پھر اللہ ان کو اپنی رحمت سے جنت میں لے جاوے گا۔ اور بھی روایات ہیں۔ اور لغوی معنی کے لحاظ سے مفسرین کے اور بھی اقوال ان تینوں کے بیان میں آئے ہیں۔

مگر بعض مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد جنسِ کتاب ہے اور الذین اصطفینا سے مراد انبیاء اور فمنھم سے مراد ان کی امتِ دعوت ہے کہ ان میں سے ظالم یعنی کافر بھی ہوئے اور مقتصد نیک بھی اور یہ سابق بالخیرات اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی تھے۔ لیکن قوی تر اول قول ہے اور سیاقِ کلام اسی کو ترجیح دیتا ہے۔

فرماتا ہے ذلک ھو الفضل الکبیر کہ یہ کتاب کا وارث ہونا اور نیک ہونا بڑا فضل الٰہی ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ

ان کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جن میں داخل ہوں گے وہاں ان کو سونے

فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ

کے کنگن اور موتی پہنائے

لُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾

جائیں گے اور وہاں ان کی ریشمی پوشاک ہوگی

ع ١١ ١٦

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيٓ أَذْهَبَ
اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا کہ جس نے ہم سے
عَنَّا الْحَزَنَ ۭ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ
غم دور کر دیا بے شک ہمارا رب معاف کرنے والا
شَكُورُ ۝ الَّذِيٓ أَحَلَّنَا دَارَ
قدر دان ہے وہ کہ جس نے اپنے فضل سے
الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا
ہم کو سدا رہنے کی جگہ (میں) اُتارا کہ جہاں ہم کو نہ کوئی رنج
نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۝٣٥
پہنچتا ہے اور نہ کوئی تکلیف
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ
اور وہ جو منکر ہوگئے ہیں ان کے لیے جہنم کی آگ ہے
لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا
نہ ان پر قضا آئے گی کہ مر چکیں اور نہ
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ
ان کے عذاب ہی میں کچھ کمی کی جائے گی ہم ہر ایک
نَجْزِيْ كُلَّ كَفُورٍ ۝٣٦ وَهُمْ
ناشکر کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں اور وہ
يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ۚ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا
دوزخ میں پڑے چلائیں گے کہ اے رب ہم کو نکال
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا
تاکہ ہم (دنیا میں جاکر) جو کچھ کیا کرتے تھے اس کے سوا اور اچھے
نَعْمَلُ ۭ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ
کام کریں (ہم کہیں گے) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں
فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ۭ
سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈر سنانے والا آیا
فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ۝٣٧
پھر مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں
إِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ
بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں
الْأَرْضِ ۭ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝٣٨
جانتا ہے البتہ وہ دلوں کی باتیں بھی (خوب) جانتا ہے

تفسیر

پھر اس فضلِ کبیر کا نتیجہ بیان فرماتا ہے جنّٰت عدن الیٰ قولہ تعالیٰ لغوب کہ ان کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جہاں وہ آرائش اور تجمل کے ساتھ رہا کریں گے۔ عمدہ لباس پہنیں گے اور اللہ کی تعریف کریں گے کہ اس نے ہماری دنیاوی تکالیف کو دور کر دیا ہمارا رب معاف کرنے والا قدر دان ہے اس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کی جگہ یعنی جنت میں جگہ دی کہ جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف ہے نہ مشقت نہ وہاں بیماری اور بڑھاپے کا ڈر نہ موت کا خطرہ نہ معیشت کا فکر نہ کوئی رنج۔

والذین کفروا الخ یہاں سے منکرین کا حال بیان فرماتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں ڈالے جاویں گے جہاں نہ ان کو موت آوے گی کہ مر کر چھوٹ جاویں نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی، وہ وہاں روئیں گے چلائیں گے دانت پیسیں گے اور کہیں گے اے رب اب کے ہم کو یہاں سے نکال دے دنیا میں بھیج دے کہ وہاں جاکر نیک کام کریں گے اس کے جواب میں ملائکہ کہیں گے کہ کیا تم کو سمجھنے کے قابل عمر نہ دی تھی پھر اتنی عمر تک وہاں رہ کر نہ سمجھے اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ تمہارے پاس خوف دلانے والے بھی بھیجے پھر اب تم ان کا مزہ چکھو تمہارا کوئی حمایتی نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ط
وہی ہے کہ جس نے تم کو ملک میں اگلوں کا جانشین کیا
فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ط وَلَا يَزِيْدُ
پھر (اس پر بھی) جس نے ناشکری کی سو اس ناشکری کا وبال اُسی پر ہے اور کافروں کا کفران کے
الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا
رب کے نزدیک ناراضی کے سوا اور کچھ نہیں زیادہ
مَقْتًا ج وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ
کرتا اور کافروں کا کفر بجز نقصان کے اور کچھ نہیں
اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ
زیادہ کرتا کہو بھلا تم نے اپنے ان معبودوں کو
الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط
بھی دیکھا کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو
اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ
وہ مجھے دکھلاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا کچھ پیدا کیا ہے
اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ج اَمْ
یا ان کا کچھ حصہ آسمانوں میں بھی ہے یا
اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ
ان کو ہم نے کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اس کی سند رکھتے
مِّنْهُ ج بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ
ہیں (کچھ بھی نہیں) بلکہ ظالم آپس میں ایک
بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾
دوسرے کو محض فریب دیا کرتے ہیں
اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ
بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھام
الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ج وَلَئِنْ زَالَتَآ
رہا ہے کہ ٹل نہ جاویں اور اگر وہ ٹل جاویں
اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ط
تو اس کے بعد اور کوئی تھام نہیں سکتا
اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾
البتہ وہ تحمل والا معاف کرنے والا ہے

ترکیب

علم غیب قرء الجمہور بالاضافۃ وقری بالتنوین ونصب غیب خلٰئف جمع خلیفہ ویقال للمستخلف خلیفۃ وخلیف ویجمع الاول علی خلائف والثانی علی خلفاء۔ ارونی بدل اشتمال من ارایتم۔ ارونی ای شیٔ خلقوا من الارض وقیل ارایتم وارونی تنازعانی الفعل وقد اعمل الثانی علی قول البصریین۔ ام لہم وام اٰتینٰہم الضمیر یعود الی الشرکاء وام فی الموضعین منقطعۃ بمعنی بل والہمزۃ فہو اضراب عن استفہام وشروع فی استفہام آخر ان تزولا ای عن ان تزولا ویجوز ان یکون مفعولا لہ ای مخالفۃ ان تزولا۔

تفسیر

کافر جو دوزخ میں کہیں گے ہم کو بار دگر دنیا میں بھیج دیجیے کہ اچھے کام کریں گے اس کے جواب میں فرماتا ہے ان اللہ علم غیب السمٰوٰت الخ خدا تعالیٰ آسمان و زمین کے اندر کی سب چیزیں جانتا ہے دلوں کے حالات و خیالات سے بھی بخوبی واقف ہے یعنی وہ ہر بات کو خوب جانتا ہے اگر تم بار دگر دنیا میں جاؤ گے تو پھر بھی وہی بدکام کرو گے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ اور اس میں اس شبہ یا اعتراض کا بھی جواب ہے کہ جرم کا ارتکاب تو دنیا کی عمر تک ہوا جو پچاس ساٹھ برس یا کم زیادہ کی تھی پھر ہمیشہ جہنم میں رکھ کر سزا دینا جزاء سیئۃ مثلہا کے برخلاف ہے جواب یہ ہے کہ وہ علام الغیوب ہے

جانتا ہے اگر تم ہمیشہ زندہ رہتے تو ہمیشہ اسی کفر پر رہتے ۔

هوالذی جعلکم سے الا خسارا تک یہ بات بیان فرماتا ہے کہ دنیا میں کون سی بات تم کو نہیں دی گئی تھی تم کو خلیفہ بنایا گیا تمام خلق پر تم کو حکومت دی گئی تھی دنیا کے کاروبار خوب سمجھتے تھے، صناعی و حرفت و دیگر فنون میں بڑے استاد اور عقلِ کل تھے پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت اور دارِ آخرت کا مسئلہ سمجھ میں نہ آیا، نفسِ امارہ پر حکومت نہ کی گئی اس کو بدخواہشوں سے نہ روکا گیا ؟ اب تمہارے کفر کا وبال تمہیں پر ہے اور تمہارے کفر نے تمہارا ہی نقصان کیا ہمارا کیا بگاڑا ؟

قل ارایتم شرکاءکم الخ یہاں سے پھر توحید کا مسئلہ شروع کرتا ہے اور مشرکوں کو صریح الزام دیتا ہے کہ ان سے دریافت کرو کہ تمہارے ان معبودوں نے آسمانوں اور زمین میں سے کون سی چیز بنائی ہے ؟ یا ان کا کوئی حصہ ہے یا تمہارے پاس کوئی آسمانی سند ہے کہ اللہ نے کتاب آسمانی میں یہ بات بتلادی ہو ؟ صرف تمہارے ڈھکوسلے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے بلکہ خدا یا مہادیو اور بشن اور برہما دنیا کے پیدا کرنے میں شریک تھے ۔ یا یہ کہ رزق روزی فلاں دیتا ہے، بیماری فلاں دفع کرتا ہے ۔ بلکہ ان اللہ یمسک السموٰت والارض اللہ ہی اپنے یدِ قدرت سے آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے اور اگر وہ بگڑ جاویں یا اپنی جگہ سے ٹل جاویں تو پھر کون ان کو قائم کر سکتا ہے ۔ وہ حلیم ہے تمہاری ان باتوں پر صبر و برداشت کرتا ہے اور تمہاری بیہودہ باتوں سے درگزر کرتا ہے ۔

لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى
کہ اگر ان کے پاس کوئی بھی ڈرسنانے والا آیا تو وہ ضرور ہر ایک امت سے
مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
زیادہ ہدایت پر ہوں گے پھر جب ان کے پاس ڈرسنانے
نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤٢﴾
والا آیا تو اس سے ان کو اور بھی نفرت بڑھ گئی
اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ
کہ ملک میں سرکشی اور بری بری تدبیریں کرنے
السَّيِّئِ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ
لگ گئے اور بری تدبیر تو تدبیر کرنے والے ہی پر
اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا
الٹ پڑا کرتی ہے پھر کیا وہ اس (برتاؤ) کے منتظر ہیں جو
سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
پہلے لوگوں سے برتا گیا آپ خدا کے برتاؤ میں کبھی
اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
بھی تغیر نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور میں کبھی کوئی
اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي
رد و بدل نہ پائیں گے کیا وہ ملک میں پھر کر
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلوں کا
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا
کیا انجام ہوا ؟ حالانکہ وہ
اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور اللہ کچھ ایسا بھی نہیں

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ
اور وہ اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے
لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا
کہ اس کو آسمانوں اور زمین کی کوئی بھی چیز

فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾

ہرا سکے　کیوں کہ وہ　خبردار　قدرت والا ہے

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا

اور اگر　اللہ　لوگوں کو　ان کے　کرتوتوں　پر　پکڑتا

مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَ

تو　روئے　زمین پر　کسی جان دار کو　نہ　چھوڑتا

لَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ

لیکن　وہ　ان کو　ایک وقتِ مقرر تک　مہلت دے رہا ہے

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ

پھر جب ان کا وقت آئے گا　تو اللہ کی نظروں میں اس کا ہر ایک

بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾

بندہ ہے (ہر ایک کے عمل کے موافق برتاؤ کرے گا)

ع ۵　۱۷

ترکیب

استکبارا مفعول لہ وکذا مکر السیئ اے لاجل الاستکبار ولاجل مکر العمل السیئ وقولہ تعالیٰ ما زادھم جواب لما وقیل مکر السیئ اصلہ ان مکر والمکر السیئ فحذف الموصوف ای المکر استغناء بوصفہ اے السیئ ثم بدل ان مع الفعل بالمصدر ثم اضیف (بیضاوی)

تفسیر

توحید کے بعد انکار رسالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ وہاں تو یوں کہیں گے اور یہاں توحید میں بھی ناقص ہیں۔ اور رسالت کے اس درجہ منکر ہیں فقال واقسموا باللہ جھد ایمانھم الخ۔

ابن ابی حاتم نے ابن ابی ہلال سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قریش کہا کرتے تھے اگر اللہ ہم میں سے کسی نبی کو بھیجے گا تو ہم اس کی اور اس کی کتاب کی ایسی اطاعت اور پابندی کریں گے کہ کسی امت نے کسی نبی کی ایسی نہ کی ہوگی پھر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے تو سخت منکر ہو گئے اور دشمنی پر کمر باندھ لی۔ اسی بات کو قرآن مجید میں کئی جگہ یاد دلاتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا وان کانوا لیقولون لو ان عندنا ذکرا من الاولین ایک جگہ آیا ہے ولو انا انزلنا علیک الکتٰب لکنا اھدیٰ منھم اور یہاں یہ آیا ہے کہ پہلے سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آیا تو ہم اس کا اتباع کر کے ہر ایک گروہ یہود و نصاریٰ سے اچھے اور ہدایت والے ہو جاویں گے فلما جاءھم نذیر الخ پھر جب ان کے پاس نذیر آیا یعنی محمد علیہ السلام تو تکبر اور مکاری کے سبب اس سے نفرت کرنے لگے اور اس مکاری کا انجام بد انہیں پر پڑے گا۔

فھل ینظرون پھر کیا وہ پہلوں کے دستور کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جاوے کیونکہ خدا کا دستور بدلتا نہیں۔

اولم یسیروا الخ پھر کیا انہوں نے شام اور عراق اور یمن میں جا کر نہیں دیکھا کہ عاد و ثمود کے ساتھ کیا معاملہ گزرا ہے حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ قوی اور مال دار تھے پھر خدا تعالیٰ پر کون غالب آسکتا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

کوتاہ اندیش کہتے تھے کہ اگر یہی اللہ کا دستور ہے کہ وہ منکروں کو غارت کر دیا کرتا ہے تو ہم کو کس لیے غارت نہیں کر دیتا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔

ولو یؤاخذ اللہ الخ کہ اگر اللہ بندوں کے گناہوں پر جاوے اور ادنیٰ گناہ پر پکڑ لے یا جلدی سزا دینے پر آمادہ ہو جاوے تو ما ترک علیٰ ظھرھا من دابۃ روئے زمین پر کسی چلنے والے جان دار کو بھی زندہ نہ چھوڑے

انسان کی نحوست اوروں پر بھی اثر کر جاوے مثلاً بارش بند کرے، نباتات پیدا نہ ہوں کوئی جانور بھی نہ بچے جو انسان کے کارآمد ہیں۔ بعض کہتے ہیں دابۃ سے مراد انسان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو دنیا آباد رکھنی منظور ہے ایک وقت مقرر تک چھوڑ رکھا ہے پھر جب اجل آجاوے گی تو اللہ جانتا بوجھتا ہے مجرموں کو کامل سزا دے گا۔ واللہ اعلم۔

سورہ یٰس

مکیہ ہے اس میں تراسی ۸۳ آیات پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ② اِنَّکَ
یٰسٓ قسم ہے قرآن پُرحکمت کی کہ بے شک

لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ③ عَلٰی صِرَاطٍ
(اے محمد) آپ بھی رسولوں میں سے سیدھے رستہ پر

مُّسْتَقِیْمٍ ④ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ⑤
ہو قرآن زبردست مہربان کی طرف سے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ
اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ آپ اس قوم کو (عذاب الٰہی سے) ڈرائیں کہ جن کے باپ دادے ڈرائے گئے

فَھُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ
سو وہ غافل ہیں ان میں اکثر پر تو فرمودۂ خدا

عَلٰٓی اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑦
پورا ہو چکا اس لیے وہ ایمان نہ لائیں گے

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا
ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں

فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧
سو وہ ٹھوڑیوں تک اَڑ گئے جس لیے ان کے سر اوپر کو اٹھے رہ گئے

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّ
اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار اور ان کے پیچھے بھی

مِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰھُمْ
ایک دیوار قائم کر دی ہے پھر ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانک بھی دیا ہے

فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ
اس لیے وہ دیکھ بھی نہیں سکتے اور ان کو تیرا

عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ
ڈر سنانا یا نہ سنانا دونوں برابر ہیں

لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ
وہ ایمان نہ لاویں گے تُو تو اُسی کو ڈر سناتا ہے کہ جو

اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ
سمجھانے پر چلے اور بے دیکھے رحمٰن سے ڈرے

فَبَشِّرْہُ بِمَغْفِرَۃٍ وَّاَجْرٍ کَرِیْمٍ ⑪
سو اس کو معافی اور عمدہ بدلہ کا مژدہ سنا

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ
ہم ہیں جو مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو انہوں نے آگے بھیجا

مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ وَکُلَّ
اور جو پیچھے چھوڑا اس کو لکھتے ہیں اور ہر

شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ⑫
چیز کو ہم نے کھلی کتاب میں شمار کر رکھا ہے۔

وقف غفران ع ۸

ترکیب

یٰسٓ کالٓمٓ فی الاعراب واختلف فی معناہ۔ فقال ابن عباسؓ یا انسان بلغۃ طی اقتصر علی شطرہ لکثرۃ

النداء. والمراد بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقال ابوبکر الوراق معناہ یا سید البشر. وقیل ہو اسم من اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقیل حروف اختصرت من الفاظ معدودۃ ابتدرت بہا فی مفاتح السور لرموز یعلمہا اللہ تعالیٰ وقد مر الکلام فی سورۃ البقرۃ. قرء الجمہور بسکون النون. والقراٰن الحکیم بالجر علی انہ مقسم بہ ابتداء. وقیل ہو معطوف علی یٰسٓ علی تقدیر کونہ مجرورا باضمار القسم والاصح ان الواو للقسم. انک لمن جواب القسم علی صراط خبر آخر لان تنزیل قرء ابن عامر وحفص والکسائی بالنصب باضمار اعنی او علی انہ مفعول مطلق ای نزل اللہ ذلک تنزیل العزیز وقریٔ بالرفع علیٰ انہ خبر مبتدأ محذوف بالجر علی البدل من القرآن.

تفسیر

اس سورت میں بیاسی یا تراسی آیتیں ہیں. قرطبی کہتے ہیں بالاتفاق یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے. ابن عباسؓ اور عائشہؓ سے بھی یہی منقول ہے.

فضائل

دارمی و ترمذی و محمد بن نصر و بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل یٰسٓ ہے جو کوئی ایک بار اس کو پڑھے گا دس بار قرآن مجید پڑھنے کا ثواب ملے گا. ترمذی نے اس کے اسناد میں کلام کیا ہے. مگر اسی حدیث کو ابوبکر صدیقؓ سے حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابوہریرہؓ سے ابوبکر بزار نے اور دوسری سند سے روایت کیا ہے. اور حافظ ابویعلی نے ابوہریرہؓ کے واسطے سے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جندب بن عبداللہؓ کے ذریعہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شب کے وقت اللہ کے لیے اس سورت کو پڑھے گا صبح کو گناہوں سے پاک ہو کر اٹھے گا یعنی اس کے گناہ معاف ہو جاویں گے اس کی برکت سے. امام احمد نے بھی اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو. اور اسی طرح نسائی نے فی الیوم واللیلۃ میں نقل کیا ہے اور ابوداؤد و ابن ماجہ نے بھی.

اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ ہر سختی کے وقت یٰسٓ پڑھنا چاہیے. اس کی برکت سے وہ سختی دفع ہوتی ہے حاجت پوری ہوتی ہے. اور موت کے وقت پڑھنے سے میت کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان نصیب ہوتا ہے. اور بہت سی مہمات کے لیے اس سورۂ مبارکہ کا پڑھنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے بارہا تجربہ میں آیا ہے. جب کلمات سحر میں اثر ہو تو اس میں ہونا کیا تعجب کی بات ہے؟ خصوصاً ان کے مطالب عالیہ نفس کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور دنیا اور اس کے مزخرفات سے بیزار کرنے اور خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت یاد دلانے میں عجب اثر پیدا کرتے ہیں.

عرب کے سخت منکروں کو مختلف دلائل و براہین سے قائل کیا مگر اس پر بھی وہ انکار و اصرار سے پیش آتے رہے لیکن یہ جانتے تھے کہ جھوٹی قسم کھانے والا فلاح نہیں پاتا بلکہ برباد ہو جاتا ہے اس لیے اب قسم کے ساتھ کلام کو شروع کیا اور طرزِ سخن کو بدل دیا اس لیے یٰسٓ کہہ کر قسم کھاتا ہے کہ والقراٰن الحکیم کہ ہم کو اپنے اس حکمت سے مالا مال قرآن کی قسم ہے کہ اے محمد! تو ضرور ہمارے رسولوں میں کا ایک رسول ہے علیٰ صراط مستقیم سیدھے رستہ پر ہے.

یٰسٓ سے اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے. خواہ اس وجہ سے کہ

یہ انسان کا مخفف ہے اور انسان سے انسانِ کامل مراد ہے جس کا مصداق آپؐ ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ آپؐ کا نام ہے تو عبارت کے یہ معنی ہوئے اے محمد! ہم کو قرآن حکیم کی قسم آپ رسول ہیں اور سیدھے رستہ پر ہیں۔

اور قرآن کی قسم اس لیے کھائی کہ متکلم کے نزدیک جو چیز عزیز وقابلِ قدر ہوتی ہے جب تک اس کی قسم نہیں کھائی جاتی مخاطب کو اعتبار نہیں ہوتا۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ کلام بظاہر تو قسم ہے مگر یہ بھی ایک برہان ہے جو لفظِ حکیم سے سمجھی جاتی ہے۔ جو کتاب حکمتِ الٰہیہ سے پُر ہو تہذیب واخلاق وسیاستِ مدن، تزکیۂ نفس، معاد ومعاش کی اصلاح سب کچھ اس میں ہو ایسے شخص سے ایسے ملک میں ظاہر ہونا دلیلِ قوی ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اس لیے اس کے بعد میں اس کی تشریح فرماتا ہے۔

تنزیل العزیز الرحیم یہ قرآن زبردست کا اُتارا ہوا ہے جو تمام بنی آدم کو اپنے اس قانون پر چلنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے اور نہ صرف تحکم اور جابرانہ طور پر بلکہ رحیم کا نازل کیا ہوا ہے اس میں سراسر بہتری رکھی ہے جس طرح حکیمِ مشفق یا مادرِ مہربان مریض کو دوا پینے پر مجبور کرتے ہیں اسی طرح اس کی رحمت تم سے چمٹ رہی ہے۔

لتنذر قوما ما انذر اباؤھم فھم غٰفلون تاکہ اے محمد! تو ان عرب کی جاہل قوموں کو متنبہ کرے جن کے باپ دادا بھی متنبہ نہیں کیے گئے کس لیے مدت سے نبی برپا نہیں ہوا تھا، تاریکی جہالت میں ٹکراتے پھرتے تھے اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپؐ صرف عرب ہی کے لیے رسول تھے کس لیے کہ ایک قوم کا ذکر کرنا جو مخاطب بالذات تھے دوسری کی نفی پہ دلالت نہیں کرتا

دوم اس میں بھی تمام دنیا شریک تھی کیوں کہ گو اول اُن کے پاس انبیاء آئے جیسا کہ یہود ونصاریٰ مگر گمراہ ہونے کے بعد ان کے پاس یا ان کے باپ دادا کے پاس کوئی ہادی نہیں آیا تھا۔ اس میں اشارہ ہے کہ عرصہ سے عالم میں تاریکی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

سوم عمومِ بعثت کے لیے بہت سی آیات واحادیث آئی ہیں جیسا کہ قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا پھر جو اس شمعِ ہدایت یا آفتابِ رہنمائی کی روشنی میں نہیں آتا اور اس سے فیض نہیں اٹھاتا تو جان لو کہ وہ جنم کا اندھا اور ازلی بدنصیب ہے اسی بات کو ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے۔

فقال لقد حق القول علیٰ اکثرھم فھم لا یؤمنون کہ ان پر ازلی نوشتہ پورا ہو گیا جس لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ازلی دفتر میں لکھا گیا تھا کہ وہ ایمان نہ لاویں گے، سو اس لیے نہیں لاتے اور عالمِ اسباب میں اس کا یہ باعث ہوا۔

انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا فھی الی الاذقان فھم مقمحون کہ ہم نے ان کی گردن میں ازلی بدبختی کے طوق ڈال دیے جو ٹھوڑیوں تک اڑے ہوئے ہیں اس لیے ان کی آنکھیں اوپر کو رہ گئیں راہِ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اقماح سر اٹھانا آنکھ بند کر لینا۔ دراصل ان کے گلوں میں طوق نہیں پہنائے گئے تھے بلکہ یہ کلام بطور تشبیہ کے ہے ان کے حال کو تشبیہ دی گئی ہے اس کے حال کے ساتھ کہ جس کے گلے میں طوق ڈال دیا ہو۔

وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا یعنی آگے اور پیچھے ہر طرف سے بدبختی اور ازلی گمراہی کی دیواریں کھڑی ہیں فاغشینٰھم فھم لا یبصرون کہ جنہوں نے ان کو چاروں طرف سے ڈھانک لیا جس لیے وہ کچھ حق وباطل میں تمیز نہیں کرتے۔ یہ بھی بطور تمثیل کے

ہے۔ محاورہ کی بات ہے۔ کہا کرتے ہیں ہمارے اس کے درمیان دیواریں کھڑی ہوگئیں یعنی آڑ اور حجاب رنج پیدا ہوگئے۔

پھر فرماتا ہے سواء علیھم الخ کہ اے محمد! آپ کا وعظ کرنا نہ کرنا ان کے حق میں یکساں ہے ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ ان آیات میں مکہ کے سخت بداندیش اور سرکش کفار کی طرف اشارہ ہے جیساکہ ابوجہل وابی بن خلف تھا۔ اور یہ طوق اور یہ دیواریں ازلی بدبختی اور گمراہی اور توہماتِ باطلہ وشہوات ولذاتِ فاسد حبِ جاہ ومال کی دیواریں اور طوق ہیں۔

انما تنذر من الخ تیرا وعظ خداترس لوگوں کو نفع دیتا ہے سو آپ ان کو مغفرت اور اجرِ عظیم کا مژدہ سُنا دیں۔ اس مژدہ کے مطابق بدلہ پانے کی جگہ کا بیان فرماتا ہے کہ وہاں یا یہاں کس جگہ اجرِ کریم ملے گا اور کیوں کر؟

فرماتا ہے انا نحن نحی الموتی الخ کہ کامل بدلہ پانے کا گھر دارِ آخرت ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں نیک و بد اعمال ان کو ہم دفترِ غیب میں لکھتے ہیں اور جو کچھ مرنے کے بعد وہ دنیا میں نیک و بد بات بُرا بھلا اثر پہنچانے والی چھوڑ کر جاتے ہیں اس کو بھی ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہمارے دفتر میں ہر ہر بات لکھی ہوتی ہے پس اس کے مطابق وہاں بدلہ دیں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ

اور ان سے بستی والوں کا حال مثال کے طور پر بیان کرو

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ

جب کہ ان کے پاس رسول آئے جب کہ ان کے پاس

اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا

ہم نے دو کو بھیجا تو ان کو انہوں نے جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے

بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

سے مدد کی پھر تینوں رسولوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ

وہ کہنے لگے تم ہو کیا چیز مگر ہمارے جیسے آدمی اور رحمن

اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

نے تو کچھ بھی نہیں نازل کیا ہے تم تو بڑا جھوٹ

تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ

بولتے ہو رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم

اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا

تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں اور ہم پر کچھ نہیں مگر

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا

صاف حکم پہنچا دینا ہے اور بس وہ کہنے لگے ہم نے تو تم کو منحوس

بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ

پایا اگر تم (وعظ و پند سے) باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر ڈالیں گے

وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور ہماری طرف سے تم پر بڑی مار پڑے گی

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ

انہوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس سے نحوست آئی کہ تم کو سمجھایا

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ

جاتا ہے کچھ نہیں بلکہ خود تم بے ہودہ لوگ ہو اور شہر کے

مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى

پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا (آکر)

قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا

کہنے لگا اے قوم رسولوں کے کہے پر چلو ان کا کہنا مانو

مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو تم سے کچھ بھی اُجرت نہیں مانگتے اور وہ خود ہدایت یافتہ ہیں۔

ترکیب

اصحب القریۃ معناہ واضرب لہم مثلا مثل اصحاب القریہ فترک المثل واقیم الاصحاب مقامہ فی الاعراب کقولہ و اسئل القریۃ کشاف۔ وقیل المعنی اجعل اصحاب القریۃ لہم مثلا علی ان یکون مثلا و اصحب القریۃ مفعولین لاضرب اویکون اصحب القریۃ بدلا من مثلا فعلی ہذا اضرب بمعنی مثل وہو یتعدی الی مفعولین لتضمنہ معنی الجعل و ہما مثلا اصحب القریۃ علی حذف مضاف اذ جاء بدل من اصحب القریۃ بدل الاشتمال ائن ذکرتم شرط وجوابہ محذوف مثل تطیرتم۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا انک لمن المرسلین اور اس کے بعد یہ بھی فرمایا تھا کہ ازلی گمراہ رسولوں کو نہیں مانتے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں حائل ہیں۔ اس جگہ بطور مثال کے اصحب القریۃ کا قصہ بیان کرتا ہے جس سے یہ غرض ہے کہ رسولوں کا آنا اور منکروں کا انکار کوئی نئی بات نہیں اس سے پیشتر بھی ایسا ہو چکا ہے۔

قریہ سے مراد باتفاق جمہور مفسرین شہر انطاکیہ ہے جس کو سکندر رومی کے بعد انٹیوکس نے آباد کیا تھا۔ اس شہر کے لوگ بت پرست تھے اور جوپٹر دیوی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ رومی لوگوں کا مدت سے یہی مذہب تھا۔ یہ شہر ایشیاء کوچک میں ہے آج کل سلطانِ روم کی عمل داری میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے خرابات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بڑی شان و شوکت کا شہر ہوگا۔

اس قصہ کا مختصراً بیان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے حواری دین پھیلانے کو اطراف و جوانب میں پہنچے تو دو حواری اس شہر میں بھی آئے خدا تعالیٰ کی توحید کا بیان کیا، خرقِ عادت دکھائے لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے مارنے کے درپے ہوگئے۔ ان دونوں کے بعد ایک اور تیسرا حواری بھی آکر شامل ہوگیا۔ اسی عرصہ میں ایک شخص اور بھی آیا اور ان کی تصدیق کرنے لگا اور لوگوں سے بڑی خوبی کے ساتھ کلام کیا اس کو لوگوں نے شہید کر ڈالا۔ مرنے کے بعد اس نے آرزو کی کہ کاش میری بخشش کا حال اور نعمت کا میری قوم کو بھی معلوم ہو جاتا۔

اب اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ دو حواری کون تھے اور تیسرا ان کے بعد کون آیا تھا اور وہ شخص جو شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا تھا جس کو شہید کر ڈالا کون تھا؟ قیل ادخل الجنۃ قال یلیت قومی یعلمون سے مفسرین نے یہ بات سمجھی ہے کہ اس کو شہید کر دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے کہ اپنی موت سے مرا ہو اور مرکر اس نے یہ آرزو کی ہو۔ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں ان باتوں کی کچھ بھی تفصیل نہیں صرف مؤرخین کے اقوال ہیں جن کو ہم نقل کرتے ہیں۔ قریہ کا نام بھی احادیث میں نہیں آیا۔

اب ہم عیسائیوں کی کتاب کو دیکھتے ہیں کہ اس میں بھی اس قصہ کا کچھ پتہ ملتا ہے؟ کتاب اعمال کو جو دیکھا تو اس میں یہ قصہ مذکور ہے کمی بیشی کے ساتھ۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کتاب التواریخ و کتاب سموئیل و توریت، سفر پیدائش و کتاب السلاطین کو کسی خاص تذکرہ میں ملا کر دیکھیے بہت کچھ کمی بیشی پاؤ گے۔

کتاب اعمال کے گیارہویں باب ۲۷ ورس میں لکھا ہے۔ "انہیں دنوں کئی ایک نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے۔"

واضرب لہم مثلا اصحب القریۃ اذ جاءھا المرسلون مرسلون سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ حواری رسول تھے مگر یہ استدلال رسالت نہیں ثابت کرتا

کس لیے کہ مرسلون کا اطلاق بھیجے ہوؤں پر ہوا کرتا ہے ۔ عام ہے کہ وہ رسول ہوں یا رسول کے نائب جو اس کی طرف سے یا اس کے حکم سے بھیجے گئے ہوں یا فرشتے ہوں جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ فرشتے دکھائی دیے جو قوم لوط کو غارت کرنے آئے تھے ان کو بھی مرسلون کہا ہے قال فما خطبکم ایھا المرسلون اور سلیمان علیہ السلام کے پاس جانے والے ایلچیوں پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے جو بلقیس کی طرف سے بھیجے گئے تھے وانی مرسلۃ الیھم بھدیۃ فنظرۃ بم یرجع المرسلون (سورۂ نمل) اس شہر میں پہلے دو حواری آئے تھے جیسا کہ کتاب اعمال کے آٹھویں باب سے ثابت ہے کہ فیلبوس اور شمعون پطرس استیفان کی شہادت کے بعد سامریہ میں وعظ کہنے کو گئے اور باب کے اخیر جملہ سے پایا جاتا ہے کہ وہ قیصریہ تک پہنچے تھے" اور گزرتے ہوئے سب شہروں میں جب تک قیصریہ میں نہ آیا خوش خبری دیتا رہا" اور پطرس کا ساتھ میں ہونا اسی باب سے پایا جاتا ہے اذ ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما ۔ اور کتاب اعمال کے گیارہویں باب میں اسی مضمون کی پوری تصدیق ہے قولہ" پھرتے پھرتے فینکی و کپرس اور انطاکیہ میں پہنچے الخ ۲۰ "اور ان میں سے کئی ایک کپرسی اور قرینی تھے جنہوں نے انطاکیہ میں آکے الخ" "تب ان لوگوں کی خبر یروشلم کے کلیسیا کے کان میں پہنچی اور انہوں نے برنباس کو بھیجا کہ انطاکیہ کو جاوے (فعززنا بثالث) وہ پہنچ کے اور خدا کا فضل دیکھ کے خوش ہوا اور ان سب کو نصیحت کی" پھر جو ان کی باہم قیل و قال ہوئی ہے اس کو قرآن مجید نے مفصل بیان کر دیا ۔ فقالوا انا الیکم مرسلون الی قولہ البلٰغ المبین ۔ حواریوں کے آنے کے بعد اس شہر میں سخت قحط پڑا جیسا کہ اسی باب کے ۲۷ درس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں نے خبر دی تھی کہ سخت قحط پڑے گا ۔ اس پر وہاں کے لوگ کہنے لگے انا تطیرنا بکم تمہارا آنا بڑا نحس ہوا اگر اب بھی تم اپنی نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو تم پر پتھراؤ کر دیا جاوے گا ۔ رسولوں نے کہا یہ قحط تمہارے گناہوں کی نحوست سے پڑا ہے قالوا طائرکم معکم ہم تم کو نصیحت کرنے اور سدھارنے آئے ہیں نہ بگاڑنے ۔ ائن ذکرتم نصیحت کرنے کا یہی بدلہ ہے؟ بل انتم قوم مسرفون تم بڑے بدکار لوگ ہو ۔

وجاء من اقصا المدینۃ رجل یسعٰی اکثر مفسرین کے نزدیک یہ شخص[۱] جو شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا رسولوں کی مدد کو آیا تھا حبیب نجار تھا ۔ یہ ایک جذامی تھا حواریوں کی دعا سے تن درست ہوا تھا اور ایمان لایا تھا اس نے رسولوں کی تائید میں یہ تقریر پُر اثر بیان کی جس پر ان کو غصہ آیا اور اس کو مار ڈالا ۔ مرنے کے بعد اس کو اللہ نے جنت میں داخل کیا وہاں بھی اس نے قوم کی ہدایت کی خواہش ظاہر کی ۔ مگر کتاب اعمال میں اس کا ذکر نہیں ۔

بعض کہتے ہیں وجاء من اقصا المدینۃ رجل سے مراد کوئی چوتھا شخص نہیں بلکہ وہ تیسرا ہی شخص ہے جو ان دونوں حواریوں کی مدد کو آیا تھا ۔ اس کے قصہ کو جداگانہ اس کے جداگانہ پُر اثر وعظ کے سبب بیان فرما دیا کہ باہر سے آکر تو یوں کہے اور شہر والے ایسے بدنصیب کہ انکار کریں اور قرآن مجید سے اس کا شہید ہونا ثابت نہیں ہوتا کس لیے کہ فاسمعون سے اس نے حواریوں سے خطاب کیا کہ تم گواہ رہو میں تصدیق کرتا ہوں ۔ یہ بھی فن وعظ کے متعلق ایک عمدہ بات ہے

ف۱ بعض نے دو رسولوں سے مراد شمعون پطرس اور یوحنا اور تیسرے سے پولس لیا ہے مگر پولس غلطی ہے وہ فیلبوس ہے کس لیے کہ پولس باتفاق محققین اسلام حواری نہ تھا بلکہ دین عیسوی کا محرف کر دینے والا تھا ۱۲ منہ

ف۲ بعض کہتے ہیں کہ رجل سے مراد استیفان ہے جس کو یہود نے یروشلم میں شہید کیا اور قریہ سے یروشلم مراد ہے اور پہلے دو رسول شمعون اور یوحنا آکر وعظ کہنے لگے تیسرا ان کی مدد کو برنباس قائم ہوا ۔ یہ شہر شہزادہ طیطس کے حادثہ میں برباد ہوا ۔ اور یہی صحیح ہے جو جوانمردوں کی للکار تھی جب اس کا محاصرہ کر رکھا تھا ۱۲ منہ

تفسیر حقانی

پارہ ۲۳

ومالی

وَمَالِيَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِيۡ فَطَرَنِيۡ وَاِلَيۡهِ
اور مجھے کیا ہوا جو اس کی بندگی نہ کروں کہ جس نے مجھ کو بنایا حالانکہ اسی کے پاس
تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً
لوٹا کر لائے جاؤ گے (مرنے کے بعد) کیا میں اُس کے سوا اور معبودوں کو اختیار کروں
اِنۡ يُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّيۡ
اگر رحمٰن مجھے کچھ ضرر دینا چاہے تو ان کی سفارش
شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَا يُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾
میرے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں ۔
اِنِّيۡۤ اِذًا لَّفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيۡۤ
تب تو میں صریح گمراہی میں جا پڑوں میں تو
اٰمَنۡتُ بِرَبِّكُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ﴿۲۵﴾
تمہارے رب پر ایمان لا چکا سو مجھ سے سن لو۔ (آخر کار اس کو شہید کر ڈالا)

قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِيۡ
(اس کو) حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا اس نے کہا اے کاش میری قوم بھی
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيۡ رَبِّيۡ وَ
جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخشدیا (کن کاموں کے سبب)
جَعَلَنِيۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ
اور مجھ کو عزت داروں میں سے کر دیا اور اس کے بعد
اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ
ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی
جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۸﴾
لشکر نہیں اُتارا اور نہ ہم بھیجنے والے تھے
اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ
صرف ایک ہی چیخ تھی کہ جس سے وہ

خَامِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ

بجھ کر رہ گئے　اے افسوس ہے　بندوں پر

مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

ان کے پاس ایسا کوئی بھی رسول نہیں آیا کہ جس سے انہوں نے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا

ہنسی نہ کی ہو　کیا یہ نہیں بجھ چکے کہ ہم نے ان سے پہلے

قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا

کتنی قوموں کو غارت کر دیا　وہ ان کے پاس

يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ

پھر کر نہیں آئے　اور سب کے سب

لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع ۲

ہمارے پاس حاضر ہیں۔

ترکیب

لما جمیع قری مشددا و مخففا قال الفراء من شدد جعل لما بمعنی الا و ان بمعنی ما۔

تفسیر

قیل ادخل الجنة یہ اس کے لیے دخولِ جنت کی بشارت ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے لیس المراد القول فی وجهه بل هو الفضل یعنی وہ اس شہادت سے جنت کا مستحق ہو گیا اور اسی طرح اس کا قول یلیت قومی ہے گویا اس کی تمنا ہے کہ اس شہادت سے سرور اور قلبی نور جو موجبِ غفران و اکرام ہے مجھے حاصل ہوا ہے کاش میری قوم کو بھی ہوتا۔

وما انزلنا علی قومه من بعده من جند من السماء الخ فرماتا ہے اس شخص کے بعد ہم کو اس کی سرکش قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمانی لشکر کی حاجت نہ پڑی اور نہ پڑنی چاہیے۔ صرف چیخ ان کے ہلاک کرنے کو بس ہو گئی اس شہر پر آفت آئی، لوگ برباد ہوئے۔

فرماتا ہے یحسرة علی العباد بندوں پر افسوس ہے ان کے پاس جب کوئی رسول آیا تو اس کے ساتھ تمسخر سے پیش آئے اور یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں سدا کوئی نہیں رہا ہے پہلے لوگ کہاں گئے کوئی پھر کر نہیں آتا۔ پس وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں اور وہاں اپنے کیے کا بدلہ پاتے ہیں۔

بعض مفسرین جیسا کہ ابن کثیر ہے اس تفسیر پر معترض ہیں بچند وجوہ۔

(۱) یوں کہ اگر قریۃ سے مراد انطاکیہ اور مرسلون سے مراد حضرت عیسیٰؑ کے حواری ہوتے تو وہ خود کہتے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے رسول ہو کر آئے ہیں اور خدا تعالیٰ اذ ارسلنا نہ فرماتا۔

(۲) انطاکیہ عیسائیوں کے چار کلیسا[1] میں سے ایک عمدہ کلیسا ہے جہاں ان کے اسقوف رہا کرتے ہیں وہاں کے لوگ ایمان لائے کبھی یہ شہر فرشتے کی آواز یا چنگھاڑ سے ہلاک نہیں ہوا۔ بلکہ قریۃ سے مراد کوئی اور شہر ہے جہاں اول بار خدا تعالیٰ کے دو رسول آئے پھر ان کی مدد کو تیسرا آیا پھر شہر کے کنارے سے ایک ایمان دار دوڑتا ہوا ان کی مدد کو آیا اور بہت عمدہ تقریر کی جس پر لوگوں نے خفا ہو کر اس کو مار ڈالا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی اور جنت میں جگہ دی اس کے بعد یہ شہر بلائے آسمانی سے ہلاک ہوا۔ زمانِ گزشتہ میں کسی جگہ یہ واقعہ گزرا ہے جس کی مفصل خبر ہم کو نہیں دی گئی۔ تنبیہ کے لیے اسی قدر بیان کافی تھا۔

[1] ایک انطاکیہ میں دوسرا یروشلم میں تیسرا رومیہ میں چوتھا اسکندریہ میں تھا۔ یہ بڑے مواقع ہیں اور اس کے بعد اور بھی تھے ۱۲ سعد بن بطریق۔

اول اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجا جانا خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جانا ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بلاء ناگہانی اس شہر پر آئی ہے اس کے خرابات شاہد عدل ہیں۔ کتب تاریخ دیکھ لو۔ علیٰ قومہ کی ضمیر خاص اہل انطاکیہ کی طرف نہ پھرے بلکہ عموماً منکرین مراد ہوں اور صیحۃ سے مراد بلاء آسمانی۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا

اور ان کے لیے خشک زمین بھی ایک نشانی ہے جس کو ہم نے زندہ کیا

وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اس سے اناج نکالا کہ جس کو وہ کھاتے ہیں

وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ

اور اس میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے

اَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾

باغ بنائے اور ان میں چشمے جاری کیے

لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ

کہ اس کے پھل کھائیں اور یہ چیزیں ان کے ہاتھوں کی

اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

بنائی ہوئی تو ہیں نہیں پھر کیوں شکر نہیں کرتے

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا

پاک ذات ہے وہ کہ جس نے زمین سے اُگنے والی چیزوں کو

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ

گوناگوں بنایا اور خود ان میں سے بھی

وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۖۚ

اور ان چیزوں میں سے بھی کہ جن کو وہ جانتے بھی نہیں اور ان کے لیے رات بھی ایک نشانی ہے

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

کہ ہم اس میں دن کو کھینچ لیتے ہیں پھر تب ہی وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ

اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانے پر چلا کرتا ہے یہ

تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ

اندازہ کیا ہوا ہے زبردست خبردار کا اور چاند کے لیے

قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ

ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ پرانی[1] شاخ کی طرح سے پھر

الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ

نکل آتا ہے نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو

اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ

جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے

النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

آسکتی ہے اور ہر ایک ایک آسمان میں تیرتا پھرتا ہے

وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ

اور ان کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں

الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ

سوار کیا اور ان کے لیے اسی طرح کی اور بھی چیزیں بنا دی ہیں

مَا یَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ

کہ جن پر وہ چڑھے پھرتے ہیں ہم چاہتے تو ان کو ڈبو دیتے

فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾

پھر نہ ان کا کوئی فریاد رس ہوتا اور نہ وہ بچائے جاتے

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا

مگر ہم نے اپنی مہربانی سے اور ایک وقت تک

اِلٰی حِیْنٍ ﴿۴۴﴾

برتنے کے لیے بچا یا۔

لہ باریک اول رات کا چاند۔ اس کے باریک ہونے اور خم دار ہونے میں پرانی شاخ کے ساتھ تشبیہ ہے ۱۲ منہ

ترکیب

وآیۃ مبتدأ لھم الخبر والارض مبتدأ احیینٰھا الخبر والجملۃ تفسیر للآیۃ وقیل الارض مبتدأ آیۃ خبر مقدم واحییناھا تفسیر الآیۃ ولھم صفۃ الآیۃ من العیون علی قول الاخفش من زائدۃ وما عملتہ ما بمعنی الذی او نکرۃ موصوفۃ وعلی الوجہین ہی فی موضع جر عطفا علی ثمرہ واما نافیۃ والقمر بالرفع مبتدأ قدرنٰہ الخبر وبالنصب علی فعل مضمر ای قدرنا القمر العرجون فعلول فالنون اصل وقیل زائدۃ۔

تفسیر

وآیۃ لھم الارض الخ امم ماضیہ کے سرکش لوگوں کا حال بیان فرما کر جو توحید کے انکار سے برباد ہوئے تھے توحید کے دلائل بیان فرماتا ہے۔ ان میں سے پہلی دلیل خشک زمین ہے اس کا حال بیان فرماتا ہے کہ خشک زمین کو خدا تر وتازہ کرتا ہے اس میں کھیتیاں اور باغ اور چشمے پیدا کرتا ہے تمہارے لیے۔ اور یہ چیزیں نہ تمہاری بنائی ہوئی تھیں نہ تمہارے معبودوں کی پھر بھی تم شکر نہیں کرتے خاص اللہ کی عبادت نہیں کرتے اللہ کے ساتھ اوروں کو ملاتے ہو۔ حالانکہ وہ پاک ہے اس نے زمین کے نباتات ہر قسم کے پیدا کیے اور تمہارے جوڑے بنائے مرد وعورت، اور بہت سی چیزوں کے جوڑے کہ جن کو تم نہیں جانتے۔ یعنی خدا کے سوا جو کچھ ہے اس کا مثل اور جوڑا ہے مگر اس کا کوئی مثل اور جوڑا نہیں پس پرستش کے لایق وہی ہے۔

وآیۃ لھم الیل یہ دوسری دلیل ہے کہ رات اندھیری ہوتی ہے اس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں جس سے اندھیرا ہو جاتا ہے یعنی دن میں سے رات پیدا کر کے دنیا کو اندھیری کر دیتے ہیں۔ آفتاب اپنی خاص چال پر چلتا ہے جو اس کی چال مقرر کر دی ہے اس کا خلاف نہیں کر سکتا۔ اور اسی طرح چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں مہینے بھر میں دورہ تمام کر کے پھر پتلی سوکھی خم دار ٹہنی کی طرح برآمد ہوتا ہے۔ عرجون بالضم درخت خرما شاخ ہائے بریدہ۔ (صراح) چاند کو کھجور کی سوکھی ہوئی ٹہنی سے تشبیہ دی ہے اس کے باریک ہونے اور ٹیڑھے ہونے میں۔ آفتاب ماہتاب کو نہیں پکڑ سکتا نہ وہ اس کو۔ نہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے۔ ہر ایک ستارہ اپنی اپنی جگہ پر اس طرح سے حرکت کرتا ہے کہ گویا دریا میں مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ آسمان بمنزلہ دریا کے ہے یہ بھی اسی کا کام ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں۔

وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون یہ تیسری دلیل ہے کہ پانی کی سطح پر جو سیکڑوں گز گہرا ہے ہم تم کو کس طرح سے کشتی میں سوار کر کے پھراتے ہیں۔ ذریتھم کی ضمیر عباد کی طرف پھرتی ہے اور ذریت سے مراد بچے ہیں۔ یہ زیادہ تعجب کی بات ہے کہ کمزور بچے یوں پانی پر سفر کریں۔

واحدی کہتے ہیں ذریت کا اطلاق آبا پر بھی ہوتا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کے باپ دادا کو نوح کی کشتی میں سوار کیا اور اس کے بعد اور اسی طرح کی کشتیاں بنانی سکھائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بھری کشتیوں سے مراد حاملہ عورتوں کے پیٹ ہیں تشبیہ کے طور سے اور ان میں بنی آدم کی ذریت یعنی بچوں کو خدا سوار کرتا ہے اور لطف سے حفاظت کرتا ہے۔

وخلقنا لھم من مثلہ ما یرکبون سے مراد بعض کے نزدیک اونٹ وغیرہ دیگر بارکش چیزیں ہیں جن کو خشکی کی کشتی کہنا چاہیے جس میں چھکڑے اور ریل گاڑی بھی آ گئی۔ یہ سب اس کی عنایت ورحمت ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے سامنے اور پیچھے آنے والے عذاب

وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۵﴾ وَ

سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو ہنسی اڑاتے ہیں) اور

مَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ

ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے ایسی کوئی بھی نشانی نہیں آتی

إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا قِيلَ

کہ جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا

لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

ہے کہ اللہ کے دیے میں سے کچھ خرچ کیا کرو

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا

تو کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ

أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ

کیا ہم اس کو کھلا دیں کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ اس کو کھلا سکتا تھا

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۴۷﴾ وَ

تم جو ہو تو صاف گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو اور

يَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ

کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم

صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا

سچے ہو وہ صرف ایک چیخ ہی کا

ترکیب

یخصمون بالتشدید اصلہ یختصمون نقلت حرکۃ التاء الی الخاء وادغمت فی الصاد۔

تفسیر

واذا قیل لھم۔ یہاں سے ان کی سرکشی بیان ہوتی ہے ما بین ایدیکم سے مراد دنیاوی مصائب جو سرکشوں پر آیا کرتے ہیں۔ وما خلفکم سے دارِ آخرت کے مصائب (یہ سفیان کا قول ہے)

واذا قیل لھم انفقوا یہ ان کی دوسری بدخاصیت بیان کی ہے کہ جب ان سے اللہ کی راہ میں دینے کو کہا جاتا ہے تو طعن کی راہ سے کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی نے نہ دیا تو ہم کیوں دیں۔ اگر دینا ہوتا تو وہ خود نہ دیتا۔ یعنی ان میں نہ تقویٰ ہے۔ جو تعظیم امر اللہ ہے نہ رحم بر خلق اللہ ہے باایں ہمہ دلیری یہ ہے کہ پوچھتے ہیں متیٰ ھٰذا الوعد کہ قیامت کب آوے گی؟

اس کے جواب میں فرماتا ہے ما ینظرون الخ وہ جب آوے گی تو کچھ دیر نہ لگے گی صرف اسرافیل کی ایک ہی چیخ ہوگی نفخۂ اولیٰ جس میں بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ نہ کچھ اپنے دل کی کہہ سکیں گے نہ گھر تک جا سکیں گے جو کوئی جس حال میں ہوگا اس آواز کے سنتے ہی بے ہوش ہو کر مر جاوے گا۔ پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا فنا ہو جاوے گی۔

صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ

انتظار کر رہے ہیں کہ ان کو آلے گی اور وہ

يَخِصِّمُونَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً

جھگڑتے ہی رہیں گے پھر ان کو نہ تو کچھ کہہ مرنے کی قدرت ہوگی

وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۰﴾

اور نہ اپنے گھروں میں واپس آسکیں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ

اور صور پھونکا جاوے گا تو وہ فوراً اپنی قبروں سے نکل کر

الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿۵۱﴾

اپنے رب کی طرف دوڑے چلے آئیں گے

ف اجداث جمع جدث۔ جدث اور جدث قبر کو کہتے ہیں۔ نسل ونسلان دوڑنا۔

ع ۳ ۱۸ ۲

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ

کہیں گے ہائے کم بختی ہم کو کس نے ہماری خواب گاہوں سے اٹھا دیا (فرشتے

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ

کہیں گے) یہ وہی وقت ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسول سچ

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً

کہتے تھے وہ تو صرف ایک ہی زور کی

وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

آواز ہوگی پھر تو وہ سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا

پس اس دن کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور

تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

اسی کا بدلہ پاؤ گے جو کیا کرتے تھے۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ

بے شک بہشت کے لوگ اس دن مزے سے دل

فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ

بہلا رہے ہوں گے وہ اور ان کی بیویاں

ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾

سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾

وہاں ان کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ وہ طلب کریں گے وہ بھی موجود ہوگا

سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

خدا رحیم کی طرف سے سلام کہا جائے گا

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور (دوزخیوں سے کہا جائے گا) آج اے مجرمو! (جنتیوں سے) الگ ہو جاؤ۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

اے اولاد آدم کیا ہم نے تم سے یہ تاکید نہ کر دی تھی

اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ

کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ

صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾

(کیونکہ) یہ سیدھا راستہ ہے۔

ف ظلال جمع ظل سایہ۔ آرائک جمع اریکہ چھپر کھٹ یا مسہری ۱۲ منہ

ترکیب

ھٰذا مبتدا۔ ما وعد الرحمٰن خبرہ وما مصدریۃ او موصولۃ محذوفۃ العائد ویمکن ان یکون ھٰذا صفۃ لمرقدنا وما وعد خبر مبتدا محذوف او یکون مبتدا و خبرہ حق محذوف ھم مبتدا وازواجھم معطوف علیٰ ھم للمشارکۃ فی النعماء۔ فی ظلل حال من المعطوف علیہ متکئون خبر علی الارائک صلۃ لہ ما یدعون من باب الافتعال من الدعاء وما موصولۃ او موصوفۃ بالابتداء۔ لھم خبرہا سلٰم بدل منہا او صفۃ اخریٰ قولا منصوب علی انہ مصدر لفعل محذوف ای قال لھم اللہ ذلک قولا۔

تفسیر

کس لطف کے ساتھ مبدا کے بعد مسئلہ معاد کا ذکر کیا ہے۔

ونفخ فی الصور یہاں سے نفخۂ ثانیہ کا ذکر ہے کہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد پھر اسرافیل صور پھونکیں گے جس کی آواز سے ہر ایک مردہ قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں حساب کی جگہ تختِ رب العالمین کی طرف دوڑتا ہوا چلا آوے گا۔ قالوا یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا

عذاب دیکھ کر حیران ہوں گے اور کہیں گے کس نے ہم کو خواب گاہوں سے بیدار کر دیا۔ کفار کو مرنے کے بعد حشر تک قبر میں عذاب ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے۔ اور اسی پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے۔ پھر خواب سے جگا دینا جو کفار کہیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان کے حواس پریشان ہوں گے اس بدحواسی میں وہ قبروں میں رہنے کو خواب سمجھیں گے یا عذابِ حشر کے مقابلہ میں قبر کا عذاب راحت اور خواب معلوم ہوگا۔ ابی بن کعب و ابن عباس و مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ نفخۂ اولیٰ سے لے کر نفخۂ ثانیہ کے زمانے میں ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا تب وہ آرام سے سوتے ہونگے پھر جب حشر برپا ہوگا صور پھنکے گا تو یہ کہیں گے۔

فرشتے یا اہلِ نجات کہیں گے ھٰذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون یہ وہ دن ہے کہ جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور اپنی رحمت سے بتلا دیا تھا اور اس خبر میں رسول سچے تھے۔

فرماتا ہے ان کانت الا صیحۃ الخ کہ قیامت برپا ہونے میں کچھ بھی دیر نہ لگے گی صرف اسرافیلؑ کا صور پھونکنا ہوگا کہ برپا ہو جاوے گی اور سب حاضر ہو جاویں گے۔

فالیوم لا تظلم الخ اس دن کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا اپنے کیے کا پورا بدلہ پاوے گا۔ آگے بدلہ کا بیان ہے اور سب سے پہلے نیک لوگوں کا بدلہ ذکر کرتا ہے۔

فقال ان اصحٰب الجنۃ الخ کہ نیک لوگ بہشت میں عیش و آرام کریں گے۔ یہ جنتِ جسمانی کی طرف اشارہ تھا۔

سلٰم قولا من رب رحیم یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کو سلام پہنچے گا ان پر تجلّی ہوگی اور دیدار سے سرفرازی بخشی جاوے گی جو سرورِ ابدی ہے۔ اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے۔

وامتازوا الیوم الخ کہ مجرموں کو سزا دینے کے لیے جماعت سے الگ کر دینے کا حکم ہوگا اور ان کو ملامت کی جاویگی کہ دیکھو ہم نے تم سے کہلا بھیجا تھا کہ شیطان کا کہنا نہ ماننا وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور خاص میری عبادت کرنا یہ سیدھا رستہ ہے مگر تم نے نہ مانا آج اس بلا میں گرفتار ہوئے۔

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ

اور البتہ اس نے تو تم میں سے بہت مخلوق کو گمراہ کیا تھا

أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ (۶۲) هَٰذِهِ

پھر کیا تم کو عقل نہ تھی یہ ہے

جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (۶۳)

وہ دوزخ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ

آج اس میں بیٹھو اس سبب سے کہ تم

تَكْفُرُونَ (۶۴) الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ

انکار کیا کرتے تھے آج ہم ان کے مونہوں پر

أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ

مہر کر دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے

وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا

اور ان کے پاؤں جو کچھ یہ کیا کرتے تھے اس کی

يَكْسِبُونَ (۶۵) وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا

گواہی دیں گے اور اگر ہم چاہتے تو ان کی

عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ

آنکھیں پٹ کر ڈالتے پھر وہ راستہ کو ٹٹولتے پھرتے

فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ (۶۶) وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ

سو کہاں دیکھ سکتے تھے اور اگر ہم چاہتے تو ان کے گھروں ہی پر

عَلٰی مَکَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا

ان کی صورتیں مسخ کر دیتے   کہ پھر وہ نہ آگے بڑھ سکتے

ع ۱۷ ۴ ۳

وَّلَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور نہ پیچھے ہٹ سکتے۔

ترکیب

اللام موطئة للقسم والجملة مستانفة للتوبیخ ای واللہ لقد اضل۔ جبلا فیہا لغات متعددۃ وہی جمع جبلة بمعنی الخلق وقیل الجبلة والجبل واحد افلم الہمزۃ للتوبیخ والفاء للعطف علی مقدر ای کنتم تشاہدون اما کنتم تعقلون ولو کلمة الشرط نشاء شرط مفعولہ محذوف ای ان نطمس لطمسنا جوابہ ای اذہبنا اعینہم ای اعینا ہم فاستبقوا معطوف علی لطمسنا وکذا قولہ تعالیٰ ولو نشاء لمسخنھم وسیظہر لک المعنی فی التفسیر۔

تفسیر

ولقد اضل سے لے کر یکسبون تک اسی گفتگو کا تتمہ ہے جو قیامت کے روز منکرین سے بطور الزام کے کی جاوے گی کہ تم میں سے یہ شیطان بہت خلق کو گمراہ کر چکا تھا، جن کی گمراہی اور بدکاری سے دنیا میں بھی ان پر بلا آئی۔ پھر بھی تم نہ سمجھے اب تمہارے لیے یہ جہنم تیار ہے اس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور تم جھوٹ جانتے تھے آج اپنے اعمال کے سبب اس میں گرو۔

منکرین آخرت میں بھی اس الزام کے بعد خدا تعالیٰ سے جھوٹ بولیں گے اور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم بتوں کو نہیں پوجتے تھے۔ اس بات پر خدا تعالیٰ فرماوے گا الیوم نختم کہ اُس روز ہم تمہارے منہ پر مہر کر دیں گے یعنی بند کر دیں گے اور تمہارے ہاتھ پاؤں تمہارے اعمال کی گواہی دیں گے۔

یعنی تمہارے اعمال کی گواہی دیں گے۔ یعنی ان کے ہاتھ پاؤں گواہ ہو جاویں گے۔ اس گواہی کی حقیقت اور ہاتھ پاؤں کی گویائی اسی کو معلوم ہے اور یہ سب اس کی قدرت میں ہے کوئی مشکل بات نہیں سنتِ مطہرہ میں بھی اس کی تشریح ہے۔

ولو نشاء لطمسنا علی اعینھم سے شبہ ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان پر ہاتھ پاؤں کی شہادت لے کر سزا دی۔ اور آپ ہی یہ بھی فرمادیا تھا کہ ہم نے ان کے آگے اور پیچھے گمراہی کی دیواریں کھڑی کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آپ عذاب کے لیے مجبور کر دیا تھا ان کو ہدایت پانے کا کچھ اختیار نہیں دیا تھا۔ اس آیت میں اس بات کا جواب ایک عجب برہان قائم کر کے دے دیا کہ اگر ہم یوں چاہتے تو ان کی آنکھیں اندھی کر دیتے پھر وہ رستہ کو ٹٹولتے اور رستہ نہ پاتے حالانکہ ہم نے ایسا نہیں کیا ان کی ظاہری آنکھیں اور رستہ ظاہری پانا اس کی دلیل ہے کہ جس طرح ہم نے ظاہری آنکھیں دی ہیں ہر ایک کو باطنی آنکھیں بھی عطا کی ہیں لیکن وہ نہیں دیکھتے شیطان نے ان کی آنکھوں پر شہوات و لذاتِ فانیہ کے حجاب ڈال رکھے ہیں۔

پھر اس کی اور بھی تائید کرتا ہے فقال ولو نشاء لمسخنھم علی مکانتھم فما استطاعوا مضیا ولا یرجعون اس کو جانے دو اپنے چلنے پھرنے کی قوت کو دیکھو تم کو ہر طرح سے چلنے پھرنے پر قادر کیا ہے اسی طرح قویٰ باطنیہ بھی ہر قسم کے تم کو عطا کیے ہیں لیکن تم نے ان کو معطل کر رکھا ہے اگر ہم چاہتے تو تم کو اپنی جگہ پتھر کی طرح بے حس و حرکت کر کے ڈال دیتے پھر تم آنے جانے سے عاجز ہو جاتے حالانکہ ایسا نہیں کیا پھر جب تم کو یہ قوتیں عطا کی ہیں اور تم آپ گمراہی میں گرتے ہو پھر کیا وجہ کہ جہنم تمہارے سامنے نہ آئے اور تمہارے ہاتھ پاؤں تم پر گواہی

نہ دیں جن کے تم حاکم بنے ہوئے تھے۔

مضیا بضم المیم وفتحہا وکسرہا والمعنی لا یستطیعون رجوعا یقال مضی یمضی مضیا اذا ذہب فی الارض ورجع یرجع رجوعا اذا عاد من حیث جاء۔ جبر وقدر کے بارہ یک راز کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ولو نشاء الخ آیات میں یہ بات ثابت کی گئی تھی کہ ہم نے ہر ایک بات سمجھنے کی قوت دی تھی اس پر یہ خیال گزرتا تھا کہ ہم کو غور کرنے کا بھی موقع دینا چاہیے تھا، بڑی عمر عطا کرنی تھی کہ تجربہ ہوتے ہوتے اسرار پر بھی آگاہی ہو جاتی اس کا جواب دیتا ہے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ

اور جس کی ہم بڑی عمر کرتے ہیں تو اس کو دنیا میں الٹا کر دیتے ہیں

أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ

پھر وہ کیوں نہیں سمجھتے اور نہ ہم نے نبی کو شعر سکھایا

وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ

اور نہ یہ اس کے لائق ہی تھے یہ تو صرف نصیحت

وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ

اور صاف صاف قرآن ہے تاکہ جو زندہ ہے اس کو

كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى

ڈر سنائے اور کافروں پر الزام ثابت

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا

ہو جائے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے

لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِيْنَا أَنْعَامًا

لیے اپنے ہاتھوں سے چارپائے بنائے

فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا

کہ جن کے وہ مالک بن رہے ہیں اور ان کو ان کے بس میں

لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا

کر دیا ہے پھر ان میں سے کسی پر چڑھتے ہیں اور کسی کو

يَأْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان میں اور بہت سے فائدے ہیں

وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

اور خاص کر پینے کی چیز پھر کیوں نہیں شکر کرتے ؟

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً

اور اللہ کے سوا انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں

لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

تاکہ وہ ان کی مدد کیا کریں اور وہ خود تو اپنی مدد کر نہیں سکتے

نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾

(اور کی کیا کریں گے) اور یہ ان کا لشکر حاضر کیا جائے گا۔

وقف لازم

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا

پھر آپ ان کی بات سے برا نہ مانیں کیونکہ ہم جانتے ہیں جو کچھ

يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

تفسیر

ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق کہ بڑی عمر سے کیا زیادہ سمجھ آجاوے گی؟ سمجھنے کے لیے تو عمر کا ایک معتدبہ حصہ کافی ہے جیسا کہ پہلے فرمایا تھا اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر اور زیادہ عمر ہونے کی آرزو بےکار ہے کس لیے کہ جب عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اعضاء انسانی اور قویٰ مدرکہ بھی ضعیف ہو جاتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس کی ہم عمر زیادہ کرتے ہیں تو اس کو پیدائشی باتوں میں الٹا کر دیتے ہیں۔ قوت کے بعد ضعف، جوانی کے بعد بڑھاپا آجاتا ہے سیدھا قد ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔

افلا یعقلون اس پر بھی وہ عقل نہیں کرتے۔ اس جملہ میں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں ممکنات کے جس قدر کمالات ہیں طاقت و قوت حسن وجمال علم و دانش حتیٰ کہ ہستی سب ہماری دی ہوئی ہے اور اس دنیا میں چند روز کے لیے ہے آخر فنا ہے چند روز کی بہار ہے جس پر تم اس قدر بھولے ہوئے ہو اور محسنِ اصلی اور منزلِ اصلی کو بھولے ہوئے ہو اپنے ہی آپ کو دیکھو عمر زیادہ ہونے میں وہ جوانی کہاں رہتی ہے۔ کہاں گئی وہ قوتِ حافظہ اور کس جگہ چلی گئی وہ قوتِ ہاضمہ۔ کہاں ہے وہ قوتِ باصرہ و سامعہ۔ کہاں ہے وہ رنگ و روغن حسن و جمال، قد جو سرو رواں تھا جھک گیا سب چیزیں تم سے لی جاتی ہیں ایک یہ ہستی بھی چھین لی جائے گی اس پر بھی تم عقل نہیں کرتے۔

ان باتوں کو سن کر کفار عرب کہتے تھے کہ یہ نصیحت آمیز باتیں محمد جو سناتا ہے تو شاعر ہے شاعر بھی ایسا کلام کیا کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وما علمنہ الشعر کہ ہم نے محمد کو شعر نہیں سکھایا وماینبغی لہ اور نہ یہ آپ کے لائق ہے۔ یہ اس لیے کہ الہام اور وحی تو خداوند تعالیٰ کا ایک خاص فیضان ہے جو جبرئیل کے وسیلہ سے روح پر نازل ہوتا ہے قویٰ ملکوتیہ کو ابھارتا اور بہیمیہ کو پست کرتا ہے اور شعر تخیلات کی روانی اور زبان کی لفاظی ہے اس میں کہیں عمدہ باتیں بھی ہوتی ہیں اور بیشتر تو توہمات و تخیلات ہوتے ہیں جو قویٰ شہوانیہ کو جوش میں لاتے ہیں اور اسی لیے شعر کی بابت علماء اسلام نے فیصلہ کر دیا ہے کہ حمد و ثنا وعظ و پند کے شعر اچھے ہیں اور برے مضامین کے برے ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاقیہ کوئی شعر موزوں ہو گیا تو اس سے شاعر نہیں کہے جا سکتے۔

ان ھو الا ذکر و قرآن مبین کہ یہ قرآن جو ہے جو سراسر نصیحت آسمانی ہے۔

لینذر من کان حیا یہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو زندہ دل ہیں ان کو خوف دلائے اور منکروں پر خدا کی حجت پوری ہو جاوے، یہ نہ کہیں کہ دنیا میں ہم کو کسی نے نہیں سمجھایا۔

اولم یروا الخ سے بت پرستوں کو اپنی نعمتیں یاد دلاتا ہے کہ ہم نے ان کے لیے چارپائے پیدا کیے اور ان کو بس میں کر دیا جس لیے ان سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہیں سوار ہوتے ہیں ذبح کر کے کھاتے ہیں ان کے بچوں اور بالوں سے نفع لیتے ہیں دودھ پیتے ہیں پھر بھی شکر نہیں کرتے اللہ کے تابع نہیں ہوتے بلکہ منعم حقیقی کو چھوڑ کر اور معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں حالانکہ وہ ایسے بے بس ہیں کہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے بلکہ قیامت کو پکڑے ہوئے آویں گے۔ یا یہ معنی کہ کفار ان بتوں کا لشکر بن کر ان کے آگے حاضر رہتے ہیں ان کی مدد کر رہے ہیں۔ یا یہ معنی کہ کفار ان کو اپنی مدد کے لیے لشکر جانتے ہیں۔

فلا یحزنک قولھم الخ نبی کو تسلی دیتا ہے کہ ان کی باتوں سے برا نہ مانو۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ

کیا آدمی نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو منی کے ایک قطرہ سے

نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾

بنایا ہے پھر وہ کھلم کھلا دشمن بن کر جھگڑنے لگا۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ط

اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنا پیدا ہونا بھول گیا

قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾

کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط

کہہ دو ان کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي

اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے وہ کہ جس نے

جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا

تمہارے لیے سبز درخت میں سے آگ پیدا کر دی

فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾ أَوَلَيْسَ

کہ تم جھٹ پٹ اس سے آگ سلگانے لگتے ہو کیا وہ کہ

الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اس پر

بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ط

قادر نہیں کہ ان جیسے اور بنائے ؟

بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا

کیوں نہیں وہ بہت کچھ بنانے والا ماہر ہے اس کی تو یہ

أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ

شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اتنا ہی فرما دیتا ہے

كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي

کہ ہو سو وہ ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ ذات کہ جس کے

بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ

ہاتھ میں ہر چیز کا کامل اختیار ہے اور

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

اسی کے پاس پھر تم لائے جاؤ گے ۔

ترکیب

فاذا ھی الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ المنفیۃ قبلھا داخلۃ معھا فی حیز الانکار المفھوم من الاستفھام والمعنی العجب من ہذا المخاصم الذی یجادل الجبار القھار ونسی اصلہ وخلقہ من ای شئ خلق وکیف صار۔ اولیس الھمزۃ للانکار والواو للعطف علی مقدر من نظائرہ رمیم فعیل بمعنی مفعول یستوی فیہ المذکر والمؤنث۔

تفسیر

اولم یر الانسان الخ یہاں سے ثبوتِ حشر پر دلائل قائم کرتا ہے اور منکرینِ حشر کو انہیں کی ذات میں اپنی قدرت وکمال کا نمونہ دکھاتا ہے کہ انسان یقیناً جانتا ہے کہ خدا نے مجھ کو ایک قطرہ پانی سے پیدا کیا ہے جو متشابہ الاجزاء ومتحد الحقیقۃ والاسم ہے پھر اس میں سے ہڈی اور گوشت اور پوست اور سر پاؤں دل ودماغ آنکھ ناک کیسے مختلف الاسم والحقیقۃ اجزاء پیدا کر دیے اور ہر ایک میں جداگانہ قوت وتاثیر رکھی اور اس کے تمام کیل پرزے جوڑ کر اس کو بڑا گویا اور فہیم بنا دیا۔ یہ گویا ہوتے ہی بڑے دشمن، بڑے مقرر منکرِ حشر بن گئے طرح طرح کی حجتیں نبیوں اور اس کے کلام کے مقابلہ میں کرنے لگے۔ وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ اور ہمارے لیے دنیا کے لوگوں کی مثال بیان کی کہ جس طرح دنیا کے لوگ بعض اشد کاموں میں عاجز ہیں وہ بھی ہے یعنی مخلوق کی قدرتوں اور طاقتوں کے قیاس کر کے ہماری قدرت کو بھی محدود سمجھ لیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا اور طرفہ یہ ہے کہ ہماری قدرتِ غیر محدود کا نمونہ اسی کے پیدا کرنے میں موجود ہے اس کو بھول گیا۔ یعنی اس میں غور نہیں کرتا۔ پھر اس مثل کا بیان کرتا ہے۔

ع ۵ ۱۴

قال من یحی العظام وھی رمیم کہ انسان کہتا ہے کہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوئی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ انسان سے مراد عموماً منکرینِ حشر ہیں۔ گو یہ بات جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے عاص بن وائل نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تھی۔ ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم نے اس کو اپنی معجم میں نقل کیا ہے۔

خدا تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ اے محمدؐ کہہ دے ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو اول بار بنایا تھا اور ان کا کچھ بھی وجود نہ تھا پھر بار دیگر بنانا اس کو کیا نہیں آتا؟

حالانکہ وہ ہر چیز مخلوقات کی جانتا ہے کوئی ذرہ اجزاء بدن کا اس سے مخفی نہیں بار دیگر سب کو ملا دے گا اور روح ڈال دے گا۔ یا یوں کہو وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ فالخلق مصدر وعلی الاول بمعنی المخلوق۔

اس کے بعد اور دلیل بیان فرماتا ہے الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا لخ کہ اللہ تو وہ قادرِ مطلق ہے کہ سبز درخت میں سے آگ نکال دیتا ہے۔ بن میں جب بانس کی ٹہنیاں ہوا سے آپس میں رگڑ کھاتی ہیں تو اس سے آگ نکلتی ہے جس سے بن میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے اور عرب میں دو درخت ہیں ایک کو مرخ دوسرے کو عفار کہتے ہیں اور زند اور زندہ بھی۔ جب آگ سلگانی منظور ہوتی ہے تو دونوں کی ہری ٹہنیاں توڑ کر ایک کو دوسرے پر مارتے ہیں آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر آگ اور سبز درخت کو دیکھیے جو پانی اور رطوبت کی پوٹ ہو دونوں ضدوں کو جمع کر دیا۔ پھر جس نے اضداد کو جمع کر دیا کیا وہ اجزاء بدنِ انسانی کو جمع نہیں کر سکتا؟ بے شک کر سکتا ہے۔

اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کرتا ہے اولیس الذی خلق السموٰت والارض بقدر علی ان یخلق مثلھم کہ کیا وہ شخص کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو بارِ دیگر پیدا کرے؟ بیشک پیدا کر سکتا ہے۔ مثلھم اے مثل ہولاء الاناسی الذین ماتوا والمراد ہم علی سبیل الکنایۃ نحو مثلک لایبخل والمراد انت۔ آپ ہی اس استفہام کا جواب دیتا ہے بلیٰ وھو الخلّٰق العلیم کیوں نہیں وہ خلاق ہر چیز پیدا کر سکتا ہے

اور علیم بھی ہے ہر قسم کے علوم اس کے آگے حاضر ہیں قدرت بھی ثابت کی گئی علم بھی۔

اب کلام میں کوئی جگہ مخالف کے لیے باقی نہیں کس لیے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتا ہے اور اس کو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا بھی جانتا ہے تو اس بات کا ماننا اس کو ضرور ہے کہ وہ بارِ دیگر بھی پیدا کر سکتا ہے کیونکہ بارِ دگر پیدا کرنا اول بار کے پیدا کرنے سے عقلاً کوئی زیادہ بات نہیں اور مشرکین کہ جن کے مقابلہ میں یہ کلام ہو رہا ہے خدا کے بھی قائل تھے اور اُس کو خالق آسمان و زمین بھی جانتے تھے حشر کے منکر تھے۔ یہودیوں میں بھی ایک فرقہ منکر حشر کا تھا۔

اس کے بعد ایک اور دلیل بیان فرماتا ہے انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون اس میں ان کی تمثیل کا بھی بطلان ہے کہ وہ کہتے تھے کوئی بھی حشر پر قادر نہیں۔ غائب کا حاضر پر قیاس کرتے تھے، فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس نہ کرو کس لیے کہ مخلوق میں سے جو کوئی کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو وہ چند باتوں کا محتاج ہوتا ہے اول اپنی قوت و طاقت کا ہونا۔ دوم آلات بدنیہ سوم دیگر آلات۔ چہارم اس چیز کا مادہ موجود ہونا۔ پنجم زمانہ کا درمیان۔ ششم موانع کا دور ہونا۔ مثلاً کوئی معمار کسی مکان کے بنانے کا ارادہ کرے تو اس میں قوت و طاقت فن معماری کا علم ہونا چاہیے پھر اس کے ہاتھ پاؤں اعضاء بدنیہ بھی درست ہونے چاہییں پھر اس کے اوزار و آلات بھی ضروری ہیں پھر اس مکان کا مادہ اینٹ پتھر لکڑی گارا چونا لوہا وغیرہ بھی کہ جن سے وہ مکان بنے گا پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مکان دفعۃً نہیں بنے گا زمانے میں تیار ہوگا ایک ساعت سے لے کر دس برس بیس برس کا کسی قدر ہو زمانہ ضرور ہوگا ان سب کے بعد یہ بھی کہ کوئی مانع پیش نہ آوے اگر کسی زبردست نے بننے سے روک دیا تو رک جاوے گا

یا بارش آندھی کوئی بات پیش آجائے تب بھی رک جاوے گا۔ برخلاف خدا تعالیٰ کے کہ وہ ان چیزوں میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں۔ ہمہ وقت اس کے لیے سب سامان مہیا ہیں پھر اس کو مخلوق پر قیاس کرنا کیسی بے عقلی ہے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اس آیت میں بیان کرتا ہے کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی بات ہوتی ہے کہ اس کو کہتا ہے کُن یعنی ہو جا سو وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔ امر سے مراد امرِ تکوینی ہے اور قول اور کن سے بھی قول اور کن تکوینی مراد ہے تو یہ کہ اس معدوم چیز سے خطاب کیا جاتا ہے کہ تو ہو جا، کس لیے کہ وہ تو اس وقت معدوم ہوتی ہے قابلِ خطاب ہی نہیں ہوتی اور جو موجود ہو تو پھر موجود کو موجود کرنے کے کیا معنی؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے علم میں ہر شے ہے خواہ وہ خارج میں موجود ہو یا معدوم اور یہ علم اس کا علم ازلی ہے جب سے وہ ہے اسی کے ساتھ اس کی ذات بابرکات میں تمام چیزوں کا علم ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پیشتر ہی رکھا ہوا ہے پھر جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس موجود علمی سے یہ فرما دیتا ہے یعنی ارادہ کر لیتا ہے کہ ہو جا سو وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔

اس تقریر سے معتزلہ اور کرامیہ کا خیال بھی باطل ہو گیا کہ معدوم کو بھی شے کہتے ہیں اور یہ کہ اس کا ارادہ حادث ہے۔ اس آیت میں اس نے اپنی بے انتہا قدرت کا ثبوت کر دیا اور راسخ الاعتقاد اور سلیم الطبع کو کامل یقین دلایا اور دعوے کو دلیل کر دکھایا۔

اس لیے اس کے بعد اس بحث کے نتیجہ کو کن عمدہ پیرائے اور اسلوب سے بیان فرماتا ہے کہ جو اصل الاصول مطالب کو گھیرے ہوئے ہے۔ فقال سبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون اور اس تمام سورت میں اصل الاصول تین ہی باتیں ہیں۔ توحید، اقرارِ رسالت، اعتقادِ حشر۔ رسالت کو تو کئی مقام پر اس سورت میں ثابت کر دیا ہے۔ ایک بار اول ہی میں فرمایا والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین اور اس کو سب سے اول اس لیے ذکر کیا کہ جب تک انسان رسولوں پر ایمان نہیں لاوے گا اس کے کہنے سے حشر اور اس کی صفات کا کب قائل ہوگا۔ کس لیے کہ یہ باتیں تجربہ اور حس سے باہر ہیں اور براہینِ عقلیہ میں باہم تعارض ہو جاتا ہے اور وہم خلل اندازی کرتا ہے ان باتوں کا کامل یقین تو اس کے فرستادہ یعنی رسول کے کہنے سے ہو سکتا ہے۔ اور ایک بار اخیر رکوع میں ثابت کیا بقولہ وما علمنٰہ الشعر الخ۔

اب رہیں دو باتیں توحید اور حشر پر ایمان لانا، سو اٰیۃ لہم سے شروع کر کے چند دلائل سے اس کو ثابت کر دیا اور حشر کے مسئلہ کو اخیر میں بڑے زور سے ان کا انکار نقل کر کے وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ قال من یحی العظام وھی رمیم ثابت کیا۔ اور اخیر میں اس لیے کہ حشر بھی دنیا کا اخیر ہی ہوتا ہے اور اس بات کے اثبات میں اپنی قدرت غیر متناہی کے جتلانے کے لیے دلائل بیان کرتا چلا آتا ہے اس لیے ختمِ کلام کے موقع پر ان دونوں باتوں کو نتیجہ کے طور پر ثابت کرتا ہے۔ فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون میں توحید کو ثابت کیا۔ اول تو لفظ سبحٰن ہی اس کی تنزیہ و تقدیس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شریک و سہیم و مثل و نظیر اور عجز و حدوث، والد و مولود سب نقصان کی چیزوں سے پاک ہے نہ اس کو جورو کی حاجت نہ بیٹے کی ضرورت نہ کسی جسم میں حلول کرنے کی احتیاج نہ کسی مددگار کی پروا۔ کس لیے کہ بیدہ ملکوت کل شیٔ اس کے ہاتھ میں یعنی قبضہ میں ہر شے کی حکومت ہے۔

یہ جملہ تنزیہ کے لیے بھی دلیل ہے اور آئندہ دوسری بات حشر برپا کرنے کے لیے بھی دلیل ہے کیوں کہ جب اس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے تو مکرر بارِ دگر زندہ کرنے پر بھی

وہ قادر ہے اس لیے اس کے بعد والیہ ترجعون فرمایا کہ اسی کے پاس پھر جاؤ گے یعنی حشر برپا ہوگا مرکر زندہ ہو کے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا۔

اور الیہ جار کو مقدم کیا جس میں اشارہ ہے کہ اس کے پاس پھر جانا ہے نہ کہ کسی اور کے پاس کہ جس کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے اور اس کی خدائی کا حصہ دار یا کار مختار سمجھتے ہو اس پر اور لطف یہ ہے کہ ترجعون مضارع کا صیغہ کا استعمال ہوا اس میں اشارہ ہے کہ حشر قائم ہونے کے بعد تو خدا کے پاس جانا ہی ہے جیسا کہ معنی استقبال مضارع میں پائے جاتے ہیں حال میں بھی تم اسی کے پاس چلے جا رہے ہو۔ یہ عمر تمہارا ایک سفر ہے جس قدر برس گزرتے ہیں یا جس قدر دن گزرتے ہیں گویا تمہارے سفر کی اسی قدر منزلیں طے ہوتی ہیں آخر ایک روز یہ سفر تمام ہوگا موت آوے گی کیا بلکہ سامنے کھڑی ہے پس تمہاری روح کو اس کے سامنے جانا ہوگا اب ہر وقت تم اسی کے پاس سفر طے کرکے جا رہے ہو اور اس پر لطف یہ کہ مضارع مجہول کا صیغہ آیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ تم از خود نہیں بلکہ کوئی اور تم کو لیے جا رہا ہے۔ اور سچ بھی ہے کہ ہم بے اختیار منازل عمر طے کر رہے ہیں۔ اسی بات کو کئی ایک جگہ قرآن مجید میں ذکر کیا ہے فقال یاایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملٰقیہ۔

امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یٰس قرآن مجید کا دل ہے جو کوئی اس کو خالصاً لوجہ اللہ پڑھے گا اس کو خدا بخش دے گا۔ اس کو دل اسی لیے کہا کہ اس سورت میں اعتقادیات ہی ہیں جو دل میں رہا کرتے ہیں۔ یا یوں کہو قرآن مجید کے امہات المطالب یہی تین باتیں ہیں اور ان کے مہتمم یا محافظ یا فروع ہیں اور یہی باتیں لب لباب ہیں اور اعلیٰ تر ہیں۔ اور عمدہ اور اعلیٰ چیز کو انسان کے دل سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے کہ وہ بھی بدن میں سب سے عمدہ اور اعلیٰ اور سردار ہوتا ہے۔

سورۃ صٰفٰت

مکیہ ہے اس میں ایک سو بیاسی آیات
اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝١ فَالزّٰجِرٰتِ
قسم ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی پھر ڈانٹنے والوں کی

زَجْرًا ۝٢ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝٣
دھمکا کر پھر ذکر الٰہی میں تلاوت کرنے والوں کی

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝٤ رَبُّ
البتہ تمہارا معبود تو ایک ہی ہے وہ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
اور زمین اور اس کے اندر کی سب چیزوں کا

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝٥ اِنَّا زَيَّنَّا
اور مشرقوں کا رب ہے ہم نے نیچے کے

السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝٦
آسمانوں کو ستاروں سے سجایا ہے

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝٧
اور اس کو ہر ایک شیطان سرکش سے محفوظ رکھا ہے

ف آفتاب برس دن تک ایک جگہ خاص سے طلوع کرتا ہے دوسری خاص جگہ سے غروب۔ ہر روز نیا مطلع ہے اس لیے رب المشارق والمغارب کہتے ہیں اور گرمی و سردی کے دو مطلع قرار دے کر رب المشرقین ورب المغربین بھی کہتے ہیں ۱۲ منہ

لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ

کہ وہ عالم بالا کے لوگوں کی باتوں کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے

وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ۝٨

ان پر ہر طرف سے کھدیڑنے کے لیے انگارے شہاب

دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝٩

پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ

مگر جو کوئی بات لے بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے

شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝١٠ فَاسْتَفْتِهِمْ

دہکتا ہوا انگارا پڑتا ہے پس (اے رسول) ان سے پوچھو کہ ان کا

أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَم مَّنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا

بنانا بڑی بات ہے یا ان چیزوں کا کہ جن کو ہم نے بنایا ان کو تو ہم نے

خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ۝١١ بَلْ

لیس دار گارے سے بنایا ہے بلکہ

عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝١٢ وَإِذَا ذُكِّرُوا

آپ تو (ان کی احمقانہ باتوں پر) تعجب کرتے ہیں اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اور جب سمجھائے جاتے ہیں

لَا يَذْكُرُونَ ۝١٣ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً

تو سمجھتے نہیں اور جب کوئی قدرت کی نشانی دیکھتے ہیں

يَسْتَسْخِرُونَ ۝١٤ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا

تو ہنسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو

إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝١٥

محض صریح جادو ہے۔

ترکیب

والصّٰفّٰت الواو للقسم وجوابہ ان الٰھکم۔ رب السمٰوٰت بدل من واحد۔ بزینۃ الکواکب من اضافۃ النوع الی الجنس کقولک باب جدید والزینۃ کواکب حفظا ای حفظنا یا حفظا من یتعلق بالفعل المحذوف۔ لا یسمعون الجملۃ فی موضع الجر علی الصفۃ او مستانف دحورا یجوز ان یکون مصدرا من معنی یقذفون او مفعولا لہ الا استثناء من الجنس ای لا یسمعون الملائکۃ الا مخالسۃ ثم یتبعون بالشہب فی خطف۔

تفسیر

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی جمعہ کے روز یٰس اور صٓفّٰت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرے گا اللہ اس کی حاجت روا کرے گا۔ رواہ ابوداؤد فی فضائل القرآن۔

مشرکین مکہ بت پرستی کرتے تھے ستاروں کو بھی قضا و قدر میں شریک جانتے تھے اس لیے ان کی پرستش بھی کرتے تھے اور جنوں اور شیطانوں کو بھی مانتے تھے شیاطین کچھ خبریں بھی جھوٹ ملا کر لوگوں کو دیا کرتے تھے جس پر وہ غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے اور ان شیاطین کی نذر و نیاز کروایا کرتے تھے اور قیامت کے بھی منکر تھے۔ ان سب باتوں کا رد اس سورت میں کرتا ہے اور پہلے دلائل سے رد کر چکا تھا مگر مخاطبین کو وثوق دلانے کے لیے کلام کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے۔

فقال والصّٰفّٰت صفا الخ تین چیزوں کی قسم کھاتا ہے اول صٓفّٰت یعنی صف باندھنے والے۔ دوسرے زٰجرٰت زجر کرنے والے ڈانٹنے اور روکنے والے۔ تیسرے تٰلیٰت ذکرا ذکر کرنے والے۔ اب یا تو ان تینوں چیزوں سے ایک شے مراد ہے یہ تینوں اس کے وصف ہیں یا تین چیزیں جدا جدا۔ اول صورت میں علماء کے کئی قول ہیں۔

اول یہ کہ ملائکہ مراد ہیں کیونکہ وہ آسمانوں میں عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے یا حکمِ الٰہی کی تعمیل کے لیے صف بستہ رہتے ہیں اور ملائکہ ہی بادلوں کو ہانکتے اور ڈانٹتے ہیں۔ یا یہ کہ شیاطین کو بنی آدم کے تکلیف دینے سے ڈانٹتے ہیں۔ یا یہ کہ الہامات کے طور پر ملائکہ کو قلوبِ بنی آدم تک تاثیرات ہیں وہ ان کو معاصی سے روکتے ہیں جس طرح کہ شیاطین آمادہ کرتے ہیں اور وہی ذکرِ الٰہی میں مصروف رہا کرتے ہیں۔ یا اس سے نیک لوگ مراد ہیں جو جہاد و جماعت میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور کفار کو گمراہی سے روکتے اور مخالفین کو ڈانٹتے ہیں اور تلاوتِ قرآن کرتے ہیں۔

دوسری صورت میں بھی کئی احتمال ہیں۔ ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الٰھکم لواحد کہ تمہارا ایک ہی رب ہے وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ستارے رب نہیں بلکہ انا زیّنا ان کو تو ہم نے آسمان کی زینت بنا دیا ہے اور وہ شیاطین کے لیے اوپر جانے سے محافظ بھی ہیں۔

اسی قسم کا مضمون قرآن مجید میں کئی ایک جگہ آیا ہے ایک جگہ آیا ہے ولقد زیّنا السماء الدنیا بمصابیح و جعلناھا رجوما للشیطین ایک جگہ ہے وحفظناھا من کل شیطٰن رجیم الا من استرق السمع فاتبعہ شھاب مبین سورۂ جن میں آیا ہے وانا لمسنا السماء فوجدنٰھا ملئت حرسا شدیدا وشھبا ؐ وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع فمن یستمع الاٰن یجد لہ شھابا رصدا ۵

اور احادیثِ صحیحہ میں بھی یہی مضمون منقول ہے بخاری نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب آسمانوں پر کوئی حکم ہوتا ہے تو خوف کے مارے ملائکہ تھرّا جاتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے سے دریافت کرتا ہے یعنی اوپر کے طبقہ سے لے کر نیچے کے طبقہ والے ملائکہ تک درجہ بدرجہ وہ بات پہنچتی ہے۔ نیچے کے طبقہ والوں سے شیاطین کوئی بات اُڑا لے جاتے ہیں اور اس کو جادوگروں یا بھتنیوں والوں کو پہنچاتے ہیں وہ ایک میں سو جھوٹی باتیں ملا کر مشہور کرتے ہیں پھر کبھی یا اکثر ستارہ ان کے پیچھے دوڑتا ہے اور جلا دیتا ہے اور کبھی وہ کلمہ جادوگر کو پہنچا دیتا ہے۔ اور اسی کے قریب قریب ابن عباسؓ سے مسلم نے روایت کیا ہے اور جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں اور اہلِ سنت کا یہی اعتقاد ہے۔

اوپر رات کو جو کچھ چمکتا ہوا نظر آتا ہے اس کو عرف میں بجز نیرین کے ستارہ کہتے ہیں کہ وہ ثوابت ہوں یا تھوڑی دیر کے بعد مٹ جاویں جیسا کہ کرۂ ارض سے ادخنہ جو اوپر کو صعود کرتے ہیں اور کرۂ نار میں پہنچنے کے بعد ان میں آگ لگ جاتی ہے پھر وہ مادہ مشتعل رات کو مختلف صورتوں میں روشن ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے کبھی دُم دار ستارہ معلوم ہوتا ہے اور جس قدر وہ مادہ ہوتا ہے اُتنا ہی اس کو قیام رہتا ہے حتیٰ کہ مہینوں تک۔ خدا تعالیٰ بندوں کو اپنے عجائب مخلوقات میں قدرتیں دکھاتا ہے کہ یہ جو اوپر رات کو تمہیں ستارے معلوم ہوتے ہیں ان سے آسمان کی زینت ہوتی ہے۔ اندھیرے میں نورانی قندیلیں مختلف صورتوں میں لٹکی ہوئی نظر آ رہی ہیں یہ تو ثوابت ہیں اور بعض جو تم کو تارے معلوم ہوتے ہیں (جس کو تم شہابِ ثاقب کہتے ہو یعنی ادخنہ ارضیہ اور جس کو تم دیکھتے ہو کہ آسمان سے ٹوٹتا ہے یا کوئی پھینک کر دوسری طرف مارتا ہے) ان سے ملائکہ سماوات کام لے رہے ہیں کہ شیاطین اوپر یعنی عالمِ بالا کی باتیں اور وہاں کے روزمرہ جاری ہونے والے حوادث کی خبریں سننے جاتے ہیں ان کو ان سے مارتے ہیں اور گو شیاطین اور جن بھی ناری ہیں ان کا غالب مادہ آتش ہے مگر آگ کے درجے متفاوت ہیں قوی ضعیف میں اثر کرتی ہے اسی لیے ان کو جلا دیتی ہے جیسا کہ انسان کا

غالب مادہ خاک ہے مگر پتھر کے مارنے سے جو وہ بھی خاکی ہے مرجاتا ہے۔ اس تقریر پر تمام شبہات دور ہو گئے عقل و نقل میں موافقت ہو گئی۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں کہ یہ جن و شیاطین کہ جن کو تم پوجتے اور غیب داں جانتے ہو ان کی تو عالم بالا تک رسائی بھی نہیں اور جو کوئی وہاں تک جانے کا قصد کرتا ہے تو ملائکہ ہر طرف سے ان پر کھدیڑنے کے لیے ستاروں کے انگارے مارتے ہیں اور جو کوئی بات سن کر بھاگتا ہے تو اس کو شہاب ثاقب جا لیتا ہے۔

فاستفتھم یہاں سے منکرین حشر کا رد کرتا ہے کہ ہم نے ان کو طین لازب یعنی چپکتے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے کیوں کہ انسان کا غالب مادہ مٹی ہے جو تر ہو کر اس کے اعضا بنانے میں کام آئی ہے نہ صرف تر بلکہ اس کے کئی خمیر ہوئے ہیں پھر خمیروں کا عطر لیا گیا ہے۔ پھر حشر برپا کرنا ہمیں کیا مشکل ہے۔

بل عجبت اے محمدؐ تو اس جہل و انکار سے تعجب کرتا ہے اور وہ ہیں کہ تمسخر کر رہے ہیں اور سمجھانے سے سمجھتے نہیں جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ٹھٹھوں میں اڑاتے اور اس کو جادو بتاتے ہیں۔ تمسخر حمقا کا کام ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا
(کہتے ہیں) کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے
ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا
تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے
الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾
باپ دادا بھی کہہ ضرور اور اس وقت تم بے بس ہو گے
فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ
پھر قیامت تو ایک ہی کڑک ہو گی پھر تو فوراً (زندہ

يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا
ہو کر) راہ تکیں گے اور کہیں گے ہائے کم بختی یہ تو
يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ
جزا کا دن ہے یہ ہے فیصلہ کا دن
الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲۱ ۵
کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے
اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ
(حکم ہوگا) ظالموں کو اور ان کی بیویوں[1] کو
وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ
اور ان سب کو بھی کہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے
اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾
حاضر کرو پھر ان کو جہنم کے رستہ کی طرف ہانک کر لے جاؤ
وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا
اور ان کو کھڑا کرو کہ ان سے دریافت کرنا ہے تم کو
لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ
کیا ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ آج
الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
کے دن وہ سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف
عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا
متوجہ ہو کر پوچھے گا کہیں گے
اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ
تم ہی تو ہم پر چل چل کر دائیں[2] طرف سے
الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا
آیا کرتے تھے وہ جواب دیں گے کہ تم خود ہی ایمان

[1] وہ بیویاں جو اپنے مشرک خاوند کے مذہب پر تھیں ۱۲ منہ
[2] یمین یعنی حق دین میں سد راہ ہوتے تھے (زجاج)۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

مُؤْمِنِيْنَ ۞۲۹ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ

نہیں لاتے تھے　اور ہمارا تم پر کوئی زور

مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۞۳۰

بھی نہ تھا　بلکہ خود تم ایک گمراہ قوم تھے

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۤ اِنَّا

پھر ہم سب ہی پر ہمارے رب کا قول[1] پورا ہو گیا کہ ہم سب کو

لَذَآئِقُوْنَ ۞۳۱ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا

عذاب چکھنا ہے　پھر ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا　ہم

كُنَّا غٰوِيْنَ ۞۳۲ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ

خود بھی گمراہ تھے　پھر اُس روز　عذاب میں

فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۞۳۳ اِنَّا

وہ سب　یکساں ہوں گے　ہم

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۞۳۴

گنہ گاروں کے ساتھ ایسا ہی (برتاؤ) کیا کرتے ہیں

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ

کیوں کہ　جب ان سے　لا الٰہ الا اللہ

اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۞۳۵ وَيَقُوْلُوْنَ

کہا جاتا تھا تو اکڑا کرتے تھے　اور کہتے تھے

اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ؕ

کیا ہم ایک شاعر[2] دیوانہ کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞۳۷

بلکہ (نہ وہ شاعر ہی نہ دیوانہ) دینِ حق لے کر آیا ہے اور خدا کے رسولوں کی تصدیق کی

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۞

البتہ تم کو عذاب الیم چکھنا ہے

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞۳۹

اور تم کو وہی بدلہ دیا جاوے گا کہ جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر

ءاذا متنا وکنا ترابا یہاں سے پھر منکرینِ حشر کا قول نقل کر کے اس کا رد کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کیا جب ہم مر جاویں گے اور مر کر خاک ہو جاویں گے؟ ہم اور ہمارے باپ دادا زندہ ہوں گے؟ اس بات کو وہ اپنے نزدیک خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید جانتے ہوں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قل نعم کہہ دے ہاں زندہ کیے جاؤ گے اور اپنے کفر و بدکاری کی وجہ سے تم ذلیل ہو گے۔ اور اسی لیے جرم کی سزا سے بچنے کے لیے تم انکار کرتے ہو۔

پھر حشر برپا ہونے کی کیفیت اور حشر کے بعد جرموں کی سزا پانے کی کیفیت اور وہاں بتوں سے ناامیدی اور اس بت پرستی کی باز پرس اور آپس کی گمراہ کرنے والوں اور ان کے مریدوں کی نہ کا فضیحتی کا وما تجزون الا ما کنتم تعملون تک ذکر کرتا ہے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۞۴۰ اُولٰٓئِكَ

لیکن اللہ کے خاص بندے　کہ ان کے

لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۞۴۱ فَوَاكِهُ ۚ

لیے خوان مقرر ہیں　میووں کے

ف: اور سچی بات لے آیا اور رسولوں کو سچا کر دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واحدی کہتے ہیں کہ ان کے گمراہ کرنے والوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ جو ہم کہتے ہیں وہ حق ہے یعنی تم قسم کے سبب سے کہتے تھے۔ اور دائیں طرف سے آنا عرب میں عزت کے ساتھ آنے سے محاورہ ہے یعنی زور میں آتے تھے ۱۲ منہ

[1] یعنی قسمت کا لکھا پیش آیا ہم کیا کریں ۱۲ منہ

[2] شاعر دیوانہ جاہل کو کہتے تھے ۱۲ منہ

وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ
اور وہ نعمت کے باغوں میں ان کے سامنے
النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾
تختوں پر عزت و احترام سے بیٹھے ہوں گے
يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾
ان میں صاف شراب کا دور چل رہا ہوگا
بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا
جو سفید (اور) پینے والوں کے لیے مزہ دے گی نہ اس میں
غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ
بہکنا ہوگا اور نہ ان کو اس سے نشہ ہوگا اور
عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾
ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی
كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ
گویا کہ وہ ڈبے میں چھپے ہوئے موتی ہیں پھر ان میں سے
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾
ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر باتیں پیش کرے گا
قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾
ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ (دنیا میں) میرا ایک ساتھی تھا
يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾
وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان میں سے ہے جو رسول کو سچ جانتے ہیں ؟
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا
کہ کیا جب ہم مر جاویں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاویں گے
ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ
کیا ہم کو جزاء ملے گی وہ کہے گا کیا تم بھی
مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ
دیکھنا چاہتے ہو ؟ پھر وہ جھانک کر دیکھے گا تو اس کو دوزخ کے

سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ
بیچوں بیچ پڑا دیکھے گا وہ کہے گا بخدا کہ
كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ
تو نے تو مجھے ہلاک ہی کیا ہوتا اور اگر میرے رب کی
رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾
عنایت نہ ہوتی تو میں بھی (گرفتار عذاب ہو کر) حاضر کیا جاتا
اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا
پھر کیا ہم جنتی ایسے ہیں کہ جو ایک بار مرنا تھا سو مر چکے
الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾
اب نہ ہم کو موت ہے اور نہ ہم کو کوئی تکلیف ہونی ہے
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾
بے شک یہ بڑی کامیابی کی بات ہے
لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾
ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے
اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾
کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا تھوہر کا درخت ؟

تفسیر

الا عباد اللہ المخلصین سے لے کر خالص بندوں اہل توحید وطاعت کی جزاء دار آخرت بیان فرماتا ہے کہ وہاں ان کو ہر قسم کی نعیم و ناز اور طرح طرح کی ابدی نعمتیں ملیں گی۔

فاقبل بعضھم علی بعض یتساءلون سے یہ بات بیان فرماتا ہے کہ ایک جنتی اپنے کسی دوسرے دوست سے دنیا کا تذکرہ کرے گا کہ دنیا میں میرا ایک دوست آخرت کا منکر تھا۔ تو پھر وہ اپنے احباب اہل جنت سے کہے گا کہ کیا آپ اس کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اب وہ کس حال میں ہے ؟

پس جھانک کر دیکھے گا تو اس کو جہنم میں پڑا ہوا پاوے گا اور اس سے کہے گا کہ اگر میں تیرے کہنے میں آجاتا تو میں بھی اسی طرح ہلاک ہوتا اللہ نے اپنے فضل سے بچا لیا۔ اب دیکھ ہم کو وہی ایک موت تھی جو ہو چکی اب حیات ابدی ہے اور سرور دائمی یہ بڑی کامیابی ہے۔ لمثل ھٰذا سے لے کر آخر تک اسی کا کلام ہے۔

بعض کہتے ہیں یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ لوگوں کو ایسا کام کرنا چاہیے کیوں کہ اس نیک کام کا بدلہ جنت ہے اور اس کا جہنم جو دونوں برابر نہیں۔

قال قائل سے بعض کے نزدیک ایک خاص مؤمن مراد ہے اور کہتے ہیں عام ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بار دگر جینا کوئی نئی زندگی نہ ہوگی، بلکہ اسی زندگی کا اعادہ ہوگا۔ گویا یہ زندگی خواب ہے وہ بیداری اور اسی لیے من بعثنا من مرقدنا کہیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾

ہم نے اس تھوہر کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿ۙ﴾

وہ ایک درخت ہے کہ جو دوزخ کے قعر میں سے اُگتا ہے

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾

اس کا خوشہ ایسا ہے کہ جیسے شیطانوں کے سر

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ

پھر وہ اس میں سے کھائیں گے پھر وہ اس سے

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ

پیٹ بھریں گے پھر اس پر ان کو

ک الشوب الخلط قال الفراء یقال شاب طعامه وشرابه اذا خلطهما بشئ ۱۲ منہ

عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿ج﴾ ثُمَّ

کھولتا ہوا پانی (پیپ وغیرہ سے) ملا ملا کر دیا جائے گا پھر

اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاۡاِلَى الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾

وہ دوزخ کی طرف لوٹ کر آئیں گے

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ﴿۶۹﴾

کس لیے کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا

فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

پھر وہ ان کے پیچھے دوڑتے چلے گئے

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿ۙ﴾

اور البتہ ان سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۷۲﴾

اور البتہ ہم نے انہیں ڈر سنانے والے بھیجے تھے

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿ۙ﴾

پھر دیکھو جن کو ڈر سنایا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۷۴﴾

مگر اللہ کے خالص بندے (محفوظ رہے)

تفسیر

اہل جنت کے درجات و لذات بیان فرما کر یہ فرمایا تھا کہ عمل کرنے والوں کو ایسا عمل کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا تھا کہ دیکھو یہ درجات و نعماء بہتر ہیں یا تھوہر (سینڈھ کا پیڑ)؟ اب اس تھوہر کے پیڑ کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

انا جعلنٰها فتنة للظٰلمین کہ ہم نے اس کو ظالموں کے لیے فتنہ بنایا ہے۔ فتنہ کے معنی آزمائش کے بھی ہیں اور تکلیف کے بھی۔ پہلے معنی کے لحاظ سے بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ کفار کو یہ بات سن کر اور بھی تعجب ہوا کہ جہنم میں پیڑ ہوگا، آگ تو پیڑ کو کھا جایا کرتی ہے نہ کہ پیڑ اُگاتی ہے

(ابن جریر عن قتادہ) اب فتنہ ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ دیکھیں کون باور کرتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ اور اس معنی کی تائید یہ آیت بھی کرتی ہے وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن ونخوفھم فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا۔

اور بعض کہتے ہیں معنی ثانی مراد ہیں کہ جہنمیوں کے کھانے میں بجائے عمدہ چیزوں کے یہ پیڑ آوے گا جو سخت تکلیف دینے والی چیز ہے۔ ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا کے دریاؤں میں مل جاوے تو لوگوں کو جینا مشکل پڑ جاوے۔ پھر اس پیڑ کی اور بھی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

انھا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم وہ جہنم کی تہ میں سے اُگے گا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ جس طرح جنت میں طوبےٰ کا سایہ ہر ایک گھر میں ہوگا اسی طرح تمام اہلِ جہنم کے لیے یہ ایک درخت کافی ہوگا ہر جگہ اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ آگ میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں اور آگ ہی اس کی غذا ہے۔ اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے پھر وہ تو حیوان ہو کر آگ میں رہتا ہے۔ پس پیڑ جو جسمِ نباتی ہے اس کی نسبت سخت ہے بدرجۂ اولیٰ رہ سکتا ہے۔ اس کی قدرت کی عجائب رنگینیاں ہیں۔

حیوان کی زندگی تنفس یعنی سانس لینے پر ہے سیکڑوں کیڑے مٹی میں ایسے دبے ہوئے رہتے ہیں جہاں ہوا کا گزر بھی نہیں اور ہزاروں جانور پانی میں رہتے ہیں جہاں ہوا کا وجود نہیں۔

ہم ایک اور بات سناتے ہیں جس سے اس پیڑ کی کیفیت پوری سمجھ میں آجاوے گی۔ بحر شور یعنی سمندر میں جہاں پانی صاف ہوتا ہے تہ میں عمدہ عمدہ جھاڑ ہوتے ہیں پتھر کے۔ ان کی شاخیں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسا کہ زمین کے جھاڑوں کی ہوتی ہیں۔ ان میں نمو بھی ہے اور باہر لائی جاتی ہیں تو تجربت معلوم ہوتی ہے اسی طرح اس شجرۂ زقوم کو جہنم کی آگ سے مناسبت ہو تو کیا تعجب ہے۔ ہاں ابوجہل جیسا کوئی بدعقل اور کوڑھ مغز تعجب کرے تو کچھ تعجب نہیں۔

طلعھا کانہ رءوس الشیاطین۔ طلع شگوفہ نخستیں بر درختِ خرما (صراح) اس کا گابھا ایسا ہوگا کہ جیسا شیطان کا سر۔ عرف میں بری چیز کو شیطان سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اذہانِ بنی آدم میں شیطان نہایت مکروہ چیز ہے یعنی اس پیڑ کی صورت بھی نہایت مکروہ ہوگی۔ جہنم میں جب کھانے کو اور کچھ نہ ملے گا تو بھوکا مرتا کیا نہ کرتا اسی کو کھاویں گے۔ فانھم لاکلون منھا اور بھوک کے مارے ایسا کھاویں گے کہ فمالئون منھا البطون کہ پیٹ بھر لیں گے پھر اس کی سوزش سے پانی کے لیے محتاج ہوں گے۔ ثم ان لھم تو کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا اس کے بعد پھر جہنم کی کوٹھڑیوں میں بند کر دیے جاویں گے۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی۔

ثم ان مرجعھم لالی الجحیم یہ ان کے اعمال ہیں جن کو وہ رات دن عمل میں لاتے تھے اور باز نہ آتے تھے جس کی تفصیل خدا تعالیٰ آپ کرتا ہے۔

انھم الفوا الخ کہ بے سوچے سمجھے اپنے باپ دادا کے خراب طریقے پر دنیا میں چلا کرتے تھے رسولوں کا کہنا نہ مانتے تھے۔ الاہراع الاسراع الشدید۔

فرماتا ہے ولقد ضل الخ ان سے پہلے بھی بہت لوگ گمراہ ہو چکے تھے جن کی ہدایت کو ہم نے رسول بھیجے تھے پھر دیکھو دنیا میں بھی ان کا کیا انجام ہوا لیکن اچھے لوگ بچے رہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور البتہ نوح نے ہم کو (مدد کے لیے) پکارا تو ہم نے ان کی مدد کی) ہم عمدہ فریاد رس ہیں

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾
کہ ہم نے ان کو اور ان کے کنبہ کو بڑی بے چینی سے بچا لیا
وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾
اور اس کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾
اور آنے والی نسلوں کو نوح پر
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾
دنیا بھر میں سلام بھیجنے والا کر دیا
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾
ہم نیکوں کو یوں بدلہ دیا کرتے ہیں
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾
بے شک نوح ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہے
ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ
پھر ہم نے اوروں کو غرق کر دیا اور البتہ
مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ
نوح کے طریق پر چلنے والوں میں سے ابراہیم بھی تھے جب کہ
جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ
وہ پاک دل سے اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے جب کہ
قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾
اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ کیا ہے جس کو تم پوجتے ہو
اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾
کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہ رہے ہو
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾
تم نے دنیا بھر کے پروردگار کو کیا سمجھ رکھا ہے
فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ
پھر اس نے ستاروں میں ایک نگاہ کر کے کہہ دیا

اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ
کہ میں بیمار ہوں پھر وہ لوگ ان کو چھوڑ کر
مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ
چل دیے پھر ابراہیم ان کے بت خانہ میں جا بیٹھے
فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ
(اور بتوں سے) کہنے لگے تم (اس چڑھاوے کو) کھاتے کیوں نہیں ہو۔ تمہیں کیا ہوا
لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ
جو بولتے بھی نہیں پھر تو ابراہیم بڑے زور سے ان کے
ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ
توڑنے پر چل پڑے پھر جب بت پرست ابراہیم کے پاس
يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا
دوڑتے ہوئے آئے ابراہیم نے کہا کیا تم اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے
تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ
بتوں کو پوجتے ہو حالانکہ اللہ نے تم کو اور تمہارے بنائے ہوئے
وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ
بتوں کو بنایا ہے۔ (بت پرست خجل ہو کر) کہنے لگے ابراہیم کے لیے
بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾
ایک بھٹی چنو پھر اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو

ف روغ روغان میل کردن۔ کما یقال فراغ الی اہلہ۔ و روے آوردن بسرکشی قولہ تعالیٰ فراغ علیہم ضربا بالیمین ای اقبل ۱۲ منہ

ف اَئِفْكًا منصوب بتریدون الہۃ بدل منہ والتقدیر عبادۃ الہۃ وقیل افکا مفعول لہ الہۃ مفعول تریدون ضربا مصدر من فراغ لان معناہ ضرب۔ یزفون بالتشدید الکسر وفیہ لغات آخر ماضیۃ زف مثل وعد المعنی سواء کان مخففا او مشددا الاسراع تنحتون من النحت بمعنی تراشیدن۔ الجحیم من الجحمۃ وہی شدۃ تلہب النار
۱۲ منہ

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
پھر انہوں نے ان سے داؤ کرنا چاہا (مگر) ہم نے انہیں کو
الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ
زیر کر دیا　اور (ابراہیم نے) (جب ان کے باپ نے گھر سے نکال دیا تھا) کہا
اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ
کہ میں خدا کی طرف جاتا ہوں سو وہ مجھے عنقریب رستہ بتادے گا۔ (اور یہ دعا کی) اے رب!
هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ
مجھ کو نیک (فرزند) عطا کر　پھر ہم نے اس کو
بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾
بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔

تفسیر

فرمایا تھا ولقد ارسلنا فیھم منذرین اب اس جگہ بعض اولوالعزم منذرین کی تشریح کرتا ہے تاکہ ان کی امتوں کی سرکشی اور ان پر بلا نازل ہونے اور دنیا و آخرت میں برباد ہونے کا حال سُن کر نبی علیہ السلام کے زمانے کے سرکش کفار کو عبرت حاصل ہو اور ان کے حادثہ کو پیش نظر رکھیں۔ ان منذرین میں سے دو شخص بڑے اولوالعزم کا حال بیان فرماتا ہے۔

اول حضرت نوح علیہ السلام کا۔ ان کے قصہ کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہ مناسبت ہے کہ جس طرح نوح علیہ السلام کے عہد میں عالم میں گمراہی پھیلی ہوئی تھی جس کے علاج کے لیے نوح علیہ السلام مبعوث کیے گئے اور جب لوگوں نے نہ مانا تو غرق ہوئے صرف چند ایماندار کشتی میں بچ رہے اور پھر انہیں کی نسل باقی ہے اور نوح کو ہمیشہ لوگ نیکی سے یاد کریں گے سلام بھیجیں گے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت میں تمام عالم کفر و بت پرستی اور ہر ایک طرح کی بدکاری سے پُر تھا، توہمات باطلہ کی پرستش ہوا کرتی تھی۔ ان کے علاج کو ایک ایسا زبردست حکیم بھیجا کہ جس کے علاج نے بہت جلد اثر کیا۔ نوح کے عہد میں عالم غرق ہوا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غرق سے بچا کر منور کر دیا گیا۔ نوح کا فیض کشتی میں سوار ہونے والوں کو پہنچا۔ آپ کا تمام عالم کو۔ اسی طرح آپ کے عہد کے سرکش بھی ہلاک ہوئے اور آپ اور آپ کے تصدیق کرنے والے جلد سرسبز ہوئے۔ نوح کی کشتی لکڑیوں کی تھی آپ کی کشتی عترت پاک اور قرآن مجید ہے جو قیامت تک رہے گا۔

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جو بوجوہ متعددہ آپ کے حال سے نہایت مناسب ہے اور دونوں قصوں کو ایک اور بھی مناسبت ہے کہ اے قریش اور اے سرکش عرب و نصاریٰ و یہود تم ذرا اپنے جدامجد کو تو دیکھو کہ وہ کیسے موحد اور بت شکن تھے تم اُلٹے ان کی اولاد اور متبع کہلا کر بت پرست بن گئے اور یہی الزام تمام عالم پر خدا تعالیٰ کا حضرت نوح علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب سے عائد ہوتا ہے۔

نوح علیہ السلام پہلے تھے اس لیے ان کا قصہ پہلے بیان ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد میں تھے ان کا قصہ بعد میں بیان فرمایا کہ ان کی قوم اور ان کا خاندان باپ تک بت پرست تھے اور ستاروں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے ابراہیم علیہ السلام نے کس حجت سے ان کو ملزم کیا مگر بجائے اس کے کہ خدا پرستی اختیار کرتے ان کی ایذاء کے درپے ہوگئے آگ میں ڈالنے کا سامان کیا اللہ نے ان کو بچا لیا اس پر انہوں نے وہ وطن چھوڑ دیا شام کی طرف آئے۔ پردیس میں آکر انسان کو قوت اعوانیہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ اللہ نے آپ کو حلیم لڑکے کا مژدہ دیا۔ حلیم کے لفظ میں یہ بات بھی بتلائی گئی کہ وہ جوان بھی

ہوگا یعنی عمر بھی اچھی ہوگی، کس لیے کہ بچے کو حلیم نہیں کہتے۔
آخر خدا تعالیٰ کے فضل سے فرزند ارجمند پیدا ہوا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ
پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹا! میں نے

اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ
خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر تو کہہ

مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ
تیری کیا رائے ہے اس نے کہا ابا جان! جو کچھ حکم ہوا ہے اس کو بجا لائیے

ع ۳ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ
آپ مجھ کو ان شاء اللہ صابر ہی

الصّٰبِرِيْنَ ۱۰۲ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ
پائیں گے پھر جب دونوں تیار ہوگئے اور اس کو ابراہیم نے

لِلْجَبِيْنِ ۱۰۳ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۱۰۴
منہ کے بل گرایا تو ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم!

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ
تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیک بختوں کو

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۱۰۵ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں البتہ یہ

الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ۱۰۶ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ
صریح آزمائش ہے اور ہم نے بڑی قربانی کو

عَظِيْمٍ ۱۰۷ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي
اس کا فدیہ بنایا اور ہم نے آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر خیر

الْاٰخِرِيْنَ ۱۰۸ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ۱۰۹
باقی رکھا (کہ سب اصل پرست کہتے ہیں) کہ ابراہیم پر سلام ہو

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۱۱۰
ہم نیک بندوں کو ایسا ہی نیک بدلہ دیا کرتے ہیں

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۱۱ وَ
کیونکہ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہے اور

بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۱۱۲
ہم نے اس کو (دوسرے فرزند) اسحٰق کی بھی خوشخبری دی کہ وہ نبی (اور) نیک لوگوں میں سے ہوگا۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ ۭ وَ
اور ہم نے ابراہیم اور اسحٰق پر برکتیں نازل کیں اور

مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ
ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیک بھی ہیں اور کچھ اپنے اوپر

لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۱۱۳
صریح ظلم بھی کر رہے ہیں

ترکیب

فلما اسلما جوابہ محذوف ظہر صبرہما او صدقہما او نحوہ ہذا عند البصریین وعند الکوفیین جوابہ نادینہ والواو زائدۃ وتلہ صرعہ واسقطہ فی القاموس تلہ تلا من باب قتل فہو متلول وتلیل صرعہ یقال تللت الرجل اذا القیتہ واتل الصرع۔

تفسیر

ان آیات میں قابل بحث دو ہی باتیں ہیں۔

اول یہ کہ یہ بیٹے کے ذبح کرنے کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس طرح سے پیش آیا؟ اس کی بابت ہمارے مفسرون کا یہ بیان ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھیاسی برس کی عمر میں ہاجرہ مصری کے پیٹ سے ان کی بڑی منت والتجا کے بعد پہلوٹھا بیٹا اسمٰعیل علیہ السلام عطا کیا جس کی نسبت یوں فرماتا ہے اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اُسے

برکت دوں گا۔ اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس سے بڑی قوم بناؤں گا (توریت سفر پیدائش ۱۷ باب ۲۰ ورس)

خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل بنایا اور طرح طرح سے امتحان کیا۔ اذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن وہ سب باتوں میں پورے نکلے۔ ایک بڑی آزمائش یہ تھی کہ خواب میں الہام کے طور پر فرمایا کہ اگر ہماری محبت میں تو صادق ہے تو اپنے پیارے فرزند کی قربانی کر۔ حضرت نے اس کی تعمیل کی۔ اس خواب سے جو بیدار ہوئے تو سمجھے کہ امتحان مقصود ہے۔ خیال کیا کہ اگر یوں ہی بیٹے کو قربانی کرتا ہوں تو خاص اپنے ہی فرضِ منصبی سے ادا ہوتا ہوں بیٹے سے بھی پوچھ کر آزمانا چاہیے کہ وہ میرا سچا جانشین ہے کہ نہیں۔ اگر اس نے بھی اس حکم کو مان لیا تو میرا پورا نمونہ ہے، دونوں خدا تعالیٰ کے عاشقوں میں داخل ہوئے وہ بھی اس سعادت میں شریک ہو ورنہ خیر میں تو حاضر ہوں۔ اور یہ بھی مصلحت ہو گی کہ کوئی حضرت پر قتلِ فرزند کا الزام نہ لگا دے۔ اس لیے ان سے خواب کا معاملہ بیان کر کے پوچھا۔

فانظر ماذا تریٰ کہ اب تیری کیا مرضی ہے؟ آخر وہ بھی مقبولِ کبریا۔ اور ایسے باپ کے خلف الصدق تھے، فوراً کہہ دیا یابت افعل ما تؤمر۔ کہ آپ اس حکم کو بجا لائیے میں حاضر ہوں صبر کروں گا شکوہ بھی زبان پر نہ لاؤں گا۔

بیٹے کو ساتھ لے کر قربان گاہ میں ذبح کرنے چلے۔ وہاں جا کر فرزند دلبند کو ذبح کے لیے زمین پر ڈالا۔ چاہتے تھے کہ چھری پھیر دیں۔ خداوند تعالیٰ نے آواز دی اے ابراہیم! اے ابراہیم! بس بس خواب تیرا سچا ہو گیا تو نے قربانی کر دی۔ اس کے صلہ میں دونوں کو دارین کی سعادت و برکات عطا ہوئیں۔ انا کذٰلک نجزی المحسنین اور ہم نیکوں اور صادقوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ درحقیقت ان ھٰذا لھو البلٰٓؤا المبین یہ بڑی ہی آزمائش تھی۔

بیٹا تو بڑی چیز ہے اور وہ بھی بڑھاپے کا بیٹا اور اکلوتا بیٹا اور ایسا لائق اور خوب صورت بیٹا۔ مال و آبرو بھی اس کے لیے قربان کرنا بڑے جواں مردوں کا کام ہے۔ مگر وہ بھی بڑی سرکار عالی ہے کسی کی جان اور مال لیتے نہیں صرف دیکھتے ہیں۔

وفدینٰہ بذبح عظیم اس کی جگہ خدا نے ایک مینڈھا موٹا تازہ دکھا کر حکم دیا کہ اس کو ذبح کر دو چنانچہ اس کو کیا اور فرزند سلامت آیا۔ آخرت کے درجات دنیا کی ابد تک نیک نامی ذکر جمیل اس کے بدلے میں حاصل کیا۔

وترکنا علیہ فی الاٰخرین سلٰم علیٰ ابراھیم پچھلی امتوں کے لوگ ہمیشہ ان پر سلام بھیجتے ہیں اور قیامت تک بھیجا کریں گے۔ اور کچھ ان پر موقوف نہیں کذٰلک نجزی المحسنین ہم ہمیشہ نیکوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

ایک بیٹے کو ذبح کرنے چلے تھے اس کو بھی خدا نے سلامت رکھا اور ان کے خلوص کے بدلہ میں وبشرنٰہ باسحٰق نبیا من الصٰلحین اور دوسرے بیٹے اسحاق کا مژدہ بھی دیا جو نبی اور نیک بختوں میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت اسحاق حضرت سارہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے جن کی نسل سے سیکڑوں بادشاہ اور ہزاروں نبی نکلے اور ان کو خدا نے برکت دی۔ یہ ہے توحید و اخلاص و ایمان کا نتیجہ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ لوگوں عرب و یہود و نصاریٰ وغیرہم کو جو ان کی

ذریت کہلانے کا فخر حاصل کرتے ہیں یہ سناتا ہے ومن ذریتہما محسن و ظالم لنفسہ مبین کہ ان کی نسل کے لوگوں میں سے نیک بھی ہیں جیسا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرو۔ اور ظالم بھی ہیں اور وہ ظلم انہیں کے لیے ہے اس کا وبال انہیں پر پڑے گا، بت پرستی بدکاری کا وہی نتیجہ پاویں گے۔ اس جملہ میں تعریض ہے کہ جو ابراہیم و اسحٰق و اسمٰعیلؑ کے طریقے پر نہیں وہ ان کی نسل سے ہونے کے فخر کو محض بے کار جانے نہ وہ اس برکت کے وعدہ کا شریک ہے۔ ان کے بیٹے نے تو باپ کی (راہ حق میں) یہاں تک اطاعت کی کہ جان دینے پر آمادہ ہو گئے پھر یہ جو ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات بھی نہیں مانتے (کہ خدا پرستی اختیار کریں، بدکاری کو چھوڑیں اس کی نسل کے مقدس رسول آخر الزماں علیہ السلام کے کہنے پر چلیں) تو کیسے فرزند ہیں؟ یہی مقصود ہے اس قصہ سے۔

دوسری بات قابل بحث یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں میں سے کون سے کے لیے ذبح کا حکم ہوا تھا؟ عمر و علی و عباس بن عبدالمطلب و ابن مسعود و کعب احبار و قتادہ و سعید بن جبیر و مسروق و عکرمہ و زہری و سدی و مقاتل رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اسحٰق علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور یہود و نصاریٰ بھی اسی کے قائل ہیں اور توریت سفر پیدائش کے بائیسویں باب میں بھی یہی ہے۔

اور ابن عباس و ابن عمر و سعید بن المسیب و حسن بصری و شعبی و مجاہد و کلبی وغیرہم علماء کا ایک جم غفیر یہ کہتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا۔ مفسرین نے فریقین کے دلائل کو نقل کیا ہے۔ ابن جریر مفسر نے پہلے قول کی تائید کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں دوسرے قول کی بڑی تائید کی ہے۔

فریقین نے دلائل میں قرآن مجید کے قرائن اور احادیث و اقوال سلف کو پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کی بابت ہماری یہ رائے ہے کہ اس سے دوسرے قول کی تائید نکلتی ہے جیسا کہ ابھی ہم بیان کریں گے۔ اور احادیث کی بابت ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ جہاں تک ہم نے فریقین کی احادیث پیش کردہ پر نظر ڈالی یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی صحیح حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں کہ وہ اسمٰعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔

اب ہم وہ دلائل بیان کرتے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔

اول یہی آیات ثابت کر رہی ہیں کس لیے کہ یہاں یہ ہے رب ہب لی من الصلحین کہ الٰہی مجھے نیک لڑکا عطا کر۔ جس کے بعد فرمایا فبشرنہ بغلم حلیم کہ ہم نے اس کو حلیم لڑکے کا مژدہ دیا پھر اسی حلیم لڑکے کا یہ تذکرہ ہے کہ فلما بلغ معہ السعی الخ کہ وہ ہوشیار ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس سے خواب بیان کیا کہ میں نے تجھ کو خواب میں ذبح ہوتے دیکھا ہے پھر سب قصہ اسی غلام حلیم کا ہے اور اس کے بعد فرمایا وبشرنہ باسحٰق نبیا من الصلحین کہ ہم نے اسحٰق کے پیدا ہونے کا مژدہ دیا۔ اور اسحٰق کو نبی صالح کے وصف سے یاد کیا جیسا کہ اس کو حلیم کے وصف سے یاد کیا تھا۔ یہ صاف قرینہ ہے کہ وہ غلام حلیم کوئی اور لڑکا تھا اسحٰق کے سوا۔ ورنہ پھر بار دگر اس کے اعادہ کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اسحاقؑ سے پہلے بجز اسمٰعیلؑ کے حضرت ابراہیمؑ کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ یہی بڑے تھے اور حضرت اسحاق سے تخمیناً چودہ برس بڑے تھے۔ ہم اسی پر بس کرتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے اس پر ایک بڑا قوی شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ توریت سفر پیدائش کے ۲۲ باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل نہیں بلکہ اسحٰق کے ذبح کا حکم ہوا تھا

اور موریہ پہاڑ پر قربان گاہ میں ذبح کر کے آگ میں جلانے لے گئے تھے۔ اس کا جواب بہت آسان ہے وہ یہ کہ بارہا دلائل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس جو بالفعل ایک کتاب توریت کے نام سے موجود ہے یہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی توریت نہیں بلکہ ایک مجموعہ ہے اس کے مضامین و دیگر قصص و حکایات دستورات کا پھر وہ بھی تحریف سے خالی نہیں ہے اس کے بھی اہل کتاب کے محققین مقر ہیں۔ پھر اس کتاب پر خصوصاً ان مواقع میں جہاں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اسماعیل علیہ السلام کی فوقیت ثابت ہو کسی طرح سے اعتبار نہیں ہو سکتا اور جب کہ ہم بہت سے تاریخی واقعات میں غلطی دیکھتے ہیں پھر کیونکر وثوق کریں۔

موابی لوگوں کا بنی اسرائیل سے جھگڑا رہا کرتا تھا ان کو ولد الحرام بنانے کے لیے توریت میں یہ بھی لکھ مارا کہ لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی بیٹیوں سے زنا کیا اس سے یہ لوگ پیدا ہوئے (معاذ اللہ)

اسی طرح حضرت خاتون ہاجرہ کو جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں لونڈی لکھ دیا، حالانکہ نہ ان کی کہیں بیع ثابت ہے نہ ان کا جہاد میں آنا۔ شاہ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا تھا ان کی بزرگی کا معتقد ہو کر۔ اور دراصل وہ شاہِ مذکور کی بیٹی تھی۔ قدیم زمانے میں ہند کے راجوں میں بھی یہی دستور تھا۔ اب اس سے ان کو لونڈی سمجھ لیا۔ حالانکہ قطورہ لونڈی کی اولاد کے لیے کوئی بھی توریت میں برکت کا وعدہ نہیں اور طرّہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین میں دونوں بھائی اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام کا شریک ہونا بھی لکھا ہے۔

اب غور کرو کہ انہیں یہود میں سے ایک فریق سامری ہے ان کے پاس بھی ایک توریت ہے اور بیت المقدس کے مقابلہ میں انہوں نے بھی اپنی ایک ہیکل تعمیر کی تھی اور اپنی توریت میں اپنی ہی ہیکل کے لیے الفاظ بنائے جس پر وہ یہود کو ملزم کرتے ہیں۔

قرین قیاس یہی ہے کہ یہ ذبح کا واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا کیونکہ یہ بڑے بیٹے تھے اور برکت کا وعدہ بھی تھا اور بڑے کا حق ہمیشہ سے ملحوظ رہا ہے اور اس وقت تک یہی بیٹے تھے اور کوئی نہ تھا۔ رہی یہ بات کہ ان کو مکہ میں آکر ذبح کرنا چاہا تھا سو یہ ظاہر ہے کہ آپ یہیں تشریف لائے تھے اور بارہا آمد و رفت رہتی تھی۔ اسمٰعیل علیہ السلام بھی شام میں آتے جاتے تھے۔ یہ ذبح کا واقعہ بمقام منیٰ مکہ کے پاس ہوا ہے جس کی یادگار قربانی چلی آتی ہے واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور البتہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر (بارہا) احسان کیا

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾

اور ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور ان کی مدد کی پھر تو وہی غالب رہے

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور ان دونوں کو واضح کتاب دی (توریت)

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾

اور ان کو سیدھا راستہ دکھایا

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور ان کے لیے آیندہ نسلوں میں یہ باقی رکھا (کہ لوگ کہتے ہیں)

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

موسیٰ اور ہارون پر سلام

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي

ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ

الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢١﴾ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا

دیا کرتے ہیں کیوں کہ وہ دونوں ہمارے ایماندار

الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٢﴾ وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ

بندوں میں سے ہیں۔ (اے نبی) اور بے شک الیاس بھی

الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ

رسولوں میں سے ہیں جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا

أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ أَتَدْعُونَ بَعْلًا

کہ تم کیوں نہیں ڈرتے کیا تم بعل کو پکارتے ہو

وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿١٢٥﴾

اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو

اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ

اللہ کو جو کہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا

الْأَوَّلِينَ ﴿١٢٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ

رب ہے پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا تو وہ

لَمُحْضَرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ

عذاب میں گرفتار کیے گئے مگر اللہ کے خالص

الْمُخْلَصِينَ ﴿١٢٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ

بندے (محفوظ رہے) اور پچھلی امتوں میں ہم نے

فِي الْآخِرِينَ ﴿١٢٩﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ

ان پر یہ چھوڑا کہ الیاس پر

إِلْ يَاسِينَ ﴿١٣٠﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي

سلام ہو ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ

الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣١﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا

دیا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ایماندار

الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾

بندوں میں سے ہیں۔

تفسیر

حضرت موسٰی اور ہارون کا قصہ

تیسرا[3] قصہ حضرت موسیٰ و ہارون علیٰ نبینا و علیہما السلام کا ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے نہایت مناسبت رکھتا ہے۔ اس جگہ ان دونوں بھائیوں کی نسبت صرف یہی بتانا مقصود تھا کہ ان دونوں کو اور ان کی برکت سے ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے رہائی دی وہ شاہِ مصر کی قید اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے، اور نہ صرف بلا سے بچایا بلکہ فرعونیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے غالب کر دیا کہ ان کا داؤ نہ چلا۔ صاف ملکِ مصر سے مصریوں کا مال و زیورات لے کر نکل آئے۔ اور اے عرب تمہاری بہتری بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے تم بھی انہیں کی برکت سے ملکوں کے مالک ہو جاؤ گے۔ اور ان دونوں کو روشن کتاب یعنی توریت دی تھی۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دیا اور ان کو راہِ راست کی ہدایت کی جس طرح کہ حضرتؐ کو۔ اور دنیا میں ابد تک ان کا ذکرِ جمیل باقی چھوڑا پچھلی امتیں ان پر سلام بھیجتی ہیں اور نیکوں کا یہی بدلہ ہوا کرتا ہے۔

الیاس کا قصہ

وان الیاس لمن المرسلین یہ چوتھا[4] قصہ حضرت الیاس علیہ السلام کا ہے۔ کتاب السلاطین کے سترہویں باب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جلعاد شہر کے رہنے والے تھے جو ملکِ شام میں ہے اور اخی اب بادشاہ بنی اسرائیل والی شہر سمرون کے عہد میں تھے۔ حضرت مسیحؑ سے تخمیناً نو سو دس ۹۱۰ برس پیشتر۔ یہ یا ہو نبی کے بعد مبعوث ہوئے تھے۔ دوسری کتاب السلاطین کے

پہلے باب میں یہ ہے اخزیاہ اخی آب کے بیٹے نے چند قاصد بھیجے کہ جاؤ عقرون کے معبود بعل زبوب سے پوچھو کہ میں اس بیماری سے چنگا ہوں گا کہ نہیں۔ اُس دم خدا نے حضرت الیاس کو حکم بھیجا کہ ان قاصدوں سے کہہ دے کہ تو نے خدا کو چھوڑ کر بعل سے پوچھا تو اپنے بستر پر مرے گا۔ قاصد بادشاہ کے پاس آئے اور کہا ایک شخص نے ہمیں یہ کہہ کر واپس بھیجا ہے۔ بادشاہ نے اس کی شکل پوچھی تو انہوں نے کہا کہ وہ بہت بالوں والا آدمی تھا اور چمڑے کے تسمے سے اپنی کمر کسے ہوئے۔ تب اس نے کہا وہ تشبیہی ایلیاہ تھا۔

ان حضرت نے اخی آب کے عہد میں ایک سخت قحط پڑنے کی خبر بھی دی تھی اور ان کو وادی کریت میں رہنے کا حکم ہوا تھا جو یردن ندی کے سامنے ہے اور صبح و شام کوئی ان کے لیے گوشت و روٹی لاتے تھے اور نالہ کا پانی پیتے تھے جب نالہ بھی خشک ہوا تو ان کو حکم ہوا کہ اٹھ اور شہر صیدا کے صارپت کو جا وہاں ایک بیوہ تیری پرورش کرے گی۔ سو یہ آئے اور بیوہ سے کھانے پینے کو کچھ مانگا۔ اس نے کہا مٹکے میں تھوڑا سا آٹا اور لوٹے میں کچھ تیل ہے جس سے ایک ٹکیہ تلی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس لا وہ لائی آپ کی برکت سے قحط کے دنوں تک وہ آٹا اور تیل کم نہ ہوا۔ پھر اس بیوہ کا بیٹا مر گیا تھا ان کی دعا سے زندہ ہوا۔ (کتاب السلاطین ۱۷ باب)

اخی آب شاہ سمرون نے سیکڑوں نبی قتل کروا ڈالے تھے۔ عبدیاہ دیوان نیک تھا صرف اس نے چند کو بچایا۔ الیاس کی تلاش تھی۔ خدا کا حکم ہوا کہ اخی آب سے مل۔ یہ ملے اور باہم گفتگو ہوئی۔ آخر ان میں اور بعل کے کئی سو پجاریوں میں امتحان کی ٹھہری کہ دیکھیں کس کا معبود قدرت دکھاتا ہے؟ آخر حضرت ایلیاہ غالب آئے۔ یہ معرکہ کرمل پہاڑ کی چوٹی پر گزرا تھا اور ان پجاریوں کو ایلیاہ نے وادی قیسون میں لا کر قتل کیا اور بارش کی دعا مانگی خدا تعالیٰ نے قحط دور کیا۔ مگر اس پر بھی ایزبل اس شاہ کے شریر اور بت پرست وزیر نے ایلیاہ کی ہلاکت کا قصد کیا۔ ایلیاہ وہاں سے بیرسبع آئے پھر وہاں سے جنگل میں چلے گئے پھر حورب پہاڑ کے کسی غار میں جا چھپے۔ وہاں کچھ دنوں کے بعد ان کو حکم ہوا کہ دمشق کو جا اور حزئیل کو ممسوح کر کہ وہ ارام کا بادشاہ ہووے اور نمسی کے بیٹے یاہو کو ممسوح کر کہ اسرائیل کا بادشاہ ہووے اور سفط کے بیٹے الیسع کو ممسوح کر کہ تیری جگہ نبی ہووے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ پھر الیسع کو ساتھ لے کر یردن پار اترے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آتشی رتھ آتشین گھوڑے جتے ہوئے نمودار ہوا اس میں سوار ہو کر ایلیاہ آسمان پر چلے گئے۔ (۲۔ کتاب السلاطین ۲۔ باب)

ان کو ایلیاہ بھی کہتے ہیں اور الیاس بھی اور عرب کے لوگ الیاسین بھی کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ کوہ سینا۔ کوہ سینین بعض کہتے ہیں جب ان کے اتباع کا لحاظ کرتے ہیں تو الیاسین کہتے ہیں ورنہ الیاس۔

اُس زمانے میں بعل[1] ایک بت تھا کسی عورت یا کسی اور چیز کے نام کا، بہت لوگ اسی کی پرستش کیا کرتے تھے اسرائیل کا بے ایمان بادشاہ بھی اسی بلا میں گرفتار تھا۔ بعلبک شہر جو اب تک موجود ہے اسی کے نام سے نامزد ہے۔

[1] یہ بیس ہاتھ کا بت سونے کا یا کسی عمدہ دھات کا تھا۔ چار سو پچاس پجاری تھے جو نبی کہلاتے تھے۔ لوگوں کو غیب کی خبریں دیا کرتے تھے۔ خلقت ان سے مدد مانگنے آتی تھی نذریں چڑھاتی تھی۔ ایک بڑی پُر تکلف درگاہ بنا رکھی تھی اور اس کی تعظیم ادب کے قاعدے مقرر کر رکھے تھے۔ یہ بدبخت مجاور نئی نئی اس کی کرامات و حکایات لوگوں کو سناتے تھے کہ فلاں کی یہ مراد بعل نے دی فلاں نے نذرانہ ادا نہ کیا تھا اس کو یوں برباد کیا۔ سجدہ کیا کرتے تھے اس کے آگے قربانی ہوتی تھی باجے بجاتے تھے ایک عجب ٹھاٹ بنا رکھا تھا جو حضرت الیاس علیہ السلام کے ہاتھ سے منہدم ہو گیا ۱۲ منہ

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور البتہ لوط بھی رسولوں میں سے ہے

اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

جب کہ ہم نے اس کو اور اس کے سب کنبہ کو بچا لیا

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ

مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی پھر

دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ

اور سب کو ہم نے ہلاک کر دیا اور البتہ تم

لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ

ان کی بستیوں پر سے صبح ہوتے اور

ع ۴ / ۲۵ / ۸

بِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَاِنَّ

رات کو بھی گزرتے ہو پھر کیوں نہیں سمجھتے اور البتہ

يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ

یونس رسولوں میں سے ہے جب کہ

اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾

وہ بھاگ کر بھری کشتی کی طرف آیا

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

پھر ان کے نام کا قرعہ نکلا تو دریا میں پھینک دیے گئے

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾

پھر ان کو مچھلی نگل گئی اور وہ بہت ہی شرمندہ تھے۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے

النصف

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

تو اس کے پیٹ میں حشر تک پڑے رہتے

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

پھر ہم نے اس کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھے

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾

اور اس پر ہم نے کدو کا ایک پیڑ اُگا دیا

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور اس کو لاکھ آدمیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کی طرف بھیجا

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

پھر وہ ایمان لائے تو ان کو ایک وقت تک رسا یا بسایا۔

تفسیر

وان لوطا لمن المرسلین یہ پانچواں قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔ بحیرہ مردار کے پاس چند بستیاں تھیں سدوم عمورہ وغیرہ وہاں حضرت رہتے تھے۔ ان لوگوں کو بدفعلی کی عادت تھی لڑکوں کے ساتھ لواطت کیا کرتے تھے حضرت نے بہت کچھ سمجھایا آخر نہ مانا خدا نے ان کو ہلاک کیا۔ لوط علیہ السلام اور ان کا خاندان بجز بیوی کے سب بچے۔ باقی سب برباد ہو گئے وہ بستیاں الٹی گئیں۔

وانکم لتمرون قریش شام کے ملک میں تجارت کے لیے آیا جایا کرتے تھے یہ الٹی ہوئی بستیاں ان کو رستے میں ملتی تھیں کبھی قافلہ کو رات وہاں پڑتی تھی کبھی صبح ہوتے قافلہ وہاں سے نکلتا تھا۔ یہ ہیں معنی مصبحین و باللیل کے۔ فرماتا ہے افلا تعقلون تم پھر بھی عبرت نہیں کرتے پیغمبر کی مخالفت سے باز نہیں آتے۔

وان یونس الخ یہ چھٹا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے جس کا مفصل بیان ہم سورہ یونس میں کر آئے ہیں یہ حضرت بھی بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے۔ عبرانی میں ان کو یونہ کہتے ہیں متی ان کے والد کا نام ہے۔ مسیح علیہ السلام سے تخمیناً آٹھ سو باسٹھ ۸۶۲ برس آگے ان کو حکم ہوا کہ شہر نینوہ میں جا کر منادی کرو۔ انہوں نے سمجھا کہ خداتع

حلیم وغفار ہے جس عذاب کا میں ان سے وعدہ کر دوں گا اس کے موافق شاید ان پر بلا نہ پہنچے تو میں جھوٹا پڑوں اس لیے وہاں سے بھاگ کر شہر ترسیس کو چلے اور یافہ سے جو جہاز ترسیس جانے کو تھا اس میں سوار ہو گئے۔ رستہ میں سخت طوفان آیا قرعہ ڈالا گیا کہ کس کے سبب سے یہ بلا آئی ہے؟ انہیں کا نام نکلا۔ ملاحوں نے ان کو سمندر میں ڈال دیا مچھلی نے لقمہ کر لیا۔ اس کے پیٹ میں جا کر خدا تعالیٰ سے دعا کی اور تسبیح و تقدیس کی جس کے سبب ان کو مچھلی نے کنارے پر اُگل دیا۔ اگر یہ دعا و تسبیح نہ کرتے تو وہیں مر کر رہ جاتے قیامت تک سمندر ہی میں رہتے۔ مچھلی کے اندر تین رات دن رہنے سے بیمار ہو گئے تھے بدن کی کھال گل گئی تھی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان پر چھاؤں کرنے کو کدو کی قسم سے ایک پیڑ اُگا دیا۔ یقطین۔ یفعیل من قطن بالمکان اذ قام بہ والاکثر علی انہا کانت الدبا غطتہ باوراقہا عن الذباب (بیضاوی)

پھر ان کو حکم ہوا کہ اٹھ اس بڑے شہر نینوہ کو جا اور وہاں اس بات کی منادی کر جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں تب یونس نینوہ گئے۔ نینوہ کا احاطہ یا شہر پناہ تین دن کی راہ تھی اس میں لاکھ آدمی سے زیادہ رہتے تھے مائۃ الف او یزیدون یہ تخمینہ دیکھنے والے کے محاورہ کے مطابق ہے کہ اس کو دیکھنے والا یہ خیال کرتا تھا ورنہ خدا کو اصلی تعداد معلوم تھی اور ہے۔ شہر میں جا کر وعظ کیا اور بت پرستی کی سزا میں عذاب الٰہی نازل ہونے کی خبر دی۔ لوگوں نے اور وہاں کے بادشاہ نے توبہ کی اور سب نے روزہ رکھا یہاں تک کہ حیوان کے بچوں کو بھی کھانے پینے سے باز رکھا اور سب گریہ وزاری میں مصروف ہو گئے خدا نے عذاب ٹال دیا۔ مگر یونس علیہ السلام سخت رنجیدہ ہوئے کہ میں لوگوں کی نظروں میں جھوٹا ٹھہرا۔ اور عرض کیا کہ خداوندا میں تجھے پہلے ہی سے جانتا تھا کہ تو رحیم و کریم ہے غصہ کرنے میں بڑا دھیما ہے اس لیے میں نینوہ آنا پسند نہیں کرتا تھا اور ترسیس کو بھاگا تھا۔

یونس علیہ السلام شہر کے باہر ایک جھونپڑی بنا کر شہر کا حال دیکھنے کے لیے بیٹھ گئے۔ ان پر سایہ کرنے کو ایک ارنڈی کا پیڑ اُگا۔ اگلے دن اس کو کیڑے نے کاٹ دیا وہ سوکھ گیا جس سے یونس علیہ السلام کو رنج ہوا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا تجھے ایک درخت پر رحم آیا جو تیری محنت سے نہ پیدا ہوا تھا۔ پھر میں ایسے شہر پر کیوں رحم نہ کرتا؟

یہ بھاگنا اور نینوہ آنے سے انکار کرنا اور عذاب نہ آنے سے رنجیدہ ہونا خدا تعالیٰ اور اس کے نبی میں راز و نیاز کی باتیں ہیں یہ معصیت نہیں۔ اگر یہ گناہ ہے تو انہیں کی شان کے خلاف بات ہونے کے لحاظ سے گناہ ہے جس پر وہ استغفار کرتے اور معافی چاہتے تھے قانون شریعت کے برخلافی کے گناہ نہ تھے۔

ف۱ لے لصار بطن الحوت لہ قبراً الی یوم البعث ۱۲ منہ

ف۲ شہر موصل کے قریب یہ شہر آباد تھا ۱۲ منہ

ف۳ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ (کتاب یونہ باب۴ ورس۱۱) ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اویزیدون کے معنی پوچھے۔ آپؐ نے فرمایا بیس ہزار۔ (ترمذی) بعض روایات میں آیا ہے تیس ہزار ایک لاکھ ۱۲ منہ

ف۴ بعض کہتے ہیں او بمعنی و یعنی لاکھ اور اس سے زیادہ ۱۲ منہ

فساھم المساھمۃ الاقتراع قرعہ انداختن۔

المدحضین المغلوبین یقال دحضت حجتہ وادحضھا اللہ واصلہ الزلق من مقام الظفر۔

ملیم۔ نادم۔ شرمندہ۔ من الملامۃ۔

• العراء۔ الصحراء۔ میدان۔ جنگل چٹیل۔ بحر روم کا کنارہ جہاں بجز ریت کے اور کچھ نہیں تھا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ

پس (اے نبی) ان سے پوچھو کہ کیا آپ کے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے

الْبَنُونَ ﴿۱۴۹﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ

بیٹے ؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں

إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿۱۵۰﴾ أَلَا إِنَّهُمْ

بنایا ہے اور وہ دیکھ ہی تو رہے تھے دیکھو یہ

مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللَّهُ

جھوٹ کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد جنی ہے

وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۵۲﴾ أَصْطَفَى

اور بے شک وہ جھوٹے ہیں کیا اس نے

الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ

بیٹیوں کو بیٹوں سے زیادہ پسند کیا ہے ؟ تمہیں کیا ہوا

كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۵۴﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۵﴾

تم کیسا حکم لگاتے ہو پھر تم کیوں نہیں سمجھتے

أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ ﴿۱۵۶﴾ فَأْتُوا

کیا تمہارے پاس کوئی کھلی ہوئی سند ہے اگر

بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۵۷﴾

تم سچے ہو تو اپنی کتاب تو پیش کرو

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا

اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ قائم کر دیا ہے

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

حالانکہ جن خود جان چکے ہیں کہ یہ پکڑ کر لائے جائیں گے (قیامت کے دن)

سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا

اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں مگر

عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۶۰﴾ فَإِنَّكُمْ

اللہ کے خالص بندے (جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں) پھر تم

وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۶۱﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ

اور جن کو تم پوجتے ہو خدا سے کسی کو گمراہ

بِفَاتِنِينَ ﴿۱۶۲﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ

نہیں کر سکتے مگر اسی کو جو خود جہنم میں

الْجَحِيمِ ﴿۱۶۳﴾

جانے والا ہے۔

تفسیر

فاستفتھم الربک البنات ولھم البنون انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر مذاہب مشرکین اور اس کے قبح کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ عرب خصوصاً قریش کے چند قبائل سلیم، خزاعہ، جہینہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر ان سے مدد مانگتے تھے اور ان کے نام کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے۔ ان کے رد میں فرماتا ہے کہ ان سے یہ تو پوچھو کہ بیٹیوں کا ہونا تم پسند نہیں کرتے ہو بیٹوں کے مقابلہ میں پھر خدا کیوں پسند کرنے لگا؟

دوم خود فرشتوں کا اناث ہونا ان کو یا تو حس سے معلوم ہوا سو وہ بھی غلط ہے کس لیے کہ ان لوگوں نے ان کو دیکھا نہیں چہ جائے کہ پیدا ہونے کے وقت دیکھا ہو اس بات کو اس آیت میں بیان فرماتا ہے ام خلقنا الملئکۃ اناثا وھم شاھدون

یا کسی کی خبر سے کہ کسی مخبر صادق نے ان کو اس بات کی خبر دی ہو سو یہ بھی نہیں۔ اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے الا انھم من افکھم لیقولون ولد اللہ وانھم لکذبون کہ وہ محض جھوٹ کہتے ہیں از خود گھڑ کر۔ کسی نے ان کو یہ خبر نہیں دی ہے۔ یعنی توہم باطل وخیالِ فاسد ہے۔

یا کسی دلیلِ عقلی سے ثابت ہوا ہو سو یہ بھی نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات میں اکمل ہے اور اکمل خسیس کو نہیں پسند کیا کرتا ہے بلکہ اپنے لیے عمدہ چیز پسند کرتا ہے اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے اصطفی البنات علی البنین مالکم کیف تحکمون افلا تذکرون۔

یہ تو ان کے خلاف میں دلیلِ عقلی تھی۔ اب ان سے دلیلِ عقلی ان کے مطلب پر طلب کرتا ہے ام لکم سلطٰن مبین الخ کہ اب تم کوئی دلیلِ صحیح ہو تو لاؤ اگر سچے ہو اور دلیل ان کے پاس کوئی بھی نہیں پس ثابت ہوا کہ وہ صریح غلطی میں ہیں۔

مجوس کے مذہب کے بھی بعض قبائل عرب معتقد تھے ان کا مذہب ہے کہ شیطان خدا کا بھائی ہے۔ پس جو نور و خیرِ محض ہے وہ اللہ ہے جس کو یزداں کہتے ہیں۔ اور جو ظلمت و شر ہے اس کا نام اہرمن ہے۔ اس بات کو اس آیت میں رد کرتا ہے وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا الخ کہ ان لوگوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ برادری قائم کیا ہے۔ حالانکہ جنوں کو خود معلوم ہے کہ اس بات کے کہنے والے محضرون پکڑے جاویں گے۔ یعنی جن بھی ان کو جھوٹا جانتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ جن جانتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے رشتہ دار نہیں بلکہ محکوم و مخلوق ہیں اس کے آگے یا اس کے حکم قضا و قدر کے آگے وہ محضرون ہیں عاجز ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الجنۃ سے مراد فرشتے ہیں۔ عرب کے بعض قبائل یہ خیال کرتے تھے کہ خدا نے جنیوں کو جورو بنایا اور ان سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ ہنود بھی دیوی اور دیوتاؤں کی نسبت ایسے ہی خیالاتِ فاسدہ پکائے ہوتے ہیں۔ اور غیر محسوس چیزوں کی نسبت خیالاتِ عامہ ایسی ہی باتیں بنایا کرتے ہیں۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ان کے خیالاتِ فاسدہ سے اپنی پاکیزگی اور برأت بیان فرماتا ہے فقال سبحٰن اللہ عما یصفون کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں وغیرہ پاک ہے الا عباد اللہ المخلصین استثنا منقطع ہے۔ بمعنی لیکن اللہ کے مخلص یعنی خاص اور خالص بندے ایسی باتیں نہیں بناتے۔

اس کے بعد کفار کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ فانکم وما تعبدون ما انتم علیہ بفاتنین کہ تم اور تمہارے معبود کہ جن کو تم خیر و شر کا مالک جان کر پوجتے ہو ان بیہودہ باتوں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے مگر اسی کو کہ جس کی تقدیر میں دوزخ لکھا ہے۔ فاتنین مضلین یقال فتنت الرجل وافتنہ ویقال فتنۃ علی الشیٔ وبالشیٔ یقال فتنۃ فلان علی فلان امرأتہ ای افسدہا علیہ فالفتنۃ ہٰہنا بمعنی الاضلال والافساد۔ صالِ جمہور نے بکسر لام پڑھا ہے کیونکہ ناقص اور مضاف ہے۔ تی التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گئی۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

(فرشتے کہتے ہیں) اور ہم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس کے لیے ایک درجہ معین [۱] نہ ہو

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا

اور ہم ہی تو عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں　اور ہم

لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا

اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں　اور البتہ عرب کے کافر

لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا

کہا کرتے تھے کہ　اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کا

مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ

کوئی تذکرہ ہوتا　تو ہم اللہ کے خالص بندے

[۱] ہر ایک اپنے اپنے مقام پر کھڑا رہتا ہے۔ آگے نہیں بڑھ سکتا ۱۲ منہ

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ

ہو جاتے ۔ پھر وہ اس سے منکر ہو گئے پھر ابھی

يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا

معلوم کر لیں گے ۔ اور البتہ ہمارے بندوں کے لیے

لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ

ہمارا حکم پہلے سے ہو چکا ہے کہ انہیں کی

الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا

مدد کی جاوے گی ۔ اور ہمارا لشکر ہی

لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ

غالب رہے گا ۔ پھر آپ ان سے ایک وقت تک

حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ

منہ موڑے رہیے ۔ اور ان کو دیکھتے رہیے سو وہ خود بھی

يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾

دیکھ لیں گے ۔ پھر کیا وہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ

پھر جب وہ ان کے میدان میں اترے گا تو جن کو ڈر سنایا جا چکا ہے

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى

ان کی کیا ہی منحوس صبح ہو گی ۔ اور ان سے ایک وقت تک منہ موڑے

حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾

رہیے ۔ اور دیکھتے رہیے سو وہ بھی دیکھ لیں گے (کیا نتیجہ ملتا ہے)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا

آپ کا رب جو رب العزت ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں ان سے

يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾

پاک ہے ۔ اور رسولوں پر سلام

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾ ع ۵ ۹

اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہان کا رب ہے

تفسیر

اس کے بعد خدا تعالیٰ ملائکہ کی وہ صفات ان کی زبانی اقرار کے موافق بیان فرماتا ہے کہ جن سے ان کا بندہ اور اس کی مخلوق ہونا ثابت ہو جاوے۔ اور مشرکین کا خیال رد ہو جاوے۔

فقال (۱) وما منا الا له مقام معلوم (۲) وانا لنحن الصافون (۳) وانا لنحن المسبحون یہ تین صفت ملائکہ کی ہیں کہ وہ یہ تین باتیں آپ کہتے ہیں ان کا اقرار کرتے ہیں۔

پہلی صفت یہ کہ ہر ایک فرشتہ کا درجہ معین ہے اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ عام ہے کہ وہ درجہ تصرفات عالم سفلی و علوی کا ہو یا عبادت و تقرب کا ہو۔ جو کام جس کو اور جو مرتبہ جس کو دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کر سکتا۔

دوسری صفت کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ حکم الٰہی بجالانے کے لیے یا عبادت کے لیے ہر گھڑی صف بستہ کھڑے رہتے ہیں کسی بات میں کچھ بھی سرتابی نہیں کر سکتے پھر جب ان کا یہ حال ہے تو وہ بیٹی اور بیٹے کیوں کر ہوئے؟ اور کسی کو بغیر حکم الٰہی کے کیا نفع و نقصان دے سکتے ہیں؟

تیسری صفت کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں۔ تسبیح کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا بری باتوں سے پاک ہونا بیان کرنا، اور دل میں اس کا عقیدہ رکھنا۔ اگر ان تینوں صفتوں کو ملایا جاوے تو یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ ہر ایک فرشتہ کے لیے بارگاہ رب العزت میں ایک مقام معین ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اسی حد پر صف باندھے ہوئے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ وانا لنحن کلمات حصر اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل عبادت و معرفت کے

مقابلہ میں بندوں کی معرفت محدود بلکہ کالعدم ہے۔ (تفسیر کبیر)۔

وان کانوا لیقولون الخ مشرکین کے خیالات باطلہ کا رد کرکے ان کی نبی علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے جو تمنا تھی اس کو بیان کرکے ان کو نادم کرتا ہے کہ پہلے تو وہ یہود و نصاریٰ کی سرکشی و ہلاکت کا حال سن کر یہ کہتے تھے کہ اگر پہلوں کی کتابوں میں کی کوئی کتاب توراۃ و انجیل جیسی ہمارے پاس ہوتی تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے ہوجاتے اس پر خوب عمل کرتے۔ پھر جب وہ کتاب یعنی قرآن مجید اور نبی کریمؐ ان کے پاس آئے تو اس کے منکر ہوگئے اب اس انکار کا نتیجہ ان کو بہت جلد معلوم ہوجاوے گا جو کچھ ہم نے رسولوں کی معرفت فرمایا ہے وہ سچ ہوکر رہے گا اور ہمارا گروہ غالب رہے گا۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے فتول عنھم حتی حین وہ کس لیے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور ہمارا عذاب جب کسی قوم پر آتا ہے تو ان کا برا دن اور ان کی صبح بری صبح ہوتی ہے۔ اے محمد! تو تھوڑے زمانے تک ان سے اعراض کر اور صبر کر اور دیکھتا رہ وہ آپ دیکھ لیں گے۔ اس میں فتح بدر و دیگر فتوحات کی طرف بھی اشارہ ہے اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ بلا پیش آنے والی ہے اس کی طرف بھی۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ سورت کو کن عمدہ مطالب کی طرف اشارہ کرکے تمام کرتا ہے فقال سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون ۝ وسلم علی المرسلین ۝ والحمد للہ رب العٰلمین ۝ عاقل کے لیے تین باتوں کی معرفت اور علم اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ اور اس کی صفات کا جاننا حق المقدور اور اس کی صفات تین قسم کی ہیں۔ اوّل تمام عیوب و نقص سے اس کو پاک جاننا اس کے لیے لفظ سبحٰن آیا دوم اس کے لائق صفاتِ الوہیت سے واقف ہونا اس کے لیے ربک رب العزۃ آیا۔ ربوبیت حکمت و رحمت علم و قدرت پر دال ہے۔ عزۃ کمال قدرت و جبروت پر۔ سوم یہ کہ وہ اپنی خدائی میں شریک ہونے سے پاک ہے اس کے لیے عما یصفون آیا۔

(۲) یہ کہ دنیا میں کن لوگوں کا طریقہ ایسا ہے کہ جس کے اختیار کرنے سے سعادتِ دارین حاصل ہو اور سلامتی اور ذکر جمیل کے قابل ٹھیرے؟ سو وہ رسولوں کا طریقہ ہے اس کی طرف وسلم علی المرسلین میں اشارہ ہوا کہ ان پر سلامتی ہے۔

(۳) مرنے کے بعد کیا ہوگا اور کیا پیش آوے گا؟ اس بات کی طرف الحمد للہ رب العٰلمین میں اشارہ کیا کہ جو شخص ہر ایک ستائش کے قابل ہے اور وہ تمام عالم کا مربّی اور خیر محض ہے مرنے کے بعد رسولوں کے مطیع کو اس کی ربوبیت و رحمت حیات ابدی و سرور سرمدی عطا کریگی۔ الٰہی ہم کو بھی نصیب کر۔

سُوْرَۃُ صٓ

مکیہ ہے اس میں اٹھاسی آیات پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ ①

قسم قرآن کی جو سراسر نصیحت ہے (ہمارا نازل کیا ہوا ہے)

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ ②

پر منکر سرکشی اور مقابلہ میں پڑے ہیں

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ

ان سے پیشتر ہم بہت سی قوموں کو ہلاک کرچکے ہیں

فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَ

پھر وہ چلانے لگے (مگر بے سود کیونکہ) رہائی کا وقت نہ رہا تھا اور

عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَ

منکر تعجب کرنے لگے کہ انہیں میں کا ایک شخص ڈرانے والا آیا۔ اور

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿ج﴾

منکر کہہ اٹھے کہ یہ تو جادوگر بڑا جھوٹا ہے

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ

کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود کر دیا البتہ

هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ

یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے اور ان میں سے سردار یہ

مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى

کہتے ہوئے چل پڑے کہ اٹھ چلو اور اپنے معبودوں پر

اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ﴿ج﴾

جمے رہو یہ تو ایک فریب کی بات ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ

یہ بات تو ہم نے پچھلے دین میں بھی نہیں سنی تھی

اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾ ءَاُنْزِلَ

یہ تو ایک بنائی ہوئی بات ہے کیا ہم میں سے

عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ

اسی پر نصیحت اُتاری گئی ؟

ترکیب

ص قرأ الجمہور باسکان الدال وقرئ بکسرہا لالتقاء الساکنین اولکونہ امرا من صادی الشئ قابلہ وعارضہ ای عارض بعملک القرآن وقرئ بالفتح للتحریک و القرآن الواو للقسم وقیل معطوف علی القسم وہو صاد وجواب القسم محذوف لقد جاءکم الحق او ماینا سب المقام۔ ولات التاء زیدت علی لا کما تزاد علی رُبّ وثُمّ رُبّتہ وثُمّتہ واکثر العرب تحرک ہذہ التاء بالفتح واما فی حالۃ الوقف فبعضہم یقف بالتاء لان الحروف لیست موضع تغیر وبعضہم بالہاء حین علی مذہب سیبویہ خبر لات و اسمہا محذوف لانہا عملت عمل لیس ای الحین حین ہرب وعند الاخفش ہی العاملۃ فی باب النفی فحین اسمہا و خبرہا محذوف ای لاحین مناص لہم والجملۃ حال من فاعل نادوا ای استغاثوا والحال انہ لم یبق وقت الہرب۔

تفسیر

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے (قالہ القرطبی) ترمذی ونسائی واحمد وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وحاکم وبیہقی وابن جریر وابن المنذر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جب ابوطالب بیمار ہوئے تو کفار قریش کہ جن میں ابوجہل بھی تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرنے آئے کہ محمد ہمارے معبودوں کی ہجو کیا کرتے ہیں۔ ابو طالب نے ان کے سامنے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک ہی بات ان سے کہتا ہوں اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہوجاوے اور عجم جزیہ دیوے لوگوں نے کہا ایک کیا دس بات ایسی ہوں تو مان لیتے ہیں۔ فرمائیے وہ ایک بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ یہ سنتا تھا کہ کپڑے جھاڑتے ہوئے خفا ہوکر یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ سب معبودوں کا ایک معبود کر دیا۔ یہ عجب بات ہے۔

ف مناص مصدر من ناص ینوص نوصا ومناصا ای فرو راغ یقال ناص عن قرنہ ۱۲ منہ

ف اصلہ نوص من ناص ینوص معناہ گریختن وخویشتن باز کشیدن ولات حین مناص ای بس وقت تاخر وفرار ۱۲ منہ

اس پر یہ سورۃ ص نازل ہوئی لما یذوقوا العذاب تک۔

ص حروف مقطعات میں سے ہے ان کے متعلق ہم کئی جگہ بحث کر چکے ہیں۔ قرآن مجید کی قسم کھا کر اور اس کا معزز اور نصیحت ہونا (ذی الذکر) ثابت کر کے یہ فرماتا ہے کہ توحید ہی کا مسئلہ برحق ہے بت پرستی باطل ہے بل الذین کفروا فی عزۃ وشقاق توحید و خدا پرستی میں کوئی شک و تردد کی گنجائش نہیں بلکہ منکر لوگ تکبر اور ضد کی راہ سے نہیں مانتے۔ اور تکبر اور ضد ہمارے مقابلہ میں کیا وجود رکھتی ہے۔

کم اھلکنا من قبلھم من قرن ان سے پہلے ہم بہت سی قوموں کو غارت کر چکے ہیں جنہوں نے رسولوں سے مقابلہ کیا تھا زور میں آکر۔ پھر جب ان پر بلا آئی تو نادوا الغیاث الغیاث کے نعرے بلند کرنے لگے چیخنے چلانے لگے مگر کیا فائدہ کوئی بھاگنے کا وقت نہ رہا تھا۔ آخر غارت ہوئے عاد و ثمود و قوم لوط وغیرہم۔

وعجبوا ان جاءھم الخ یہ کفار اس بات سے تعجب کرتے ہیں کہ انہیں کی قوم اور جنس میں سے ایک شخص خدا کا رسول کیوں کر ہو گیا (یعنی محمدؐ) اور اس کو جادوگر اور جھوٹا بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سے معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود یعنی اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہے ان بہت سے معبودوں کے مقابلہ میں اور ان کی جگہ ایک کو قائم کرتا ہے یہ تعجب کی بات ہے ایک شخص تمام کاروبار مخلوق کی نگرانی کار برآری کیوں کر کر سکتا ہے؟ یہ کہہ کر کفار کی جماعت اٹھ کھڑی ہوئی کہ اٹھ چلو اور اپنے معبودوں کو پوجے جاؤ یہ ایک نئی بات ہے پہلے ہم نے کسی سے نہیں سنی۔ نہ کوئی پہلوں میں سے کہتا تھا۔ اور کیا وجہ کہ ہم میں سے ذکر یعنی پیغمبری اور قرآن اسی ایک پر نازل ہوا؟

کفار نے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کاذب بلکہ کذاب ٹھہرایا تھا ان کا تین شبہات پر مدار تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔

(۱) الوہیت کی بابت تھا وہ کہتے تھے اجعل الالھۃ الھا واحدا ان ھذا الشیٔ عجاب یہ شبہ ان کو دو وجہ سے تھا۔ اول یوں کہ ان کو نظر و استدلال کی عادت نہ تھی صرف ان کے اوہام محسوسات کے تابع تھے۔ محسوسات میں دیکھا کہ ایک شخص کی قدرت بہت سی خلقت کی محافظت و علم کے لیے کافی نہیں اس پر انہوں نے اس کو بھی قیاس کر لیا جو ان کے حواس سے پرے اور اوہام سے باہر ہے۔ دوسرے یوں کہ ان کے اسلاف باوجودے کہ عاقل تھے اور ایک دو نہیں سینکڑوں تھے سب شرک میں مبتلا تھے پھر ان کے مقابلہ میں یہ ایک شخص کیوں کر صادق ہو سکتا ہے۔ عجاب ہیں عجیب سے زیادہ مبالغہ ہے جیسا کہ طوال میں طویل سے زیادہ مبالغہ ہے اسی طرح عریض و عراض و کبیر و کبار۔

(۲) نبوت کی بابت تھا جس کو خدا تعالیٰ ان الفاظ میں نقل کرتا ہے اؤنزل علیہ الذکر من بیننا بل ھم فی شک من ذکری الخ یہ شبہ کئی ایک جگہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ءالقی الذکر علیہ من بیننا بل ھو کذاب اشر یہ قوم صالح نے کہا تھا ولولا نزل ھذا القراٰن علی رجل من القریتین عظیم یہ حضرت کی نسبت کہا گیا۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّن ذِكْرِي ۚ
بلکہ ان کو تو میری نصیحت میں بھی شک ہے
بَل لَّمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ ⑧ أَمْ
بلکہ انہوں نے ابھی میرا عذاب بھی نہیں چکھا کیا
عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ
ان کے پاس خدائے غالب و فیاض کے

الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾ أَمْ لَهُم مُّلْكُ
خزانے ہیں کیا آسمانوں اور زمین میں
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے ان کی حکومت ہے
فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾ جُندٌ
پھر توان کو سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ جانا چاہیے (کہ جا کر خدا سے لڑیں) وہاں
مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾
ان کے لشکر شکست پائیں گے۔
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ
ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور
وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ
میخوں والا فرعون اور ثمود
وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ
اور لوط کی قوم اور ایکہ والے بھی جھٹلا چکے ہیں
أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ
یہ ہیں وہ (شکست یافتہ) لشکر ہر ایک ہی نے
إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ ع ١٠
تو رسولوں کو جھٹلایا تھا پھر تو میرا عذاب آموجود ہوا
وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً
اور یہ (کفار مکہ) ایک ہی چیخ کے منتظر ہیں (آواز صور)
مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾
جس کو کچھ دیر نہ لگے گی

ترکیب

جند مبتدا۔ وما للابھام کقولہ جئت لامرما۔ و من الاحزاب صفت لجند و مھزوم جز ھنالك یجوز ان یکون صفۃ لجند لے جند ثابت ھنالک و یجوز ان یکون متعلقا بمھزوم معناہ ان الجند من الاحزاب مھزوم ھنالک ای فی ذلک الموضع۔

تفسیر

اس شبہ کا جواب خدا تعالیٰ کئی طرح سے دیتا ہے اول بل ھم فی شك من ذکری بل لما یذوقوا عذاب ذکری سے مراد دلائل کہ انہوں نے دلائل نبوت میں غور وفکر نہ کیا ورنہ یہ شبہ زائل ہو جاتا۔ اور غور و تامل نہ کرنا یوں ہی شک کر لینا ان کو اس لیے ہوا کہ ابھی میرا عذاب نہیں چکھا۔ یعنی دنیا میں کوئی اس کی سزا ان کو نہیں ملی۔ اگر ایسا ہو تو شک جاتا رہے انسان یوں ہی بے جا حجتیں کیا کرتا ہے مگر جب اس کو شاہی شوکت اور مار پیٹ دکھائی جاتی ہے تو ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یا کہو ذکر سے مراد وہ نصیحت ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کرتے تھے وہ اس میں غور نہ کرتے تھے اور عذاب الٰہی سے بھی ڈرانے تھے جب دنیا میں وہ ان پر ابھی نہیں آیا تو اور بھی دلیر ہو گئے۔

ام عندھم خزائن رحمۃ ربك العزیز الوھاب یہ دوسرا جواب ہے کہ خدا زبردست بڑے بخشنے والے کے

سلہ اوتاد جمع وتد میخ۔ یہ استعارہ ہے عزت اور ملک کے لیے۔ عرب اس کلمہ کو بڑے ذی عزت پر اطلاق کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ مجرموں کو چومیخا کیا کرتا تھا اس لیے ذو الاوتاد کہلایا۔ بعض کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے گھوڑوں کی سونے کی میخیں تھیں ۱۲ منہ

سلہ فواق سکون یا رجوع ۱۲ منہ

خزائن رحمت ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں کہ جس کو وہ دنیاوی مال واسباب کی وجہ سے معزز جانیں اسی کو نبوت کا مرتبۂ جلیلہ دیویں بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو اس کے لائق دیکھتا ہے عطا کرتا ہے خواہ غنی ہو خواہ فقیر۔ لفظ وہاب اور عزیز اس کی خود اختیاری اور بے انتہا بخشش کی طرف اشارہ کرکے یہ بتلا رہا ہے کہ دنیا کی عزت اس کی بخشش کو احاطہ نہیں کرسکتی۔

ام لھم ملک السموٰت والارض وما بینھما فلیرتقوا فی الاسباب یہ تیسرا جواب ہے کہ خزائن اگر ان کے پاس نہیں تو آسمانوں اور ان کے درمیان کی حکومت بھی ان کو نہیں کہ جس کو ان کی مرضی ہو یہ عہدہ ملے۔ اگر ان کو یہ بات حاصل ہے تو فلیرتقوا فی الاسباب تو ان سیڑھیوں پر چڑھ کر کہ جن کے ذریعہ سے پہنچنا ممکن ہو چڑھیں اور عرش تک پہنچیں اور تدبیر عالم اور ملکوت کریں اور جس کے پاس چاہیں وہاں سے وحی بھجوا دیں بلکہ جند ماھنالک الخ ان کے لشکروں کو شکست ہے، سلطنتِ آسمانی تو کیسی۔ فتح مکہ یا فتح بدر کی طرف اشارہ ہے۔

کذبت الخ اس کے بعد اگلے لوگوں کی شکست اور ان کے انکارِ رسل سے پستی و ہلاکت بیان فرماتا ہے وماینظر کہ یہ لوگ بھی عذاب اور ہلاکت کے منتظر ہیں۔ صیحۃ سے مراد ناگہانی ہلاکت۔ کوئی شاعر کہتا ہے

؎

صاح الزمان بآل برمک صیحۃ
خروا لشدتھا علی الاذقان

بعض کہتے ہیں قیامت کے دن نفخ صور کی چیخ کے منتظر ہیں۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ
اور (مسخرے) کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارا حصہ ہم کو حساب کے دن سے پہلے ہی

الْحِسَابِ (۱۶) اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ
دے چکھ (اے نبی) ان کی ان باتوں پر صبر کیجیے
وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ
اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجیے جو باوجود قدرت وحشمت کے ہماری
اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (۱۷) اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ
طرف بڑے رجوع تھے ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو بھی تابع کر دیا
مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ (۱۸)
تھا جو اس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کرتے تھے
وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ (۱۹)
اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) جو پرا باندھے رہتے تھے ہر ایک اس کے تابع تھا
وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ
اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ان کو حکمت اور فیصلہ
وَفَصْلَ الْخِطَابِ (۲۰) وَهَلْ اَتٰىكَ
کرنے والا سلیقہ بھی عطا کیا تھا۔ اور (اے نبی) کیا آپ کو دو
نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (۲۱)　وقف لازم
جھگڑنے والوں کی خبر بھی پہنچی جب کہ وہ دیوار پھاند کر آئے
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ
جب کہ وہ داؤد کے پاس داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گئے
قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا
انہوں نے کہا مت ڈرو ہم دو جھگڑنے والے ہیں کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر
عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَ
زیادتی کی ہے پس آپ انصاف سے ہم میں فیصلہ کر دیں اور
لَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَاۗءِ
بے انصافی نہ کریں اور ہم کو سیدھا رستہ
الصِّرَاطِ (۲۲) اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ
بتا دیں یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس

تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً وَّلِيَ نَعۡجَةٌ
ننانوے ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی
وَّاحِدَةٌ قف فَقَالَ اَكۡفِلۡنِيۡهَا وَ
دنبی ہے پھر اس نے کہا کہ اس کو بھی میرے حوالے کر دے اور
عَزَّنِيۡ فِي الۡخِطَابِ ۞ ۲۳ قَالَ لَقَدۡ
مجھ سے کلام میں بڑ زبانی بھی کی ہے داؤد نے کہا البتہ
ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعۡجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ط
اس نے تجھ پر ظلم کیا جو تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا سوال کیا
ع ۲ ۱۲ ۱۱ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَيَبۡغِيۡ
اور اکثر شریک ایک دوسرے پر
بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ اِلَّا الَّذِيۡنَ
زیادتی کیا کرتے ہیں مگر وہ جو
اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيۡلٌ
ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے (زیادتی نہیں کرتے) اور وہ
مَّا هُمۡ ط وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ
بہت ہی کم ہیں اور داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے ان کو آزمایا ہے
فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ
پھر اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑے اور
اَنَابَ ۞ ۲۴ فَغَفَرۡنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط وَ
توبہ کی پھر ہم نے ان کو وہ معاف کر دیا اور
اِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ
ان کے لیے ہمارے پاس مرتبہ اور اچھی
مَاٰبٍ ۞ ۲۵ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ السجدة
منزلت ہے (ہم نے کہا) اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین
خَلِيۡفَةً فِي الۡاَرۡضِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَ
میں بادشاہ بنایا پس تم لوگوں میں

النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى
انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور خواہش نفس پر نہ چلنا
فَيُضِلَّكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ط اِنَّ
کہ وہ تم کو اللہ کے رستہ سے گمراہ کر دے گی جو
الَّذِيۡنَ يَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ
لوگ اللہ کے رستہ سے بھٹکتے ہیں
لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا
تو ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ وہ
يَوۡمَ الۡحِسَابِ ۞ ۲۶
حساب کے دن کو بھول گئے تھے

ترکیب

القط النصیب والحظ حصہ۔ والطیر معطوف علی الجبال۔ محشورۃ حال من الطیر الخصم فی الاصل مصدر ولذا لایثنی ولایجمع وجمع الضمیر فی تسوروا الاثنین جائز و اذ الاولی ظرف لنبأ والثانیۃ بدل منہا الا الذین استثناء متصل۔

تفسیر

(۳) شبہ معاد کی بابت تھا جس کو خدا تعالیٰ نقل کرتا ہے۔

وقالوا ربنا عجل لنا الخ کہ وہ قیامت کے قائم ہونے کو نہایت مستبعد سمجھ کر پیغمبر علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ جو کچھ قیامت کے روز عذاب و ثواب کا آپ ہمارے لیے وعدہ کرتے ہیں وہ ہمارا حصہ جلد ہم کو دنیا ہی میں دے دیجیے۔ اس پر آپ کو تسلی دی جاتی ہے کہ اصبر علیٰ ما یقولون ان کی ان بے ہودہ باتوں پر صبر کر اور آپ کی تسلی کے لیے چند انبیاء اولوا العزم کا تذکرہ کرتا ہے

کہ دنیا میں غموم و ہموم و مصائب پر وہ بھی برداشت کرتے آئے ہیں اور ان کو بھی اپنی امت کے بے سمجھ اور جاہلوں سے سابقہ پڑا ہے۔ من جملہ ان کے حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرماتا ہے واذکر عبدنا داؤد کہ ہمارے بندے داؤد کو یاد کر جس کو یہ فضیلتیں حاصل تھیں (۱) وہ قوت والا تھا جسمانی قوت کے سوا سلطنت کی بھی قوت دی گئی تھی اور اس پر روحانی قوت بھی تھی (۲) بااین ہمہ وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے ان لوگوں جیسے نہ تھے جو ذرا سی دولت و قوت میں بے ہوش ہو گئے (۳) پہاڑ اور پرند صبح و شام اس کے ساتھ تسبیح میں شریک ہوتے تھے اس کی شرح پہلے ہو چکی ہے۔ (۴) اس کی حکومت و سلطنت کو بھی ہم نے مستحکم کیا تھا بہت سے بادشاہ فرات سے لے کر مصر تک اس کے مطیع تھے (۵) اس کو حکمت عطا ہوئی تھی ہر ایک قسم کے علوم نظریہ و عملیہ (۶) اس کو گویائی بھی بڑی دی گئی تھی فصل الخطاب بڑے فصیح و بلیغ اور پُر گو تھے۔ اس کے بعد ان پر جو ایک عجیب و غریب واقعہ گزرا ہے اس کو بطور استفہام کے شوق دلانے کے لیے بیان فرماتا ہے۔

فقال وھل اتٰک نبؤ الخصم یہ واقعہ موافق عبارت قرآنیہ کے یوں ہے کہ دو شخص داؤد کے پاس محراب یعنی خلوت خانہ میں دیوار پھاند کر آئے (یقال تسورت تسوّرا اذا علوتہ ای اتوہ من سورہ وھو اعلاہ و المحراب المراد منہ البیت الذی کان داؤد یدخل فیہ و یشتغل بطاعۃ ربہ وسمی بالمحراب لاشتمالہ علی المحراب کما یسمی الشیٔ باشرف اجزائہ۔ کبیر ۲) داؤد گھبرائے۔ یہ اس لیے کہ یہ دن کسی کے آنے کا نہ تھا دروازے پر پاسبان تھے۔ اس سے سمجھے کہ دشمن ہوں کیوں کہ ان دنوں داؤد علیہ السلام سے فلسطانیوں کی لڑائی جاری تھی اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ہم دو شخص اہل مقدمہ ہیں فیصلہ کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں لاتخف آپ ہم کو دشمن جان کر نہ ڈریں۔ اس کے بعد مقدمہ شروع کیا چونکہ فرصت کا وقت جان کر خلاف قاعدۂ شاہی دیوار پھاند کر آئے تھے جس پر داؤد کے دل میں خطرہ پیدا ہوا ہو اور غصہ بھی آیا ہو جس پر انہوں نے تسلی دی۔ تب ایک نے کہا میں اور یہ میرا دوست جھگڑتے ہوئے آئے ہیں ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط آپ غصہ کو جانے دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے۔ یہ بات انہوں نے یا تو داؤد کا غصہ دیکھ کر کہی یا جس طرح عام جاہل لوگ حکام سے مقدمات کے وقت اپنے خیالات کے بھروسہ پر ایسے بے باکانہ الفاظ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ظلم نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اب قضیہ بیان کرنے لگے ان ھذا اخی الخ کہ اس بھائی کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک، پھر یہ اس کو بھی مجھ سے مانگتا ہے وعزنی فی الخطاب اور سخت گوئی اور بدزبانی بھی کرتا ہے۔ داؤد نے سُن کر کہا اس نے تجھ پر اس خواہش میں ظلم کیا اور اکثر باہمی شریک ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں باہم شریک ہوں گے۔ اس ایک والے کا حصہ کم ہوگا یا کوئی ایسی شرط ہوگی کہ جس سے بڑا حصہ دار اس کو ایک دنبی کا بھی مالک نہ خیال کرتا ہوگا نوکر جانتا ہوگا۔

وظن داؤد انما فتنٰہ۔ اور داؤد سمجھ گئے کہ اس میں خدا نے میرے حلم و انصاف کا امتحان کیا ہے کہ ان دو شخصوں کے بے قاعدہ آنے اور سخت زبانی کرنے پر بھی انصاف کرتا ہوں یا شاہی زور میں غصہ کر کے ان کو نکلوا دیتا ہوں۔ اور بادشاہوں کی عادت ہے کہ جو بے موقع اور گستاخانہ ان سے دادخواہی کے لیے آتا ہے تو گستاخی کی سزا دیتے ہیں۔

فاستغفر ربہ وخر راکعا و اناب اس پر داؤد نے اپنے رب سے معافی مانگی اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ معافی اس پر مانگی کہ دل میں بے قاعدہ آنے اور بے باکانہ بات چیت کرنے پر کچھ جوش آیا ہوگا جو مقتضائے بشریت و حکومت ہے۔

فغفرنا لہ ذلک ہم نے داؤد کی یہ بات معاف کر دی۔

وان لہ عندنا لزلفیٰ وحسن ماٰب اور ان کے لیے ہمارے نزدیک مرتبہ اور عمدہ ٹھکانا ہے کہ ذرا سی بات پر بھی سجدہ میں گر پڑے اور اس کو بڑا گناہ سمجھ کر خدا سے معافی مانگی اور روئے۔ اچھے لوگ ذرا سی بات کو بھی پہاڑ سمجھا کرتے ہیں۔ اس امتحان میں پورا نکلنے کے سبب داؤد نے ثابت کر دیا کہ میں خلافت اور انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق ہوں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو اس عہدہ کے لیے ممتاز فرمایا اور کہہ دیا یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض کہ ہم نے تم کو زمین پر اپنی طرف سے خلیفہ حاکم یا نائب کیا ہے فاحکم بین الناس بالحق پس آپ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے کیا کیجیے۔ ولا تتبع الھویٰ اور اپنی خواہش پر نہ چلیے جو لازمۂ سلطنت ہے۔ کیوں کہ جو اپنی مرضی پر چلتے ہیں قانونِ الٰہی کا اتباع نہیں کرتے ان کو قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا۔

یہ ہے وہ واقعہ اور قرآن مجید کے الفاظ اسی پر چسپاں ہیں اور اسی کے تمام اہلِ حق قائل ہیں۔ امام رازی و بیضاوی و صاحب شرح مواقف وغیرہ جمہور مفسرین۔ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ آپ ان جاہلوں سرکشوں کی بدزبانی اور بے ہودہ گوئی کا خیال نہ کریں جو آپ کو ساحر کذاب وغیرہ کہتے ہیں داؤد کو دیکھو کہ باوجود سلطنت و شوکت کے ان سے جاہلوں نے کیا معاملہ کیا جس پر انہوں نے صبر کیا۔

مگر دوسری کتاب صموئیل کے گیارہویں باب میں یوں لکھا ہے کہ ایک روز داؤد بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلتے تھے۔ انہوں نے ایک نہایت خوبصورت عورت کو نہاتے دیکھا اس کا نام بنت سبع الیعام کی بیٹی اور حتی اوریاہ کی جورو تھی، اس کو بلوایا اور اس سے صحبت کی جس سے وہ حاملہ ہوگئی اور اپنے گھر چلی گئی۔ اس عرصہ میں اس کا خاوند بھی جنگ سے یروشلم میں آیا اور داؤد نے اس کے ہاتھ اس کے افسر یواب کے لیے خط دے کر پھر لشکر میں بھیج دیا۔ اس میں یواب کو لکھ دیا تھا کہ اوریاہ کو جنگ میں ایسے موقع پر آگے کرنا کہ مخالف سے بچ کر نہ آوے۔ چنانچہ یواب نے ایسا ہی کیا۔ اور اوریاہ قتل ہوگیا۔ اس کی خبر داؤد کو ملی۔ چند روز عدت کے گزر جانے کے بعد داؤد نے اس عورت کو اپنے گھر میں ڈال لیا۔

پھر اس کتاب کے بارہویں باب میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ناتن نبی کو داؤد کے پاس بھیجا انہوں نے جا کر داؤد سے پوچھا کہ ایک شہر میں دو شخص تھے ایک بڑا مال دار بے شمار بھیڑ بکری رکھتا تھا، دوسرا کنگال کہ جس کے پاس بجز ایک بھیڑ کے اور کچھ نہ تھا جو اس نے پالی تھی اور اس کی گود میں سوتی تھی۔ اس مال دار نے اپنے مہمان کے لیے اس کی بھیڑ کو لے کر ذبح کر ڈالا۔ داؤد نے سن کر کہا وہ شخص واجب القتل ہے۔ تب ناتن نے کہا وہ شخص تو ہی تو ہے خدا فرماتا ہے میں نے تجھ کو سب کچھ دیا اور اور بھی دیتا مگر تو نے اوریاہ کو قتل کر دیا اور اس کی جورو کو لے لیا خدا فرماتا ہے تیرے گھر سے تلوار نہ اٹھے گی اور تیری جوروؤں کو تیرے سامنے کھلے میدان میں تمام بنی اسرائیل کے سامنے تیرے ہمسایوں سے خراب کراؤں گا۔ اس کے بعد داؤد اپنے گناہ کے مقر ہوئے۔ ناتن نے کہا تیرا گناہ خدا نے بخش دیا۔ پھر وہ لڑکا جو زنا سے پیدا ہوا تھا مر گیا اور اس کے بعد اس سے سلیمان پیدا ہوا۔ انتہیٰ ملخصاً۔

بعض بے ہودہ گو قصہ خوانوں نے اس قصہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کی تفسیر میں چسپاں کر دیا کہ جو آیات مذکورہ میں تھا۔ مگر قدماء اسلام اس کے سخت منکر تھے۔ اور ہیں۔ چنانچہ سعید بن المسیب و حارث اعور نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص داؤد علیہ السلام کی نسبت اس قصہ کو نقل کرے گا میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء پر بہتان باندھنے کی سزا ہے۔ (ابن کثیر)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا ہر گز اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ نہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے نہ کسی صحیح حدیث میں۔ مؤرخین کی باتیں ہیں جن کو بعض مفسرین نے تفسیر میں لکھ دیا۔ انتہیٰ

امام رازی فرماتے ہیں کہ آیات میں واقعہ کے اول میں بھی داؤد علیہ السلام کی مدح ہے اور بعد میں بھی، پھر کیوں کر عقل میں آسکتا ہے کہ جس نے ناحق ایک دین دار کو قتل کرایا اور اس کی جورو چھین لی جس سے بڑھ کر شرک کے بعد اور کیا گناہ ہوگا خدا تعالیٰ اس کی مدح کرے۔

اور اس پر طرہ یہ کہ جو لوگ خصمان سے مراد دو فرشتے لیتے ہیں کہ وہ آدمیوں کی صورت میں آئے تھے وہ معاذ اللہ فرشتوں کو بھی جھوٹ بولنے کا مرتکب بناتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے ایسی باتوں کا ظہور میں آنا خلاف عقل و نقل ہے وہ پاک دامن اور معصوم تھے۔ رہی کتاب صموئیل جس کی تقلید بعض حمقاء اسلام نے کی ہے سو آج تک پورا پتہ اہل کتاب کو بھی نہیں ملتا کہ اس کا کون مصنف ہے؟ وہ ایک تاریخ کی کتاب یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے خواہ مخواہ الہامی فرض کر لیا۔

اس کے علاوہ خود انہیں کی کتابوں میں کہ جن کو وہ الہامی مانتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت مواضع میں مدح اور پاکیزگی اور باخدا ہونا اور ان پر برکت نازل ہونا وغیرہ باتیں لکھی ہیں پھر نہیں معلوم کہ ایسے شخص کی مدح کس نے لکھ دی۔ اور جو مدح ٹھیک ہے تو قطعاً یہ قصہ کسی دشمن نے لکھ دیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ

نکما تو پیدا کیا ہی نہیں یہ گمان تو ان کا ہے جو

كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ

کافر ہیں پھر کافروں کی خرابی ہے جو

النَّارِ ۝٢٧ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

آگ سے کیا جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ

اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہم ان کو برابر کر دیں گے ان کے

فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝٢٨

جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ

(نہیں یہ قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا

لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ

تاکہ عقل مند اس کی آیتوں میں غور کریں

اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝٢٩ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ

اور سمجھیں اور ہم نے داؤد کو

سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝٣٠

سلیمان عطا کیا اچھا بندہ خدا کی طرف رجوع ہونے والا تھا

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ

جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو گھوڑے حاضر کیے گئے

الجِیَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ إِنِّیْ أَحْبَبْتُ

(یہاں تک کہ ان کے معائنہ میں نماز سے غافل ہوگئے) تو کہنے لگے کہ میں نے مال کی

حُبَّ الخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ ج

محبت کو یادِ الٰہی سے عزیز سمجھا

حَتّٰی تَوَارَتْ بِالحِجَابِ ﴿۳۲﴾ وقفہ

یہاں تک آفتاب غروب ہوگیا (حکم دیا)

رُدُّوْهَا عَلَیَّ ج فَطَفِقَ مَسْحًا م

ان گھوڑوں کو میرے پاس لوٹا لاؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور

بِالسُّوْقِ وَالأَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

ف ذکرِ الٰہی سے

تفسیر

کفار نے استہزاء و تمسخر کے طور پر کہا تھا ربنا عجل لنا قطنا ان کی غرض اس سے حشر کا انکار تھا مگر یہ گفتگو جاہلانہ تھی اس لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا اور آپ کی تسلی کے لیے داؤد کا قصہ سنایا کہ جس سے داؤد کا باوجود فضائلِ مذکورہ کے جاہلوں کی بے باکی پر برداشت کرنا ثابت ہوتا تھا۔ اس کے بعد حشر کا اثبات ایک اور طریقہ سے کرنا شروع کیا اور یہ کمال حسنِ بلاغت ہے۔

فقال وما خلقنا السماء الی قولہ کالفجار پہلے بطور تمہید کے یہ بیان کیا کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو عبث اور بے کار پیدا نہیں کیا ہے اس بات کو ہر ذی عقلِ سلیم تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ قادر فعلِ مختار حکیم ہے۔ حکیم کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا مگر جو کور باطن ہیں جن کو کافر کہا جاتا ہے وہ ایسا گمان کرتے ہیں تو ان کی اس کوڑھ مغزی پر پھٹکار اور جہنم کی مار ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا تو دریافت کرنا چاہیے کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے سے اس نے کیا غایت ٹھہرائی ہے۔ وہ یہ کہ انسان جو عقل و ادراک کے لحاظ سے سب مخلوق میں اشرف ہے اور آسمان و زمین اس کے قیام و نفع کے لیے ہیں اس کے بنانے سے یہ مقصود ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچان کر نیکی اور اطاعت کرے بری باتوں سے ڈرے۔ اور یہ عالم نیکی اور بدی کی جزاء و سزا کامل کا گھر نہیں ہے یہ بھی ظاہر ہے کس لیے کہ سیکڑوں کفار خالق کے منکر بدکردار بدذات ظالم فریبی عمر بھر دنیا میں عیش و آرام سے رہے ہیں اور بہت سے نیک ہر قسم کی تکالیف میں مبتلا رہے ہیں۔ پھر اگر کوئی دوسری جگہ دار الجزاء نہ ہو تو دونوں برابر ہو جاویں بلکہ برے فائدے میں رہیں اور ایسا کام اس حکیم کی شان سے بعید ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے بلکہ ہر ایک کو نہایت حکمت اور مصلحتیں ملحوظ رکھ کر بنایا پس ثابت ہوا کہ ایک اور جگہ دار الجزاء ہے اور وہ عالمِ آخرت ہے۔

ام نجعل الذین آمنوا الخ میں خدا تعالیٰ اسی مطلب کو نہایت اختصار اور بلاغت کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ اس لیے اس قرآن مجید کی کہ جس میں ان خوبیوں کے ساتھ یہ مطالب نفیسہ بیان کیے گئے ہیں خوبی بیان فرماتا ہے کتٰب انزلنٰہ الیک مبٰرک الخ کہ یہ کتاب جو ہم نے اے محمد تجھ پر نازل کی ہے بڑی بابرکت کتاب ہے سمجھنے اور غور کرنے کے لیے بھیجی کہ دانش مند غور کر کے ہدایت پاویں۔ اس میں مسئلہ نبوت کو بھی دوسرے پہلو سے ثابت کر دیا اور قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا ثابت کر دکھایا اسی کی خوبیوں سے۔

اولوالالباب کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ ایسی سمجھ اور عقل والوں پر

خدا دنیا میں بھی فضل و کرم کیا کرتا ہے داؤد علیہ السلام جو بڑی عقل کامل رکھتے تھے جس کے سبب خدا پرستی کرتے تھے ان کو فرزند بھی ایسا ہی لائق اور عقلمند عطا کیا یعنی سلیمان جو خدا کی طرف رجوع رہتے تھے۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اولوا الالباب ہیں اور امتِ محمدیہ کے اولوا الالباب قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں اور داؤد کے تذکرہ کی تکمیل بھی ہے۔ سلیمان کو اوّاب فرمایا تھا اب اس کا ایک تذکرہ اور بھی کرتا ہے جس سے ان کا اوّاب ہونا پایا جاوے۔

فقال اذ عرض علیہ بالعشی العشی عصر کے وقت سے لے کر غروب تک کے زمانے کو کہتے ہیں۔ صافن اسپ بر سہ پائے استادہ و سرِ سم چہارم بر زمین نہادہ و ایضاً القائم الذی یصف قدمیہ صفون بالضم مصدر منہ (صراح) قال المبرد الجیاد جمع جواد تیز رو گھوڑا یعنی وہ گھوڑے جو کھڑے ہوں تو بانکپن اور نزاکت اور خوبی سے اور چلیں تو ہوا سے باتیں کریں۔ توارت کی ضمیر شمس کی طرف پھرتی ہے جو العشی سے سمجھا جاتا ہے اور ردوھا کی الصفنت کی طرف۔ یعنی میں ان گھوڑوں کے بلاحظہ میں یہاں تک مصروف ہوا کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ یادِ الٰہی سے غافل ہو گیا ان گھوڑوں کو میرے سامنے پھر لاؤ اور ذبح کر ڈالو۔ عامہ مفسرین اسی طرف گئے ہیں کہ ان کو ذبح کر ڈالا کونچیں کاٹ ڈالیں صلوٰۃ عصر فوت ہونے کے بدلہ میں۔

مگر صحیح تر بیان اس واقعہ کا الفاظِ قرآنیہ کے مطابق یہ ہے اور اسی کو تفسیر سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ گھوڑوں کا پالنا اور تیار کرنا دشمنوں کے مقابلہ اور جہاد کے لیے جیسا کہ دینِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عمدہ اور افضل کام ہے ایسا ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں تھا، کیوں کہ فلسطی اور مصری اور بابل کے بت پرست بادشاہوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے بیٹھ کر ایک بار ان کا جائزہ لینا چاہا اور پہلے یہ فرمادیا انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی کہ میں ان کو دنیا کے لیے نہیں دوست رکھتا ہوں بلکہ ذکرِ رب اور دین کے لیے ان کو پسند اور محبوب رکھتا ہوں عن ذکر ربی لاجل ذکر ربی پھر سامنے لانے کا حکم دیا اور ان کے سامنے سے وہ گھوڑے جن پر لوگ سوار تھے دوڑاتے ہوئے نکلے حتی توارت بالحجاب یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو گئے (التواری الاستتار عن الابصار و الحجاب ما یحجبہا عن الابصار) پھر حکم دیا ردوھا علیّ کہ ان کو پھر لوٹ کر لاؤ میرے پاس۔ گھوڑے کی روانی دیکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ ایک بار دوڑاتے ہوئے لے جاتے ہیں بارِ دگر پھر لاتے ہیں تاکہ آنے جانے میں سب حسن و قبح معلوم ہو جاوے۔ گھوڑے آپ کو پسند آئے۔

فطفق مسحا بالسوق والاعناق (قال ابو عبیدۃ طفق یفعل لان خبر طفق لایکون الا فعلا مضارعا وانتصاب مسحا علی المصدریۃ بفعل مقدر ای یمسح مسحا والسوق جمع ساق ٹانگ۔ والاعناق جمع عنق گردن) تو آپ پیار کی راہ سے ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ گردن اور پٹھے پر ہاتھ پھیرنے کا عام طریقہ ہے۔ یا ان کے عیوب دیکھتے ہوں گے۔ اکثر ہاتھ پھیر کر دیکھا کرتے ہیں جس طرح دوڑا کر دیکھا کرتے ہیں۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ لوگوں کو خصوصاً سلیمان کے دشمنوں کو معلوم ہو جاوے کہ سلیمان کو لشکر اور سواروں کے بارے میں بڑی مستعدی ہے یہ بھی دشمن پر اثر ڈالا کرتا ہے کہ وہ غافل نہیں ہے۔

ابن عباسؓ نے بھی مسح کے یہی معنی بیان کیے ہیں جیسا کہ اپنی تفسیر میں ابن جریر نے بروایت علی بن طلحہ نقل کیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے انہیں معنی کو جو ہم نے آیات کے

بیان کیے ہیں پسند کیا ہے اور یہ بھی فرمادیا کہ یہی معنی آیات کے الفاظ کے نہایت مطابق ہیں اور خوب موافق ہیں۔

ع ۳ ۱۴ ۱۲ اور اس تقریر پر کوئی الزام بھی عائد نہیں ہوتا اور مجھ کو لوگوں پر سخت تعجب آتا ہے کہ کس لیے انہوں نے ان بیہودہ باتوں کو مان لیا کہ جن کو عقل و نقل رد کرتی ہے۔

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ وَ اَلۡقَيۡنَا عَلٰى

اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور اس کے تخت پر

كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

ایک جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع بخدا ہوئے (اور)

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَهَبۡ لِىۡ

دعا کی کہ اے رب مجھے بخشدے اور مجھے ایسی بادشاہت

مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِىۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِىۡ

عطا کر کہ جو میرے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہو

اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرۡنَا

بےشک تو جو ہے تو بہت دینے والا ہے پھر ہم نے ان کے

لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ رُخَآءً حَيۡثُ

لیے ہوا کو تابع کر دیا جو ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے نرم نرم

اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ

چلا کرتی تھی اور شیاطین کو بھی (تابع کیا) جو ہر ایک

بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيۡنَ

عمارت بنانے والا اور غوطہ لگانے والا تھا اور بھی تابع کر دیے تھے جو

مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا

بیڑیوں میں جکڑے رہا کرتے تھے یہ ہے

عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ

ہماری بے حساب بخشش خواہ آپ کسی کو دیں یا

حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا

نہ دیں اور البتہ سلیمان کے لیے ہمارے پاس

لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع

مرتبہ اور عمدہ مقام ہے

تفسیر

ولقد فتنا سلیمٰن یہ حضرت سلیمان کا دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے سلیمان کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ پھر اس آزمائش کی قدرے تفصیل کرتا ہے۔

والقینا علیٰ کرسیہ جسدا ثم اناب اور اس کی کرسی یعنی تخت پر ہم نے ایک جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع ہوا۔ بعض کہتے ہیں یہ دو واقعے ہیں ولقد فتنا ایک اور القینا دوسرا۔ قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں جہاں تک تلاش کیا ان دونوں واقعوں کی کوئی بھی تفصیل نہیں کہ آزمائش سلیمان کی کس بات میں تھی اور ان کے تخت پر جسم ڈالنے اور سلیمان کے رجوع ہونے سے کیا مراد ہے۔ ہاں مفسروں نے بعض اہل کتاب کے قصہ گوؤں سے دو قصے ضرور نقل کیے ہیں گو ان قصوں کو ان اہل کتاب کے قصہ گوؤں سے بعض محدثین نے احتیاط اور سند متصل سے نقل کیا ہے جس لیے بعض ناواقف مفسر اس کو صحیح حدیث سمجھ گئے مگر پھر بھی وہ قصے ہی رہے جو قصہ گوؤں کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں نہ کہ مشکوٰۃ نبوت سے ظاہر ہوئے۔ پہلا قصہ یہ ہے کہ سلیمان کے محل میں شاہ مصر وغیرہ بت پرست قوموں کی بیٹیاں تھیں جن کو بیویاں بنا رکھا تھا اور ان پر عاشق تھے ان کی خاطر سے ان کی پرستش کے لیے بت خانے بھی تعمیر کرا دیے تھے اور آپ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پر خدا نے ان کی سرزنش کی۔ یہ بات اول کتاب السلاطین کے گیارہویں

باب میں لکھی ہوئی ہے۔

دوسرے قصہ کی بابت یوں نقل کیا ہے کہ سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کے سبب اس کی سلطنت قائم تھی۔ حمام میں جاتے وقت اس کو اُتار کر کسی خادمہ کو دیدیتے تھے جس کا نام بعض نے امینہ بتلایا ہے۔ ایک بار جو حمام میں گئے اور انگوٹھی اس کو دی تو ایک جن جس کو صخر کہتے تھے سلیمان کی شکل میں نمودار ہوا اور امینہ سے انگوٹھی لے کر تخت پر آبیٹھا سلیمان کو لوگوں نے دھکے دے کر نکال دیا۔ پھر جو چند روز بعد اس کی کمینی باتوں سے پہچانا کہ یہ سلیمان نہیں تو وہ بھاگا اور سمندر میں انگوٹھی پھینک گیا۔ ادھر سلیمان ماہی گیروں کے ہاں نوکر ہوگئے۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے وہ انگوٹھی برآمد ہوئی۔ اس کو پہنا تھا کہ پھر اقبال لوٹ آیا سب لوگ مطیع ہوگئے۔

اس خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے۔ اگر یوں ہی جن و شیاطین انبیاء علیہم السلام تو کیا اور بھی کسی کی شکل میں ظاہر ہوا کریں تو دنیا کے تمام کاربار معطل ہوجاویں اور کچھ بھی کسی کا اعتبار نہ رہے۔

ہمارے نزدیک یہ دو قصے نہیں ہیں ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہرچند اہلِ کتاب کی الہامی کتابیں صحیح و غلط کا مجموعہ ہیں مگر تاہم غور کرنے سے ان میں سے اصل بات بھی نکل آتی ہے۔ اصل بات اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کے بے شمار سامان و اسباب عطا کیے تھے اور ان کی سلطنت کا زمانہ بنی اسرائیل اور آس پاس کے بادشاہوں کے لیے بڑے امن و چین کا زمانہ تھا۔ ان کے عہد میں جنگ و جدل کی بہت کم نوبت آتی تھی سونا چاندی اور گھوڑے اور جواہرات بکثرت تھے۔ بادشاہوں کی بیٹیاں بھی آپ کے پاس آئیں سبا کی شہزادی و شاہِ مصر کی بیٹی وغیرہ ۱۵ ور یہ عورتیں سب ایک مذہب کی نہ تھیں ان میں سے بعض بت پرست بھی ہوں گی اور اسی مصلحت کے لیے خدا نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو غیر قوموں کی عورتوں کے رکھنے کی ممانعت کردی تھی۔ کچھ عجب نہیں کہ ان میں سے کسی نے کوئی بت بھی بنا لیا ہو جس کی سلیمان علیہ السلام کو بعد میں خبر ہوئی اور انہوں نے توڑ ڈالنے کا حکم دیا مگر ان کے گھر میں گو ان کی بے خبری سے ہوا ہو ایسا ہونا بھی ان کی شانِ نبوت کے برخلاف ہے۔ البتہ یہ باتیں سلیمان کے حق میں آزمائش کی تھیں۔ اور حقیقت میں کثرتِ مال و اسباب زن و فرزند انسان کے لیے بڑی آزمائش ہے اور بڑا فتنہ کما قال تعالیٰ انما اموالکم و اولادکم فتنۃ سلیمان کی ذرا بھی غفلت ان کے لیے بڑی قابلِ عتاب بات تھی جس پر متنبہ کرنے کے لیے رودمی ہدہد کو سلیمان کے مقابلہ میں اُبھارا جس نے شاہِ مصر کی مدد سے سلیمان کا مقابلہ کیا اور خوب لڑتا رہا اور اسی طرح الیدع کے بیٹے روزن کو ابھارا اور وہ بھی مخالفِ تخت ہوگیا۔ تیسرا شخص بربعام مخالف کھڑا ہوگیا جو سلیمان کا نوکر تھا (کتاب السلاطین ۱۱۔ باب)۔

تخت کے برخلاف ایسے شخصوں کا کھڑا ہونا جنہوں نے ملک کو تہ و بالا کر دیا ہوگا بے شک تخت پر جسم یعنی بوجھ پڑ جانے کا باعث ہے۔ جسم ڈالنا محاورہ ہے ان کے بوجھل اور کمزور ہونے سے۔

ثم اناب مگر حضرت سلیمان متنبہ ہوئے۔ خدا سے گریہ وزاری کی۔ خدا نے اس کے دشمنوں کو پامال کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد سلیمان نے یہ دعا کی رب اغفرلی کہ میری غفلت کو معاف کر دے وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی انك انت الوھاب۔ کہ مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد جو میرے جانشین ہوں ان سب سے بڑھ کر ہو اور ایسا ہوا بھی کہ سلیمان کے بعد پھر کوئی بنی اسرائیل میں سے ایسا بادشاہ نہ ہو بلکہ سب

عہدِ سلیمانی کو یاد کرتے رہے۔ یہ حسد کے طور پر نہیں کہا کہ مجھے الیبا دے اور کو نہ دے بلکہ آپ سمجھ گئے کہ اس قسم کی سلطنت کا میرے بعد کوئی متحمل نہ ہوگا۔ یا یہ معنی کہ میرے بعد اور کوئی اس پر دستِ تطاول دراز نہ کرے یعنی پھر کوئی معارض نہ کھڑا ہو (ابو السعود)

امام رازی اس واقعہ کے متعلق یوں تفسیر کرتے ہیں کہ سلیمان سخت بیمار ہو گئے تھے اور تخت پر گویا ان کا دھڑ بے جان کے بٹھایا جاتا تھا اور عرب ضعیف کو کہتے ہیں لحم علیٰ وضم وجسم بلا روح۔ یہ ان کی آزمائش تھی اور تخت پر جسم ڈالنے کے یہ معنی ہیں۔ ثم اناب اے رجع الی حال الصحۃ کہ پھر تندرست ہو گئے۔ تندرست ہو کر سمجھ گئے کہ دنیا سدا کسی کے پاس نہیں رہتی ایک دوسری جگہ جاتا ہے اس لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر سلطنتِ ابدی کی دعا مانگی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی ای ملکا لا یمکن ان ینتقل عنی الی غیری کہ وہ سلطنت جو مجھ سے کبھی غیر کی طرف منتقل ہو کر نہ جاوے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ الہام کے طور پر آپ کو وہ حوادث جو اُن کے بعد غیروں سے پیش آنے والے تھے بتلائے گئے جیسا کہ یربعام کا ان کے بعد ملک کے اکثر حصوں پر قابض ہونا اس لیے آپ نے دعا کی کہ کسی اور غیر کو میری سلطنت سزاوار نہ ہو وہ ملک عطا کر۔

فرماتا ہے فسخرنا لہ الریح کہ ہم نے درحقیقت اس کو ایسی سلطنت عطا کی جو پھر اس کے بعد اور کو نہ دی کہ ہوا کو بھی اس کے تابع کر دیا تھا اور شیاطین اس کے حکم کے مسخر تھے کہ کچھ ان میں سے کارِ تعمیر میں مصروف تھے اور کچھ غوطہ لگا کر موتی نکالا کرتے تھے اور باقی قید میں پڑے ہوئے تھے اصفاد جمع صفد طوق۔

ھٰذا عطاؤنا سلیمان سے کہہ دیا تھا یہ ہماری بے حساب نعمت ہے خواہ آپ کسی کو دیں یا نہ دیں ہر طرح سے آپ کو مختار کیا گیا اور اس پر موقوف نہیں آخرت میں بھی سلیمان کے لیے ہمارے پاس بلند مرتبہ اور عمدہ ٹھکانا ہے یعنی جنتِ جسمانی و روحانی۔

جو لوگ وجودِ جن اور خرقِ عادات کے قائل نہیں وہ ہوا کے مسخر ہونے کے یہ معنی کہتے ہیں کہ سلیمان نے دریائے قلزم کے کنارے پر جو ادوم کی سرزمین ہے جہازوں کی بحر بنائی اور حیرام نے اس بحر میں اپنے جا کر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے ان کے ساتھ بھجوائے وہ اوفیر جا کر سونا لاتے تھے۔ جہاز ہوا سے چلا کرتے تھے اور ہوا سلیمان کے ارادے کے موافق جہازوں کو لے کر آتی جاتی تھی۔ اور شیاطین و جن وہ غیر قوموں کے لوگ جو تعمیر وغیرہ کاموں میں لگے ہوئے تھے اور سرکش قید میں پڑے تھے استعارہ کے طور پر ان کی بد دینی و سرکشی کی وجہ سے ان کو شیاطین و جن سے تعبیر کیا گیا وفیہ ضعف ظاہر۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو　جب اس نے اپنے رب کو پکارا

اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ

کہ مجھے بیماری اور تکلیف دینے کے لیے شیطان نے

عَذَابٍ ۝۴۱ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا

چھو لیا ہے۔ (ہم نے حکم دیا) کہ (زمین پر) لات مار (جس سے چشمہ نکل آیا ہم نے فرمایا)

مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝۴۲ وَوَهَبْنَا

تمہارے نہانے اور پینے کے لیے یہ سرد چشمہ بہہ رہا ہے (جس میں نہانے سے ان کو شفا ہوئی) اور ہم نے ان کو

ف شیطان کی طرف نسبت کرنے کا یہ باعث کہ ایوب کے امتحان کا وہی باعث ہوا تھا کہ ایوب کا خالص بندہ ہونا جب معلوم ہو کہ اس پہ بلا آوے اور نیز شیطان نے بحکم ربی ان کو چھوا بھی تھا جو ان کے جذام کا باعث ہو گیا ۱۲ منہ

لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً

ان کے اہل و عیال اور اتنے ہی اور بھی اپنی مہربانی سے عنایت

مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

فرمائے (تاکہ) عقل مندوں کے لیے یادگار رہے

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ

اور (حکم دیا کہ) اپنے ہاتھ میں جھاڑو کا مٹھا لے کر مارو اور

لَا تَحْنَثْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا

قسم میں جھوٹے نہ بنو اور ہم نے ایوب کو صابر پایا

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

وہ بڑے اچھے بندے خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے

ترکیب

واذکر. جملہ مستانفۃ۔ بنصب قرء الجمہور بضم النون وسکون الصاد فقیل ہو جمع نصب بفتحتین کاسد واسد و قیل لا وقال ابوعبیدۃ ان النصب بفتحتین التعب والاعیاء وعلی بقیۃ القرات الشر والبلاء۔

تفسیر

واذکر عبدنا ایوب یہ تیسرا قصہ صبر دلانے کے لیے حضرت ایوب علیہ السلام کا ہے۔ جب وہ زیادہ بیمار ہوئے تو شیطان نے ان کی بیوی سے کہا میں طبیب ہوں اگر ایوب کو شفا ہو جاوے تو کہنا میں نے شفا دی (احمد) اس بات کی ایوب اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہیں کہ اس نے مجھے دکھ دیا۔ حکم ہوا کہ پاؤں مار۔ اس کے مارنے سے سرد چشمہ نمودار ہوا جس میں نہانے سے وہ تندرست ہو گئے اور ان کی مردہ اولاد زندہ ہو گئی اور بھی پیدا ہوئے۔ ایوب نے قسم کھائی کہ تندرست ہو کر اس بیوی کو سَو کوڑے ماروں گا۔ کس لیے اس نے شیطان کی بات سنی۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو قسم میں بھی جھوٹا نہ ہو اور عورت بھی بے خطا ہے تیری خدمت گزار ہے جھاڑو لے کہ جس میں سَو تیلیاں ہوں وہ مار دو قسم پوری ہو جاوے گی[1]

خدا تعالیٰ ایوب کی صبر کی تعریف کرتا ہے اور ان کی مدح کرتا ہے کہ بڑے صابر تھے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَ

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور

يَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

یعقوب کو بھی یاد کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے

اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى

ہم نے ان کو ایک خاص بات کے لیے جو دار آخرت کا یاد کرنا ہے

الدَّارِ ﴿ج﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ

منتخب کر لیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک

الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿ط﴾ وَاذْكُرْ

برگزیدہ اور نیک لوگوں میں سے تھے اور

اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ط

اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کرو

وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا

اور (یہ) سب نیک لوگوں میں سے تھے یہ

[1] امام شافعیؒ کے نزدیک اور بھی جو کوئی اس طرح کی قسم کھائے تو اس کے لیے بھی سَو کوڑوں کی جگہ سَو تیلیوں کی جھاڑو مار دینا کافی ہے۔ اور علماء کہتے ہیں یہ ایوب کے ساتھ مخصوص تھا ۱۲ منہ

ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۴۹﴾

نصیحت ہے اور البتہ پرہیزگاروں کے لیے عمدہ مقام ہے

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾

جنت عدن جس کے دروازے (پہلے ہی) ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا

وہ وہاں تکیہ لگا کر بیٹھیں گے وہاں بہت سے میوے

بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾

اور شراب طلب کریں گے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر عورتیں ہوں گی

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ الثلثۃ

(مسلمانو!) جس کا تم سے قیامت کے لیے وعدہ کیا جاتا ہے

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ

یہ نعمتیں ہیں جو کبھی نبڑنے ہی

نَّفَادٍ ۚ هٰذَا

کی نہیں۔ یہ بات ہے

تفسیر

واذکر عبدنا ابراہیم واسحٰق ویعقوب جنہوں نے عبدنا جمع کے صیغہ سے پڑھا ہے تب ابراہیم و اسحاق و یعقوب عطف بیان ہوگا۔ اور بعض نے مفرد کا صیغہ پڑھا ہے تب ابراہیم عطف بیان اور مابعد کا عبدنا پر عطف ہوگا نہ ابراہیم پر۔ یہ ان تین بزرگوار انبیاء اولوالعزم کا ذکر ہے کہ وہ بڑے قوت والے تھے عبادت و نصیحت کے لیے ان کے دل بڑے قوی تھے اور بڑے بینائی والے بھی تھے ہر بات سے عمدہ نتائج نکالتے تھے آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرتے تھے علمی اور عملی دونوں قوتیں ان کو حاصل تھیں۔ انا اخلصنٰہم بخالصۃ ہم نے ان کو خالصہ یعنی اخلاص کے لیے خاص کر لیا تھا (علی انہا مصدر بمعنے الاخلاص فیکون ذکری منصوبا بہ او بمعنی الخلوص فیکون ذکری مرفوعا بہ) یا یہ معنی کہ ان کو خالصہ خاص بات کے لیے مخصوص کیا تھا (علیٰ انہا اسم فاعل علیٰ بابہ و ذکری مصدر الدار مفعول بہ او ظرف علی الاتساع او علیٰ اسقاط الخافض۔ ذکری الدار بدل من خالصۃ) وہ خاص بات کیا ہے یہ کہ وہ دارِ آخرت کو یاد رکھتے تھے دنیا پر ان کی نظر نہ تھی۔

وانہم عندنا الخ اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک تھے باایں ہمہ ان پر قوم سے کیا کیا تکلیفیں پڑیں اور انہوں نے صبر کیا دل میں تنگی پیدا نہ ہوئی۔ اس جملہ سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء معصوم تھے پس وہ جو بے ہودہ قصے ان کی طرف منسوب ہیں محض جھوٹ ہیں۔

واذکر اسمٰعیل والیسع وذاالکفل پھر ان تین اور بزرگوار انبیاء کا ذکر کرتا ہے اول حضرت اسمٰعیل کا دوسرے الیسع کا تیسرے ذی الکفل کا۔ ان کا بھی سورہ انبیاء میں ذکر ہو چکا ہے کفار مکہ نے انکارِ حشر میں ربنا عجل لنا قطنا تمسخر کے طور پر کہا تھا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے چند انبیاء اولوالعزم کا ذکر کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے صبر کا حال سن کر تسلی ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ لوگ دارِ آخرت کے مستحق اور مشتاق تھے اور باوجود عقل و علم و ثروت کے وہ دارِ آخرت کے نہایت طالب رہے۔ پھر وہ کوئی احمق یا بے وقوف تو نہ تھے جو دارِ آخرت نہ ہو اور وہ اس کا فرضی شوق پیدا کر کے اس کے لیے دنیا میں بے شمار مصائب اٹھاویں نہیں نہیں دارِ آخرت برحق ہے۔ گویا یہ دلیل نقلی تھی، اس کے بعد وان للمتقین سے لے کر من نفاد تک صاف صاف دارِ آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے اور ذکر کو تمام کرنے کے لیے عرب میں ہٰذا کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس بات کو یاد رکھو۔ یا یہ کہ اصل بات یہ ہے۔ یا یہ کہ نیکوں کا انجام یہ ہے۔

ع ۴ ۲۴ ۱۳

وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ
اور سرکشوں کا بُرا ٹھکانا ہے جہنم کہ

يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا
جس میں ان کو گرنا ہوگا پھر کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے یہ ہے

فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾
پھر وہ اس کو چکھیں جو کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿ط﴾ هٰذَا
اور اس شکل کی اور بھی طرح طرح کی چیزیں ہوں گی یہ

فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا
(فرشتے کفار کے سرغنوں سے کہیں گے تمہیں اکیلے نہیں بلکہ) تمہارے ساتھ تمہارے پیرو دن کا ایک گروہ ہے۔ ان پر خدا کی

بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا
مار جو تمہارے ساتھ جہنم میں گھسنے والا ہے۔ (ان کے پیرو سرغنوں سے) کہیں گے

بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ﴿ط﴾ اَنْتُمْ
بلکہ تمہیں پر خدا کی مار تمہیں تو

قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ﴿ج﴾ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾
اس بلا کو ہمارے سامنے لائے ہو جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا
پیرو کہیں گے کہ اے ہمارے رب جو اس بلا کو ہمارے آگے لایا

فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِى النَّارِ ﴿۶۱﴾
اُس کو آگ میں دوگنا عذاب دے

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا
اور (دوزخی جہنم میں جاکر) کہیں گے کہ جن لوگوں کو ہم دنیا میں بُرا سمجھا کرتے تھے

نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿ط﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ
ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتے ؟ کیا ان کو ہم نے

سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾
(ناحق) ذلیل سمجھ رکھا تھا (جو جہنم میں نہیں آئے) یا ہماری آنکھیں ہی چندھیا گئی ہیں (جو اُن کو دیکھ نہیں سکتیں)

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿ع﴾
بے شک جہنمیوں کا باہم جھگڑا ہونا برحق ہے

ترکیب

جهنم بدل من شر ویصلونها حال والعامل الاستقرار فی قوله للطغین۔ هذا مبتدا، فی الخبر وجهان احدهما فلیذوقوه وفیه مافیه والثانی عذاب وقیل حمیم واٰخر علی الجمع فهو مبتدء ومن شکله نعت ازواج خبره و علی الافراد هو معطوف علی جهنم۔

تفسیر

جب کہ فرماں برداروں کا ثواب ذکر کیا تو نافرمانوں کا عذاب بھی ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ ترغیب کے بعد ترہیب اور وعدہ کے بعد وعید مذکور ہو کر دار الجزاء کا پورا بیان ہو جاوے یہاں دوزخیوں کے حق میں چند باتیں بیان فرمائیں (۱) وان للطغین الخ کہ سرکشوں کے لیے بُرا ٹھکانا ہے۔ یعنی جہنم کہ جس میں وہ داخل ہوں گے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دوزخ کی زمین کو بچھونے کے ساتھ تشبیہ دے کر مہاد فرمایا کہ وہ آگ کے بستر پر بیٹھیں گے۔ دنیا کی سرکشی اور شہوات آگ ہو کر سامنے آویں گے۔

(۲) هذا فلیذوقوه الخ حمیم گرم کھولتا ہوا پانی۔ غساق بالتشدید والتخفیف یقال غسقت العین اذا سال دمعها۔ ابن عمر کہتے ہیں یہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ ہوگی جو گرم پانی کے ساتھ دوزخیوں کی غذا ہوگی جیسا کہ مکان تھا ویسی ہی غذا۔ کہا جاوے گا کہ لو اس کو چکھو۔ شکله ازواج جمہور نے اٰخر کو مفرد کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے اس کو اُخری کی جمع سمجھ کر آخر بضم ہمزہ پڑھا ہے۔ یعنی اس قسم کی یا ان اقسام کی ان کو اور بھی چیزیں ملیں گی جن کے کھانے پینے سے

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ
اے نبی کہہ دو میں جو ہوں تو ایک ڈر سنانے والا ہوں (اور اعلان کرنے والا) کہ خدا واحد
اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۶۵ رَبُّ
قہار کے سوا کوئی معبود نہیں جو
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝۶۶ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا
زبردست بخشنے والا پروردگار ہے کہہ یہ ایک بڑی
عَظِيْمٌ ۝۶۷ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝۶۸
خبر ہے تم ہو کہ اس سے منہ پھیرے لیتے ہو
مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى
جب کہ عالم بالا کے لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے تو مجھے
اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۶۹ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ
ان کی کچھ بھی خبر نہ تھی مجھے تو یہی وحی کیا گیا ہے کہ
اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۰
میں تم کو صاف صاف ڈر سناؤں ۔

ترکیب

انما قرء الجمھور بفتح ہمزۃ انما علی انہا ومافی حیزہا فی محل رفع لقیامہا مقام الفاعل ای مایوحی الا الانذار او الا کونی نذیرا مبینا وقرء ابوجعفر بکسر الھمزۃ لان فی الوحی معنی القول ۔

سخت تکلیف ہوگی بدمزہ بدبو بداثر سب کچھ ہوگا۔ یہاں تک نوان کے مکان اور کھانے پینے کا ذکر تھا۔ اب ان کے دنیاوی رفیقوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

(۴) ھذا فوج مقتحم معکم ملائکہ دوزخ کے ان سے سے کہیں گے جو دنیا میں گمراہوں کے سردار اور پیشوا تھے کہ تمہیں اکیلے نہیں تمہارے ساتھ یہ تمہاری فوج بھی داخل ہو رہی ہے۔ الاقتحام در انگندن بسختی دھکا پیل ہو کر آنا۔ یہ سن کر وہ کہیں گے لامرحبا بھم ان کو خوش وقتی نصیب نہ ہو۔ یعنی یہ سردار اپنے متبعین کے لیے ناخوش ہو کر یہ بددعا کا کلمہ کہیں گے۔ محاورۂ عرب میں یہ کوسنا ہے۔ جس طرح ہمارے محاورے میں کہتے ہیں خدا کی مار۔ اور اچھے اور خوشی کے موقع پر مرحبا کہتے ہیں بُرے موقع پر لامرحبا کہتے ہیں۔ یا فرشتے ہی کہیں گے۔ انھم صالوا النار یہ کم بخت بھی آگ میں آرہے ہیں۔ ان سرداروں کی یہ دل خراش بات سن کر ان کے پیرو جواب میں کہیں گے بل انتم لامرحبا بکم کہ تمہیں پر خدا کی مار تمہیں نے تو ہم کو اس بُری جگہ پہنچایا دنیا میں بری باتیں الحاد و کفر کی تعلیم کرتے تھے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ سے التجا کر کے کہیں گے من قدم لنا کہ خدایا جس نے ہم کو یہاں پہنچایا اس کو دو چند عذاب دے ایک اس کے گمراہ کرنے کا ایک خود اس کی گمراہی کا۔

(۵) وقالوا مالنا لانری رجالا یہ ایک اور بڑی حسرت کی بات ہوگی کہ جن غریب مسلمانوں سے یہ متکبر ملحد تمسخر کیا کرتے اور ان کو احمق اور بدراہ کہتے تھے ان کو اپنے ساتھ جہنم میں نہ دیکھیں گے تو آپس میں کہیں گے وہ کہاں ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔ وہ جنت میں ہوں گے ان کو کیوں نظر آنے لگے تھے، تب اور بھی رنج ہوگا۔ یہ روحانی جہنم ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان ذلک لحق کہ جہنم میں ان کا باہم جھگڑنا برحق ہے قطعاً ہوگا۔

ف۵ یختصمون کے یہ معنی نہیں کہ عالم بالا کے لوگ یعنی ملائکہ مقربین آپس میں جھگڑا کرتے ہیں تُو تُو میں میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ بعض حمقاء معترضین سمجھ گئے۔ بلکہ باہمی گفتگو اس کے اسرار و اسباب کے متعلق اور تنفیذ احکام کی بابت گفتگو امر الٰہی کے موافق۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

تفسیر

اب یہاں سے پھر اصل مطالب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کلام کا دوسرا اسلوب بدل کر۔ اول سورت میں تین باتوں کا اثبات شروع کیا تھا اور انہیں کی تائید میں انبیاء علیہم السلام کے مختصر تذکرے آگئے تھے اس کے بعد دارِ آخرت کی کچھ کیفیت بیان کر دی تھی کہ نیکوں کے لیے وہاں یہ ہے اور بدوں کے لیے یہ۔ تاکہ نفوسِ بشریہ میں اثر پیدا ہو۔ اور وہ تین باتیں یہ ہیں توحید، رسالت حشر۔

اس لیے فرماتا ہے قل انما انا منذر ان سے کہہ دو کہ میں تو صرف خبردار کر دینے والا ہوں آگے تم کو اختیار ہے جیسا کرو گے ویسا بدلہ پاؤ گے۔ اس میں اثباتِ نبوت ہے اور اسی کے ضمن میں حشر کا بھی ثبوت ہے کہ جس دن کے لیے میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں وہ دن سر پر آنے والا ہے۔

رہی توحید اس کے لیے فرماتا ہے وما من الٰہ الا اللہ الواحد القہار کہ اس ایک اللہ کے سوا جو اکیلا اور زبردست ہے اور کوئی معبود نہیں ہے وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے ہر ایک اس کے حکم و قدرت کے آگے سرنگوں ہے پھر جب یہ ہے تو اور کوئی خدا بھی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے واحد ہونے پر۔

اور نہ صرف وہ واحد قہار ہے بلکہ رب السمٰوٰت والارض وما بینھما جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور خود آسمانوں اور زمین کا بھی وہی رب یعنی پرورش کرنے والا ہے۔ موجودات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کی ہر وقت دست نگر نہ ہو۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اور کوئی خالق نہیں نہ کوئی مربی و حاجت روا ہے کہ خدا تعالیٰ زبردستی سے اس کے ملک پر قبضہ کر بیٹھا ہو بلکہ وہی مالک و خالق اور پرورش کرنے والا بھی ہے اسی کی شان قہر و جبروت ہے اسی کی صفت ربوبیت ہے کہ سامع کو ہیبت کے بعد اس کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔

برخلاف ادیانِ باطلہ کے کہ انہوں نے ان صفات کا ایک ذات میں مجتمع ہونا محال خیال کر کے تین شخص جدا جدا بنائے برہما پیدا کرنے والا۔ بشن پرورش کرنے والا۔ مہیش مہادیو قہار۔ یہ عام ہنود کا خیال ہے۔ خاص خاص فریق کا نہ ہو نہ ہی۔ عیسائیوں نے بھی تین اقنوم گھڑ کر ایک خدا بنایا ہے اب، ابن، روح القدس۔ بلکہ وہی عزیز اور غفار ہے ستر برس بھی کوئی نافرمانی کر کے رجوع کرتا ہے تو وہ بخشدیتا ہے۔

اس کے بعد پھر دوسری طرح سے کلام شروع کرتا ہے قل ہو نبؤا عظیم انتم عنہ معرضون ان سے کہہ دو کہ یہ کوئی ہلکی اور ذرا سی بات نہیں ہے بلکہ بڑی بھاری بات غور طلب ہے یعنی نبوت و توحید و حشر کی خبر اور تم اس سے انکار کرتے ہو کچھ بھی فکر و تامل نہیں کرتے تقلید آبائی میں لکیر کے فقیر بنے ہوئے انکار اور تکرار کرتے ہو ما کان لی من علم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہر امر کے لیے پہلے وہاں گفتگو ہو لیتی ہے تب وہ بات دنیا میں ظہور کرتی ہے۔ چنانچہ ترمذی وطبرانی وعبدالرزاق وحاکم واحمد نے حدیث نقل کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شب کو خواب میں اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ ملاء اعلیٰ کس بات میں گفتگو کر رہے ہیں؟ مجھے معلوم ہوگیا تو عرض کیا کفارات میں یعنی ان باتوں میں کہ جن سے بندوں کے گناہ مٹ جاویں وہ جماعت کے لیے آنا، نماز کا منتظر رہنا، اچھا وضو کرنا ۱۲ منہ

اب بتلاتا ہے کہ یہ بڑی خبریں نے تم کو آپ سے بنا کر نہیں دی ہے بلکہ مجھے وحی نے خبر دینے پر مجبور کیا ہے کس لیے کہ جب ملأ اعلیٰ یعنی عالم بالا کے ملائکہ جو کچھ انسان کے بعد ہونے کی بابت اور اس کے اسباب سعادت و شقاوت کی بابت خصوصًا دنیا میں نبی آخر الزماںؐ کے بھیجنے کی بابت جو کچھ گفتگو ہوئی تھی یا آئندہ امور پر ہونی ہے اس کی مجھے کیا خبر ہے۔ البتہ مجھے وہاں سے وحی ہوتی ہے کہ میں لوگوں کو کہہ دوں کہ میں خبردار کرنے والا نبی ہوں۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي
جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں

خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا
ایک انسان مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں پھر جب

سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي
میں اس کو پورے طور سے بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں

فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ
تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا پھر سب کے سب

كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ
فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا

اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾
غرور کیا اور وہ منکروں میں سے تھا

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ
فرمایا اے ابلیس تجھ کو کس نے منع کیا اس کے سجدہ کرنے سے

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ
کہ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا کیا تو نے غرور کیا

أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ
یا تو بلند مرتبہ تھا ؟ اس نے عرض کیا

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ
میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے آگ سے بنایا

وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ
اور اس کو مٹی سے بنایا فرمایا پھر تو یہاں سے

مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ
نکل جا کیوں کہ تو راندا گیا اور تجھ پر

لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾ قَالَ
میری لعنت ہے روزِ جزا تک اس نے عرض کیا

رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾
کہ اے رب پھر مجھے مہلت دے مُردوں کے زندہ ہونے کے دن تک

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٨٠﴾ إِلَىٰ
فرمایا پس تجھ کو مہلت ہے وقتِ

يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾ قَالَ
معین کے دن تک عرض کیا

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾
تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾
مگر ان میں سے تیرے خالص بندے

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ
فرمایا حق بات یہ ہے اور میں حق بات ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے

جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾
اور انؔ میں سے جو تیرے تابع ہوئے ہوں گے جہنم بھر دوں گا سب سے

ف ابلاس نومید شدن از رحمت حق و منہ مسمی ابلیس و اندوہ گیں و شکستہ گردیدن۔ صراح

لہ یعنی آدم کی اولاد میں سے ۱۲ منہ

ترکیب

فقعوا امر من وقع یقع الا ابلیس استثناء متصل علی تقدیر انہ کان متصفا بصفات الملائکۃ فغلبوا علیہ او منقطع لما ما مصدریۃ او موصولۃ و قری لما بالتشدید مع فتح اللام استکبرت استفہام توبیخ و انکار ام کنت ام متصلہ ای ترکت السجود لاستکبار الحادث ام لاستکبار القدیم فالحق والحق قرء الجمہور بنصب الحق فی الموضعین علی انہ مقسم بہ حذف حرف الجر و قری برفعہا۔

تفسیر

اب اس جگہ ملأ اعلیٰ کے ملائکہ کی وہ گفتگو بیان فرماتا ہے جو آدم کے پیدا ہونے سے پیشتر کی تھی۔ اس ذکر سے پہلی یہ چند باتیں بتلانی مقصود ہیں۔

(۱) یہ کہ آدم کو ہم نے زمین کا خلیفہ بنانے کے لیے فرشتوں سے کہا۔ انہوں نے آدم کی سرشت کو دیکھ کر یہ کہا کہ اس کے بنانے میں بجز اس کے کہ دنیا میں فساد پھیلاوے گا اور کیا حکمت ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کو وہ حکمت معلوم تھی اس کو بنایا۔ اس سے بنی آدم کو شرم دلائی جاتی ہے کہ تم نیکی اختیار کرو تاکہ ملأ اعلیٰ کا تم پر اعتراض صحیح نہ ہو۔

(۲) یہ کہ ملائکہ نے باوجود اس کہنے کے پھر بھی حکم الٰہی کو مانا، آدم کو سجدہ کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ مگر تمرد و سرکشی سے ابلیس نے نہ مانا راندۂ درگاہ ہوا۔ اس میں بھی بندوں کو غیرت دلائی جاتی ہے کہ تم کس باپ کے بیٹے ہو کہ جس کو فرشتوں نے بھی سجدہ کیا مگر پھر بھی تم ہمارے احسان کو نہیں مانتے سرکشی کرتے ہو کیسے ناخلف ہو۔

(۳) جو کوئی منشاء الٰہی و حکم آسمانی کے برخلاف کرتا ہے وہ خود رسوا ہوتا ہے مگر آسمانی حکم جاری ہو کر رہتا ہے جیسا کہ شیطان نے خلاف کیا راندۂ درگاہ ہوا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر کے دنیا میں توحید و مکارم اخلاق شائع کرنا منشاء الٰہی ہے جو کوئی سرتابی کرے گا آپ رسوا ہوگا۔ اس کا حسد و تکبر شیطان کی طرح خود اسی کو برباد کرے گا۔

(۴) شیطان بنی آدم کا دشمن ہے اور اس نے ان کے برباد کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے مگر بنی آدم کے حال پر افسوس ہے کہ پھر اسی دشمن کے کہنے پر چلتے ہیں۔

یہ قصہ سورۂ بقر میں کمال توضیح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اُن ابحاث کا اعادہ بے کار ہے۔ اس جگہ صرف بعض الفاظ کی تفسیر کی جاتی ہے۔

وکان من الکفرین اور وہ علم الٰہی میں کافر ٹھیر چکا تھا۔ یعنی ہم جانتے تھے کہ یہ انکار کرے گا۔ یا یہ معنی کہ دراصل وہ جن کی قوم سے تھا جو کافر تھے۔ عبادت کر کے فرشتوں میں جا ملا تھا آخر اپنی رذالت پر آگیا۔

خلقت بیدی خدا تعالیٰ ہاتھ پاؤں اعضاء بدن سے پاک ہے۔ بیدی سے مراد قدرت کاملہ ہے۔ یعنی بغیر ماں باپ کے۔ قدرت کاملہ سے اس کو ہم نے بنایا اور اس کے بنانے کو اپنی طرف تعظیم کے لیے مضاف کیا جیسا کہ روحی کو کما قال من روحی اور جیسا کہ ناقۃ اللہ و مساجد اللہ و بیت اللہ و روح اللہ

شیطان نے بجائے معذرت کے یہ کہا خلقتنی من نار وخلقتہ من طین کہ مجھے آپ نے آگ سے بنایا جو جوہر نورانی ہے شیطان کا غالب مادہ یہی ہے اور آدم کو گارے سے بنایا جو ظلماتی چیز ہے۔ شیطان نے اپنی ذات پر فخر کیا وہاں سے عتاب ہوا۔

فاخرج منہا جنت یا زمرۂ ملائکہ سے نکل جا۔ تجھ پر قیامت تک میری پھٹکار پڑے گی دنیا میں ہمیشہ لعنت پڑے گی آخرت میں عذاب ہوگا۔

قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون عرض کیا کہ اُس دن تک

کہ لوگ مرکر حساب کے لیے زندہ ہوں مجھے مہلت دے۔ غرض یہ تھی کہ پھر تو موت ہے ہی نہیں موت سے بچ جاؤں گا اور خوب گمراہ بھی کرلوں گا۔ خدا تعالیٰ پر کوئی بات مخفی نہیں۔ فرمایا الیٰ یوم الوقت المعلوم کہ وقتِ معلوم کے دن تک تجھے مہلت ہے۔ یعنی نفخِ صور تک۔ پھر شیطان نے بڑے دعوے سے کہا تیری عزت کی قسم میں سب کو گمراہ ہی کرکے رہوں گا۔ مگر تیرے خالص بندے مجھ سے گمراہ نہ ہوں گے۔ یعنی ایمان دار نیک کردار۔ ع ۵ ۲۴ ۱۴

اللہ تعالیٰ نے فرمایا فالحق والحق اقول کہ یہ حق بات ہے اور میں حق ہی بات کہا بھی کرتا ہوں کہ تجھ سے اور جو تیرا کہا مانے گا ان سب سے جہنم بھر دوں گا مجھے کیا پروا ہے؟

اس میں بنی آدم کو سنایا جاتا ہے کہ تمہارے دشمن نے تمہارے بہکانے کی قسم کھائی ہے اور میں جہنم بھرنے کا وعدہ کرچکا ہوں خبردار ہوشیار اس کے کہنے میں نہ آنا نبیوں کے کہنے پر چلنا۔ شیطان کا پیدا کرنا اور اس کو مہلت دینا بندے کے اختیارات کی آزمائش کے لیے ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کی ذات پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوسکتا کہ آپ ہی گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو چھوڑا اور آپ ہی گمراہ ہونے کی سزا دے گا۔

شیطان ایک قسم کا جن ہے اور اس کی ذریات بھی بہت ہے وہ کبھی متشکل ہوکر بھی بہکانے آتا ہے اور ملمع کرکے دکھاتا ہے اور بنی آدم میں سے بھی بہت سے اس کے جانشین اور چیلے چانٹے ہیں وہ بھی بہکاتے ہیں اور ہر رنگ میں آتے ہیں فقیروں میں مولویوں میں رندوں میں عورتوں میں، شہوات میں غصے میں۔ اور بیشتر تو یہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اور قوتِ بہیمیہ اس کا بدن انسانی میں گھوڑا، غصہ اور شہوات کوڑا ہے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ

(اور اے رسول) کہہ دو میں اس پر تم سے کچھ مزدوری تو نہیں مانگتا اور

مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾ اِنْ

نہ میں جھوٹ بات بنانے والا ہوں یہ

هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَ

قرآن تو تمام جہان کے لیے نصیحت ہے اور

لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾ ع

اس کا حال تم کو تھوڑے زمانے کے بعد آپ معلوم ہو جائے گا

تفسیر

اس تذکرے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ قل ما اسئلکم علیہ من اجر کہ کہہ دو کار بار نبوت پر میں تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا ہوں۔ یعنی اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں پھر تم کو کیوں بدگمانی ہے۔

وما انا من المتکلفین اور نہ میں تصنع اور بناوٹ کرنے والا ہوں کہ تم کو جھوٹ کا شبہ ہو۔ ہر بات میں بناوٹ اور تکلف و تصنع ممنوع ہے۔

ان ھو الا ذکر للعلمین یہ قرآن صرف جہان کے سمجھانے اور بھلائی کے لیے ہے۔

ولتعلمن نباہ بعد حین اور اس کی صداقت تم کو موت کے بعد معلوم ہو جاوے گی۔

سورۂ زمر

مکیہ ہے اس میں پچھتر آیتیں، اور آٹھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ زبردست

الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

حکمت والے کی طرف سے ہے ہم نے آپ کی طرف کتاب

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا

برحق نازل کی ہے پس اب اللہ کی عبادت خاص

لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ

اسی کی طرف جھک کر کیے جاؤ دیکھو اللہ ہی کے واسطے خالص

الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ

عبادت ہے اور جنھوں نے کہ اللہ کے سوائے اور حمایتی

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ

بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ان کی اسی لیے عبادت

اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ

کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں گے بے شک

اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ

جن باتوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اللہ آپ

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۥ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

ان کا فیصلہ کر دے گا بے شک جو جھوٹا ناشکرا

مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

ہے اللہ اس کو ہدایت نہیں کرتا

ترکیب

قال الفراء والزجاج تنزیل مبتدأ من اللہ الخ خبرہ الدین منصوب بمخلص و مخلصا حال الذین اتخذوا مبتدا خبرہ محذوف ای یقولون زلفی مصدر و حال موکدۃ والجملۃ مانعبدھم فی محل النصب بتقدیر یقولون۔

تفسیر

حسن و عکرمہ و جابر بن زید وغیرہم کہتے ہیں یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ قل یعبادی تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کی شان میں۔ لیکن یہ قول معتبر نہیں کیوں کہ بخاری و مسلم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرکوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ ہم نے زنا و قتل کیا ہے اب اس کی کیا صورت ہوگی؟ تب یہ آیت نازل ہوئی اس سے ثابت ہوا کہ مکہ میں نازل ہوئی اور مدینہ میں وحشی کا قصہ پیش آیا اس پر یہ آیت نازل شدہ پڑھی گئی۔ جس سے راوی نے نازل ہونا سمجھ لیا۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ دو باتوں کا اثبات کرتا ہے اول قرآن مجید کا کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہونا، سو اس کو سب سے اول تنزیل الکتب الخ میں بیان فرماتا ہے کہ یہ قرآن محمدؐ نے از خود نہیں بنا لیا ہے بلکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اللہ کی یہ دو صفت ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عزیز یعنی زبردست و قادر ہے۔ اپنا فرمان اپنے بندوں کے پاس محمدؐ کی معرفت بھیجتا ہے اس کو تمہارے انکار و اصرار کی کچھ پروا نہیں اس کی دنیا میں ضرور اشاعت ہوگی۔ کسی کے بند کرنے سے بند نہ ہوگی (اس میں تہدید شاہانہ ہے) دوسرے یہ کہ وہ حکیم ہے قرآن مجید میں سراسر حکمت ہے۔ اگر غور و نظر ہے تو دیکھ لو اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اس میں طرز حکیمانہ ہے۔

پھر اسی بات کو دوسرے پہلو سے بیان فرمایا ہے انا انزلنا الیک الکتب بالحق کہ ہم نے اے محمدؐ!

آپ کی طرف قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے اس میں جو کچھ ہے حق اور مطابق واقع ہے۔ پھر جب یہ ہے تو پہلا حکم یہ ہے۔

اعبد اللہ مخلصا لہ الدین کہ خالص اللہ کی عبادت کرو۔ دین کے معنی طاعت و عبادت کے ہیں نہ اس میں شرک ہو نہ ریاکاری یا کوئی دنیاوی غرض۔ قتادہ کہتے ہیں دین خالص کلمہ شہادت ہے۔ یہ وہ دوسری بات ہے جس کا اثبات ان آیات میں مقصود ہے۔ فرماتا ہے کہ اخلاص کی عبادت کا مستحق بھی اللہ ہی ہے مگر جو مشرک ہیں اور اللہ کے سوائے انہوں نے اور بھی معبود بنا رکھے ہیں وہ یہ کہتے ہیں ما نعبدھم الخ ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارا مرتبہ پیدا کر دیں گے۔ یعنی ان کو وسیلۂ حاجات سمجھتے ہیں۔

اس بات کو رد کرتا ہے ان اللہ کہ اس بات کا قیامت کا دن وہ آپ فیصلہ کر دے گا۔ یعنی ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ اور ایسے عذرات کرنے والوں کو جو ازلی بدبخت ہوتے ہیں اللہ سیدھا راستہ نصیب نہیں کرتا وہ عمر بھر اسی گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى
دن پر لپیٹ لیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا

الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ
ہے اور آفتاب اور چاند کو محکوم کر دیا ہر ایک

يَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ
اپنے اندازے سے چلتا ہے سنو وہی ہے زبردست

الْغَفَّارُ ﴿۵﴾ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ
معاف کرنے والا تم کو ایک شخص (آدم) سے

وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا

وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ
اور چارپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ جوڑے

أَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ
اُتارے وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں

خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ
ایک طرح کے بعد دوسری طرح تین اندھیریوں میں

ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ
بناتا ہے یہ ہے تمہارا اللہ تم کو پرورش کرنے والا اسی کے لیے

لَّوْ أَرَادَ اللَّهُ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ
اگر اللہ بیٹا ہی بنانا چاہتا تو اپنی مخلوقات

مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ
میں سے جس کو چاہتا برگزیدہ کر لیتا (لیکن) وہ پاک ہے وہ

اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾ خَلَقَ
اکیلا خدا زبردست ہے اس نے

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ يُكَوِّرُ
آسمانوں اور زمین کو درستی سے بنایا رات کو

الْمُلْكُ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ
بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کدھر

تُصْرَفُونَ ﴿۶﴾
بہکے جا رہے ہو؟

ترکیب

ان یتخذ مفعول اراد لاصطفیٰ جواب الشرط
مایشاء مفعول لاصطفیٰ مما یخلق حال سبحنہ جملہ معترضہ

بالحق حال من فاعل خلق۔

تفسیر

لواراد اللہ ان آیات میں خدا تعالیٰ اس ذلفیٰ کا رد کرتا ہے۔

کفار و مشرکین جو غیر اللہ کو پوجتے تھے تو ان کو وسیلہ جانتے تھے اور وجہ وسیلہ ہونے کی یہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود خدا کے بیٹے ہیں اور باپ بیٹے میں بڑا رابطہ ہوتا ہے۔ بیٹا باپ سے کہہ کر ہماری حاجتیں روا کروا دیتا ہے۔ مکہ کے مشرک فرشتوں کو پوجتے اور ان کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اسی طرح جنوں کو بھی۔ اور رومن کیتھولک عیسائی بلکہ آج کل کے پراٹسٹنٹ بھی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سی قوموں نے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا رکھی تھیں۔ یونانی ستاروں زہرہ و مشتری کو ایک دوسرے کا خاوند اور بیوی اور اولاد بناتے بناتے خدا تعالیٰ سے نسب نامہ ملا دیتے تھے۔ ہنود میں بھی اس کے قریب قریب خیالاتِ فاسد ہیں اور پہلے بھی تھے۔

اس بات کو اللہ تعالیٰ رد کرتا ہے کہ اگر اللہ کو بیٹا ہی بنانا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے عمدہ اور بہتر ہی کو نہ پسند کر لیتا، تمہارے معبودوں میں کیا بات ہے؟ سبحٰنہ لیکن وہ ان باتوں سے پاک ہے وہ اکیلا ہے زبردست ہے۔ بیٹا ہو تو اس کے ساتھ جنس قریب یا بعید یا نوع میں شریک ہو اور بیٹے کا محتاج سمجھا جاوے حالانکہ اس کے ساتھ کسی کو کسی بات میں بھی شرکت نہیں نہ اس کو کسی کی کسی بات میں حاجت ہے۔

خلق السمٰوٰت الخ آسمان و زمین چاند اور سورج اور سب ستارے اور جملہ مخلوقات اس کی پیدا کی ہوئی ہے اور تمام عالم میں اسی کا یدِ قدرت تصرفات کرتا ہے۔ وہی رات دن کی اُلٹ پلٹی کیا کرتا ہے ہر ایک ستارہ اسی کے حکم کا پابند اُسی اندازہ سے حرکت کرتا ہے کہ جس پر اس نے اس کو معین کر دیا ہے۔ وہی زبردست ہے وہی گناہ معاف کرتا ہے۔ یعنی اس کے تمام کاروبار اسی کے ہاتھ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بیٹا تو وہ چاہتا ہے کہ جو پیری و ضعف میں اس کو کارآمد یا اپنے بعد وارث سمجھتا ہو اللہ ان سب باتوں سے مبرا ہے۔

اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ پر اور اس بات پر کہ توالد و تناسل کا سلسلہ تم انسانوں اور حیوانات میں ہے اور وہ بھی ہمارے حکم سے جاری ہے نہ خدا تعالیٰ میں۔

فقال خلقکم من نفس الخ کہ تم سب کو ایک شخص یعنی آدم سے بنایا اور اسی سے اس کا جوڑا یعنی بیوی بھی بنائی اور حیوانات میں سے بھی تمہارے لیے بھیڑ، بکری اونٹ گائے کے آٹھ جوڑے نر و مادہ پیدا کیے اور تمہاری شکلیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بناتا ہے تین اندھیریوں میں ایک پیٹ کی دوسری رحم کی تیسری جھلی کی جس کو مشیمہ کہتے ہیں (مجاہد و عکرمہ) پس تمہارا معبود تو یہ ہے۔ اُسی کی بادشاہی ہے اس کو چھوڑ کر تم کہاں بہکے جاتے ہو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ

اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ کو بھی تمہاری پروا نہیں

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ

اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر

تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ

تم شکر کرو گے تو وہ تم سے خوش ہوگا اور کوئی

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم کو اپنے رب کے

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

پاس جانا ہے پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو تم

تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷
کیا کرتے تھے کیونکہ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ
اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے

مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ
اسی کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اس کو اپنی نعمت عطا کرتا ہے

نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ
تو جس کے لیے پہلے پکارتا تھا اس کو بھول

قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ
جاتا ہے اور اس کے لیے شریک بناتا ہے تاکہ لوگوں کو بھی

عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ
اس کے رستہ سے بہکائے کہہ دو اپنے کفر کے اور چند روز

قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸
مزے اڑالے (پھر) تو آگ میں رہے گا۔

تفسیر

دلائل توحید بیان فرما کر یہ فرمایا تھا کہ انی تصرفون کہاں بہکے جا رہے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کیوں بھٹکتے پھرتے ہو۔ اس پر ایسے لوگوں کا گمان جا سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری بڑی ضرورت اور ہمارے ایمان و شکر گزاری کی بڑی حاجت ہے جو ہم کو بلاتا ہے۔ اس کا دفعیہ کرتا ہے۔

ان تکفروا الخ کہ اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا اور اس کو تمہاری شکر گزاری کی حاجت بھی نہیں۔ ہاں یہ ہے کہ اگر بندے اس کی ناشکری و کفران نعمت کرتے ہیں تو وہ اس کو پسند نہیں کرتا، ناخوش ہوتا ہے اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اس کو پسند کرتا ہے خوش ہوتا ہے۔

اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ بدی کا بندہ خالق ہے۔ کوئی بدی خدا کی خواہش اور ارادے سے نہیں، نہ خدا کسی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر اہل سنت و جماعت اس میں فرق کرتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا نیک و بد سب کا اللہ کو ازل میں علم تھا کہ فلاں وقت فلاں شخص یہ کرے گا۔ پھر دنیا میں بھی گو بندے کو اس کے افعال میں اختیار و قدرت عطا کی ہے جس پر برے کاموں سے مواخذہ ہوتا ہے۔ مگر ان قدرتوں اور قلبی خطرات کا سلسلہ جو اس کے محرک ہیں اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی کے ارادے سے وابستہ ہے۔ کیونکہ وہ عالم پیدا کر کے نکما اور بے اختیار نہیں ہو بیٹھا ہے۔ جیسا کہ بعض ہنود کا وہم ہے۔ پس اس لیے جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے نیک یا بد سب اس کے ارادے اور مشیت سے علم ازلی کے مطابق ہو رہا ہے اور اس آیت میں کفر پر نارضامندی ظاہر کی ہے۔ رضامندی اور چیز ہے ارادہ اور مشیت اور چیز ہے۔ رضامندی نہ ہونے سے ارادہ کا نہ ہونا نہیں ثابت ہوتا۔

مگر اس پر بھی ناسمجھ یہ کہا کرتے ہیں کہ جب سب کچھ اسی کی قدرت و مشیت سے ہے تو اول دن سے جس طرح اس نے ہمارے باپ دادا کے لیے طریقہ اور مذہب بنا دیا ہے ہم اسی کے پابند ہیں ہمارا کیا گناہ ہے ہماری گمراہی کے بھی وہی ذمہ دار ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے[۱]۔

ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کہ جب ہم نے ہر ایک کو

[۱] اس سے بعض نے ثابت کیا ہے کہ عاقلہ پر دیت نہیں کیونکہ جو کرے وہی بھرے۔ اگر کسی نے خطأً کسی کو مار ڈالا تو عاقلہ (اس کی قوم و کنبہ) کیوں ذمہ دار کیے جانے لگے ۱۲ منہ

ع ۹ ۱۵

عقل و شعور، نیک و بد کی شناخت، ارادہ و قدرت دے دی ہے تو پھر اپنی نیکی بدی کا ہر شخص آپ ہی ذمہ دار ہے باپ دادا نہیں۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ کل نفس بما کسبت رھینۃ ایک روز تم کو خدا کے پاس پھر جانا ہے وہ تمہارے کاموں کا نیک و بد نتیجہ تمہیں بتاوے گا اس سے کوئی کام مخفی نہیں۔ کام تو کیا وہ علیم بذات الصدور دلی خطرات بھی تو جانتا ہے۔ نیت کا حال معلوم ہے۔

واذا مس الانسان کہ اس بت پرستی کا بوجھ جو تم اپنے باپ دادا پر دھرتے اور یہ عذر کرتے ہو سو یہ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو بے اختیار ہو کر اللہ ہی کو پکارتے ہو اور جب عیش و آرام تم کو دیتا ہے تو اس وقت اس کو بھول جاتے ہو اور اپنے فرضی معبودوں کی طرف اس نعمت کو منسوب کرنے لگتے ہو۔ آپ تو برباد ہوتے ہو اوروں کو بھی رغبت دلا کر گمراہ کرتے ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بت پرستی و بدکاری تمہاری خرمستی ہے۔ اب چند روز دنیا کے مزے لے لو خرمستیاں کر لو۔ انجام تو جہنم ہے جو برے کاموں کا لازمی اثر ہے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا

(کیا وہ ناشکرا بہتر ہے) یا وہ کہ جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کر کے

وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو

عبادت کرتا آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی

رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

رحمت کی امید کرتا ہے کہہ کیا علم والے

الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ

اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ⑨

سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل والے ہیں

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ

اے رسول میری طرف سے کہہ دو کہ اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا

جنہوں نے نیکی کی ہے اس دنیا میں

حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ

ان کے لیے اچھا بدلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ

صبر کرنے والوں ہی کو ان کا بدلہ

بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩

بے حساب دیا جائے گا

ترکیب

امن بالتشدید ام متصلۃ دخلت علی من الموصولۃ وادغمت المیم فی المیم۔ واتصالہا بمحذوف تقدیرہ آالکافر خیر امن ہو قانت و قیل ام منقطعۃ مقدرۃ ببل الھمزۃ ای بل امن ہو قانت کالکافر۔ وقرء بالتخفیف فالھمزۃ للاستفہام امن ہو قانت لغد کمن ہو کافر والخبر محذوف لدلالۃ قولہ قل ہل یستوی وقال الفراء الھمزۃ للنداء ومن منادی ای یا من ہو قانت قل ہل الخ ساجداً قائماً حالان۔

تفسیر

اشرار و کفار کی سیرت بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں ابرار و اخیار کی صفت بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے لیے شریک بناتے ہیں۔ ایک

وہ بھی نیک بندے ہیں جو رات کے وقتوں میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں سجدہ و قیام کے ساتھ اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ آپ ہی حکم دیتا ہے کہ کہہ دو علم والے اور جاہل کہیں برابر ہو سکتے ہیں۔ یعنی وہ جاہل ہیں یہ عالم ہیں القنوت الطاعۃ عبادۃ۔

اناء الیل جمع انی بکسر الہمزۃ کمعی و امعاء۔ وقیل واحدہا آنو اس سے مراد رات کی گھڑیاں اور اس کے اوقات بعض کہتے ہیں مغرب سے عشاء تک کا زمانہ۔ بعض کہتے ہیں اول وقت اور درمیانی اور آخر۔ اس میں تہجد کی نماز بھی آگئی۔ رات میں ریاکاری بھی نہیں تخلیہ بھی ہوتا ہے شور و شغب بھی نہیں ہوتا اور نیز آرام کا وقت ہے نفس پر اس وقت عبادت کرنا شاق گزرتا ہے۔ اس لیے رات کی عبادت افضل قرار پائی۔ انبیاء و صالحین رات میں زیادہ عبادت کیا کرتے تھے۔

انما یتذکر اولوا الالباب ان باتوں کو اس آیت میں کہ عجائب اسرار ہیں عمل سے شروع کیا ساجدًا و قائمًا سے اشارہ کر کے اور علم پر ختم کیا الذین یعلمون الخ سے اشارہ کر کے اور قانتا اور اناء الیل اور ساجدا و قائما میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کام پر اوقات مختلفہ میں مداومت کرنا چاہیے۔ اس سے اول مرتبہ میں مقام قہر منکشف ہوتا ہے جیسا کہ یحذر الآخرۃ میں اشارہ ہے اور بعد میں اس پر مقام رحمت و انس منکشف ہوتا ہے جیسا کہ یرجوا رحمۃ ربہ اس پر دال ہے۔ پھر اقسام اقسام کے مکاشفات حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ ھل یستوی الذین یعلمون دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد ایمان داروں کے لیے اپنے رسول کو چند نافع باتیں تعلیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(۱) قل یعباد الذین الخ کہ میرے ایمان دار بندوں سے کہہ دو کہ اپنے رب سے ہمیشہ ڈرتے رہا کریں۔ یعنی ایمان کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری بھی ضروری ہے۔ پھر اس تقویٰ کے منافع بیان کرتا ہے للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا کہ جو اس دنیا میں نیکی کرتا ہے اُس کے لیے حسنۃ آخرت میں نیکی اور بھلائی ہے یعنی جنت۔ بعض کہتے ہیں فی ہٰذہ حسنۃ سے متعلق ہے یعنی نیکوں کو اس دنیا میں بھی بھلائی ہے عافیت صحت فراغ بالی دشمنوں پر غلبہ برکت و راحت و عزت۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہارے وطن میں کوئی نیکی کرنے سے مانع ہو تو ارض اللّٰہ واسعۃ خدا کی زمین فراخ ہے اور کہیں چلے جاؤ۔ اس میں اہل مکہ کو ہجرت کی ترغیب ہے۔ ہجرت میں جو تکالیف پیش آویں ان پر صبر کرو صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ

(اور یہ بھی کہو) مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی خالص اُسی کا

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ

ہو کر اللہ کی عبادت کیا کروں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے

لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

کہ میں سب سے پہلے فرماں برداری کروں

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ

کہو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اگر اپنے

عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ

رب کی نافرمانی کروں (اور) کہو میں اللہ

اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا

کی عبادت کرتا ہوں خالص اللہ ہی کا ہو کر پھر تم اس کے

مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ قُلْ اِنَّ

سوا جس کی چاہو عبادت کرو کہو ٹوٹے میں تو

الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان اور گھر
وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ
اہل و عیال کو قیامت کے روز خسارے میں ڈال دیا دیکھو یہی
هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ
صریح ٹوٹا ہے ان کے
مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ
اوپر بھی آگ کی تہیں ہوں گی اور
مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ
ان کے نیچے بھی یہ ہے کہ جس کا
اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾
اللہ اپنے بندوں کو خوف دلایا کرتا ہے اے میرے بندو مجھ سے ڈرو

ترکیب

ان اعبد اللہ مفعول لامرت مخلصا حال من الضمیر الفاعل فی اعبد الذین منصوب بمخلص لان اللام زائدۃ والجملۃ مفعول مالم یسم فاعلہ لامرت ویمکن ان یکون المفعول ضمیرا فی امرت ای انا ولان متعلق بامرت واول المسلمین خبر اکون. عذاب الخ مفعول لاخاف ان عصیت بی شرط وجوابہ محذوف الذین خسروا خبران یوم القیمۃ منصوب بخسروا ظلل جمع ظلۃ مبتدء لھم خبرہ من فوقھم حال من ظلل ای کائنۃ من فوقھم من النار نعت لھا۔

تفسیر

(۲) دوسری بات جس کے کہنے کا رسول کو حکم دیا یہ ہے قل انی امرت ان اعبد اللہ اول تو انسان کی درستی کے لیے ناز یبا باتوں کا ترک لازم ہے تاکہ آئینہ دل نقش و نگار سے صاف ہو جاوے تب اس پر مرغوب نقش ہو گا۔ اس لیے تقویٰ کا حکم دیا تھا اس کے بعد عمدہ باتوں کا عمل میں لانا ہے۔ عمدہ باتوں میں سب سے مقدم عبادت ہے۔ پھر اس کے دو رکن ہیں ایک عملِ قلب یعنی اخلاص و حسنِ عقیدت جس میں ریا کاری و شرک کی بو بھی نہ ہو۔ اس لیے اس کو اس جملہ میں بیان فرمایا کہ کہہ دے مجھے عبادتِ الٰہی کا نہ اور کسی کا حکم ہوا اور وہ بھی اخلاص کے ساتھ اس کو ایمان بھی کہتے ہیں یہ اعلیٰ رکن ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوسرا رکن ہاتھ پاؤں اعضاء کو کام میں لانا اس کو بعد میں بیان کیا۔ فقال وامرت لان اکون اول المسلمین کہ مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں سب سے اول اوامرِ الٰہی کو بجالاؤں۔ الاسلام گردن نہادن۔ یعنی فرماں برداری کرنا۔

ایمان و اسلام کے معنی

شرع میں گو ایمان و اسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی بات سمجھی جایا کرتی ہے مگر لغوی معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے۔

ایمان اعتقادِ صحیح اللہ اور رسول اور قیامت اور ملائکہ اور کتابوں کو برحق جاننا۔

اور اسلام نماز و زکوٰۃ و حج و روزہ ادا کرنا۔ زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرنا جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ جبرئیل نے لوگوں کے سکھانے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان و اسلام کے معنی پوچھے۔ اور آپ نے بھی جواب دیا۔

(۳) ان احکام میں اس بات کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ ایسا کرنا بھی بہتر ہے اگر نہ کرے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ اس بات کو اس جملہ میں کھول دیا قل انی اخاف الخ کہ ان سے کہہ دے کچھ تمہارے لیے نہیں بلکہ مجھے بھی خوف ہے کہ اگر میں ان احکام میں نافرمانی کروں گا تو بڑے دن یعنی

قیامت میں عذاب ہوگا۔ یعنی یہ امر وجوب کے لیے ہے۔

ف رسول کو ان باتوں میں مامور کرنے سے یہ بات بتلائی گئی کہ اور بادشاہوں کی طرح سے معاملہ نہیں کہ اوروں کے لیے حکم کریں اور آپ عمل نہ کریں۔ اور یہ بھی ہے کہ جو آپ عمل نہیں کرتا اوروں کو کہتا ہے اس کی بات کی تاثیر نہیں ہوتی اور نیز مخاطب کو دغدغہ باقی رہتا ہے اور خود کرنے میں اور سب سے پہلے کرنے میں اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور نیز اس میں ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق بھی اٹھا دیا گیا۔

(۴) حکم دینے کے بعد رسول کی زبان سے اقرار کرنے کا بھی حکم دیا کہ قل اللہ اعبد الخ میں تو خاص اللہ کی عبادت کرتا ہوں، بموجب حکم الٰہی۔ تمھیں اختیار ہے جس کی چاہو کرو نیک و بد بتلا دیا گیا۔

(۵) قل ان الخسرین الخ ان سے کہہ دے ان باتوں پر عمل کرنے سے کوئی خرابی و نقصان نہیں بلکہ نقصان اور خسارہ ان کو ہے کہ جنھوں نے اس پر نہ آپ عمل کیا نہ اپنے لوگوں کو کرنے دیا۔ قیامت کے دن آپ بھی نقصان میں پڑا اور اپنے اہل و عیال کو بھی ڈالا یہ بڑا خسارہ ہے۔ ان پر اس روز آگ چاروں طرف سے محیط ہو کر سایہ کرے گی۔ یہی تو وہ بات ہے کہ جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے لے میرے بندو! ڈرو اور بچو۔

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ

اور جو لوگ بتوں کی عبادت کرنے سے

اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

بچ گئے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے

لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ

ان کو خوش خبری ہے پھر میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو کہ جو

یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ

بات سنتے ہیں پھر اس میں سے اچھی بات پر چلتے بھی ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ

یہی ہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور

اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

یہی عقل والے بھی ہیں

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ

پھر کیا جس کو عذاب کا حکم ہو چکا (نجات پانے والے کے برابر ہے)

اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ﴿ج﴾

پھر کیا آپ اس کو آگ میں پڑے ہوئے کو نکال لیں گے

لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ

لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرے ان کے لیے

غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ ۙ

جنت میں جھروکے ہیں کہ جن پر اور جھروکے بنائے گئے ہیں

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ

ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اللہ کا وعدہ

اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ ﴿۲۰﴾

ہو چکا اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا۔

ترکیب

الطاغوت کالرحموت والغطموت بناء مبالغة فی المصدر۔ ویونث۔ قیل اعجمی کطالوت و جالوت وقیل عربی من الطغیان الان فیہا قلباً بتقدیم اللام علی العین و المراد بہا الاوثان والشیطان وقیل الکاہن۔ ان یعبدوہا فی محل نصب علی البدل من الطاغوت بدل اشتمال و انابوا معطوف علی اجتنبوا لہم البشری الجملۃ خبر و

الذین افمن من موصولۃ فی محل رفع بالابتداء والخبر محذوف ای کمن یخاف اوشرطیۃ افانت جوابہ۔

تفسیر

بت پرستوں کی برائی اور ان پر پیش آنی والی مصیبت کے ذکر کے بعد ان سے بچنے والوں اور خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کے خصائل اور ان کے نتائج بیان فرماتا ہے گویا یہ بیان سابق کا تتمہ ہے۔

فقال والذین اجتنبوا الطاغوت الخ کہ جو لوگ بتوں اور شیطانی طریقے اور ان کی پرستش سے بچتے ہیں اور صرف یہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ انابوا الخ اللہ کی طرف بھی رجوع ہوتے ہیں ان کے لیے خوش خبری ہے موت کے وقت اور قبر میں اور وہاں سے نکلنے کے وقت اور میدان حشر میں ملائکہ ان کو جنت اور مغفرت کا مژدہ دیں گے بلکہ دنیا میں بھی خدا پرستوں کو نہ صرف مصائب کے وقت بلکہ ہر لحظہ روحانی طور پر مژدہ اور خوش حالی حاصل رہتی ہے پھر اس خوشخبری کو اپنی رحمت عامہ سے عام کرنے کے لیے اپنے رسول کو حکم دیتا ہے۔

فبشر عباد الذین کہ میرے ان بندوں کو خوش خبری اور مژدہ دے جو بات سنتے ہیں اور جو اچھی بات ہوتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

یستمعون القول سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ وہ قرآن وسنت نبی کی باتیں سنتے ہیں پھر جو محکم ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القول سے مراد عام ہے کہ اچھی بری سب باتیں سنتے ہیں مگر بری باتوں پر نہیں بلکہ اچھی باتوں پر چلتے ہیں اور انصاف وعقل کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جو کوئی نیک بات کہے اس پر عمل کرے۔

ایسے لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے اولئک الذین کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل مند بھی ہیں۔ نہ وہ کہ حق بات کو ہرگز نہیں مانتے کوئی لاکھ سمجھائے مگر دل پر اثر ہی نہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے لیے تقدیر الٰہی میں عذاب مقرر ہو چکا ہے۔ افمن حق علیہ کلمۃ العذاب کے یہ معنی ہیں۔

پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا ہے کیا آپ کسی کو جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں کہ جو ازلی نوشتہ سے جہنمی ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ان نیک لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے جو مرنے کے بعد ان کو ملے گی۔ لکن الذین اتقوا ربھم کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنت میں وہ بالاخانے عطا ہوں گے کہ جو ایک کے اوپر دوسرا بنتا چلا گیا ہے اور ان میں کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں اور ان مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، آب رواں پر ایسے خوش قطعہ مکانات کا عجب لطف ہوتا ہے فرماتا ہے وعد اللہ ان باتوں کا اللہ نے وعدہ کر لیا ہے۔ اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
(اے مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا

فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ
پھر اس کو زمین کے چشموں سے بہایا پھر

يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ
اس سے رنگ برنگ کی کھیتی نکالتا ہے پھر

يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ
جب وہ پک جاتی ہے تو اس کو زرد ہوئی دیکھتا ہے پھر اس کو چورا

حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى
چورا کر ڈالتا ہے البتہ اس میں عقل مندوں کے واسطے

ع ۲ ۱۲ لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ
بڑی عبرت ہے پھر کیا وہ شخص کہ جس کا

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ

اللہ نے اسلام کے لیے سینہ کھول دیا پھر وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر بھی ہو

مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ

(اس کے برابر ہے کہ جس کے دل گمراہی کی طرف ہے؟) پھر خرابی ہے ان کو کہ جن کے دل

مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ

یادِ الٰہی سے سخت ہیں وہی صریح

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

گمراہی میں ہیں۔

ترکیب

ان اللہ الخ الجملۃ سد مسد المفعولین ینابیع جمع ینبوع وہو یفعول من نبع ینبع وہی منصوب بنزع الخافض لان التقدیر فسلکہ فی ینابیع۔ یھیج ای یجف وییبس یقال ہاج النبت یہیج ہیجا اذا تم جفافہ او یخضر۔ والحطام ما یتفتت ویکسر۔

تفسیر

جب کہ خداتعالیٰ دارِ آخرت کی وہ صفات بیان فرما چکا کہ جن سے اس کی طرف رغبت ہو تو اس کے بعد دنیا کی بے ثباتی بیان کرکے اس سے نفرت دلاتا اور اسی بات کو حشر برپا ہونے کا نمونہ بتاتا ہے۔

فقال الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء کہ اے نبی یا اے ہر مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ اوپر سے پانی بارش کا برساتا ہے پھر اس کو زمین میں پیوست کر دیتا ہے زمین اس کو پی جاتی ہے پھر اس سے مختلف رنگتوں کی کھیتیاں اُگتی ہیں زرد سبز سفیدی مائل یا گیہوں دھان وغیرہ۔ پھر وہ پک کر تیار اور خشک ہو جاتی پھر زرد نظر آنے لگتی ہے پھر کٹ کر روندی جاتی ہیں اور چُورا چُورا ہو جاتی ہیں۔ اس میں عقل مندوں کے لیے بڑی سمجھ کی جگہ ہے۔ وہ یہ کہ اسی طرح آدمی کا حال ہے۔ پانی کے قطرے سے پیدا ہوتا ہے مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے کوئی گورا کوئی کالا کوئی خوبصورت کوئی بدصورت۔ مگر اٹھتی اور لہلہاتی جوانی اور اس کی امنگیں بڑی دل فریب اور خوش آیند ہوتی ہیں جس میں سب کچھ بھول جاتا ہے پھر بوڑھا ہو جاتا ہے زرد پڑ جاتا ہے وہ تمام خوبیاں اور اُچھل کُود رخصت ہو کر بدمنظر ہو جاتا ہے اور اپنی جان بھی وبال ہو جاتی ہے نہ وہ آنکھوں کی روشنی اور دانتوں کی چمک، چہرے کی دمک ہاتھ پاؤں کا کس بل باقی رہتا ہے۔ نہ وہ حوصلہ۔ پھر ایک روز مر جاتا ہے پھر چند روز کے بعد تمام جسم چُور چُور ہو کر ہوا میں ذرے ہو کر اُڑتا پھرتا ہے۔ وہ چند روزہ عیش و نشاط جاہ و عزت شادی و غم خواب و خیال ہو جاتا ہے۔ پھر جس طرح وہ قادرِ مطلق اگلے سال پھر انہیں کھیتوں میں کھیتیاں اُگاتا ہے اور پھر وہی بہار دکھاتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد انسان قیامت میں پھر اسی بدن سے کھڑا ہو کر اس چند روزہ زیست کے اعمال نیک و بد کا نتیجہ بھگتے گا۔ عبرت عبرت۔

ان بیانات کے بعد جو اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دنیا سے نفرت کرنے پر دلالت کرتے ہیں اس آیت افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام الخ میں یہ بات بتلاتا ہے کہ ان بیانات سے وہی لوگ نفع اٹھاتے اور ہدایت پاتے ہیں کہ جن کے اللہ نے سینے کھول دیے اور دل روشن کر دیے ہیں۔

شرحِ صدر۔ خدا نے جواہر نفوس کو مختلف الماہیۃ پیدا کیا۔ پس بعض تو نورانی شریف الہیات سے مائل، روحانیات میں ملنے کے راغب ہیں۔ اور بعض خسیس ظلمانی جسمانیات کی طرف مائل ہیں لذاتِ حسیہ کی طرف حریص۔ پس یہ اعلیٰ درجہ کی استعداد جو ادنیٰ محرک سے قوت کے مرتبہ سے فعلیت کی طرف آنے کے لیے آمادہ ہے اسی کا نام شرحِ صدر ہے۔ جیسا کہ گندھک یا بارود ذرا سی

آگ سے بھڑک اٹھنے کے لیے تیار ہے برخلاف گیلی لکڑیوں کے۔ پس جن میں یہ استعداد ہے انہیں کو نورِ الٰہی نصیب ہے اور صحتِ روحانیہ کے لیے ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی دوا نہیں۔ پس جس کو اس سے بھی شفا نہیں تو اب اس کے علاج کی کوئی توقع نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اس جملہ میں اس کو ذکر کرتا ہے فویل للقسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلل مبین۔

ترمذی و بیہقی نے نقل کیا ہے کہ بغیر ذکر اللہ کے بہت کلام نہ کیا کرو کیوں کہ اس سے دل سخت ہوتا ہے اور جو سخت دل ہے وہ اللہ سے بہت دور ہے۔ اس معنی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا
اللہ نے عمدہ کلام نازل کیا جو

مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ
ملتی جلتی ہوئی (مضامین میں) دوہری کتاب ہے جس سے خدا ترس

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ
لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے

جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
رونگٹے اور دل یادِ الٰہی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ
یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے راہ راست

يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
دکھاتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر تو اس کے لیے

مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ
کوئی ہدایت کرنے والا نہیں پھر کیا وہ شخص جو اپنے چہرہ کو قیامت کے دن کے بڑے عذاب

سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ
روکتا ہے (نجات پانے والے کے برابر ہے) اور ظالموں

لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ
سے کہا جاوے گا جو کچھ تم کیا کرتے ہو

تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾
اس کا مزہ چکھو

ترکیب

اللہ مبتدء نزل خبرہ کتٰبا بدل من احسن الحدیث او حال منہ متشابھا صفۃ لکتاب ای یشبہ بعضہ بعضا فی الحسن والاحکام مثانی صفۃ اخری لکتاب و ھو جمع مثنی او مثنی من التثنیۃ بمعنی التکریر تقشعر صفۃ لکتاب او حال منہ۔ اقشعرار موئے بر تن خاستن۔ پُھریری۔

تفسیر

چونکہ قرآن مجید بھی اُس خبیث مرض سے شفا حاصل ہونے کا بڑا قوی نسخہ ہے اور دل میں نور پیدا کرنے کے لیے نہایت روشن شمع ہے۔ اس لیے قرآن مجید کے بعض فضائل اور اس کا منزل من اللہ ہونا بیان فرماتا ہے۔

فقال اللہ نزل احسن الحدیث یعنی قرآن مجید کو جو سب کلاموں سے عمدہ کلام ہے اس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ کلام میں ایک شان ہوتی ہے جو خود بتلا دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے اسی لیے یہ مقولہ مشہور ہے "کلام الملوک ملوک الکلام"۔

اب قرآن مجید کو بغور دیکھو کہ وہ کیا بتلاتا ہے۔ کلام میں دو حسن ہوا کرتے ہیں ایک ظاہری وہ کیا فصاحت و بلاغت جو طباع البشریہ کو اپنے مقناطیسی جذب سے اپنی طرف

کھینچتی ہے۔

دوسرا معنوی وہ کیا اس کے مطالب کی عمدگی جو انسانی حالات اور اس کے جذبات اور اس کے تمام مقاصد کو، جو دارِ آخرت سے تعلق رکھتے ہوں حاوی ہو اُنہیں طریقوں سے جو شاہنشاہوں کے کلام میں ہونے چاہییں۔ پس یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں اس خوبی کے ساتھ ہیں کہ جس کی نظیر نہیں اور اس کا ثبوت ہم متعدد مقامات میں کر آئے ہیں اس لیے خداتعالیٰ نے بھی یہاں ایک ہی لفظ میں اشارہ کر دیا یعنی احسن الحدیث میں۔

دوسرا وصف اس کا یہ ہے کہ وہ متشابھا ہے کہ جس آیت کو دیکھیے ایک دوسرے سے اس خوبی میں مشابہ ہے۔ یہ نہیں کہ دس پانچ مقامات میں تو الٰہیات کا جلوہ نمودار ہو اور دوسرے مقامات میں شہوت انگیز اور سلف میں عیب لگانے والے قصے اور بے ہودہ افسانے اور توہمات کی شاعرانہ طور پر بندشیں جیسا کہ توریت و اناجیل موجودہ اور وید و دساتیر کے ملاحظہ سے ظاہر ہے۔ اور نیز یہ بھی ہے کہ احکام و تذکیر میں کتب سابقہ منزل من اللہ کے مشابہ ہے۔ پہلے جو احسن القول کا ذکر تھا یہاں بتلایا گیا کہ وہ قرآن مجید ہے۔

تیسرے مثانی اس میں قصص و مواعیظ و احکام لوگوں کے سمجھانے کے لیے مکرر یعنی بار بار نئے نئے اسلوب سے مذکور ہوئے ہیں مگر پھر بھی کمال بلاغت ہے۔ یا یہ مراد کہ قرآن بار بار پڑھا جاتا ہے اس کی حلاوت مکرر پڑھنے کی طرف مجبور کرتی ہے اور دل پر گراں نہیں گزرتا۔ اور کلاموں میں یہ بات نہیں۔ ایک بار پڑھ کر دوبارہ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔ برخلاف قرآن مجید کے۔ یا یہ مراد کہ قرآن میں ہر بیان دوہرا ہے امر ہے تو نہی بھی، جنت کا ذکر ہے تو دوزخ کا بھی ہے وقس علیہ۔

چوتھے تقشعر منہ اس کے پڑھنے سے دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔ بدن پر خدا ترسوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قوتِ بہیمیہ پست ہوتی ہے ملکیت کو غلبہ ہوتا ہے ایسے وقت میں انقلاب کا اثر جسم پر بھی ہوتا ہے۔ یہ روحانی اور معنوی صفت ہے جو کلامِ الٰہی کو لازم ہے۔

ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ اس کے بعد ذکرِ الٰہی اور اس کے اُنس سے ان کے دل نرم ہوتے ہیں یعنی اطمینان ہوتا ہے۔ جلال کے مشاہدہ سے جس طرح خوف تھا اسی طرح جمال کے مشاہدہ سے سکون پیدا ہوتا ہے۔

ذٰلک یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو اس سے بدنصیبی ہے اس کو کوئی نہیں ہدایت دے سکتا۔

اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ جو قرآن سے نفع اٹھاتا ہے آتشِ جہنم کو اپنے منہ سے روکتا ہے یعنی دور کرتا ہے۔ قیامت کے روز پھر کیا وہ برابر ہے اس کے جو عذاب میں گرفتار ہوگا اور ان ظالموں کو کہا جاوے گا کہ اپنے بدعمل کا مزہ چکھو۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ

ان سے پہلوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان پر اس طرح عذاب آیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ

پھر ان کو اللہ نے دنیا کی زندگی ہی میں رُسوائی کا مزہ

الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اور بھی زیادہ ہے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا

اگر وہ جانتے اور البتہ لوگوں کے لیے

لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ
ہم نے اس قرآن میں ہر ایک طرح کی مثالیں بیان

مَثَلٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ۲۷
کر دی ہیں تاکہ وہ سمجھیں

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّھُمْ
وہ عربی زبان کا بے عیب قرآن ہے تاکہ وہ

یَتَّقُوْنَ ۲۸ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا
پرہیزگاری کریں اللہ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک شخص (غلام)

فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَ
تو ایسا ہے کہ جس میں اور بھی برابر حصہ دار ہوں اور

رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ
ایک غلام خالص ایک ہی شخص کا ہو کیا دونوں کی حالت

مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بَلْ اَکْثَرُھُمْ
برابر ہے سب تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ ان میں اکثر

لَا یَعْلَمُوْنَ ۲۹ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ
جانتے بھی نہیں بے شک تم کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی

مَّیِّتُوْنَ ۳۰ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
مرنا ہے پھر تم سب قیامت کے دن

عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۳۱
اپنے رب کے سامنے آپس میں جھگڑو گے۔

ترکیب

قرآنًا حال موکدۃ من ھذا وتسمی حالًا موطئۃ لان الحال فی الاصل ھو عربیا و قرآنا توطئۃ لہ نحو جاء نی زید رجلا صالحا ھذا قول الاخفش ویمکن ان ینتصب علی المدح رجلا قال الکسائی منصوب لکونہ تفسیر المثل وقیل منصوب بنزع الخافض ای ضرب اللہ مثلا برجل وقیل رجلا مفعول اول ومثلا مفعول ثان فیہ شرکاء الجملۃ صفۃ لرجل و فی تتعلق بمتشاکسون. سلما بفتح السین وکسرہا و سالما مصدر وصف بہ للمبالغۃ والتشاکس التخالف۔

تفسیر

جب کہ خدا تعالیٰ قاسی القلب لوگوں کے عذاب آخرت کی کیفیت بیان فرما چکا تو دنیا میں بھی ان پر عذاب نازل ہونے کی کیفیت بیان فرماتا ہے:۔ فقال کذب الذین کہ ان سے پہلے لوگوں نے جو بڑے سخت دل تھے ہمارے انبیاء اور آیات کو جھٹلایا تھا پھر ان پر اس طرح سے عذاب آیا کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا۔ آرام سے پڑے سوتے تھے کہ بلا آگئی۔ پھر یہی نہیں کہ وہ ہلاک ہو گئے بلکہ فاذاقھم اللہ الخزی فی الحیٰوۃ الدنیا ان کو دنیا میں رسوائی اور ذلت کا بھی خوب مزہ چکھایا۔ اور مطلب اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پورا عذاب اور کامل بلا وہ ہے کہ جس میں رسوائی اور ذلت اور رنج و غم بھی ہو۔ اور غرض اس سے یہ ہے کہ مخاطبین بھی سن کر خبردار رہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ دنیا ہی کی رسوائی اور عذاب پر بس نہیں بلکہ ولعذاب الاخرۃ اکبر آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ان کے لیے مہیا ہے لوکانوا یعلمون۔
ع ۳ ۱۰ ۱۷ اگر وہ اس بات کو خوب جانتے اور عمل کرتے تو ایمان لاتے مگر ان کو کب باور ہوتا تھا تمسخر ہی کرتے رہ گئے کہ بلا میں گرفتار ہو گئے

ان بیانات منافیہ اور فوائد متکاثرہ اور مناسب نفیسہ کے بیان کے بعد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیانات حد کمال کو پہنچ گئے فقال ولقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل کہ قرآن میں ان باتوں کو ہم نے خوب کھول دیا ہے۔ ہر ایک بیان کو مثال کی طرح واضح کر دیا ہے لعلھم یتذکرون تاکہ لوگ سمجھیں اور خوب غور کریں پھر

جو اس پر بھی نہ سمجھے تو یہ سمجھو کہ اس سے خدا ہی سمجھے گا وہ ازلی بدبخت ہے۔

اور جب کہ یہ بیان کیا کہ قرآن میں ایسے ایسے نفیس بیانات ہیں تو ضرور ہوا کہ کچھ اوصاف قرآن مجید کے بھی بیان کیے جاویں۔

فقال قرآنا عربیا کہ یہ کتاب قرآن ہے۔ یعنی پڑھا جاتا ہے۔ طبائع بشر یہ سلیمہ اس کی تلاوت سے لذت اٹھاتے ہیں اور عجب لطف پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو اس کے معنی بھی نہیں سمجھتے وہ بھی ایک کیفیت پاتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک یہ کتاب لوگوں کی زبان پر ہوگی سو ایسا ہی ہے برخلاف اور ادیان اور ان کی کتابوں کے۔

دوسری صفت یہ کہ عربیا عرب کی شیریں اور نہایت فصیح بولی چال میں اُتارا گیا ہے کسی اور ملک کی سخت اور پیچیدہ زبان میں نہیں جو زبان پر ثقیل ہو۔ اگرچہ ہر ملک کے لوگ اپنی زبان پر قادر ہوتے ہیں اور اسی کے کلمات ان پر سہل ہوتے ہیں مگر اس سے قطع نظر فی نفسہ بھی زبانوں میں تفاوت ہے کہ کوئی نہایت سلیس اور شیریں اور سہل الوصول ہوتی ہے اور کوئی لٹھ یا سنگِ خارا۔

تیسری صفت غیر ذی عوج کہ قرآن میں کوئی کجی نہیں، کوئی مضمون اور کوئی مطلب ایسا نہیں کہ جس سے طبیعت سلیمہ انکار کرے اور اس کو مستبعد جانے اور نہ الفاظ و عبارت میں کوئی کجی ہے۔ کتابِ الٰہی کے لیے یہ دونوں باتیں ضرور ہیں اور انہیں لحاظ سے کلام اپنے قائل کی شان بتایا کرتا ہے۔

لعلھم یتقون یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ لوگ خدا سے ڈریں تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کریں۔ پہلے یتذکرون فرمایا تھا کہ سمجھنے کے بعد تقویٰ حاصل ہوا کرتا ہے۔

منکرین پر آنے والی بلاؤں کے بیان کرنے کے بعد مناسب ہوا کہ کچھ ان کے طریقے کی بھی بُرائی بیان کرے کہ جس کے سبب ان پر یہ بلائیں دنیا و آخرت میں آنے والی ہیں۔

فقال ضرب اللہ مثلا رجلا فیہ شرکاء متشاکسون ورجلا سلما لرجل الخ کہ اللہ تعالیٰ تم سے ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص کے تو چند باہمی ضدی اور مساوی شریک ہیں۔ ان میں سے اگر ایک کسی کام کو کہتا ہے تو دوسرا اس کے برخلاف حکم دیتا ہے۔ یا ایک اس کے لیے کوئی چیز دینا چاہتا ہے تو دوسرا روک لیتا ہے۔ اور ایک شخص ایک ہی کا ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلا بڑی حیرانی و سرگردانی میں ہے۔ دوسرا نہیں۔ یہی حال مشرک کا ہے کہ جو کئی معبودوں کا بندہ بنا ہوا ہے۔ اور موحد ایک ہی معبود کو مانتا ہے۔ یعنی اللہ کو۔ یہ شرک اور مشرکوں کی برائی میں مثال بیان ہوئی ہے۔

الحمد للہ جب اور کوئی معبود نہیں تو سب انعامات و افضال جو بندے پر ہیں ایک ہی شخص کی طرف سے ہیں۔ یعنی اللہ کی طرف سے۔ پس جس کے انعام و نعماء ہیں وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور کوئی نہیں۔ پس اسی کی حمد اور اسی کا شکر کرنا چاہیے۔

بل اکثرھم لا یعلمون لیکن اکثر وہ مشرک اس بات کو جانتے نہیں۔

اور ممکن ہے کہ جس طرح مطالب ثابت کرنے کے بعد کلمات حمد و ثنا مستدل زبان پر اظہارِ مسرت کے لیے اور دشمنوں پر فتح یابی ظاہر کرنے کے لیے لایا کرتا ہے

اسی طرح الحمدللہ یہاں آیا ہو۔

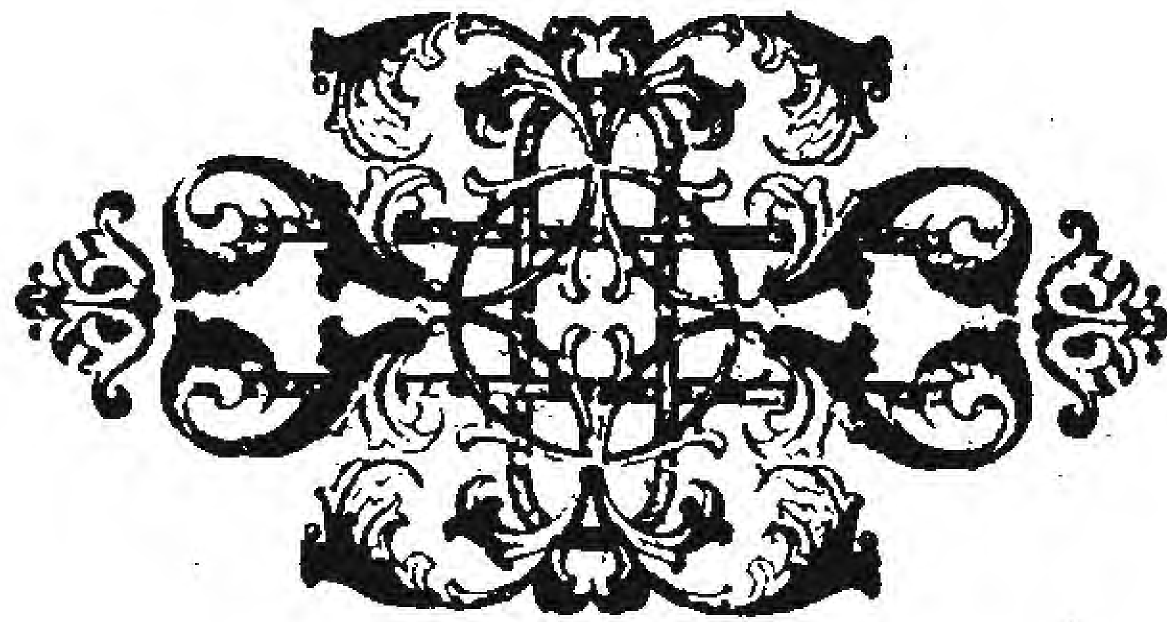
اِن بیانات کو تمام کر کے اللہ تعالیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور اطمینان دیتا ہے۔

فقال انک میت و انھم میتون کہ دنیا چند روزہ ہے۔ ایک روز اے نبی علیک السلام تجھے بھی مرنا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے۔ مر کر خدا تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔

ثم انکم یوم القیمۃ عند ربکم تختصمون پھر تم وہاں اللہ کے پاس جھگڑو گے۔ حق و باطل وہاں ظاہر ہو جاوے گا۔ گو اب دنیا میں یہ انکار کرتے ہیں اور دلائلِ حقہ میں غور نہیں کرتے، نہ کریں مرنے کے بعد سب حال معلوم ہو جاوے گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو مرنے کا لفظ اطلاق ہوا حالانکہ آپؐ شہیدوں سے رتبے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور شہیدوں کی نسبت فرمایا تھا ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کہ ان کو مردہ نہ سمجھ بل احیاء بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور اپنے رب کے پاس روزی کھایا کرتے ہیں۔ ان دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ کس لیے کہ وہ حیات اور ہے جس کو حیاتِ ابدی کہنا چاہیے۔ اور یہ موت عرفی ہے جسم سے روح کی مفارقت۔ اس مسئلہ کی ہم اس آیت کی تفسیر میں تشریح کر چکے ہیں۔

الحمدللہ کہ تیئیسویں پارے کی تفسیر تمام ہوئی۔



تفسیر حقانی

پارہ ۲۴

فَمَنْ اَظْلَمُ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ
پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا کہ جس نے اللہ پر جھوٹ بولا

وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ
اور سچی بات کو جب اس کے پاس پہنچی جھٹلا دیا

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾
کیا دوزخ میں منکروں کا ٹھکانا نہیں ؟

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
اور جو سچی[ا] بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچا

بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ
جانا وہی پرہیزگار ہیں ان کے لیے

مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ
جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہوگا یہ

جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ ج صلے لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ
بدلہ ہے نیک بختوں کا تاکہ اللہ ان کے

عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ
بُرے عملوں کو ان سے مٹا دے اور ان کو اُن

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾
اچھے کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے بدلہ دے۔

ترکیب

اذ جاء ظرف لكذب بالصدق اى كذب القرآن فى وقت مجيئه اى من غير تدبر و تفكر مثوى المقام من ثوى يثوى ثواء وثويا مثل مضى مضاء ومضيا اذا اقام به الذى جاء الموصول فى موضع رفع بالابتداء. اولئك الجملة خبره والمبتداء

[ا] ای من حق ۱۲ منہ

وان کان مفردا لفظا ولکنہ فی معنی الجمع لانہ یراد بہ الجنس لیکفر
اللام متعلقہ بمحذوف اسوأ اسم تفضیل وقیل بمعنی السیٔ و
یجزی معطوف علی یکفر باحسن اضافۃ الشئی الی بعضہ
للتوضیح۔

تفسیر

قیامت میں خصومت اور فیصلہ ہونے کا بیان فرما کر نیک و بد دونوں فریقوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ کون حق پر اور مستحق نجات و درجات ہے اور کون ناحق پر اور قابلِ عذاب ہے۔

فقال فمن اظلم ممن کذب کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم اور ناحق پرست ہے کہ جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ اس کے بیٹا ہے اور جورو ہے اور فرشتے اور جن بیٹیاں ہیں اور فلاں فلاں کو اس نے اپنے کارخانۂ قضا و قدر کا اختیار دے کر ان کی پرستش کی اجازت دی ہے یا فلاں باتیں حرام اور فلاں حلال کی ہیں حالانکہ اس نے ایسا حکم نہیں دیا (یہ مشرکوں کی عادت کا بیان ہے)۔

وکذب بالصدق اور سچی بات کو جھٹلاوے کتاب اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرے اور وہ بھی بے سوچے سمجھے جیسا کہ کفارِ مکہ کی عادت تھی یا اور جہلاء آباء و اجداد و رسم رواج کے بندے ایسا کرتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ جس کی یہ صفت ہے وہ ناحق پر ہے اس کی سزا جہنم ہے۔

الیس فی جھنم مثوی للکفرین استفہام کے طور پر سزا کا بیان کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ مخاطب کے نزدیک بھی ایسے نالائقوں کے جہنمی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ گویا ان کے منہ سے اقرار کرا دیا۔ الزام اس کو کہتے ہیں۔

والذی جاء بالصدق الخ یہاں سے دوسرے فریق یعنی اہلِ حق کا بیان کرتا ہے کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ انہیں اوصاف کا ذکر کر کے کہ جن کی بابت منکرین کو کلام تھا۔ کہ جو حق بات لایا اور حق کی تصدیق کی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں ان الفاظ میں خاص خاص شخصوں کی طرف اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں جاء بالصدق سے مراد نبی علیہ السلام ہیں کہ وہ حق بات دینِ اسلام اور قرآن دنیا میں خدا کی طرف سے لائے وصدق بہ سے مراد ابوبکرؓ یا تمام اہلِ اسلام یا حضرت علیؓ ہیں۔ مگر صحیح تر یہی ہے کہ آیت عام ہے گو اس میں یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ داخل ہیں بلکہ جو کوئی کلمۂ توحید کی طرف بلاوے اور احکام الٰہی بتاوے اور جو کوئی اس کو قبول کرے۔

اولئك هم المتقون وہی لوگ پرہیزگار خداترس ہیں۔ یہ صاف صاف ان کے اہلِ حق ہونے کی شہادت دی گئی۔ اور اس طرح پر کہ جس کو ہر صاحبِ طبع سلیم مان سکتا ہے۔ آیت میں صرف اعتقادیات کی درستی پر متقی ہونے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس میں عملیات بھی داخل ہیں کس لیے کہ کامل تصدیق اور پورا حق کا لانا بغیر اس کے نہیں کہ ان باتوں پر عمل بھی کرے۔

لهم ما يشاءون الخ یہ ان کی جزا بیان ہوتی ہے جو مرنے کے بعد ملے گی کہ وہ جو چاہیں گے پاویں گے۔ اس میں سب چیزیں آگئیں۔

ذلك جزاء المحسنين یہ بدلہ ہے نیکوں کا۔ اور یہ بدلہ اس لیے دیا کہ لیکفر اللہ اللہ ان سے جو کچھ بشریت سے خطائیں ہوگئیں معاف کرے۔ اور لفظ اسوأ اشارہ کرتا ہے کہ بڑے گناہ بھی معاف کر دے گا اور ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دے گا ان کو برباد نہ کرے گا۔ یہ قطعی فیصلہ سنا دے گا۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ وَيُخَوِّفُونَكَ

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں اور آپ کو ان معبودوں سے ڈراتے

بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ

ہیں جو اللہ کے سوا ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ
پھر اس کے لیے کوئی بھی ہدایت کرنے والا نہیں اور جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے
فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ
پھر اس کے لیے کوئی بھی گمراہ کرنے والا نہیں کیا اللہ زبردست
ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ
بدلہ لینے والا نہیں ؟ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ
مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ
کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ
اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ
اللہ نے کہو بھلا دیکھو تو سہی جن کو کہ تم اللہ کے سوا
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ
پکارا کرتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے
هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ
تو کیا وہ اس کی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا وہ مجھ پر
بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ
مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں
قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ
کہو مجھ کو اللہ کافی ہے اسی پر توکل کرنے والے
الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا
توکل کیا کرتے ہیں کہو اے قوم تم
عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ
اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ میں بھی کر رہا ہوں پھر تم کو
تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ
آپ معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے اس کے رسوا
يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾
کرنے کو اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔

تفسیر

کفارِ مکہ کا اپنے معبودوں کی نسبت اعتقاد بڑھا ہوا تھا ان کو نافع وضار جانتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ جو ان کو نہیں مانتا اس کو برباد کر دیں گے۔ عامہ ہنود کا بھی کالی بھوانی وغیرہما کی نسبت اب تک یہی اعتقاد ہے اس لیے وہ اپنے معبودوں کی برائی سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا کرتے تھے۔ چنانچہ عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے حضرتؐ سے کہا تھا یا تو ہمارے معبودوں کی برائی سے باز آؤ، ورنہ ہم ان سے کہہ دیں گے وہ تم کو سڑی کر دیں گے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ اس خیال کے غلط کرنے کو اول اپنی مدد اور حمایت کا بھروسہ دلاتا ہے فقال الیس اللّٰہ بکاف عبدہٗ کہ کیا خدا اپنے بندے کی مدد کو کافی نہیں؟ یعنی کافی ہے ہر مہمات اور ہر بات ہیں وہی بس کرتا ہے اس پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اس کے بعد ان کی تخویف کا ذکر کرتا ہے۔ فقال ویخوفونک بالذین من دونہ کہ اے نبی تجھ کو اللہ کے سوا اور معبودوں سے ڈراتے ہیں۔ حالاں کہ یہ ڈرانا ان کی گمراہی اور خیالاتِ فاسدہ کا نتیجہ ہے جو خدا کی تقدیرِ ازلی سے ان کو دی گئی ہے۔ اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ ومن یضلل اللّٰہ فما لہ من ھاد کہ ان کو خدا نے گمراہ کر دیا ہے پھر کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور اہلِ ایمان کو اللہ نے ہدایت دی ہے وہ اپنے حقیقی معبود پر بھروسہ رکھتے ہیں اس کو نافع وضار سمجھتے ہیں ومن یھد اللّٰہ فما لہ من مضل اور اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کون گمراہ کر سکتا ہے۔

الیس اللّٰہ بعزیز ذی انتقام کیا اللہ زبردست

بدلہ لینے والا نہیں ہے؟ کیوں نہیں پھر اس کے دوستوں کو کوئی کیا تکلیف دے سکتا ہے۔ وہ انہیں کو غارت کر دے گا۔

اس کے بعد ان کے اس اعتقادِ فاسد کی خرابی بیان کرتا ہے۔ فقال ولئن سالتھم من خلق السموٰت والارض الخ کہ اگر تو اے نبی یا اے مخاطب! ان سے یہ پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا تو وہ کہیں گے اللہ نے۔ (یہ اس لیے کہ اس بات کا علم ان کی فطرت میں تھا) اس بات سے ان کو سمجھایا گیا ہے کہ جب اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہو تو اس کے سوا اور کون ہے جو نفع و نقصان دے سکے۔ پھر ان سے کیوں ڈرتے اور نبی کو کیوں ڈراتے ہو۔؟

دوسری دلیل اس بات پر ان کے روزمرہ کے حالات سے بیان فرماتا ہے قل افرایتم ماتدعون الخ کہ ان سے یہ پوچھ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے کوئی ضرر دینا چاہے تو تمہارے معبودوں میں سے وہ کون ہے جو اُس کو دور کر دے گا؟ کس لیے کہ وہ سب پر غالب اور سب پر اسی کا حکم نافذ ہے۔ یا وہ مجھے کوئی بھلائی دینی چاہے تو کون اس کو روک سکتا ہے۔

حجت تمام کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ قل حسبی اللہ کہہ دے مجھے اللہ بس کرتا ہے علیہ یتوکل المتوکلون اسی پر توکّل کرنے والے توکل یعنی بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں۔ توکل اللہ پر بھروسہ کرنا اسی کو کارساز جاننا۔ عام ہے کہ اسباب کو عمل میں لایا جاوے یا نہیں۔

اس کے بعد قوم کو آیندہ آنے والی مصیبت سے متنبہ کرتا ہے قل یقوم الخ کہہ دو اے قوم اپنی جگہ پر جو کرتے ہو کرو میں بھی جو کرتا ہوں کر رہا ہوں۔ تم کو ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ کس پر دنیا میں رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے۔ (چنانچہ کفار پر قحط اور بدر کا واقعہ آیا) اور کس پر مرنے کے بعد

ع ۱۰

عذاب دائمی اُترتا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ
ہم نے آپ پر لوگوں کے لیے برحق کتاب نازل
بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ
کی ہے　پھر جو کوئی راہ پر آیا تو اپنے بھلے کے لیے اور
مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ
جو کوئی گمراہ ہوا تو وہ صرف اپنے خرابی کے لیے گمراہ ہوتا ہے　اور
مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٤﴾
اے رسول آپ کچھ ان کے ذمہ دار نہیں۔

ترکیب

للناس متعلق بانزلنا۔ بالحق حال من الفاعل اوالمفعول بہ ای متلبسا بالحق۔ فمن شرطیہ وجوابہ فلنفسہ ومن موصولۃ مبتدء فانما یضل الجملۃ خبر۔ وما انت جملۃ مستانفۃ ویمکن ان یکون حالا من فاعل یضل۔

تفسیر

پچھلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے مشرکین کے مذہب کو کبھی تو دلائل و بیّنات سے باطل کیا کبھی امثال بیان کر کے اس کی خرابی ظاہر فرمائی اور کبھی دنیا و آخرت میں بلائیں اور عذاب کی سزا سے ڈرایا۔ مگر اس پر بھی وہ کور باطن نہ مانتے تھے اور نبی کو ہمدردی کا جوش جو ان کو جہنم میں گرتے دیکھتا تھا اور آپ کو سخت رنج ہوتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ اس آیت میں آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ فقال انا انزلنا الخ کہ ہم نے اے نبی! آپ پر لوگوں کی رہنمائی

کے لیے دنیا میں کتاب نازل کر دی ہے۔ یعنی قرآن مجید جو سعادت و شقاوت بیان کرنے میں صاف صاف ہے اور جمیع ضروریات کے لیے دستور العمل آسمانی ہے۔ اور قرآن بھی کیسا نازل کیا بالحق سچائی اور خوبی کے ساتھ کہ ہر عقل مند غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور تمام اگلے نوشتوں کا لب لباب ہے۔ اب اس کے بعد جو کوئی رستے پر آوے اور نیک روی اختیار کرے تو اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو کوئی نہ مانے گمراہی اور کج روی اختیار کرے تو اپنے لیے، آپ برباد ہوگا۔

وما انت علیھم بوکیل اور اے نبی! آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں آپ کا کام صرف تبلیغ ہے سو آپ بخوبی کر چکے اور کر رہے ہیں۔ اسی قسم کے مضامین اور کئی جگہ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ فلعلك باخع نفسك علی اثارھم ان لم یؤمنوا۔ وقال لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین وقال فلا تذھب نفسك علیھم حسرات۔

ف بعض مفسرین کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے آیت سیف سے۔ کیوں کہ آیت سیف میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ جب تک لوگ توحید و رسالت کا اقرار نہ کریں۔ یعنی دنیا میں آسمانی سلطنت قائم کر لیں تلوار سے کام لیں۔ یعنی حقوق الٰہی کا مطالبہ بالجبر کریں۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں پھر خواہ مخواہ نسخ کا قائل ہونا ایک بے کار خیال ہے کس لیے کہ آیت سیف میں قتال کا حکم بجائے خود ہے اور یہاں اس کی ممانعت نہیں صرف آپ کی تسلی ہے اور ان کی بدبختی کا اظہار ہے۔

پہلے آیا تھا ومن یضلل اللہ فما لہ من مضل جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے۔ اور یہاں آیا ہے جو کوئی آپ گمراہ ہوتا ہے۔ اس کا جواب ہم کئی جگہ مفصلاً دے چکے ہیں کہ اللہ کی طرف ہدایت و ضلالت کی نسبت کرنا باعتبار حکم ازلی و نوشتہ قضا و قدر کے ہے اور بندے کی طرف اس کے کسب اور اسباب ہدایت و ضلالت عمل میں لانے کی وجہ سے۔ اور اسی طرح ہدایت و ضلالت کبھی اس کے اسباب کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں قرآن یا نبی یا فلاں عالم نے ہدایت دی۔ شیطان یا فلاں ملحد و کافر نے گمراہ کر دیا۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ
اللہ ہی موت کے وقت روحوں کو قبضہ میں کر لیتا ہے　اور

الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
جو مرتے نہیں ان کی روحوں کو خواب میں قبضہ میں کر لیتا ہے　پھر جن پر موت کا حکم

الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ
ہو چکتا ہے تو ان کو روک رکھتا　ہے　اور دوسروں کو

الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ
چھوڑ دیتا ہے　ایک مقرر وقت تک　بے شک اس

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾
میں　غور کرنے والوں کے لیے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں۔

تفسیر

ہدایت کو حیات سے مشابہت ہے اور گمراہی کو موت سے۔ اب اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حکم قضا و قدر کے ہاتھ میں ہدایت و ضلالت ہے جیسا کہ موت و حیات۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نفوس کو موت کے وقت ورنہ خواب کے وقت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر جس کو چاہتا ہے بیدار کرتا ہے حیات دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سونے ہی میں موت دیتا ہے۔ اسی طرح ہدایت بھی اسی کے قبضہ میں ہے اس لیے ان آیات میں اللہ یتوفی الانفس فرمایا۔ یا یوں کہو جس طرح اور دلائل سے اپنی خداوندی و

جبروت کا ثبوت کیا تھا اس جگہ انسان کی روزمرہ حالتِ خواب و بیداری سے اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت کرتا ہے اور اس میں حشر و نشر کا نمونہ اور دنیا کا خواب و خیال ہونا بتلاتا ہے۔

فقال اللہ یتوفی الانفس حین موتھا کہ موت کے وقت اللہ ہی روحوں کو قبض کرتا ہے اور بدن سے نکالتا ہے۔

والتی لم تمت اور جو مرے نہیں ان کو فی منامھا ان کے خواب کے وقت قبض کرتا ہے تصرفِ ظاہری نہیں کرنے پاتے کھانا پینا دیکھنا چلنا لینا دینا کچھ ان سے نہیں ہوتا مردے کی طرح پڑے رہتے ہیں۔

فیمسک التی قضی علیھا الموت پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے ان کو روک لیتا ہے پھر اس بدن کی طرف دنیا میں آنے نہیں پاتے۔

ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمًّی اور دوسروں کو (یعنی جن کو خواب میں قبض کیا تھا) ایک وقتِ معین تک چھوڑتا ہے یعنی بدن سے تصرفات کرنے لگتے ہیں بیدار ہو کر وقتِ خاص تک یعنی موت تک۔

واضح ہو کہ نفسِ انسانی ایک جوہر نورانی روحانی ہے جب اس کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام بدن کے اجزا میں پھیلتی ہے اور اس کو زندگی یا حیات کہتے ہیں۔ اور جب اس کا بدن سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے ظاہر اور باطن سے تو وہ نورانیت جمیع اجزاء بدن سے منقطع ہو جاتی ہے اس کو موت کہتے ہیں اور خواب کے وقت اس کی روشنی صرف ظاہر بدن سے منقطع ہو جاتی ہے مگر باطن میں رہتی ہے۔ صرف موت اور خواب میں اتنا فرق ہے کہ موت میں انقطاع کلّی ہو جاتا ہے اور خواب میں انقطاعِ ناقص ہوتا ہے بعض وجوہ سے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ سویا مرا برابر ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس قادر عالم حکیم نے نفس کا بدن کے ساتھ تین طرح پر تعلق قائم کیا ہے۔

(۱) یہ کہ اس کی روشنی ظاہر و باطن میں برابر پہنچے اس کو بیداری کہتے ہیں۔

(۲) یہ کہ صرف ظاہر میں بعض وجوہ سے روشنی نہ ہو اس کو نوم یا خواب کہتے ہیں۔

(۳) یہ کہ اس کی روشنی بالکل منقطع ہو جاوے اس کو موت کہتے ہیں۔

اور ایسی تدبیرِ عجیب کا صدور بجز قادر علیم حکیم کے اور سے ناممکن ہے اور یہی مراد ہے اس قول سے ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون پس ایسے کی پرستش کرنی چاہیے نہ اس کی کہ جو خود بے حس و بے قدرت ہو۔

لاٰیٰت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ شب کو سناٹا ہو جاتا ہے گویا تمام شہر مرگیا جدھر دیکھو سنسان ہے صبح کو صبحِ حشر کی طرح پھر وہی ہا، وہو، شور ہو جاتا ہے۔ اور نیز اس طرف بھی کہ انسان اپنے مرنے کے وقت کو ایسا سمجھے کہ جیسا خواب میں باتیں کرتے کرتے آنکھ بند ہو جاتی ہے اسی طرح جن اشغال میں ہوتا ہے انہیں میں موت آجاتی ہے۔ اور نیز احادیثِ صحیحہ میں اُن دعاؤں کا پڑھنا آیا ہے جو اس کی موت کو یاد دلاتے ہیں۔ اور توبہ و استغفار بھی ضروری ہے اور اس طرف بھی کہ یہ زندگی ایک خواب سا ہے ؎

وائے محرومی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ

کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں؟

ل اور کبھی مجازاً یہ توفی ملائکہ کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے جیسا قل یتوفّٰکم ملک الموت۔ کیوں کہ یہ تدبیر و تصرفِ عالم کے لیے موکل ہیں اس علاقہ سے ان کی طرف اسناد مجازی ہوا ۱۲ منہ

قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا

کہو اگر وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں

وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ

اور کچھ بھی عقل نہ رکھتے ہوں تو بھی (حمایتی بناؤگے) کہو ہر طرح کی حمایت اللہ ہی کے

جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اختیار میں ہے اس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

پھر تم اسی کے پاس لوٹا کر لائے جاؤ گے اور جب اکیلے اللہ کا نام

وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ

لیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ

ان کے دل بھچنے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا

الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہو اے اللہ آسمانوں اور زمین کے بنانے والے

عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

چھپے اور کھلے کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کی

بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

ان باتوں کا کہ جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں فیصلہ کرے گا

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ

اور اگر ظالموں کے پاس جو کچھ زمین میں ہے

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ

سب ہو اور اسی قدر اس کے ساتھ اور بھی ہو تو قیامت کے برے

مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَ

عذاب کے معاوضہ میں دے کر چھوٹنا چاہیں گے اور

بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا

اللہ کی طرف سے ان کو وہ پیش آئے گا کہ جس کا ان کو

يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ

گمان بھی نہ تھا اور برے کاموں کی برائی ان پر

مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

ظاہر ہو جاوے گی اور ان کو وہ عذاب کہ جس پر وہ ہنسی

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

کیا کرتے تھے پکڑے گا۔

ترکیب

ام منقطعة بمعنی بل۔ اولو کان الهمزة للانکار والواو للعطف علی محذوف مقدر ای یشفعون ولو کانوا الخ وجواب لو وان کانوا بهذه الصفة تتخذونهم۔ جمیعًا حال من الشفاعة والشفاعة مصدر یطلق علی الواحد والکثیر ولهذا صح وقوع الحال بجمیع منه وحده انتصابه علی الحال عند یونس وعلی المصدر عند الخلیل وسیبویه اشمازت الاشمئزاز النفور والانقباض فاطر السموٰت منصوب علی النداء. عٰلم الغیب بدل منه او صفة للذین خبر ان ما فی الارض اسمها جمیعًا حال منه ومثله معطوف علی ما ولذا انتصب لافتدا وجواب لو۔

تفسیر

بیانِ سابق کے بعد مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو یا وہ کہ جن کے نام کے بت ہیں خدا اور خالق و مالک سمجھ کر نہیں پوجتے بلکہ ان کو شفیع اور کارکن جان کر اور اکثر مشرکوں کا مخلوق پرستی کے لیے یہی حیلہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے ام اتخذوا من دون اللّٰہ شفعاء الخ کہ کیا ان کو شفیع سمجھ لیا ہے۔ کہہ اگر وہ ذی روح ہیں تو لا یملکون شیئًا

ان کے بس میں کچھ بھی نہیں۔ اس کی اجازت بغیر کوئی کچھ بول بھی نہیں سکتا۔ اور اگر وہ بت ہیں تو لا یعقلون وہ بے حس وحرکت و بے عقل ہیں اور ہر قسم کی شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اور حمایت بھی اسی کے بس میں ہے۔ اسی کے بس میں اور قبضہ اور ملک میں آسمان و زمین ہے اور سب کو اسی کے پاس جانا ہے پھر اسی کو پکارو پوجو۔

واذا ذکر اللّٰہ وحدہٗ یہ مشرکوں کی بدعادت اور بے انصافی کا بیان ہے کہ جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت کے منکر بھنچتے ہیں اور رُکتے ہیں اور جب اوروں کا یعنی ان کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت خوش ہوجاتے ہیں۔ ان کے اس اصرار و جہل پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معاملہ خدا کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔ دعا اور اس کے اوصاف حمیدہ کے پیرایہ میں۔

فقال قل اللّٰھم فاطر السمٰوٰت کہ کہہ دے اے اللہ! تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے دلوں کے راز تجھ پر آشکارا ہیں۔ آج جس بات میں تیرے بندے جھگڑتے ہیں ان کا تو فیصلہ کر دے گا کہ موحد برحق ہے یا مشرک اس میں بھی مخالف کے دل پر اپنا وثوق جتلانے کے ذریعہ سے بڑا اثر ہوتا ہے۔ آخرت کے فیصلہ کا حوالہ دینے کے بعد وہاں جو کچھ ان پر پیش آوے گا اس کا ذکر کرتا ہے۔

ولو ان للذین الخ کہ ظالموں کے پاس اگر تمام دنیا کی نعمتیں ہوں اور ان کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوں تو ان سب کو دے کر عذاب قیامت سے چھٹنا غنیمت جانیں گے۔

وبدا لھم الخ اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے وہ مصیبت ظاہر ہوگی کہ جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

وبدا لھم سیئات الخ اور ان کی حرکات ناشائستہ کی برائی ان کے پیش آوے گی۔ اور جس عذاب جہنم اور آخرت

کے معاملات پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہوگا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ
پھر جب آدمی پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر
اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ
جب ہم اس کو اپنی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو
اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّ
مجھ کو میری عقل سے ملی ہے بلکہ یہ نعمت آزمائش ہے و
لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۴۹)
لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں
قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ
یہی بات ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہی تھی پھر جو کچھ
اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۵۰)
وہ کیا کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آیا
فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ط
پھر اُن پر اُن کے اعمال کی برائی آپڑی
وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ
اور جو ان لوگوں میں سے ظالم ہیں
سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا
ان پر بھی ابھی ان کے اعمال کی برائی آپڑتی ہے
وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (۵۱) اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا
اور وہ ہم کو کچھ بھی ہرا نہ سکیں گے کیا وہ نہیں جانتے
اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَ
کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے)
۵ ع ۱۱ ۲ يَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۵۲)
تنگ کرتا ہے بے شک اس میں ایمان داروں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

ترکیب

نعمۃ نصبہا علی الحال ای نعمۃ کائنۃ منا اوتیتہ الضمیر یرجع الی النعمۃ وہی مؤنث لفظا ولکن یراد بہا الشئ ہذا علی ان تکون ما فی انما کافۃ وعلی علم حال من المرفوع او المنصوب وان جعلت ما موصولۃ فالضمیر الی ما الموصولۃ وعلی علم خبرہ قد قالہا الضمیر الی الجملۃ وہی قولہ انما الخ۔

تفسیر

یہاں سے مشرکین کی ایک اور عادت بیان فرماتا ہے فقال فاذا مس الانسان الخ کہ جب ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے بیماری یا رزق کی تنگی وغیرہ تو خدائے تعالیٰ کو پکارتا ہے اور جب خدا اس پر فضل کرتا ہے اور راحت آسائش دیتا ہے تو اس کو اپنی دانائی یا تدابیر اور کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے۔

فرماتا ہے بل ھی فتنۃ بلکہ یہ اس کے حق میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے لیکن اکثر جانتے نہیں۔

فرماتا ہے قد قالھا الذین الخ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے لوگ بھی جو نعمت دیے گئے تھے اور خدا تعالیٰ سے تکبر کرتے اور ناشکری میں مبتلا تھے ایسا کہہ چکے ہیں قارون فرعون وغیرہ۔

فما اغنی عنھم پھر ان پر ان کی ناشکری سے بلا نازل ہوئی جس کا دفعیہ ان کی تدبیر و دانش کہ جس کی طرف وہ نعمت کو منسوب کیا کرتے تھے کچھ بھی نہ کر سکی۔

آخر فاصابھم سیات ما کسبوا ان کے بدکام کا برا نتیجہ ان کے سامنے آیا نہ وہ رہے اور نہ ان کا ملک و مال نہ جاہ و سلطنت برے کام اور بدکاری مصیبتوں کے لباس میں پیش آئی ان کی سب تدبیریں الٹ گئیں۔

اور زمانہ حال کے لوگ یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان پہلے لوگوں کے لیے ہوا اور ان کے قصوں کو افسانے سمجھ کر غافل ہو جاویں۔

بلکہ والذین ظلموا من ھؤلاء ان میں سے جو بدکار ستمگار ہیں ان پر بھی ان کے اعمال بد کا برا اثر پڑے گا اور ان کا کوئی زور نہ چلے گا۔

انسان جو کام کرتا ہے اس کا ضرور ایک اثر ہوتا ہے۔ خواہ نیک خواہ بد۔ اگر اس نے بدکام کو توبہ و ندامت و استغفار کے صابن سے نہ دھویا، یا اس کی مکافات میں کوئی عمدہ اور خدا پسند کام نہیں کیا جو اس برے کام کے اثر کو روکے تو ضرور اس پر اس کام کا برا نتیجہ کسی مصیبت کی شکل میں ظہور کرے گا، کسی قدر دنیا میں اور زیادہ تر آخرت میں یہ بڑی مجرب بات ہے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں۔

اولم یعلموا یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ ناسپاس جو اس نعمت کو جو در اصل ان کے حق میں فتنہ ہے اپنی تدبیر اور دانش کا نتیجہ اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث جانتے ہیں غلط خیال ہے۔ کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ رزق و دولت کی کشایش ان باتوں پر موقوف نہیں ہے۔ بہت سے عاقل اور صاحب کمالات اور بہت سے باخدا دنیا میں عسرت کے ساتھ زندگی بسر کر گئے ہیں اور بہت سے حمقاء اور بے علموں اور بدکاروں کو مال و دولت و سلطنت و ثروت دی گئی ہے۔ ؎

اگر روزی بدانش بر فزودے
ز ناداں تنگ تر روزی نبودے

اس میں ایمان داروں کے لیے اس کی قدرت کے بڑے نشان ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى
(اے نبی میری طرف سے) کہہ دے کہ اے میرے گناہ گار

اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
بندو! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ

اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ

کیوں کہ اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے بے شک

ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیۡبُوۡۤا

وہ بڑا معاف کرنے والا (اور) مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف

اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَہٗ مِنۡ قَبۡلِ

رجوع کرو اور اس کی اس سے پہلے فرماں برداری کرو

اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا

کہ تم پر عذاب آجاوے پھر تمہاری

تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ

مدد نہ کی جاوے اور اس عمدہ بات پر چلو جو

اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ مِّنۡ

تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے اُس دن سے

قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَۃً

پہلے کہ تم پر یکایک عذاب آجاوے

وَّ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ اَنۡ تَقُوۡلَ

اور تم کو خبر بھی نہ ہو (یہ اس لیے کہ کل) کوئی نہ کہنے کہ

نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ

ہائے افسوس میں نے اللہ کی طرف سے

جَنۡۢبِ اللّٰہِ وَ اِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ

بڑی کوتاہی کی اور میں تو ہنسی ہی

السّٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰہَ

کرتا رہ گیا یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ

ہَدٰىنِیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۵۷﴾

مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگار ہو جاتا

اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَی الۡعَذَابَ لَوۡ

یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہنے لگے اے کاش

اَنَّ لِیۡ کَرَّۃً فَاَکُوۡنَ مِنَ

مجھے بار دیگر دنیا میں بھیجا جائے تو پھر میں بھی

الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰی قَدۡ جَآءَتۡکَ

نیک ہو جاؤں۔ (جواب ملے گا) ہاں تیرے پاس میری

اٰیٰتِیۡ فَکَذَّبۡتَ بِہَا وَ اسۡتَکۡبَرۡتَ

آیتیں آئیں پھر تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا

وَ کُنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۹﴾

اور منکر ہو گیا

ترکیب

ان تقول۔ مفعول لہ ای کراہۃ ان تقول۔ وقال الکوفیون۔ لئلا تقول۔ حسرتی الالف مبدل من یاء المتکلم۔ وان کنت ان مخففۃ من الثقیلۃ ای انی۔

تفسیر

وعید کے بعد اپنے بندوں سے مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی عادت ہے۔

فقال قل یعبادی الذین اسرفوا الخ کہ اے محمدؐ! میرے اِن بندوں سے کہہ دے کہ جنہوں نے اپنے لیے زیادتی کی ہے یعنی گناہ کیے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوویں کیوں کہ وہ سب گناہ بخش دیتا ہے وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ اب کسی طرح سے ہمارے گناہوں کی خدائے تعالیٰ کے یہاں معافی ہی نہیں بلکہ وہ غفار ہے جو کوئی گناہ کر چکا صغیرہ یا کبیرہ کفر و شرک سب کو توبہ کے بعد وہ معاف کر دیتا ہے۔

بعض کہتے ہیں عبادی سے مراد ایماندار ہیں ان کے

گناہوں کو خدا بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا۔ یا تو بالکل سزا نہ دے نہ دنیا میں نہ آخرت میں یا کچھ سزا دے کر پھر گناہوں سے مراد کبائر ہیں۔

بخاری نے روایت کیا ہے کہ چند مشرکوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم نے زنا و قتل کیا اور بہت کچھ کیا پھر تیرے دین کو اختیار کر لیتے اگر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوتا تب یہ آیت والذین لایدعون الخ اور یہ آیت قل یعبادی الخ نازل ہوئی۔

اس لیے اس کے بعد ان کو خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور فرماں بردار ہونے کا حکم ہوتا ہے۔

وانیبوا الیٰ ربکم الخ کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کا حکم مانو عذاب آنے سے پہلے اور قرآن کی عمدہ باتوں اور احکام محکمہ پر چلو اس دن سے پہلے کہ
دفعۃً تم پر عذاب آجاوے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اور پھر ع ٦ (١١) ٣
حسرت و ندامت کرنے لگو کہ افسوس ہیں نے اللہ کی طرف سے بڑی کوتاہی کی اور میں تمسخر ہی کرتا رہا (الجنب والجانب بمعنی جہۃ الشئ واطلاقہ علی الطاعۃ مجاز) یا یہ کہنے لگے کہ اگر مجھے اللہ ہدایت کرتا تو پرہیزگار ہو جاتا یا قیامت کے دن اور مرنے کے بعد عذاب دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر مجھے بارِ دگر دنیا میں بھیجا جائے تو نیکی کروں اور اس کے جواب میں اس کو یہ کہا جائے بلیٰ قد جاءتک الخ کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو نے ان کو جھٹلایا اور سرکشی کی اور انکار کیا کفر بکا اب تیرا کوئی عذر مسموع نہیں نہ تجھ کو کوئی عذر کرنے کی جا ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا

اور (اے مخاطب) جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے ہیں

عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ۚ أَلَيْسَ

تو ان کو قیامت کے دن روسیاہ دیکھے گا کیا جہنم میں

فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾

غرور کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں ؟

وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ

اور اللہ ان کی پرہیزگاری کے سبب نجات دے گا

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦١﴾

کہ کوئی ان کو تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا

شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٦٢﴾ لَّهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ

نگہبان ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے

وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

ہاتھ میں ہیں اور جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہوئے

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٣﴾ (ع)

وہی نقصان میں پڑے ہیں۔

ترکیب

وجوههم مبتدء مسودة خبر والجملة فی موضع الحال۔ ہذا قول الاخفش ہذا علی تقدیر ان تکون تری من الرؤیۃ ابصریۃ وان کانت قلبیۃ فہی مفعول ثان۔ بمفازتہم قرء الجمہور علی الافراد قال المبرد والمفازۃ مفعلۃ من الفوز وہو السعادۃ، مصدر میمی من الفوز وہو الظفر وقری بمفازاتہم جمع مفازۃ کسعادۃ وسعادات لاعتبار الانواع والمعنی ینجیہم بفوزہم ای بنجاتہم من النار وفوزہم بالجنۃ لایمسہم الجملۃ مفسرۃ بمفازتہم او منصوبۃ علی الحال من الذین اتقوا لہ مقالید جملۃ مستانفۃ قال الجوہری الاقلید المفتاح والمقالید جمع وقیل لا واحد لہ۔

تفسیر

یہ ان کی ایک اور سزا بیان فرماتا ہے ویوم القیامۃ الخ کہ اللہ پر جھوٹ بولنے والوں کا قیامت میں منہ سیاہ ہوگا۔ کذب کہتے ہیں خلافِ واقع کوئی خبر دینا۔ بعض کہتے ہیں اس میں یہ بھی شرط ہے کہ قصداً ہو۔ اللہ پر جھوٹ بولنے سے مراد خدا کی مرضی اور اصل واقعہ کے برخلاف اس کی نسبت کوئی خبر دینا کہ اس کے بیٹا ہے یا جورو ہے یا اس نے فلاں چیز حلال فلاں حرام کی ہے حالانکہ ایسا نہیں کیا۔ جیسا کہ اہلِ ادیانِ باطلہ و مشرکین کہا کرتے تھے اور کہتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے الیس فی جھنم الخ کہ روسیاہی پر بس نہیں بلکہ ان کا جہنم ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے وینجی اللہ الخ کہ پرہیزگاروں کو اللہ ان کی فلاح کاری اور سعادت کے سبب نجات دے گا کہ لا یمسھم السوء کہ نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ان کو کوئی رنج و غم پیش آئے گا ہمیشہ شاداں و فرحاں رہیں گے۔ اتقوا سے مراد شرک و معاصی سے بچنے والے جو شرک و کبائر سے بچے متقی ہے اور جو صغائر سے بھی بچے وہ تو کامل متقی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس جگہ پر صرف اللہ پر جھوٹ بولنے سے بچنا مراد ہے مشرکین بڑا اللہ پر جھوٹ یہ بولتے تھے کہ اس کے بیٹا اور بیوی ہے اور فلاں فلاں اس کے کارخانۂ قدرت کے مختار ہیں۔ اس لیے اس خیال کے رد کرنے کے لیے فرماتا ہے اللہ خالق کل شیء کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور بیٹے جورو و مالک و مختار اس کے پیدا کیے نہیں ہوتے کہ جس کے وہ بیٹے یا جورو یا مختار ہیں۔ پھر اگر وہ اللہ کے پیدا کیے ہیں تو بیٹے جورو نہیں اور اگر از خود پیدا ہوئے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیوں کہ پھر تو وہ برابر کے خدا ہیں بیٹا اور جورو اور مختار بن کر کم مرتبہ ہونے کی کیا وجہ؟ اور نہیں تو بتلاؤ کہ وہ اور کون ہے کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

سبحان اللہ کیا عمدہ دلیل ہے۔ اس آیت سے اہلِ سنت معتزلہ کے مقابلے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ بندے کے افعالِ نیک و بد کا بھی اللہ خالق ہے وہ کل شیء میں داخل ہیں ہاں بندہ کاسب ہے اور مباشر جو فی الجملہ اختیارِ خداداد کی وجہ سے سزا اور جزا کا مستوجب ٹھیرتا ہے۔ بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ بیٹے جورو تو نہیں پر اس نے اپنے سب معاملات ان کے سپرد کر دیے ہیں اور آپ کچھ نہیں کرتا۔ اس کے رد میں فرماتا ہے وھو علی کل شیء وکیل کہ سب کاروبار و ہر چیز اسی کی سپردگی میں ہے۔ بعض سمجھتے ہیں کہ ہماری روزی رزق ان کے ہاتھ ہے۔ اس کے رد میں فرماتا ہے:-

لہ مقالید السموٰت والارض کہ اسی کے ہاتھ آسمان اور زمین کی کنجیاں یا خزانے ہیں۔ مقالید کنایہ ہے تصرفات و تدبیر سے کہ سب رزق و روزی اور سب سامان اسی کے قبضہ میں ہیں۔

والذین کفروا۔ فرماتا ہے وہ جو آیاتِ الٰہیہ کے منکر ہیں اور ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے وہی نقصان میں ہیں دنیا میں حیرانی و تشویش اور مفت کی غلامی، آخرت میں عذاب ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا

کہو اے جاہلو! کیا مجھے اللہ کے سوا اور کی عبادت کرنے کا

الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ

حکم دیتے ہو؟ حالانکہ آپ کو بھی اور آپ سے پہلے ان (انبیاء)

اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ

کو بھی وحی کے ذریعہ سے مطلع کر دیا گیا ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا

لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ
تو ضرور آپ کے عمل برباد ہوجائیں گے اور آپ خسارہ میں
الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ
پڑ جاویں گے　بلکہ اللہ کی عبادت کیا کرو اور
كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمَا قَدَرُوا
شکر کرنے والوں میں ہوکر رہو　اور لوگوں نے اللہ کی قدر
اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا
نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنی چاہیے تھی　اور (وہ ایسا ہی ہے) کہ سب زمین
قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ
قیامت کے روز اس کی ایک مٹھی میں ہوگی　اور آسمان
مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى
اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے　وہ پاک　اور بلند ہے
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾
ان کے شرک کرنے سے

ترکیب

الاستفہام لانکار والفاء للعطف علی مقدر افغیر اللہ منصوب باعبد و تامرونی اعتراض ومعناہ افغیر اللہ اعبد بامرکم ۔ ویمکن ان یکون منصوبا بتامرونی واعبد بدلا منہ و التقدیر قل افتامرونی بعبادۃ غیر اللہ وہذا من بدل الاشتمال ومن باب امرتک الخیر و یجوز ان یکون منصوبا بالفعل محذوف ای افتلزمونی غیر اللہ وفسرہ ما بعدہ ۔ ولقد اللام دالۃ علی قسم مقدر لئن جواب القسم وہذا اللام ایضا دالۃ علی قسم ۔ لیحبطن ۔ ولتکونن وہاتان اللامان واقعۃ فی جواب القسم الثانی والثانی وجوابہ جواب الاول وجواب الشرط محذوف لدلالۃ جواب القسم علیہ والارض مبتدء وقبضتہ الخبر وجمیعا حال من الارض قبضتہ مقبوضۃ لہ ای فی ملکہ وتصرفہ والسموٰت لا مبتدء وخبر بیمینہ متعلق بالخبر و یجوز ان یکون حالا من الضمیر فی الخبر و ان یکون خبرا ثانیا۔

تفسیر

دلائل توحید بیان کرنے کے بعد بھی جب وہ ہٹ دھرم اپنی کج بحثی سے باز نہ آئے اور بت پرستی کو ترجیح دینے لگے تو اب اور طرح سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام کرنے کا حکم دیا۔

فقال قل افغیر اللہ تامرونی الخ کہ اے نادانو! کیا تم مجھے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم کرتے ہو۔ یعنی ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

اور پھر اس حکم کو مؤکد کرتا ہے ولقد اوحی الیک و الی الذین من قبلک الخ کہ اے محمدؐ! تیری طرف اور تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف ہم یہ حکم بھیج چکے ہیں کہ اگر تو اے محمدؐ! بالفرض یا تجھ سے پہلے انبیاء فرضاً شرک کریں تو ان کے نیک کام اکارت ہوجائیں اور بڑی بربادی میں پڑیں۔ یہ کلام جلالی اور شاہنشاہی رعب کے قاعدہ پر ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اگلے انبیاء سے شرک سرزد ہونا محال تھا کیوں کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں مگر مخاطب کے سنانے کو ایسا پُرزور حکم سنا دیا کہ یہ نکوہیدہ کام کسی کو بھی معاف نہیں۔

ؔ اخفش کہتے ہیں کلام عرب میں یمین کے معنی قدرت و قبضہ کے بھی آتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں اوما ملکت ایمانکم وقولہ لاخذنا منہ بالیمین ای بالقدرۃ و القوۃ ۔ والطی ضد النشر ۔ اور مراد اس سے فنا کرنا ہے۔ کہتے ہیں انطوی عنا ما کنا فیہ و جاءنا غیرہ انطوی عنا بمعنی المضی والذہاب ۱۲ منہ

بل اللہ فاعبد وکن من الشکرین بلکہ خاص اللہ کی عبادت کرو اور تمام نعماء اسی کی طرف سے سمجھ کر شکر کیا کرو۔

وماقدروا اللہ حق قدرہ اب پھر بندوں کی ناسپاسی کا شکوہ کرتا ہے کہ افسوس انہوں نے جیسا کہ اللہ کی قدر و منزلت عزت و عظمت کرنی چاہیے تھی ویسی نہ کی کہ اس کے سوا اس کی مخلوق کو بھی اس کے ساتھ ملانے اور نافع اور ضار سمجھنے لگے اور نالائق اوصاف سے اس کو متصف بنانے لگے۔ حقیقت میں اللہ کی قدردانی جیسا کہ چاہیے تھی ہم بندوں سے نہ ہو سکی۔ سیکڑوں راحتوں اور نعمتوں پر ذرا بھی کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو کلمات شکوے کے منہ پر آجاتے ہیں۔ اور ہم اپنی اوقات عزیز کو اس کی یاد سے غافل ہو کر دنیا۔ فانی اور خواہش نفسانی حاصل کرنے میں جو آنی و فانی ہے کس طرح سے صرف کررہے ہیں۔ یہ یہ پوری قدردانی صاحبان خدا کا کام ہے۔

اس کے بعد اپنی عظمت و جلال کبریائی ظاہر فرماتا ہے والارض جمیعا قبضتہ الخ کہ قیامت کے روز تمام زمین اس کے قبضہ قدرت میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔

معتزلہ آیت کے یہ معنی لیتے ہیں کہ قبضہ سے مراد تصرف ہے۔ نہ مٹھی میں ہونا۔ اور داہنے ہاتھ میں آسمانوں کے لپٹنے سے مراد اس کی قدرت میں ہونا۔

اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ ید اور یمین کے حقیقی معنی یہاں مراد نہیں ہو سکتے کس لیے کہ وہ اعضاء جسمانی سے پاک ہے پس اس کے الفاظ پر ایمان ہے اور ان کی حقیقت وہی جانتا ہے۔ جو یمین اور قبضہ اس کی ذات کے لائق ہے نہ یہ کہ جو جسمانیت کے لائق ہو اور تائید کرتی ہے اس کی وہ حدیث کہ جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ زمین کو ایک مٹھی میں لے لیگا اور آسمان کو داہنے ہاتھ میں اور کہے گا "کہاں گئے جبار و متکبر، کہاں گئے زمین کے بادشاہ میں بادشاہ ہوں۔" مطلب یہ کہ اُس روز قدرت کا اظہار کرے گا۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی
اور صور پھونکا جاوے گا پھر آسمانوں اور زمین کے
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ
رہنے والے بے ہوش ہو جاویں گے مگر جس کو
شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی
اللہ چاہے گا پھر دوبارہ اس میں پھونکا جاوے گا
فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَ
پھر تو سب کھڑے ہوئے دیکھتے راہ تکیں گے اور
اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ
زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی اور
وُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ
نامہ اعمال (لاکر) رکھے جائیں گے اور نبیوں اور
وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ
گواہوں کو بلایا جائے گا اور ان کا انصاف سے فیصلہ ہوگا
وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّیَتْ
اور (کچھ بھی) ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا اور ہر شخص کو
كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ
جو کچھ اس نے کیا تھا پورا پورا بدلہ دیا جاوے گا اور وہ خوب جانتا ہے
بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۷
جو کچھ وہ کرتے تھے۔

ترکیب

تفسیر

آسمانوں کے لپیٹنے یعنی فنا کرنے کا ذکر آگیا تھا اس طرح پر کہ اللہ کی قدر نہ کی اور اللہ ایسا جلیل و جبار ہے کہ آسمانوں و زمین دنیا کو فنا کر دے گا قیامت کے روز اس مناسبت سے حشر کی مجملہ کیفیت بیان فرماتا ہے۔

نفخ فی الصور کہ صور پھونکا جائے گا۔ صور تر ہی یا بگل کی قطع کی ایک چیز ہوگی کہ جس کو زور سے اسرافیلؑ بجاویں گے اس میں پھونک مار کر۔ بعض کہتے ہیں ان کے ساتھ جبرئیلؑ بھی ہوں گے جیسا کہ حدیث ابن ماجہ اور ابو داؤد سے پایا جاتا ہے۔ صور کئی بار پھنکے گا یہ اول بار پھونکنے کا ذکر ہے۔

فصعق من فی السمٰوٰت ومن فی الارض الا من شاء اللہ اس کے پھونکنے سے آواز کی کڑک اور تیزی ہوگی جس سے آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے جان دار بے ہوش ہو جاویں گے مگر وہ نہ ہوں گے جن کو اللہ چاہے گا۔ حسن کہتے ہیں جبرئیل و میکائیل اور رضوان اور حوران جنت اور حاملان عرش بے ہوش نہ ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش نہ ہوں گے جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے پایا جاتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے اول میں قیامت کو اٹھوں گا پھر دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں مجھے علم نہ ہوگا کہ وہ مجھ سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں شہداء بھی بے ہوش نہ ہونگے جیسا کہ بیہقی اور سعید بن منصور و ابو یعلی و دار قطنی و حاکم نے روایت کیا ہے۔

بعض نے اس پر اشکال وارد کیا ہے کہ یہ استثناء نفخہ صعق کے بعد ہوگا اور یہ پہلا نفخہ ہے کہ جس میں سب مر جاویں گے۔ اس کے جواب میں بعض مفسرین نے بڑی قیل و قال کی ہے۔ مگر مطلب صاف ہے کس لیے کہ صعقہ اول میں خدائے تعالیٰ بعضوں کا بے ہوشی سے محفوظ رہنا بیان فرماتا ہے پس ملائکہ اور روحانیات پر خصوصاً ارواح طیبات پر جو دوسرے عالم میں ہوں گی فنا۔ دنیا کے صور سے کوئی بے ہوشی نہ ہوگی ان میں حضرت موسیٰؑ اور ابراہیمؑ اور عیسیٰؑ بھی شریک ہیں۔ یہ بے ہوشی اہل دنیا پر طاری ہوگی اور آسمانوں کے ملائکہ پر بھی کس لیے کہ آسمان بھی تو فنا ہوں گے۔ مگر وہاں کے بعض ملائکہ جو تجرد اور نورانیت میں عالم قدس میں ملحق ہیں محفوظ رہیں گے۔

ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے اور انتظار کرتے ہوں گے کہ فیصلہ کب ہوگا؟ یہ دوسرا نفخہ ہے قرآن شریف سے دو ہی بار صور پھونکنا ثابت ہے اور ان دونوں میں چالیس روز یا مہینوں یا برسوں کا فاصلہ ہوگا۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی اس حدیث سے پایا جاتا ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ تین بار صور پھونکا جاوے گا۔ اول گھبراہٹ اور بے ہوشی کا کما قال ونفخ فی الصور ففزع دوسرا موت کا تیسرا بار دیگر زندہ ہونے کا۔

واشرقت الارض بنور ربھا۔ اور زمین نور رب سے منور ہو جائے گی یہ اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا۔ کما قال تعالیٰ یوم تبدل الارض غیر الارض اللہ تخت رب العالمین رکھا جائے گا۔ چوں کہ وہ نور ہے اس کا وہاں جلوہ اور تجلی ہوگی نہ یہ کہ خدا انسانوں کی طرح مجسم ہو کر تخت پر بیٹھے گا۔

ووضع الکتٰب اور نامہ اعمال رکھے جائیں گے اور انبیاء اور گواہ لائے جاویں گے اور کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کو لوگوں کے اعمال خوب معلوم ہیں یعنی کامل انصاف ہوگا۔

وسیق الذین کفروا الی جهنم
اور منکر گروہ کے گروہ جہنم کی طرف ہانکے

زمرا حتی اذا جاءوها فتحت
جائیں گے یہاں تک کہ جب وہاں آویں گے تو اس کے دروازے

ابوابها وقال لهم خزنتها الم
کھول دیے جاویں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس

یاتکم رسل منکم یتلون علیکم
تمہاری قوم کے رسول نہ آتے تھے جو تم کو تمہارے رب کی

ایت ربکم وینذرونکم
آیتیں سنایا کرتے اور آج کے دن کے پیش

لقاء یومکم هذا قالوا بلی
آنے سے تمہیں خوف دلایا کرتے تھے وہ کہیں گے ہاں

ولکن حقت کلمة العذاب
لیکن عذاب کا حکم (علم ازلی میں) منکروں پر

علی الکفرین ﴿۷۱﴾ قیل ادخلوا
ہو چکا تھا کہا جائے گا جہنم کے

ابواب جهنم خلدین فیها
دروازے میں گھسو جس میں تم کو سدا رہنا ہوگا

فبئس مثوی المتکبرین ﴿۷۲﴾
پھر کیا بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی

وسیق الذین اتقوا ربهم الی
اور جو اپنے رب سے ڈرا کرتے تھے وہ ان کے غول کے غول

الجنة زمرا حتی اذا جاءوها
جنت کی طرف روانہ کیے جاویں گے یہاں تک کہ وہ جب وہاں پہنچیں گے

وفتحت ابوابها وقال لهم
اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کے پاسبان ان سے

خزنتها سلم علیکم طبتم
کہیں گے تم پر سلام تم اچھے لوگ ہو

فادخلوها خلدین ﴿۷۳﴾ وقالوا
چلو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ اور وہ کہیں گے

الحمد لله الذی صدقنا وعده
شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا

واورثنا الارض نتبوا من
اور ہم کو اس زمین کا مالک بنا دیا اس بہشت میں جہاں

الجنة حیث نشاء فنعم اجر
چاہیں رہا کریں پھر کیا خوب بدلہ ہے

العملین ﴿۷۴﴾ وتری الملئکة
عمل کرنے والوں کا اور (اے رسول) آپ فرشتوں کو عرش

حافین من حول العرش یسبحون
کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے دیکھیں تسبیح کرتے ہوں گے

بحمد ربهم وقضی بینهم
اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ان میں انصاف سے

بالحق وقیل الحمد لله رب
فیصلہ ہوگا اور کہا جائے گا الحمد للہ رب

العلمین ﴿۷۵﴾
العلمین

ع ۸

ترکیب

زمرا جمع زمرة وہی الجماعة - حال فی الموضعین وفتحت الواو زائدة عند قوم لان الکلام جواب حتی اذا ولیست زائدة عند قوم فالجواب محذوف ای دخلوها۔ نتبوا حال من الفاعل او المفعول و حیث

مفعول بہ حافین حال من الملئکۃ یسبحون حال منہا۔

تفسیر

فیصلہ ہونے کے بعد کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ کفار کی جماعتیں جہنم کی طرف ہانکی جاویں گی، وہاں فرشتے ان سے ملامت کے طور پر پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس دنیا میں رسول نہ آئے تھے جو آیات الٰہی سنایا کرتے اور اس روز کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے ہاں آئے تھے مگر تقدیر میں یہی تھا۔ فرشتے کہیں گے تو جہنم میں گرد کہ ہمیشہ وہاں رہا کرو گے جو بری جگہ ہے۔ اور پرہیزگاروں کو جنت کی طرف روانہ کریں گے جب وہاں آویں گے تو اس کے دروازے کھلے پاویں گے اور فرشتے ان سے سلام کہیں گے اور ان کو ہمیشہ رہنے کا مژدہ دیں گے۔ اور جنتی وہاں خدائے تعالیٰ کی حمد کریں گے کہ اس نے ہم سے وعدہ سچ کر دکھایا اور جنت کی زمین کا مالک کیا جہاں چاہیں رہیں۔ اللہ فرماتا ہے پھر کیا عمدہ اجر ہے عمل کرنے والوں کا یعنی جس نے دنیا میں اچھے عمل کیے ان کا اجر وہاں بہت عمدہ ہے۔

اس کے بعد پھر عرصات کا بیان فرماتا ہے وتری الملئکۃ کہ اے محمدؐ! تو دیکھے گا کہ تختِ رب العالمین کے اردگرد فرشتے حلقہ باندھے ہوئے اس کی حمد و تقدیس و تسبیح کرتے ہوں گے اور لوگوں کا انصاف کے ساتھ وہ فیصلہ کر دے گا اور فیصلہ کے بعد ایماندار اور ملائکہ مل کر کہیں گے الحمد للہ رب العلمین اور دربار برخاست ہوگا۔ یہ ایسا ہے کہ جیسا کسی عمدہ کام کرنے والے کو تمام کرنے پر کلمات تحسین سے یاد کیا جاتا اور اس کا آوازہ بلند کیا جاتا ہے۔

بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پہلی جماعت جو جنت میں جاوے گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے منہ روشن ہوں گے اور جو اُن کے بعد والے ہیں وہ روشن ستارے کے مانند ہوں گے۔

اس مختصر سے بیان میں حشر سے پہلی کیفیت کہ صور پھنکے گا لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے پھر مرجائیں گے پھر دوبارہ صور پھنکے گا تو میدانِ عدالت میں حاضر ہوں گے اور وہاں تختِ رب العالمین اس شان سے رکھا جائے گا، اور نیکوں کا یہ اور بدکاروں کا یہ انجام ہوگا۔ حقیقت میں اعجاز اسی کا نام ہے۔ والحمد للہ۔

سورہ مؤمن

مکیہ ہے اس میں پچاسی آیات نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۞ ۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ
حٰمٓ　کتاب کا　نازل کرنا　اللہ

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۞ ۲ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ
زبردست دانا کی طرف سے ہے　جو گناہ کا معاف کرنے والا　اور

قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ
توبہ قبول کرنے والا　سخت سزا دینے والا

ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ
مقدور والا ہے　جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں　اسی کے پاس

الْمَصِيْرُ ۞ ۳ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ
پھر جانا ہے　اللہ کی آیتوں میں تو وہی جھگڑا کیا کرتے ہیں

إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ
جو منکر ہیں پھر آپ کو اُن کا شہروں میں (اترا کر) پھرنا
فِي الْبِلَادِ ۝۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
دھوکے میں نہ ڈال دے ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد
قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ
اور فرقے بھی جھٹلا چکے ہیں
وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ
اور ہر ایک امت نے اپنے رسول کے پکڑنے کا
لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ
ارادہ کیا تھا اور غلط باتوں کے ساتھ بحث کرتے تھے
لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ
تاکہ اس سے دین حق کو مٹا دیں پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵ وَكَذَٰلِكَ
پھر کیسی سزا ہوئی اور اسی طرح
حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ
منکروں پر اللہ کا کلام
كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝۶
پورا ہوا کہ وہ جہنمی ہیں ۔

ترکیب

حٰم تنزیل الکتب مثل الٓمٓ تنزیل الکتب غافر الذنب و قابل التوب صفۃ قال الاخفش التوب جمع توبۃ کدوم و دومۃ وادخال الواو فی ہذا الوصف لافادۃ الجمع للمذنب التائب بین قبول توبتہ و محو حوبتہ او لتغائر الوصفین اذ ربما یتوہم الاتحاد۔ بیضاوی۔ شدید العقاب نکرۃ لان التقدیر شدید عقابہ فیکون بدلا ویجوز ان یکون شدید بمعنی مشدد فیتعرف ذی الطول بالفتح المن (الجوہری) صفۃ لا الٰہ الخ صفۃ ویمکن ان تکون مستانفا۔

تفسیر

اس سورت کا نام سورۂ غافر اور سورۂ مؤمن بھی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور یہی قول عطاو جابر و عکرمہ کا ہے۔ حسن کہتے ہیں مگر یہ قول و سبح بحمد ربک کس لیے کہ نماز مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں یہ دو آیتیں ان الذین یجادلون فی آیت اللہ الخ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ ابن عباس رضؓ کہتے ہیں یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اور سمرہ بن جندب رضؓ کہتے ہیں کہ سب حوامیم مکہ میں نازل ہوئیں اور یہی بات ٹھیک ہے۔

بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حٰم سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں تو ہر دروازے پر حٰم ہوگی کہے گی یا اللہ جس نے مجھ کو پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو اس دروازے سے نہ داخل کیجیو۔

اس سورت کا من جانب اللہ ہونا بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے چند اوصاف بیان فرمائے تاکہ ناظرین کو واضح ہو جائے کہ یہ زبردست علم والے کا کلام ہے کہ جس میں بندوں کی تمام مصلحتیں رکھی گئی ہیں اور نہ صرف علم والا بلکہ زبردست بھی ہے جو نہ مانے تو اس کو سزا بھی دے سکتا ہے اور عمل کرنے پر انعام و اکرام بھی بے حد کر سکتا ہے۔ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ پھر اس کے پاس پھر کر بھی جانا ہے بار دگر بھی اس سے کام پڑتا ہے۔ پس ان صفات کے لحاظ سے عاقل کو اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی بھی خطرہ باقی نہیں رہتا۔ وہ صفات یہ ہیں:۔

(۱) عزیز زبردست۔

(۲) علیم تمام علوم اور حکمتیں اس کے آگے حاضر ہیں۔
(۳) غافر الذنب گناہ بھی معاف کر دیتا ہے اطاعت کرنے والوں کے۔ اہلِ سنت کے نزدیک بے توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے۔
(۴) قابل التوب توبہ کرنے والوں کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہے۔
(۵) شدید العقاب مگر سرکشوں کو سخت سزا بھی دے دیا کرتا ہے گردن کشوں کی گردنیں توڑ ڈالتا ہے۔
(۶) ذی الطول بڑی بخشش بھی کیا کرتا ہے اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔
(۷) لا الٰہ الخ کہ وہ خدا یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں جو اس کو کسی بات سے روک سکے۔
(۸) الیہ المصیر اس کے پاس پھر بھی جانا ہے مرکر بھی اس کی طرف حاجت باقی رہتی ہے۔ ایسی کتاب اور ایسے نازل کرنے والے کا جو انکار و تکرار کرتے ہیں سو وہ کافر ہیں۔ دنیا میں وہ جو پھرتے اور مکہ سے شام تک تجارت کے لیے شہروں میں پھرتے ہیں اس سے اے محمدؐ آپ یہ نہ خیال کیجیے کہ یہ ہمارے قابو سے نکل گئے ان کو پہلے نوح کی قوم اور دیگر اقوام نے اپنے انبیاء سے ایسا کیا تھا، برباد ہوئے یہی حال ان کا ہونا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ
وہ ملائکہ جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو اس کے آس پاس ہیں
یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ
اپنے رب کے لیے تعریف کے ساتھ تسبیح (وتقدیس) کرتے رہتے ہیں اور ایمان داروں کے
بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ
لیے بخشش کے لیے دعائیں مانگا کرتے ہیں اور اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً
ایمان داروں کے لیے دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم

وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا
سب پر حاوی ہے پھر جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے رستے پر چلتے ہیں
سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۷﴾
ان کو بخش دے اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے
رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ
اور اے رب ان کو اس جنتِ عدن میں داخل کر کہ جس کا
وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ
تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد
وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ
میں جو کوئی نیک ہو گیا ہو ان کو بھی کیوں کہ
اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۸﴾ وَقِهِمُ
تو جو ہے تو زبردست حکمت والا ہے اور ان کو
السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ
برائیوں سے بچا اور جس کو تو نے اس دن برائیوں سے بچایا
فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
تو اس پر مہربانی کی اور یہ ہے وہ بڑی
ع ۱ الْعَظِیْمُ ﴿۹﴾
کامیابی۔

ترکیب

الذین مبتدء و من مرفوع عطفا علی الذین یسبحون خبرہ یؤمنون ویستغفرون معطوف علیہ ربنا وسعت صدرہ محذوف ای یقولون والجملۃ حال رحمۃ و علما تمیز والاصل وسع کل شیٔ و علمک و من صلح معطوف علی الضمیر فی ادخلھم ای وادخل من صلح وقیل معطوف علی الضمیر فی وعدتھم ھی فی محل النصب من اٰبائھم بیان لمن صلح وازواجھم

وذریتھم علی الجمع عطف علی آبائھم

تفسیر

پہلے بیان ہوا تھا کہ ایسی کتاب میں (جو ایسے زبردست علیم کی نازل کی ہوئی ہے) کافر ناحق کے جھگڑے مچاتے ہیں تاکہ اس کو پست کریں اور اس آفتاب کی شعاعوں کو روکیں۔ سو یہ ان کی رذالت و دنائتِ جبلی کا مقتضٰی ہے اب یہاں بیان فرماتا ہے کہ دیکھو ملائکہ اور ان میں سے بھی وہ جو تختِ رب العالمین کو اٹھائے رہتے ہیں اور وہ جو اس کے آس پاس ہیں یعنی اعلیٰ رتبہ کے ملائکہ وہ خدا کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور وہ باوجودے کہ تخت کے پاس ہیں اور تخت پر کسی مجسم چیز کو بیٹھے ہوئے نہیں دیکھتے پھر بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان داروں کے لیے خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو جنتِ عدن میں داخل کر اور جہنم سے بچا۔

فقال الذین یحملون العرش الخ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اراذل جو ایمان داروں کی عداوت میں ایسے بڑھے ہوئے ہیں کہ کچھ ٹھکانا نہیں ان کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے۔ حاملانِ عرش اور حاضرانِ بارگاہِ قدس دل سے اظہارِ مسرت و محبت کر رہے ہیں اور اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے مٹائے سے یہ کتاب و دین کیا مٹ سکتا ہے بارگاہِ قدس کا منشا اس کے پھیلانے کا ہے۔ اور اس طرف بھی کہ انسان کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنی فائدہ بخش چیز کا دشمن ہو رہا ہے باوجودے کہ سخت محتاج ہے اور اس پر اس کی سرتابی سے بلا نازل ہونے والی ہے اور حاملانِ عرش کہ جو گناہوں سے پاک ہیں خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں اور اس طرف بھی کہ وہ ملائکہ جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت یہ کہتے تھے کہ یہ دنیا میں فساد و گناہ کرے گا اب وہ اس کے لیے استغفار و معافی کے خواستگار ہیں انسان کو شرم چاہیے۔

ف (۱) تسبیح، اللہ تعالیٰ کو جو اس کے لائق نہیں ان سے بری ثابت کرنا۔ تحمید، اس کے منعمِ حقیقی اور محسن علی الاطلاق ہونے کا اقرار کرنا پس تسبیح جلال کی طرف اور تحمید کمال کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) ملائکہ کے حال میں تسبیح و تحمید کے بعد یہ فرمایا و یؤمنون بہ کہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ تسبیح و تحمید وہی کیا کرتا ہے جو اس پر ایمان لایا ہوتا ہے۔ پھر اس لفظ کے ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر ان کو عیاناً و مشاہدۃً بیٹھا ہوا دکھائی دیتا تو ان کا ایمان لانا اس پر چنداں مدح و ثنا کی بات نہ ہوتی کس لیے کہ حاضر اور مشاہدہ اور معائنہ کی چیز کا اقرار کرنا کوئی قابلِ تعریف بات نہیں۔ اگر کوئی آفتاب کو دیکھ کر اس کے روشن اور نورانی ہونے کا اقرار کرے تو کیا تعریف کی بات ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ نے خدائے تعالیٰ کو تخت پر بیٹھے نہیں دیکھا غائبانہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ صاحبِ کشاف نے یہ نکتہ بیان کیا ہے اور امام رازی نے اس کو ازحد پسند کیا ہے۔

(۳) اس سے یہ شبہ بھی اٹھ گیا کہ اگر خدا تعالیٰ کے تخت کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ تخت پر بیٹھا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے محافظ قرار پاتے اور خدائے تعالیٰ محدود مانا جاتا۔ حالانکہ وہ ان باتوں سے پاک ہے اور شبہ یوں اٹھ گیا کہ خدا تعالیٰ عرش پر اس طرح نہیں بیٹھا ہے کہ جس سے یہ شبہات پیدا ہوں بلکہ جس کو تختِ رب العالمین کہتے ہیں اس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے مگر وہ اس کی تجلی کی جگہ ہے جس کی کیفیت احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ اور یہی مذہب تمام اہلِ سنت والجماعت کے

سلف و خلف محدثین و فقہاء و متکلمین کا ہے اور اس بارے میں جو احادیثِ صحیحہ وارد ہیں ان سے یہی مراد ہے نہ وہ کہ جو ظاہر الفاظ سے بعض نے سمجھ کر مجسمہ کا مذہب اختیار کر کے اس کو اہلِ حدیث کا مذہب قرار دیا ہے اور لوگوں کو خطرے میں ڈالا ہے اور اسلام کو موردِ طعنِ ملاعین بنایا ہے ایاک ثم ایاک ۔

(۴) ملائکہ کے حق میں یہ بھی فرمایا ویستغفرون للذین اٰمنوا یہ بھی ان کی ایک خوبی ہے کس لیے کہ کمالِ سعادت دو باتوں میں ہے ایک تعظیم امر اللہ دوسرے شفقت بر خلقِ خدا۔ پس یسبحون بحمد ربھم میں تو پہلی بات ثابت کی۔ ویستغفرون میں دوسری۔ للذین اٰمنوا کی قید اس لیے لگائی کہ خدا کے دشمنوں پر قہرِ الٰہی ہے ایسے موقع پر مالک کے مخالفوں کی کون خیر خواہی کر سکتا ہے ؟ ۔ اب ملائکہ کے استغفار کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ مسلمان بندے کو توبہ کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ یا اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اور عام ہے کہ عموماً ایمان داروں کے لیے معافی مانگتے ہیں یا خاص خاص نیک بندوں کا نام بھی لیتے ہوں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کفار جو ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر پوجتے ہیں تو وہ ان کے لیے دینا لینا مراد برلانا تو درکنار خدا تعالیٰ سے ان کے حق میں معافی بھی نہیں مانگتے۔ معافی بھی مانگتے ہیں تو صرف ایمان والوں کے لیے اور دعا بھی کرتے ہیں تو انہیں کے لیے۔

(۵) ربنا وسعت کل شیٔ رحمۃ وعلما یہ ان کی خدا تعالیٰ سے دعا ہے ایمان داروں کے لیے۔ مگر دعا سے پہلے اس کی تسبیح و تحمید کرنا جو داعی کے لیے نورانیت اور اجابت کا مستحق ثابت کرتی ہے اور جس سے دعا کی جاتی ہے اس کو متوجہ کرتی ہے اور پھر اس کو بلفظِ ربنا شروع کرنا اور مقصود سے پہلے بھی اس کی رحمت کا ذکر کرنا اور اس کے علم کا ذکر کرنا جو اپنی حاجت اور اخلاص کا یاد دلانا ہے دعا کے لیے رکن یا شرط یا عمدہ وصف ہے۔ گویا بندوں کو یہ بتلا دیا کہ دعا مانگنے کا یہ طریقہ ہے اور حاملانِ عرش یوں مانگا کرتے ہیں گستاخانہ سوال رد ہو جایا کرتا ہے۔ دعا سے پہلے کوئی عملِ خیر ذکر الٰہی وغیرہ باعثِ قبولیتِ دعا ہے رحمت کو علم سے مقدم اس لیے کیا کہ غرضِ اصلی تو اس کی رحمت کا اظہار ہے جو مدعا برآری کا باعث ہے اور علم کا بعد میں ذکر محض اس لیے آیا ہے کہ آپ ہر حاجت مند کی حاجت اور دردمند کے درد سے واقف ہیں۔ سو یہ عارضی بات ہے اس لیے مؤخر ہوئی۔

(۶) فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک اول وہ ان لوگوں کے لیے کہ جو شرک و کفر سے تائب ہو کر دینِ الٰہی کے تابع ہو گئے ہیں ان کے بعض افعال پر جو از قسمِ معاصی بمقتضائے بشریت ان سے صادر ہو گئے ہیں مغفرت مانگتے ہیں یہ اس یستغفرون کا بیان ہے۔ پھر ان کے لیے عذابِ جہنم سے رستگاری چاہتے ہیں جو ان کے معاصی پر ہونے والا تھا۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی کہتے ہیں وادخلھم جنّٰت عدن کہ ان کو اس جنتِ عدن میں داخل کر کہ جس کا تو نے انبیاء کی معرفت ان سے وعدہ کیا تھا، اور انہیں پر بس نہیں بلکہ ومن صلح کہ ان کے بزرگوں اور بیبیوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں ان کو بھی ان سے ملا کہ مل کر نہایت محظوظ رہیں، جدائی احباب کا بھی غم نہ رہے۔ باپ اور بیوی اور اولاد کا ذکر اہتمامِ شان کے لیے آیا ہے۔ ورنہ مراد عموماً اہلِ قرابت و محبت ہیں بشرطیکہ وہ نیک ہوں۔

وقھم السیاٰت اور دیگر تکالیف سے بھی ان کو بچا اور جس کو تو نے اُن برائیوں اور تکلیفوں سے اُس روز بچا دیا تو اُس پر بڑی مہربانی فرمائی اور یہ بڑی مراد پانا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ

(قیامت کے دن) کافروں کو پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح (آج) اللہ کو

اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ

تم سے بیزاری ہے (دنیا میں) اس سے بڑھ کر خود تم کو بیزاری تھی لہ

إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ (10)

جب تم کو ایمان کے جیسے بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے

قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا

وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو ہم کو دوبارہ مار چکا اور دوبارہ زندہ

اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ

کر چکا پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا پھر

إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ (11) ذَٰلِكُم

اب بھی کوئی نکلنے کی راہ ہے ؟ (کہا جائے گا) یہ عذاب

بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ

اس لیے ہوا کہ جب تم کو اکیلے اللہ کی طرف بلایا جاتا تو تم انکار کرتے تھے

وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ

اور جب اس کے ساتھ اور ملایا جاتا تھا تو ایمان لاتے تھے پھر اب حکم اللہ ہی کے ہاتھ ہے

الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ (12)

جو بلند شان (اور) بہت بڑا ہے

ترکیب

من مقتکم مصدر مضاف الی الفاعل و انفسکم منصوب بہ اذ تدعون ظرف لفعل محذوف تقدیرہ مقتکم اذ تدعون۔ المقت دشمن گرفتن یقال مقتہ فہو مقیت و ممقوت (صراح) اثنتین نعتان لمصدر محذوف ای امتنا اماتتین اثنتین واحییتنا احیاتین اثنتین ذٰلکم مبتدء خبرہ محذوف العذاب بانہ ای بسبب انہ وحدہ مصدر فی موضع الحال من اللہ ای دعی مفردًا۔

تفسیر

ایمان داروں کی حالت بیان کرنے کے بعد کہ ان کے بیچ آخرت کے امر میں ملائکہ یوں دعا کرتے ہیں جو مستجاب ہوگی اور وہ وہاں جنت عدن میں اپنے صلحاء اقارب کے ساتھ جاویں گے مصائب آخرت سے محفوظ رہیں گے کفار کا حال بیان فرماتا ہے۔

ان الذین کفروا ینادون لمقت اللہ اکبر من مقتکم انفسکم الخ کہ قیامت کے روز کفار کو پکار کر سنا دیا جاوے گا جب کہ وہ جہنم اور وہاں کی سختیاں دیکھ کر ناخوش اور ناراض اور غصہ ہوں گے کہ دنیا میں جب کہ تم کو ایمان لانے کے لیے کہا جاتا تھا اور تم انکار کرتے تھے اس وقت خداتعالیٰ کو تم پر غصہ اور ناخوشی ہوتی تھی سو وہ غصہ اس کا تمہارے آج کے غصہ سے جو تم کو اپنے اوپر آ رہا ہے بڑھ کر تھا تم نے اس کے غصہ کی پروا نہ کی اب وہ تمہاری ناراضگی اور دل تنگی اور غصہ کی بھی کچھ پروا نہیں کرتا۔

یہ سن کر کفار عذر کریں گے قالوا ربنا امتنا کہ اے رب تو نے ہم کو دوبار موت اور دوبارہ زندگی دی اس سے ہم کو تیری قدرت اور حشر پر یقین آگیا، دنیا میں نہ آیا تھا اب ہم اپنے گناہوں کے مقر ہو گئے پھر اب بھی کوئی رستگاری کارستہ اور چھٹکارے اور رہائی کی کوئی صورت ہے؟

اول موت سے مراد عدم کا زمانہ ہے کہ جس میں انسان نہ تھا۔ یا وہ تھا مگر ماں کے پیٹ میں گوشت و پوست کا ایک پتلا تھا اس میں جب تک روح نہ پڑی تھی اور ماں کا پیٹ اس کی گور تھا۔ کیوں کہ اماتت کے معنی کسی شے کا معدوم الحیات کر دینا ہے عام ہے کہ ابتداء میں ہو یا بعد میں کر دیا جاوے اس لیے کہتے ہیں سبحان من صغر البعوض وکبر الفیل۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ مچھر پہلے بڑا تھا پھر اس کو

لہ صحیح ترجمہ یوں ہے: "البتہ (آج) اللہ کو تم سے جو بیزاری ہے وہ اس بیزاری سے کہیں بڑھ کر ہے جو خود تم کو اپنے آپ سے ہے"۔ علامہ حقانی نے آگے تفسیر بھی اسی ترجمہ کے مطابق بیان فرمائی ہے۔ (م)

چھوٹا کر دیا بلکہ ابتداءً چھوٹا پیدا کیا اور دوسری موت بھی عرفی موت ہے کہ جس وقت انسان کی روح اس کے بدن سے الگ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پہلی زندگی سے مراد دنیاوی زندگی دوسری دوسری بار زندہ کرنے سے، مراد آخرت کی زندگی کہ جس کی ابتداء قبر ہے جیسا کہ جمہور اہل سنت کا مذہب ہے اور احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں۔ اور عذاب و ثواب قبر پر یہ شبہ کرنا (کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا ہے) غلط ہے کس لیے کہ انسان کچھ اس ہیکل مخصوص ہی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ جسم نورانی کا نام ہے جو اس بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے پس وہ تم کو نظر نہیں آتا نہ اُس کا عذاب و ثواب۔

یہ دو موت اور دو زندگی سب کے لیے ہیں۔ اور سورۂ صٰفّٰت میں جو مؤمنین کا قول نقل ہے اس کے منافی نہیں اور وہ یہ ہے افما نحن بمیتین الا موتتنا الاولیٰ کس لیے کہ ان کی مراد موت یا اماتت سے وہ ہے جو زندہ ہونے کے بعد طاری ہوئی تھی سو وہ ایک ہی تھی اور اس کے بعد سے ان کو حیات ابدی نصیب ہوگئی۔ اور جگہ بھی یہ مضمون آیا ہے فقال فی سورۃ البقرۃ کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم۔

کفار کو جواب ملے گا ذٰلکم بانہ الخ کہ تمہاری یہ سزا تمہارے شرک کی وجہ سے ہے پس ہر حکم اللہ کے ہاتھ ہے وہ تم کو بار دگر دنیا میں نہیں بھیجے گا جو دو بار مرنے اور جینے سے تم نے اس کی خواہش کی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ

وہی تو ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتا ہے اور آسمان سے

لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا یَتَذَكَّرُ

تمہارے لیے روزی اُتارتا ہے اور سمجھتا وہی ہے جو

اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ۝۱۳ فَادْعُوا اللّٰهَ

(اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے پھر اللہ کو پکارو

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ

خاص اسی کے لیے عبادت کو مخصوص کر کے گو ملکر

الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۴ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ

بُرا مانیں وہ بلند مراتب

ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ

تخت کا مالک ہے اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے

عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ

جس کے پاس چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ ملاقات

یَوْمَ التَّلَاقِ ۝۱۵ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ

(قیامت) کے دن سے ڈراوے جس دن کہ لوگ قبروں سے باہر آویں گے

لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ لِمَنِ

اللہ پر کوئی بات ان کی مخفی نہ رہے گی کس کی

الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۱۶

حکومت ہوگی آج کے روز؟ ایک اللہ زبردست کی

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ

آج کے روز ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پاوے گا

لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝۱۷

آج کے روز کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ جلد حساب لینے والا ہے

ترکیب

ھو الذی مبتدء یریکم خبرہ وینزل خبر ثان ولو وصلیۃ یتعلق بادعوا اللہ رفیع الدرجات خبر ثالث ذوالعرش خبر رابع یلقی الروح خبر خامس من امرہ متعلق بیلقی من عبادہ بیان لمن یشاء لینذر فاعلہ الضمیر یرجع الی اللہ

والمفعول محذوف العذاب یوم التلاق مفعول فیہ للعذاب ویمکن ان یکون مفعولا بہ یوم ھم بدل منہ۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ مشرکوں کا یہ حال ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ناخوش ہوتے ہیں اور جو اس کے ساتھ اوروں کو بھی ملایا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ اب یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ اس کے ساتھ کون شریک ہو سکتا ہے تمام کاروبار اور جمیع منافع انسانیہ دینیہ و دنیویہ اسی کے ہاتھ ہیں

فقال ھو الذی الخ انسان کی دو حاجت ہیں، ایک روحانی کہ اس کی روح کو دلائل وغیبیات کے سبب ورطۂ جہالت سے نکالا جائے اس کی نسبت فرماتا ہے۔ یریکم آیٰتہ کہ وہ تم کو ہر وقت اپنی قدرت کی نشانیاں دکھایا کرتا ہے۔ دوسری حاجت بدنی ہے رزق و روزی تندرستی وغیرہ چیزیں عطا کرنا اس کی نسبت فرماتا ہے وینزل لکم من السماء رزقا کہ وہ آسمان سے تمہارے لیے روزی بھیجتا ہے پانی برساتا اور پسے اور آفتاب و ماہتاب و دیگر ستاروں کی تاثیرات سے کھیتی غلہ میوہ جات پکانا ہواؤں کا بدلنا، سب کام جو صحت و رزق کے اسباب میں سے ہے آسمان سے نازل ہوتا ہے۔

وما یتذکر الا من ینیب مگر ان باتوں کو ہر کوئی نہیں سمجھتا بلکہ وہی جو خدا کی طرف دھیان رکھتے ہیں۔ پس جب تمہارے معبودوں میں سے کوئی بھی ان باتوں میں شریک نہیں تو فادعوا اللہ الخ خاص اللہ ہی کو پکارا کرو نیازمندی اور اخلاص سے گو کافر ناخوش ہوا کریں۔

اس کے بعد اپنے اور چند اوصاف ذکر کرتا ہے جو اس کی شان الوہیت کی دلیل ہیں۔ اول رفیع الدرجٰت رفیع بمعنی رافع اور بمعنی مرتفع بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہونگے کہ وہ انبیاء و اولیاء کے دنیا میں درجے بلند کرتا ہے یا مخلوق کے علم و دولت عقل و صورت سعادت و شقاوت میں درجے بلند کیا کرتا ہے۔ ایک کو ایک سے بالا کرتا ہے نہ کہ تمہارے معبود کرتے ہیں۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جمیع صفات کمال و جلال میں تمام موجودات سے بلند رتبہ ہے۔ اس کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا نہ کسی کی حیات اس کی حیات کے برابر ہے نہ قدرت و علم اس کے برابر ہے نہ کوئی واجب الوجود ہے بلکہ سب اس کے ذات و صفات میں محتاج ہیں وہ کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں

دوم ذو العرش وہ تخت کا مالک ہے۔ تختِ اسی کے لیے ہے اور جو کوئی ہے اس کی رعیت و مطیع ہے۔ وہی انصاف کرتا ہے وہی دیتا لیتا ہے۔ پہلی صفت مراتبِ دنیا کی طرف دوسری آخرت کے مراتب پست و بالا کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

سوم یلقی الروح کہ اپنے بندوں میں سے وہ جس پر چاہتا ہے روح کا القا کرتا ہے۔ روح سے مراد وحی ہے کہ جس طرح روح سے ابدان کو حیات حاصل ہوتی ہے اسی طرح وحی سے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے کما قال وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا اور بعض کہتے ہیں جبرئیلؑ مراد ہیں۔ کما قال نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک مقصد یہ ہے کہ رفع درجات کے لیے یا بندوں کی تدبیرِ آخرت کے لیے اللہ جس پر چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے اس میں تمہارا اختیار نہیں۔ اور وحی کیوں نازل کرتا ہے لینذر الخ کہ اللہ یا اس کا رسول بندوں کو ملنے کے دن سے ڈراوے کہ ایک دن خدا سے ملنے اور جزا و سزا ملنے کا بھی دن آنا ہے۔ وہ کون سا دن ہوگا؟

یوم ھم بارزون۔ کہ جس روز بندے قبروں سے نکل کر ظاہر ہوں گے یا کسی ٹیلے یا پردے کی آڑ نہ ہوگی یا کوئی اور اس کے اعمال نہ چھپیں گے۔ لا یخفی الخ اللہ پر ان کی کوئی بات مخفی

نہ ہوگی،

اُس دن کہا جائے گا کہ آج کس کی حکومت ہے؟ سب کہیں گے اللہ کی، جو اکیلا اور زبردست ہے۔ اُس روز کسی پر ظلم نہ ہوگا ہر ایک اپنے کیے کا بدلہ جلد پاوے گا۔

وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ

اور ان کو قریب آنے والے دن سے ڈرا جس دن کہ دل

لَدَى الۡحَـنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ

گھٹ گھٹ کر گلوں تک آجاویں گے (اُس دن) ظالموں کا نہ کوئی

مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ ؕ ﴿۱۸﴾ يَعۡلَمُ

بچانے والا ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جاوے۔ وہ

خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾

آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے

وَاللّٰهُ يَقۡضِىۡ بِالۡحَـقِّ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ

اور اللہ انصاف سے فیصلہ کرے گا اور اس کے سوا جن کو وہ

مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَقۡضُوۡنَ بِشَىۡءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پکارتے ہیں کچھ بھی فیصلہ نہ کرسکیں گے البتہ اللہ جو ہے

هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ﴿۲۰﴾

تو سُنتا دیکھتا ہے۔

ترکیب

کاظمین حال من القلوب وجمع جمع العقلاء للاسناد الیہا مایسند الی العقلاء وقیل باعتبار اہل القلوب لان المعنی اذ قلوب الناس لدی حناجرہم فیکون حالا منہم و الخائنۃ مصدر کالعافیۃ والکاذبۃ والجملۃ خبر آخر عن المبتدا وہو الذی وفیہ تقدیم وتاخیر ای یعلم الاعین الخائنۃ وقیل الاضافۃ بمعنی من ای الخائنۃ من ہیجعنیی۔

تفسیر

اس جگہ قیامت کا دوسرا وصف بیان فرما کر اس سے ہَول دلاتا ہے۔

فقال وانذرہم یوم الآزفۃ کہ لوگوں کو اُس قریب آنے والے دن سے ڈرا۔ آزفۃ بروزن فاعلۃ من ازف الامر اذا دنا وحضر۔ یہی لفظ اسی معنی میں ایک اور جگہ بھی آیا ہے ازفت الآزفۃ لیس لہا من دون اللہ کاشفۃ کوئی شاعر کہتا ہے ؎

ازف الترحل غیر ان رکابنا
لما نزل برحالنا وکأن قد

یہ محذوف کی صفت ہے ای یوم القیامۃ الآزفۃ۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے لوگوں کی نظروں میں بعید ہے مگر یقیناً آنے والی چیز ہے اور آنے والی چیز بہت قریب بھی جاتی ہے عقلاء کے نزدیک۔ وہ سو کوس پرے کی بلا کو آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد موت کا دن ہے جو بہت ہی قریب ہے۔ یہ ابومسلم کا قول ہے۔

ع ۲ ۱۱ پھر اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے اذ القلوب لدی الحناجر کاظمین کہ وہ بڑی مصیبت اور رنج و محن کا دن ہے کہ دل گھٹ کر گلوں تک آجاویں گے۔ یہ کنایہ ہے شدتِ خوف سے جیسا کہ ہمارے محاورے میں کہتے ہیں ناک میں دم آگیا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ شدتِ غم والم کے وقت پھیپھڑا پھول کر اوپر کو اُٹھ آتا ہے اور اسی میں دل بھی۔ یہ ایک محاورے کی بات ہے اس پر اعتراض کرنا جہالت ہے۔

کاظم اس ساکت اور چپ کرنے والے کو کہتے ہیں، جو دل میں تو جوش یا رنج بھرا ہو مگر منہ سے کچھ نہ کہے

ما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع کہ اُس روز ظالموں کا نہ کوئی حمایتی و مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ

جس کی بات ضرور مانی جائے جیسا کہ مشرکین اپنے معبودوں کی طرف گمان کرتے ہیں۔

معتزلہ کہتے ہیں ہر کبیرہ ظلم ہے اور ظالم کا کوئی شفیع نہیں پس ثابت ہوا کہ اہلِ کبائر کے لیے شفاعت نہ ہوگی بلکہ اہلِ صغائر کے لیے بھی کیونکہ یہ بھی ظلم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم سے مراد کفر و شرک ہے اور کفار و مشرکین کو ظالمین کہا گیا جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے۔ البتہ ان کے لیے کوئی سفارشی نہ ہوگا نہ مطاع نہ غیر مطاع۔

یعلم الخ یہ ایک اور دہشتناک بات بیان فرماتا ہے کہ جس حاکم کے سامنے اُس روز ہونا ہوگا وہ ایسا ہے کہ آنکھ کی چوری (چھپا کر بدنظری کرنا جس کا دیکھنا جائز نہیں اس کو چوری سے یا کن انکھیوں سے دیکھنا) اور دل کے خطرات اور ارادات بھی جانتا ہے کوئی عمل اس سے مخفی نہیں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا کا نہ دل کا۔

اور دوسری بات یہ ہے واللہ یقضی بالحق کہ اُس روز اللہ ہی فیصلہ وانصاف کرے گا نہ اور کوئی اور انصاف بھی کس طرح سے، بے رو و ریا نہ کسی سے رشوت لے گا نہ کسی سے دبے گا عدل کرے گا نہ شریف کی شرافت نہ رذیل کی رذالت کو دیکھا جاوے گا امیر و غریب شاہ و گدا برابر ہوں گے۔

اور تیسری بات یہ ہوگی والذین یدعون من دونہ لا یقضون بشیٔ کہ اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ اُس دن کی امید پر پکارتے ہیں کچھ بھی فیصلہ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ان اللہ ھو السمیع البصیر۔ ہر بات سنتا ہر کام دیکھتا ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں، برخلاف ان کے معبودوں کے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا
پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھا کہ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا
ان سے پہلوں کا کیا انجام
مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ
ہوا ؟ جو ان سے زیادہ قوت
قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ
والے اور ملک میں زیادہ نشانیاں باقی چھوڑنے والے تھے پھر اللہ نے ان کو
اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ
ان کے گناہوں سے پکڑ لیا اور ان کو (عذاب) اللہ سے
اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت
کوئی نہ بچا سکا یہ اس لیے کہ ان کے پاس
تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا
رسول نشانیاں لے کر آیا کرتے تھے سو انہوں نے انکار کیا
فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ
پھر اللہ نے ان کو پکڑ لیا کیونکہ وہ زبردست سخت سزا
الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ
دینے والا ہے اور البتہ ہم نے موسیٰ کو اپنی
بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾ إِلَىٰ
نشانیاں اور ظاہر حجت دے کر فرعون
فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا
اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے کہدیا
سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَاءَهُم
کہ جادوگر نرا جھوٹا ہے (الغرض) جب ان کے پاس موسیٰ
بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ
ہمارے ہاں سے حق لے کر آئے تو کہہ دیا کہ جو لوگ اس پر ایمان

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ
لائے ہیں ان کے بیٹوں کو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو

وَمَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾
اور کافروں کے داؤ تو محض غلط ہوا کرتے ہیں

تفسیر

منکرین کو عذاب آخرت سے متنبہ کر کے دنیاوی مصیبتوں کا خوف دلاتا ہے اس لیے کہ وہ سنگ دل آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ پھر وہاں کے عذاب سن کر اور بھی تمسخر کرتے تھے۔ اس لیے اب ان کو دنیا کی بلاؤں سے ڈراتا اور اس کا کامل یقین دلاتا ہے۔ ان سے پہلوں کی ہلاکت اور ان کے آثار باقیہ کو یاد دلا کر جو ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے اس لیے فرماتا ہے۔

اولم یسیروا الخ کہ کیا ان کفار قریش نے جو یمن و شام میں تجارت کے لیے آیا جایا کرتے ہیں پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے منکروں کا کیا انجام ہوا جو ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور بڑے بڑے نشان دنیا میں چھوڑ گئے ہیں ان کے مکانات اور نشانوں سے زیادہ اُن کے نشان تھے جو اب تک مستحکم قلعے اور ان کے آثار شکستہ ان کی یادگار ہیں۔ پھر ان کو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور ان کو کوئی نہ بچا سکا جیسا کہ قوم عاد و ثمود و قوم لوط۔

ذلک بانھم الخ یہ مصیبت اُن پر صرف اس لیے آئی کہ ان کے رسول ان کے پاس نشانیاں معجزات و آیات لے کر آئے تھے انہوں نے ان کا انکار کیا اور بدی سے باز نہ آئے پس اللہ نے ان کو پکڑ لیا اور وہ بڑا زبردست اور سخت سزا دینے والا ہے۔

عذاب دنیوی سے کفار زیادہ ڈرتے ہیں کس لیے کہ ان کا مقصود اصلی دنیا اور اس کے تجملات ہی ہوتے ہیں، اُن پر مصیبت آنے کا تصور بھی ان پر شاق ہوتا ہے۔

ولقد ارسلنا موسیٰ وہ ایک اجمالی بیان تھا۔ اس کے بعد تفصیل شروع کرتا ہے اور ان سے طاقت اور فرعون کی حقیقت بیان کرتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ سے کھلی تھی۔ کہ ہم نے موسیٰ کو فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف نشانیاں، معجزے اور کھلی ہوئی حجت اور صداقت کی دلیل دے کر بھیجا تھا۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام سب قوم کی طرف بھیجے گئے تھے مگر یہ ان کے سردار تھے اس لیے ان کا بالتخصیص نام لیا گیا۔

فقالوا سٰحر کذاب۔ تو سب نے جھوٹا جادوگر بتایا۔ قارون گو بنی اسرائیل میں سے تھا اور بظاہر اس نے یہ نہ کہا تھا مگر اس کا مقابلہ کرنا جیسا کہ پہلے بیان ہوا گویا زبانِ حال سے یہ کہہ دینا ہے۔

فلما جاءھم بالحق جب قوم فرعون کے پاس موسیٰ دین حق لے کر آئے تو بجائے اس کے کہ مانتے فرعون نے یہ حکم دے دیا کہ ان بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرو جو موسیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو کہ فرعونیوں کے کام میں آویں۔ یہ دوبارہ حکم تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے دین حق لے کر آنے کے بعد ایمان داروں کے برباد و خراب کرنے کے لیے اس لعین نے دیا تھا مگر اس سے کیا ہوتا۔ کس لیے کہ

وماکید الکٰفرین الا فی ضلٰل۔ کفار کے سب داؤ اور کل تدبیریں خدا تعالیٰ کی مشیت کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتیں سب بے کار اور ضائع جاتی ہیں۔ آخر کار وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ فرعون اور اس کے سردار اور لشکر غارت ہوا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سلامت بچ گئے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰی
اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں

وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ
اور وہ اپنے رب کو بلاتا رہے (چونکہ) مجھے خوف ہے کہ تمہارا دین
دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ
بدل دے یا زمین میں فساد
الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ
برپا کردے اور موسیٰ نے کہا میں تو
عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ
اپنے اور تمہارے رب کی ہر ایک متکبر سے جو
مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع ۳/۸
حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا پناہ لے چکا ہوں
وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
اور فرعون کے خاندان میں سے ایک ایمان دار مرد نے جو اپنا ایمان
يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا
مخفی رکھتا تھا (یہ) کہا کہ کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو
اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ
کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ
تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے اور اگر وہ
كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ
جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اس پر پڑے گا اور اگر وہ
صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
سچا ہے تو اس کی ان باتوں میں سے کہ جن کا تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر
يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
کوئی نہ کوئی تو آہی پڑے گی بے شک اللہ اس کو جو بیہودہ جھوٹا ہو
هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ
ہدایت نہیں کیا کرتا اے قوم!

لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي
آج تو تمہاری حکومت ہے تم ملک میں غالب
الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ
ہو رہے ہو ہماری کون مدد کر سکے گا اگر ہم پر
اللّٰهِ اِنْ جَاۗءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ
خدا کا عذاب آپڑے فرعون نے کہا میں تو
اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ
تم کو وہی سمجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور میں تو تم کو
اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ
سیدھا ہی رستہ بتاتا ہوں اور اس شخص نے جو ایمان لایا تھا
اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
(یہ) کہا کہ اے قوم! مجھے تو تمہاری نسبت (اگلی) امتوں جیسے
مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ
دن کا اندیشہ ہو رہا ہے جیسا کہ
دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَ
قوم نوح اور عاد اور ثمود اور
الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ
ان سے پچھلوں کا حال ہوا اور اللہ تو بندوں پر
ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾
کچھ بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

تفسیر

یہ اسی قصہ کا تتمہ ہے کہ فرعون نے لوگوں کی تسلی اور اپنی شوکت جتلانے کے لیے یہ بھی کہا کہ مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو بلاوے دیکھیں وہ کیا کرتا ہے اور کیوں کر بچاتا ہے (جانتا تھا کہ قتل کروں گا تو

بلا آجاوے گی کس لیے کہ معجزات دیکھ چکا تھا گویا لوگوں نے اس کو قتل سے روک رکھا تھا) یہ اس لیے کہ اگر قتل نہ کروں تو مجھے ڈر ہے کہ تمہارے دین کو بدل دے گا بت پرستی چھڑا کر خداپرستی پر لگا دے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا کہ وہ سرغنہ ہے بہت لوگ اس کے تابع ہو کر سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

اس کے جواب میں موسیٰ نے یہ کہا انی عذت الخ کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں ہر ایک متکبر سے جو حساب کے دن سے نہیں ڈرتا۔ مطلب یہ کہ میرا محافظ اللہ ہے۔

وقال رجل مؤمن الخ اور فرعون کے خاندان میں سے ایک ایمان دار مرد نے جو کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا مگر فرعون کے ڈر سے اس کو مخفی رکھتا تھا یہ کہا کہ کہ تم ایک شخص کو کیا اس جرم پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس معجزات و نشانیاں لے کر بھی اپنی صداقت پر آیا ہے۔ یعنی یہ جرم نہیں کہ جس پر قتل کیا جاوے۔ پس اگر وہ جھوٹا ہی تو اس کا وبال اس پر پڑے گا آپ خراب ہو جاوے گا کس لیے کہ جھوٹے کو فلاح نہیں۔ اور اگر وہ سچا ہے تو فرض کرو کہ کل باتیں نہیں مگر بعض تو ضرور تم پر پڑیں گی کہ جن کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے۔ وہ شخص دل میں موسے علیہ السلام کو سچا جانتا تھا مگر ان کے سمجھانے کے لیے اس طریق پر مصلحت آمیز کلام کرتا تھا کہ جو ان کے دل میں اثر کرے بشرطیکہ کچھ عقل سلیم بھی ہو۔

پھر کہا یقوم لکم الملک الیوم الخ کہ آج کے دن تمہاری حکومت اور تم کو غلبہ ہے مگر اس پر گھمنڈ نہ کرنا اگر اللہ کی طرف سے ہم پر اس کے مقابلہ سے کوئی بلا آگئی تو کوئی بھی ہماری مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

فرعون نے کہا جو میری رائے ہے تم پر ظاہر کرتا ہوں اور تم کو اچھی اور عمدہ بات اور سیدھا راستہ بتاتا ہوں۔

اس مرد خدا نے کہا انی اخاف الخ کہ اگلی قوموں نے جیسا کہ قوم نوح و عاد و ثمود اور ان کے بعد تھیں برے کام کیے تھے برباد ہو گئیں ویسا ہی حال تمہارا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ انسان آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ

اور اے قوم! میں تم پر پکار کے دن سے خوف

التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ

کھاتا ہوں جس دن کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے (اور)

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ

اللہ سے تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ

کہ اللہ گمراہ کرتا ہے پھر اس کے لیے کوئی بھی ہدایت کرنے والا نہیں اور اس سے

جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ

پہلے یوسف تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے

فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ

پھر جو کچھ کہ وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے تم اس میں (ہمیشہ) شک ہی کرتے رہے

حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ

یہاں تک کہ جب وہ مر گئے تو تم نے کہہ دیا کہ اس کے بعد اللہ

مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ

کسی رسول کو نہیں بھیجے گا جو بیہودہ شکی ہوتا ہے

اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾

اللہ اسی کو یوں ہی گمراہ کیا کرتا ہے

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ

کہ ان کے پاس کوئی سند تو آئی ہوئی ہوتی نہیں (یوں ہی) اللہ کی

سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ

آیتوں میں جھگڑا کیا کرتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک (یہ)

وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ

بڑی نازیبا بات ہے اللہ ہر ایک متکبر

اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

سرکش کے دل پر اسی طرح سے مہر کر دیا کرتا ہے

تفسیر

یہ اُس مومن کا ایک اور قول ہے یٰقوم انی اخاف علیکم یوم التناد تناد کو جمہور نے تخفیف دال و حذف یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی اصل تنادی ہے باب تفاعل سے نادی ینادی نداء بمعنی آواز سے مشتق ہے۔ کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت آواز دینے کے دن سے ڈر ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کہ ملائکہ پکاریں گے اور اہل جنت کو ان کے مقامات کی طرف آنے کو کہیں گے یا ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکارے گا جس طرح کہ مصیبت کے وقت پکارا کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے غرض اس کی دنیا میں مصیبت اور ہزیمت کا دن ہو جس کے آنے کی خبر اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی یا اس کو خود سنت اللہ کو دیکھ کر معلوم ہو گیا ہو کہ انبیاء علیہم السلام سے مقابلہ کرنے والے ایک روز آسمانی بلا میں گرفتار ہوتے ہیں اور اس مصیبت کے وقت اپنے یار و انصار کو پکارا کرتے ہیں ان پر بھی وہ دن آنے والا ہے۔ وہ کون سا دن ہے؟ یوم تولون مدبرین وہ کہ جس روز تم پیٹھ دے کر بھاگو گے اور خدا کے قہر سے تم کو کوئی نہ بچاوے گا (چنانچہ یہ معاملہ بحر قلزم میں غرق ہونے کے دن پیش آیا)

نصیحت تمام کر کے یہ بھی فرما دیا ومن یضلل اللہ فمالہ من ھاد کہ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ یعنی اگر تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا اور نہ کرو گے تمہاری حالت سے معلوم ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ تم کو خدا ہی نے گمراہ کر دیا پھر میری ہدایت کیا نفع دے سکتی ہے۔ یہ مایوسی کا کلمہ ہے۔

ولقد جاءکم یوسف من قبل الخ یہ بھی اُسی مومن کا کلام ہے۔ بعض کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ کہ موسیٰ کا نبی ہو کر تمہارے پاس آنا کوئی نئی بات نہیں ان سے کئی سو برس پہلے فرعون سابق کے عہد میں حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس دلائل و معجزات لے کر آئے تھے انہوں نے بھی مصریوں کو بہت کچھ سمجھایا بت پرستی سے منع کیا مگر نہ مانا آخر جب ان کا انتقال ہو گیا تو کہنے لگے کہ اب ان کے بعد خدا تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا ان کی زندگی میں تو ان کے منکر رہے اور ان کے بعد اور آیندہ آنے والے رسولوں کے منکر ہو گئے اور سلسلہ رسالت کا ہی انقطاع کر بیٹھے۔ یہ بڑی گمراہی اور سخت سرکشی ہے اور ان پر کیا موقوف ہے کذٰلک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب بلکہ ہر بے ہودہ اور حد سے باہر ہونے والے اور شک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ یوں ہی گمراہ کر دیا کرتا ہے۔ ان کو جو یجادلون الخ اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند اور دلیل کے ناحق جھگڑا کیا کرتے ہیں۔ جو عند اللہ اور عند المؤمنین بڑی نازیبا بات ہے۔ اور اسی طرح سے ان کے دلوں پر مہر بھی کر دیا کرتا ہے، پھر ان کے دلوں میں حق بات نہیں جاتی یہ ان کی سرکشی اور تکبر سے ہوتا ہے۔

اس میں قریشِ مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ فرعونیوں پر کیا موقوف ہے تمہارا بھی یہی حال ہے پھر جو اُن کا انجام ہوا تمہارا بھی ہوگا۔ گو قریش بحر قلزم میں نہ ڈوبے مگر قحط اور قتلِ بدر کی بلا کے بحرِ عمیق میں ایسے غرق کیے گئے کہ الٰہی توبہ الٰہی توبہ۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا

اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے لیے ایک محل تو تیار کر

لَعَلِّیٓ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسۡبَابَ
تاکہ میں اُن رستوں سے جو آسمان کے رستے ہیں پہنچ کر
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰہِ مُوۡسٰی وَ
موسیٰ کے خدا کو دیکھ آؤں اور
اِنِّیۡ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا ؕ وَ کَذٰلِکَ زُیِّنَ
میں تو اس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے بُرے کام
لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ وَ صُدَّ عَنِ
اس کی آنکھوں میں بھلے معلوم ہو رہے تھے اور وہ رستہ سے
السَّبِیۡلِ ؕ وَ مَا کَیۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا
روکا گیا تھا اور فرعون کی تدبیریں تو سراسر بربادی
فِیۡ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ
تھیں اور اس ایمان والے نے کہا
یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَہۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ
اے قوم میری پیروی کرو کہ میں تم کو سیدھے رستہ پر
الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃُ
لے چلوں اے قوم یہ دنیا کی زندگانی جو ہے تو
الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَۃَ ہِیَ
کچھ برتنے کے لیے ہے اور آخرت کا گھر ہی
دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً
ٹھیرنے کی جگہ ہے جس نے برا کام کیا
فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا
تو اُتنی ہی سزا پاوے گا اور جس نے نیک کام کیا
مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ
خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان دار بھی ہو
فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ
سو وہ جنت میں داخل ہوں گے جہاں ان کو

فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ یٰقَوۡمِ مَا لِیۡۤ
بے حساب روزی ملے گی اور اے قوم میرا بھی عجب حال ہے
اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی النَّجٰوۃِ وَ تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ
کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو آگ کی
اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ
طرف بلاتے ہو تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کا
بِاللّٰہِ وَ اُشۡرِکَ بِہٖ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ
منکر ہو جاؤں اور اس کے ساتھ اس کو شریک کروں کہ جس کو میں جانتا
عِلۡمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی الۡعَزِیۡزِ
بھی نہیں اور میں تم کو زبردست بخشنے والے کی طرف
الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ
بلاتا ہوں بلاشک تم مجھ کو جس کی طرف
اِلَیۡہِ لَیۡسَ لَہٗ دَعۡوَۃٌ فِی الدُّنۡیَا وَ
بلاتے ہو وہ تو نہ دنیا میں بلانے کے قابل ہے اور
لَا فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰہِ
نہ آخرت میں اور بے شک ہم کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے
وَ اَنَّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ہُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾
اور بے شک بیہودہ لوگ ہی دوزخی ہیں
فَسَتَذۡکُرُوۡنَ مَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ ؕ
پھر تم میری بات کو یاد کرو گے
وَ اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ
بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۴۴﴾
بندوں کو دیکھ رہا ہے

النصف

ع ۱۰ ۴ ۹

ترکیب

اسباب السموٰت بدل مما قبلہ فاطلع بالنصب علیٰ جواب الامر و بالرفع عطفا علیٰ ابلغ وتدعو نبی الجملۃ وما یتصل بھا بدل او تبیین لتدعونی الاولیٰ وافوض الجملۃ حال من الضمیر فی اقول۔

تفسیر

فرعون نے پہلے کہا تھا وما اھدیکم الا سبیل الرشاد اب اس جگہ اس کی عقل و فہم کی کوتاہی بیان کی جاتی ہے کہ اپنے وزیر یا مصاحب ہامان سے یہ کہا کہ میرے لیے کوئی ایسا بلند مکان بنا کہ جس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو اس کو جھوٹا ہی جانتا ہوں حماقت اس میں یہ ہے کہ موسیٰ کے اس کہنے سے کہ اللہ رب السموٰت ہے وہ یہ سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر رہتا ہے جیسا کہ طبائع عامہ فوقیت کے لحاظ سے اس کو آسمانوں پر بتاتے ہیں اور فرقہ مشبہ و مجسمہ فرعون کے قول کو سند میں لاتے ہیں۔

دوسری حماقت یہ تھی کہ اگر ہامان کوئی ایک بلند مکان بھی بنلتا تو غایۃ الامر بڑے سے بڑے پہاڑ کے برابر بنتا پھر اس احمق کو یہ نہ سوجھا کہ پہاڑ پر چڑھنے سے بھی تو یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔

تیسری حماقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محسوس نہیں، وہ بلندی پر چڑھ کر کیوں کر دکھائی دے سکتا ہے؟

اسباب السموٰت وہ چیزیں کہ جن سے استمداد کی جاتی ہے رستا وغیرہ۔

ہامان کی بابت اہلِ کتاب کا یہ اعتراض کرنا کہ فرعون کے عہد کے سیکڑوں برس بعد میں ہوا ہے محض غلط ہے۔ کس لیے کتنے اور ہامان ہے۔ اب یہ بات ہے کہ تورات میں اس کا ذکر نہیں سو یہ بھی بے کار ہے۔ تورات میں سیکڑوں باتیں مذکور نہیں پھر کیا ان کا انکار ہوسکتا ہے؟ اور تورات محرف بھی ہو تو پھر اس پر کیوں کر اعتماد ہوسکتا ہے؟

ہامان نے کوئی ایسا محل اس احمق کے کہنے سے بنایا نہ تھا وہ تو اس کی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لیے لوگوں کے سنانے کو ایک بات تھی۔

وکذلک الخ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس پر کیا بس ہے اور بہت سی باتیں غلط اور اعمال فاسدہ فرعون کے نزدیک عمدہ سمجھے جاتے تھے۔ وصد۔ جمہور نے معروف کا صیغہ پڑھا ہے ای صد فرعون الناس عن سبیل اللہ اور کوفیوں نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے صُد اس کا عطف زین پر ہوگا۔ اور بعض نے مصدر پڑھا ہے اس کا عطف سوءِ عملہ پر ہوگا۔

اس کے بعد اخیر تک اُس مردِ مومن کی گفتگو نقل ہے جو اس نے فرعونیوں کے مقابلہ میں کی تھی جس میں دنیا کی بے ثباتی اور دار آخرت کا ذکر اور اپنی نصیحت کا وثوق بیان ہوا ہے۔

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا

پھر اللہ نے اس کو تو ان کے فریبوں کی برائی سے بچایا

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝

اور خود فرعونیوں پر سخت عذاب آپڑا

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ

وہ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے

عَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫

ہیں اور جس دن کہ قیامت برپا ہوگی

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝۴۶

(حکم ہوگا) فرعونیوں کو سخت عذاب میں لے جاؤ۔

وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ
اور جب کہ دوزخی دوزخ میں باہم جھگڑیں گے . پھر
الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا
کمزور سرکشوں سے کہیں گے کہ ہم
کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ
تمہارے پےرو تھے پھر کیا تم ہم سے
عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ
کچھ بھی آگ دور کر سکتے ہو ؟ سرکش
الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُلٌّ فِیْهَآ
کہیں گے ہم تم سبھی اس میں پڑے ہوئے ہیں
اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ
البتہ اللہ اپنے بندوں میں فیصلہ کر چکا اور
قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ
دوزخی جہنم کے . داروغوں سے کہیں گے کہ
ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا
تم اپنے رب سے عرض کرو کہ وہ ہم سے کسی روز تو
مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَکُ
عذاب ہلکا کر دیا کرے وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس
تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ
تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہ آئے ؟
قَالُوْا بَلٰی قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا
وہ کہیں گے ہاں (لاتے رہے) فرشتے کہیں گے تو پڑے پکارا کرو اور کافروں کا
الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾
پکارنا محض رائگاں ہوگا .

تفسیر

اس کے بعد خدا تعالیٰ اُس مومن کے ایمان کا نتیجہ بیان کرتا ہے جو دنیا میں بھی اس کے سامنے آیا اور فرعونیوں کا انجام کا بیان فرماتا ہے۔

فقال فوقتہ اللہ الخ کہ اللہ نے اس مومن کو فرعونیوں کے فریب وایذا سے جو اس کو مؤمن سمجھ کر دینا چاہتے تھے بچا لیا اور خود فرعونیوں پر بڑا عذاب آپڑا کہ وہ اول تو طرح طرح کی مصیبتوں میں جو موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ان پر آئیں مبتلا ہوئے پھر بحر قلزم میں غرق ہوئے اور مرنے کے بعد ان کا یہ حال ہوا النار یعرضون الخ کہ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے کیے جاتے ہیں۔ صبح وشام سے مراد خاص یہی دو وقت نہیں بلکہ دوام مراد ہے اس کو محاورے میں صبح وشام سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ اور آگ کے سامنے لائے جانے سے مراد اس کا دکھایا جانا ہے۔ یا کم تر عذاب ہونا بہ نسبت آخرت کے۔ بعض کہتے ہیں آگ میں داخل ہونا مراد ہے۔ بولتے ہیں عرضھم علی السیف اذا قتلھم۔

عذاب قبر کا ثبوت

بخاری ومسلم وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر میت کو صبح وشام اس کا اصلی ٹھکانا دکھایا جاتا ہے اگر جہنمی ہے تو جہنم۔ اور جنتی ہے تو جنت اور کہہ دیا جاتا ہے قیامت کے روز تیرا یہ ٹھکانا ہوگا۔ یہ عالم برزخ کی سزا وجزا ہے جو ارواح کو ہوتی ہے اور یہ سزا بہ نسبت اصلی سزا کے جو قیامت

ع ۵ (۱۳) ۱۰

کے روز ہوگی کم ہوتی ہے جیسا کہ قید سے پہلے حوالات ہوتی ہے۔ یہ آیت صاف دلیل ہے کہ مرنے کے بعد عذاب قبر ہوگا اور ثواب بھی جیسا کہ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے۔ برخلاف معتزلہ کے وہ حشر کے روز جزا و سزا ہونا کہتے ہیں اور اس درمیانی زمانے کو

خالی قرار دیتے ہیں بدلیل قولہ تعالیٰ من بعثنا من مرقدنا اس کو خواب کا زمانہ کہتے ہیں۔ مرقدنا کے معنی ہم سورۂ یٰس کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ علاوہ اس آیت کے اہل سنت کے عقیدہ کے اثبات کے لیے بے شمار صحیح حدیثیں بھی وارد ہیں۔ اور عذاب و ثواب قبر پر جو نظر نہ آنے کا اعتراض ہے اس کا جواب ہم دے چکے ہیں۔ اور عالم آخرت میں یہ ہوگا۔ ویوم تقوم الساعۃ الخ اور جس دن قیامت برپا ہو گی حکم ہوگا کہ فرعونیوں کو پوری سزا اور سخت عذاب میں لے جاؤ۔

واذ یتحاجون الخ یہاں سے دوزخ میں ان کی باہم تکرار ہونا بیان فرماتا ہے کہ جو دنیا میں کمزور اور تابع تھے، اپنے سرداروں سے کہیں گے ایک دن کے لیے تو ہمارے عذاب کو دفع کر دو تمہاری فرماں برداری کرنا کیا کام آوے گا۔ وہ کہیں گے ہم خود اس میں مبتلا ہیں۔ اور جہنم کے فرشتوں سے ناچار ہو کر تخفیف کی درخواست کریں گے۔ وہ کہیں گے دنیا میں رسول تمہارے پاس نشانیاں لے کر نہ آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے فرشتے کہیں گے اب تم پڑے پکارا کرو تمہاری شنوائی نہیں۔ کافروں کی پکار نہیں سنی جاتی۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ دنیا میں کافروں کی دعا نہیں سنی جاتی۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ
ہم اپنے رسولوں اور ایمان داروں کے دنیا
آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ
کی زندگی میں بھی مددگار ہیں اور اس روز بھی جب گواہ
الْأَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ
کھڑے ہوں گے جس روز کہ ظالموں کو ان کا عذر کرنا
مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ
کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور ان پر پھٹکار پڑے گی اور
لَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا
ان کے لیے برا گھر ہوگا اور البتہ ہم نے
مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي
موسیٰ کو ہدایت نامہ (توریت) دی تھی اور بنی اسرائیل کو
إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ﴿۵۳﴾ هُدًى
اس کتاب کا وارث بنایا تھا جس میں
وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۵۴﴾
عقل مندوں کی ہدایت اور نصیحت تھی
فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ
پس صبر کرو کیونکہ وعدہ اللہ کا سچا ہے اور اپنے گناہوں
لِذَنبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
کی معافی مانگتے رہو اور اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ شام
بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ
اور صبح تسبیح کرتے رہو وہ جو اللہ کی
يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ
آیتوں میں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو
أَتَاهُمْ ۙ إِن فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ
جھگڑتے ہیں اور کچھ نہیں بس ان کے دل میں غرور[۱] اور
مَّا هُم بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ
بڑائی کی ہوس ہے جس کو وہ نہ پہنچیں گے سو اللہ سے پناہ مانگو
إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۵۶﴾
کیوں کہ وہ سنتا دیکھتا ہے۔

ترکیب

[۱] کہ ہم پیغمبر پر غالب آجائیں گے ۱۲ منہ

والذین فی محل نصب عطفا علیٰ رسلنا ای لننصر رسلنا وننصر الذین آمنوا معھم۔ فی الحیوٰۃ الجار متعلق بننصر ویوم معطوف علیٰ فی الحیوٰۃ ای ننصرہم فی الدنیا وفی الآخرۃ۔ یوم بدل من یوم یقوم الاشہاد ولہم اللعنۃ الجملۃ الاسمیۃ معطوف علیٰ لاینفع ھدی حال من الکتاب قال الزجاج الاشھاد۔ جمع شاہد کصاحب و اصحاب وقال النحاس لایجیٔ جمع فاعل علیٰ افعال بل ہی جمع شہید کشریف واشراف۔

تفسیر

فرعونیوں کی بربادی اور بنی اسرائیل اور موسےٰ علیہ السلام کی سلامتی کا ذکر کرکے یہ بات بتلاتا ہے کہ کچھ موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم ہی پر سلامتی اور امداد غیبی موقوف نہیں ہم اپنے سب رسولوں اور ان کے ماننے والوں کو دنیا میں اور آخرت میں (کہ جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی عدالت کا تخت بچھے گا اور جس دن کہ ظالموں کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان پر لعنت یعنی خدا کی ناراضگی اور برا گھر یعنی جہنم ہوگا) فتح دیں گے کامیاب کریں گے۔

دنیا میں بھی فتح غلبہ پانے اور لوگوں میں ہمیشہ کے لیے بول بالا رہنے اور نیکی سے یاد کیے جانے اور ان کے دل میں سرور اور فرحت و نور عطا ہونے اور بلاؤں سے نجات پانے اور مخالفوں کے دل میں رعب و دفار پیدا کرنے سے ہوتی ہے اور آخرت میں مغفرت اور جنت اور دوسروں کی سفارش کرنے کا اختیار دینے سے ہوگی۔

اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ دیا جاتا ہے اور کفارِ قریش کے کان کھولے جاتے ہیں خبردار رہو تمہارا زور و شوکت و حشمت و دولت فرعونیوں کی حشمت و دولت سے بہت کم ہے۔ دیکھو ان کا انجام کیا ہوا؟

ولقد اٰتینا موسی الکتٰب الخ نصرت اور مدد انبیا کی ایک خاص بات بیان فرماتا ہے کہ فرعونیوں کو ہلاک کرکے ہم نے موسیٰ کو ہدایت یعنی ہدایت کرنے والی کتاب توراۃ دی جو اس کے دین کے استحکام کی ایک رکنِ اعظم تھی اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث کیا جو عقل مندوں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔

اس تذکرہ کے بعد جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ان کو سنایا گیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی چند روزہ تکالیف پر برداشت کرنے کا حکم دیتا ہے۔

فاصبر ان وعد اللہ حق کہ صبر کر و اللہ کا وعدہ حق ہے۔ عن قریب تجھ کو اور تیرے رب کے ماننے والوں کو غلبہ ہوتا ہے اور صبر کرکے بے کار نہ بیٹھو نہ اپنی زبان کو ان کے برا بھلا کہنے میں مستعمل کرو۔

بلکہ واستغفر لذنبک خود اپنے خدا تعالیٰ کے روبرو اپنی خطاؤں سے معافی مانگو کیوں کہ اگر بشریت سے ان کی ایذاؤں کے مقابلے میں کوئی بات خلاف اَولیٰ سرزد ہوگئی ہو تو خدا تعالیٰ سے اس کی معافی مانگو تاکہ آپ بالکل بے الزام رہیں۔ بندہ گو کیسا ہی نیکوکار و ابرار ہو اور معصوم بھی ہو مگر مقتضائے عبدیت یہی ہے کہ اپنی نیکی پر گھمنڈ نہ کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم ہر چند صغائر و کبائر سے پاک تھے مگر بشر تھے۔ محبت کے طریقے میں ذرا ذرا سی بات جو خلافِ اولیٰ ہو ان کے نفوسِ قدسیہ کے لیے ایک بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا اس لیے استغفار کا حکم ہوا اور بے گناہی پر بھی استغفار کرنا رفع درجات کا باعث ہے۔

اور صرف استغفار ہی نہیں بلکہ وسبح بحمد ربک

ع ۱۰

صبح وشام اپنے رب کی مدح وثنا تسبیح وحمد کیا کرو تاکہ فضلِ الٰہی جلد فتح یاب کرے۔

ان الذین الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر سند کے جاہلانہ حجت کیا کرتے ہیں یہ صرف ان کے دلی غرور کا باعث ہے جو وہ آپ سردار بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔

ماھم ببالغیہ یہ ان کو حاصل نہ ہوگا۔ پس اب ان کے مکائد و غرور سے اللہ کی پناہ چاہو وہ سمیع و بصیر ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ
البتہ آسمانوں اور زمین کا بنانا آدمیوں کے بنانے
خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
سے بڑھ کر ہے لیکن اکثر لوگ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى
جانتے ہی نہیں اور اندھا اور آنکھوں والا
وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
برابر نہیں اور نہ ایمان والے اچھے کام کرنے
الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا
والے بدکاروں کے برابر ہیں تم بہت ہی کم
تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ
سمجھتے ہو بے شک قیامت تو ضرور آنے والی ہے
لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
اس میں کچھ شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ
ایمان نہیں لاتے اور تمہارے رب نے فرمادیا ہے
ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ
کہ مجھ کو پکارا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا البتہ وہ جو
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
ہماری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں
سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾
وہ ذلیل ہوکر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

تفسیر

ترغیب و ترہیب کے بعد پھر دلائلِ توحید و اثباتِ حشر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

فقال لخلق السمٰوٰت الخ کہ یہ منکرین حشر اس بات سے کیا تعجب کرتے ہیں کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ بندوں کو بار دگر پیدا کرے گا اور اس بات کو کیا محال جانتے ہیں؟ کس لیے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے جو انسانوں کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔ آسمانوں کی وسعت اور ان میں ایسے ایسے بڑے اجرام نورانی یعنی آفتاب و مہتاب اور ستارے کہ جو زمین سے ہزاروں حصہ بڑے ہیں عاقل کے لیے اس کی قدرتِ کاملہ پر دلیلِ بین ہیں۔[۱]

[۱] بعض نے اسی بات سے یہ خیال پیدا کیا ہے کہ ان اجرام میں سے جنت بھی ایک ایسا ہی جرم سماوی ہے جو بُعد کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ وہاں آرام و آسائش دائمی ہے کیوں کہ سب اجرام کے مادے یکساں نہیں۔ وہ سب میں زیادہ عافیت اور خلود و سرور کی جگہ ہے۔ ارواحِ بشریہ جو نیک ہیں مرنے کے بعد یا قیامت برپا ہونے کے بعد وہاں بھیجی جاتی ہیں اور اس میں آرام سے رہتی ہیں۔ اور جہنم ان میں سے ایک بدتر جرم ہے جو ظلمانی ہے اور زمین سے نیچے ہے وہاں بے شمار تکلیفیں ہیں مشرکین و کفار و گناہ گاروں کی روحیں وہاں جاکر عذاب میں رہتی ہیں اور جسم اسی کرۂ ارضی میں رہ جاتا ہے و فیہ ما فیہ ۱۲ منہ۔

[۲] اس میں کلام یہ ہے کہ اس تقدیر پر جنت و دوزخ (باقی بر صفحہ آئندہ)

فیساغورس حکیم اور اس کے متبعین جو آسمانوں کا وجود ہمارے خیال کے موافق تسلیم نہیں کرتے اور آسمان فضا کو کہتے ہیں ان کے نزدیک اور زیادہ اس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت ہے۔ وہ کہتے ہیں زمین بھی ایک چھوٹا سا تارہ ہے جس میں یہ کچھ کائنات ہے اور دیگر ستاروں کی طرح آفتاب کے گرد لاکھوں کوس کے فاصلہ سے گھومتی ہے۔ اسی طرح زہرہ و مشتری وغیرہ ستارے اس سے بھی بڑے ہیں اور وہ بھی دورہ کرتے ہیں اور آفتاب بھی ایک بڑا جرم ہے وہ بھی دورہ کرتا ہے۔ جو ہم کو نہایت چھوٹے چھوٹے تارے رات کو دکھائی دیتے ہیں وہ بُعد کی وجہ سے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں ورنہ وہ زمین سے لاکھوں حصے بڑے ہیں۔

پھر حکماء حال نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان میں بھی انسان کی طرح سے حیوانات بستے ہیں اور وہاں روشنی آفتاب یا کسی اور ستارے سے پہنچتی ہے۔ آفتاب کے رہنے والوں کو کسی اور نیر سے آفتاب و ماہتاب کی طرح سے روشنی پہنچتی ہے ان میں رہنے والوں کو زمین بھی ایک چھوٹا سا تارا معلوم ہوتا ہے اور ان لاکھوں کروڑوں ستاروں میں کہ جن میں سے ایک زمین بھی ہے بعض آفتاب سے منور ہیں بعض کسی اور سے۔

پھر ان کی نورانیت اور ظلمت بھی مختلف ہے۔ پھر اس کی قدرت کو دیکھو کہ یہ سب ایک فضا غیر محدود میں کس انداز سے دورہ کر رہے ہیں آپس میں ٹکرا نہیں جاتے نہ ان کے انتظام میں فرق آتا ہے۔ پس ایسے حکیم و قدیر کے نزدیک آدمی کا بارہ دگر پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ مگر اس بات کو آنکھوں والے

یعنی علم و عقل والے جانتے ہیں نہ اندھے۔ اس لیے فرماتا ہے۔ وما یستوی الاعمٰی الخ کہ اندھا اور آنکھوں والا یعنی جاہل و عالم برابر نہیں اور نہ مؤمن نیک کام کرنے والا اور بدکار برابر ہو سکتے ہیں لیکن اے لوگو تم کم سمجھتے ہو۔ اس کے بعد پھر قیامت کے برپا ہونے کی خبر دیتا ہے۔

ان الساعۃ لاٰتیۃ الخ کہ قیامت ضرور آوے گی اس میں کچھ بھی شبہ نہیں یعنی یقیناً آوے گی لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں۔

قیامت دارِ آخرت میں جانے اور سرورِ ابدی پانے کا وسیلہ ہے اس لیے جو باتیں اس عالم میں نافع ہیں ان کی تعلیم دیتا ہے۔

فقال وقال ربکم الخ تمہارا رب فرماتا ہے مجھے پکارو میری عبادت کرو میں تم سے غائب نہیں ہوں میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں عبادت قبول کرتا ہوں جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا
اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام کے لیے رات

فِیۡہِ وَ النَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ
بنائی اور دیکھنے کو دن بنایا [1] بے شک اللہ لوگوں پر

فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ
فضل کرتا ہے لیکن اکثر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس عالم جسمانی کی ایک جگہ ٹھیرتی ہے حالانکہ وہ ایک عالم ہے جس کو عالم باقی کہتے ہیں اور انوارِ نبوت سے یہی ہم کو معلوم کرایا گیا ہے۔ اور فیساغورثی قول کی اگر یوں اصلاح کرلی جائے کہ یہ سب ستارے گو کسی فلک میں نہیں جدا گانہ حرکات میں دورہ کرتے ہیں۔ لیکن اس تمام فضا کو جس میں یہ دورہ کرتے ہیں سمٰوٰت احاطہ کیے ہوئے ہیں جس میں ملائکہ تسبیح و تقدیس و تدابیر امور میں مصروف ہیں ۱۲ منہ۔

[1] کہ اس کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھتا ہے ۱۲ منہ

النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
لوگ　شکر نہیں کرتے　وہ ہے　اللہ
رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَا إِلٰهَ
تمہارا رب ہے. جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے　اس کے سوا کوئی

وقف لازم

إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ
معبود نہیں　پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو　اسی طرح وہ
يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ
لوگ بھی بہک گئے تھے　جو　اللہ　کی　آیتوں　کا
يَجْحَدُونَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ
انکار کیا کرتے تھے　اللہ وہ ہے کہ　جس نے　تمہارے
لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً
ٹھیرنے　کو　زمین بنائی　اور آسمان کو چھت بنایا
وَّصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ
اور تمہاری صورتیں بنائیں　پھر تمہاری اچھی صورتیں　بنائیں
وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ ذٰلِكُمُ
اور پاکیزہ چیزوں سے　تم کو روزی دی　وہ ہے
اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ
اللہ　تمہارا رب ہے　تمام جہان کا پالنے والا بڑا
الْعٰلَمِينَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ
با برکت ہے　وہی ہے　زندہ　اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں
فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ
پھر اُسی کو پکارو　خاص اُسی کی بندگی کرتے ہوئے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٦٥﴾
سب خوبیاں اللہ کو ہیں جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے

تفسیر

جب کہ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کو پکارا کرو کہ وہ تمہارا کہنا سنتا ہے تمہاری مراد بر دیتا ہے تو مناسب ہوا کہ ان مشرکین کو کہ جن کے مقابلے میں کلام ہو رہا ہے اور جو اوہام باطلہ کی پرستش صرف دنیاوی کامیابیوں کے لیے کرتے تھے دو باتیں بتلائی جائیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ موجود و قادر و معطی بھی ہے کہ نہیں؟ کس لیے کہ اوہام عامہ اس کے محسوس نہ ہونے سے بیشتر تردد میں پڑ جاتے ہیں اور اس لیے اپنے تراشیدہ معبودوں کو جو ان کے سامنے موجود دکھائی دیتے ہیں پوجتے ہیں۔

پس اللہ الذی الخ ان آیات میں دلائل و براہین سے خدا تعالیٰ کا وجود اور متصف بصفات معبودیت ہونا ثابت کیا گیا اور خدا تعالیٰ کے آثار و علامات سے جو کسی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے اس کا موجود ہونا بتایا گیا ہے کیوں کہ پاؤں کے نشانوں سے چلنے والا اور کسی کارے اس کا کاری گر یقیناً ثابت ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ثابت کرنی تھی کہ آیا وہ دینا اور فیض بخشی بھی کرتا ہے؟ سو اس کا بھی انہیں آیات میں ثبوت کیا گیا۔

اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے چند دلائل بیان فرمائے۔

اول اللہ الذی الخ کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام و سکون کے لیے رات بنائی اور دیکھنے کے لیے دن بنایا۔ اگر زمین و آفتاب ایک ہی حالت پر رہتے تو یا ہمیشہ رات رہتی یا دن یہ دونوں باتیں انسان کی معاش میں خلل انداز تھیں بلکہ اس کی زندگی بھی مشکل ہو جاتی یہ اس کی بڑی نعمت اور عنایت ہے۔

اس سے ثابت ہوا ان اللہ لذو فضل علی الناس کہ اللہ لوگوں پر بڑی عنایت اور مہربانی کرتا ہے۔

ولکن اکثر الناس لا یشکرون لیکن اکثر آدمی شکر

نہیں کرتے یا تو اس لیے کہ اس نعمت کو ایک معمولی بات سمجھتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں یا اس کو کسی اور کی طرف منسوب کرتے ہیں اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے۔

ذٰلکم اللہ ربکم یہ اللہ ہے تمہارا رب۔ خالق کل شئ ہر چیز کا پیدا کرنے والا نہ اور کوئی۔ ذٰلك اشارے کا لفظ لا کر اور اس سے پہلے اپنی روزمرہ کی نشانی دکھا کر گویا آنکھ سے خدا تعالیٰ کو دکھا دیا کہ اے اندھو! آنکھیں کھولو اور دیکھو یہ اللہ ہے اور ایسا بخشنے والا ہے۔

فانی تؤفکون پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو اوروں کو پکارتے ہو، ان کی عبادت کرتے ہو ان کو نافع اور ضار سمجھتے ہو۔ اور یہ بہکنا کچھ انہیں پر منحصر نہیں بلکہ کذٰلك یؤفك ان سے پہلے بھی لوگ بہکے ہوئے تھے وہ جو اللہ کی ایسی نشانیوں کا انکار کرتے تھے یعنی یہ بھی اللہ کی نشانیوں کو دیکھتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

دوم اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا و السماء بناء اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہاری قرارگاہ بنایا کہ اس پر بستے ہو چلتے پھرتے ہو اور آسمان کو چھت بنا دیا کہ تم کو گھیرے ہوئے ہے صدہا نعمتیں چھت پر سے بے مشقت تمہارے گھر میں آ رہی ہیں۔

سوم وصورکم فاحسن صورکم تمہاری صورت اس نے بنائی پھر کیا خوب بنائی اس خوبی کو دیکھو تو معلوم ہو کہ کیسی نعمت تم کو عطا ہوئی ہے۔ تشریح ابدان کے جاننے والے اس کو جانتے ہیں۔

چہارم ورزقکم من الطیبٰت یہی نہیں کہ تم کو عمدہ بنا کر بھوکا مارا بلکہ عمدہ سے عمدہ روزی دی نفیس چیزیں کھلائیں ذٰلکم اللہ ربکم یہ ہے اللہ تمہارا رب۔

فتبٰرك اللہ رب العٰلمین پھر کیا بابرکت رب ہے جو تمام عالم کا رب ہے۔

ھو الحی الخ وہ زندہ معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جب یہ ثابت ہوا تو فادعوہ اسی کو پکارو، اسی کی عبادت کرو۔ مگر کس طرح سے مخلصین له الدین اسی کے ہو کر۔

مدعا ثابت کر کے کلام ختم کرتا ہے الحمد للہ رب العٰلمین کہ ہر قسم کی ستائش کا مستحق وہی منعم حقیقی ہے۔ نہ کوئی اور۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ
کہہ دو مجھ کو تو ان چیزوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جن کی
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ
تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو جب کہ میرے رب کی
الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ٘ وَ اُمِرْتُ اَنْ
طرف سے میرے پاس کھلی کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ
اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ
میں رب العالمین کے آگے سر جھکاؤں وہی کہ
الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر
مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ
نطفہ سے پھر خون کی پھٹکی سے پھر تم کو لڑکا بنا کر
طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ
نکالتا ہے پھر (باقی رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو
ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ
پھر یہاں تک (باقی رکھتا ہے) کہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو کچھ تم میں
مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا
اس سے پہلے مر جاتے ہیں اور تم کو اور زندہ رکھتا ہے تاکہ تم وقت
مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ
مقررہ تک پہنچو اور تاکہ تم سمجھو وہی

ع ۵ ۱۲

الذی یحی ویمیت فاذا قضی

زندہ کرتا اور مارتا بھی ہے پھر جب وہ کسی کام کا

امرا فانما یقول لہ کن فیکون ﴿۶۸﴾

حکم کرتا ہے تو صرف کن کہتا ہے سو وہ ہوجاتا ہے

ترکیب

لما ظرف لاعبد طفلا حال من ضمیر فی یخرجکم ای المنصوب المتصل اعنی کم ۔ والتوحید لارادۃ الجنس او علی تاویل لکل واحد والمراد اطفالا لتبلغوا اللام متعلقہ بمحذوف ای ثم یبقیکم لتبلغوا وکذافی قولہ ثم لتکونوا شیوخا جمع الشیخ والشیوخ بضم الشین وبکسرہا ولتبلغوا ذلک لتبلغوا اجلا مسمی ۔

تفسیر

دلائل توحید بیان فرماکر شرک کی برائی مؤکد کرنے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے قل انی نہیت کہ ان سے کہہ دو مجھ کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین کامل ہو گیا ہے اور شرک کی قباحت منکشف ہوگئی ہے میں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہوں کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو کیوں کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بینات یعنی دلائل یقینیہ آچکے ہیں اور مجھ کو رب العالمین کے آگے سر جھکانے کا حکم ہوا ہے ۔

ھو الذی الخ سے رب العلمین کی توضیح کی جاتی ہے کہ اس کی ربوبیت کی ایک یہ شان ہے کہ اس نے تم کو بذریعہ تمہارے باپ آدم کے خاک سے بنایا کیوں کہ انسان کا غالب مادہ خاک ہے پھر اس کے بعد تمہارے توالد و تناسل کا سلسلہ اس طور پر قائم کیا کہ تم کو منی کے قطرہ سے پیدا کرتا ہے پھر وہ نطفہ منی علقہ ہوجاتی ہے پھر اس میں ہاتھ پاؤں اعضاء نمودار ہوکر جان پڑ جاتی ہے پھر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں سے بچہ بنا کر باہر نکالتا ہے پھر تم کو باقی رہنے دیتا ہے تمہاری پرورش کرتا ہے تاکہ تم جوان ہوجاؤ پھر اس عمر طبعی میں اور ماں کے پیٹ میں دیکھیے اس نے کیا کیا احسان تمہارے ساتھ کیے ہیں حواس خمسہ صحت وعافیت رزق ودیگر سامان دیے ۔

ومنکم من یتوفی اور بعض تم میں سے اس حد سے پہلے مرجاتے ہیں اور تم کو اجل مقرر تک باقی رکھتا ہے تاکہ تم سمجھو کہ کون معبود برحق ہے کون رب ہے ؟

ھو الذی یحی ویمیت انسان جو کسی کی اطاعت و عبادت کرتا ہے یا تو احسانات سابقہ اور موجودہ کے لحاظ سے ، سو یہ بھی استحقاق خالص اللہ ہی کا ہے ۔ اس بات کو ھو الذی خلقکم میں بیان فرمادیا اس لیے کہ اس سے جان کا خوف اور جان باقی رہنے کی امید ہوتی ہے سو یہ بات بھی اسی کے لیے ہے وہی مارتا ہے وہی زندہ رکھتا ہے اس میں اس کے سوا کسی کو دخل نہیں ۔ یا کسی کاربراری کی امید سے کہ وہ انسان کی اڑی حاجت کو روا کردیتا ہے سو یہ بھی اسی کا کام ہے ۔

اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے فاذا قضی امرا الخ کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی اس کے کہنے سے فوراً ہوجاتا ہے ۔ جس کو فوراً کرنا چاہتا ہے ۔ اور جس کو بتدریج کرنا چاہتا ہے اس کو بتدریج کرتا ہے مگر اس کو بھی اگر فوراً کرنا چاہے تو فوراً ہوسکتا ہے ۔ یعنی وہ ایسا قادر مطلق ہے ۔ پھر جب یہ ساری باتیں اسی کو حاصل ہیں تو پھر اور کسی کے پکارنے اور پوجنے کی کیا حاجت اور کون ضرورت ؟ پھر ایسے محسن و قادر مطلق کے سوا اور کو پکارنا اگر نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے ؟ اس لیے اس نمک حرامی کی ممانعت کر دی گئی ۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾

پھر کیا ہی بُری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ

کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا مچایا

اللَّهِ أَنَّى يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا

کرتے ہیں کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے

بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا

کتاب کو اور جو کچھ ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا سب کو جھٹلا دیا

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾ إِذِ الْأَغْلَالُ

پھر ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے جب کہ طوق

فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾

اور زنجیریں ان کے گلوں میں ڈال کر کھولتے پانی میں

فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾

گھسیٹے جائیں گے پھر آگ میں جھونکے جائیں گے

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾

پھر ان سے کہا جائے گا جن کو تم اللہ کے سوا شریک

مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ

بناتے تھے کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے وہ ہمارے پاس سے کھوئے گئے بلکہ

لَمْ نَكُنْ نَدْعُو مِنْ قَبْلُ شَيْئًا

ہم پہلے تو کسی کو بھی پکارا نہیں کرتے تھے

كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾

اللہ یوں کافروں کو بچلاوے گا (بدحواس کرے گا)

ذَٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ

یہ عذاب تم کو اس لیے ہوا کہ تم ملک میں ناحق کی خوشیاں منایا

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾

کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ تم اترایا کرتے تھے

ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا

جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے گھسو

ترکیب

اذ الاغلٰل ظرف لیعلمون والمراد المعنی الاستقبال والسلاسل جمع سلسلۃ معطوف علی الاغلال والخبر فی اعناقہم اومبتدا خبرہ یسحبون والعائد محذوف ای یسحبون بہا و ہو علی الاول حال وقریٔ بالنصب ویسحبون بفتح الیاء ای یسحبون السلاسل۔

تفسیر

آیاتِ الٰہیہ میں جھگڑا کرنے والوں کی پھر مذمت بیان کی جاتی ہے۔

فقال الم تر الی الذین الخ خدا تعالیٰ تعجب کے طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو آیاتِ الٰہیہ میں ناحق بحث کیا کرتے ہیں۔ وہ کہاں بہکے جاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے وہ کون ہیں؟ الذین کذبوا بالکتٰب وہ ہیں کہ جنہوں نے کتاب اللہ کو جھٹلایا۔ عام ہے کہ قرآن مجید ہو یا اگلی کتابیں یا ان میں سے کسی کتاب کا انکار کیا ہو۔ اور رسول جس چیز کو لائے اس کا بھی انکار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو جھٹلانا کفر ہے خواہ صراحۃً یا کنایۃً۔ پھر آخرت میں جو سزا ان کو ہوگی اس کو بیان کرتا ہے۔

اذ الاغلٰل الخ ان کے گلوں میں طوق و زنجیر ڈال کر گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا۔ پھر آگ میں ڈالے جائیں گے یعنی طرح طرح سے عذاب ہوگا۔

راغب اصفہانی کہتے ہیں تسلسل الشیٔ اضطراب اس کے معنی ہیں حرکت و اضطراب پایا جاتا ہے۔ زنجیر کو بھی اسی لیے

سلسلہ کہتے ہیں کہ اس کی کڑیوں میں حرکت ہوتی اور پانی کو بھی بوجہ روانگی کے سلسل کہتے ہیں۔ اغلال جمع غل بمعنی طوق۔ السحب، زور سے کھینچنا۔ اور بادل کو بھی اسی لیے سحاب کہتے ہیں کہ اس کو ہوا دھکیلتی ہوئی لے جاتی ہے۔ حمیم، گرم کھولتا ہوا پانی۔ بعض کہتے ہیں پیپ مراد ہے۔ سجر، تنور کو گرم کرنا اور نہر کو پانی سے بھرنا۔ اس لیے کہتے ہیں بحر مسجور اے مملوء ماءً۔

پھر ان سے سوال ہوگا کہ جن کو تم شریک بناتے تھے وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے ضلوا عنا کہ وہ ہم سے کھوئے گئے ہم کو نظر نہیں آتے۔ پھر کہیں گے بل لم نکن ندعوا من قبل شیئًا کہ ہم تو کسی کو بھی نہیں پکارا کرتے تھے۔ جس طرح کوئی شخص کچھ برا کام کرے اور سزا کے وقت انکار کرے کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا تاکہ سزا نہ ہو۔

فرماتا ہے کذٰلك یضل اللہ کہ جس طرح اس روز بہکیں گے ع ۱۰ ۱۳
کیے کام کا انکار کریں گے اسی طرح دنیا میں اللہ ان کو گمراہ کر رہا ہے جو وہ آیات اللہ میں جھگڑتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ اس طرح سے ان کو آخرت میں مبہوت و بدحواس کرے گا۔

ان سے وہاں کہا جائے گا ذٰلکم یہ عذاب تم کو اس لیے ہوا کہ تم دنیا میں گناہوں اور شرک اور طرح طرح کی بدکاری کر کے خوش ہوا کرتے تھے مال و عیال میں مست تھے اور اس لیے کہ تم تکبر کیا کرتے تھے۔ تکبر سے اہل اللہ کی بات نہیں سنتے تھے۔

ادخلوا ابواب جھنم الخ دوزخ کے دروازوں میں گھسو ہمیشہ رہنے کے لیے۔ یہ بری جگہ متکبروں کی ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ

پھر (اے محمدؐ) صبر کرو کیونکہ اللہ کا وعدہ برحق ہے پھر اگر ان چیزوں میں سے

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

کہ جن کا ہم ان سے وعدہ کیا کرتے ہیں کچھ آپ کو دکھائیں یا آپ کو (اس سے پہلے ہی) موت دیں تو پھر وہ تو

فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

سب ہمارے ہی پاس آویں گے　اور ہم نے آپ سے

رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا

پہلے بھی رسول بھیجے ہیں کہ ان میں سے کسی کا حال تو آپ کو

عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ

سنا دیا اور کسی کا حال ان میں سے آپ کو نہیں

عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ

سنایا اور کسی رسول کا بھی مقدور نہ تھا کہ اللہ کی

بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ

بے اجازت کوئی نشانی لے آتا پھر جب حکم الٰہی

اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ

آیا تو انصاف سے فیصلہ کیا گیا اور جو لوگ برسرِ باطل تھے اس

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع

وقت وہی نقصان میں رہے

ترکیب

فاما ان شرطیة وما مزیدة لتاکید الشرط فالینا یرجعون جواب نتوفینك وجواب نرینك محذوف مثل فذاك و یمکن ان یکون جوابا لهما بمعنی ان نعذبهم فی حیاتك او لم نعذبهم فانا نعذبهم فی الآخرة اشد العذاب و یدل علی شدته الاقتصار بذکر الرجوع فی ہذا المعرض۔ بیضاوی۔

تفسیر

اول اس سورت سے لے کر یہاں تک آیات اللہ میں جھگڑنے والوں کی برائی اور ان کے طریقے کی مذمت تھی اس جگہ اپنے رسول کو ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم دیتا ہے اور منکروں کو ایک آنے والی مصیبت سے خبردار کرتا ہے کہ

آپ صبر کیجیے کیونکہ اگر آپ کی زندگی میں کفار کو بعض آنے والی مصیبت دکھاویں جیسا کہ بدر کے روز کا معاملہ تو فہو المراد آپ بھی دیکھ لیں گے اور اگر آپ مرگئے تو بھی یہ لوگ ہمارے پاس آنے والے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے فاما نذھبن بک فانا منھم منتقمون او نرینک الذی وعدنھم فانا علیھم مقتدرون۔

غرض یہ کہ صبر کر خدا کا وعدہ برحق ہے ان پر بلا آنے والی ہے خود آپ کی حیات میں آوے یا بعد میں بہرحال ان ناہنجاروں پر وبال آئے گا اور سخت آوے گا۔ اس کے بعد آں حضرتؐ کو اور بھی تسلی دی جاتی ہے۔

فقال ولقد ارسلنا رسلا من قبلک کہ آپ سے پیشتر بھی ہم بہت سے رسول دنیا میں بھیج چکے ہیں (جن کی تعداد بموجب بعض روایات ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے تین سو پندرہ رسول تھے (اخرجہ احمد) مگر قوی تر یہی ہے کہ ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے اجمالاً سب کو برحق ماننا ضرور ہے) اور وہ ہر ملک و ہر قوم میں آئے تھے۔

منھم من قصصنا علیک ان میں سے بعض کا حال آپ سے بیان کیا ہے یعنی جن کا ذکر آیا اوروں کا ذکر آپ سے نہیں آیا، مگر سب رسولوں کے ساتھ یہ بات پیش آئی ہے کہ ہر ایک قوم نے ان کی باتوں میں مجادلہ اور ناحق کا جھگڑا مچایا ہے۔ اگرچہ انہوں نے معجزات بھی دکھائے نشانیاں بھی پیش کیں مگر پھر بھی وہ سرکشی کی راہ سے بغیر ضرورت معجزات کی خواستگاری کرتے رہے۔

وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ حالانکہ کسی رسول کی بھی طاقت نہ تھی کہ بغیر حکم الٰہی کے ان کی خواہش پوری کرنے کو کوئی معجزہ دکھا سکے۔ پس ان کی خواہش پوری نہ کی گئی ان کا انکار و اصرار بڑھتا گیا۔

فاذا جاء امر اللہ قضی بالحق پھر جب امر الٰہی یعنی عذاب کا وقت موعود آیا تو انصاف سے فیصلہ ہوگیا۔ بدکردار شریروں نے اپنے جرم کی سزا پائی ایمان داروں کو نجات دی گئی۔

وخسر ھنالک المبطلون اور اس وقت باطل کا اتباع کرنے والے آیات اللہ کو باطل ٹھیرانے والے برباد ہوگئے دنیا میں نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر مشرکوں کو سنایا جاتا ہے کہ تم اسی طرح معجزات طلب کرتے ہو۔ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ
اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے چارپائے بنائے

لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾
تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کو کھاؤ

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا
اور تمہارے لیے ان میں اور بھی فائدے ہیں اور یہ بھی کہ ان پر سوار ہو کر

حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَ
اپنے اس مقصد تک پہنچو جو تمہارے دل میں ہے اور ان پر اور

عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ
کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو اور وہ تم کو اپنی نشانیاں

اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾
دکھاتا ہے پھر تم اللہ کی کن کن آیتوں کا انکار کرو گے ؟

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام

قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ
ہوا جو ان سے بھی زیادہ

قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰی

زور آور اور سے زیادہ زمین پر نشانیاں چھوڑ جانے والے تھے پھر ان کی

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

کارروائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

پھر جب ان کے پاس (ہمارے) رسول نشانیاں لے کر آئے

فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ

تو وہ اپنے علم و دانش پر اترانے لگے اور

حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

جس پر وہ ہنسی کرتے تھے وہ ان پر اُلٹ پڑا

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب آتے دیکھا تو کہنے لگے ہم اکیلے اللہ پر

وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾

ایمان لائے اور جس کو اس کا شریک کرتے تھے اس کے ہم منکر ہو گئے

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا

پھر ان کا ایمان ان کو (اس وقت) کیا نفع دیتا جب کہ انہوں نے

بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ

ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم سے یہی دستور

فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع ۹ ۷ ۱۴

چلا آرہا ہے اور اس جگہ منکر گھاٹے میں رہیں گے۔

تفسیر

خوف دلانے کے بعد پھر وہ دلائل بیان فرماتا ہے کہ جو اللہ حکیم رحیم کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور جن سے اس کا بندوں پر انعام و احسان ثابت ہوتا ہے۔

فقال اللّٰہ الذی الخ کہ اللہ وہ محسن و رحیم و کریم و قادر ہے کہ جس نے تم سے بڑے زور آور جانوروں کو تمہارے بس میں کر دیا کہ ان میں سے تم کسی پر سوار ہوتے ہو جیسا کہ اونٹ گھوڑا گدھا۔ بعض ملکوں میں بیل ہاتھی بھی یہی کام دیتے ہیں۔ اور بعض کو تم ذبح کر کے کھاتے ہو گائے۔ بھیڑ بکری وغیرہ۔

اور اسی پر بس نہیں بلکہ ولکم فیہا منافع اس کے علاوہ تمہارے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں ان سے نفع لیتے ہو دودھ گھی فروخت کرتے ہو کھاتے پیتے ہو ہل جوتتے ہو ان کی نسل بڑھا کر فروخت کرتے ہو ان کی کھالوں سے فوائد اٹھاتے ہو۔ ان کی ہڈیوں اور سینگوں کو کام میں لاتے ہو۔

ولتبلغوا علیہا حاجۃ فی صدورکم اور نیز ان پر چڑھ کر اپنی حاجات دلی کو پورا کرتے ہو سفر کرتے ہو اسباب لاد کر لے جاتے ہو دشمنوں پر چڑھائی کرتے ہو۔ اور یہ سوار ہونا کچھ انہیں پر موقوف نہیں۔

بلکہ علیہا و علی الفلک تحملون۔ ان پر اور کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہو۔

ویریکم اٰیٰتہ اور وہ تم کو اپنی اور بہت سی نشانیاں دکھاتا ہے۔

فای اٰیٰت اللّٰہ تنکرون پس کون کون سی نشانیوں کو جھٹلاؤ گے۔

افلم یسیروا فی الارض یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی بھی اس کے ہاں سخت سزا دنیا میں بھی ملا کرتی ہے۔ اگر یقین نہیں تو ملک میں پھر کر اپنے سے پہلے لوگوں کا حال کیا انہوں نے نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ اور ہمارے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر اور کوئی زور کار آمد نہ ہوا پھر ان موجودہ لوگوں کا کیا کار آمد ہوگا۔ حالانکہ وہ ان سے زور آور اور بڑے نشان باقی چھوڑنے والے تھے۔ قلعہ اور عماراتِ بلند اور کنوئیں ان کی یادگار موجود ہیں۔

فلما جاءتھم رسلھم بالبینٰت الخ یہاں سے ان کی بربادی کے اسباب بیان فرماتا ہے کہ ان کے پاس رسول نشانیاں معجزات لے کر آئے انہوں نے اپنے خیالاتِ فاسدہ پر خوشی ظاہر کی اور نبیوں کی بات نہ مانی اور ان پر ٹھٹھا کرنے لگے وحاق بھم پس ان پر وہ بلا کہ جس کے آنے کا ذکر سن کر اس پر ہنسی کرتے تھے اُلٹ پڑی۔ فلما راوا پھر جب بلا آتی دیکھی تو دولتِ دنیا کا نشہ اُتر گیا۔

کہنے لگے اٰمنا باللہ وحدہ کہ ہم خالص ایک اللہ پر ایمان لائے اور اپنے معبودوں کے منکر ہوگئے مگر اس وقت کا ایمان لانا کیا فائدہ دیتا تھا کس لیے کہ اللہ کا دستور ہمیشہ سے یوں ہی چلا آرہا ہے کہ ہلاکت کے وقت کا ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ سو وہ زیاں کار برباد ہوگئے۔

فوائد

(۱) لام جو غرض کے لیے آتا ہے لترکبوا ولتبلغوا پر داخل ہوا اور باقی پر نہ داخل ہوا اس کا کیا سبب ہے؟ صاحبِ کشاف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چارپایوں پر چڑھنا حج اور جہاد میں واجب یا مستحب ہے پس یہ دونوں دینی اغراض ہیں اس لیے ان پر لام آیا۔ لیکن کھانا اور منافع حاصل کرنا سو یہ مباحات سے ہیں اس لیے ان پر لام نہیں داخل ہوا اور نظیر اس کی یہ آیت ہے والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ دیکھو یہاں رکوب پر لام آیا، زینت پر نہ آیا۔ یعنی رکوب مقصدِ اصلی ہے اور باقی فرعی ہیں۔

(۲) ای اٰیٰت اللہ فرمایا مذکر کا صیغہ آیات مونث کے لیے آیا اور آیۃ نہ فرمایا۔ صاحبِ کشاف اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہی فصیح اور مستعمل ہے آیۃ نہیں۔ کس لیے کہ اسماء غیر صفات میں جیسا کہ حمار و حمارۃ مونث اور مذکر میں تفرقہ بہت ہی کم ہوتا ہے چہ جائیکہ ای کیونکہ یہ مبہم ہے۔

(۳) فرحوا بما عندھم من العلم۔ فرحوا کی ضمیر یا تو کفار کی طرف راجع ہے پس ان کے اس علم سے کہ جس سے خوش وقت تھے کیا مراد ہے؟ یا تو ان کے وہ خیالاتِ فاسدہ کہ جو متوارث چلے آتے تھے یا ان کی جہل پسند طبیعت اور آزادی پسند فطنت اور بے باکی نے از خود گھڑ لیے تھے جیسا کہ وما یھلکنا الا الدھر۔ ولو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰباؤنا۔ من یحی العظام وھی رمیم۔ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی وغیر ذلک۔ یعنی دہریے دہر ہی کو محی و ممیت کہتے تھے اور مشرک اپنے افعالِ نکوہیدہ کی صحت پر خدا کی مشیت کو دلیل بناتے تھے کہ ہمارے یہ کار بُرے ہوتے تو خدا ان کو نہ ہونے دیتا، یا وہ قیامت کے روز زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یا اپنے معبودوں کو اللہ کے تقرب کا وسیلہ جانتے تھے۔ ایسے ایسے ہی اقوال فاسدہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں پیش کر کے بغلیں بجایا کرتے تھے۔

یا اُن کے علوم سے مراد فلاسفہ کے علوم ہیں۔ ریاضیات وعنصریات کے سوا الٰہیات میں بھی ان کو ان کے اقوال پر بڑا زعم تھا۔ اور آج کل بھی صدہا انسان فلسفۂ حال پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ بظاہر اسلام کا ترک کرنا اپنی بدنامی اور حریصانہ کوششِ دنیاوی کے منافی جان کر اسلام کا ترک کرنا تو مناسب نہیں جانتے اس لیے قرآن کے مطالب نفیسہ کو تاویلِ بعید کر کے یعنی ٹکیں ملا کر اقوالِ حکماء کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور اس کوششِ بے کار کا جملہ مسلمانوں کو ممنونِ منت بناتے ہیں اور ایسی تاویلاتِ رکیکہ کا نام انہوں نے تفسیر الکلام بافعال اللہ وبقدرت اللہ رکھا ہے۔ ان علومِ فلسفیہ سے وہ انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا کرتے تھے اور اب بھی بت پرست اپنے جاہلانہ خیالات کو قرآن مجید کے مقابلے میں لایا کرتے ہیں۔ یا اُن کے علم سے مراد اُمورِ

دنیاوی کا علم ہے کہ اسی پر وہ شادان و فرحان رہتے تھے انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر جو دنیا کی بے ثباتی اور خدا کے پاس جانے کی بابت تھیں کان بھی نہ دھرتے تھے۔

اور یا یہ ضمیر انبیاء علیہم السلام کی طرف راجع ہے اس صورت میں یا تو فرحت رسولوں کی مراد ہوگی کہ حضرات انبیاء اُن کے انکار و جاہلانہ مکابرہ سے دل تنگ نہ ہوتے تھے بلکہ جو علوم اُن کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوئے تھے ان پر شادان و فرحان تھے۔ یہ اُن کے یقین کی برکت تھی۔

یا یہ معنی کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے علم پر جو ان کو دیا گیا تھا خوش ہوتے تھے یعنی ہنسی اور تمسخر کرتے تھے جیسا کہ آج کل نئے تعلیم یافتہ دینی باتوں پر ہنسی کیا کرتے ہیں۔ مگر نتیجہ ان کا خسران و حرمان ہوا۔ برباد ہوئے۔ آخرت میں مبتلاء عذاب ہوئے۔

الٰہی بطفیل نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم کو خسارۂ دارین سے پناہ میں رکھیو یہ خسران و حرمان ہمارے پاس نہ آوے آمین۔

سُورۂ حٰمٓ سجدہ

مکیہ ہے اور اس کی چوّن آیتیں اور چھے رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ع ۱ ۸ ۱۵ حٰمٓ ۞ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۞

(یہ کتاب) بڑے مہربان نہایت رحم والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے

كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا

کہ جس کی آیتیں عربی زبان میں علم والوں کے لیے

لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۞ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا

واضح ہیں (یہ) خوشخبری اور ڈرسنانے والی ہے

فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۞

پھر ان میں سے اکثر نے تو منھ ہی پھیر لیا پھر وہ سنتے بھی نہیں

وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِىۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ

اور کہتے ہیں ہمارے دل اُس بات سے کہ جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے

اِلَيۡهِ وَفِىۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا

پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ٹیٹھیاں ہیں اور ہمارے اور

وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۞

تیرے بیچ میں پردہ پڑا ہوا ہے پھر تو اپنا کام کیے جا ہم بھی اپنا کام کر رہے ہیں

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى

آپ ان سے کہدیں کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہی ہوں میری طرف یہی

اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِيۡمُوۡۤا

حکم آتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے پھر اسی کی طرف سیدھے

اِلَيۡهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡمُشۡرِكِيۡنَ ۞

چلے جاؤ اور اس سے معافی مانگو اور مشرکوں پر افسوس ہے

الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ

بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۞ اِنَّ الَّذِيۡنَ

آخرت کے بھی منکر ہیں بے شک وہ جو

اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے

غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۞

بے انتہا اجر ہے۔

ترکیب

حٰمٓ ان جعلتہ مبتدا فخبرہ تنزیل الکتٰب الخ وان جعلتہ تعدید الحروف فتنزیل خبر محذوف او مبتدا لتخصیصہ بالصفۃ

دخبر وکتٰب وہو علی الاولین بدل منہ او خبر اٰخر او خبر محذوف قراٰنًا نصب علی المدح او حال من فصلت لقوم یعلمون صفۃ اخریٰ لقراٰنًا اوصلۃ لتنزیل او لفصلت بشیرًا ونذیرًا صفتان اخریان لقرآنا اوحالان من کتاب وقرئ بالرفع علی انہما صفۃ لکتٰب او خبر محذوف وہم بالاٰخرۃ الخ معطوف علی لایؤتون الزکوٰۃ داخل معہ فی حیز الصلۃ والمجئ بضمیر الفصل لقصد الحصر۔

تفسیر

اس سورت کو سورۂ سجدہ بھی کہتے ہیں اور سورۂ فصلت بھی اس کا نام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ابو یعلیٰ و بیہقی وغیرہ محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ قریش نے عتبہ ابن ربیعہ کو جو عرب میں بڑا گویا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اس نے کہا اگر آپ کو مال منظور ہو تو وہ لیجیے، اور اگر عورتوں سے رغبت ہے تو قریش میں سے جو عورت پسند ہو وہ آپ کی نذر ہے۔ آں حضرتؐ نے اس سورت کی کچھ آیات پڑھ کر اس کو سنائیں۔ اس نے کہا بس بس۔ پھر قریش کے پاس آکر کہا کہ واللہ عمر بھر ایسا کلام میں نے نہیں سنا اور اس کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔

حٰم سے کسی خاص بات کی طرف اشارہ کر کے قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا بیان فرماتا ہے کہ بندوں کی حاجت روائی کے لیے اس رحمٰن رحیم نے یہ کتاب نازل کی ہے جس میں یہ صفتیں ہیں کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات میں تفصیل ہے ابہام نہیں۔ کہیں وعظ و پند ہے، کہیں مسائل حلت و حرمت وغیرہا ہیں کہیں آخرت کا ذکر ہے۔ کہیں پہلوں کا عبرت انگیز نصیحت خیز حال ہے۔

عربی زبان میں عرب کی سہولت کے لیے بشیر و نذیر ہے کتاب کی خوبی اور اس کی ضرورت کے بعد کفار کی اس سے اعراض و نفرت بیان کر کے ان کی بدبختی و حماقت ثابت کرتا ہے۔ فاعرض سے عملون تک۔

پھر قل انما انا بشر مثلکم الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ نفرت فضول ہے میں بھی تو تمہاری مانند ایک آدمی ہوں کوئی فرشتہ نہیں جن نہیں جس سے غیر جنس ہونے کے سبب تمہیں نفرت ہو۔ صرف یہ ہے کہ مجھ کو خدا نے وحی سے مشرف کیا ہے اور یہ ضروری باتیں جو تمام حسنات کا اصل اصول ہیں میری طرف لوگوں کے بتانے کو وحی کی گئی ہیں۔ حسنات میں سے توحید انما الٰھکم سو اس پر قائم ہو۔ اس کے بعد واستغفروہ اپنے مالک سے معافی مانگو۔ اعتقادی و عملی دونوں باتیں آگئیں۔ اور اس کے برخلاف کرنے والے مشرک ہیں توحید کے مقابلے میں شرک کرتے ہیں لوگوں سے نیکی کرنے کے بدلے میں زکوٰۃ تک نہیں دیتے حب دنیا کی وجہ سے آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے کہ اس کی امید پر نیکی و خیرات کرتے پس ان کے لیے خرابی ہے۔

اور جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ

کہو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو کہ جس نے

خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ

دو روز میں زمین بنائی اور اس کے ساتھ

لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ

اوروں کو برابر کرتے ہو وہ تو تمام جہان کا رب ہے

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ

اور اس نے زمین میں اوپر سے پہاڑ رکھے اور

بٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا فِيٓ

اس میں برکت رکھی اور اس کی پیداوار کا اندازہ کیا چار

أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ ﴿٩﴾

دن میں برابر کر دیا سوال کرنے والوں کے لیے

ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں ہو رہا تھا

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا

پھر اس کو اور زمین کو فرمایا کہ تم خوشی ہو کر یا

أَوْ كَرْهًا ۖ قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِينَ ﴿١٠﴾

ناخوش ہو کر حاضر ہو انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِي يَوْمَيْنِ

پھر دو روز میں سات آسمان بنائے

وَأَوْحٰى فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا ۚ

اور ہر آسمان کی طرف اس کا حکم بھیجا

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ ۖ

اور نیچے کے آسمانوں کو ہم نے ستاروں سے سجایا اور نگہبانی کے لیے

وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿١١﴾

بھی (یہ بنائے بنائے) یہ تدبیر ہے خدائے زبردست دانا کی

ترکیب

ائنکم قرء الجمھور بھمزتین للاستفہام بالھمزۃ وان واللام بعدھا لتاکید الانکار وللتشنیع وتجعلون لہ انداداً الجملۃ معطوفۃ علٰی تکفرون داخلۃ تحت الاستفہام وجعل فیھا معطوف علٰی خلق وقیل مستانف لوقوع الفصل بینھما بالاجنبی فی اربعۃ ایام ای فی تتمۃ اربعۃ ایام۔ سواءً منصوب علٰی انہ مصدر موکد لفعل محذوف ھو صفۃ لایام ای استوت الاربعۃ سواءً للسائلین متعلق بہ محذوف تقدیرہ ای قدر فیھا الاقوات للطالبین طوعاً او کرھاً مصدران فی موضع الحال ائتینا بالقصر بمعنی جئنا وبالمد بمعنی اعطینا الطائعۃ طائعین حال وحفظاً مصدر۔

تفسیر

پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا تھا کہ کہہ دو یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد کہ میری طرف یہ وحی کیا گیا ہے کہ تمہارا اللہ واحد ہے۔ مگر مشرکین اوروں کو بھی اس کے ساتھ خدائی میں شریک کرتے تھے اور یہ اس کی کمالِ قدرت کا کفر و انکار تھا اس لیے اس جگہ اپنی قدرت و استقلالِ الوہیت کا بیان کر کے ان کے کفر پر تعجب و انکار ظاہر فرماتا ہے۔

فقال قل ائنکم لتکفرون کہ ان سے کہہ دو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو کہ جس نے دو روز میں زمین بنائی اور اس کے لیے شریک بناتے ہو؟ تمہارے معبود خدا نہیں، خدا تو رب العالمین ہے کہ جس نے ایسا کر دیا اور زمین پیدا کرنے کے بعد اس کے اوپر پہاڑ قائم کیے اور اس میں برکت اور منافع رکھے اور اس کی پیداوار کا اندازہ کیا اور ان کو قائم کیا دو روز میں جو سب مل کر چار روز میں یہ کام تمام ہوا یہ سب کچھ سائلوں کے لیے برابر کیا جو کچھ بندے مانگتے ہیں انہیں پیدا کرتا اور باندازہ دیتا ہے۔

ثم استویٰ الی السماء پھر آسمان بنانے کی طرف متوجہ ہوا اور یہ ایک دھواں یعنی ابخرات تھے۔ تب ان کو اور زمین کو حکم دیا کہ تیار ہو جاؤ۔ وہ تیار ہو گئے پس ان دھوؤں کو سات آسمان بنا دیا دو روز میں اور ہر ایک آسمان میں اس کے مناسب احکام جاری کیے اور نیچے کے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور ان کو شیاطین سے محفوظ کیا۔ یہ تدبیر ہے خدا زبردست دانا کی۔ یہ مطلب آیات کا صاف صاف ہے۔ غرض اس سے یہ ہے کہ خدائی کے لائق یہ ہے کہ جس نے

چھٹے روز میں آسمانوں اور زمین اور ان کے متعلق چیزوں کو بنایا نہ وہ جن کو اس کی خدائی میں تم شریک اور حصہ دار بناتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت یا خیالی ڈھکوسلے ہیں یا ان کو عالم کے پیدائش و انتظام میں کچھ بھی نہ دخل ہے نہ اختیار ہے۔

فوائد

(۱) دن تو آفتاب کی یا زمین کی حرکتِ مخصوصہ تمام کرنے سے ہوتا ہے پھر زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے دو دن میں بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دن سے مراد اس کی مقدار ہے یعنی دو دن کا جس قدر وقت یا زمانہ ہے اتنی دیر میں بنایا گیا۔ گرچہ وہ دفعۃً بنا سکتا تھا۔ اس قدر عرصہ میں بنانے سے یہ بات دکھائی گئی ہے کہ یہ حادث ہیں اور ان کے بننے میں اس قدر زمانہ لگا ہے پس قدم باطل ہے اور نیز اس میں یہ بھی تعلیم ہے کہ بڑے کاموں کے کرنے میں جلدی نہ کرنا۔

(۲) توریت سفر الخلیقہ کے پہلے باب میں بھی آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا بیان کسی قدر تغیر کے ساتھ مندرج ہے اس میں یوں آیا ہے کہ ابتدا میں خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور زمین ویران و سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا اُجالا ہو اور اجالا ہو گیا اور خدا نے اجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اجالے کو اندھیرے سے جدا کیا اور خدا نے اجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا سو صبح و شام پہلا دن ہوا اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہووے اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیوں کو فضا کے اوپر کے پانیوں سے جدا کیا اور ایسا ہی ہو گیا اور خدا نے فضا کو آسمان کہا سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا۔ پھر تیسرے دن پانی کو جدا کر کے زمین بنانا اور اس میں نباتات کا پیدا ہونا بیان کیا ہے اور چوتھے دن میں ستارے اور چاند اور سورج بنانا لکھا ہے اور پانچویں دن میں زمین کے حیوانات پرند چرند پیدا کرنا بیان ہوا ہے اور چھٹے دن آدم کا پیدا ہونا بیان کیا ہے اور ساتویں دن آرام کرنا۔

توریت اور قرآن مجید دونوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آسمان سے پیشتر زمین بنائی گئی اور آسمان اس کے بعد بنایا۔ مگر قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے والارض بعد ذٰلك دحٰھا کہ اس کے بعد زمین کو درست کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین آسمانوں کے بعد بنی۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ زمین کا بنانا اور چیز ہے اور اس کا درست کرنا نباتات اور پہاڑ اور دریاؤں کو موقع بہ موقع قائم کرنا اور بات ہے۔ زمین آسمانوں سے پہلے بنی اور آسمانوں کے بعد پھر اس کو ٹھیک کیا اب کچھ بھی تعارض نہیں۔

اب جو کچھ مخالفت قرآن مجید اور اس توریت کی عبارت میں پائی جاتی ہے یا تو اس کی توجیہ کر دی جائے ورنہ توریت کی تحریف گنی جاوے گی۔

(۳) حکماء کے تکوینِ عالم کے باب میں مختلف اقوال ہیں جن کی کسی قدر تشریح ہم جلد دوم میں کر آئے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول یہ ہے کہ تمام عالم کی اصل آگ ہے۔ بعض ہوا کو کہتے ہیں۔ مگر قوی تر جو توریت سے سمجھا جاتا ہے اور شریعتِ مصطفویہ سے بھی ثابت ہوتا ہے وکان عرشہ علی الماء وہ یہ ہے کہ سب سے اول خداوندِ عالم نے پانیوں کو پیدا کیا وہی اس کی حکومت کی کرسی تھی پانیوں کو جنبش ہوئی تو حرکت سے حرارت پیدا ہوئی اجزاء لطیفہ بن کر ہوا بن گئی اور ابخرات اٹھ کر اوپر کو گئے اور جھاگ جو تھے وہ منجمد ہو کر زمین بنی اور پھر خدا نے آسمانوں کو بنانا چاہا سو وہ تو ابخرات ہی تھے وہی دخان تو ان کو آسمان کر دیا اور اس منجمد مادے کو کسی قدر ہٹایا اس کا نام زمین رکھا سو زمین بھی بن گئی اور آسمان بھی اور یہی معنی ہیں اس کے فقال لها وللارض

اُئتیا طوعًا وکرھًا قالتا اتینا طائعین پھر ان دخنہ کو سات آسمان بنایا کما قال فقضٰھن سبع سمٰوٰت اور پھر آسمان میں نیرین اور دیگر ستارے بنائے۔ باقی اس کی کیفیت وہی خوب جانتا ہے فلسفہ قدیم و جدید اپنی وہمی روشنی سے اس پر کچھ بھی حملہ نہیں کر سکتا یہ حقیقت حقہ یوں ہی رہے گی فلسفہ بدلتا رہے گا۔ پچھلا فلسفہ پہلے فلسفہ کے رد کو کافی ہے اور آئندہ آنے والا موجود کے غلط کرنے کو بس ہے۔

(۴) ثم استوٰی الی السماء وھی دخان یہ استوٰی سے بمعنی توجہ و قصد ہے۔ بولتے ہیں استوٰی الی مکان کذا اذا توجہ الیہ توجہا لا یلتفت معہ الی عمل آخر وھو من الاستوٰی الذی ھو ضد الاعوجاج ومنہ قولہ تعالیٰ فاستقیموا الیہ (من الکبیر للرازی رحمہ اللہ) مطلب یہ کہ زمین بنانے کے بعد آسمان بنانے کا قصد کیا اور یہ ایک دھواں تھا اجزاء لایتجزیٰ تھے جن میں ضو نہیں پیدا کی گئی تھی۔

(۵) ہیئت جدیدہ جو آسمانوں کو فضا محض قرار دیتی ہے اور نیرین اور دیگر ثوابت و سیارات کو اپنے مدار خاص پر متحرک مانتی ہے اور زمین کو بھی ایک سیارہ بلکہ چھوٹا سا تارہ کہتی ہے اس کے نزدیک بھی کتب سماویہ کے بیان سے کچھ محال لازم نہیں آتا کیوں کہ سبع سمٰوٰت کے بنانے کی تو وہ یہ تاویل کر لیں گے کہ سات فضائیں بنائیں جو سات مشہور ستاروں کے بُعد ارتفاعی کے لحاظ سے سات گنی جاتی ہیں۔ باقی زمین کی تکوین کا مادہ پانی ہونا اور اس میں سے حرکت عنیفہ پیدا ہونا اور جھاگ اٹھنا اور ابخرات کا مرتفع ہونا جھاگ کا منجمد ہو کر زمین بن جانا اور ابخرات مرتفعہ سے دیگر ستارے و نیرین بننا اگر وہ اس تمام موجودات کا کوئی خالق باختیار قدرت مانتے ہیں تو کچھ بھی محال نہیں نہ اس کو کوئی آلہ رصدیہ باطل کر سکتا ہے نہ کوئی دوربین خوردبین غلط بنا سکتی ہے نہ کوئی مشاہدہ رد کر سکتا ہے۔ لیکن کاتب الحروف کا وہ ایمان کہ جو نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حقائق موجودات کے ساتھ متعلق ہے نبی علیہ السلام کے فرمودہ کے مقابلے میں سب کو توہمات باطلہ اور دماغ کی تبخیر اور حواس کا قصور اور طبیعت دہریت پسند کا فاذورہ سمجھتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک

(۶) ائتیا واتینا سے کیا مراد؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موافق مراد کے ہونا جیسا کہ کہتے ہیں اتی عملہ مرضیا وجاء مقبولا۔

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آسمان و زمین ذوی العقول نہیں طائعین مذکر ذوی العقول کا صیغہ ان کے لیے کیوں آیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ان کے وجود علمی کو مخاطب کیا تو اُس جل وعلیٰ کے خطاب سے ان کی عزت و منزلت بڑھ گئی تو ان کو ذوی العقول اور مذکروں میں شمار کر کے ان کے امتثال امر کو انہیں الفاظ سے تعبیر کیا جو ذوی العقول کے لیے الفاظ رکھے گئے ہیں فصحاء بلغاء کے کلام میں کبھی غیر ذی روح و غیر ذوی العقول کی طرف خطاب اور ان کی زبان حال سے سوال و جواب کیا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کی گفتگو اور حیات جو ان کو عطا کی گئی ہے باری عز اسمہ سے خطاب اور جواب کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ولا یخفی ھذا علی من لہ ذوق صحیح بادراک اسرار الموجودات وتجلت علی روحہ حقائق الکائنات فسبحانہ من خلق الموجودات علی ماینبغی۔

(۷) آیت میں زمین کا پیدا کرنا دو روز میں فرمایا اور اس کے اقوات و ارزاق کی تدبیر و درستی کرنا چار روز میں فرمایا۔ یہ چھ روز ہوئے پھر آسمانوں کا بنانا دو روز میں ذکر ہوا فقضٰھن سبع سمٰوٰت فی یومین اس حساب سے یہ آٹھ روز ہوتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں اکثر جگہ ان سب کا چھ روز میں پیدا ہونا بیان کیا ہے ستۃ ایام کا لفظ آیا ہے۔

پس ان دونوں کلاموں میں تعارض پایا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اربعۃ ایام جداگانہ نہیں جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ پہلے دو روز مل کر کہ جن میں زمین کا پیدا ہونا بیان ہوا ہے اور محاورۂ عرب میں پہلے کام کی مدت کو اس کے بعد کے دوسرے کام کی مدت میں جو اسی جنس کی شامل کر کے مجموعی مدت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس مثال بہ سرت من البصرۃ الی بغداد فی عشرۃ ایام وسرت الی الکوفۃ فی خمسۃ عشر یوما کہ میں نے بصرہ سے بغداد تک کی منزل کو دس روز میں تمام کیا اور کوفہ تک پندرہ روز میں پہنچا یعنی کل پندرہ روز میں پہنچا یعنی کل پندرہ روز میں جو بصرہ کے سفر سے شمار کیے جاتے ہیں نہ یہ کہ بغداد سے کوفہ کی منزل کو پندرہ دن میں تمام کیا۔ چوں کہ متصل ایک ہی قسم کا سفر تھا اس لیے مجموعی مدت لگائی گئی۔ زبان نہ جاننے سے ایسے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۸) سواء للسائلین اس کے معنی یہ ہیں کہ مدتِ مذکورہ میں ان چیزوں کو پوچھنے والوں کے لیے برابر اور ٹھیک جواب دینے کے لیے بنایا۔ ان اشیاء کی مدتِ پیدائش سے اکثر سوال کیا کرتے ہیں اس بیان سے ان کا برابر اور پورا جواب ملے۔ یا یہ معنے کہ انسان خواہ زبان مقال سے خواہ زبان حال سے معاش کے متعلق خدا سے سوال کرتا رہتا ہے اس نے اپنی نعمت کا دستر خوان ایسا وسیع اور عام کر دیا ہے کہ مانگنے والوں اور غیر مانگنے والوں سب کے لیے برابر ہے۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً

پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں تم کو　عاد اور ثمود کی

مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ﴿۱۳﴾ اِذۡ

کڑک جیسی کڑک سے　خبردار کر چکا ہوں　جب کہ

جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ

ان کے آگے　اور　پیچھے　سے ا؎

وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

رسول　آئے　کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا

قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓـئِكَةً

انہوں نے کہا اگر ہمارے رب کو منظور ہوتا　تو فرشتے　بھیج دیتا

فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا

پھر جو کچھ تم دے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے　پس

عَادٌ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ

جو قوم عاد تھی　تو انہوں سے　ملک　میں　ناحق　کا　تکبر

الۡحَـقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ

کیا　اور　کہا　ہم　سے　زیادہ　کون　زور آور　ہے

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ

اور کیا ان کو یہ بھی نہ سوجھا کہ وہ اللہ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے

هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا

وہ ان سے بھی زیادہ زور آور ہے　اور وہ ہماری آیتوں کا

يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ

انکار ہی کرتے رہے　پھر تو ہم نے ان پر

رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ

منحوس　دنوں　میں　آندھی　بھیجی

لِّـنُذِيۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ

تاکہ ہم ان کو　رسوائی　کے　عذاب　کا مزہ　دنیا کی زندگانی

الدُّنۡيَا ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰى

میں چکھا دیں　اور　آخرت　کا عذاب　تو اور بھی رسوائی　کا ہے

وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوۡدُ

اور　ان کی　مدد　نہ　کی جاوے گی　اور وہ جو قوم ثمود تھی

فَهَدَيۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى

تو ہم نے اس کو رستہ بتایا تھا پھر ان کو ہدایت سے　گمراہی

ا؎ یعنی کثرت سے رسول آئے ۱۲ منہ

الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ

اچھی معلوم ہوئی پھر تو ان کو ذلیل کرنے والے عذاب نے

الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۚ وَ

آلیا ان کے اعمال کے سبب سے اور

ع ۲ ۱۰ ۱۶ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

جولوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہتے تھے ہم نے ان کو بچالیا۔

ترکیب

اذجاءتھم یجوز ان یکون ظرفا لانذرتکم ویجوز ان یکون صفة لصعقة او حالا منہ نحسات بکسر الحاء فھی اما اسم فاعل مثل نصب ونصبات او مصدر مثل الکلمة ویقرء بالسکون فھی بمعنی المکسورة وسکن لعارض او اسم فاعل و سکن تخفیفا ثمود مبتدء وھدینا خبرہ۔

تفسیر

ابتداء کلام اس بات سے تھی کہ الٰھکم اللہ واحد پھر اس پر دلیل پیش کی گئی قل ائنکم لتکفرون الخ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مخالف دلیل سے بھی نہیں مانتا تو اس کو اور دوسری طرح سے سمجھایا جاتا ہے یعنی کسی سزا سے ڈرایا جاتا ہے اس لیے فرماتا ہے فان اعرضوا فقل انذرتکم صعقة کہ اگر وہ نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تم کو ایک عذاب اور مصیبت کی خبر دیتا ہوں وہ عذاب قوم عاد و ثمود کے عذاب جیسا ہوگا یعنی ہلاکت اور بربادی کے لیے تیار رہو جیسا کہ عاد و ثمود برباد ہوئے۔ جمہور نے صاعقہ بالالف پڑھا ہے اس کے معنی بجلی کے ہیں جو آواز کے ساتھ اوپر سے گرتی ہے کڑک اور اس کے ساتھ جلانے والی آگ۔ یعنی وہ ہلاکت بجلی کی طرح سے تم پر آوے گی۔ کلام عرب میں سخت حوادث کو جو ناگہاں آپڑتے ہیں صاعقہ سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ ہماری زبان میں بجلی پڑنا کہتے ہیں۔ اور بعض قرارت میں صعقہ آیا ہے بغیر الف کے۔ اس کے معنی کڑک کے ہیں۔ صعق کسمع بمعنی بے ہوشی۔ اس سے بھی آنے والی مصیبت مراد ہے۔

پھر عاد وثمود کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے اذجاءتھم الرسل کہ ان کے پاس ہر طرف سے ان کے رسول آئے اور ان سے کہا کہ اللہ کے سوا اور کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے یہ حجت پیش کی کہ اگر خدا کو رسول ہی بھیجنے تھے تو فرشتوں کو کیوں نہ بھیج دیا معلوم ہوا کہ تم رسول نہیں انا بما ارسلتم بہ کفرون ہم تمہاری بات نہیں مانتے یہ تو دونوں قوموں کی مشترک حالت تھی۔ پھر ہر ایک کی جداگانہ بیان فرماتا ہے۔

فاما عاد الخ کہ قوم عاد نے تکبر کیا اور اپنی قوت پر گھمنڈ کیا اور یہ نہ جانا کہ وہ اللہ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے ان سے بھی بڑھ کر قوت والا ہے ان کو اپنی قد آوری اور بہادری پر ناز تھا۔ یہ گناہ تو ان کا خلق خدا پر احسان نہ کرنے کے بدلے تھا۔

وکانوا بایتنا یجحدون اور خدا سے بھی اچھے نہ تھے کہ اس کی آیتوں کا سخت انکار کرتے تھے۔

فارسلنا الخ پس ان کو ہم نے سخت آندھی سے غارت کیا جو نحس دنوں میں ان پر چلی۔ دنوں کی نحوست نجومی طور پر نہ تھی، ایام مصیبت کو نحس ہی کہا کرتے ہیں۔

واما ثمود الخ ثمود کو رسولوں کے ذریعہ سے، ہم نے ہدایت کا رستہ دکھایا مگر اس کو اختیار نہ کیا گمراہی پر رہنا پسند کیا پس ان پر عذاب آیا اور ایمان داروں پرہیزگاروں کو بچالیا۔ عاد وثمود کا حال قریش کو یمن و شام جانے سے بہت معلوم تھا اس لیے ان کا قصہ سنایا۔ اور قریش کے کفار پر بھی بلا آئی جیسا کہ کتب سیرت میں مذکور ہے

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ

اور جس روز کہ اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف گھیر کر لایا جائے گا

فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝۱۸ حَتّٰىٓ إِذَا مَا

پھر ان کی قطار باندھی جائے گی جب جہنم کے پاس

جَآءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ

آویں گے تو ان پر ان کے کان اور

أَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا

آنکھیں اور جلد جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اس کی

يَعْمَلُونَ ۝۱۹ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ

گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے

شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوٓا أَنطَقَنَا اللّٰهُ

ہم پر کس لیے گواہی دی ؟ وہ کہیں گی ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا

الَّذِيٓ أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ

کہ جس نے ہر چیز کو گویا کیا اور اسی نے تم کو

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۲۰ وَمَا

اول بار پیدا کیا اور اسی کے پاس پھر جاؤ گے اور تم

كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ

اپنے کانوں اور آنکھوں اور چمڑوں کی اپنے

سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا

اوپر گواہی دینے سے پردہ نہ

جُلُودُكُمْ وَلٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ

کرتے تھے لیکن تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جو کچھ

اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝۲۰

تم کرتے ہو اس میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ نہیں جانتا ف

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم

اور تمہارے (اسی خیال (بد) نے جو تم نے اپنے رب

بِرَبِّكُمْ أَرْدٰكُمْ فَأَصْبَحْتُم

کے حق میں کیا تھا تم کو برباد کیا پھر تم خسارے

مِّنَ الْخٰسِرِينَ ۝۲۲ فَإِن يَصْبِرُوا

میں پڑ گئے پھر اگر وہ صبر کریں گے

فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا

(تو گویا) پھر آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ عذر کریں گے

فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ۝۲۳

تو عذر بھی قبول نہ ہوگا ۔

ترکیب

یوم ظرف لما دل علیہ مابعدہ وہو قولہ فھم یوزعون ان یشھد ای من ان یشھد لان یستتر لایتعدی بنفسہ وذلکم مبتدا وظنکم خبرہ الذی نعت للخبر او خبر بعد خبر وارداکم خبر آخر ویجوز ان یکون الجمیع صفۃ او بدلا وارداکم الخبر ویجوز ان یکون حالا یستعتبوا یطلب العتبیٰ ۔

تفسیر

دنیا کی سزا بیان کر کے آخرت کی سزا اور اس عالم کی کیفیت بیان فرماتا ہے تاکہ بیان کامل ہو جاوے ۔ فقال ویوم یحشر کہ جس روز دشمنان خدا آتش جہنم کی طرف جمع کر کے لائے جائیں گے ان کو ٹھیراویں گے ۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو جاویں گے پھر ان کے اعمال قبیحہ پر ان کی آنکھیں اور کان اور جلدیں گواہی دیں گے ۔ حواس گو پانچ ہیں مگر قوت شامہ سے کوئی تعلق نہیں اور ذائقہ بھی

ف لوگوں سے چھپاتے تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ خدا حاضر ناظر ہے اس کے گواہ انہیں کے ہاتھ پاؤں کھال بال گواہی دیں گے ۔ ان سے پردہ نہ کرتے تھے ۱۲ منہ

لامسہ کے متعلق ہے اس لیے تین حواس کی گواہی دلائی جائے گی جو اعمال کا ذریعہ ہیں سماعت بصارت لمس چھونا۔ بعض کہتے ہیں جیسا کہ سدی و عبید اللہ بن جعفر و فراء کہ جلود سے بطور کنایہ کے فروج مراد ہیں یعنی شرم گاہ کہ جس سے وہ زنا کرتے تھے اور وہ زبان کہ جس سے بُری باتیں بکتے تھے وہ کان کہ جن سے بری باتیں یا مزامیر سنتے تھے وہ آنکھیں کہ جن سے ناجائز چیزیں دیکھتے تھے سب گواہی دیں گے۔

وقالوا لجلودھم تب وہ اپنی چمڑی سے کہیں گے مراد تمام اعضاء ہیں یا شرم گاہ ہے کہ تم نے کس لیے ہم پر گواہی دی کیوں کہ تم ہی تو دنیا میں گناہ صادر ہونے کا ذریعہ تھے۔ وہ کہیں گے انطقنا اللہ کہ ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا جو مخلوقات میں سے ہر گویا کو گویائی دیتا ہے اور دے چکا ہے۔ عقلاً یہ کچھ بھی محال نہیں۔ کس لیے کہ جس نے زبان کے مضغۂ گوشت میں یہ گویائی کی طاقت رکھ دی ہے وہ اس کو اور عضو میں بھی رکھ سکتا ہے یا وہ گویائی جو اُن کے مناسب ہے اور جس سے وہ شہادت ادا ہو سکے۔

وھو خلقکم اول مرۃ والیہ ترجعون یہ بھی اعضاء کا کلام ہے اور ممکن ہے کہ یہ جملہ اللہ کی طرف سے ہو اور اسی طرح مابعد کا کلام سمجھنا چاہیے۔ ع ۳ / ۱۷

وما کنتم کہ تم ان اعضاء کے گواہ ہونے سے کچھ پردہ نہ کرتے تھے اور لوگوں سے پردے میں گناہ کرتے تھے کیوں کہ تمہارا خیال تھا کہ اللہ پردہ کی باتیں نہیں جانتا۔

بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں کعبہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا کہ تین آدمی آئے۔ دو ثقفی اور ایک قریشی تھا، کچھ باتیں کرنے لگے مخفی طور پر۔ ایک نے کہا کہ کیا اللہ ہماری یہ باتیں بھی سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا اگر بلند آواز سے بولیں گے تو سنے گا ورنہ نہیں۔ تیسرے نے کہا اگر کچھ بھی سنتا ہے تو سب سنتا ہے۔ اس کا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

فرماتا ہے وذٰلکم ظنکم الخ کہ تمہارے اسی خیال نے تو تم کو برباد کیا ہے۔ اب صبر کرو تو بھی جہنم تمہارا ٹھکانا ہے۔ نہ کرو تو بھی۔ تمہارا کوئی عذر مسموع نہیں۔ یہ بھی اس حشر کی گفتگو کا بقیہ ہے جو اُن سے ان کے اعضاء کریں گے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سنایا جائے گا۔ خدا سے بدگمانی کرنا بری بات ہے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ

اور ہم نے کفار کے لیے (برے) رفیق مقرر کر دیے کہ انہوں نے ان کی اگلی

مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَ

اور پچھلی باتوں کو ان کی نظر میں بھلا کر دکھایا اور

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىٓ أُمَمٍ قَدْ

من جملہ ان جن و انسان کے گروہوں کے کہ جو ان سے پہلے

خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ

ہو چکے ہیں ان پر بھی اللہ کا کلام پورا ہوا

إِنَّهُمْ كَانُوا خَٰسِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ

بے شک وہ خسارے میں پڑے ہوئے تھے اور کافروں

الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ

نے کہا کہ اس قرآن کو سنو بھی نہیں

وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿٢٥﴾

اور (سنو تو) اس میں غل مچاؤ تاکہ تم غالب ہو جاؤ

فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا

پھر کافروں کو ہم ضرور سخت عذاب

شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِى

چکھا دیں گے اور ان کو ان کے بُرے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٦﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ

کہ وہ جو کیا کرتے تھے — یہ — آگ سزا

أَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ

ہے اللہ کے دشمنوں کی — ان کا اس میں سدا

الْخُلْدِ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

گھر ہوگا اس کے بدلے میں کہ وہ ہماری آیتوں کا

يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

انکار کیا کرتے تھے — اور کافر کہیں گے کہ

رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ

اے ہمارے رب ہم کو وہ جن اور وہ آدمی تو دکھا دے کہ جنہوں نے

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا

ہم کو گمراہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالیں

لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٨﴾

تاکہ وہ بہت ہی ذلیل ہوں

ترکیب

النار عطف بیان للجزاء او خبر محذوف جزاء یجحدون جزاء مفعول مطلق الذین تثنیۃ فی حالۃ النصب لکونہ مفعولا ثانیا لارنا من الجن والانس بیان لہ نجعلہما بالسکون لکونہ جواب الامر وہو ارنا بکسر الراء عند الجمہور۔

تفسیر

کفار کے کفر پر جہنم کی سخت سزا بیان فرما کر ان کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے۔

فقال وقیضنا لھم قرناء الخ تقیض کے معنی ہیں آسان کرنا اور آمادہ کرنا۔ صاحب صحاح کہتے ہیں یقال قاضیت الرجل مقایضۃ ای عاوضتہ بمتاع وھما قیضان۔ قرناء جمع قرین ساتھی۔ یعنی ہم نے ان کفار کا شیاطین کو یار و مددگار بنا دیا تھا پس شیاطین نے ان کی نظروں میں ان کے سامنے یا آگے جو باتیں ہیں امور دنیا اور اس کی شہوات و لذات مرغوب کر دکھائیں انہیں۔ پر پیچھے کی۔ زجاج کہتے ہیں ما بین ایدیہم وہ اعمال جو کر چکے ہیں۔ وما خلفہم وہ اعمال کہ جن کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں بعض کہتے ہیں ما بین ایدیہم سے مراد دنیا و ما خلفہم سے مراد آخرت۔ بعض کہتے ہیں برعکس۔ کیوں کہ آخرت سامنے ہے اور دنیا پیچھے چھوٹی جا رہی ہے۔ یعنی ان کے رفیقوں نے ان کے دل میں بری باتیں رچھا اور کھبا دیں۔ پس حق علیہم القول ان پر نوشتہ ازلی پورا ہوگیا۔

فی امم ان پر وہی بات پوری ہوئی جیسا کہ ان سے اگلوں پر ہوئی تھی۔ فی امم ای کائنین فی جملۃ امم سابقۃ۔ یعنی یہ بھی ان پہلے گروہوں کے غول میں شامل ہوگئے کس لیے کہ یہ زیاں کار تھے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ان کفار کی ایک اور حرکت ناشائستہ نقل کرتا ہے جو وہ دین حق کے مٹانے اور چراغ ہدایت کے بجھانے کے لیے کرتے تھے۔

فقال وقال الذین کہ کفار کہتے ہیں اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور جب پڑھا جایا کرے تو غل مچا دیا کرو اس سبب سے ہم غالب رہیں گے لوگ اس طرف آنے نہ پائیں گے۔

ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں قرآن مجید کی منادی کرتے تھے اور لوگ سننے کے لیے جمع ہوتے تو کفار کہتے تھے مت سنو اور غل مچا دو۔ چنانچہ لوگ ایسا کرتے تھے۔ الغوا جمہور نے بفتح غین پڑھا ہے یہ لغا سے ہے جس کے معنی ہیں بیہودہ گوئی کے۔ اور بعض نے بضمہ غین پڑھا ہے لغا یلغو دعا یدعو سے اور اسی سے ہے لغوت۔ ان کے اس

ع ۱۸

فعل بد کی سزا بیان فرماتا ہے۔

فلنذیقن الخ کہ ہم ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب چکھاویں گے اور ان کے برے کاموں کی آخرت میں بھی سزا دیں گے۔

ذٰلک الخ فرماتا ہے خدا کے دشمنوں کی سزا یہ جہنم ہے۔ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے اس میں ہمیشہ رہا کریں گے یہ ان کے انکار کی سزا ہے۔ اور جہنم میں پڑ کر کفار یہ کہیں گے کہ ہمارے شیاطین جن و انس کو کہ جنہوں نے ہم کو دنیا میں گمراہ کیا تھا یا رب انہیں دکھا کہ ہم ان کو جہنم میں اپنے پاؤں تلے روندیں اور ذلیل کریں کہ کیوں تم نے گمراہ کیا تھا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ شیطان دو قسم کے ہیں ایک جن دوسرے انسان۔ شیطانِ جنی ابلیس اور اس کی ذریت جو دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور شیاطینِ انسی بہت سے دکھائی دیتے ہیں خصوصاً اس زمانے میں جو طرح طرح کے لباس میں آکر کام کر جاتے ہیں۔ اسی مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا شیٰطین الانس والجن الآیۃ

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا
بے شک وہ لوگ کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر قائم بھی رہے

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا
ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) تم نہ ڈرو

وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ
اور نہ کچھ رنج کرو اور اس بہشت کا مژدہ سنو کہ جس کا تم سے

تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي
وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ
تھے اور آخرت میں بھی اور بہشت

فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا
میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم کو جو مانگو گے

مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾
وہاں ملے گا یہ مہمانی ہے غفور رحیم کی طرف سے۔

ترکیب

الذین اسم ان تتنزل خبرہا الا اصلہ ان لا وان مفسرۃ ای قائلین لا تخافوا او مصدریۃ او مخففۃ مقدرۃ بالباء۔ ماتشتھی ما موصولۃ ہی مع صلتہا مبتدا۔ لکم خبرہ فیہا متعلق بتشتہی او بالمحذوف نزلا حال من الموصول او من عائدہ۔

تفسیر

وعید کے بعد وعدہ ذکر کرتا ہے اور یہ عمدہ ترتیب ہے۔ واضح ہو کہ کمالات تین قسم پر ہیں نفسانیہ بدنیہ خارجیہ ان میں سب سے بڑھ کر نفسانیہ ہیں اور اوسط بدنیہ اور کم تر مرتبہ میں خارجیہ۔ پھر کمالاتِ نفسانیہ کی دو قسم ہیں ایک علمِ یقینی دوسرا عملِ صالح۔ علمِ یقینی ہیں کمالات کی بات اللہ جل جلالہ کی معرفت اور اس کی توحید کا اقرار کرنا ہے۔ اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ اور اعمالِ صالحہ میں سب سے بڑھ کر وسط پر استقامت ہے افراط و تفریط کی طرف میلان نہ ہو جیسا کہ سورہ فاتحہ میں آیا ہے اھدنا الصراط المستقیم اور ایک جگہ آیا ہے وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے۔

ترمذی و نسائی و ابو یعلیٰ وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کلمۂ توحید پر مرتے دم تک ثابت رہا ہے اس نے اس پر استقامت حاصل کر لی۔

احمد و دارمی و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ ابن حبان

اور بخاری نے اپنی تاریخ میں سفیان بن عبداللہ ثقفی سے نقل کیا ہے کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ یا حضرت مجھے اسلام میں ایسی بات بتلائیے کہ آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہہ ایمان لایا میں اللہ پر پھر قائم رہ۔ پھر عرض کیا کس چیز سے بچوں ---؟ آپ نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔

اس استقامت میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ استقامت سے دین و توحید و معرفت پر قائم رہنا مراد ہے۔ دوم یہ کہ عبادات و اعمالِ صالحہ پر قائم رہنا مراد ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ پھر اس کے بدلے میں جو کچھ مرحمت ہو گا اس کا ذکر فرماتا ہے۔

ایمان داروں پر ملائکہ مژدہ لے کر اترتے ہیں

تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا کہ ان پر ملائکہ اترتے ہیں یہ مژدہ دیتے ہوئے کہ تم خوف و غم نہ کرو اور ہم تمہارے دنیا و آخرت میں رفیق ہیں اور تمہارے لیے جنت کا مژدہ ہے وہاں تم کو ہر چیز ملے گی۔ یہ کفار کا مقابلہ ہے کہ ان کے پاس شیاطین آتے ہیں گمراہی میں پھنساتے ہیں برخلاف اس کے اللہ پر ایمان لانے والوں نیک بختوں کو فرشتے آکر تسلی دیتے ہیں۔ یہ ملائکہ موت کے وقت اُترتے ہیں اور قبر میں بھی آویں گے اور حشر کے دن بھی۔ بلکہ آیت عام ہے دنیا میں بھی بوقتِ مصیبت و ضرورت ملائکہ ایمان داروں کے دل کو سُرُور رجا و دانی کا بطور الہام کے مژدہ دیتے ہیں کس لیے کہ ملائکہ کی ارواح بشریہ پر الہامات و مکاشفاتِ یقینیہ و مقاماتِ حقیقہ کے بارے میں تاثیرات ہیں جیساکہ شیاطین کو وسواس و تخیلاتِ باطلہ دل میں ڈالنے کے لیے تاثیرات ہیں۔

حاصلِ کلام ارواحِ طیبہ کو ملائکہ کی طرف سے طرح طرح سے ولایت و حمایت ہے اہلِ مکاشفہ و مشاہدہ کو بخوبی معلوم ہے۔ اور یہ دنیا میں حاصل ہے مرنے کے بعد باقی رہے گی بلکہ اور بڑھ جائے گی کس لیے کہ حجابِ جسمانی دور ہو جاتا ہے۔ پس یہ معنی ہیں اس قولِ ملائکہ کے نحن اولیٰؤکم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔

ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم میں جنتِ جسمانی کی طرف اشارہ ہے ولکم فیھا ما تدعون میں جنتِ روحانی کی طرف اشارہ ہے۔

اور یہ سب کچھ جلبِ منفعت کے متعلق ہے جو دفعِ مضرت کے بعد رعایتِ مصالح میں شمار ہوتا ہے اور دفعِ مضرت مقدم ہے۔ اس لیے سب سے پہلے دفعِ مضرت کا مژدہ دیا۔

اور مضرت میں بھی بڑی مضرت آنے والی چیز سے ہوتی ہے جس کے فکر کو خوف کہتے ہیں اس لیے الا تخافوا کو مقدم کیا۔ اس کے بعد گزشتہ باتوں کا رنج ہوتا ہے جس کو حزن کہتے ہیں جیساکہ اولاد کی مفارقت مال کی جدائی، احباء کا فراق وغیرہ ان سب باتوں کی بابت تسلی کریں گے۔

ف احادیث میں آیا ہے کہ بوقتِ مرگ جب اِدھر سے پردہ پڑ جاتا ہے تو دوسرا عالم منکشف ہوتا ہے اس وقت فرشتے آکر یہ کہتے ہیں اور یہ مژدہ دیتے ہیں جس سے مرنے والے کو بے حد سرور ہوتا ہے اور دنیا کی مفارقت کا رنج و غم مٹ جاتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى

اور اُس سے بہتر کس کی بات ہے کہ جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف

اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ

بُلایا اور خود بھی اچھے کام کیے اور کہہ دیا کہ میں بھی فرمانبرداروں

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ

میں سے ہوں اور نیکی اور بدی

وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

برابر نہیں ہوتی برائی کا دفعیہ نیکی سے کرو

فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ

پھر تو وہ شخص کہ اس میں اور تجھ میں عداوت تھی

كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ

گویا وہ دوست حمایتی ہے اور یہ بات انہیں کو

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا

نصیب ہوتی ہے کہ جو صبر کرنے والے ہیں اور ایسی کو نصیب ہوتی ہے جو

ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ

بڑا ہی نصیبہ والا ہے اور جو کبھی تجھے شیطانی

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ

وسوسہ گدگدائے تو اللہ سے پناہ مانگو

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

کیوں کہ وہ (بڑا) سننے والا (اور) جاننے والا ہے

ترکیب

ومن استفھامیہ محلھا الرفع بالابتداء والخبر احسن۔ قولا تمیز لاحسن ممن متعلق باحسن ولا السیئۃ لا زائدۃ جاءت لتاکید النفی ادفع بالتی ای ادفع السیئۃ حیث اصابتک من احد بالتی ھی احسن ای بالحسنۃ۔

تفسیر

کمال انسانی دو قسم پر ہیں ایک تام دوسرا اس سے بھی بڑھ کر کمال تام اپنے تئیں صفات حمیدہ سے مزین کرنا اس کا ذکر ان الذین قالوا ربنا اللہ میں آچکا اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اپنی تکمیل کے بعد ناقصوں کی تکمیل کی طرف متوجہ ہونا۔ اس کی طرف ان آیات میں اشارہ کرتا ہے۔

فقال ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ اور نیز اس میں مخاطبین پر ایک ملائم طور پر حجت قائم کی ہے کہ تم کس لیے قرآن میں غل مچاتے سننے سے منع کرتے ہو اصل بات کو تو دیکھو کہ نبی کیا کہتا ہے اور بذات خود کیسا ہے اور اس کا کیا دعوی ہے ؟ کہہ سکتے تھے کہ نبی کوئی بری بات نہیں کہتا برے کام کے لیے نہیں بلاتا اور خود فضیحت ویگرے را نصیحت کا بھی مصداق نہیں بلکہ نیکوکار ہے اور کسی سلطنت یا حکومت یا شیخی کی بات کا بھی دعوی نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو خداوند تعالی کا فرماں بردار کہتا ہے۔ اسی کا دعوی ہے مگر یوں نہ کہا کس لیے کہ ان بدبختوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت نفرت تھی بلکہ عام طور پر فرمایا کہ اس سے بات کہنے میں کون بہتر ہے کہ جو اللہ کی طرف بلا دے اور خود بھی نیک ہو اور فرماں برداری کا اظہار کرے۔ اس سے اشارہ آں حضرتؐ کی طرف ہے مگر ایک عجیب لطف سے اشارہ کیا۔

مگر اس کی طرف بلانے میں جو تکمیل ناقصان ہے اور یہ خاص حضرات انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہے یا ان کے نائبوں کا جو علماء اور امراء ہیں۔ مخالفوں کی طرف سے ایذائیں بھی پہنچا کرتی ہیں۔ دنیا میں کون سا نبی آیا ہے کہ لوگوں نے اس کی راہ میں کانٹوں کی جگہ پھول بچھائے ہوں اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ادفع بالتی ھی احسن کہ بدی کو نیکی کے ساتھ دفع کرو کیوں کہ نیکی نیکی ہے اور بدی جو ہے تو بدی ہے اس لیے اس جملہ سے پیشتر بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے۔

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ کہ نیکی اور بدی برابر نہیں نیکی کا مرتبہ بدی سے بڑھ کر ہے پس واعظ حق کے مقابلے میں جو کوئی بدی کرے اس کو لازم ہے کہ اس کے جواب میں نیکی کرے اگر وہ سخت کلامی کرے تو یہ نرمی کرے اگر وہ بددعا دیوے تو یہ دعا دیوے اگر وہ گالی دے تو یہ

وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ
اور چاند بھی ہے تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو
وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ
بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو کہ جس نے ان کو بنایا ہے اگر
كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ
تم اسی کی عبادت کرتے ہو پھر اگر
اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ
وہ تکبر کریں تو پھر وہ لوگ جو آپ کے رب کے پاس ہیں
یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ
رات دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور
لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ
تھکتے نہیں اور اس کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ (اے مخاطب)
تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا
تو زمین کو پژمردہ دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر
عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ
پانی برساتے ہیں تو تر و تازہ ہو جاتی ہے بے شک
الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ
جس نے اس کو زندہ کیا وہی مُردوں کو زندہ کرے گا وہی ہے
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾
جو ہر چیز پر قادر ہے

السجدۃ

تفسیر

جب کہ پہلی آیات میں یہ بیان فرمایا کہ احسن اعمال اقوال اللہ کی طرف بلانا ہے تو اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے

ف اہتزت ہزہز الریح یعنی وزیدن باد و جنبانیدن درخت۔

اللہ سے دعا کرے کہ اس کی اصلاح کرے۔ واعظانِ دین کے لیے یہ عمدہ قانون ہے جو کبھی منسوخ نہیں ہوا اور جہاد و سیف کا حکم اور موقع پر ہے یہ کمال مکارم اخلاق کی تعلیم ہے۔ پھر اس کا فائدہ بیان فرماتا ہے۔

فاذا الذی الخ کہ پھر تیرا دشمن دوست خالص ہو جائے گا۔ کس لیے کہ طبیعت انسانیہ کا بشرطیکہ سلیمہ ہو خاصہ ہے کہ بدی کے مقابلے میں جو اس سے نیکی کی جاتی ہے تو بدی کرنے والا خود شرمندہ ہو کر اس کو اچھا اور عمدہ شخص جاننے لگتا ہے اور دل میں محبت ہو جاتی ہے۔

مگر ما یلقٰها الا الذین صبروا یہ بڑے بڑوں کا کام ہے وہی اس کو حاصل کر سکتے ہیں اور بڑے خوش نصیبوں کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کیوں کہ ان کے نفوس قدسیہ ہوتے ہیں دوسرے کی برائی سے متغیر اور متاثر نہیں ہوتے ان کی ہمدردی و خوبی کے پہاڑ کو اس برائی کی ہوا ہلا نہیں سکتی۔ ؎

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا
دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کبار و اہل بیت اطہار نے جو کچھ ایذائیں پا کر مخالفوں سے نیکیاں کی ہیں کتبِ سیرت میں مشرحاً مذکور ہیں۔

واما ینزغنك الخ اور جو بشریت سے اور شیطانی تحریک سے دل میں وسوسہ آجاوے تو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کہنا چاہیے اس کی مدد سے وہ شیطانی خیال دور ہو جاتا ہے کس لیے کہ اللہ سنتا ہے فریاد رسی کو موجود ہے خبردار ہے، دلی حالات پر واقف ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ
اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن اور سورج

جو اس کے وجود و قدرت پر دلالت کرتے ہیں اس بات پر متنبہ کرنے کے لیے کہ اللہ کی طرف بلانا کسی مجہول چیز کی طرف بلانا نہیں بلکہ وہ ایسا متجلّی ہے کہ ہر چیز میں اس کے پرتوے نظر آرہے ہیں۔

کما قال ومن اٰیٰتہ الیل والنھار والشمس والقمر کہ اس کی نشانیوں میں سے یہ چار چیزیں تمہارے سامنے ہیں۔ رات، دن، سورج، چاند۔ رات عدمی چیز ہے اس لیے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ یہ چاروں چیزیں اپنے انقلابات کی نیرنگیوں میں ثابت کر رہی ہیں کہ کوئی قادر مختار ہے جو ان کو یوں اُلٹتا پلٹتا ہے۔ اس کی تشریح متعدد مقامات پر ہم کر آئے ہیں۔ رات سے چاند کا اور دن سے سورج کا تعلق خاص ہے۔

جب یہ ثابت کر دیا گیا کہ چاند اور سورج اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اسی کی دو مشعلیں روشن کی ہوئی ہیں تو یہ حکم دینا مناسب ہوا کہ لاتسجدو للشمس ولا للقمر تم نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو جیسا کہ کواکب پرست قومیں ان کو نورانی ہیکل جان کر پوجتی تھیں۔ مجوس و ہنود و بعض عرب بلکہ اب بھی پوجتے ہیں ان مخلوق کو کیا سجدہ کرتے ہو ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو یعنی اللہ کو اگر تم کو اللہ کا پوجنا منظور ہے۔ اس جملہ ان کنتم ایاہ تعبدون میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ جو کواکب پرست ان کے سجدہ کو خدا تعالےٰ کی عبادت اور سجدہ سمجھتے ہیں غلط بات ہے۔ عاقل و نادان میں یہی تو فرق ہے کہ نادان تصویر پر شیدا ہوتا ہے دانا تصویر دیکھ کر اُس پر مفتون ہوتا ہے کہ جس کی یہ تصویر ہے۔

پھر فرماتا ہے فان استکبروا الخ اگر یہ منکرین اے محمدؐ! تیرا کہنا نہ مانیں اور خدا کی طرف نہ آئیں تکبر سے اَڑے رہیں تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں۔ کس لیے کہ جو اللہ کے پاس ہیں یعنی اس کی بارگاہِ عزت میں حاضر ہیں ملائکہ مقربین رات دن اس کو سجدہ کرتے ہیں اور تھکتے نہیں کس لیے کہ وہ انوارِ مجردہ ہیں خدا کی عبادت و تسبیح و تقدیس ان کی روزی ہے اور بمنزلہ نفسِ انسانی کے جو ان کو اور کسی تدبیر اور تصرف سے مانع نہیں آتا۔

یہ تو بالاتفاق ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیے۔ مگر امام شافعی کے نزدیک تعبدون پر سجدہ ہے کیوں کہ واسجدوا للہ سے متعلق ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک لا یسئمون پر کس لیے کہ کلام یہاں تمام ہوتا ہے۔

آیاتِ فلکیہ کے بعد آیاتِ ارضیہ بیان فرماتا ہے۔ ومن اٰیٰتہ انک تری الارض خاشعۃ کہ اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو زمین کو خشک دیکھتا ہے الخشوع التصاغر والتذلل واستعیر لحال الارض حال خلوھا عن المطر والنبات۔ پھر جب اس پر پانی خدا برساتا ہے تو اھتزت حرکت کرتی ہے یعنی اُگانے کی طرف آتی ہے۔ وربت اور پھول جاتی ہے تر ہونے سے اور خصوصاً جب کہ اُگنے کو کوئی چیز ہوتی ہے اُبھر جاتی ہے

خلاصہ یہ کہ تر و تازہ اور زندہ ہو جاتی ہے پھر جو اس کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مُردوں کو بھی زندہ کرسکتا ہے کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ ایک دوسرا مطلب ہے جو دعوت الی اللہ کے لیے اصل اصول ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا
وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں

یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ
ہم پر مخفی نہیں ہیں بھلا وہ جو آگ میں ڈالا جائے گا

خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ
بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آوے گا

ع ۱۲ ۱۵

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
جو چاہو کرو وہ جو کچھ تم کرتے ہو
بَصِيْرٌ ﴿۳۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ
دیکھ رہا ہے وہ لوگ کہ جنہوں نے نصیحت سے انکار کیا
لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۳۹﴾
جب کہ وہ ان کے پاس آچکی (ہم کو معلوم ہیں) اور بے شک یہ ایسی معزز کتاب ہے
لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ
کہ جس میں نہ آگے اور نہ پیچھے سے
وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ
غلطی کا دخل ہے وہ خوبیوں والے حکیم کی طرف سے
حَمِيْدٍ ﴿۴۰﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ
نازل ہوئی ہے آپ سے بھی وہی بات کہی جاتی ہے جو آپ سے
قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ
اگلے رسولوں سے کہی گئی تھی بے شک
رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ
آپ کا رب معاف بھی کرتا ہے اور سخت سزا بھی دیا
اَلِيْمٍ ﴿۴۱﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا
کرتا ہے اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بنا دیتے
لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ
تو کہتے کس لیے اس کی آیتیں واضح نہیں کی گئیں کیا عجمی کتاب اور
عَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى
عربی لوگوں کے لیے؟ کہہ دو یہ ایمان داروں کے لیے ہدایت
وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ
و شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے (اس سے)
اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ
ان کے کان بہرے ہیں اور یہ کتاب ان کو سوجھتی بھی نہیں
اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۲﴾
وہ (قرآن سے اتنے غافل ہیں گویا) دور سے پکارے جاتے ہیں۔

تفسیر

دعوت الی اللہ اور اس کے طرق اقامۃ الدلائل کے بعد یہ بیان کرتا ہے کہ جو آیات الٰہیہ میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم پر مخفی نہیں یعنی دنیا و آخرت میں سزایاب ہوں گے آخرت میں آگ میں ڈالے جائیں گے۔ پھر جو آگ میں ڈالا جائے گا اس کے برابر ہو سکتا ہے جو امن سے آوے گا؟ نہیں ہرگز نہیں دونوں طریقوں کی برائی بھلائی تم کو خوب معلوم ہوگئی اللہ کے رستہ کی بھی اور آیات اللہ میں کج روی کی بھی۔ اب تم کو اختیار ہے جو چاہو سو کرو دیکھو کہ وہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ الالحاد المیل والعدول ومنہ اللحد فی القبر لانہ امیل الی ناحیۃ منہ یقال الحد فی دین اللہ ای مال عنہ۔ الالحاد فی الآیات کے معنی ہیں ان میں تحریف کرنا اور ہیر پھیر کر ان سے غلط مطلب ثابت کرنا متبادر معنی کو بلاضرورت چھوڑ دینا حقیقت میں یہ بڑا عیب ہے۔ خصوصاً کلام اللہ میں ایسا کرنا۔ مکہ کے کفار بھی ایسا کیا کرتے تھے یہ تحریف و ہیر پھیر دراصل معنی کا انکار ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے

ان الذین کفروا بالذکر الخ ان کی خبر بعض کے نزدیک محذوف ہے جیسا کہ اور جگہ بھی قرآن مجید میں سامع کی سمجھ پر چھوڑ کر جملے عبارت میں محذوف کر دیے گئے ہیں اس کی خبر یجازون ہے۔ بعض کہتے ہیں اولئک ینادون من مکان بعید خبر ہے کہ وہ جو قرآن کا جس میں آیات اللہ ہیں ان کے پاس پہنچنے کے بعد بھی انکار کرتے ہیں اپنے انکار کی سزا پائیں گے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی صفت بیان کرتا ہے جس کا وہ انکار کرتے ہیں۔

وانہ لکتٰب الخ (۱) یہ کہ قرآن کتاب ہے (۲) کیسی کتاب

عزیز زبردست یا بے نظیر جس کے مطالب کی خوبی اس کے بے نظیر ہونے کی آپ سند ہے۔

(۳) لا یاتیہ الباطل الخ کہ اس میں غلط کو دخل نہیں نہ بالفعل نہ اس کے بعد کوئی اس کو غلط ثابت کر سکے گا نہ اس میں غلطی ملا سکے گا نہ کوئی پہلی کتاب اس کو منسوخ کر سکتی ہے نہ آیندہ کوئی منسوخ کرنے والی آئے گی نہ اس میں زیادتی ہو سکتی ہے نہ نقصان۔

(۴) تنزیل من حکیم حمید اور حمید کی نازل کی ہوئی جس کی کوئی بات بھی حکمت کے خلاف نہیں حکیم بھی کیسا کہ حمید بھی ہے اس کی حکمت جابرانہ نہیں بلکہ قابل تعریف اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے اور اسی جملہ میں کفار کا بھی اطمینان کرتا ہے۔

فقال ما یقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک کہ اے محمد! آپ کو جو کچھ یہ کفار کہتے ہیں نئی بات نہیں۔ پہلے رسولوں کو بھی ایسا ہی کہا گیا ہے جھوٹا جادوگر وغیرہ۔ یا یہ معنی کہ آپ کو توحید و مکارم اخلاق کا کوئی نیا حکم نہیں دیا گیا بلکہ وہی جو ہمیشہ سے رسولوں کو دیا گیا ہے نوح ابراہیم اسحاق یعقوب موسیٰ علیہم السلام بھی اپنی امتوں سے یہی کہا کرتے تھے جو تم کہتے ہو۔ اور آپ کو اور اگلے انبیاء کو یہ احکام کیوں دیے گئے اس لیے کہ ان ربک الخ کہ آپ کا رب معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے عمدہ باتوں سے خوش اور بری باتوں سے ناخوش ہوتا ہے اس لیے اس نے انبیاء علیہم السلام کی معرفت اپنی پسند اور ناپسند باتوں سے لوگوں کو خبردار کر دیا تاکہ موجبات سزا و انعام سے واقف ہو جائیں۔ یہ وجہ ہے قرآن کے نازل کرنے کی اور انبیاء کے بھیجنے کی۔

اس کے بعد ان کے اس شبہ کا جواب دیتا ہے قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے اور یہ قرآن مجید کس لیے عربی زبان میں آیا ایسی زبان تو ہم بھی بول سکتے ہیں۔

فقال ولو جعلنٰہ یعنی اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں اتارتے تو یہ عذر کرتے کہ عربی شخص عجمی زبان بولتا ہے کلام عجمی و رسول عربی۔ عربی و عجمی میں یا مبالغہ کے لیے ہے جیسا کہ احمری میں۔ اعجم اس کو کہتے ہیں جو اچھی طرح بول نہ سکے اور اس لیے حیوانات کو عجماء کہتے ہیں اور عرب کے مقابلے میں غیر زبان والے فصیح نہیں سمجھے جاتے اس لیے عرب کے سوا سب کو عجم کہتے ہیں اور کبھی ان میں خاص اہل ایران پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حمزہ و کسائی و عاصم نے ءاعجمی کو دو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے ایک استفہام انکاری کے لیے اور بعض نے ایک ہمزہ سے بطور اخبار کے۔ پھر جواب پہلی بات کا دیتا ہے۔

قل ھو للذین اٰمنوا ھدی و شفاء کہہ دے قرآن مجید ایمان والوں کے لیے ہدایت اور امراض قلبیہ کے واسطے شفا ہے ان کے دلوں پر اس سے غلاف نہیں

والذین لا یؤمنون الخ ہاں جو ایمان اس پر نہیں لاتے ان کے دلوں میں حسد و عداوت کا پردہ پڑا ہوا ہے جس لیے فی اذانھم وقرا ان کے کان بھی اس سے بہرے ہیں سنتے ہی نہیں اور جو کوئی سنانا چاہے تو کان بند کر لیتے ہیں۔

وھو علیھم عمی اور آنکھوں پر اس سے پردہ پڑا ہوا ہے خود بھی نہیں دیکھتے اندھیرا چھایا ہوا ہے۔

اولئک ینادون من مکان بعید اب ان کی ایسی حالت ہے کہ جیسا کسی کو دور سے آواز دے کر پکارا جاتا ہے جس طرح بہائم کو پکارتے ہیں گائے بھینس وغیرہ کو۔ آواز سنتے ہیں بات نہیں سمجھتے

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید میں کوئی عیب نہیں تمہارے دلوں و دیگر حواس میں فتور ہے جس لیے قرآن سے دلوں اور آنکھوں اور کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس میں اختلاف کرتے ہو

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ
اور البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پھر اس میں اختلاف
فِيْهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات صادر نہ ہو چکی ہوتی
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
تو ان کا فیصلہ ہی ہو چکا ہوتا اور ان کو تو قرآن میں قوی شک
مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ
ہے جو کوئی نیک کام کرتا ہے تو اپنے لیے اور
مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ
برائی کرتا ہے تو اپنے سر پر اور آپ کا رب تو بندوں پر کچھ بھی
لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾
ظلم نہیں کرتا

تفسیر

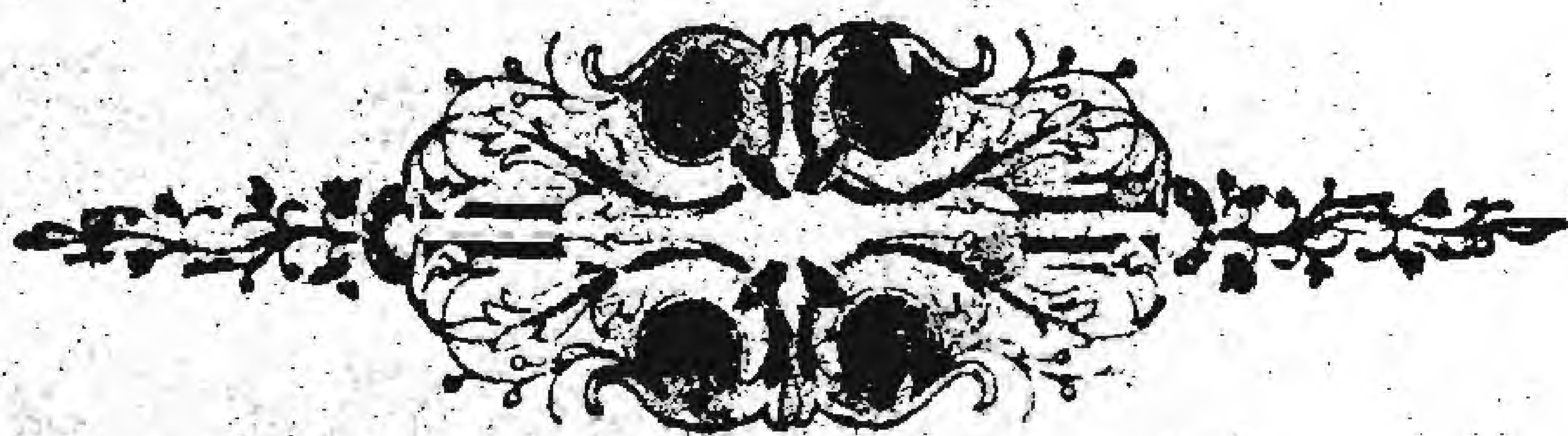
پھر یہ بھی کوئی نئی بات نہیں

ولقد اتینا موسی الکتب فاختلف فیہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی یعنی توراۃ سو اس میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا کسی نے مانا کسی نے انکار کیا ۔ اب غضب الٰہی تو یہ چاہتا تھا کہ اس سرکشی پر یہ ہلاک کر دیے جائیں مگر اس کی رحمت نے ان کے ہلاک ہونے کا ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے اور کسی کے لیے ایک وقت میں آکر ایمان لانا لکھ دیا ہے اور کسی کے ہلاک نہ ہونے کی وجہ کوئی خاص مصلحت رکھی ہوئی ہے کہ یتیم اس کے ساتھ متعلق ہیں یا کوئی اور بات ہے اس لیے ان کا ابھی فیصلہ نہیں ہوتا اس سے وہ اور بھی قرآن مجید سے بڑے شک میں پڑ گئے کہ اگر یہ کلام الٰہی تھا تو اس کے انکار سے ہم پر بلا کیوں نہ آئی اور قرآن اور نبی ان کو اپنے کام کے لیے نہیں بلاتا جو وہ کھنچتے ہیں وہ تو انہیں کی بھلائی برائی کا رستہ بتاتا ہے۔

پھر من عمل صالحا فلنفسہ جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اپنے لیے اس کا فائدہ دنیا و آخرت میں اسی کو ہے کسی پر کیا احسان ہے۔

ومن اساء فعلیھا اور جو کوئی برائی کرتا ہے تو اپنے اوپر اس کا بدنتیجہ آپ ہی پاوے گا۔

وما ربک بظلام للعبید اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ۔ یہ کڑوے پھل دنیا کی مصیبت آخرت کا عذاب اسی کے ہاتھ کے بوئے ہوئے درخت کے ہیں سبحان اللہ کیا پُر اثر کلام اور کیا موعظت بلیغہ ہے کہ جس کے سننے سے سنگ دل بھی نرم ہو جاتے ہیں مگر شقی ازلی بے بہرہ رہتے ہیں ۔ ظلام بروزن فعال نسبت کا صیغہ ہے جیسا کہ تمار و بقال چھوارے بیچنے والا اور ترکاری بیچنے والا ظلام ظلم کرنے والا بعض کہتے ہیں مبالغہ کا صیغہ ہے مگر نفس ظلم مراد ہے تا کوئی یہ نہ سمجھے کہ بہت ظلم کرنے والا نہیں تھوڑا سا روا رکھتا ہے ۔ (سبحان اللہ عما یصفون)



تفسیر حقّانی

پارہ ۲۵

اِلَیۡهِ یُرَدُّ

اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ
اسی کی طرف قیامت کی خبر کا حوالہ دیا جاتا ہے (وہی جانتا ہے) اور نہ کوئی ایسا
مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَکۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ
پھل جو اپنے گابھے سے نکلتا ہے اور نہ کوئی مادہ
مِنۡ اُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَیَوۡمَ
جو حاملہ ہوتی ہے اور جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس روز
یُنَادِیۡهِمۡ اَیۡنَ شُرَکَآءِیۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ
ان سے پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک تو کہیں گے آپ سے عرض تو کر دیا
مَا مِنَّا مِنۡ شَهِیۡدٍ ﴿۴۷﴾ ۚ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ
کہ ہم میں سے کسی کو بھی خبر نہیں اور جن کو وہ پہلے پکارا کرتے تھے
مَّا کَانُوۡا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا
سب گئے گزرے ہو جائیں گے اور یقین کر لیں گے
مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۴۸﴾ لَا یَسۡـَٔمُ
کہ ان کو کسی طرح بھی چھٹکارا نہیں انسان بھلائی
الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَیۡرِ ۫ وَاِنۡ مَّسَّهُ
مانگنے سے تھکتا نہیں اور اگر اس کو کوئی تکلیف
الشَّرُّ فَیَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ
پہنچتی ہے تو آس توڑ کر ناامید ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو اس مصیبت
رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ
کے بعد جو اس کو آئی تھی اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں
لَیَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِیۡ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ
تو کہنے لگتا ہے یہ میرا حق تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰی رَبِّیۡۤ
قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس گیا بھی

اِنَّ لِیْ عِنْدَہٗ لَلْحُسْنٰی فَلَنُنَبِّئَنَّ
تو میرے لیے اس کے پاس بہتری ہے ہم کافروں کو
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ
ضرور بتائیں گے کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور ہم ضرور ان کو
مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۰﴾
سخت عذاب بھی چکھائیں گے۔

ترکیب

وما تخرج ما نافیۃ ومن الاولی للاستغراق و الثانیۃ للابتداء وقیل ما موصولۃ فی محل جر عطفا علی الساعۃ ای علم الساعۃ وعلم التی تخرج۔

تفسیر

جب کہ کفار کے مقابلے میں یہ کہا گیا تھا کہ جو نیکی کرتا ہے اپنے لیے اور بدی جو کرتا ہے اپنے لیے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پوری جزا و سزا قیامت کو ملے گی۔ اس پر سامع کا خیال جا سکتا تھا کہ قیامت کب ہوگی؟ اس بات کا جواب دیتا ہے۔

الیہ یرد علم الساعۃ کہ قیامت کی خبر اس کے پاس ہے۔ یعنی جب کوئی کسی سے اس کے تعین وقت سے سوال کرتا ہے تو اس کی خبر اللہ ہی کے سپرد کی جاتی ہے کہ وہی جانتا ہے اور اس پر کیا موقوف ہے جو کچھ عالم غیب سے دنیا میں ظہور کرتا ہے جیسا کہ گابھے کے اندر پھل اور مادہ کے پیٹ میں بچہ سب کی خبر اسی کو ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں الکمام کم یا کمہ کی جمع ہے میوے یا پھل کے اوپر جو چیز لپٹی ہوئی ہوتی ہے اس کو کم کہتے ہیں اور اس لیے آستین کو بھی۔ مغیبات پر رمل یا نجوم یا تعبیر خواب سے علم حاصل نہیں ہوتا ظن ہوتا ہے علم یقینی نہیں۔ اور جو انبیاء علیہم السلام اور اولیا کرام کو الہام یا مکاشفہ سے کچھ بتایا جاتا ہے تو اسی کے بحر علم کا ایک قطرہ ہوتا ہے اور وہ بھی اسی قدر کہ جس قدر اسے ان کو بتا دیا وہی علام الغیوب ہے۔

اس کے بعد کچھ قیامت کے احوال بیان فرماتا ہے ویوم ینادیھم الخ کہ اس روز مشرکین سے پکار کر پوچھا جائے گا کہ میرے شریک جو تم نے دنیا میں بنا رکھے تھے کہاں ہیں؟ کہیں گے ہم نے بتا دیا۔ یعنی آپ کو خود علم ہے کہ ہم میں سے ان کو کوئی بھی دیکھنے والا نہیں یعنی نظر نہیں آتے۔ یا یہ معنی کہ ہم میں سے کوئی بھی شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کا کوئی شریک ہے۔ یعنی انکار کریں گے جیسا کہ ملزم سزا کے وقت ارتکاب جرم کا انکار کیا کرتے ہیں۔

وضل عنھم الخ اور دنیا میں جن کو پہلے پوجتے تھے وہ ان سے غائب ہو جائیں گے اور جان لیں گے کہ ہماری خلاصی نہیں۔ انسان کو یہ تغیر و تبدل کچھ آخرت ہی میں پیش نہ آئے گا کہ جن بتوں اور خیالی معبودوں کو دنیا میں پکارا کرتے تھے ان سے عذاب دیکھ کر برات کریں گے بلکہ دنیا میں بھی اس کی ایسی حالت ہے کہ۔

لا یسئم الانسان من دعاء الخیر اپنے لیے بھلائی مانگنے میں تھکتا نہیں۔

وان مسہ الشر فیئوس قنوط اور جو دکھ پہنچتا ہے تو ناامید اور ہراساں ہو جاتا ہے۔

ولئن اذقنٰہ رحمۃ منا اور جو اس مصیبت کے بعد ہم پھر راحت عطا کرتے ہیں اپنی مہربانی سے تو کہتا ہے کہ میں اسی کا مستحق اور اسی کے لائق ہوں اور پھر اسی عیش و کامرانی میں ایسے بھولتے ہیں اور یہاں کے رہنے کو ایسا پسند کرتے ہیں کہ قیامت کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔

وما اظن الساعۃ قائمۃ اور اگر بالفرض میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو مجھے وہاں بہتری ہوگی کیوں کہ دنیا میں بھی میں معزز تھا وہاں بھی معزز رہوں گا۔ دنیا پر آخرت کا قیاس

ع ۱۰ ۶ ۱

کرتا ہے یہ معلوم نہیں وہاں کے اور ہی حالات ہیں۔ یہ قول بطور حسن ظن کے نہ تھا جو باخدا لوگوں کو اللہ سے ہوتا ہے بلکہ بطور تکبر و سرکشی کے۔

اس لیے فرماتا ہے فلننبئن الذین کہ ہم کافروں کو ان کے اعمال پر متنبہ کریں گے اور سخت عذاب چکھائیں گے یعنی ان کے لیے اُس جہان میں بہتری تو کیا ہے عذاب شدید ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ

اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا

وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ

اور اکڑنے لگتا ہے اور جب اس کو دکھ پہنچتا ہے تو لمبی چوڑی دعائیں

عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ

کرنے لگتا ہے تو کہو بھلا دیکھو تو سہی اگر یہ قرآن اللہ کی

عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ

طرف سے ہوا پھر تم اس کا انکار کر بیٹھے تو ایسے پرلے درجے

مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ

کے ضدی سے کون زیادہ گمراہ ہوگا ہم ان کو

اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى

اپنی نشانیاں ملک (کے اطراف) میں اور خود ان میں بھی یہاں تک دکھائیں گے

يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ

کہ ان کو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ برحق ہے کیا ان کے رب کی

بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾

یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ

دیکھو تو ان کو اپنے رب کے پاس حاضر ہونے میں شک ہے

اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

دیکھو وہ ہر چیز کو قابو کیے ہوئے ہے

تفسیر

واذا انعمنا اور جب ہم انسان پر عنایت کرتے ہیں تو سرکشی کرتا ہے (والجانب مجاز عن النفس ونائی بمعنی بعد یقال نائت وتنایت ای بعدت وتباعدت والمتنائی الموضع البعید) اور جب اس پر بلا آتی ہے تو بڑی دعا کرتا ہے (العرض والطول یستعمل فی الکثرۃ مجازا فی کلام العرب، یہ انسان کی جبلی بات ہے۔ غرض یہ کہ یہ تمام سرکشی خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت کی بدہضمی سے ہے۔

اس کے بعد پھر کفار کے شبہات دفع کرتا ہے۔ فقال ارایتم ان کان من عند اللہ الخ ان سے کہہ دے تم جو قرآن مجید کا انکار کرتے ہو اچھا یہ بھی تو خیال کرلو کیوں کہ تمہارے انکار پر کوئی حجت قوی نہیں ہے صرف توہمات ہیں) کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا پھر تم سے زیادہ کون گمراہ اور ضدی ہے۔ (ممن ھو اصلہ منکم وضع من ھو فی شقاق موضع الضمیر لبیان حالھم فی المشاقۃ) یہ ایک الزامی گفتگو ہے مخاطب کو قائل کرنے کے لیے، جب کہ وہ خلافِ حق ہوکر اپنے توہمات پر اصرار کرے۔

اس کے بعد ایک پیشین گوئی فرماتا ہے اسلام اور قرآن کے برحق ہونے پر۔

فقال سنریھم اٰیٰتنا فی الاٰفاق الخ آفاق جمع افق کاعناق وعنق۔ اس کے معنی ہیں کنارے کے، آیت کی تفسیر میں علماء کرام نے متعدد وجوہ بیان فرمائے ہیں مگر صاف یہ ہے اور یہی سیاقِ کلام سے چسپاں زیادہ ہے کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے وہ دو قسم کی ہوں گی ایک آفاق یعنی بلاد و ممالک کے متعلق اور دوسری وہ جو ان کی ذات سے

علاقہ رکھتی ہوں گی۔ وہ جو آفاق سے علاقہ رکھتی ہیں بہت سی نشانیاں ہیں کہ جن کی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی جن کا لوگوں نے معائنہ کیا۔

اور یتبین لھم انہ الحق اور ان پر حق ظاہر ہو گیا۔ جیساکہ تھوڑے سے دنوں میں اسلام کا دور دراز ملکوں میں ظہور کرنا، کسریٰ و قیصر کا مقہور ہونا، عرب کی کایا پلٹ ہو جانا، سب میں ایک نئی زندگانی کا پیدا ہونا وغیر ذلک اسی طرح زلزلوں کا آنا بڑے بڑے حوادث کا ظہور کرنا حجاز میں مہینوں تک ایک عجیب وغریب آگ کا مشتعل ہونا وغیر ذلک جن کی تفصیل کے لیے ایک بڑی مجلد کتاب بھی کافی نہیں۔

اور آیاتِ انفس بھی بہت لوگوں نے دیکھیں مکہ میں ہجرت سے پہلے ایک انقلاب شروع ہوا اور ہجرت کے بعد سے ترقی کرتا گیا، سنگدل وسفاک رحم دل ہو گئے بت پرستوں کو خدا پرستی سوجھنے لگی، وحشی اور جاہلوں کو قیصر و کسریٰ کے ملک کے انتظام کا سلیقہ آگیا، دغابازی کی جگہ راست بازی کی طرف طبائع مائل ہو گئیں، نفاق کی جگہ دلوں میں اتفاق نے گھر بنایا، پست حوصلگی کی جگہ بلند حوصلگی پیدا ہوئی، ان کے سینے علوم وحکمت کے چشمے بن گئے۔ پھر ان آیات کے دکھانے پر وثوق دلاتا ہے۔

فقال اولم یکف بربک الخ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر شہید ہے کوئی بات اس کی قدرت وعلم سے باہر نہیں پھر وہ کیا ان آیات کے دکھانے پر قادر نہیں۔؟

یہ سب کچھ ہے مگر الا انھم فی مریۃ من لقاء ربھم وہ اپنے رب کے ملنے سے شک میں ہیں جانتے ہیں کہ مر کر مٹی ہو جائیں گے خدا کے پاس کیا جانا ہے جس لیے وہ یہ باتیں کرتے ہیں۔ مگر وہ کہاں جا سکتے ہیں۔؟

الا انہ بکل شیئ محیط ہوشیار! وہ ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی اس کی قدرت سے باہر نہیں سب کو گھیر کر اپنے پاس دربار عدالت میں حاضر کرے گا۔ سبحان اللہ کس موقع پر کلام کو تمام کیا ہے۔ اور اثنائے کلام میں کیا کیا باریکیاں رکھی ہیں۔ صدق اللہ العلی العظیم۔

سورۂ شوریٰ

مکیہ ہے اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۞۱ عٓسٓقٓ ۞۲ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ

اسی طرح سے اللہ زبردست

اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ

حکمت والا آپ کی طرف وحی کیا کرتا ہے اور ان کی طرف بھی کیا کرتا

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞۳ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

تھا) جو تجھ سے پہلے تھے اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۞۴

اور زمین میں ہے اور وہی سب سے بڑا بالادست ہے

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ

(اسی کی ہیبت کے مارے) قریب ہے کہ اوپر سے آسمان پھٹ پڑیں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اور فرشتے ہیں کہ اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں اس کی خوبیوں کے ساتھ

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ

اور زمین والوں کے لیے معافی مانگتے ہیں دیکھو

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝٥

اللہ ہی معاف کرنے والا مہربان ہے

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ

وہ لوگ کہ جنہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے

اللّٰهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم

ہیں وہ اللہ کی نظر میں ہیں اور آپ ان کے

بِوَكِيلٍ ۝٦

ذمہ دار نہیں ہیں

ترکیب

اللہ فاعل لیوحی وما بعدہ نعت والکاف فی موضع نصب بیوحی والذین مبتدا اللہ حفیظ الجملۃ خبر۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ ابن عباس و ابن الزبیر و حسن و عکرمہ و جابر کا قول ہے۔ اس سورت کا نام سورۃ شوریٰ اور سورہ حٰم عسق ہے۔ حٰم عسق سے جو کچھ خدا پاک نے اپنے کلام میں مراد لیا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے مکہ میں قریش کو اس بات سے بڑا تعجب تھا کہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے محمدؐ پر وحی کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ بات ان کے نزدیک نئی تھی۔ ان کے اس تعجب کو چند حروف میں ایک سرِّ نہانی کی طرف اشارہ کر کے دور کرتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں۔

کذلک یوحی الخ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام پر یوں ہی وحی کرتا چلا آیا ہے اور تیری طرف بھی وحی کرتا ہے کذٰلک میں اشتراک نفسِ وحی کی طرف ہے اور یوحی جو مضارع کا صیغہ ہے حال ماضی کے لیے ہے۔ اللہ کے بعد العزیز الحکیم دو وصف بیان فرمائے تاکہ یہ استعجاب بالکل دور ہو جاوے۔ عزیز بمعنی زبردست غالب اس میں اس کی شاہنشاہی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شاہنشاہ اپنے بندوں پر فرمان بھیجتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جب دنیا کے بادشاہ رعیت کے حال سے غافل نہیں اور ان کے تمرد کی پروا نہیں کرتے کسی کو فرمان دے کر احکام جاری کرنے کے لیے بھیجتے ہیں پھر وہ کیوں نہ بھیجے۔

الحکیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی حکمت بندوں کی اصلاح کے لیے انبیاء پر احکام وحی کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ اس کے بعد اور چند اوصاف بیان فرماتا ہے جو اس کی جلالت و عظمت پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱) لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض آسمانوں اور زمین کی اسی کو بادشاہی ہے اور اس کی بادشاہی اور بادشاہوں کی طرح نہیں بلکہ وہ العلیّ ہے برتر اور عظیم ہے۔

(۲) تکاد السمٰوٰت الخ اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کی ہیبت و عظمت سے آسمان پھٹے جاتے ہیں من فوقہم کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ان کے اوپر جو آسمان ہیں ان کا یہ حال ہے تو یہ بے چارے کیا چیز ہیں؟

(۳) والملٰئکۃ یسبحون اور ملائکہ جواہر نورانی اور قوت و طاقت والے ہیں اس کی تسبیح اور تحمید کیا کرتے ہیں سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں اور اس کے سوا یستغفرون لمن فی الارض زمین والوں کے لیے خدا سے بخشش مانگتے ہیں اہلِ ایمان کے لیے۔ بعض کہتے ہیں سب کے لیے۔ کفار و مشرکین کے لیے بھی کہ الٰہی تو ان پر مہربانی کر۔ راہِ راست سمجھا کہ یہ اپنی بدی سے باز آویں اور بخشے جاویں۔

(۴) الا ان اللہ ھو الغفور الرحیم دیکھو اللہ جو ہے بڑا معاف کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے اس نے

بخشنے اور مہربانی کے لیے دنیا میں انبیاء بھیجے اور ان پر وحی کی۔

ع ۹ ۲

والذین اتخذوا الخ مگر بندوں کو دیکھیے کہ اللہ کے سوا انہوں نے اور بھی حمایتی اور معبود بنا رکھے ہیں اللہ حفیظ علیھم اللہ ان کو دیکھ رہا ہے وہ کہاں جا سکتے ہیں۔

وما انت علیھم بوکیل اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔ اس میں ایک شانِ استغنائی ہے اور توحید کی طرف تہدید کے پیرائے میں ترغیب ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ کیا لطائف آیات میں رکھے ہوئے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا

اور اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان کا قرآن

عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ

نازل کیا تاکہ آپ مکہ والوں اور ان کے آس پاس والوں کو

حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

ڈرسنا دیں اور قیامت کے دن سے بھی ڈرا دیں کہ جس میں کوئی شبہ نہیں

فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ⑦

(اس روز) ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت جہنم میں ہوگی

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی گروہ کر دیتا

وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ

لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

اور ظالموں کا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ

نَصِيْرٍ ⑧ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

مددگار کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی مددگار

اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ

بنا رکھے ہیں پھر اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مردوں کو

الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ⑨

زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

ترکیب

قرآنا مفعول لاوحینا۔ لتنذر متعلق باوحینا فریق خبر مبتدء محذوف ای بعضھم فریق فی الجنۃ۔ والظلمون مبتدء وما بعدہ خبرہ اولیاء بالنصب علی انہ مفعول لاتخذوا من دونہ حال منہ ای حال کون الاولیاء غیر اللہ الولی خبر فاللہ ھو ضمیر الفصل للتاکید۔

تفسیر

پھر مسئلہ نبوت کا ذکر کرتا ہے وکذلک اوحینا الخ کہ جس طرح انبیاء سابقین پر وحی کی تھی اسی طرح اے محمد ہم نے تیری طرف عربی زبان میں قرآن وحی کیا، کس لیے لتنذر ام القرٰی تاکہ تو اہلِ مکہ کو اور اس کے آس پاس والوں کو خبردار کر دے ڈرا دے کہ تم پر اگر باز نہ آؤ گے بلا آنے والی ہے اور ان کو قیامت کے دن سے بھی ڈرائے کہ جس میں کوئی شک نہیں کہ اس روز ایک جماعت جنت میں اور ایک دوزخ میں ہوگی۔ یعنی جس طرح اور انبیاء اپنی امتوں کے ڈرانے کے لیے آئے اسی طرح آپ اہلِ مکہ اور ان کے آس پاس والوں کے لیے۔ نبوت قائم کرنے کی وجہ لوگوں کا ڈرانا اکثر قرآن میں آیا ہے اور بشارت اس کے ساتھ میں آئی ہے۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب بنی آدم کی حالت خراب ہو جاتی ہے فلسفہ و علوم عقلیہ اس کی اصلاح سے عاجز آکر کسی گوشے میں منھ چھپا کر بیٹھ

جاتے ہیں اگر اس وقت خدا تعالیٰ کا داعی وہادی نہ آوے تو اس بدکاری وغیرہ امراض روحانیہ میں مبتلا ہو کر نہ صرف آخرت میں جہنم کے ایندھن بن جائیں بلکہ معاش بھی بگڑ جاوے جس سے کسی دنیاوی بلا کا بھی سخت اندیشہ ہوتا ہے۔

ایسے وقت میں خدا رحیم وکریم اپنے کسی بندے کو نبی اور مؤید من اللہ بنا کر بھیجتا ہے اس کا پہلا کام ان لوگوں کو آنے والی بلا سے ڈرانا ہوتا ہے تاکہ افعالِ بد سے باز آویں اس لیے لتنذر فرمایا۔

اور منہیات ترک کرنے کے بعد اگر اچھے کام کرنے لگیں تو ان کو انعام واکرام الٰہیہ کی بشارت دی جاتی ہے اور نبی کا مبعوث کرنا اتمام حجت کے لیے ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام عالم ہر قسم کی بدکاری وگمراہی سے تاریک ہو گیا تھا اور آپؐ کو مصلحتِ الٰہی نے مکہ میں سے مبعوث کیا جس کو عرب ام القریٰ کہتے تھے۔ اس لیے ام القریٰ اور اس کے آس پاس والوں کا زیادہ استحقاق تھا لہٰذا ان کی تخصیص کی گئی اور نیز سب سے پیشتر نبی اپنی قوم اور شہر اور وطن سے تبلیغ شروع کیا کرتا ہے پھر دور تک یا تمام عالم تک پہنچتا ہے اپنے نائبوں کے ذریعہ سے۔ ام القریٰ ومن حولھا کا ذکر کرنا تمام عالم کے لیے نبی نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

لتنذر میں عام بلاؤں سے ڈرانا بتایا ہے۔ و تنذر یوم الجمع میں اخروی بلاؤں سے۔

فریق فی الجنۃ الخ کے متعلق ایک حدیث ہے جس کو ترمذی ونسائی واحمد وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار دو کتابیں ہاتھ میں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا ان کو تم جانتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا یہ خداوند تعالیٰ کی دو کتابیں ہیں۔ جو دائیں ہاتھ میں ہے اس میں تمام اہلِ جنت اور ان کے باپ دادا کے بالتفصیل نام درج ہیں۔ اور بائیں ہاتھ میں اسی تفصیل سے دوزخ والوں کے نام ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا اب عمل کرنے کی کیا ضرورت؟ فرمایا کوشش کیے جاؤ۔ اہلِ جنت کا خاتمہ نیک کاموں پر ہوتا ہے کچھ ہی کیوں نہ کرے اور دوزخی کا برے کاموں پر کچھ ہی کیوں نہ کرے۔ یہ تقدیری بات ہے۔

کیوں کہ ولوشاء اللہ الخ اگر اللہ چاہتا تو دو فریق نہ کرتا ایک ہی کر دیتا مگر وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں لیتا ہے۔

والظلمون اور ازلی گمراہوں کو کوئی مدد وحمایت کر کے راہ پر نہیں لا سکتا ہے۔

ان کی گمراہی کی ایک یہ بات ہے ام اتخذوا من دونہ اولیاء اللہ کے سوا اور حمایتی فرض کر رکھے ہیں؟ حالانکہ اصل حمایتی اللہ ہی ہے۔ اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے نطفوں سے زندہ انسان پیدا کرتا ہے۔ اور آخرت میں بھی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر شے پر قادر ہے پس اس کو حمایتی بنانا چاہیے۔ نہ اوروں کو۔ اس مسئلہ نبوت میں مسئلہ حشر بھی ثابت کر دیا گیا۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ

اور (دیکھو) جن باتوں میں تمہارا اختلاف پڑا ہوا ہے ان کا فیصلہ تو اللہ ہی

إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

کے سپرد ہے یہی اللہ تو میرا پروردگار ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں

وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَ

اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ آسمانوں اور زمین کا

الْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

بنانے والا ہے اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے

اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ
جوڑے بنائے اور چارپایوں کے بھی جوڑے بنائے
يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ
اس تدبیر سے تم کو زمین پر پھیلاتا ہے کوئی چیز بھی اس کے مثل نہیں
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ
اور وہ سنتا دیکھتا ہے اس کے ہاتھ ہیں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں جس کے لیے چاہتا ہو روزی فراخ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ
کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہو تنگ کرتا ہے وہ ہر ایک بات
عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ
جانتا ہے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا
مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
کہ جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور اسی رستہ کی ہم نے آپ کی طرف
اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ
وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسٰی
مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ
اور عیسٰی کو حکم دیا تھا کہ اسی دین پر قائم رہنا اور
لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ
اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف آپ مشرکوں کو
مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ
بلاتے ہیں وہ ان پر شاق گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہو اپنے نزدیک
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ
برگزیدہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے
يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾
اس کو ہدایت دیتا ہے

تفسیر

ولکن یدخل من یشاء فی رحمتہ کی بابت رجس میں ایمان و کفر تقدیری کی طرف اشارہ ہے) مخالفین جھگڑتے تھے بعض اس طور پر کہ کیوں اللہ نے بعض کو رحمت میں داخل کیا، اوروں کو نہ کیا؟ بعض اس طور پر کہ رحمت میں ہم داخل ہیں۔ کفار اپنے جاہ و مال کے لحاظ سے اپنے تئیں رحمت میں داخل سمجھتے تھے۔ ایمان دار دولت آخرت کے لحاظ سے اپنے تئیں۔ اس لیے اس کے بعد یہ فرمادیا وما اختلفتم فیہ من شیٔ فحکمہ الی اللہ کہ ان اختلافی باتوں میں فیصلہ اللہ کے سپرد ہے جو وہ کہہ دے برحق ہے۔

ذٰلکم اللہ ربی الخ یہ اللہ میرا رب ہے جس پر میرا توکل ہے اور اسی کے پاس مجھے پھر کر جانا ہے۔ یا ہر امر میں میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں نہ کسی اور کی طرف۔ اس میں اشارہ ہے کہ اگر تمہارا بھی اللہ سے یہی حسن ظن ہے تو بہتر۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ جمیع امور میں خداوندی فیصلہ کا پابند رہنا چاہیے۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ اور چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے غیر اللہ کے ولی معبود بنانے پر ایک لطف کے ساتھ تعریض بھی ہے۔

(۱) فاطر السمٰوٰت والارض وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے نہ کوئی اور۔ جو چاہے کرے جس کو جس حال پر چاہے پیدا کرے کون پوچھ سکتا ہے؟

(۲) جعل لکم الخ کہ تمہاری جنس کے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح چارپایوں میں بھی اور اس نر و مادہ سے تم کو پھیلایا نسل کو بڑھایا۔ یہ بھی اسی کا کام ہے نہ تمہارے کسی معبود کا۔ پھر کوئی مادہ کہہ سکتی ہے کہ مجھے نر کیوں نہ بنایا اور چارپائے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو انسان کیوں نہ بنایا؟ بس وہ مختار ہے ازل میں جس کو چاہا رحمت میں شامل کیا جس کو نہ چاہا نہ شامل کیا۔

(۳) لیس کمثلہ شئ عرب کے کلام میں مثل بول کر خاص شخص بطور کنایہ کے مراد لیا کرتے ہیں کہتے ہیں مثلک لا یبخل، آپ کی مثل یعنی آپ جیسے لوگ بخل نہیں کرتے۔ مطلب یہ کہ آپ نہیں کرتے کیوں کہ جب آپ کی مثل نہیں کرتے تو آپ بطریق اولیٰ نہیں کرتے۔ ہمارے محاورے میں بھی مثل اور جیسے کے لفظ سے وہی شخص مراد ہوا کرتا ہے۔ مراد یہ کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں جس پر ان کا قیاس کر کے اس کے فعل میں اس کو ظلم کی طرف منسوب کیا جائے اور نیز جب اس کے مانند کوئی نہیں تو اور کسی کو حمایتی اور معبود بنانا عبث و بے کار ہے۔ یہ آیت تنزیہ باری تعالیٰ کے لیے ایک اصل اصول ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ اس کے مانند نہ آدم تھے نہ کوئی اور نہ وہ جسمانی ہے نہ اعضاء جسمانی رکھتا ہے مکان و حیز موت و فنا وغیرہ جمیع نقائص سے پاک و مبرا ہے۔

(۴) وھو السمیع البصیر اور وہ سنتا دیکھتا ہے مگر نہ بندوں کی طرح جن کا سننا کان بغیر نہیں ہو سکتا، دیکھنا آنکھ بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک بات اس کو معلوم ہے پس جو کچھ وہ فیصلہ کرے گا علم و بصیرت سے کرے گا۔

(۵) لہ مقالید السموٰت الخ اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اور خزانے ہیں جس کو چاہتا ہے روزی بہت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے تنگی یعنی کم اس میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ظلم کیا فلاں کو امیر کیا، فلاں کو فقیر کیوں کیا ظلم کر دیا۔

انہ بکل شئ علیم ہر ایک بات جانتا ہے مناسب اور غیر مناسب کا اسی کو علم ہے اسی طرح سے کرتا ہے اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔

اس کے بعد مسئلہ نبوت شروع کرتا ہے شرع لکم من الدین الخ کہ اے لوگو! تمہارے لیے کوئی نئی بات نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ وہی قدیم دین کہ جس پر نوح و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ مامور تھے اور اسی پر محمد مامور کیے گئے۔ وہ کیا ہے؟

ان اقیموا الدین الخ کہ دین یعنی اصول شرائع توحید و اقرار رسالت و مکارم اخلاق و ترک منہیات پر قائم رہو اختلاف نہ کرو۔ مگر مشرکوں پر اے محمد! تیرا توحید و مکارم اخلاق پر بلانا شاق گزرتا ہے کہ تجھ میں کیا خصوصیت تھی جو نبی کیا گیا۔ حالانکہ اللہ مختار ہے جس کو چاہے نبوت کے لیے برگزیدہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دیوے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
اور انہوں نے جو اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد
الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
کیا (محض) آپس کی ضد سے اور اگر ان کے رب کی
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
طرف سے ایک وقت مقرر تک وعدہ نہ ہوتا
لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا
تو ان میں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور جو آپ کے بعد کتاب کے وارث
الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
بنائے گئے ہیں (آپ کے زمانے کے یہود و نصاریٰ) تو وہ دین حق سے شک میں
مُرِيْبٍ ۝۱۴ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ
پڑے ہوئے ہیں پھر اسی لیے آپ (ان کو) بلائیے اور جیسا کہ آپ کو

ف اصول دین تمام انبیاء کے ایک ہیں نہ یہ منسوخ ہوا کرتے ہیں نہ مٹائے جاتے ہیں۔ ہاں ہر امت کے لیے حسب زمانہ ان اصول کے قوالب جداگانہ ہوتے ہیں ان کو شریعت کہتے ہیں اس میں ضرور اختلاف اور نسخ ہوتا ہے قال تعالیٰ لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا اس طرح جزئیات مسائل میں اختلاف آراء و اجتہاد کے اختلاف سے ہوتا ہے ۱۲ منہ

كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ

حکم دیا گیا ہے خود بھی قائم رہو اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیے

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ

اور کہہ دیجیے کہ ہر ایک کتاب پر جو اللہ نے نازل کی میرا

كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۗ

ایمان ہے اور مجھے تم میں انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۗ لَنَآ اَعْمَالُنَا

اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۗ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ

اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہم میں اور تم میں کوئی

بَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ

جھگڑا نہیں اللہ ہم کو تم کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس

الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِى اللّٰهِ

پھر جانا ہے اور وہ جو اللہ کی بات میں جھگڑا ڈالتے ہیں

مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ

بعد اس کے کہ وہ مانی گئی تو ان کی حجت

دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ

ان کے رب کے ہاں باطل ہے ان پر غضب

غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾

الٰہی ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

ترکیب

الا من استثناء متصل ای ماتفرقوا فی وقت من الاوقات الا وقت مجئی العلم۔ بغیا موصوف بینھم صفۃ وانتصابہ علی انہ مفعول لاجلہ کما یقال قعدت عن الحرب جبنا ولو لا شرط سبقت صفۃ لکلمۃ لقضی جواب الشرط لفی شک خبر ان فلذلک الاشارۃ الی الکتاب او العلم فاللام فی موضع الی وصلۃ ادع مذکورۃ صریحا۔

تفسیر

شبہ ہوتا تھا کہ جب تمام انبیاء کو اقامت دین کا متفق بنا کر حکم دیا گیا پھر ان اصول میں کیوں اختلاف پڑا؟ یہود و نصاریٰ مجوس وغیرہ مختلف فرقے پیدا ہو گئے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔

وما تفرقوا کہ یہ آپس کی ضد سے لوگوں نے جان بوجھ کر اختلاف ڈالا ہے۔ یہود نے کہا ہم عیسیٰ کو کیوں مانیں اور عیسائیوں نے کہا ہم محمد کو کیوں قبول کریں۔ اس طرح کتاب میں تحریف و تبدیل کر کے جھگڑے ڈال دیے اپنے رسم و رواج و تراشیدہ خیالات کے مطابق کرنے کے لیے کتاب اللہ میں تحریف و تبدیل ہونے لگی اور عرصہ دراز سے یہ جھگڑے مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوئے یہاں تک کہ ان الذین اورثوا الکتب من بعدھم ان سابقین کے بعد جن لوگوں کو کتاب پہنچی توریت و انجیل وغیرہ محرف و مبدل ہو کر۔

لفی شک منہ مریب وہ اس سے خود شک میں پڑے ہیں۔

یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر لوگوں کا حال تھا۔ ان کا بھی اس کتاب پر کامل ایمان نہ تھا نہ اس کے پورے طور پر پابند تھے، کوئی کسی بات کو مانتا تھا دوسرا منکر تھا۔ گو ان کو اپنے ادعاء کے مطابق اپنی کتابوں پر ایمان کا دعویٰ تھا مگر ان کی حالت یہ کہہ رہی تھی کہ یہ اس سے شک میں ہیں۔

اور آیت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اگلوں کے بعد جو آں حضرتؐ کے ہم عصروں کو کتاب یعنی قرآن پہنچا تو اس سے

شک میں ہیں لیکن اول معنی قوی ہیں لفظ ادر ثوا اسی کے مناسب ہے۔

جب لوگوں کا اصولِ دین میں یہ اختلاف ہے تو اے محمدؐ فلذٰلک اس لیے فادع لوگوں کو ہدایت و راہِ راست کی طرف بُلاؤ اور خود بھی اس پر جمے رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو نہ یہود کی نہ نصاریٰ کی نہ مشرکین کی اور صاف صاف کہہ دیجیے اے لوگو! یہ تم کو شک ہو تو ہوا کرے۔

اٰمنت الخ اللہ نے جو کوئی کتاب نازل کی ہے میں ہر ایک پر ایمان لایا۔ اور اُمِرت لاعدل بینکم مجھے تمہارے اختلافی مسئلوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ ربنا و ربکم اللہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا رب ہے ہر ایک اس کی اطاعت پر مامور ہے۔ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل و عرب و عجم کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں۔ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم ہمارے لیے اپنے اعمال اور تمہارے لیے اپنے۔ جو کرے گا بھرے گا لا حجۃ بیننا و بینکم ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ ان الفاظ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بے جا تقریروں سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا کہ اس جھک جھک میں کچھ فائدہ نہیں۔ کہہ دیجیے ہم سب کو اللہ کے پاس جانا ہے حق و باطل وہاں معلوم ہو جائے گا۔

والذین یحاجون اس کے بعد اطمینان بخش حکم سُناتا ہے کہ جو کوئی اللہ کے بارے میں یعنی اس کے دین میں تسلیم ہو جانے کے بعد حجت و تکرار کرتا ہے اس کی حجت خدا کے نزدیک مردود ہے اور اس پر غضبِ الٰہی اور عذابِ شدید ہے۔

یعنی قرآن میں وہی اصول ہیں کہ جن کو اے اہلِ کتاب و مشرکین تم بھی تسلیم کرتے ہو پھر جو تکرار کرتے ہو اور سخن پروری اور نفسانیت کرتے ہو تو خدا کے ہاں یہ مردود ہے اس پر اس کی دنیا میں ناراضی اور آخرت میں عذاب شدید ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ

اللہ ہی ہے کہ جس نے سچی کتاب اور ترازو

الْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ

نازل کی اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید (قیامت کی) وہ گھڑی

قَرِیْبٌ ﴿۱۷﴾ یَسْتَعْجِلُ بِہَا الَّذِیْنَ لَا

نزدیک ہی ہو اس کی جلدی تو وہ کرتے ہیں جو اس پر

یُؤْمِنُوْنَ بِہَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ

ایمان نہیں رکھتے اور جو ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈرتے

مِنْہَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ

اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے دیکھو وہ

الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیْ

جو اس گھڑی میں جھگڑتے ہیں البتہ وہ پرلے

ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ

درجہ کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اللہ اپنے بندوں پر (بڑا) مہربان ہے

ع ۱۰ ۲ ۲ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَہُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾

جس کو (جس قدر) چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ قوی زبردست ہے

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی

فِیْ حَرْثِہٖ ۚ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ

میں افزونی کرتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا

الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْہَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ

ہے تو اس کو قدرے دنیا دیدیتے ہیں اور آخرت میں تو اس کا

مِنْ نَّصِیْبٍ ﴿۱۹﴾

کچھ بھی حصہ نہیں

ترکیب

قال الکسائی قریب نعت ینعت بھا المذکر والمؤنث کمافی قولہ ان رحمۃ اللّٰہ قریب من المحسنین ویمکن ان یکون فاعل قریب انہا نہا لا الضمیر الراجع الی الساعۃ۔

تفسیر

اس تمام گفتگو کے بعد مسئلہ نبوت کو تمام کرکے دارِ آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ پہلے جو فرمایا تھا کہ جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف مفوض ہے۔ اب اس کی ایک اور وجہ بیان فرماتا ہے کہ اللہ کی طرف اس لیے کہ اس نے کتاب برحق اور عدل کی ترازو نازل کردی ہے اس میں ہر بات کو تول دیکھو۔

المیزان سے مراد کتابِ آسمانی ہے اسی میں نیک و بد اچھا بُرا کام وزن ہوتا ہے۔ اور اس کے اتارنے سے کیا غرض ہے وہ یہ کہ قیامت کے لیے ہر ایک اپنے اعمال اور ایمان کو تول رکھے وہاں وہ کام آوے گا۔ اس لیے اس کے بعد فرمادیا وما یدریک لعل الساعۃ قریب کہ اے مخاطب تجھے کیا خبر ہے کہ وہ نزدیک ہو۔ یعنی اس کو دور کیوں سمجھتے ہو؟ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کی جلدی کرتے ہیں کہ جلد قیامت آجاوے یہ اس لیے کہ اس کے قائل نہیں محض تمسخر اور ہنسی کی راہ سے جلدی کرتے ہیں۔

والذین اٰمنوا اور جو ایمان لائے ہیں قیامت پر یا اللہ اور اس کے رسول پر اور ان کے کہنے سے قیامت کا برپا ہونا حق جانتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں۔

الا ان الذین الخ کہ جو قیامت کے برپا ہونے میں شک کرتے ہیں بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

منکرین قیامت کا انکار دنیا کے عیش و نشاط کی مستی سے کرتے تھے اور اسی عالم کو راحت و رنج کا اصلی مقام جانتے تھے۔ اور اپنی دنیاوی کامیابی کو خدا کی خوشنودی کا باعث جانتے تھے۔

اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء کہ اللہ اپنے بندوں پر مہربانی کرتا ہے اس لیے دنیا میں ہر ایک نیک و بد کو روزی دیتا ہے نہ یہ اس کی رضامندی کی دلیل ہے نہ اس بات کی کہ یہی عالم مقام اصلی ہے۔ دشمن کو باوجود ناراضی کے کھانا پینا قید میں دیدیا کرتے ہیں۔ پھر کیا یہ رضامندی کی دلیل ہوسکتی ہے ؟ اور صرف وہ لطیف ہی نہیں کہ سرکشوں بدکاروں کو سزا دینے پر قادر نہ ہو بلکہ دھو القوی العزیز قوت والا زبردست بھی ہے۔

اس تمام جملہ کو قیامت کے ساتھ یہ بھی تعلق ہے کہ اللہ کی صفتِ لطف و قوت کا یہی مقتضا ہے کہ وہ اپنی مہربانی سے دارِ آخرت میں نیکوں کو رزق و سُرورِ ابدی عطا کرے اور بدکاروں شریروں ظالموں سے قوت و جبروت کے ساتھ پیش آوے۔ مگر دنیا اس کا مقام اصلی نہیں۔ بلکہ یہ نیکی اور بدی حاصل کرنے کا کھیت ہے۔

پس من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزد لہ فی حرثہ حرث کے معنی لغت میں کسب اور کمانے کے ہیں۔ کہتے ہیں یحرث لعیالہ ویحترث ای یکتسب ومنہ وسمی الرجل حارثا اور اس کے اصل معنی زمین میں تخم ریزی کرنا۔ بطور استعارہ کے تشبیہ کے علاقہ سے اس کا اطلاق ثمراتِ اعمال پر ہونے لگا۔

یعنی جو آخرت کے کمانے میں کوشش اور اس کا ارادہ کرے گا ہم اس کی نیکیاں دوچند کریں گے سات سو تک یا اس کو توفیق زیادہ دیں گے اور خیر کے رستے اس کے لیے آسان کردیں گے۔

اور جو دنیا کا ارادہ کرے گا تو اس میں سے کسی قدر دیں گے یہ نہیں کہ جس قدر کوئی دنیا کی حرص کرے سب اس کو

مل جاوے۔ مگر ماله فی الآخرۃ من نصیب آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

اس سے مراد اللہ سے غافل اور آخرت کا منکر ہو کر دنیا حاصل کرنا ہے جو آخرت سے بے نصیب کر دیتا ہے نہ کسب معاش حلال طور پر اپنے نفس و اہل و عیال کی پرورش کے لیے، کس لیے کہ یہ ضروری ہے بقدر ضرورت۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ
کیا ان کے اور معبود ہیں کہ جنہوں نے ان کے لیے دین کا وہ
الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا
طریقہ نکالا ہے کہ جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور اگر
كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ
فیصلہ کا وعدہ نہ ہوا ہوتا تو ان کا دنیا ہی میں فیصلہ ہو چکا ہوتا
وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۰﴾
اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہونا ہے
تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا
(اے مخاطب) تو ظالموں کو (قیامت میں) دیکھے گا کہ وہ اپنے اعمال کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے
وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
حالانکہ وہ ان پر پڑ کر رہے گا اور جو ایمان لائے اور
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ج
اچھے کام بھی کیے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ
وہ جو چاہیں گے اپنے رب کے پاس پائیں گے یہی
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ
وہ بڑا فضل ہے یہی تو وہ ہے کہ جس کی
يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
اللہ اپنے ان بندوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ جو ایمان لائے اور
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ
انہوں نے نیک کام بھی کیے ہیں کہہ دو میں تم سے اس پر کچھ
عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ
اجرت بھی نہیں مانگتا مگر محبت قرابت کی (تو قائم رکھو)
وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا
اور جو کوئی نیکی کمائے گا تو ہم اس میں اور بھی خوبی
حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۲﴾
زیادہ کر دیں گے البتہ اللہ معاف کرنے والا قدر دان ہے

ترکیب

ام منقطعۃ وقیل بمعنی ہمزۃ الاستفہام الظلمین مفعول اول لتری مشفقین مفعول ثان لہ وہو الضمیر راجع الی ما کسبوا بتقدیر مضاف علیٰ قول الزجاج والجملۃ حالیۃ عند ربھم ظرف لیشاؤن الذین اٰمنوا بدل من عبادہ الا المودۃ استثناء متصل ای لا اسئلکم شیئا الا للمودۃ الثابتۃ فی اہل القرابۃ وقیل منقطع۔

تفسیر

پہلی آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ فیصلہ کرنے کا مستحق صرف اللہ ہے اسی نے دنیا میں دستور العمل و صراط مستقیم و میزان عدل قائم کر کے سب بندوں کو اصول حسنات پر چلنے کا حکم دیا۔ اور یہ اصول حسنات تمام انبیاء سابقین کا طریقہ قدیمہ ہے۔ مشرکین مکہ اس راہ راست کو چھوڑ کر نئے نئے دستورات کے پابند تھے اس لیے اب ان سے بطور استفہام انکاری کہا گیا۔

ام لھم الخ کیا ان کے معبودوں نے اللہ کے خلاف طریقے بتلائے ہیں۔ یعنی ان کا کوئی حق نہیں کہ دنیا میں خلاف اللہ کے کوئی طریقہ ایجاد کریں اور نہ کسی کو ان شیاطین کے شہوانی و ہمانی طریقوں پر چلنا چاہیے مگر انہوں نے ان کی پابندی کی جس کی سزا میں ان کی بربادی میں کوئی دیر نہ تھی مگر فیصلہ کا وعدہ ہو چکا اور وہ دوسرے وقت پر محول کیا گیا اس لیے ہلاک نہ ہوئے اور آخرت میں ان ستمگاروں کو اس فعل پر عذاب ہوگا اور قیامت کو اپنے جرم کی سزا سے ڈریں گے لیکن وہ ان کو ضرور ملے گی۔ ان کے مقابلے میں راہِ راست کے متبعین کا حال بیان فرماتا ہے۔

والذین اٰمنوا الخ کہ ایمان داروں نیکوکاروں کے لیے جنت کے باغوں میں دل خواہ نعمتیں ملیں گی، یہ بڑا فضل ہے اور اسی کا اللہ ایمان داروں نیکوکاروں کو مژدہ دیتا ہے۔ یہ ایک بڑی بشارت ہے اور عموماً بشارات پر لوگ کچھ صلہ طلب کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے رسول کو اس سے بھی منع فرماتا ہے تاکہ کسی کو شبہ نہ گزرے کہ آپ اس صلہ یا انعام کے لیے یہ بشارت دیتے ہیں۔ کس لیے کہ بے غرض و بے تعلق و بے طمع کی بات دل میں زیادہ اثر کرتی ہے۔

فقال قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربٰی کہہ دو میں تم سے اس تبلیغِ رسالت پر کچھ اجرت نہیں مانگتا، صرف محبتِ قرابت کا خواستگار ہوں جو ہر ایک اہلِ قرابت کے لیے لازم ہے سو یہ کوئی اجرت نہیں۔ آیت کے معنی بہت صاف ہیں مگر مفسروں نے اس میں بہت کچھ قیل[ل] وقال کی ہے۔

اس آیت میں تین قول ہیں۔

(۱) شعبی کہتے ہیں لوگوں نے ہم سے اس کی بابت سوالات کیے تو ہم نے ابنِ عباسؓ کو لکھا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک بطنِ قریش سے قرابت تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کہہ دو میں تم سے کچھ نہیں مانگتا مگر میری اپنی قرابت کے حقِ محبت کو قائم رکھو مجھ سے عداوت نہ کرو تکلیف تو نہ دو قربیٰ بمعنی رحم ہے۔

(۲) کلبی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد انصار نے حضرتؐ کے لیے کچھ مال و اسباب سے مدد دینے کا ارادہ کیا اور آپؐ کے پاس لائے آپؐ نے قبول نہ فرمایا تب یہ آیت نازل ہوئی کہ میں کچھ نہیں چاہتا مگر میرے اقارب سے محبت رکھو۔ اب قربیٰ کے معنی اقارب کے ہو گئے۔

(۳) حسن کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا لیکن تم اللہ سے محبت کرو ان اعمال کے کرنے سے جن میں قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس تقدیر پر قربیٰ بروزن فعلیٰ ہے قرب و تقرب سے۔ تفسیر کبیر

کلبی کی روایت میں ضعف ہے اور نیز آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور جس نے اس کو مدنی کہا ہے محض اسی روایت کے زور پر۔ اس سے قطع نظر کی جائے اور حضرتؐ کی اور اہلِ قرابت کی محبت و تعظیم کو بے اصل روایتوں اور غلط توجیہوں کا محتاج نہ کیا جاوے تو بھی ہر کلمہ گو پر اہلِ قرابت رسول پاکؐ کی محبت و تعظیم خواہ وہ اہلِ بیت ہوں خواہ ان میں سے بھی حسنینؓ و فاطمہؓ و علیؓ ہوں خواہ اور لوگ ہوں واجب و فرض ہے اور یہی اہلِ سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

اس کے بعد ترغیب کے لیے فرماتا ہے ومن یقترف الخ الاقتراف الاکتساب۔ جو کوئی نیکی کرے گا ایمان و عملِ صالح،

ل شیعہ مفسرین نے تو اس کو خاص حضرت حسنین و علی و فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم کے لیے قرار دیا ہے اور عجب تاویلیں کی ہیں اور قرآن میں ہر جگہ ایسا ہی کرتے ہیں گویا تمام قرآن اسی بات کے لیے نازل ہوا ہے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بجز اس کے اور کوئی کام ہی نہ تھا گویا اسی کے لیے دنیا میں مبعوث کیے گئے تھے اسی طرح اور لوگوں نے بھی اس کے متعلق خارج از تفسیر سیکڑوں افسانے لکھ ڈالے قرآن شریف کے اصل مطلب سے کوسوں دور پڑ گئے ۱۲ منہ

خواہ مودت اہل قرابت ہم اس کو جنت میں زیادہ اجر دیں گے یا اس نیکی کو دو بالا کر کے خوبی بڑھا دیں گے کس لیے کہ اللہ معاف کرنے والا قدر دان ہے پہلے گناہوں کو معاف کرتا ہے نیکی کی قدردانی کرتا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ج
کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے
فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ
پھر اگر اللہ چاہے تو اس کے دل پر مہر کر دے اور اللہ تو
اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ط
جھوٹ کو مٹایا کرتا اور سچ کو اپنے کلام سے ثابت کیا کرتا ہے
إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۳﴾ وَ
وہ تو دلوں کی باتیں جانتا ہے اور
هُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ
وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے
وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا
اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو تم کرتے ہو اس کو
تَفْعَلُونَ ﴿۲۴﴾ لا وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ
جانتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے ان کی جو
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم
ایمان لائے اور نیک کام کیے اور ان کو اپنے فضل سے
مِّن فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ
اور زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب
شَدِيدٌ ﴿۲۵﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ
ہوتا ہے اور اگر اللہ اپنے بندوں کی روزی فراخ
لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ
کر دے تو زمین پر سرکشی کرنے لگیں لیکن جس اندازہ سے
بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ
چاہتا ہے (روزی) اتارتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا
بَصِيرٌ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ
دیکھتا ہے اور وہی تو ہے جو نا امید ہو جانے کے
مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ ط
بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے
وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۷﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ
اور وہی کارساز خوبیوں والا ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے
خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ
کہ آسمانوں اور زمین کو بنایا اور اس پر قسم کے
فِيهِمَا مِن دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ
چلنے والے جانور پھیلائے ف۱ اور وہ جب چاہے گا ان کے
إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۲۸﴾ ع ۱۰
جمع کرنے پر قادر ہے۔

ترکیب

ام بمعنی بل فان یشا اللہ خذلانک شرط یختم جوابہ ولذا صار الفعل مجزوما۔ ویمح اللہ جملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلہا من نفی الافتراء غیر داخلۃ فی الجزاء۔ یقبل التوبۃ مفعول اول عن عبادہ مفعول ثان لان القبول یعدی الی مفعول ثان بمن وعن لتضمنہ معنی الاخذ والانابۃ ویستجیب الذین مفعول بہ لیستجیب بمعنی یجیب وقیل حذف اللام کما فی قولہ و اذا کالوہم ای کالوالہم وقیل الذین فاعل لیستجیب ای ینقادون۔

ف۱ وما بث فیہما من دابۃ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آسمانوں میں تو ملائکہ ہیں ان کے حق میں بثّ نہیں پایا جاتا ہے نہ ان کو (باقی بر صفحہ آئندہ)

تفسیر

اس کے بعد بھی کہ آپ کسی سے اس تبلیغ کی اجرت نہیں مانگتے شبہ باقی رہتا یہ گمان کرتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے بنا کر کہتے ہیں اللہ نے وحی نہیں کی، اس لیے اس بدگمانی کو دفع کرتا ہے۔

فقال ام یقولون افتریٰ الخ اور یہ بھی ہے کہ شروع سے کلام مسئلہ نبوت میں تھا کہ وحی بھیجتے ہیں جس پر مخالفوں کے شبہات اور وجوہ انکار و استبعاد کو یہاں تک دفع کرتا آیا۔ اب پھر اس میں کلام کرتا ہے اور اس شبہ کو عادت اللہ سے رد کرتا ہے۔

فقال یختم علی قلبك عادت اللہ یوں جاری ہے کہ وہ انتظام معاش و معاد میں خلل انداز کو رسوا کرتا ہے اور نبوت کے جھوٹے دعوے کرنے سے بڑھ کر معاد و معاش میں کیا خلل اندازی ہوگی؟

فرماتا ہے اگر محمدؐ یہ جھوٹا دعویٰ کرتے تو اللہ ان کے دل پہ مہر کر دیتا کبھی ایسے دل چسپ کلام کرنے پر قادر نہ ہونے دیتا۔ توریت سفر پیدائش میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ اگر کوئی نبی بن کر جھوٹا دعویٰ کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔ اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ یوں آیا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل الخ

اور یہ اس لیے کہ ویمح اللہ الباطل الخ کہ اللہ کی عادت یہ ہے کہ وہ حق کو غلبہ دیا کرتا ہے اور باطل اور غلط کو مٹایا کرتا ہے۔ کوئی جھوٹا مدعی نبوت دنیا میں سرسبز نہیں ہوا۔

انه علیم الخ کیوں کہ وہ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے۔ کسی مکار کا مکر و زور اس سے مخفی نہیں۔ پھر با ایں ہمہ اسلام دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے یہ اس کے من جانب اللہ ہونے کی کامل دلیل ہے۔

مخالفوں کا نبوت حقہ سے انکار کرنا بڑا گناہ ہے اور اس کے بندے اور بھی گناہ کرتے ہیں جس پر وہ ہلاکی کے مستحق تھے، مگر هو الذی یقبل التوبة عن عباده اللہ وہ ہے جو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

ویعفوا عن الخ اور بہت سے گناہوں سے درگزر کرتا ہے ہاں کبھی بعض پر سزا دیدیتا ہے اگر ہر ایک پر مواخذہ کرے تو کیا ٹھکانہ لگے۔

ویعلم ما تفعلون۔ اور وہ بندوں کے اعمال نیک و بد کو جانتا ہے اس لیے توبہ کی تعلیم اور گناہوں کی معافی کے لیے اور افعال کی اصلاح کے لیے نبی برپا کیا اور جو اس کا انکار کر چکے ہیں ان کے لیے بھی دروازہ توبہ کا کشادہ ہے۔ توبہ گناہ پر ندامت کرنا اور اس سے باز آنا آئندہ اس کے نہ کرنے کا ارادہ کرنا۔

ویستجیب الذین الخ اور وہ ایمان والوں کی عبادت و دعا قبول کرتا ہے۔ اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ایمان دار اس کی بات مانتے ہیں۔

ویزیدهم الخ اور ان کی طلب سے زیادہ دیتا ہے عبادت سے دو گنا بلکہ سو گنا زیادہ بدلہ دیتا ہے۔

والکٰفرون الخ اور منکروں کو آخرت میں سخت عذاب ہے۔ یہاں تک مسئلہ نبوت کے متعلق کلام تھا۔

ویستجیب الخ پر ایک شبہ ہوتا تھا کہ بہت سے مومن اور دیگر بندے دعا فراخیٔ رزق کے لیے کرتے ہیں اسی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دابۃ کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تغلیباً فیہما کا لفظ بولا گیا جیسا کہ چاند و سورج کو قمرین کہتے ہیں ماں باپ کو ابوین۔ اور دبیب کے معنی خاص طور پر چلنا ہی نہیں بلکہ جس کے لیے جیسا چلنا مناسب ہو پس فرشتے بھی آسمانوں میں چلتے پھرتے ہیں، یا وہاں بھی حیوانات ہوں ۱۲ منہ

اور باتوں کے لیے پھر قبول نہیں ہوتی تنگ دست ہی رہتے ہیں اس کا جواب دیتا ہے ولو بسط اللہ الرزق الخ کہ اگر اللہ بندوں کی روزی زیادہ کر دے تو وہ زمین میں فساد کریں یعنی یہ انکی مصلحت کے موافق نہیں اس لیے نہیں دیتا مگر باایں ہمہ دعا کے ظہور میں دیر ہونے سے نا امید نہ ہونا چاہیے کیونکہ ہوالذی الخ اللہ نا امیدی کے بعد بارش نازل کرتا ہے نا امیدوں کی امیدیں پوری کرتا ہے اور اسکی رحمت اور قدرت اور فیضان کی حد

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ

اور تم پر جو کوئی مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے ہی ہاتھوں

اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَ

کے کئے ہوئے کاموں سے پڑتی ہے اور بہت سی تو وہ معاف ہی کرتا ہے اور

مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ

(تیز بھاگ کر) تم اس کو زمین پر ہرا نہیں سکتے اور

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ

اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی ہو سکتا ہے اور

لَا نَصِيْرٍ ۝۳۰ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي

نہ مددگار　　اور اس کی نشانیوں میں سے دریا میں چلنے والے

الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ

پہاڑوں جیسے جہاز ہیں　　اگر وہ چاہے تو ہوا کو

الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ

روک دے پھر تو وہ سطح دریا پر کھڑے کے کھڑے رہ جاویں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ

البتہ اس میں ہر ایک صابر شاکر کے لیے (بڑی بڑی)

شَكُوْرٍ ۝۳۳ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا

نشانیاں ہیں　　یا چاہے تو ان کے عملوں کی وجہ سے ان کو غرق کر دے

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝۳۴ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

اور وہ بہت کچھ درگزر کرتا ہے　　اور وہ جو ہماری آیتوں میں

يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝۳۵

جھگڑتے ہیں خوب جانتے ہیں　　کہ ان کے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔

ترکیب

ما اصابکم شرط فی موضع رفع بالابتدا فبما کسبت جوابہ والمراد بالفعلین الاستقبال ویعفوا الخ جملہ مستانفۃ من ولی اسم ما لکم خبرہا الجوار بحذف الیاء من الخط لانہا من الزوائد و باثباتہا۔ جمع جاریۃ ای سائرۃ والمراد بہا الفلک مبتدا۔ ومن ایاتہ خبرہا۔ فی البحر یتعلق بالجواری ویمکن ان یکون حالا منہ والعامل فیہ الاستقرار۔ کالاعلام جمع علم وہو الجبل او کل شئی مرتفع حال ثابتۃ او من الضمیر فی الجواری یسکن جواب الشرط فیظللن معطوف علیہ وکذلک او یوبقہن ویعف رواکد جمع الراکد وہو الساکن ویقال اوبقہ ای اہلکہ ویعلم بالنصب علی الصرف ای صرف العطف علی اللفظ الی العطف علی المعنی قالہ الزجاج ویقرء بالکسر علی ان یکون مجزوما حرک لالتقاء الساکنین ویقرء بالرفع علی الاستیناف مالہم من محیص الجملۃ المنفیۃ تسد مسد مفعولی علمت یعنی ہذہ الجملۃ مفعول لیعلم المحیص مہرب علی قول قطرب و قال السدی ملجا من قولہم حاص بہ البعیر حیصۃ اذا رمی بہ منہ قولہم فلا یحیص عن الحق ای یمیل عنہ۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا بعض دعائیں مصلحت کی وجہ سے قبول نہیں ہوتیں، ورنہ وہ تو الولی الحمید ہے مبدء فیاض ہے۔ اس پر شبہ ہوتا تھا کہ جب وہ حمید یعنی خیر محض ہے تو بندوں کو دنیا میں مبتلاء مصائب کیوں کرتا ہے؟

اس کے جواب میں فرماتا ہے وما اصابکم من مصیبۃ الخ کہ یہ جو کچھ تکلیفیں تم کو پہنچتی ہیں تمہارے اعمال بد کا ثمرہ ہے اور وہ بھی کسی قدر ورنہ بہت سے تو وہ درگزر کرتا ہے۔ نیکوں پر جو دنیا میں مصائب آتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وہ صرف ان کی آزمائش یا رفع درجات کے لیے ہوتے ہیں دنیا کی بھٹی میں یہ

ومن آیاتہ خلق السموات والارض ... اور ان میں جو جاندار پھیلائے ... اور جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے ...

ان کے جوہر نورانی چمکانے کے لیے آنچیں یا تاؤ دیے جاتے ہیں۔ ہاں انسان کے اعمال بھی مصائب بن کر اس کے متنبہ کرنے کو اس پر گرتے ہیں اور بلاؤں کے تازیانوں سے ادب و اصلاح سکھائی جاتی ہے۔ افسوس اس پر بھی یہ غافل کروٹ تک نہیں بدلتا۔ اور بعض تکالیف جسم طبعی پر عناصر و دیگر اسباب کے نمودار ہونے اور اثر کرنے سے ہوتی ہیں جیسا کہ برسات میں گھاس کا سبز ہونا خریف میں خشک ہو جانا، سردی گرمی کا اثر حیوانات و اطفال پر بھی پیش آتا ہے پس اس کو کسی اگلے جنم کا خمیازہ سمجھ کر تناسخ کا قائل ہونا اقسام مصائب سے بے خبری اور باہم تمیز نہ کرنے کی دلیل ہے۔

اس کے بعد ان سرکشوں کو جو تازیانہ الٰہی سے محفوظ رہنا اپنے زور و شوکت و حشمت و مال و جاہ کی وجہ سے خیال کرتے ہیں متنبہ کرتا ہے۔

وما انتم الخ کہ زمین پر تم ہم کو ہرا نہ سکو گے نہ ہمارے بس میں سے باہر ہو سکو گے اور جو تم کو اپنے خیالی معبودوں کا گھمنڈ ہے تو وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی و مددگار نہیں یہ محض توہمات باطلہ ہیں کہ ہمارے فلاں دیوتا یا دیوی یا فلاں بزرگ ان کی نذر و نیاز کرنے سے ہم کو مصائب سے بچا لیں گے۔

اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ و فیض عامہ کا نقشہ بندوں کی آنکھوں میں اپنی ایک روزمرہ کی کبریائی سے کھینچتا ہے جس کا مواجہ و معائنہ ہر دریائی سفر میں ہوتا ہے۔

فقال ومن اٰیٰتہ الجوار فی البحر کالاعلام کہ دیکھو اس کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے جہاز ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح بلند کھڑے ہیں اور پانی پر ایسے اجسام ثقیلہ اس طرح سے چلتے پھرتے ہیں کہ جس طرح مواشی زمین پر دوڑتے پھرتے ہیں۔ ہوا اور پانی کو اس نے کس طرح مسخر کر دیا۔ اور اس نے تم کو علوم سکھا دیے باایں ہمہ اگر ہوا کو (اس میں ہوا اور بھاپ بھی شامل ہے کہ جس کے زور سے آگ بوٹ

انجن کے ذریعہ سے چلتا ہے) تھام دے تو کھڑے رہ جاویں، چلنے نہ پاویں۔ البتہ اس میں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ سفر دریا میں تکالیف بھی پہنچتی ہیں اور اخیر راحت و کامیابی بھی اس لیے صبار و شکور فرمایا۔

اور چاہے تو ان کے گناہوں سے ان کو غرق کر دے سارے علم و فن دھرے رہ جاویں۔ پر وہ بہت سے درگزر کرتا ہے اور ہماری آیتوں میں جھگڑنے والے دل میں اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ان کو عتاب الٰہی اور اس کی بلاؤں سے کوئی پناہ نہیں مگر پھر بھی اپنی بدکرداری سے باز نہیں آتے۔

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ
پھر جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا
الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی
اسباب ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور سدا رہنے والا ہے
لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾
یہ ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں
وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ
اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے
الْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ
بچتے ہیں اور جب غصہ ہوتے ہیں تو
یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا
معاف کر دیتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کا حکم
لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ
مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور ان کا کام
شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
باہمی مشورے سے ہوتا ہے اور ہمارے دیے میں سے کچھ

يُنفِقُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ

دیا بھی کرتے ہیں اور وہ (غیرت مند بھی ہیں) جب ان پر

الْبَغْيُ هُمْ يَنتَصِرُونَ ﴿٣٨﴾

حملہ ہوتا ہے تو بدلہ بھی لیتے ہیں

ترکیب

فما موصولۃ متضمنۃ لمعنی الشرط لان ایتاء ما اوتوا سبب للتمتع بہ فی الدنیا فجاءت الفاء فی الجواب فمتاع ای فہو متاع وما عند اللہ ما موصولۃ مع صلتہا فی محل الرفع لکونہ مبتدا خبرہ وابقی خبرہ والذین فی موضع خبر بدلا من الذین امنوا۔ کبٰئر جمع کبیرۃ ھم مبتدا یغفرون خبرہ والجملۃ جواب اذا والشوریٰ مصدر شاورتہ مثل البشریٰ والقربیٰ والجمل کلہا من الذین استجابوا والذین اذا اصابھم الخ بدل من الذین امنوا۔

تفسیر

دنیا حسب مراد حاصل نہ ہونے اور مصائب نازل ہونے کی وجہ بیان فرما کر اب دنیا کی کچھ کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس کے غرور میں انسان خدا سے سرکشی کرتا ہے اور تلف ہونے اور نہ ملنے پر کیا بے چین ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کیسی کیسی بدگمانیاں کرتا ہے۔

فقال فما اوتیتم من شئ الخ کہ جو کچھ دنیا کی نعمتیں تم کو دی گئیں وہ بے حقیقت چیزیں ہیں متاع یعنی چند روز برتنے کا اسباب ہے۔

وما عند اللہ الخ اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے ثواب طاعت اور اس کی جزا جنت اور وہاں کی نعمتیں اور سرور ابدی وہ بہتر ہے کیوں کہ ان سے جو کچھ راحت حاصل ہے وہ بے مشقت ہے اور دنیا کے اسباب سے راحت بھی کلفت پر مبنی ہے اور نیز کجا عالم قدس کی چیزیں کجا عالم خسیس کی چیزیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور نیز وہ باقی ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی یہ فانی ہیں اور وہاں کی جوانی و حسن دائمی ہے وہاں کے اسباب معیشت بھی ابدی ہیں۔ مگر یہ نعمتیں کس کے لیے ہیں (۱) للذین امنوا وعلیٰ ربہم یتوکلون ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہ اول صفت ہے۔ ایمان کے بعد توکل جمیع حسنات کا اصل اصول ہے خیرات و نماز و روزہ وجہاد وغیرہ حسنات سب توکل ہی پر مبنی ہیں کیوں کہ ان سب میں اللہ ہی پر بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی جزا خیر دے گا۔

(۲) والذین یجتنبون کبٰئر الاثم والفواحش وہ جو کبیرہ گناہوں اور پھر ان میں سے بھی فواحش سے بچتے ہیں۔ کبائر کی تفصیل صحیح حدیث میں آچکی ہے کہ وہ سات ہیں شرک باللہ و سحر و قتل ناجائز، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا جہاد میں سے بھاگنا، پاک دامنوں پر تہمت لگانا (متفق علیہ) اور بھی کبائر احادیث صحیحہ میں بیان ہوئے ہیں جیسا کہ چوری زنا، جھوٹ بولنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرائض کا ترک کرنا، اور محرمات کا عمل میں لانا کبیرہ ہے۔ اور فواحش سے مراد زنا ولواطت ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ انسان کی تین قوتیں ہیں اول نفسانی اس کے متعلق یہ گناہ ہیں چوری، جھوٹ بولنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، نماز ترک کرنا وغیرہ۔ دوم شہوانی ہے اس کے متعلق زنا لواطت بے شرمی کی باتیں کرنا یا سننا۔ ان کو فواحش کہتے ہیں۔ سوم غضبانی، اس کے متعلق گالی دینا قتل کرنا وغیرہ۔ اس کو اس جملہ میں بیان فرمایا واذا ما غضبوا ھم یغفرون کہ جب غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں مگر یہ تینوں اقسام کبائر میں داخل ہیں۔ عام کے بعد خاص کا ذکر ہوتا آیا ہے۔ ان میں ایمان کے بعد عملی حصہ پورے طور پر آگیا مگر ان میں سے بعض بعض کی پھر تخصیص کی جاتی ہے۔

(۳) والذین استجابوا لربھم کہ وہ اپنے رب کا کہا کرتے ہیں جو حکم آتا ہے بسر وچشم قبول کرتے ہیں۔

(۴) اقاموا الصلوٰۃ نماز قائم کرتے ہیں۔

(۵) امرھم شوریٰ بینھم اپنے دنیاوی امور کو مشورہ سے کرتے ہیں۔ مشورے میں دینی و دنیاوی برکتیں رکھی ہوئی ہیں اسلامی سلطنت خلفائے راشدین کے عہد میں مشورے ہی پر مبنی تھی اس میں قطع نظر بے شمار فوائد کے ایک باہمی اخوت و محبت کا زیادہ ہونا ہے جس کے سبب سیکڑوں راحتیں اور نیکیاں نصیب ہوتی ہیں۔

ع ۴ (۱۴) ۵

(۶) مما رزقنھم الخ خیرات کرتے ہیں۔

(۷) والذین اذا اصابھم البغی الخ جب کوئی ان پر سرکشی کرتا ہے تو بدلہ بھی لیتے ہیں یعنی غیرت و حمیت دینی بھی رکھتے ہیں۔

اس پر بھی صدہا مصلحتوں کا دار و مدار ہے۔ عفو کے مقابلہ میں بدلہ لینا یہ بھی صفات حمیدہ میں گنا۔ یہ تعارض نہیں کیوں کہ عفو اس کے حق میں ہے کہ جس سے آیندہ جرأت کرنے کی امید نہ ہو۔ اور بدلہ لینا اس سے کہ جس سے آیندہ جرأت و بے باکی کا خطرہ ہو۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ

اور برائی کا بدلہ اسی قدر برائی ہے پھر بھی جو

عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ

معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے کیوں کہ وہ

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ

ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو کوئی ظلم اٹھانے کے بعد

بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ

بدلہ بھی لے لے تو ان پر کوئی الزام

سَبِيْلٍ ﴿ط﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

بھی نہیں الزام تو صرف ان پر ہے جو

يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ

لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق زیادتی

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

کرتے پھرتے ہیں یہی ہیں کہ جن کو عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ

الیم ہوگا اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کردے تو

ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿ع﴾

یہ بڑی ہمت کا کام ہے

ترکیب

وجزاء سیئۃ بالاضافۃ مبتدا۔ وسیئۃ مع صفتھا خبر فمن شرطیۃ عفا واصلح شرط فاجرہ الجملۃ جواب الشرط۔ ویمکن ان یکون موصولۃ متضمنۃ لمعنی الشرط۔ وقس علیھا۔ ولمن انتصر ولمن شرطیۃ صبر وغفر فی محل الجزوم بھا ان ذلک الجملۃ جواب الشرط وقد حذف الفاء۔

تفسیر

معاف کرنے اور بدلہ لینے کا تذکرہ آگیا تھا اس لیے اس کی تشریح کرنی مناسب ہوئی۔

فقال وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کہ ہم نے پہلے جو بیان فرمایا ہے کہ الذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون اس بدلہ لینے سے یہ مراد نہیں کہ جس نے کچھ یا ایک محدود تعدی کی ہو تو بدلہ اس سے ایسا لیا جاوے کہ جوش و طیش میں آکر اس کو برباد کر دیا جاوے اور بے حد اس پر تعدی کی جاوے ۔ بلکہ بدلہ لیا جاوے تو اسی قدر کہ جس قدر اس نے تعدی کی ہے۔

اگرچہ رحم دلی اور فروگزاشت اور معافی دینا ایک عمدہ بات ہے ہر قوم و ہر ملت میں سلیم الطبع انسان اس کو اچھا جانتے ہیں قرآن مجید میں بھی متعدد جگہ اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔

انہیں آیات میں کئی جگہ اور پہلے بھی ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔
عیسائیوں کی انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول منقول ہے کہ جو تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے۔ مگر جب غور کیا جاتا ہو تو دنیا میں مختلف الطبائع لوگ پائے جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک دوبار جو کوئی ان پر زیادتی کر لیتا ہے تو برداشت کر جاتے ہیں۔ مگر پھر جو کوئی قصد بھی کرتا ہے تو وہ حلم سابق غضب کی صورت میں ظہور کرتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ نہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں نہ اور کی زیادتی کی ان کو مطلقاً برداشت ہے ذرا چھیڑا تو آگ ہو گئے۔ اور ایسے بھی ہیں کہ کبھی ان سے بمقتضائے بشریت زیادتی ہو جاتی ہے تو اس پر خود ہی نادم ہو جاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اگر دوسرا نرمی کرتا ہے تو ندامت کے دریا میں ڈوب جاتے ہیں ایسے لوگوں کی زیادتی پر معافی دینا اور نیکی اور نرمی سے پیش آنا بہت ہی مناسب ہے بلکہ ان کو عمر بھر کے لیے دوست بنا لینا ہے۔ اور بعض ایسے بھی کمینہ طبیعت ہوتے ہیں کہ زیادتی کر کے فخر کرتے ہیں اور ان سے بدلہ نہ لیا جائے تو ان کو ہر کسی پر زیادتی کرنے کا حوصلہ ہو جاتا ہے۔ پھر ان بدمعاشوں سے آبرو بچانا مشکل پڑ جاتا ہے پھر جو علام الغیوب طبائع بشریہ سے واقف ہے اپنے فرمان میں سب کے لیے یکساں حکم کیوں کر دے سکتا ہے اور طبائع بشریہ اس کے کیوں کر پابند ہو سکتے ہیں؟ اس لیے اول الذکر کے لیے عفو و درگزر کا حکم دیا، ثانی کے لیے بدلہ لینے کا حکم دیا مگر بدلہ بھی عدل و انصاف کے ساتھ کہ زیادتی نہ ہونے پاوے۔
یہ احکام فقہیہ کے لیے ایک بڑا اصل الاصول ہے۔ ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ کاٹنا کان کے بدلے میں کان اور قتل کے بدلے میں قتل اور نقصانِ مال کے بدلے میں اس کا معاوضہ۔ کتب فقہ میں اس پر بہت سے مسائل متفرع کیے ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا تفسیر کو فقہ کی کتاب بنا دینا ہے۔
برائی کی جزا کو جو در اصل برائی نہیں اس لیے برائی کہا گیا کہ ظالم کے حق میں تو یہ برائی ہے۔ مگر اس کے بعد بھی طبائع حلیمہ کا لحاظ کر کے یہ فرما دیا فمن عفا الخ کہ جو اس سے درگزر کرے گا اور جو دونوں میں صلح کرا دے گا تو اس کا اجر اللہ دے گا مگر بدلہ لینے والے کے لیے بھی یہ کہہ دیا ولمن انتصر الخ کہ اس پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں الزام ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے پھرتے ہیں چوری ڈکیتی کرتے ہیں، ان کو دنیا و آخرت میں عذاب الیم ہے دنیا میں سزا سخت، آخرت میں جہنم۔
مگر اس کے بعد بھی پھر عفو کے پلے کو ترجیح دیتا ہے ولمن صبر وغفر الخ کہ معاف کرنا صبر کرنا بڑی عمدہ بات ہے۔

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

قانونِ معدلت اور باخدا حلیم لوگوں کی طبائع کے کلام میں کس طرح سے رعایت رکھی گئی ہے؟ یہ کمال اعجاز اور من جانب اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ
اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر اس کے بعد اس کا کوئی چارہ ساز
مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا
نہیں (اے مخاطب) اور تو ظالموں کو دیکھے گا جب کہ وہ
الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ
عذاب دیکھ کر کہیں گے (دنیا میں) پھر کر جانے کا بھی کوئی
سَبِيْلٍ ﴿٤٤﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا
رستہ ہے اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ آگ کے سامنے لائے جائیں گے
خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ
ذلت سے ڈرتے ہوئے کن انکھیوں سے

طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ

دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے کہیں گے کہ

الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ

گھاٹے میں تو وہی ہیں کہ جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو

وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ

اور اپنے گھر والوں کو بھی تباہ کیا دیکھو ظالم

الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿۴۴﴾ وَ

ہمیشہ کے عذاب میں ہیں اور

مَا كَانَ لَهُم مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم

ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی حمایتی نہ ہوگا کہ

مِّن دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا

ان کو بچاوے اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے

لَهُ مِن سَبِيلٍ ﴿۴۵﴾

لیے کوئی بھی رستہ نہیں

ترکیب

وتری من الرؤیۃ البصریۃ الظلمین مفعول بہ لما شرطیۃ یقولون جواب والجملۃ حالیۃ خشعین حال من الضمیر المفعول فی تراھم من الذل ای من اجلہ من طرف خفی من لابتداء الغایۃ ای یبتدی نظرہم الی النار والطرف الخفی النظر بالمسارقۃ لجہۃ الخوف۔

تفسیر

معاف وصبر کرنے کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بڑے کاموں میں سے ہے ہدایت پانے والوں کو یہ باتیں نصیب ہوتی ہیں اس موقعہ پر ازلی گمراہوں کا اور ان پر جو کچھ وہاں پیش آوے گا اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوا۔

فقال ومن یضلل اللہ الخ کہ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے تو اس کو پھر کون حمایت کر کے راہ پر لا سکتا ہے۔ بدنصیبوں کی نہ صرف عفو و انتقام میں ناراستی و کج روی ہوتی ہے بلکہ ان کے ہر کام بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اخروی نتائج کا ذکر فرماتا ہے

وتری الظلمین [illegible] حشر میں ظالموں کو بری حالت میں دیکھے گا وہاں دنیا میں واپس آنے کا رستہ ڈھونڈیں گے مگر پھر وہاں سے کون آ سکتا ہے؟ آج ہی کچھ کرنا تھا تو کر لیتے۔

وتریٰ اور آپ ان کو دیکھیں گے مجرموں کی طرح سے بڑی ذلت و خواری کے ساتھ آتش جہنم کے سامنے لائے جاویں گے آگ کو کن انکھیوں سے دیکھیں گے۔ آنکھ سامنے کر کے دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اور ایمان داران کو یہ سنائیں گے (جیسا کہ دنیا میں مجرم کو جیل خانے لے جاتے ہوئے ملامت کیا کرتے ہیں کہ بڑا ہی بدنصیب تھا) کہ خسارے میں یعنی بدبختی اور محرومی میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے آپ کو اور اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو برباد کر دیا۔ آپ تو جہنم میں گئے ہی تھے اپنے ساتھ گمراہ کر کے ان کو بھی لے گئے۔ اور اگر ان کے گھر والے دولت ایمان سے بہرہ مند تھے جنت کے مستحق ہیں تو بھی ان کی طرف سے خسارے میں پڑنا ہے کس لیے کہ وہ جنت میں اور یہ جہنم میں، ابدی جدائی نصیب ہوئی۔ دیکھو ظالموں کو دائمی عذاب ہے۔

وما کان لھم من اولیاء ینصرونھم من دون اللہ اور وہاں ان کا کوئی معبود ان کے کام نہ آوے گا کہ ان کو اس مصیبت سے بچا سکے یہ تمام مصائب اخروی سن کر اور کس سے؟ اس سے کہ جس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا اور صدہا امارات اس کے صدق کے دیکھ چکے یہ بھی خیال نہ آیا (کہ شاید اس کا کہنا سچ ہو) کچھ تو بندوبست و فکر کرنی چاہیے اور جن باتوں سے وہ منع کرتا ہے ان کو عقل سے نہ دیکھنا کہ در اصل وہ برے ہیں ہم محض تقلید آبائی و رسم و رواج قوم سے اور نیز ان حمقا کے ڈھکوسلوں سے جو خواہ مخواہ سردار اور پیشوا

بن بیٹھے ہیں عمل میں لاتے ہیں یا ان کی کچھ اصل بھی ہے اور یہ بھی خیال نہ کرنا کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے آخر مر کر کہیں جانا ہے اور وہاں جاکر یہاں کے اعمال کی جزا و سزا پانا ہے یا مر کر مٹی میں مل جانا اور نیست و نابود ہو جانا ہے نہ جزا ہے نہ سزا ہے نہ دار و گیر ہے اور اگر یوں ہی ہے تو بھی اس رسول کی بات مان لینے میں کیا حرج ہے ؟) ازلی گمراہی ہے تقدیر ازلی نے ان کی قسمت میں بہتری نہیں لکھی۔

ومن یضلل اللہ فما لہ من سبیل اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو اس کے ہدایت پر آنے کا کیا رستہ ہے؟

ف یہاں آیا ہے ینظرون کہ وہ دیکھیں گے۔ حالانکہ ایک جگہ یہ آیا ہے ونحشرہم یوم القیمۃ اعمی کہ وہ اندھے اٹھیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب قبروں سے اٹھیں گے تو کفار اندھے اٹھیں گے پھر دیکھنے لگیں گے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس جہاں کی راحت دیکھنے سے اندھے ہوں گے ان کو وہاں کے عیش و عشرت کے سامان کا دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگا۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
اس دن کے آنے سے پہلے اس کا کہا مان لو جو
یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ
اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں اس دن
مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ
تمہارے لیے نہ کوئی بچاؤ کی جگہ ہوگی اور نہ تم
نَّكِیْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ
انکار کر سکو گے پھر بھی اگر نہ مانیں تو ہم نے آپ کو ان پر
عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ
محافظ بنا کر بھی نہیں بھیجا ہے۔ آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے
وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً
اور جب ہم انسان کو اپنی کوئی رحمت چکھاتے ہیں

فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا
تو اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر اس پر اس کے اعمال سے
قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ
کوئی مصیبت پڑ جاتی ہے تو انسان
كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
بڑا ہی ناشکرا ہے اللہ ہی کا راج ہے آسمان
وَ الْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ
اور زمین میں۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے
لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ
لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے
الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا
لڑکے بخشتا ہے یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر
وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ
دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے
اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾
بے شک وہ تو خبردار قدرت والا ہے

ترکیب

من اللہ صلۃ لمرد وقیل صلۃ یاتی ای یاتی یوم من اللہ لایمکن ردہ اذا شرطیۃ فرح بہا جواب وان شرطیۃ والجواب نسی النعمۃ راسا واقیم مقامہ فان الانسان کفور لانہ علۃ الجزاء۔ عقیما بدل من یخلق بدل البعض۔

تفسیر

کفار کی حالت مذکورہ کو ازلی تقدیر کا باعث بنا کر اطاعت و فرماں برداری کا ارشاد فرماتا ہے۔

فقال استجیبوا لربکم کہ اپنے رب کا کہا مانو جو

تم کو راہِ راست کی طرف بلاتا ہے من قبل الخ اس دن سے پہلے کہ تم پر اللہ کی طرف سے کوئی دن آئے اور وہ کسی کے ٹالے سے نہ ٹلے۔ اُس دن سے مراد موت کا دن ہے یا قیامت کا دن اس دن تمہارے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی اور نہ انکار کی گنجائش ہوگی۔ نکیر کے معنی اوپری کے بھی ہیں جو پہچانا نہ جاوے یعنی اُس دن کوئی ہیئت بدل کر بے پہچان ہوکر بھی نہ بچ سکو گے۔

فان اعرضوا الخ پھر اگر اب بھی نہ مانیں تو اے محمد صلی اللہ علیک وسلم تم کو ان کے اعمال کا محافظ بنا کر بھی نہیں بھیجا ہے کہ آپ سے بازپرس کی جاوے۔ ان علیك الا البلغ تم پر تو صرف حکم پہنچا دینا ہے اب آیندہ اپنے کیے کا پھل پاویں گے۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

اس کے بعد ان کے تمرد و اصرار کا باعث بیان فرماتا ہے وانا اذا اذقنا الانسان منا رحمة فرح بھا کہ انسان کی جبلی بات ہے جب اس کو اپنی کوئی نعمت چکھا دیتے ہیں تو اس کے سبب وہ اترا جاتا ہے۔ واقعی بات ہے کہ جہاں اس نے فراغ دستی اور کامیابی پائی تو آپے سے باہر ہوگیا۔ پھر یہ کس کی سنتا ہے پھر تو یہ ہے اور اس کی ملحدانہ چپڑی چکنی باتیں اور گھر دن ہلا ہلا کر اور ہنسا ہنسا کر لمبی چوڑی تقریریں اور بڑے بڑے لیکچر۔ پھر کیسا رسول اور کہاں کی قیامت اور خدا بھی ایک برائے نام (معاذ اللہ) حوصلہ بھی یہ ہے کہ اذقنا یعنی چکھانا فرمایا تھوڑا سا دیا جانا جو نعماء اخرویہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے اگر کھلائی جاویں یعنی نعماء ابدیہ عطا ہوں تو جانے کیا کرے۔

مگر ناصبرے اور بودے بھی ایسے ہیں وان تصبھم سیئة اگر اس پر کوئی مصیبت آپڑے وہ بھی بما قدمت ایدیھم اسی کے اعمالِ بد سے فان الانسان کفور تو حضرت ناشکر ہو جاتے ہیں۔ کہنے لگتے ہیں کہ ہم پر کبھی کوئی انعام الٰہی ہوا ہی نہیں۔ اس کے بعد اس پیٹ بھرے متکبر کو بتاتا ہے للہ ملك السمٰوٰت والارض آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کو ہے تو اس کے آگے کیا چیز ہے اور تیری دولت و حشمت اسباب تکبر کیا ہیں؟ اسی نے تجھ کو یہ چیزیں دی ہیں وہی چھین بھی سکتا ہے وہ رب الافواج ہے اس کی آسمانی فوجیں[۱] اور زمین کے لشکروں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ تیرا غرور توڑنے کو اس کے پاس بہت چیزیں ہیں۔

اس کے بعد عالم میں اپنے مختلف تصرفات بتا کر یہ جتلاتا ہے کہ جو کچھ دیتے ہیں ہم دیتے ہیں۔ فقال یخلق مایشاء ہم جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں یھب لمن یشاء اناثا الخ کہ جس کو ہم چاہتے ہیں لڑکیاں دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں لڑکے بخشتے ہیں کسی کو دونوں، کسی کو دونوں سے محروم رکھتے ہیں۔

انہ علیم ہر ایک کی مصلحت و اسبابِ ذکورت و انوثت ہم ہی خوب جانتے ہیں بااین ہمہ قدیر قدرت بھی رکھتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا

اور کسی بشر کا بھی مقدور نہیں کہ اللہ اس سے (دُو بدُو) کلام کرے مگر

[۱] آسمانی فوجیں ملائکہ اور آسمانی بلائیں بجلی اور اولے اور دیگر اجحار جو قوموں پر برسے۔ اور زمین کے لشکر مخالفوں کی فوجیں جو خدا چڑھا لاتا ہے اور تند ہوائیں اور زلزلے اور طغیانی انہار ٹڈی و دیگر حشرات الارض و امراض صعبہ ہیضہ و طاعون، بخار و ذات الجنب و افلاس و مرگِ احباب وغیرہ وغیرہ ۱۲ منہ

وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ

وحی کے ذریعہ سے یا پردے کے پیچھے سے یا اللہ

يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا

اپنے حکم سے فرشتہ بھیج کر جو چاہے (حکم) پہنچادیتا

يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَكَذٰلِكَ

ہے وہ جو ہے تو عالی شان حکمت والا ہے اور اسی طرح سے

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ

ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ

آپ کیا جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے

وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا

اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے قرآن کو ایسا نور بنایا ہے کہ

نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ

کہ اس کے سبب ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۱﴾

اور البتہ آپ جو ہیں تو سیدھا رستہ بتلاتے ہیں

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اس اللہ کا رستہ کہ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ

زمین کی سب چیزیں ہیں دیکھو اللہ ہی کی طرف

تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۲﴾

سب باتیں رجوع کرتی ہیں

ترکیب

لبشر خبر کان ان مصدریۃ یکلمہ اللہ الجملۃ بتاویل المصدر اسم کان۔ الا وحیا استثناء منقطع لان الوحی لیس بتکلیم او من وراء حجاب الجار متعلق بمحذوف تقدیرہ او یکلمہ وہذا المحذوف معطوف علی وحی فتقدیر الکلام ان یوحی الیہ او یکلمہ او یرسل منصوب عطفا علی موضع وحیًا وقیل فی موضع جر ای بان یرسل ما کنت الجملۃ حال من الکاف فی الیک صراط اللہ بدل من صراط مستقیم المعرفۃ من النکرۃ۔

تفسیر

یھب لمن یشاء میں مسئلہ نبوت کی طرف بھی اشارہ تھا کہ وہ جس کو چاہتا ہے یہ مرتبہ عطا کرتا ہے۔ انبیاء سابقین کا نام اہل مکہ سن کر اس بات کو تو تسلیم کرتے تھے مگر نبی کا مرتبہ بشریت کے جامہ سے باہر تصور کرتے تھے۔ اس خیالِ باطل کو جابجا قرآن میں رد کیا ہے اور یہاں بھی اس کو رد کرتا ہے اور اسی کے ضمن میں مسئلہ نبوت کی تشریح فرماتا ہے۔

فقال وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الخ کہ کسی آدمی کا خدا سے باتیں کرنے کا دنیا میں آمنے سامنے ہو کر مقدور نہیں الا وحیا مگر ان تین طریقوں سے۔ اول یہ کہ کسی مبلغ کے واسطہ سے نہ ہو مگر عین کلام الٰہی نہ سنا جاوے بلکہ مطالب و مضامین۔ عام ہے کہ خاص الفاظ دہن سے مقرر ہو کر یا

۵ ع ۱۰ ۶

ف مسئلہ نبوت اور الہام کی حقیقت بیان فرماتا ہے کہ عیاناً دُو بدُو کوئی بشر بھی خدا سے کلام نہیں کر سکتا مگر ان تین صورتوں سے۔ اول یہ کہ اس کے دل میں کلام القاء کرے بالالفاظ یا صرف معنی اول وحی متلو دوسری غیر متلو ہے۔ دوم یہ کہ حجاب نورانی کے پیچھے سے کلام کر سکتا ہے اور بشر جب ملکیت کے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے تو خدا کا مقرب ہو جاتا ہے مگر پھر بھی نورانی حجاب درمیان میں حائل ہوتے ہیں جیسا کہ شب معراج میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا سے کلام ہوا اور دیگر اوقات میں بھی۔ اور حضرت موسیٰ کا کوہِ طور پر کلام ہوا (باقی بر صفحہ آئندہ)

اسی کے الفاظ میں اس کو وحی کہتے ہیں اول قسم کو وحی متلو دوسری کو وحی غیر متلو۔ اور یا عین کلام بھی سنے او من وراء حجاب سے یہ مراد ہے یہ دوسری قسم ہے۔

اور یا یہ کسی مبلغ کے واسطے سے ہو اور او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء سے یہ تیسری قسم مراد ہے۔ گو تینوں وحی کے اقسام ہیں مگر ان میں سے اول کو القاء فی القلب کے معنی لحاظ کر کے وحی کہا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو کوہ طور پر کلام کیا تھا جیسا کہ خود فرماتا ہے وکلم اللہ موسیٰ تکلیما تو وہ بھی عیاناً نہ تھا کہ جس کی یہاں نفی کی گئی بلکہ وہ کلام کرنا ان تین قسموں سے ایک قسم پر تھا۔ اول قسم سے ہو یا دوم سے۔ ہر ایک قسم کی پھر کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً اول قسم خواب میں بھی واقع ہوتی ہے اور بیداری میں بھی مع الفاظ مفردہ یا بغیر الفاظ مفردہ۔ الفاظ مفردہ کے ساتھ قرآن جو نازل ہوتا تھا تو بیشتر قسم اول پر تھا پھر دوسری قسم جس کو پس پردہ کلام سننا کہتے ہیں اس قسم پہ بھی کلام اللہ نازل ہوا ہے۔ مگر پس پردہ کے یہ معنی نہیں کہ خدا پاک کسی کوٹھڑی یا مکان میں پردہ ڈال کر باتیں کیا کرتا ہے بلکہ حجابات نورانی اس کے اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں اور ان حجابوں میں جو بندے کو تجرد وانکشاف کامل اور روح پر تجلی کامل ہوتی ہے تو بوجہ نورانیت کے یہ شخص خدا تعالیٰ کی باتیں سننے لگتا ہے اور خدا تعالیٰ کی باتیں ان الفاظ و اصوات سے مبرا ہوتی ہیں کہ جن میں جسمانیات کلام کرتے ہیں۔ عالم اجسام میں بھی تار برقی و آئینوں کے ذریعہ سے خوب باتیں کر سکتے ہیں جہاں کوئی خاص زبان اور اصوات ضروری نہیں ہوتے۔ ہاں بعد میں ان کو مصطلح الفاظ میں لا سکتے ہیں اور نقوش مصطلحہ میں مقید کر سکتے ہیں۔ رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے کہ پس پردہ کلام کرنے والا شیطان یا کوئی خبیث روح ہو محض بے اصل ہے۔ برگزیدہ خصوص انبیاء علیہم السلام کے حواس و مدرکات باطنیہ حقائق الاشیاء میں اس سے زیادہ تمیز کرتے ہیں کہ جیسا عالم حسی میں ہمارے حواس خوشبو اور بدبو، خوش رنگ اور بدرنگ، خوش الحان و بدصوت نرم و سخت یا سرد و گرم میں کرتے ہیں اور جب تک یہ ہمارے حواس سلامت ہیں ان میں کوئی فتور نہیں کبھی دھوکا نہیں کھاتے۔ عالم حسی کے حواس و مدرکات کا جب یہ حال ہے تو عالم روحانی کے مدرکات کا کیا کہنا ہے اس لیے سورہ نجم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ما زاغ البصر و ما طغیٰ کہ پیغمبر کی چشم باطنی نے غلطی نہیں کی۔

اور تیسری قسم میں کبھی فرشتہ جس کو ناموس اکبر یا جبرئیل کہتے ہیں بارگاہ قدس سے مطالب نفیسہ لاتا ہے اور پیغمبر کے دل میں آ کر اترتا ہے کما قال نزل بہ الروح الامین علی قلبك اور اسی قسم کی بابت ہے علمہ شدید القویٰ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جبرئیل کسی آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر آتے اور کچھ بتا جاتے تھے مگر متشکل ہو کر قرآن مجید کا لانا کسی صحیح اور قوی روایت سے ثابت نہیں ہوتا اور ہونا بھی نہ چاہیے۔ اس لیے کہ اس میں احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید کوئی شیطان شکل بدل کر آیا ہو۔ کس لیے کہ یہ التباس ہم کو ہو سکتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تیسرے یہ کہ فرشتہ یعنی جبرئیل کے ذریعہ سے جو جا کے پیغام پہنچا دے۔ جبرئیل جو ناموس اکبر ہیں ان سے تجرد میں نبی کو مناسبت ہوتی ہے اس لیے ان کو نظر آتے اور دکھائی دیتے ہیں اوروں کو نہیں مگر ان سب صورتوں میں ہیبت اور شیطان کا گزر بھی نہیں ہوتا۔ جو مصری اور گڑ کے مزے میں امتیاز کر سکتا ہے وہ ادراک معنوی سے ان باتوں میں بھی امتیاز کر سکتا ہے اور خدا کا یہ سلسلہ فیض ابتدا سے جاری ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی وحی کی کہ لوگوں کی رہنمائی کریں ورنہ اس سے پہلے نہ آپ کتاب کو جانتے تھے نہ احکام دین کو۔ نماز کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔
ما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوٰتکم ۱۲ منہ حقانی

نہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی چشم باطن حقائق الاشیاء میں امتیاز کرنے پر بوجہ اکمل قادر تھی بلکہ اس لیے کہ کسی شکل میں ظاہر ہونا آنا حواس ظاہریہ سے زیادہ تعلق رکھتا ہے نہ کہ قلب سے جو ادراکات روحانیہ کا منبع ہے۔ اب یہ احتمال نکالنا کہ جبرئیل کو کسی درخت یا پتھر میں سے آواز آتی تھی کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنے مطالب ادا کرنے کے لیے اس میں پیدا کر دیتا تھا محض فضول بات ہے جو اسرار روحانیہ کے نہ سمجھنے سے پیدا کی گئی ہے۔ اور ہمارے بیان سے یہ جھگڑا بھی اٹھ گیا کہ کلام الٰہی حروف و اصوات سے مرکب ہے یا صفت قائم بذاتہ تعالیٰ ہے اور پھر قرآن مجید جو قدیم کہا جاتا ہے کیا اس کے یہ الفاظ و حروف اور یہ اقوام گزشتہ کے قصص بھی قدیم ہیں یا کیا؟ جیساکہ علم کلام میں مذکور ہے۔

ف انبیاء علیہم السلام کا الہام اور وحی قطعی ہے بایں معنی کہ خدا کے ساتھ باتیں کرنے میں خواہ تینوں صورتوں میں سے کسی طور پر ہو ان کو حجاب ہیولانی دامن گیر نہیں ہوتے اور القا ہونے کے بعد قوت وہمیہ اس میں خلل اندازی نہیں کرنے پاتی اس لیے کہ ان کے جواہر نفوس اعلیٰ درجہ کے مجلی ہوتے ہیں۔ برخلاف ان سے کم تر درجہ کے لوگوں کے جو انہیں کے انوار سے منور ہوتے ہیں جن کو اولیاء اللہ یا محدث یا ملہم کہا جاتا ہے اس لیے ان کے الہامات ظنی گنے جاتے ہیں اور ان کے الہامات میں یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ خود اس کے معنی کما ینبغی نہیں سمجھتے، قوت وہمیہ جو ان کو اپنے مناسب قوالب میں ڈھال دیتی ہے اس سے انتزاع کرنے میں کہیں خود ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ ہذا وقد اطنبنا الکلام فی ہذا المقام لانہ من مزال اقدام الفحول الاعلام۔ ولنرجع الی تفسیر باقی الآیات الشریفۃ۔

ان سب صورتوں کے بعد فرماتا ہے انہ علی حکیم کہ وہ نہایت برتر ہے کسی کے ادراک اور کسی کا فہم اس کی کنہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اور نیز عالم حسی میں کوئی آنکھ اور کوئی کان نہ اس کو دیکھ سکتا ہے نہ بالمقابل ہو کر بات سن سکتا ہے مگر حکیم ہے اپنی حکمت کاملہ سے بندوں کو اپنے سے اطوار مخصوصہ میں کلام کرنے کا شرف عطا کرکے اس کو اپنے بندوں کے لیے پیغامبر بنا کر بھیجتا ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی کرتا آیا ہے۔

وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا اور اسی طرح سے اے محمد ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح یعنی قرآن مجید وحی کیا۔ روح چونکہ حیات جسم کا باعث ہے اسی طرح کتاب اللہ عالم کی حیات ابدیہ کا باعث ہے اس لیے لفظ روح کا اس پر اطلاق ہوا۔ (یہ قول ابن عباسؓ کا ہے) بعض کہتے ہیں روح سے مراد جبرئیل ہے۔ اس کی حکمت کا مقتضیٰ تھا ورنہ ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان آپ تو اس سے پہلے نہ کتاب جانتے تھے نہ ایمان۔

یہ تو ظاہر ہے کہ وحی سے پہلے آپؐ کتاب یعنی قرآن کو نہ جانتے تھے۔ مگر ایمان کے نہ جاننے میں کلام ہے کس لیے کہ بعثت اور وحی سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام مومن تھے کبھی کسی نے شرک نہیں کیا نہ زنا کیا نہ کوئی بدکاری۔ اس کی علماء تفسیر نے مختلف توجیہیں کی ہیں۔ بعض نے کہا ایمان سے مراد نماز ہے اور ایمان کا اطلاق نماز پر بھی ہوا کرتا ہے جیساکہ اس آیت میں وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلاتکم۔ یعنی وحی سے پہلے آپؐ نماز اور اس کے ارکان و شروط سے واقف نہ تھے نہ شرائع معلوم تھے بعض کہتے ہیں لفظ اہل محذوف ہے یعنی اہل ایمان کون کون ہوں گے آپؐ نہ جانتے تھے۔ اور سہل توجیہ یہ ہے کہ ایمان سے مراد وہ جمیع امور ہیں کہ جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے بہت سی باتیں وحی سے پہلے معلوم نہ تھیں۔ فقیر کہتا ہے کہ گو ایمان کو جانتے تھے مگر وہ جاننا اس جاننے کے مقابلے میں جو وحی کے بعد ہوا کالعدم ہے۔ دیکھو کوئی

کامل استاد جب کسی طالب علم کو جو پہلے بھی کچھ پڑھا تھا تکمیل کے بعد یہ کہہ دیتا ہے کہ آپ پہلے جانتے بھی نہ تھے کہ علم کیا ہے۔

ولکن جعلنہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا ہے اس سے ہم جس کو چاہتے ہیں صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ بتا دیتے ہیں اور اے محمدؐ تو بھی خود نور ہے سیدھی راہ بتاتا ہے اور وہ سیدھی راہ کیا ہے صراط اللہ کا رستہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور سب اختیارات اسی کو حاصل ہیں جو اس رستہ پر جو قرآن سے ثابت ہے (نہ کسی اور رستہ پر) چلے گا اللہ کے پاس دار الخلد میں پہنچے گا۔

سورۃ زخرف

مکیہ ہے اس میں نواسی (۸۹) آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲

قسم ہے روشن کتاب کی

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

ہم نے بنایا ہے اس کو عربی زبان کا قرآن تاکہ

تَعْقِلُوْنَ ۝۳ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ

تم سمجھو اور یہ کتاب لوحِ محفوظ میں

لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۴ اَفَنَضْرِبُ

ہمارے نزدیک بلند مرتبہ (اور) حکمت والی ہے کیا تمہارے سمجھانے

عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ

سے ہم اس لیے منہ پھیر لیں گے کہ تم

قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

بے ہودہ لوگ ہو اور پہلے لوگوں میں

مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝۶ وَمَا

بھی ہم نے بہت سے نبی بھیجے ہیں اور ان کے

يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

پاس ایسا کوئی نبی نہ آتا تھا کہ جس سے وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ

ٹھٹھا نہ کرتے تھے پھر تو ہم نے اُن میں

مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ

بڑے زور والوں کو غارت کر دیا اور پہلوں کی نظیریں چلی آتی ہیں

الْاَوَّلِيْنَ ۝۸

(ان کے واقعات ضرب المثل ہیں)

ترکیب

والکتب من جعل حم قسما فالواو للعطف ومن لم یجعل فالواو للقسم والکتب مجرور بہا وانہ عطف علی انا فی متعلقہ بعلی واللام لایمنع ذلک لدینا بدل من الجار والمجرور افنضرب الہمزۃ للاستفہام الانکاری والفاء للعطف علی محذوف ای انہملکم فنضرب عنکم الذکر والضرب ہہنا بمعنی الترک یقال ضربت عنہ اذا ترکتہ قالہ الزجاج والفراء۔ وانتصاب صفحا علی المصدریۃ من معنی نضرب لان للصفح والضرب معنی واحدا وہو الترک والاعراض یقال صفحت عنہ اذا اعرضت عنہ او علی الحال ای صافحین۔ وکم منصوب بارسلنا وبطشا تمیز وقیل مصدر فی موضع الحال من الفاعل۔

تفسیر

اس سورت کا نام سورہ زخرف ہے۔ یہ بھی باتفاق علماء صحابہ ابن عباسؓ وغیرہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بھی بیشتر توحید و رسالت و دارِ آخرت وغیرہ اصولِ نظریہ مذکور ہیں۔

مکہ میں جس قدر قرآن کی سورتیں نازل ہوئیں ان میں عملیات کا بہت کم حصہ ہے بیشتر اعتقادیات ہیں۔ حٰم بھی انہیں مفردات میں سے ہے جو سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں جن کی بحث بجگہ ہم تشریح کر آئے ہیں۔

ان آیات میں مسئلہ نبوت کا اثبات ہے۔ فقال والکتٰب المبین عرب میں گو صدہا قبائح مروج تھے مگر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر قسم کھانا بہت ہی سخت گناہ سمجھا جاتا تھا اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولے گا کبھی سرسبز نہ ہوگا۔ اس لیے حٰم خداﷻ کی ذات و صفاتِ جلالیہ کا ذکر کر کے کتاب مبین کی قسم کھا کر یہ کہتا ہے انا جعلنٰہ قرءٰنا عربیا لعلکم تعقلون کہ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا تمہارے سمجھنے کو۔ کتاب مبین سے مراد قرآن ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک قرآن بڑی عزیز چیز ہے۔ اور ہر شخص اپنی عزیز و مرغوب چیز کی قسم کھایا کرتا ہے پس قرآن مبین کی قسم کھا کر قرآن مجید کی صداقت ثابت کرتا ہے۔ مبین بیان کرنے والا روشن۔ اس کے بعد اور چند اوصاف قرآن مجید کے بیان فرماتا ہے (۱) وانہ فی ام الکتٰب لدینا کہ یہ قرآن کوئی بے اصل اور تراشیدہ کتاب نہیں بلکہ یہ ہمارے نزدیک ام الکتٰب یعنی لوحِ محفوظ علمِ الٰہی کا ایک جریدہ ہے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم کتابِ ما

(۲) علی ہے بلند مرتبہ کتاب ہے اس کی مثل اور کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔

(۳) حکیم پُر حکمت ہے اس میں جس قدر حکمتیں اور خوبیاں رکھی ہوئی ہیں وہ خود اس کی اصالت اور منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں۔ یہ سن کر جہلاء مکہ کہتے تھے کہ خدا کو ہمارے لیے کتاب بھیجنے کی کون ضرورت تھی؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے افنضرب الخ کہ کیا ہم تمہاری بے ہودگی کر تم سے منہ موڑ کر بیٹھ جاتے تمہاری اصلاح نہ کرتے؟ کرتے کیوں کہ ہم رحیم و کریم ہیں پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں دکھو ارسلنا الخ پہلے بھی انبیاء بھیجے ہیں اور لوگ ان سے ٹھٹھے کرتے رہے انجام کار ہم نے بھی ان میں سے بڑے سرکشوں کو غارت کر دیا اور پہلوں کی کہاوت چلی آتی ہے کہ وہ یوں برباد ہوئے اب تم بھی ڈرو انکار نہ کرو۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو

وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ

کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ ان کو اللہ زبردست

الْعَلِيْمُ ۝٩ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

علم والے نے پیدا کیا ہے اس نے کہ جس نے زمین کو تمہارا

الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا

بچھونا بنایا اور تمہارے لیے اس میں

سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠ وَ

رستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ وہ

الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءًۢ بِقَدَرٍ

کہ جس نے آسمان سے اندازے کے ساتھ پانی اُتارا

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ

پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو تازہ کیا تم بھی اسی طرح

تُخْرَجُوْنَ ۝١١ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ

(قبروں سے) زندہ نکالے جاؤ گے اور اللہ وہ ہے کہ جس نے ہر قسم کے جوڑے

كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ
بنائے اور تمہارے لیے وہ کشتیاں اور
الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا
چارپائے بنائے کہ جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ ان کی پیٹھ پر
عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ
چڑھ کر اپنے رب کا احسان
رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ
یاد کرو جب کہ تم ان پر خوب بیٹھ جاؤ تو
تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا
کہو پاک ذات ہے وہ کہ جس نے اس کو ہمارے بس میں کر دیا
وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ
اور ہم تو اس کو بس میں نہیں کر سکتے تھے اور ہم کو
اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا
اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور لوگوں نے اس کے
لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ
بندوں کو اس کی اولاد بنا دیا ف بے شک آدمی جو ہے
لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ع ۱ / ۱۵ / ۷
تو صریح ناشکرا ہے

تفسیر

اب اور جواب دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اپنے انعام بے حد بھی یاد دلاتا ہے اور اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دے کر توحید ثابت کرتا ہے اور ان انعامات پر بندے کے اوروں کو شریک بنانے پر اس کی شکایت کرتا ہے۔ واللہ کیا بحرِ ذخار کلام ہے جس کے اندر سیکڑوں گوشوں میں ہزاروں درِ شہوار رکھے ہوئے ہیں اور کس طرح سے مسلسل کلام چلا آتا ہے۔

فقال ولئن سالتھم الخ اگر ان سے اے محمدؐ پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ تو کہیں گے اللہ نے جو زبردست حکمت والا ہے۔ پس جس نے تمہارے لیے آسمان و زمین بنائے اور جعل لکم الارض مھدا اور زمین کو تمہارا بچھونا بنایا کہ اس پر چلتے پھرتے ہو وجعل لکم فیھا سبلا اور تمہارے چلنے پھرنے کے لیے زمین میں رستے بنائے اور رستوں کے نشان قائم کیے ان کے پتہ سے راہ نہیں بھولتے۔ وہ اللہ کہ نزل من السماء جس نے آسمان سے ایک اندازہ سے پانی اتارا جس سے مردہ یعنی خشک زمین کو شاداب کیا اور قسم قسم کے اس میں درخت و نباتات پیدا کیے (قال سعید بن جبیر الازواج الاصناف کلھا) اسی طرح بار دیگر تم کو زندہ کرے گا قبروں سے نکالے گا وجعل لکم من الفلک والانعام ما ترکبون اور دریا کی سواریاں کشتیاں بنائیں اور زمین کے چارپائے اونٹ گدھا گھوڑا بیل ہاتھی خچر وغیرہ لتستووا علی ظھورہ (الضمیر راجع الی ما الموصولۃ قالہ ابو عبید) تاکہ تم ان پر سوار ہو اور سوار ہو کر اکڑو نہیں بلکہ تذکروا نعمۃ ربکم الخ

ف مشرکین نے ان دلائل پر بھی اس کی مخلوق میں سے اس کا جز بنا دیا فرشتوں کو بیٹیاں بعض انبیاء کو بیٹا کہتے ہیں بعض کو نور یعنی اس کی ذات کا ٹکڑا کہتے ہیں کہ اس سے منفصل ہو کر بنا۔ فلاں خدا کے منہ سے، فلاں ہاتھ سے فلاں پاؤں سے بنا ہے۔ ہنود چار ذاتوں، برہمن چھتری وغیرہ کی نسبت ایسا ہی کہتے ہیں اور وید سے ثبوت دیا کرتے ہیں۔ جزءًا کے معنی شریک کے بھی ہو سکتے ہیں کہ عبادت اور خدائی کا حصہ دار بنا دیا حقانی۔

اپنے رب کا احسان یاد کرو اور یہ کہو سبحٰن الذی سخر لنا ھٰذا وما کنا لہ مقرنین کہ پاک ہے وہ کہ جس نے اس جانور کو ہمارے بس میں کر دیا اور یہ ہمارے بس کا نہ تھا (مقرنین مطیقین یقال اقرن ہذا البعیر اذا اطاقہ ہذا قول ابن عباسؓ۔ وقال الاخفش وابو عبیدة مقرنین ضابطین وقیل مماثلین فی القوة) اور چونکہ سفر طے کرنے کے لیے یا کسی مسافت کے طے کرنے کے لیے سوار ہوا کرتے ہو یہ بھی سمجھ لیا کرو کہ اسی طرح یہ عمر بھی ایک سفر ہے اس کو طے کرنا اور اللہ کے پاس پہنچنا ہے اس سفر سے اُس سفر کو یاد کر لیا کرو وانا الی ربنا لمنقلبون وہیں سے آئے ہیں وہیں جانا ہے۔ مسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وحاکم نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے تھے تو تین بار تکبیر پڑھتے تھے پھر سبحٰن الذی لہ تک یہ پڑھتے تھے۔

اُس نے تو یہ یہ عنایتیں کیں مگر کفار و مشرکین نے یہ کیا وجعلوا لہ من عبادہ جزءا کہ اسی کے بندوں کو اس کا بیٹا بنا دیا کہہ دیا فلاں اس کا بیٹا ہے اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔

ان الانسان لکفور مبین آدمی صریح ناشکرا ہے اسی نے نبی اور کتاب بھیجی۔ اس میں ضمنی طور پر مسئلہ توحید اور اپنے کمال وقدرت وصفات کمالیہ کا ثبوت کر کے اصل بات کا بھی جواب دے دیا کہ جس نے تمہارے لیے یہ سامان کیے پھر وہ تمہیں گمراہی میں کس لیے پڑا رہنے دیتا۔ یہ بھی اس کا ایک انعام ہے پھر اور انعامات پر نہیں کہتے کہ خدا کو ان کے بنانے سے کیا مطلب تھا؟ حالانکہ خود اقرار کرتے ہو کہ یہ چیزیں انسان کے نفع وقضاء حاجت کے لیے اس نے بنائیں پھر نبوت اور کتاب نازل کرنے کے امر میں یہ کہتے ہو کہ اس کو کیا غرض پڑی تھی کیا مطلب تھا کیا پروا تھی؟ نبوت و

توحید کا کس عمدگی سے ثبوت کیا۔

أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم
کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں لے لیں اور تم کو بیٹے
بِالْبَنِينَ ﴿١٦﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم
چن کر دیے اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی
بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ
خوش خبری دی جائے کہ جس کو رحمٰن کے لیے ٹھیراتا ہے تو اس کا منہ
مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿١٧﴾ أَوَمَن يُنَشَّأُ
سیاہ ہو جائے اور دل میں گھٹ کر رہ جائے کیا اس کے لیے وہ کہ جو
فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ
زیور میں پلتی ہے اور جھگڑے میں بات بھی نہ
مُبِينٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ
کر سکے اور فرشتوں کو کہ جو رحمٰن کے بندے
هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا ۚ أَشَهِدُوا
ہیں عورتیں فرض کر لیا کیا انہوں نے ان کو
خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ
پیدا ہوتے دیکھا ہے ان کی گواہی لکھی جائے گی اور
يُسْأَلُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ
ان سے پوچھا جائے گا اور کہتے ہیں اگر رحمٰن چاہتا
مَا عَبَدْنَاهُم ۗ مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ
تو ہم ان کو نہ پوجتے ان کو اس کی کچھ خبر
عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْ
نہیں وہ محض اٹکل دوڑاتے ہیں کیا
آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ
ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس پر

مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ
قائم ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے
اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ
باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے
مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا
پیرو ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے
مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا
پہلے کسی گاؤں میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تو وہاں کے
قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا
دولتمندوں نے یہی کہہ دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک
عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾
طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے پیرو ہیں

ترکیب

بنت مفعول ام اتخذ مما یخلق حال منها مثلا مفعول ضرب للرحمٰن متعلق به واذا شرطیه ظل الجملة جواب الشرط وجهه بالرفع علی القراءة المشهورة اسم ظل مسودا خبره اومن فی موضع نصب تقدیره اتجعلون من ینشؤ قرء الجمهور بفتح الیاء واسکان النون و قرء ابن عباس والضحاک وحفص بضم الیاء وفتح النون و تشدید الشین۔ قال الهروی الفعل علی القرءة الاولی لازم وعلی الثانیة متعد فی متعلق بمبین وغیر لا یمنعه و الجملة حال۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا وجعلوا له من عباده جزءا اب یہاں اس کی اور زیادہ تشریح کرتا ہے۔

فقال ام اتخذ الخ کہ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے لڑکیاں پسند کی ہیں اور تمہارے لیے بیٹے پسند کیے ہیں؟ یعنی یہ جو تم کہتے ہو کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں یہ غلط بات ہے کیوں کہ بیٹیوں سے بیٹے بہتر ہوتے ہیں یہاں تک کہ اذا بشر احدھم الخ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دیتا ہے تو غم کے مارے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور دل میں گھٹ جاتا ہے۔

عرب بیٹیوں کا پیدا ہونا اپنی عزت کے خلاف جانتے تھے اس لیے قتل کر ڈالتے تھے اور خبر سن کر بڑا رنج ہوتا تھا۔ پھر ایسی چیز تو آپ لے اور بیٹے تم کو دے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اولاد سے جو فائدہ متصور ہوتا ہے کہ وہ میدان کارزار میں کام دے اور مجالس میں سیف لسانی سے کام لے یہ بھی ان سے حاصل نہیں اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے اومن ینشؤا الخ کہ کیا جو زیور میں اور آرائش میں پرورش پاتی ہیں (یعنی لڑکیاں) اور جھگڑوں میں گویائی سے عاجز ہیں کیوں کہ عورت کی تربیت میں زیور و آرائش ہے جو مردانگی کے خلاف ہے اور شرم و لحاظ کی وجہ سے خوب بات نہیں کر سکتیں وہ اس نے اپنے لیے پسند کی ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ زنانہ تجمل و آرائش مذموم ہے۔

اس کے بعد ایک اور دلیل سے ان کو رد کرتا ہے فقال وجعلوا الملٰئکة الخ کہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں ان کو انہوں نے عورت بنا دیا جو ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں کیا انہوں نے ان کو پیدا ہوتے دیکھا ہے اس کی وہ شہادت دیں گے؟ اچھا دیں ہم ان کی شہادت لکھے لیتے ہیں اور ان سے قیامت میں پوچھا جاوے گا۔ اس کے بعد ان کفار و مشرکین کا جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور حجت میں

ساکت کیے جاتے تھے ایک جواب نقل کرتا ہے جو محض جاہلانہ جواب ہے وقالوا لو شاء الرحمٰن کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ان معبودوں کو نہ پوجتے اس سے ثابت ہوا کہ یہ اس کی مرضی کے موافق ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے مالھم بذلک من علم انہیں مشیت اور مرضی کا فرق معلوم نہیں اس قضاء وقدر اور عالم اسباب کے مسئلہ کو یہ نہیں جانتے محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں کہ اس کی مشیت ہے تو مرضی بھی ہے۔ ام اتینٰھم الخ کیا ان کے پاس اس بت پرستی کے جواز میں کوئی نوشتۂ الٰہی ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور جس کے یہ پابند ہیں۔ نہیں۔ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے انا وجدنا الخ کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یوں کرتے دیکھا ہے ان کے طریقے پر ہم چلتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔

وکذلک کہ یہ نئی بات نہیں ان سے پہلے بھی جہاں کوئی نبی آیا وہاں کے پیٹ بھروں نے یہی عذر کیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے پیرو ہیں۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ
رسول نے کہا اگر میں تمہارے پاس اس سے بھی بہتر طریقہ لاؤں کہ جس پر تم نے
عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ
اپنے باپ دادا کو پایا تو بھی باپ دادا کے طریقے پر چلوگے وہ بولے جو کچھ تو لایا
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ
ہے ہم اس کو جانتے بھی نہیں پھر تو ان سے ہم نے بدلہ لیا پھر دیکھ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾
کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ
اور (یاد کرو) جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا

اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا
کہ جس کو تم پوجتے ہو میں اس سے بیزار ہوں مگر
الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾
جس نے کہ مجھے پیدا کیا (اسی سے سروکار ہے) پھر وہی مجھ کو رستہ بھی بتاوے گا
وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ
اور ابراہیم اسی بات کو اپنے بعد باقی چھوڑ گئے (کلمۂ توحید کی وصیت کر کے)
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ
تاکہ لوگ (دین حق کی طرف) رجوع کریں بلکہ ہمیں نے ان کو اور
هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ
ان کے باپ دادا کو رسایا بسایا یہاں تک کہ ان کے پاس دین حق
وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ
اور صاف کہنے والا رسول (محمد) آگیا اور جب کہ ان کے پاس سچا دین پہنچا
قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾
تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم تو اس کے منکر ہیں

ترکیب

قرء الجمہور قل وقرئی قال حکایۃ لما جری بین النذر وقومہم۔ ای قال کل نذیر لقومہ۔ الہمزۃ انکار وللعطف علی المحذوف ای تتبعون ذلک۔ وجواب لو محذوف۔ الا الذی استثناء منقطع او متصل علی ان کلمۃ ما فی مما یعم لانہم کانوا یعبدون اللہ والاوثان او صفۃ بمعنی غیر علی ان ما موصوفۃ ای اننی براء من اٰلہۃ تعبدونہا غیر الذی فطرنی وجعلہا فاعل جعل الضمیر یرجع الی اللہ او الی ابراہیم وہا الی کلمۃ التوحید التی قالہا ابراہیم۔

تفسیر

یہ بقایا ہے اس گفتگو کا جو انبیاء سابقین اور ان کی

ع ۱۰ النصف

قوم میں ہوئی تھی۔ کہ کیا جب تمہارے باپ دادا کے طریقہ سے اچھا اور ہدایت کا طریقہ ہم تمہارے پاس لاویں جب بھی تم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلو گے؟ اس کے جواب میں یہی کہہ دیا انا بما ارسلتم بہ کفرون ہم تمہاری سب باتوں کے منکر ہیں فانتقمنا منھم الخ پس ہم نے ان سے بدلہ لیا ہلاک و برباد کر دیا پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا بدانجام ہوا۔

اس کے بعد اس تقلیدِ آبائی کے رد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کرتا ہے جو مخاطبین کے جد امجد تھے کہ اپنے باپ دادا کے طریقے کو جو ناپسند تھا چھوڑ دیا۔ پھر اگر تم کو اپنے باپ دادا کی پیروی منظور ہے تو اپنے دادا ابراہیم کی پیروی کرو اس نے اپنے باپ اور قوم سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں بجز اس کے کہ جنے مجھے پیدا کیا تمہارے معبودوں میں سے کسی کو نہیں مانتا وہی مجھ کو اپنا دین کا رستہ دکھاوے گا۔ دلیل چوں کہ تقلید سے بہتر ہے اس لیے جعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ کہ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کی اس بات کو (اننی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی) اس کے بعد تک خداپرست قوموں میں قائم رکھا کیونکہ یہ کلمہ بمنزلہ لا الہ الا اللہ کے ہے اور موحدین کے پیشوا ابراہیم ہیں۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ابراہیم نے اپنے بعد اس کلمہ کو باقی چھوڑا تاکہ لوگ شرک سے توحید کی طرف رجوع کریں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام و دلائل سماویہ کے مقابلے میں بے سوچے سمجھے باپ دادا کی تقلید و پیروی حق کے خلاف میں کرنا مذموم ہے اور ایسی تقلید شرک و گمراہی ہے۔ مگر ائمہ و مجتہدین کے فتووں پر چلنا جو ادلۂ اربعہ کتاب و سنت اجماع و قیاس یعنی استنباطِ نصوص پر مبنی ہیں یہ سمجھ کر کہ ناسخ و منسوخ اور ماول و مفسر مشترک و غیر مشترک کی شناخت مواردِ نصوص کی تخصیص و تعمیم احادیث میں صحیح و ضعیف کی پہچان یہ ہم سے زیادہ تر جانتے ہیں اور اہلِ توحید کا جمِ غفیر سلف سے خلف تک ان کو ان باتوں میں پیشوا جانتا آیا ہے، محاوراتِ عرب اور ان کے رسم و رواج سے بھی یہ خوب واقف تھے یا ایں ہمہ اہلِ ورع و پرہیزگار تھے جو ایک خاص قسم کی تقلید ہے اس کو بھی اسی میں ملا کر شرک و بدعت کا حکم لگا دینا بڑی ناانصافی ہے[1]۔

مشرکین ایک حجت یہ بھی قائم کیا کرتے تھے کہ اگر یہ تقلیدِ آبائی اور یہ بت پرستی عند اللہ بری ہے تو سیکڑوں برس سے یہ لوگ دنیا میں کیوں پھلتے پھولتے آئے ہیں۔

اس کا جواب دیتا ہے بل متعت الخ کہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا میں اب تک[2] پھلنے پھولنے دیا، اس پر یہ پھول گئے اور اس بات کو حق اور رسول مبین کے مقابلے میں پیش کرنے لگے، اور دینِ حق اور رسول کو جادو کہہ دیا اور انکار کر دیا۔ یہ ان کی غلطی ہے کس لیے کہ دنیا کی بہرہ مندی اسکی ربوبیت کا مقتضیٰ ہے۔ یہ کوئی دلیل ان کے برحق ہونے کی نہیں۔

[1] اور مجھ کو قاضی شوکانی اور ابن القیم اور ان کے مقلدین سے کمال تعجب ہے کہ وہ باوجود علم اس بات کے کہ کتب اصولِ فقہ میں مسلم ہو چکا ہے کہ نص کے مقابلے میں قیاسِ مجتہدین کوئی چیز نہیں کیسی جرأت کرتے ہیں اور اہلِ اسلام کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس ۱۲ منہ

[2] یعنی رسول اور قرآن کے ظہور تک یہاں تک وہ اسی انتظار میں مبتلا تھے کہ ان کے پاس رسول اور دینِ حق آ گیا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى
اور کہنے لگے کس لیے یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے
رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ ع ۱۰ ۹
کسی سردار پر نازل نہ کیا گیا کیا وہ
يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا
آپ کے رب کی رحمت بانٹنا چاہتے ہیں ان کی
بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
روزی تو دنیا میں ہم نے ان میں بانٹ دی ہے اور
رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ
ایک کو دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے
لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَ
تاکہ ایک دوسرے کو محکوم بنا کر رکھے اور
رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾
آپ کے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے کہ جس کو وہ جمع کر رہے ہیں
وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً
اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک طریقے کے
وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ
ہو جاویں گے (کافر) تو جو اللہ کے منکر ہیں
لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ
ان کے گھروں کی چھت اور ان پر چڑھنے کی
عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ
سیڑھیاں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے
اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ
دروازے اور وہ تخت بھی چاندی کے کر دیتے کہ جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور
زُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ
دوسری آرائش بھی دیتے اور یہ سب کچھ جو ہے تو دنیا کی زندگی کا
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ
سامان ہے اور دار آخرت آپ کے رب کے ہاں
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾
پرہیزگاروں کے لیے ہے

ترکیب

عظیم بالجر بدل من رجل لبیوتھم بدل باعادة الجار ای لبیوت من کفر وجمع الضمیر فی بیوتھم وافرده فی یکفر باعتبار معنی من ولفظها سقفا قرء الجمهور بضم السین والقاف فهی جمع سقف کرهن ورهن وقال الفراء هو جمع سقیف کرغیف ورغف وقیل جمع سقوف فیکون جمعا للجمع۔ وقرء بفتح السین واسکان القاف فهو واحد فی معنی الجمع ومعارج جمع معرج بفتح المیم وکسر الراء ابوابا وسررا جمع سریر منصوبان بجعلنا ای جعلنا لبیوتهم ابوابا وسررا لما بالتخفیف قری بالتشدید فعلی الاولی ان مخففة من الثقیلة وعلی الثانیة ہی النافیة ولما بمعنی الا۔

تفسیر

کفار مکہ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ بھی ایک بے ہودہ شبہ تھا جس کو یہاں نقل کر کے جواب دیتا ہے۔

فقال وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل ہوا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قریتین سے مراد ان کی دو شہر تھے مکہ اور طائف اور رجل عظیم یعنی بڑے شخص سے مراد وہ کہ جو بڑا مال دار صاحب شوکت وجاہ ہو۔ مکہ میں ایسا شخص جو منصب نبوت کا مستحق دنیاوی مال وجاہ کے لحاظ سے ان حمقاء کے نزدیک

ولید بن المغیرہ و نضا اور طائف والوں میں سے عُروہ بن مسعود ثقفی۔

یہ کہنا تو ان کا درست تھا کہ کسی بڑے شخص پر قرآن اُترنا تھا، مگر یہ ان کی حماقت تھی کہ وہ بڑائی مال وجاہ میں منحصر جانتے تھے۔ اور ان پر کیا موقوف ہے اب بھی حمقاء ہیں مال وجاہ دنیاوی پر بڑائی کا انحصار ہے خصوصاً بے دینوں کے نزدیک۔ اب اس کے دو جواب دیتا ہے۔

اول اھم یقسمون رحمت ربک الی قولہ سخریا کہ جب دنیاوی مرتبوں میں ہم نے تفاوت کر دیا کہ جس کو کوئی اٹھا نہیں سکتا کوئی حاکم ہے کوئی محکوم ہے کوئی مفلس ہے کوئی زردار جس کے سبب انتظام عالم ہو رہا ہے۔ کیوں کہ سب یکساں ہوں تو کوئی کسی کی اطاعت و خدمت کیوں کرے؟ تو دینی تفاوت کو وہ کیوں کر اٹھا سکتے ہیں ہم جس کو چاہیں ولی اور جس کو چاہیں کافر و فاسق بنا دیں اور یہ بھی ہے کہ مال جو کچھ کسی کو دیا ہے ہم نے اپنے فضل و کرم سے عطا کیا ہے پھر کسی کو مال دے کر کیا ہم نبوت دینے پر بھی مجبور کیے جا سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ نبوت بھی اسی کو دیں۔ پس ہم مختار ہیں ہم پر کسی کا دینا نہیں آتا کہ جس کو مال وجاہ دیں خواہ اس میں نبوت کی لیاقت ہو یا نہ ہو اسی کو نبوت بھی عطا کریں۔

دوم و رحمت ربک خیر مما یجمعون یہ کہ مال و جاہ کی شرافت کو نیکی و سعادتِ ازلی کی شرافت سے بڑھ کر جاننا نادانی ہے کس لیے کہ مال وجاہ لذاتِ دنیا کے حاصل کرنے میں کام آتا ہے جو محض فانی ہے اور یہ سعادتِ ازلی لازوال دولت ہے جو باقی ہے اور جس چیز کو وہ سمیٹ رہے ہیں یعنی مال اس سے بہتر ہے پس اسی دولت کا مالا مال شریف اور بڑا ہے اور تمہارے عقیدہ کے موافق بڑے آدمی کو نبوت کا مرتبہ ملنا چاہیے تو وہ بڑے شخص نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں۔ اس کے بعد دنیا اور اس کے

کہ دنیا کی بے وقعتی بیان فرماتا ہے کہ جس پر وہ شیدا تھے اور جو ان کی آنکھوں میں بڑی چیز تھی۔

فقال ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن الخ کہ دنیا کی ہمارے نزدیک کیا عزت ہے؟ صرف یہ بات نہ ہوتی کہ دنیا کا تجمل دیکھ کر سب یا اکثر لوگ کفر کی طرف راغب نہ ہو جاتے تو ہم کفار کو جو رحمٰن کے منکر ہیں اس جہان کے بدلہ دنیا میں اس قدر دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہاں تکیہ لگا کر بیٹھنے کے تخت بھی چاندی کے کر دیتے اور بہت آرائش کے سامان عطا کرتے مگر یہ سب کچھ دنیا فانی کا چند روزہ اسباب ہے اور آخرت جو ہے تو پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے وہاں ان کے لیے اس سے زیادہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر دنیا کی اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر ہوتی تو کسی کافر کو سرد پانی بھی نہ دیتا (رواہ الترمذی)

حضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ مومن کو دنیا سے اس طرح روکتا ہے کہ جیسا کوئی بیمار کو پانی سے روکتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

بے شک قیامت کے قریب کفار کو دنیا اور اس کے تجملات بکثرت دستیاب ہوں گے اور فسق و فجور میں مبتلا ہوں گے یورپ کو دیکھو۔ اسی بات کے مسلمانوں میں نہ ہونے سے نیچری کہتے ہیں کہ اسلام مٹ گیا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ

اور جو کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم

لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ وَاِنَّهُمْ

اس پر ایک شیطان متعین کرتے ہیں پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے اور شیاطین

لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ

آدمیوں کو رستے سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ

اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا

ہم راہِ راست پر ہیں یہاں تک کہ آدمی جب ہمارے پاس آئیگا

قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ

تو (شیطان سے) کہے گا اے کاش مجھ میں اور تجھ میں مشرق اور

الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَ

مغرب کا فرق ہوتا پھر کیا بُرا ساتھی ہے اور

لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ

تم کو اس روز جب کہ تم مجرم قرار پا چکے یہ بات کچھ فائدہ بھی نہ دے گی

فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ

کہ تم سب عذاب میں شریک ہو (اے محمد) پھر کیا آپ

تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَ

بہرے کو سنا سکتے ہیں یا اندھے کو اور

مَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

اس شخص کو جو صریح گمراہی میں ہے ہدایت کر سکتے ہیں ؟

ترکیب

ومن شرطیۃ یعش العشو الاعراض والعدول ہذا قول الفراء والزجاج وقال الخلیل النظر الضعیف قرء الجمہور بضم الشین من عشا یعشو من نصر ینصر وقری بفتح الشین من عشی یعشی ای من سمع یسمع۔ وسقط الواو بمن الشرطیۃ۔ قال الجوہری العشا مقصور مصدر الاعشی ہو من لایبصر باللیل والمرأۃ عشوی۔ نقیض جواب الشرط انکم بفتح ان علی ان وما بعدہا فاعل ینفعکم ویمکن ان یکون ضمیر اللتمنی و انکم لانکم ومن کان عطف علی العمی باعتبار تغایر الوصفین۔

تفسیر

اب دنیا کا خراب نتیجہ بتاتا ہے ومن یعش کہ جب شہوات ولذاتِ دنیا خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں اور جو اس کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک شیطان قائم ہو جاتا ہے جو اس کا ہر کار بار میں ساتھی رہتا ہے۔ اور انہم لیصدونہم عن السبیل الخ اور شیاطین انسان کو راہِ راست سے باز رکھتے ہیں اور لطف یہ کہ انسان اپنے آپ کو راہِ راست پر جانتے ہیں۔ اس نشہ میں یہاں تک مبتلا رہتا ہے کہ اذا جاءنا الخ ہمارے پاس آتا ہے مرکر یا قیامت میں تب یہ نشہ اترتا ہے اور اس کی برائی ثابت ہوتی ہے تو اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کاش تجھ میں اور مجھ میں مشرق و مغرب کا فرق ہو جاوے یعنی جس قدر مشرق سے مغرب دور ہے یہ مردود مجھ سے اتنا دور رہے۔

ولن ینفعکم الیوم مگر آج کی بیزاری کیا فائدہ دیتی ہے جب کہ جو کچھ نہ کرنا تھا کر چکے اب وہ شیطان بھی اور اس کے ساتھ یہ بھی دونوں جہنم میں گرے۔ دنیا میں ایسا ساتھی پیدا ہوا تھا کہ اپنے ساتھ جہنم میں لے کر گرا۔

یہ شیطان جو یادِ الٰہی سے غافل ہونے پر قائم ہوتا ہے شیطان جنی ہے جس کا مرکب اس کے بدن میں قوتِ شہوانیہ وغضبانیہ ونفسانیہ وجمیع قویٰ بہیمیہ ہیں۔ انسان جب یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے تو روح کا

لہ بعد المشرقین ای بعد المشرق والمغرب ومن عادۃ العرب تسمیۃ الشیئین ای المتقابلین باسم احدہما ۱۲ کبیر ۱۲ منہ

جوہر نورانی اس مبدأ فیاض و نورِ مطلق کی تجلی سے منور رہتا ہے نیک و بد کا کامل امتیاز رہتا ہے خدا کی سیدھی راہ پر چلتا ہے اس کے تمام کاربار فطرت کے موافق سرزد ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام چونکہ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں رہتے ہیں شیطان سے محفوظ رہتے ہیں اور معصوم ہوتے ہیں۔ اور جب یہ ادھر سے غافل ہوا قوئ بہیمیہ کی تاریکیاں اس پر ہر طرف سے محیط ہوئیں اور اس کو اندھا کر دیا۔ اب اس کے جو کام ہوں گے خلافِ فطرت ہوں گے اور ان سے اور بھی تہ بر تہ تاریکیوں کی اس پر چڑھتی جاویں گی اور اس کو ابدالآباد تک جہنم بن کر گھیرے رہیں گی جو جہلِ مرکب کا نتیجہ ہے یہاں تک کہ جب اس عالم سے کوچ کرے گا اور قوئ بہیمیہ کا انجن ٹھنڈا ہو جائے گا تب اس کو اپنے مرض کی خبر ہو گی اور تاسف کرے گا مگر کیا فائدہ؟

دنیا کی محبت اور خدا سے غافل ہونے کے ساتھ یہ بلائیں لگی ہوئی ہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

ز تو یک نفس جدا شدم شدہ صد بلا نصیبم
من و بے تو زندگانی نہ کند خدا نصیبم

ع ۱۰ ۴
پس جو ایسی تاریکیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے حواس باطنیہ بھی زائل ہو جاتے ہیں وہ اندھا ہوتا ہے کچھ نہیں دیکھتا، بہرہ ہوتا ہے کچھ نہیں سنتا اب اس کو کسی کی نصیحت نفع نہیں دیتی۔ اسی بات کو خدا تعالےٰ اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے فقال افانت تسمع الصم او تھدی العمی ومن کان فی ضلٰل مبین کہ اے محمدؐ کیا تو ایسے بہرے کو سنا سکتا ہے اور ایسے اندھے کو راہ بتا سکتا ہے اور اس کو جو ضلالِ مبین میں ہو راہ پر لا سکتا ہے؟ نہیں، نہیں، کس لیے کہ ان میں صلاحیت ہی نہیں رہی۔ اس مرتبہ کو ضلالِ مبین کہتے ہیں۔

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم
پھر اگر ہم آپ کو لے بھی جائیں (دنیا سے) تو بھی ہم ان سے
مُّنتَقِمُونَ ﴿٤١﴾ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي
ضرور بدلہ لیں گے اور اگر تجھے ہم وہ بھی دکھا دیں کہ
وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾
جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو ہم ان پر قادر ہیں
فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ ۖ إِنَّكَ
پھر تو اس کو مضبوط پکڑے رہ کہ جو تیری طرف وحی کیا گیا تو جو ہے
عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ
تو سیدھے رستہ پر ہے اور یہ قرآن تیرے
لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿٤٤﴾
لیے اور تیری قوم کے لیے نصیحت ہے، اور آگے تم سے پوچھا جاوے گا
وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن
اور پوچھ دیکھ ان رسولوں سے کہ جن کو تجھ سے پہلے
رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ
بھیجا تھا کہ کیا اللہ کے سوا ہم نے اور بھی معبود
آلِهَةً يُعْبَدُونَ ﴿٤٥﴾
پرستش کے لیے بنائے تھے

تفسیر

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ایسے بہرے اندھے کو جو ضلالِ مبین میں گرفتار ہو تو ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسی حالت میں ان ازلی گمراہوں کو اور بھی جرأت ہونا اور نبی کی تکذیب و ایذا پر کمر باندھ کر اس کہنے کا موقع ملنا (کہ تجھ سے ہماری ہدایت ممکن نہیں اور ہم ایسے بدراہ ہیں تو تیرا خدا اپنے وعدہ کے موافق ہمیں کچھ سزا دیوے تاکہ تیری

سچائی معلوم ہو کہ تو اس کا بھیجا ہوا ہے) قرین قیاس ہے۔ ان کی اس شوخ چشمی کا جواب دیتا ہے فاما نذھبن بك فانا منهم منتقمون الخ کہ اگر تجھے اے محمدؐ ہم دنیا سے لے جاویں کیوں کہ تو اپنا کام جو تھا سو کر چکا اور یہ ایک روز ہونا ہے تو یہ نہیں کہ پھر ہم ان سے بدلہ نہ لیں یا تیری زندگی ہی میں تجھے بھی آنکھ سے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ ہوا ہے دکھا دیں تو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل مکہ کو اپنی نسبت فی ضلل مبین اور اندھا بہرا سننا سخت ناگوار گزرا اور قصد کیا کہ ان کو مار ڈالیں یا شہر سے نکال دیں۔ اس کے ساتھ اس کے وہ وعدے بھی تمام ہو جاویں گے کہ جن سے ہم کو دھمکیاں دیا کرتا ہے۔ اس بات کا بیان کئی ایک جگہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے ازاں جملہ یہ ہے[1] او یقتلوك او یخرجوك کہ تیرے مارنے یا نکال دینے کا قصد کرتے ہیں اور بدبخت لوگ جو مرتبہ ضلال مبین میں ہوتے ہیں باغوائے بئس القرین ایسا ہی کیا کرتے ہیں اپنے خیر خواہوں کے ساتھ۔ ان کی اس بات کا اس آیت میں جواب دیتا ہے کہ اگر انہوں نے ایسا ہی کیا کہ تجھے مار ڈالا یا نکال دیا فاما نذھبن بك ان دونوں باتوں کو شامل ہے دنیا سے لے جانا یا مکہ سے باہر لے جانا۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے ہم ہر حال میں قادر ہیں کہ تیرے جانے کے بعد بھی ان کو عذاب دکھا سکتے ہیں اور تیرے روبرو بھی۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔ مکہ میں جب آپؐ تھے ان پر سات برس کا قحط پڑا سب شرارت نکل گئی۔ اور مکہ چھوڑنے کے بعد بھی جنگ بدر وغیرہ معرکوں میں ان پر وہ مصیبتیں آ پڑی ہیں۔ پس اے محمدؐ! آپ ان کی دھمکی کی کچھ پروا نہ کریں فاستمسك بالذی اوحی الیك آپ اس پر خوب مضبوط رہیں جو آپؐ کی طرف توحید و مکارم اخلاق و عبادت کی بابت وحی کیا گیا ہے۔ اور وہ جو تیرے رستہ کو برا اور الٹا تجھے گمراہ کہتے ہیں کہنے دو انك علی صراط مستقیم بے شک آپ سیدھے رستہ پر ہیں۔

وانہ اور یہ قرآن لذکر لك ولقومك تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے ایک پند سود مند ہے اور خدا کو اور دار آخرت کو یاد دلانے والی اور سمجھانے والی چیز ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد شرف ہے کہ قرآن تیرا اور تیری قوم کا شرف اور پچھلی نسلوں کے لیے یادگار ہے۔ بے شک قرآن ہی کی وجہ سے قریش کا شرف دنیا میں مانا گیا اور یہی لوگ نبی کی خاص الخواص قوم بن کر خلافت اور جانشینی کے قابل قرار دیے گئے۔ وسوف تسئلون مگر عن قریب تم سے سوال ہوگا پوچھا جاوے گا کہ تم نے اس پر کیا عمل کیا اور اس امانت کی رعایت کیسی کی؟

مشرکین مکہ کی بہت سی گمراہیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے بت پرستی سے منع کرنا نیا کام ہے جو محمدؐ نے ایجاد کیا پہلے کسی نبی نے نہیں کیا۔ یہ اس لیے کہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ میں بھی اس وقت ایک نئی قسم کی بت پرستی مروج تھی ان کی تسلی فرماتا ہے۔ واسئل الخ کہ پہلے رسولوں سے یعنی ان کے علما سے تو پوچھو کہ کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود بھی پوجنے کے لیے مقرر کر دیے ہیں؟ ان کے علما کبھی نہیں کہیں گے کہ خدا نے متعدد معبودوں کے پوجنے کی اجازت دی ہے گو ان کے عوام شرک میں مبتلا ہوں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی

اور ہم نے موسیٰ کو بھی اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور

[1] سورہ انفال رکوع ۴ وتمامہ واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك الآیہ ۱۲

فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ
اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا تب موسیٰ نے کہا میں رب العالمین کا
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
فرستادہ ہوں پھر جب وہ ان کے پاس ہماری
بِاٰیٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾
نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان کی ہنسی اڑانے لگے
وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ
اور ہم ان کو جو کوئی نشانی دکھاتے تھے تو ایک دوسرے سے بڑھ کر
مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ
بھی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو مبتلائے مصیبت بھی کیا
لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَ
تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔ اور انہوں نے (عذاب آنے پر) کہا
السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
اے جادوگر اپنے رب سے ہمارے لیے اس عہد کہ جو تجھ سے خدا نے
عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا　ع ۵ ۱۱ ۱۱
کر لیا ہے دعا کر البتہ ہم ہدایت پر آجاویں گے پھر جب
كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ
ہم نے ان کی تکلیف دور کر دی تو فوراً وہ
یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ
عہد شکنی کرنے لگے اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی
قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ
کر کے کہہ دیا اے قوم کیا مجھے مصر کی بادشاہت
مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ
نہیں اور کہا کیا یہ نہریں میرے (محل کے) نیچے سے نہیں
تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَیْرٌ
بہہ رہی ہیں پھر تم کیا نہیں دیکھتے کیا میں اس سے بہتر
مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ وَّلَا
نہیں ہوں جو ذلیل ہے اور صاف
یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ
بات بھی نہیں کر سکتا پھر کس لیے اس کے
اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ
سونے کے کنگن نہیں اتارے گئے یا اس کے ساتھ
الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ
فرشتے اردلی میں آئے ہوتے پس اس نے (ایسی باتوں سے)
قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا
اپنی قوم کو احمق بنا دیا پھر وہ اس کے کہنے میں آئے کیونکہ وہ تھے بھی
قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا
بدکار قوم پھر جب انہوں نے ہم کو خفا کیا
انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۵﴾
تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لیا پھر تو ان سب کو ڈبو دیا
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾
پھر ہم نے ان کو گزرے ہوؤں اور پچھلوں کے لیے نمونہ بنا دیا

ترکیب

بما عهد بعهده عندک من النبوة او من ان یستجیب دعوتک او ان یکشف العذاب عمن اهتدی او بما عهد عندک فوفیت به وهو الایمان والطاعة بیضاوی - وهذه الانهر جملة حالیة ویمکن ان تکون الانهار معطوفة علی ملک مصر و تجری حال منها فاستخف ای حملهم علی الخفة وقال ابن الاعرابی المعنی فاستجهل قومه فاطاعوه سلفا قرء الجمهور بفتح السین واللام جمع سالف کخدم وخادم وقری سلفا بضم السین واللام قال الفراء هو جمع سلیف نحو سرر وسریر۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا واسئل من ارسلنا کہ پہلے رسولوں کا حال دریافت کرلے اب ان میں سے حضرت موسیٰ کا تذکرہ جو آپؐ سے بہت مناسبت رکھتا ہے اور وہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح کفار قریش نے حضرتؐ کی نبوت پر مال وجاہ نہ ہونے سے طعن کیا تھا اور یہ کہا تھا لولا نزل ھذا القراٰن علیٰ رجل من القریتین عظیم اسی طرح فرعون نے باوجود معجزات دیکھنے کے یہی طعن موسیٰؑ کی نبوت پر کیا تھا کہ یہ ذلیل ہے اس کے پاس سونے کے کنگن نہیں جو تاجداری کی علامت تھی اور میں ایسا ہوں کہ ملکِ مصر کا مالک ہوں میرے حکم میں نہریں جاری ہیں پس ایسی باتوں سے اس نے اپنی قوم کو بھی احمق بنایا آخر سب غرق ہوئے اور پچھلی امتوں کے لیے ان کا قصہ یادگار اور مثال ہوگیا کہ فلاں ایسا جیسا فرعون اور یہ قوم فرعونیوں جیسی۔ ان کا وہی انجام ہوگا جو ان کا ہوا۔ عرب میں مشہور ہوگیا لکل فرعون موسیٰ یہ قریش مکہ کو سنایا جاتا ہے کہ تم بھی وہی باتیں کرتے ہو جو انہوں نے کی تھیں خبردار تمہارا بھی وہی حال ہونا ہے جو ان کا ہوا یعنی ہلاکت و بربادی وخرابی۔ یہ تمام آیات کا خلاصہ ہوا۔ اب ہم الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں۔

وما نریھم من اٰیۃ الا ھی اکبر من اختھا کہ ایک نشانی دوسری سے بڑھ کر تھی جو ان کو ہم نے موسیٰ کی معرفت دکھائی۔ گو وہ نشانیاں سب ہی بڑھ کر تھیں مگر محاورہ میں جب کئی چیزوں کی تعریف کرنی ہوتی ہے تو یوں ہی بولتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر۔

اور وہ نشانیاں ید بیضا عصا وغیرہا تو تھیں جیسا کہ کئی جگہ بیان ہوا۔ واخذنھم بالعذاب ان پر مینڈکوں اور راولوں اور پانی میں خون پائے جانے کی بلائیں آئیں اور بھی آئیں تاکہ اپنی سرکشی سے باز آئیں عذاب کے وقت میں بھی یہ شرارت تھی کہ موسیٰ سے یوں کہا یا ایہ الساحر اے جادوگر اپنے رب سے کہہ اور اس کو وہ عہد یاد دلا کہ جو تجھ سے اس نے کیا کہ جو مانگیگا میں اس سے تکلیف دور کر دوں گا بما عھد عندك کے یہ معنی ہیں۔ یا عہد سے مراد نبوت ہے یا دعا قبول کرنے کا عہد۔ ما مصدریہ یا موصولہ ہے اور ب سببیہ۔ جب وہ تکلیف دور ہوئی تو پھر گئے۔

وھذہ الانھر دریائے نیل میں سے متعدد نہریں نکالی گئی تھیں تجری من تحتی وہ میرے محل کے نیچے سے بہتی ہیں یا میرے حکم میں ہیں۔

اسورۃ من ذھب یعقوب وحفص نے اسورۃ پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے یعنی کنگن اور اکثر نے اساورۃ پڑھا ہے وہ بھی اسوار بمعنی سوار کی جمع ہے۔ بیضاوی۔

مصریوں میں دستور تھا کہ جس کو بادشاہ یا سردار بناتے تھے تو اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور گلے میں سونے کا طوق ڈالتے تھے یہ اس کی علامت تھی جیسا کہ ہندو راجاؤں میں اب تک ہے اور ان کی تقلید سے بعض سلاطین و امراء اسلام ہند میں پہنتے ہیں۔ یعنی اس کے پاس خزانے و حکمرانی نہیں۔ نہروں اور پانی کا اس کو فخر تھا پانی ہی میں خدا نے اس کو غرق کیا[1]۔

---

[1] احمد و طبرانی و بیہقی و ابن ابی حاتم نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کو کوئی نعمت دے اور بندہ گناہ و نافرمانی کرتا جاوے تو یہ خدا تعالیٰ کا اس کے لیے داؤ ہے پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی فلما اٰسفونا انتقمنا منھم فاغرقنھم اجمعین ۱۲ منہ

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ
اور (یاد کرو) جب کہ ابن مریم (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو اس سے

مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوٓا ءَأٰلِهَتُنَا
آپ کی قوم اکڑنے لگی　اور کہنے لگی　کیا ہمارے معبود

خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ
بہتر ہیں یا وہ　یہ ذکر آپ سے صرف جھگڑنے کے لیے کرتے ہیں

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ إِنْ هُوَ
بلکہ وہ ہیں بھی جھگڑالو قوم　وہ تو ہمارا

إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ
ایک بندہ ہے کہ جس پر ہم نے کرم کیا　اور اس کو بنی اسرائیل

مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ
کے لیے　نمونہ　بنا دیا　تھا　اور اگر

نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِى
ہم چاہیں　تو تم میں سے　فرشتے　بنا دیں　کہ

الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ
زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کریں　اور البتہ عیسیٰ جو ہے تو قیامت

لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ
کی ایک نشانی ہے　پس تم اس میں شبہ نہ کرو　اور میرا کہا مانو

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا
یہ ہے　سیدھا　راستہ　اور تم کو

يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ
شیطان　نہ روکنے　پاوے　کیونکہ وہ تو تمہارا صریح

مُّبِينٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
دشمن ہے　اور جب کہ عیسیٰ　نشانیاں لے کر آئے

قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ
کہنے لگے　کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِى تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ
بھی آیا ہوں کہ بعض وہ باتیں بیان کردوں کہ جن میں تمہارا اختلاف ہے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۶۳﴾ إِنَّ اللّٰهَ
پھر اللہ سے ڈرو　اور میرا کہا مانو　بے شک اللہ جو ہے

هُوَ رَبِّى وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ
تو وہ میرا اور تمہارا رب ہے　پھر تم اس کی عبادت کرو

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ
یہی　سیدھا　رستہ　ہے　پھر لوگ

الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ
باہم　مختلف　ہو گئے　پھر ظالموں کو

لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ
خرابی　ہے　سخت دن کی سزا

أَلِيمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ
ہے　کیا　وہ　قیامت ہی کے　منتظر ہیں

أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا
کہ　ان پر یکایک آجائے　اور ان کو　خبر

يَشْعُرُونَ ﴿۶۶﴾ الْأَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ
بھی نہ ہو　اس دن دوست بھی آپس

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿۶۷﴾
میں دشمن　ہو جائیں گے　مگر پرہیزگار لوگ

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ
(کہا جاوے گا) اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم کو کوئی خوف ہے

وَلَآ أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۶۸﴾ الَّذِينَ اٰمَنُوا
اور نہ　تم　رنج کرو گے　ہمارے بندے وہ ہیں جو

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿۶۹﴾
ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرماں بردار رہے　(حکم ہوگا)

ع ۱۱/۱۲ ۲

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

تم اور تمہاری بیویاں خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں

تُحْبَرُوْنَ ۞ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ

داخل ہوجاؤ ان پر سونے کی رکابیوں

مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ وَفِيْهَا مَا

اور آبخوروں کا دور چلے گا اور وہاں جس

تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ

چیز کو دل چاہے گا اور جس سے آنکھیں خوش ہوں گی موجود ہوں گی

وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ وَتِلْكَ

وہاں ہمیشہ رہا کروگے اور تم کو

الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ

اس جنت کا ان کاموں کے بدلے میں وارث کیا گیا جو تم

تَعْمَلُوْنَ ۞ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ

کیا کرتے تھے تمہارے لیے وہاں بہت سے میوے ہیں

مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۞ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ

کہ جن میں سے تم کھایا کروگے البتہ گناہ گار

فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۞

عذاب جہنم میں سدا رہا کریں گے

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۞

وہ عذاب ان سے دور نہ ہوگا اور وہ اس میں ناامید رہیں گے

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ

اور ہمارا ان پر ظلم نہ ہوگا بلکہ وہ خود ہی

الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ

ظلم کیا کرتے تھے اور پکاریں گے اے مالک

لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ

کہیں تیرا رب ہم کو موت دے چکے وہ کہے گا تم کو اسی حال

مّٰكِثُوْنَ ۞ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ

میں) رہنا ہے ہم تمہارے پاس حق بات لائے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۞

لیکن تم میں سے اکثر حق بات سے نفرت کرتے ہیں

تفسیر

جب کہ یہ فرمایا کہ پہلے انبیاء سے دریافت کرو، اور اس کے بعد حضرت موسیٰ کا حال بیان فرمایا تو بعض نے حضرت عیسیٰ کا ذکر بطور معارضہ کے کیا کہ دیکھو عیسائی اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کو خدا اور خدا کا بیٹا جانتے ہیں پھر آپ کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ پہلے انبیاء سب توحید کے مروج تھے عیسائیوں کا طریق عیسیٰ پرستی انہیں کا قائم کیا ہوا ہے۔ پھر جب عیسیٰ خدا ہیں تو ہمارے معبود ملائکہ وغیرہا ان سے کم نہیں بلکہ بہتر ہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ ان مشرکین کی یہ بے جا حجت نقل کر کے جواب دیتا ہے جیسا کہ ان کے اور اقوال باطلہ کا جواب دیتا چلا آتا ہے

فقال ولما ضرب ابن مریم مثلا یعنی جب کہ ابن مریم عیسیٰ کی مثال بیان کی گئی۔ قرآن مجید میں مثال بیان کرنے والے کا نام نہیں مگر جمہور مفسرین کہتے ہیں وہ عبداللہ بن زبعری تھا جو بعد میں مشرف باسلام ہوا۔ اذا قومک منہ یصدون اس مثال کے بیان کرنے سے تیری قوم خوشی میں آکر غل مچاتی ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے معبود ملائکہ وغیرہا بہتر ہیں یا وہ یعنی عیسیٰ؟ یعنی اس سے ہمارے معبود بہتر ہیں پھر جب اس کی پرستش جائز ہے تو ہمارے معبودوں کی پرستش کیوں نہ جائز ہوئی؟ یہاں تک تو ان کی گفتگو تھی اب اس کا جواب دیتا ہے۔

ما ضربوہ لک الا جدلا کہ یہ مثال ان کی محض

ناحق شناسی سے ہے اور بے جا ہے یہ لوگ ناحق جھگڑا کرنے والے ہیں۔ غلط حجت جو محض سخن پروری کی وجہ سے ہو جدلِ باطل ہے۔ یہ تمہید تھی اب اس کا اصل حال بیان فرماتا ہے۔

ان ھو الا عبد انعمنا علیہ الخ کہ عیسیٰ نہ خدا تھا، نہ خدا کا بیٹا وہ ہمارا بندہ تھا صرف یہ بات تھی کہ اس پر ہم نے انعام کیا تھا فضیلت دی تھی من جملہ ان کے یہ بات تھی کہ اس کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا تھا جس سے اس کو جاہل خدا اور اس کا بیٹا سمجھنے لگے وہ ملائکہ سے تو اس بات میں بڑھ کر نہ تھا جن کی ماں ہے نہ باپ کھانے پینے سے بھی پاک ہیں اگر ہم چاہیں تو تمہاری جگہ ان کو دنیا میں بھیج دیں کہ یہاں آکر خلافت کریں۔ بس بات یہ تھی کہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کرنے میں ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنایا تھا تاکہ وہ اس بات سے اس پر ایمان لا دیں اور نیز وہ قیامت کی نشانی ہے کہ قریب قیامت کے دنیا پر اترے گا جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے تم اس میں یعنی قیامت کے قائم ہونے میں شک نہ کرو میرا کہا مانو یہ سیدھا رستہ ہے اور شیطان کے بہکانے میں نہ آؤ وہ تمہارا دشمن ہے۔ یہ حقیقت ہے عیسیٰ کی۔

اس کے بعد خود عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال نقل کرتا ہے کہ اس نے بھی اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں کہا بلکہ ولما جاء عیسیٰ بالبینٰت الخ کہ جب وہ نشانیاں یعنی معجزات لے کر آئے تو لوگوں سے یہ کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی وہ باتیں لے کر آیا ہوں جو انسان کی شائستگی کا باعث ہیں اور اس لیے بھی آیا ہوں کہ موسوی شریعت کی اصلاح کروں جو لوگوں نے اختلاف کر کے بگاڑ رکھی ہے سخت احکام کو اٹھاؤں اور سیدھا رستہ دکھاؤں۔ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے عجائب خرابیاں و اختلافات پھیلے ہوئے تھے۔ فرقہ صدوقی قیامت کا منکر تھا اور فقیہوں اور فریسیوں نے عجب عجب باتیں گھڑ رکھی تھیں مغزِ شریعت سے بالکل بے خبر تھے۔ پس اللہ سے ڈرو اے بنی اسرائیل جو مغزِ شریعت ہے ریاکاری سے باز آؤ واطیعون اور میرے کہنے پر چلو ان اللہ ھو ربی وربکم فاعبدوہ اللہ جو میرا اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو۔ صاف اقرار کر دیا کہ میں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں اور خدا پرستی کا حکم دے دیا۔ اناجیلِ مروجہ میں بھی یہ بات متعدد مقامات میں مذکور ہے۔ ھذا صراط مستقیم۔ یہی سیدھا رستہ ہے یہاں تک حضرت عیسیٰ کا قول تھا۔

پھر اس کے بعد جو لوگوں نے خصوصاً عیسائیوں نے بدعات ایجاد کر کے اس کی طرف منسوب کیں ان کو ذکر کرتا ہے فاختلف الاحزاب من بینھم الخ احزاب جمع حزب کی ہے جس کے معنی گروہ کے ہیں یعنی کلیساؤں کے باہم اختلافات ہو گئے۔ کسی نے کہا عیسیٰ خدا اور خدا کا بیٹا تھا کسی نے کہا وہ صلیب نہیں دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ کلیسا کی تاریخوں میں مفصل مذکور ہے اور یہ فرقے اور اختلافات مسیح کے تھوڑے دنوں بعد سے شروع ہو گئے پولوس بھی اپنے زمانے میں اس کا شاکی تھا۔ غرض یہ کہ عیسیٰ کو جو خدا اور خدا کا بیٹا عیسائیوں نے بنا لیا ہے خصوصاً اس وقت میں رومن کیتھولک عیسائی تو ان کی والدہ اور صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ یہ عیسیٰ نے نہیں فرمایا ہے ان جہلا نے بنا لیا ہے پھر کیا اس حجت سے تم خوش ہوتے ہو۔

اب ان عیسائیوں کی طرف روئے سخن کرتا ہے۔ فویل للذین ظلموا الخ کہ ان ظالموں کو بڑے دن میں خرابی اور عذاب ہے اور اب بھی یہ باز نہیں آتے تو کیا

قیامت کو باز آویں گے اور کیا اسی کے منتظر ہیں کہ یکایک آجاوے اور ان کو مہلت بھی نہ دے ۔ اب اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس روز یہ جو آج باہم دوست ہیں ناحق پر بھی دوستی کی وجہ سے جمے ہوئے ہیں باہم دشمن ہو جاویں گے صرف پرہیزگاروں کی دوستی اور محبت اس دن باقی رہے گی۔

جن کو یہ کہا جاوے گا یٰعباد الخ کہ اے میرے بندو! آج تم کو کوئی خوف نہیں اور نہ تم کسی بات کا رنج کرو۔ وہ بندے کون ہیں؟ وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور فرماں برداری کرتے ہیں۔

حکم ہوگا کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں چلو وہاں تم کو جو چاہو گے وہ نعمت ملے گی یہ تمہارے اعمالِ حسنہ کا بدلہ ہے۔

اس کے بعد گناہ گاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ عذاب جہنم میں رہیں گے وہ عذاب کبھی کم نہ ہوگا وہاں موت مانگیں گے موت بھی نہ آوے گی۔ یہ ان پر ہم نے ظلم نہیں کیا وہی اس کے بانی ہیں جو حق کا انکار کیا کرتے تھے۔

سبحان اللہ ان کی حجت جاہلانہ کا کس خوبی کے ساتھ جواب دیا اور اس کے ضمن میں دار آخرت کا بھی حال بیان کر دیا جو اہم مقاصد میں سے تھا۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

کیا انہوں نے کوئی بات ٹھہرا رکھی ہے سو ٹھہرانے والے تو ہمیں ہیں

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ

کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی مخفی باتیں اور مخفی مشورے

وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ

نہیں سنتے کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس

یَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

لکھ رہے ہیں کہہ دو اگر اللہ کا بیٹا

وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

ہوتا تو سب سے اول میں عبادت کرتا

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

پاک ہے آسمانوں اور زمین اور

رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

عرش کا رب ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰى

پھر ان کو حجتیں کرنے اور کھیلنے دو یہاں تک

یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی

اور وہی تو ہے جو آسمان میں خدائی کرتا ہے اور

الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۴﴾

زمین پر بھی اور وہ حکمت والا خبردار ہے

وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اور مبارک ہے وہ ذات جس کی بادشاہی آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ

اور زمین میں اور ان کے درمیان ہے اور اس کے پاس

عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

قیامت کا علم ہے اور اسی کے پاس تم لوٹائے جاؤ گے

وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ

اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں ان کو تو

دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ

شفاعت کا بھی اختیار نہیں ان کے لیے کہ جو جان بوجھ کر کلمہ

بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ

حق کی شہادت دیتے تھے اور اگر آپ

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ ضرور اللہ نے

فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ

پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہیں اور اس کا یہ کہنا کہ اے رب یہ

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ

وہ قوم ہے کہ جو ایمان نہیں لاتے پھر آپ بھی

عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾ ع ٢٢

ان سے منہ پھیر لیں اور کہیں سلام وہ ابھی جان لیں گے

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ جہنم کا فرشتہ ان کے جواب میں کہے گا انکم ماکثون لقد جئنکم بالحق ولکن اکثرکم للحق کرھون اب یہاں ان کی کراہتِ حق کو بیان کرتا ہے کہ حق کے قبول کرنے کا تو کیا ذکر بلکہ وہ اس کے رد کرنے میں سیکڑوں مکر و تدابیر کیا کرتے تھے مگر کیا کر سکتے تھے کیونکہ ام ابرموا امرا کیا وہ قضاء و قدر میں مداخلت کر کے کوئی بات اس کے برعکس قائم کر سکتے تھے۔ نہیں بلکہ فانا مبرمون مدبرِ امور ہم ہیں اور اس پر لطف یہ ہے کہ جانتے تھے خدا کو ہماری ان تدابیر و مکر و زور کی خبر نہیں۔ حالانکہ ہمارے رسول یعنی فرشتے ان کے پاس ان کی باتیں لکھ رہے تھے۔ انسان جو کچھ کرتا ہے اس کا چھاپا عالمِ غیب میں لگ جاتا ہے خواہ اس کام کو ستّر پردوں میں کرے۔ ان تدابیر سے ان کی غرض بت پرستی کا قائم رکھنا تھا اس کے رد میں ان کو ایک تسلی بخش جواب دیتا ہے قل ان کان للرحمن ولد الخ کہ ان سے کہدے تم جو لوگوں کو یا بتوں کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجتے ہو یہ تمہارا خیال غلط ہے اس کا کوئی بیٹا نہیں اگر ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرتا اور اس کو پوجتا سبحٰن رب السمٰوٰت الخ بلکہ وہ تمہاری ان باتوں اور لغو خیالات سے پاک ہے۔ اس کے بعد ان کو تنبیہ کرتا ہے فذرھم الخ کہ اے محمد! ان کو چھوڑ کہ وہ بے ہودہ باتیں بنائیں اور کھیلیں کودیں یہاں تک کہ اپنی سزا کے وقت کو پہنچ جاویں۔

وھوالذی سے لے کر وھم یعلمون تک خداتعالیٰ کی عظمت اور ان کے بتوں کی کمزوری بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو نہ پوجیں اور خداتعالیٰ کی طرف رجوع کریں کہ اسی کی آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی حکومت اور خدائی ہے اور کسی کی نہیں اور وہ حکیم ہے اور علیم اور نہ صرف اس کی حکومت ہے بلکہ آسمانوں اور زمین میں اور ان کے بیچ جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کو ہے اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح وہ ان کا پیدا کرنے والا ہے فنا بھی کرے گا اور سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے بلکہ جا رہے ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اس کی طرف اس عالم میں احتیاج ہے۔ اور تمام جہان کا وہی خالق و مالک ہے اسی طرح دوسرے عالم کا بھی وہی مالک و مختار ہے کہ جہاں ہر ایک کو جانا ہے اور خلقت چلی جا رہی ہے۔ یہاں تک تو اس کے اوصافِ الوہیت تھے اب غیر معبودوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

ولا یملک الخ کہ جن کو وہ پکارتے ہیں اور ان کے بیجا اختیارات بڑھانے کے لیے ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں از خود کسی کو کچھ لینا دینا تو درکنار وہ کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کہ اس جہان میں یا وہاں سفارش کر کے کسی کو کچھ دلوا دیں یا عذاب سے چھڑا دیں۔ مگر ان کے معبودوں میں سے

وہ سفارش کے مجاز ہیں کہ جنہوں نے حق کی شہادت دی یعنی لا الہ الا اللہ کہا توحید و رسالت کے قائل ہوئے اور یہ شہادت بھی علم و یقین سے ہو۔ ایسے لوگ خدا کے نزدیک مرتبہ اور درجہ سفارش رکھتے ہیں۔ اس سے مراد ارواح طیبات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام ہیں کیوں کہ مشرکین ان کو بھی پوجتے تھے خدا نے ان کے مرتبہ کو مستثنے کرلیا۔

اس کے بعد انہیں کے اقرار سے مشرکین کو قائل کرتا ہے بقولہ ولئن سالتہم من خلقہم کہ اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ ان چیزوں کو کہ جن کو وہ پکارتے ہیں یا خود ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے کیوں کہ اس بات کا ان کو فطرتاً علم تھا فانّٰی یؤفکون تو پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہیں کہ جو خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے خالق حقیقی کو چھوڑ کر اس کو پوجتے اور پکارتے ہیں۔

وقیلہ یرب ان ھؤلاء قوم لا یؤمنون۔ وقیلہ کو بالجر پڑھا ہے لفظ الساعۃ پر معطوف ہونے کی وجہ سے تب یہ معنی ہوں گے کہ خدا کو قیامت کا بھی علم ہے اور رسول کے اس کہنے کا بھی کہ اے رب یہ قوم ایمان نہیں لاتی پھر دیکھیے قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا۔ عدالت کا یاد دلانا اور جرم کا معلوم ہونا جتلانا بڑا اثر بخش کلمہ ہے اس کے لیے جو کچھ بھی سعادت ازلی سے بہرہ یاب ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قیلہ منصوب ہے محل الساعۃ پر معطوف ہونے کے سبب یا نجوٰھم وسرھم پر معطوف ہونے کے سبب ای نعلم نجواہم و سرہم۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مجرور ہے حرف قسم مضمر ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم کو رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے رب یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔ اور جواب محذوف ہے کہ ہم ان کو ان کی سرکشی کا مزہ چکھائیں گے۔

اس کے بعد فرماتا ہے فاصفح عنھم وقل سلام کہ اے رسول یہ سرکش لوگ گمراہ ازلی ہیں نہیں مانیں گے ان سے اعراض کیجیے اور سلام کہیے۔ سلام کہنا محاورہ ہے رخصت کرنے سے اور علیحدہ ہونے سے، اس کو سلام رخصت کہتے ہیں۔

یہ کس لیے فسوف یعلمون ان کو ابھی معلوم ہو جاوے گا۔ یعنی موت ہر شخص کے بہت قریب ہے مرتے ہی سب نیک و بد کا نتیجہ سامنے ہو جاوے گا۔

الٰہ العٰلمین! ہم کو اپنی مرضی پر چلنا نصیب کر اور اپنی رضامندی میں رکھ کہ پھر ہم کو اپنی نافرمانی کے رنج و اندوہ نہ اٹھانے پڑیں، آمین بحرمۃ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین۔

سُورۂ دُخانْ

مکیہ ہے اس میں انسٹھ ۵۹ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

قسم ہے روشن کتاب کی

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ

ہم تھے خبردار کرنے والے کیونکہ ہم کو متنبہ کرنا منظور تھا۔ اس رات میں

كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ

ہر ایک کام جو حکمت پر مبنی ہے ہمارے حکم سے تصفیہ

عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۞۵

ہاں بہرا ازاں جملہ نزول قرآن بھی تھا ہم تھے کس لیے کہ ہم کو رسول بھیجنا منظور تھا

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ وقف لازم

یہ آپکے رب کی رحمت سے ہوا کیونکہ وہ جو ہے تو سننے والا

الْعَلِيْمُ ۞۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

خبردار ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس کا جو ان کے درمیان

وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۞۷ وقف لازم

ہے رب کا رب ہے اگر تم کو یقین آوے

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ

اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے (وہ) تمہارا رب

وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞۸ بَلْ

اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے بلکہ

هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۞۹ فَارْتَقِبْ

وہ شک میں پڑکر کھیل رہے ہیں پھر آپ بھی اس

يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۞۱۰

دن کا انتظار کریں کہ جس دن آسمان سے ظاہر دھواں آوے جو

يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞۱۱

لوگوں کو ڈھانک لے گا یہ ہے تکلیف کی سزا

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا

(کہیں گے) اے ہمارے رب ہم سے عذاب دور کردے ہم

مُؤْمِنُوْنَ ۞۱۲ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَ

ایمان لاتے ہیں وہ کہاں سمجھتے ہیں

قَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۞۱۳ ثُمَّ

حالانکہ ان کے پاس کھول کر سنانے والا رسول بھی آچکا پھر

تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۞۱۴ وقف لازم

وہ اس سے بھی پھر گئے اور کہہ دیا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ

ہم تھوڑے دنوں کے لیے عذاب دور کیے دیتے ہیں (مگر) تم

عَآئِدُوْنَ ۞۱۵ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ

پھر وہی کروگے (پھر بدلہ اس دن لینگے) جس دن ہم بڑی پکڑ

الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۞۱۶

پکڑیں گے ہم بدلہ تو لے کر رہیں گے۔

ترکیب

والکتب الواو للقسم انا انزلنه جواب القسم وقیل ہذہ صفة للمقسم بہ والجواب انا کنا منذرین واختارہ ابن عطیہ۔ انا کنا مستانفة او جواب ثان بغیر عطف فیہا یفرق ہذہ الجملة اما صفة اخرٰی للیلة وما بینہما اعتراض۔ او مستانفة امرا انتصابہ بیفرق ای یفرق فرقا لان امرا بمعنی فرقا قالہ الزجاج والفراء۔ وقال الاخفش انتصابہ علی الحال ای آمرین۔ رحمة منصوب لکونہ مفعولا لاجلہ وقیل مصدر فی موضع الحال من ربك متعلق بالرحمة رب السموت قرء الجمہور بالرفع علی انہ مبتدأ او عطف بیان علی السمیع۔ وقرء الکوفیون بالجر بدلا من ربك۔

تفسیر

قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ دارمی وغیرہ نے اس کے فضائل نقل کیے ہیں۔ خداتعالیٰ ان آیات میں قرآن مجید کی تعظیم تین۳ طور سے بیان فرماتا ہے۔

(۱) اس کی تعظیم عظمت پھر اس کو تین طرح سے بیان فرمایا اول اس کی قسم کھائی بقولہ والکتب المبین دوم اس کو مبین فرمایا کہ اس میں انسان کی تمام دینی ضرورتوں کا بیان ہے۔ یا یہ کہ یہ روشن ہے کوئی بات اس کی

خلافِ عقلِ سلیم نہیں۔ سوم اس کا نازل کرنا اپنی طرف منسوب کیا بقولہ انا انزلنہ کہ اس کو ہم نے اتارا کسی بندہ نے از خود تصنیف نہیں کیا ہے۔

(۲) اس کی عظمت باعتبار عظمتِ وقت کے فی لیلۃ مبٰرکۃ کہ یہ مبارک رات میں اترا ہے۔ اور ہم نے اس کو کیوں اتارا انا کنا منذرین کہ ہم کو بندوں کا خبردار اور ہوشیار کر دینا اور ان کے افعالِ بد کی سزا سے آگاہ کر دینا مقصود تھا۔ اس کے بعد لیلۃ مبٰرکۃ کی عظمت بیان فرماتا ہے فیہا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا کہ اس رات میں ہر حکمت کی بات بیان کی اور ظاہر کی جاتی ہے یعنی جو حوادث دنیا میں ظاہر ہونے والے ہوتے ہیں (جیسا کہ کسی کا مرنا، کسی کا امیر ہونا کسی کا فقیر ہونا، بیمار و تندرست ہونا قحط و ارزانی کا ہونا سلطنت و حکومت کا تبدل و تغیر وغیرہ) ان کو بارگاہ قدس سے ملائکہ مدبرانِ عالم پر ظاہر کیا جاتا ہے گو لوح محفوظ میں روز ازل لکھے گئے تھے مگر اس رات میں انتظام عالم کے لیے ایک سال کے حوادث ان کے مدبر اور کارکن ملائکہ پر ظاہر کیے جاتے ہیں تاکہ اس کی تعمیل کریں یہ اس رات کی بڑی عظمت و عزت ہے۔ اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ عالمِ ناسوت میں جو معاملات ظہور کرنے والے ہیں عالمِ ملکوت میں اس رات میں ظاہر کیے جاتے ہیں گو خدا تعالیٰ کے نزدیک رات دن برابر ہے اور عالمِ ملکوت میں رات دن نہیں ہے بلکہ زمین پر بسبب آفتاب کے طلوع و غروب کے، مگر مراد ایک وقتِ خاص ہے۔

اور وہ وقت ہم بندوں کو لیلۃ مبارکۃ کے پتے سے بتلایا گیا ہے کہ جس وقت تم پر یہ رات آتی ہے گو وہاں رات نہ ہو مگر اس وقت یہ کارروائی ہوتی ہے۔ اور گو اس کے نزدیک سب اوقات یکساں ہیں مگر اس فاعل مختار نے بعض اوقات کو بعض پر فوقیت دی ہے جب اس رات میں اور حوادث ظاہر ہوتے ہیں تو قرآن مجید کا نزول جو دنیا میں سب سے بڑا حادثہ اور مہتم بالشان ہے بدرجہ اولیٰ ہونا تھا۔

لیلۃ مبارکۃ میں علماء اسلام کے دو قول ہیں۔ جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر مراد ہے جو رمضان کے اخیر میں پائی جاتی ہے غالباً ستائیسویں رات۔ اس قول پر اس آیت میں اور دوسری آیات میں جیسا کہ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر یا شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی ہاں ایک شبہ باقی رہتا ہے کہ باتفاق مورخین قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی تو اقرأ باسم ربک الخ ہے اور وہ شوال میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ بھی کہ قرآن مجید ایک بار نازل نہیں ہوا ہے تھوڑا تھوڑا مکہ اور مدینہ میں تیئیس ۲۳ برس کے عرصہ میں نازل ہوا ہے۔ پھر کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ لیلۃ مبارکہ میں نازل ہوا ہے عام ہے کہ لیلہ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد لی جاوے یا شبِ برات۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف سب کا سب قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا جو رمضان کے مہینے میں واقع ہوئی تھی یا ہمیشہ رمضان ہی میں واقع ہوتی ہے پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حسب حاجت دنیا میں آنا شروع ہوا شوال میں یا رمضان میں جیسا کہ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لیلہ مبارکہ میں نازل کرنے سے مراد تمام قرآن مجید نہ ہو پس اس کا ایک حصہ آنحضرتؐ پر رمضان میں لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور آپؐ نے اس کا اظہار شوال میں دو چار روز بعد کیا پس لیلہ مبارکہ میں نازل کرنا فرمانا صحیح ہو گیا۔

عکرمہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ لیلہ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے جس کو شب برات بھی

کہتے ہیں۔ امام نووی شرح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں کہ یہ قول غلط ہے صحیح پہلی بات ہے۔ شاید عکرمہ نے شعبان کی اس رات کو فضائل کے لحاظ سے لیلہ مبارکہ کہا ہو کیونکہ احادیث میں اس رات کے بھی بہت فضائل آئے ہیں نہ وہ لیلہ مبارکہ جس کا ان آیات میں ذکر ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) فضیلت باعتبار نازل کرنے والے کے کہ کس نے یعنی بڑے عظیم القدر نے اس کو نازل کیا ہے کما قال انا کنا مرسلین کہ ہم قرآن بھیجنے والے ہیں یا ہم رسولوں اور محمدؐ کو بھیجنے والے ہیں۔ اور کیوں؟ رحمۃ من ربک تیرے رب کی رحمت کا یہی مقتضا تھا کہ وہ بندوں کو ورطۂ ضلالت سے نکالے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت بندوں کی حاجت کے موافق واقع ہوئی بقولہ انہ ھو السمیع العلیم کیونکہ وہ سنتا جانتا ہے ہر حاجت انسانی کا اس کو علم ہے اس کے بعد اور چند اوصاف الٰہی کا ذکر کرتا ہے تاکہ اس کا معبودِ حقیقی ہونا ذہن نشین ہو کر اسی کی طرف رجوع کریں رب السمٰوٰت سے لے کر رب آبائکم الاولین تک پھر فرماتا ہے کہ ایسا قرآن ایسے وقت مبارک میں اپنی رحمت سے ایسے پروردگار عالم محسن قدیم رحیم و کریم شہنشاہ حقیقی نے بندوں کے فائدہ کے لیے نازل کیا مگر وہ اب بھی نہیں مانتے بل ھم فی شک یلعبون بلکہ شک میں پڑے ہوئے دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں دارِ آخرت کی کچھ بھی فکر نہیں۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے اور ان مشرکوں کو ایک دنیاوی مصیبت کے پیش آنے کی خبر دے کر متنبہ کرتا ہے فقال فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین کہ اے رسول آپ اب اس دن کے منتظر رہیں کہ آسمان سے ایک دھواں ظاہر ہو جو سب کو ڈھانک لے گا اور سخت تکلیف دہندہ ہوگا پھر یہ کہیں گے کہ الٰہی اس بلا کو دفع کر دے ہم ایمان لاتے ہیں مگر اس کے بعد بھی کہاں ایمان لاویں گے۔ ان کے پاس بیان کرنے والا رسول آیا اس کو دیوانہ اور کسی کا بہکایا سکھایا ہوا بتایا۔ خیر ہم وہ بلا تو دفع کر دیں گے مگر پھر اخروی عذاب میں گرفتار کریں گے جو سخت عذاب ہوگا۔

اس دھوئیں میں علماء کے دو قول ہیں۔ اول جمہور کا قول کہ اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بددعا کرنے سے سات برس کا سخت قحط پڑا جس میں مردار اور ہڈیوں کے کھانے کی نوبت پہنچی اور بھوک کے مارے جو اوپر دیکھتے تھے تو ایک دھواں سا ضعفِ بصر سے معلوم ہوتا تھا اور عرب ایسے عظیم اور ہائلہ واقعہ کو دخان سے تعبیر کیا کرتے ہیں (کبیر) اس بات کو بخاری نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریب قیامت کے ظاہر ہوگا جس کا ذکر بعض احادیث میں ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ
اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں اور ان کے پاس

رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ
عزت والا رسول (موسیٰ) آیا کہ خدا کے بندوں (بنی اسرائیل) کو

عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾
میرے حوالہ کر دو کیونکہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں

وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ
اور یہ کہ خدا سے سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی

بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ
ہوئی دلیل لایا ہوں اور میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ

وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَ اِنْ لَّمْ
مانگ چکا ہوں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر میرا

تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ

تمہیں یقین نہیں تو مجھ سے الگ ہو (مگر وہ نہ مانے) پھر اس نے اپنے رب سے دعا کی

اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ

کہ یہ ناہنجار قوم ہے (تب ہم نے حکم دیا) میرے

بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

بندوں کو راتوں رات لے نکل کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ

اور دریا کو جا ہوا چھوڑ کر چلے چلو کس لیے کہ وہ لشکر

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ

غرق ہوگا فرعونی بہت سے باغ اور

عُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾

چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑ گئے

وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ

اور ایسی نعمت کو بھی جس میں وہ مزے کیا کرتے تھے یوں ہوا

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا

اور ہم نے ایسے ساز و سامان کا اور لوگوں کو مالک کر دیا پھر نہ تو

بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَ

ان پر آسمان و زمین روئے اور

مَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾

نہ ان کو مہلت ملی

ترکیب

ان ادوا قیل ان مفسرۃ لان مجی الرسول متضمن لمعنی القول وقیل مخففۃ من الثقیلۃ عباد اللہ اما مفعول بہ لادوا ای ارسلوہم معی او انہ منادی والتقدیر ادوا الی یا عباد اللہ ما ہو واجب علیکم من الایمان والاعمال الصالحۃ۔

تفسیر

کفار مکہ کو ان کی سرکشی پر ایک آنے والی بلا سے ڈرایا گیا تھا۔ اب اس جگہ فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے کہ وہ باوجود یکہ تم سے زیادہ مال دار و طاقت ور تھے ان کو رسول نے سمجھایا مگر نہ مانا اور سرکشی سے باز نہ آئے بنی اسرائیل کے پیچھے دوڑے آئے کہ پکڑ لاویں اور غلامی میں رکھیں۔ آخر اس کے فضل سے بنی اسرائیل بحر قلزم سے خشک پار اتر گئے اور فرعونی غرق ہو گئے تمام باغ و مکان و آرائش کی چیزیں چھوڑ گئے، اس کے اور لوگ وارث و مالک ہو گئے۔

(۱) رھوا ای ساکنا یقال رہا یرہو رہوا اذا سکن لا یتحرک۔ اکثر اہل لغات و مفسرین رہوا کے یہی معنی بیان کرتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ بحر کی صفت ہے۔ مطلب یہ کہ دریائے قلزم تمہارے گزرنے کے وقت موجیں نہ مارے گا ٹھیرا رہے گا یعنی پانی منجمد کھڑا رہے گا تم اس کے درمیان سے صاف نکل جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی جیسا توریت میں مصرحاً مذکور ہے۔ حسن و کعب کہتے ہیں اس کے معنی ہیں رستے کے دریا کو رستہ بنا۔

نیچری مفسر نے عجب الٹ پلٹ اور اگر مگر ملا کے اس کے معنی یہ بیان کیے کہ دریا کو خشک چھوڑ کر اس کے کنارے کے پاس سے نکل جاؤ جیسا کہ جوار بھاٹے کے وقت ہوتا ہے۔ مگر بجز اس کے کہ خرق عادات و تصرفات خداوندی کا انکار اس بات کی تحریک دلائے اور کوئی وجہ نہیں کہ ایسے غلط معنی تسلیم کر لیے جائیں۔

(۲) اورثنها قوما آخرین بعض مفسرین نے آیت میں غور نہ کرنے سے یہ سمجھ لیا ہے کہ بنی اسرائیل فرعون اور اس کے لشکر ہلاک ہونے کے بعد قلزم پار سے

ع ۱۴

لوٹ کر پھر مصر میں آئے اور فرعونیوں کی ان چیزوں کے مالک و وارث ہوئے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ قلزم پار اترنے کے بعد بنی اسرائیل کوہ سینا کی طرف روانہ ہوئے اور چالیس برس تیہ میں ٹکراتے پھرے اور یہیں سیکڑوں واقعات پیش آئے۔ اسی سفر میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی انتقال کر گئے ان کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل ملک شام کے مالک و وارث بنے جہاں مصر کے باغوں اور چشموں اور کھیتیوں اور مکانوں جیسے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات موجود تھے۔

اور تنہا کی ضمیر اگر خاص مصر کی اشیاء مذکورہ کی طرف پھرائی جائے تو قوماً آخرین سے مراد بنی اسرائیل نہیں بلکہ ان غرق ہونے والوں کے علاوہ اور لوگ ساکنانِ مصر جو ان کے خاندان کے نہ تھے۔

اور اگر ہا کی ضمیر بالخصوص اشیاء مذکورہ کی طرف نہ پھرائی جاوے بلکہ جنس و نوع وصفت مراد لی جاوے اور یہی قوی بھی ہے تو قوماً آخرین سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو ان اقسام کے ملکِ شام میں جا کر وارث ہوئے اب کذٰلک سے کچھ مطلب نہ رہا خواہ اس کو محلاً مرفوع پڑھو خواہ منصوب۔

فما بکت علیہم آسمان وزمین کسی کو کیا روئیں گے بلکہ یہ ایک محاورے کی بات ہے۔ سخت حادثہ اور بڑے شخص کی موت پر محاورے میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کو آسمان وزمین روئیں گے یعنی لوگ افسوس کریں گے۔ یہ استعارہ یا مجاز ہے سو ان فرعونیوں پر کسی نے افسوس نہ کیا۔ ان کی شرارت سے۔ اور ممکن ہے کہ درحقیقت اچھے لوگوں کے مرنے پر آسمان وزمین اور دیگر چیزیں روتی بھی ہوں۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ
اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کی تکلیف
الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِن فِرْعَوْنَ
سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھی
إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَ
کیونکہ وہ سرکش بیہودہ لوگوں میں سے تھا اور
لَقَدِ اخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾
ہم نے بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر دنیا پر برگزیدہ کیا تھا
وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ الْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا
اور ان کو وہ نشانیاں بھی دی تھیں کہ جن میں صاف
مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾
امتحان تھا یہ لوگ ضرور کہیں گے
إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ
کہ ہمارے لیے تو صرف یہی پہلی موت ہے اور ہم مر کر
بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا بِـَٔابَآئِنَآ إِن كُنتُمْ
زندہ نہ ہوں گے پھر ہمارے باپ دادا کو تم لے آؤ اگر تم

ف بعض نادانوں نے اس مقام پر دو اعتراض کیے ہیں۔ اول یہ کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے ان مقامات کے کبھی وارث نہیں ہوئے وہ قلزم عبور کرنے کے بعد ملک مصر میں حاکمانہ طور پر آئے۔ اس بات کی تواریخ موافق و مخالف شاہد ہیں۔ اس کا جواب جیسا کہ مفسر نے اشارۃً بتایا ہے کہ اگر قوماً آخرین سے بنی اسرائیل ہی مراد لیے جائیں تو ان چیزوں کے وارث کیے جانے سے یہ مراد نہیں کہ خاص انہیں چیزوں کا ان کو وارث بنا دیا بلکہ ویسے ہی ساز و سامان کا ملک شام میں وارث کر دیا جیسا کہ بولتے ہیں وہی باغ وہی کھیتیاں وہی ناز و نعیم جو تمہارے پاس ہیں ہمارے پاس بھی ہیں حالانکہ بالخصوص (باقی بر صفحہ آئندہ)

صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ
سچے　ہو　کیا یہ　بہتر ہیں یا　تبع کی قوم

وَّالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ
اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے کہ جن کو ہم نے ہلاک کر ڈالا کیونکہ وہ

كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا
نافرمان　تھے　اور (اے نبی) ہم نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا
آسمان اور زمین کو اور جو ان کے اندر ہیں کھیل تماشہ کے لیے

لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ
نہیں بنایا ہے　ہم نے ان کو بہت ہی مصلحت سے بنایا ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾
لیکن　اکثر　ان میں سے　جانتے　نہیں

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۰﴾
بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر ہو چکا ہے

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْـًٔا وَّ
جس دن کہ کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور

لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ
نہ ان کی مدد کی جاوے گی　مگر جس پر کہ اللہ نے مہربانی کی ہوگی

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۲﴾
کیونکہ وہ جو ہے تو زبردست مہربان ہے۔

ترکیب

من فرعون بدل من العذاب علی حذف المضاف ای من عذابہ وقیل لاحاجۃ الی الحذف لان فرعون فی نفسہ کان عذابا مهینا لافراطہ فی تعذیب بنی اسرائیل قرء ابن عباس من فرعون فیکون استفهاما انہ کان الخ یکون جوابہ ما فیہ الخ مفعول ثان لاتینا۔

تفسیر

ولقد نجینا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سخت عذاب سے نجات دی جو فرعون سرکش کے ہاتھ سے ان پر ہوا کرتا تھا اور صرف مصیبت ہی دفع نہیں کی بلکہ ذلت کے بدلے ان کو عزت دی یہ ہیں اخترنٰھم علی العٰلمین کے معنی۔ اور مصیبت کے بدلے بڑی نعمتیں دیں کہ جن میں ان کی آزمائش تھی اور وہ نعماءِ خدا کی نشانیاں تھیں جیسا کہ قلزم سے پار اتارنا، منّ و سلویٰ پانی کا چٹان میں سے نکلنا، ملکِ شام کی حکومت عمالیق وغیرہ سرکش و طاقتور اقوام پر غلبہ۔ فرماں برداری و نافرمانی کا نیک و بد نتیجہ بیان فرما کر پھر قریش کی طرف روئے سخن کرتا ہے اور مسئلہ نبوت کو تمام کر کے مسئلہ معاد میں ان کے انکار کو نقل فرما کر اس کا ثبوت دیتا ہے کہ بارِ دگر مر کر جینا برحق ہے فقال ان ھٰؤلاء لیقولون الخ

۲
ع (۱۳)
۱۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہ نہیں ہوتے بلکہ ان جیسے۔ اشتراکِ جنسی کے لحاظ سے اس جنس کے ایک فرد کو دوسرے سے تعبیر کرنا ہر ملک اور ہر قوم کا محاورہ ہے جس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ آسمان و زمین کا فرعونیوں کے حالِ زار پر نہ رونا قرآن میں بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں نہ روتی ہیں نہ ہنستی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ استعارہ یا مجاز ہے کہ آسمانوں اور زمین والوں کو ان کے حال پر ان کی بدکاری و بدکرداری کے سبب حسرت و افسوس نہ آیا۔ دوم آسمان و زمین بھی حکماء کے نزدیک نفوس رکھتے ہیں۔ پھر جیسا بھی رونا ہنسنا ان کی شان کے مناسب ہے وہ بھی پھر ویسا روتے ہنستے ہیں ۱۲ حقانی

کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے صرف یہی دنیا کی موت ہے اور اس کے بعد جینا نہیں۔ اگر اے مسلمانو تم سچے ہو تو ہمارے مردہ باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دو۔

اس کے جواب میں اوّلاً تو ان کو اس بے باکانہ و گستاخانہ انکارِ حشر پر دھمکایا جاتا ہے اھم خیر ام قوم تبع[1] کیا یہ لوگ تبع حمیری کی قوم سے جو یمن میں آباد تھے اور بڑے دولت و قوت والے تھے اور ان سے پہلے اور بہت قومیں تھیں ان سے بہتر ہیں زور میں دولت میں زیادہ ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس ہم نے ان کے جرم پر ان سب کو ہلاک کر دیا تو یہ بے چارے کیا چیز ہیں۔ اس کے بعد ان کے شبہ کا جواب دیتا ہے۔

وما خلقنا السمٰوٰت والارض الخ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو عبث و بے کار نہیں بنایا ہے بلکہ ٹھیک اور درست بنایا ہے یہ تو تم بھی جانتے ہو۔ پس اگر بعث برحق نہ ہو تو ان کا پیدا کرنا بے کار و عبث ہو جاوے۔ یہ اس لیے کہ ان سب میں افضل انسان ہے اور اسی کے لیے یہ سب کچھ بنایا گیا ہے اگر حشر برحق نہ ہو تو نیک و بد کی دنیا میں تو پوری سزا و جزا ہے نہیں پھر نیکوں کی نیکی رائگاں جاوے اور بد آزاد ہو جاوے ایسا ہو تو عالم خراب ہو جاوے۔ یا یوں کہو انسان اس عالم میں تکمیل کے لیے آیا ہے اور کسی دوسری جگہ سے بھیجا گیا ہے پھر اگر یہی چند روزہ زندگی ہے اور یہ عالم کسی اور عالم کی منزل نہیں ہے تو اس تھوڑی دیر کے لیے اتنے سامان کرنا عبث ہو جاوے ستارے، بنائے کیا کیا؟ اور روح تکمیل پانے کے بعد کسی اور عالم میں جانا چاہتی ہے یہ عالم اس کے لیے مقامِ راحت نہیں اگر اور عالم نہیں تو یہ سب کچھ بے کار ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یوم الفصل فیصلہ کا دن، یعنی قیامت کا روز ان سب کے لیے معین کر دیا ہے اس دن سب کے فیصلے ہو جاویں گے کوئی حمایتی کسی کے کام نہ آوے گا مگر اس کے کہ جس پر اللہ کا رحم ہوگا

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾

بے شک تھوہر کا پیڑ گناہ گاروں کا کھاجا ہوگا

کَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْیِ

جیسے پگھلا ہوا تانبا پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی کی

الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى

طرح کھولے گا۔ (حکم ہوگا) اس کو پکڑو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے

سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ

بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر

رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ

عذاب کا کھولتا ہوا پانی ڈالو۔ (فرشتے کہیں گے) لے مزہ چکھ

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ

کیونکہ تو ہی تو معزز و محترم تھا یہ

هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

وہی تو ہے کہ جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

---

[1] تبع حمیر کا بادشاہ تھا۔ یہ نیک تھا۔ قوم کو توحید کی طرف متوجہ کرتا تھا، سرکش قوم نے انکار کیا۔ آخر برباد ہوئے۔ اس کا بیٹا ذو القرنین تھا۔ اس کو کثرتِ اتباع کی وجہ سے تبع کہتے تھے۔ پھر عموماً شاہانِ یمن کا لقب ہو گیا۔ اس تبع کی بابت اُن احادیث میں کہ جن کو بیہقی و حاکم و ابن المبارک و احمد و طبرانی و ابن ماجہ وغیرہ جماعتِ کثیرہ نے نقل کیا یہ آیا ہے کہ وہ ایمان دار تھا ۱۲ منہ

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي

البتہ پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے

جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ

باغوں اور چشموں میں پہنیں اور

سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾

دبیز لباس پہن کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے

كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾

ایسا ہی ہوگا اور ہم ان کو گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں بیاہ دیں گے

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾

وہاں ہر ایک قسم کے میوے خاطر جمع سے مانگیں گے

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ

وہاں پہلی موت کے سوا اور موت کا مزہ نہ

الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾

چکھیں گے اور خدا ان کو دوزخ کے عذاب سے بچادے گا

فَضْلًا مِنْ رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

(یہ) آپکے رب کا فضل ہے یہی تو وہ بڑی

الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ

کامیابی ہے اس قرآن کو ہم نے آسان کردیا آپ کی زبان میں

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ

تاکہ وہ سمجھیں پھر آپ بھی انتظار کیجیے

إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

کیونکہ وہ بھی انتظار کر رہے ہیں

تفسیر

دارِ آخرت کا ثبوت کرکے اب کچھ وہاں کے حالات بیان فرماتا ہے۔ سب سے پہلے بدکاروں کی سزا بیان کرتا ہے۔

فقال ان شجرۃ الزقوم۔ گناہ گاروں کا کھانا تھوہر ہوگا جو نہایت تلخ اور بدمزہ چیز ہے لاچار ہوکر اسی کو کھا دیں گے وہ پیٹ میں جاکر گرم پانی کی طرح کھولے گا۔ مہل تلچھٹ یا تانبا سیسہ وغیرہ پگھلا ہوا۔ مہل پر جملہ تمام ہوگیا۔ پھر یغلی سے اس کے غلیان کی کیفیت شروع ہوتی ہے۔ بعض کالمہل کو یغلی سے ربط دیتے ہیں۔ ان کے لیے یہ بھی فرشتوں کو حکم دیا جاوے گا کہ اس کو پکڑو اور دھکے دیتے ہوئے جہنم میں لے جاؤ۔ اور اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالو اور کہو چکھ کیونکہ تو اپنے زعم میں بڑا عزت والا زبردست سمجھا ہوا تھا ان باتوں کو تم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔

ابن السکیت کہتے ہیں عتلتہ ای السجن واعتلتہ اذا دفعتہ دفعا عنیفا۔ اگر یوں بولتے صبوا فوق راسہ الحمیم تو اس میں وہ لطف نہ ہوتا جو عذاب کے لفظ نے دیا۔

اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے۔

ان المتقین کہ پرہیزگار عمدہ مقامات میں رہیں گے عمدہ لباس پہنیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے حورعین سے شادی ہوگی عمدہ چیزیں کھاویں گے لذت وعیش کی سب چیزیں آگئیں مکان لباس عورت حسین، کھانا پینا یہی تو لذات ہیں۔ سندس مہین ریشمی
ع ۳ ۱۷ ۱۶ کپڑا۔ استبرق دل دار ریشمی کپڑا۔ جیسا کہ مخمل کاشانی۔ حور۔ واحدی کہتے ہیں اس کے اصلی معنی سفیدی کے ہیں یہ جمع ہے حوراء کی جس کے معنی گوری۔ عین عیناء کی جمع جس کے معنی بڑی آنکھوں والی۔

لا یذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولی یعنی جنت میں کبھی موت کا مزہ نہ چکھیں گے بجز اس کے کہ جو پہلے دنیا میں چکھ چکے ہیں استثنا منقطع ہے ای لکن

الموتۃ کذاقال الزجاج والفراء۔

ابتداءِ سورت میں قرآن مجید کے چند اوصاف بیان فرمائے تھے۔ من جملہ ان کے ایک یہ کہ وہ مبین ہے۔ یعنی اس میں ہر چیز کا بیان وضاحت کے ساتھ ہے۔ اب یہاں اس کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ یسرنٰہ بلسانک کہ اے محمدؐ! تیری زبان میں سمجھنے کے لیے اس کو آسان کیا تاکہ لوگ سمجھیں مگر بدبخت نہیں سمجھتے اور تجھ پر موت یا ہلاکت آنے کے منتظر رہتے ہیں سو تو بھی اے محمدؐ ان پر بلا آنے کا انتظار کر۔

سُوْرَۃُ جَاثِیَہ

مکیہ ہے اس میں سینتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ
یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی
اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّ فِي
طرف سے نازل ہوئی ہے | بے شک
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳
آسمانوں اور زمین میں ایمان داروں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں
وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ
اور (نیز) تمہارے پیدا کرنے میں اور جانوروں کے پھیلانے میں
اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَاخْتِلَافِ
نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے (بڑی بڑی) اور (نیز) رات دن کے
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
پلٹنے میں اور آسمان سے روزی کی چیز نازل
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ
کرنے میں کر اس سے خشک
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ
ہوئی زمین کو شاداب کیا کرتا ہے اور ہواؤں کے
الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۵
بدلنے میں عقل مندوں کے لیے (بڑی) نشانیاں بھی
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ
یہ ہیں اللہ کی آیتیں جو ہم آپ کو ٹھیک طور سے
بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَ
سناتے ہیں پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس
اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ
بات پر ایمان لائیں گے ہر جھوٹے گناہ گار کا
اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۷ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ
ستیاناس جائے جو اللہ کی آیتیں سن کر
تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا
جو اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں غرور میں آکر ہٹ کرتا ہے
كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ
گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہ تھا پھر اس کو دکھ دینے والے عذاب کی
اَلِيْمٍ ۝۸ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا
خوشخبری دے اور جب ہماری آیتوں میں سے کسی کو سن پاتا ہے
اِۨتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ
تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے ایسوں کے لیے ذلت کا
مُّهِيْنٌ ۝۹ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ
عذاب ہے (اور) ان کے سامنے جہنم ہے
وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّ
اور جو کچھ انہوں نے کمایا تھا ان کے کچھ بھی کام نہ آوے گا اور

لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ج

نہ وہ معبود کام آئیں گے کہ جن کو اللہ کے سوا حمایتی بنا رکھا تھا

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠ هٰذَا

اور ان کو بڑا ہی عذاب ہوگا یہ

هُدًى وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

ہدایت ہے اور وہ جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں

ع ۱۱ / ۱۷ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝١١

ان کو سخت دردناک عذاب کی سزا ہونی ہے

ترکیب

حٰم اما مبتدا تنزیل الکتٰب خبرہ والتقدیر حٰم تنزیل الکتاب او قسم و تنزیل الکتٰب جواب القسم او ان فی السمٰوٰت العزیز الحکیم صفۃ للہ تعالیٰ و یجوز ان یکون صفۃ الکتاب۔ لاٰیٰت منصوبۃ لکونہا خبر ان فی السمٰوٰت الخ خبرہا۔ اٰیٰت بالرفع علی انہ مبتدا و فی خلقکم خبرہ وہی جملۃ مستانفۃ۔ ویقرأ بکسر التاء ایضا علی ان مضمرۃ حذفت لدلالۃ ان الاولی علیہا ولیست معطوفۃ علی آیات الاولیٰ لما فیہ من العطف علی عاملین واختلاف اللیل بالجر معطوفا علی المجرور بفی و آیات توکید و اجاز قوم ان یکون ذلک من باب العطف علی عاملین و ما مجرور محلا للعطف علی اختلاف وکذا تصریف الریح۔

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بھی انہیں تین مسائل سے بحث ہے نبوت توحید معاد اس سے پہلے دخان میں اول مسئلہ نبوت میں کلام تھا یہاں بھی افتتاحِ سورت میں اسی مسئلہ میں ایک عجب لطف کے ساتھ کلام کیا ہے۔ وہ یہ کہ حٰم میں کسی خاص[۵] بات کی طرف اشارہ کر کے یا اپنی ذات و صفات وحمیت کی قسم کھا کر یہ بتاتا ہے کہ یہ کتاب اللہ زبردست کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو بڑا حکیم ہے اور یہ بھی اس کی حکمت کا مقتضیٰ تھا کہ بندوں کو بحرِ ضلالت سے نجات دے۔ اس کے بعد مسئلہ توحید و اثباتِ باری میں کلام کرتا ہے۔

فقال ان فی السمٰوٰت الخ یہ (۱) آئینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنا جمال دکھاتا ہے مگر کئی طرح سے اس لیے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اس کے وجود و توحید کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ آیات فرمایا کیوں کہ ان کی مقدار اور حرکات والوانِ مختلفہ انوار کی کمی زیادتی ہر ایک بات ایک نشانی ہے۔ اول اس لیے کہ یہ اجسام حوادث سے خالی نہیں اور جو حوادث سے خالی نہیں وہ حادث ہے پس یہ تمام اجسام حادث ہیں اور ہر حادث کے لیے ایک محدث ضرور ہے۔

---

[۵] اور حی و قیوم کی طرف بھی اشارہ ہے ح سے حی م سے قیوم کی طرف ۱۲

[۵] ح سے اس کی حقانیت مراد ہے یعنی عالم وجود میں جو کچھ اس کے سوا ہے عدم کے ڈنگ ہیں اور بطلان کی رسیوں میں ڈنگا اور بندھا ہوا ہے مگر وہی حق و ثابت ہے اور م سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عالم اور اس کی سب چیزیں اس کے مظاہر اور اس کے جمال کے آئینے ہیں پھر جو اس کا یا اس کی توحید کا انکار کرتا ہے ان آیتوں میں غور سے نہیں دیکھتا پھر ان فی السمٰوٰت سے لے کر یعقلون تک کئی آئینے پیش کر کے اپنی ذات بابرکات کو مختلف جلووں میں دکھایا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ح اس کی حیات کی طرف اور م سے محمدؐ کی طرف اشارہ ہو کہ ہماری حیات کی قسم محمدؐ کو ہم نے بھیجا ہے یا ہماری حیات کا بڑا روشن آئینہ محمدؐ ہیں جس نے ایک عالم کو اللہ دکھا دیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

دوم یہ کہ یہ اجسام اجزاء سے مرکب ہیں اور یہ اجزاء باہم متماثل ہیں پھر ایک جزء کو ایک جگہ میں اور ایک خاص بات میں کون خاص کرنے والا ہے وہی اللہ ہے نہ کہ طبیعت اجسام کیوں کہ اس میں پھر یہی کلام ہوگا۔

سوم یہ افلاک وستارے وزمین اگر از خود ہیں تو یا ہمیشہ سے ہیں یعنی قدیم یا حادث ہیں۔ قدیم تو ہیں نہیں۔ کیونکہ قدیم تغیرات سے پاک ہوتا ہے اور ان میں تغیرات ضرور ہوتے ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کی لاکھوں برس کی عمر ہو اس لیے پہلے لوگوں نے ان کو قدیم سمجھ لیا ہو۔ پس حادث ہیں کس لیے کہ باوجود اشتراک جسمانیت کے پھر مختلف الالوان والحرکات والابعاد ہونا حدوث کی دلیل اور کسی قادر مختار کے لیے برہان ہے اس کے بعد اور چند نشانیاں ذکر کرتا ہے۔

(۲) آدمیوں کا پیدا ہونا۔

(۳) زمین پر مختلف قسم کے جانوروں کا پایا جانا

(۴) رات دن کا بدلنا۔

(۵) اوپر سے پانی برسانا پھر اس سے مختلف نباتات پیدا کرنا۔

(۶) ہواؤں کا بدلنا۔ یہ سب نشانیاں ہیں نہ اندھوں کے لیے بلکہ آنکھوں والوں کے لیے جن کو اہل ایمان واہل یقین کہتے ہیں۔

دلائل یقینیہ بیان فرماکر ارشاد فرماتا ہے تلک ایٰت اللہ نتلوھا علیک بالحق یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو اے محمدؐ آپ کو بہت اچھی طرح سے سنائی جاتی ہیں یہاں سے پھر مسئلہ نبوت کی طرف رجوع کیا دلائل وجود و توحید باری بیان فرماکر۔ اور مناسبت یہ ہے کہ جس کتاب میں اس کیفیت کے ساتھ توحید و جود باری کے ایسے دلائل ہوں وہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے قرآن مجید اور جس پر وہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ خدا کا رسول برحق ہے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فبای حدیث بعد اللہ وایٰتہ یؤمنون پھر کس بات پر ایمان لاویں گے جب کہ اللہ یعنی اس کے کلام پر ایمان نہ لائے۔

پھر آگے ان کے انکار کی کیفیت اور اس کی سزا جو دار آخرت میں ہوگی بیان فرماتا ہے اس مناسبت سے مسئلہ معاد کا بھی بڑے عمدہ محل پر ذکر ہو گیا یہی وہ بلاغت ہے جو حد اعجاز کو پہنچ گئی۔ فرماتا ہے ویل لکل افاک اثیم الخ یہاں سے منکروں کی اقسام کا ذکر کرتا ہے اور انکار پر برانگیختہ کرنے والی خباثت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ قسم اول سن کر کانوں میں مار جانے والے گویا سنا ہی نہیں تکبر کی راہ سے اس کی کچھ پرواہی نہ کی۔ اور اس کا محرک اور مادہ کیا ہے افک اثم جو افاک واثیم سے سمجھا گیا۔ افک جھوٹ بولنا افاک بڑا جھوٹا۔ اثم گناہ اثیم بڑا گناہ گار بے شک جس میں یہ بدخصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے حق قبول کرنے کا مادہ نہیں رہتا۔ یہ قریش کے بعض سرداروں کی عادت تھی جن کی طرف ان لفظوں میں اشارہ ہے۔ اول اس کے لیے صرف لفظ ویل فرمایا تھا یعنی خرابی ہو اس کی۔ یا ویل جہنم کی ایک جگہ ہے کہ یہ جگہ اس کی ہے اس کے بعد اس کے جرم کی کافی سزا بیان فرماتا ہے۔

فبشرہ بعذاب الیم کہ اس کو عذاب الیم کا مژدہ سنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالم باطن میں یہ دونوں حرف کسی حقیقت کا مرکز ہوں جو ہدایت میں اثر رکھتی ہوں یہاں ان سے ان کو یاد کیا ہو جیسا کہ حفظ وحمایت کہ ہم محمدؐ اور اس کے دین کی حفاظت کریں گے۔ ح سے حفظ م سے حمایت اور م کے درمیان لانے سے درمیانی زمانہ میں حمایت کی حاجت یا زور مراد ہو ۱۲ منہ

اس کے بعد دوسری قسم کے انکار کا ذکر کرتا ہے واذا علم من آیتنا الخ کہ اس کو جب ہماری کوئی آیت معلوم ہوتی ہے تو انکار ہی نہیں بلکہ اس پر تمسخر اور ٹھٹھا بھی کرتا ہے اس کو ذلیل کرنے کے لیے یہ پہلے سے بھی بڑھ کر جرم ہے اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ بیان کرتا ہے کہ اس کے لیے ذلت دینے والا عذاب ہے اور ان کے آگے جہنم ہے اور ان کی کمائی اور ان کے معبودان کے وہاں کچھ کام نہ آئیں گے۔

اس بحث کو تمام کر کے پھر اصل بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ ھذا ھدی کہ یہ قرآن مجید جس کا انکار اور جس پر ٹھٹھا کرتے ہیں ہدایت ہے پھر جو ہدایت کا انکار کرے اس کو سخت عذاب ہے من رجز و الرجز اشد العذاب بدلیل قولہ تعالیٰ ولئن کشفت عنا الرجز

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ
اللہ وہ ہے کہ جس نے دریا کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے
الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ
حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے روزی
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ
تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو اور
سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
اس نے آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو اپنے کرم سے
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
تمہارے کام پر لگا دیا ہے البتہ اس میں فکر کرنے
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ
والوں کی (بڑی) نشانیاں ہیں اے رسول ایمانداروں

لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا
سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کے وقائع کی پروا
یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا
نہیں کرتے ان کو معاف کریں ان لوگوں کو جو کچھ کیا کرتے تھے
كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ
اس کا آپ بدلہ دے گا جو کوئی نیک کام
صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ؗ
کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے اور جو کوئی برائی کرتا ہے تو اپنے سر کو وبال لیتا ہے
ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾
پھر تم کو تو لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے

ترکیب

جمیعاً حال من ما فی السموٰت الخ او تاکید لہ و منہ متعلق بمحذوف ای کائنا منہ او بسخر او حال من ما فی السموٰت او خبر لمبتدء محذوف لیجزی اللام متعلقہ بیغفروا وقری لنجزی بالنون۔

تفسیر

پھر مسئلہ توحید پر دلائل بیان کرتا ہے اور عرب کے روزمرہ کی بات میں اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے تاکہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاویں۔

دریا کا مسخر ہونا

فقال اللہ الذی سخر لکم البحر کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے دریا کو بس میں کر دیا کہ اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور روزی تلاش کرتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے دریا میں کہ سوائے پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا ہے ہواؤں کے ذریعہ سے لاکھوں من

بوجھ لے کر پانی عمیق پر سے گزرتے ہیں اور ہوا بھی وہ شے ہے کہ اگر مخالف ہو جاوے تو یہی ہلاک کرنے کو بس ہے۔ اب وہ کون ہے کہ جس کے بس میں کرۂ ماء اور کرۂ ہوا ہے؟۔

ہر چیز کا مسخر ہونا

وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ اس پر کیا موقوف ہے جس قدر چیزیں آسمان و زمین میں ہیں آفتاب ستارے بارش آندھی حجر شجر حیوانات سب تمہارے بس میں کر دیے اور کام پر لگا رکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب چیزوں سے تم کو فوائد حاصل ہیں اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں فکر کرنے والوں کو اگر صرف ایک روٹی بہم پہنچنے کے سامانوں کو غور کیا جاوے تو بے ساختہ بول اٹھے کہ یہ سب کاریگری اسی قادر مختار کی ہے۔ ان دلائل سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہونا اور محسن و مربی ہونا کمال درجہ پر ثابت ہو گیا اور اس کا حلم بھی ظاہر ہوا کہ بندوں کی سرکشیاں دیکھتا ہے اور ایسا قادر ہے مگر پھر بھی درگزر کرتا ہے۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ قل للذین امنوا الخ ایمان داروں سے کہہ دے وہ بھی حلم و مغفرت کی عادت سیکھیں اور ان لوگوں سے جو اللہ کے وقائع کے قائل نہیں اور اس کے مصائب سے نہیں ڈرتے جو اعداء دین پر نازل ہوئی تھیں ان سب کو وہ جھوٹ جانتے ہیں اور ایمان داروں سے سختی سے پیش آتے ہیں سخت کلامی بدگوئی بدمزاجی بدمعاملگی دست درازی مؤمنوں پر کرتے ہیں درگزر کریں انتقام کے درپے نہ ہوا کریں۔ کفار مکہ مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے مسلمان بھی انہیں کے ملک اور انہیں کی قوم کے لوگ تھے غصہ آتا تھا کہ ان سے لڑ مریں ماریں مرجاویں مگر صبر کرنے کا حکم ہوا۔ یہ مسئلہ جہاد کے مخالف نہیں ہے کس لیے کہ جہاد تنہا اپنے دشمن سے بدلہ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مجموعی طاقتِ اسلامیہ کا فعل ہے جو اس کے موقع پر بضرورت عمل میں لائی جاتی ہے۔

لیجزی معاف کریں تاکہ اللہ خود اس قوم کفار کو ان کے اعمال کا بدلہ دے۔ اگر تم نے آپ بدلہ لے لیا تو پھر خدا نہیں لے گا تم صبر کرو تمہاری طرف سے وہ بدلہ لے گا۔ قوماً سے بعض مفسرین کے نزدیک مسلمان مراد ہیں تب یہ معنی ہوئے اے ایمان دارو معاف کیا کرو تاکہ اللہ ایک قوم یعنی ایمان داروں کو ان کے اعمالِ نیک کا بدلہ دے من جملہ ان کے اعمالِ حسنہ کے یہ معاف کرنا ہے۔ اور معاف کرنا اس لیے چاہیے کہ من عمل صالحاً فلنفسہ الخ جو کوئی نیک کام کرے گا اس کا آپ عمدہ پھل پاوے گا۔ اور جو کوئی بدی کرتا ہے اپنے سر پر بوجھ دھرتا ہے پھر تم کیوں ان کی بدی سے ڈرتے ہو اور کس لیے ان سے الجھتے ہو جہاں نیک بات کہنے اور بدی سے منع کرنے میں فتنہ و فساد ہو وہاں سکوت کرنا اولیٰ ہے جیسا کہ یہ آیت اس طرف ایماء کر رہی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ

اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

حکومت اور نبوت دی تھی اور پاکیزہ چیزوں سے روزی

الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ⑯ وَ

بھی دی تھی۔ اور ان کو دنیا پر بزرگی بھی دی تھی اور

اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا

ان کو دین کے کھلے (کھلے) احکام بھی دیے پھر انہوں

اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

نے اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد

الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ

صرف آپ کی ضد سے   بے شک آپ کا رب ان میں

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا جس چیز میں کہ وہ باہم

يَخْتَلِفُوْنَ ۱۷ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي

اختلاف کیا کرتے تھے   پھر تجھ کو دین کے رستہ پر

شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ

قائم کیا   پھر آپ اسی پر چلیے اور نادانوں کی

اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۸ اِنَّهُمْ

خواہشوں پر نہ چلیے کیونکہ وہ

لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنَّ

اللہ کے سامنے آپ کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور

الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَ

ظالم آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوا کرتے ہیں اور

اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۱۹ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ

اللہ تو پرہیزگاروں کا رفیق ہے   یہ لوگوں کے لیے

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

بصیرت اور ہدایت ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے

يُّوْقِنُوْنَ ۲۰ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ

رحمت   کیا گناہ کرنے والوں نے

اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ

یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم ان کو

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

ایمان داروں نیک کام کرنے والوں کے برابر کر دیں گے

سَوَاۗءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَاۗءَ

ان کا جینا اور مرنا برابر ہے   وہ

مَا يَحْكُمُوْنَ ۲۱

بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں

ترکیب

ام منقطعة بمعنی بل مع الانکار- قبل الانتقال من البیان الاول الی الثانی والهمزة لانکار الحسبان- والاجتراح الاکتساب ومنه الجوارح ان نجعلهم الجملة بتاویل المصدر مفعول لحسب کالذین مفعول ثان لنجعل سواءً بالنصب هو حال من الضمیر المستتر فی قوله کالذین آمنوا او انه مفعول ثان لحسب وقرء بالرفع فمحیاهم مبتدا و مماتهم معطوف علیه وسواء خبر مقدم- وقیل رفع محیاهم ومماتهم بسواء لانه بمعنی مستو-

تفسیر

پہلے فرمایا تھا اللہ الذی سخر کہ اللہ نے تم پر یہ احسانات کیے اس کے بعد دینی احسانات کا تذکرہ کرتا ہے اور سب سے اول بنی اسرائیل کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو کتاب توریت دی تھی یا عام ہے اور کتب انبیاء بھی مراد ہوں اور حکومت بھی اس کے نافذ کرنے کے لیے عطا کی تھی اور نبوت کا سلسلہ بھی ان میں قائم کیا کہ یکے بعد دیگر بہت سے نبی ان میں پیدا ہوئے اور دنیا کی بھی ان کو فراخ دستی عطا کی اور فضلنٰهم علی العٰلمین ان کو اس عہد کے سب لوگوں پر عزت و بزرگی بھی دی تھی- اور بینات امر بھی عطا کیے تھے یعنی معجزات و کرامات اکثر لوگ ان میں ایسے ہوتے تھے کہ مستجاب الدعوات تھے اور ان کی بزرگی و خدا پرستی کی دلیلیں ان کے کشف و کرامات ہوتے تھے-

بعض کہتے ہیں اس سے مراد حلال و حرام طہارت و نجاست کے صاف صاف احکام و دستورات ہیں-

بعض کہتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے
کی خبریں۔ یہ بھی بنی اسرائیل کے علماء کو دی گئی تھیں جن سے
ان کو آں حضرتؐ کے مبعوث ہونے کا انتظار تھا۔ خیر یہ
سب کچھ تو دیا مگر پھر بنی اسرائیل کی ناشکری دیکھیے۔
فما اختلفوا الا من بعد ما جاءھم العلم جان بوجھ کر
آپس میں اختلاف ڈال دیا بہت سے فرقے بن گئے سلطنت
کے بھی کئی ٹکڑے ہوگئے اور یہ کیوں کیا بغیا بینھم محض
باہمی سرکشی و عداوت سے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام
نعمتیں ان سے چھینی گئیں اور ان کے جرم کی سزا اور اختلافی امور کا
فیصلہ آخرت میں ہوگا اور یہ نعمت اے محمد صلی اللہ علیک وسلم
تجھے عطا ہوئی کما قال ثم جعلنٰک علٰی شریعۃ من الامر کہ جب
ان میں اختلاف پڑا اور وہ دینی نعمت ان کے ہاتھ سے
جاتی رہی اور دنیا ظلمات و جہالت سے بھر گئی تو اس محسن
قدیم نے اے محمدؐ تجھے مبعوث کیا اور تجھ کو شریعت دی گئی
سوائے کفار و مشرکین اے اہل کتاب آں حضرتؐ کی نبوت
کوئی نئی بات نہیں پھر کیوں تعجب کرتے ہو۔

پھر آں حضرتؐ کو حکم دیتا ہے فاتبعھا آپ اس شریعت
کا اتباع کیجیے ان نادانوں کی خواہشوں کو نہ دیکھیے۔ جو کچھ
کچھ یہ کہتے ہیں وہ تیرے کچھ کام نہ آویں گے اللہ کے مقابلے میں،
ہاں یوں یہ ستمگار آپس میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار
ہیں ہوا کریں، اللہ پرہیزگاروں کا رفیق و مددگار ہے۔ یہ قرآن
ایمان والوں کے لیے بینائی و ہدایت و رحمت ہے سبحان
اللہ! مسئلہ نبوت کو کس عمدہ اسلوب سے ثابت کیا اور
کس موقعہ پر کلام کو تمام کیا۔

اس کے بعد بدی کر کے اس پہ دلیری کرنے والوں کو
تنبیہ کرتا ہے ام حسب الخ کہ کیا بدی کرنے والے یہ سمجھے
ہوئے ہیں کہ ہم ان کو دنیا و دین میں نیکوں کے برابر کر دیں گے
کہتے ہیں صاحب جب یہ بخشے جاویں گے تو ہم کیا جنت
سے پیچھے رہ جاویں گے۔ یہ ہرگز نہ ہوگا سواء محیاھم و
مماتھم کیا ان کی اور اون کی حیات و موت برابر ہے؟ نہیں
نیکوں کی حیات بھی عمدہ موت بھی بہتر۔ بدوں کی دونوں خراب۔
ابن عباسؓ۔

یا یہ معنی کہ گو زندگی میں تو ایمان داروں کے برابر ہیں رزق
میں تندرستی میں پھر کیا موت میں بھی برابر ہو جاویں گے۔
موت و حیات دونوں میں برابر ہوں گے؟ نہیں۔ یا یہ کہو
کہ بدوں کی موت و حیات دونوں یکساں ہیں نہ اس جہان
میں خیر نہ وہاں خیر۔ اور مؤمنوں کی دونوں برابر ہیں یہاں بھی
خیر وہاں بھی خیر۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ
اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو درستی سے بنایا
وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ
اور تاکہ ہر ایک شخص کو اس کے کیے کا بدلہ ملے اور
هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ
ان پر ظلم نہ ہوگا بھلا تو نے اس کو بھی دیکھا کہ جو
اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ
اپنی خواہش کا بندہ بن گیا اور اللہ نے باوجود سمجھ کے اس کو
عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ
گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی
وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ
اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا پھر اللہ
يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾
کے بعد اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے
وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ
اور کہتے ہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے ہم مرتے ہیں
وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ
اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ہلاک کرتا ہے

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ
حالانکہ ان کو اس کی کچھ بھی حقیقت معلوم نہیں محض اٹکلیں
إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
دوڑاتے ہیں اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی
آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ
آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ
قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾
کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو
قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ
کہہ دو اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر
يَجْمَعُكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ
وہی تم سب کو قیامت میں جمع کرے گا جس میں کچھ بھی
فِيهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
شبہ نہیں لیکن اکثر آدمی
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾
جانتے ہی نہیں۔

تفسیر

جب کہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ کافر و مومن درجاتِ سعادت میں برابر نہیں تو اس کے اب دلائل بیان فرماتا ہے۔

(۱) وخلق اللہ الخ یہ دلیلِ اول ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق بنایا اگر نیک و بد برابر ہو جاویں تو یہ نظامِ عالم درہم برہم ہو جاوے۔

(۲) ولتجزی کل نفس الخ اس کا عطف بالحق پر ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق ظاہر کرنے کے لیے اور اس لیے بنایا ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے ظلم نہ ہو یعنی مقصود اس عالم کے پیدا کرنے سے عدل و رحمت کا ظاہر کرنا ہے اور یہ جب ہی پورا ہوگا کہ قیامت برپا ہو اور وہاں نیک و بد کا پورا انصاف ہو کر پوری جزا و سزا دی جاوے۔

(۳) افرأیت من اتخذ الٰہہ ھواہ یہاں کلام کا دوسرا طرز پلٹ دیا اور استفہام انکاری کے طور سے پوچھتا ہے کہ اے محمد یا اے مخاطب تو نے اس کو بھی دیکھا کہ جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو معبود بنا رکھا ہے خواہش کے بندے ہیں جو وہ حکم دیتی ہے اسی کے بجا لانے پر کمربستہ ہیں یعنی بد اور نیک کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ بد نے خواہشِ نفسانی کے آگے سر جھکا رکھا ہے۔ نیک و مومن نے اپنے اللہ کے آگے

(۴) واضلہ اللہ علی علم اس کا عطف اتخذ پر ہے کہ اس کو بھی دیکھا کہ جس کو اللہ نے علم سے گمراہ کر دیا۔ یعنی بد جو ہے تو ازلی گمراہ ہے علی علم یعنی اللہ جانتا تھا کہ اس کی روح صلاحیت قبول نہیں کر سکتی۔ واضح ہو کہ ارواحِ
ع ۵ ۱۹ بشریہ مختلف ہیں بعض نورانی علوی ہیں اور بعض مکدر ظلمانی سفلی ہیں جن کو لذائذ جسمانیہ و شہوات نفسانیہ کی طرف بڑا سخت میلان ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ویسا ہی کرتا ہے جو اس کی ماہیت و جوہر کے لائق ہے۔ پس علی علم کے یہ معنی ہوئے۔ اور اسی کی تائید ہے اس جملہ میں وختم علی سمعہ الخ کہ اللہ نے اس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ یہ اس کے پردے ہیولانی و حجاباتِ ظلمانی ہیں پھر اس کو حق کیونکر دکھلائی دے کیونکر سنائی دے، کیونکر دل میں جمے ایسے کو کون ہدایت کر سکتا ہے اللہ کے بعد یعنی اس کے گمراہ کرنے کے بعد۔ مطلب یہ کہ کافر و بدکار کی ذات و اصالت میں قصور ہے۔ برخلاف مومن صالح کے کہ اس کی ذات یعنی جوہر روح میں نورانیت رکھی ہوئی ہے پھر دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ اس میں یہ بھی رمز ہے کہ یہ خدا کے گمراہ کردہ

ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت پر نہ آنا آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منقصت ثابت نہیں کرتا۔ علیٰ علم
کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجودیکہ اس کافر و بد کو سمجھ بوجھ
دی، نیک و بد میں امتیاز کرنے کا ملکہ دیا مگر اس نے سب کو
بے کار کر دیا۔

بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کے

(۵) وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا الخ یعنی مہر
کرنے کا یہ اثر ہوا کہ دار آخرت کو بھول گئے اسی پنج روزہ
زندگی پر پھول گئے کہ صرف یہی زندگی ہے یہی ایک مرنا
جینا ہے اور خدا کو بھی بھول گئے وما یھلکنا الا الدھر
اور کہہ دیا کہ ہم کو صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے خدا کوئی
نہیں۔ گردش ایام سے قویٰ بدنیہ تحلیل ہوتے ہوتے
اس مرتبہ ہو جاتے ہیں کہ ایک روز اس کا چراغ حیات
گل ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے یہ حمقا۔ دہر کو نہیں جانتے عقلی
گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ دراصل ان گردش ایام کا
مالک اللہ ہے۔ اسباب پر نظر ہے مسبب الاسباب پر
نہیں۔

(۶) واذا تتلی الخ اور یہاں تک ان پر خباثت غالب
آئی ہے کہ جب ان کو اللہ کی کھلی کھلی آئتیں سنائی جاتی
ہیں تو حشر کے بارے میں یہ حجت کرتے ہیں کہ ہمارے
مرے باپ دادا کو لے آؤ تو جانیں۔ فرماتا ہے قل اللہ
کہہ دے اللہ تم کو زندہ رکھتا ہے وہی موت دے گا پھر
وہی قیامت میں سب کو جمع کرے گا لیکن اکثر کو خبر نہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ
اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کو ہے اور جس
يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ
روز کہ قیامت برپا ہوگی اس روز جھٹلانے والے

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ
تباہ ہوں گے اور ہر فرقے کو گھٹنوں پر سر ڈالے
جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى
ہوئے دیکھے گا ہر ایک جماعت کو ان کے دفتر کی طرف
كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
بلایا جائے گا (کہیں گے) آج تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ
دیا جائے گا یہ ہمارا دفتر تم پر
عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ
سچ سچ بول رہا ہے کیونکہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اس کو ہم لکھ لیا کرتے تھے پھر جو ایمان
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ
لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے پس ان کو ان کا
رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہ ہے صریح
الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَ-
کامیابی اور وہ کہ جنہوں نے کفر کیا (ان کو کہا جائیگا)
اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ
کہ کیا تم کو ہماری آیتیں نہیں سنائی جایا کرتی تھیں پھر تم نے غرور کیا
وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا
اور تم نافرمان لوگ تھے اور جب کہ
قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ
کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں
لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا
کوئی شبہ نہیں تو تم کہہ دیا کرتے تھے ہم نہیں جانتے کیا چیز ہے

السَّاعَةُ إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ

قیامت ہم تو اس کو صرف خیالی بات جانتے ہیں اور ہم کو

بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ

یقین نہیں اور ان پر ان کے اعمال کی برائی

مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

ظاہر ہو جاوے گی اور ان پر وہ آفت آپڑے گی کہ جس

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾

سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

ترکیب

یوم ظرف والعامل فیہ یخسر یومئذ بدل منہ وقیل العامل الملک۔ ینطق منصوب محلا علی الحال او مرفوع علی انہ خبر آخر لہذا الساعۃ قرء بالرفع علی معنی وقیل الساعۃ لاریب فیہا وبالنصب عطفا علی وعد اللہ جواب اما محذوف تقدیرہ واما الذین کفروا فیقال لہم۔

تفسیر

کفار کے عقائدِ فاسدہ کے ذکر میں بیان ہوا تھا کہ وہ حشر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں اگر سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر دکھاؤ۔ اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ کہہ دیجیے اللہ مارتا اور زندہ کرتا ہے اور وہ حشر کے دن جمع کرے گا۔ اب امکانِ حشر اور اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال وللہ ملک السموٰت والارض الخ کہ اللہ کے قبضہ میں آسمان و زمین ہیں یعنی وہ اتنی بڑی چیزوں پر قادر ہے پھر انسان کو مرنے کے بعد زندہ کرنا اس کے نزدیک کیا مشکل ہے الغرض وہ قادرِ مطلق ہے۔ یہ امکانِ حشر کی دلیل تھی۔

ویوم تقوم الساعۃ الخ سے لے کر آخر تک اس کے واقع ہونے کا بیان ہے اور اس کے ضمن میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس روز کیا ہوگا؟ وہ یہ کہ اس روز مبطل یعنی حق کو جھوٹا کہنے والے اور جھوٹ سمجھنے والے یا اپنی سعادت کے حصہ کو باطل و غلط کرنے والے الغرض بد اور ناکارہ لوگ خسارہ پائیں گے عمر گراں مایہ لے کر جو دنیا میں جنس سعادت خریدنے آئے تھے اس کو بُری چیزوں کے خریدنے میں برباد کر دیا۔ اب مالک کے سامنے جو حساب ہوا تو معلوم ہوا کہ خسارے میں پڑے۔ اور اس دن ہر گروہ ادب سے تختِ رب العزت کے سامنے سرنگوں یا گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا۔ لیث کہتے ہیں الجثو الجلوس علی الرکب کما یجثی بین یدی الحاکم۔ مؤرج کہتے ہیں اس کے معنی زبانِ قریش میں خاضعۃ کے ہیں یعنی با ادب اور ہر ایک گروہ کو ان کے نامۂ اعمال دینے کو بلایا جاوے گا بعض کہتے ہیں کتاب منزل کی طرف بلائیں گے کہ مقابلہ کیا جاوے اس کے موافق عمل کیا تھا یا مخالف۔ مطلب یہ کہ حساب شروع ہوگا دفترِ الٰہی ہر بات سچ سچ کہہ دے گا کیونکہ جو تم اے بندو کرتے تھے اس کو ہم اس میں لکھ لیتے تھے یعنی وہ عالمِ مثال میں منقش ہو جاتا تھا یعنی اس کا چھاپا چھپ جاتا تھا سو وہ یہ دفتر ہے۔ پس نیک جنت میں آرام پاویں گے جو رحمتِ الٰہی ہے یعنی اس کی رحمت کا مظہر ہے۔ اس جملہ میں لفظ رحمت نے جنت کی حقیقت بھی بیان کر دی کہ وہ مظہرِ رحمت ہے دنیاوی باغ نہیں۔ اور جو بد ہوں گے یعنی کافر ان سے کہا جاوے گا کیا تم کو آیاتِ الٰہی نہیں سنائی جایا کرتی تھیں مگر تم نے سرکشی کی اور تم بڑے مجرم تھے۔ اور جب ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت بلاشک آوے گی تو تم اے کافرو یہی کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم کو یقین نہیں۔ ہاں ایک وہم سا ہے۔ کفار کے اس بارے میں دو فریق تھے بعض تو صریح انکار کرتے تھے جن کا پہلی آیتوں میں ذکر ہوا بقولہ وقالوا ماھی الاحیاتنا الدنیا اور بعض کو شک و تردد تھا جن کا اس جگہ ذکر ہے۔ اس کے بعد ان کا

انجام بتلاتا ہے۔

وبدا لھم سیات کہ ان کے اعمال بد کی برائی ان کے سامنے ظاہر ہوکر آوے گی عذاب کی شکل میں اور جس سے وہ دنیا میں تمسخر کیا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا یعنی عذاب۔

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ

اور کہا جائے گا آج کے دن ہم تم کو فراموش کریں گے جیسا کہ تم نے اپنے

لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ

آج کے دن کے ملنے کو فراموش کر دیا تھا اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے

وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٤﴾ ذَٰلِكُم

اور تمہارا کوئی بھی مدد کرنے والا نہیں یہ اس لیے کہ

بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا

تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی میں اڑایا تھا

وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ

اور تم کو دھوکے میں ڈال دیا تھا دنیا کی زندگی نے پھر آج

لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾

نہ وہ یہاں سے نکل سکیں گے اور نہ ان کا عذر قبول ہوگا

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ

پس اللہ ہی کو سب خوبی ہے جو آسمانوں اور

الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ

زمین کا رب جہان کا رب ہے اور اسی کی

الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

عزت ہے بیچ آسمانوں اور زمین میں

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿ع﴾ ع ۴ (۱۱)

اور وہی زبردست حکمت والا ہے

ترکیب

اضاف اللقاء الی الیوم توسعا لانہ اضاف الی اسمٖ ماہو واقع فیہ کمکر اللیل کما قدمر اعرابہ فی اکثر المواضع و ماوٰکم الجملۃ معطوفۃ علی الیوم وکذا ولاہم یستعتبون ای لایطلب منہم العتبیٰ وہو الرجوع الی طاعۃ اللہ۔

تفسیر

یہ تتمہ ہے بیان سابق کا کہ ان کے اعمال کی برائی جو ان پر پڑے گی من جملہ اس کے ایک یہ بات ہوگی کہ جہنم میں ڈال کر ان سے یہ عتاب آمیز کلام کیا جاوے گا جس سے ابدی مایوسی ٹپکتی ہے اور جو کچھ آس تھی وہ بھی ٹوٹ جاوے گی۔ تین جملے بیان ہوئے۔

اول الیوم ننسکم کہ آج ہم تم کو بھول جاویں گے یعنی بمنزلہ بھولے ہوئے کے کر دیں گے سخت بے پروائی کریں گے۔ جیسا کہ تم آج کے دن کے سامان اور اس کے پیش آنے سے غافل و بے خبر و بے پروا ہوگئے تھے نسیان سے وہ ذات مقدس پاک ہے ایسے الفاظ کا اس کی نسبت استعمال مجازاً ہے جیسا کہ متعدد مقامات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔

دوم وماوٰکم النار اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔

سوم ومالکم من نصرین تمہارا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا کہ تم کو اس بلا سے چھڑائے۔

اس کے بعد ان کے تین جرم بھی بیان ہوتے ہیں جن پر ان کو یہ سزا ملی۔ اول دین حق کا انکار اور پھر اس پر اصرار۔ دوم اس سے تمسخر اور ٹھٹھا کرنا۔ ان دونوں جرموں کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے ذلکم بانکم اتخذتم اٰیٰت اللہ ھزوا۔ سوم حب دنیا میں

ڈوب جانا اور آخرت سے مطلقاً غافل ہو جانا، اس جہانِ فانی کی زینت اور لذات پر ایسا مبتلا ہونا کہ انہیں کو باقی سمجھ لینا اور ان کے مقابلے میں دوسرے عالم کی پروا تو کیا اس سے منکر ہو جانا۔ یہ ہے دنیا کا دھوکا جس میں لاکھوں مبتلا ہیں۔ بوڑھے ہو گئے ہیں سفر درپیش ہے اور ایسا کہ پھر کر یہاں کبھی نہیں آنا مگر دنیاوی مال و جاہ اور اس کے فراہم کرنے میں ایسے بے ہوش ہیں کہ آگے کی کچھ بھی خبر نہیں رہی۔ کیا خوب کہا ہے کسی دانا نے ؎

بدنیا دل نہ بندد ہر کہ مرد است
کہ این دنیا سراپا رنج و درد است
برو بارے بگورستاں گذر کن
کہ ایں دنیا حریفاں را چہ کرد است

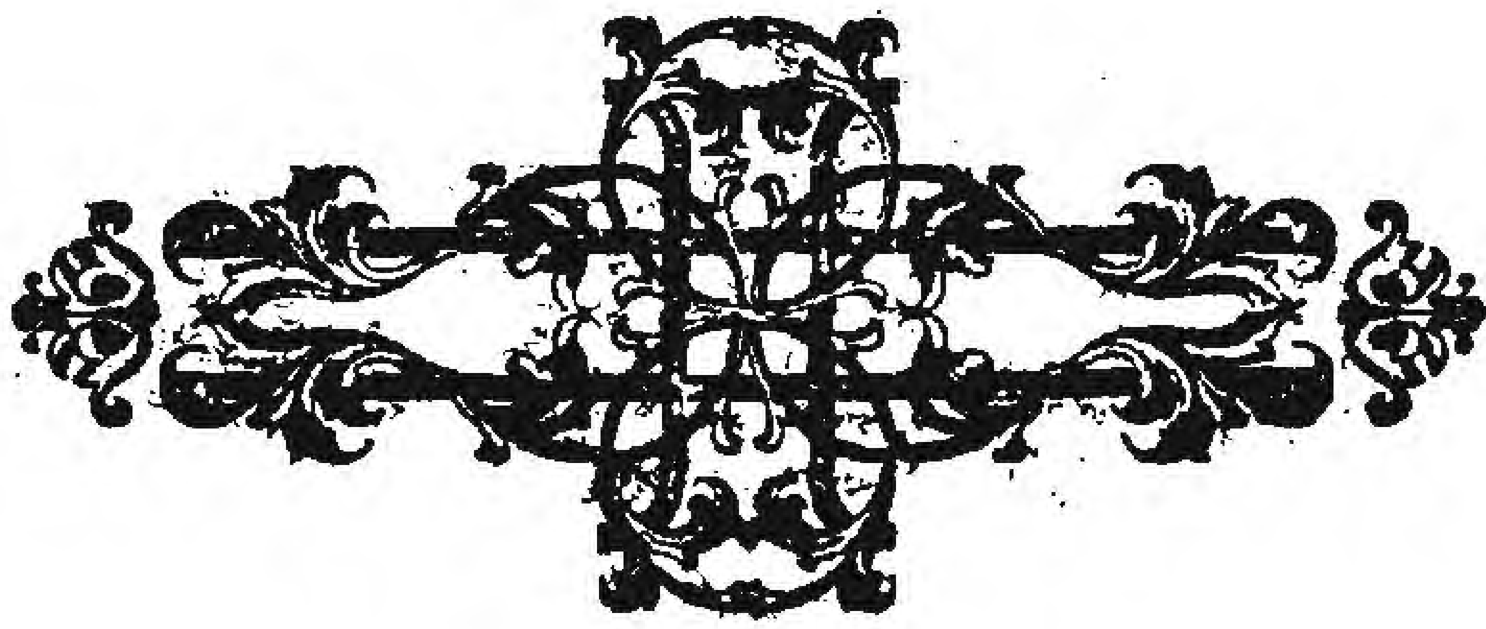
سو یہ بڑا جرم ہے اس کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وغرتکم الحیاۃ الدنیا کہ تم کو حیاتِ دنیا نے فریب میں ڈال رکھا تھا۔

ان کے بعد سزا کو تمام کرتا ہے فالیوم لا یخرجون منہا کہ آج اس جہنم سے چھٹکارا انہیں نہ کوئی عذر قبول ہوگا۔ ان مباحثِ روحانیہ کو ذکر کر کے سورت کو حمدِ باری پر تمام کرتا ہے۔

فقال فللّٰہ الحمد رب السمٰوٰت الخ کہ اللہ کو سب ستایش اور خوبیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب یعنی خالق اور پرورش کرنے والا ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے عزت اور بڑائی ہے اور وہ زبردست بھی ہے حکمت والا بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت ازار پھر جو کوئی میرے مقابلہ میں ان کا طالب ہوگا اس کو میں جہنم میں ڈال دوں گا۔ رواہ مسلم وابوداؤد وابن ماجہ۔ ؎

مر اورا رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

الحمد للہ کہ پچیسویں پارے کی تفسیر تمام ہوئی



تفسیرِ حقّانی

پارہ ۲۶

حٰمٓ

سُورۃ احقاف

مکیہ ہے اس کی پینتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ
(یہ) کتاب اللہ زبردست حکمت والے

اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝۲ مَا خَلَقۡنَا
کی طرف سے اتری ہے ہم نے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا
اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو درستی سے

بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ الَّذِیۡنَ
اور ایک وقت معین تک ہی بنایا ہے اور منکروں کو جس

کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ۝۳
چیز سے ڈرایا جاتا ہے ان سے منہ پھیر لیتے ہیں

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ
تو کہہ دو بھلا بتاؤ تو سہی جن کو کہ تم اللہ کے سوا پکارتے

اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ
ہو مجھے دکھاؤ کہ زمین میں انہوں نے کون سی چیز

الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ
پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے

اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ
میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ

اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④

یا کوئی علم پہلا آتا ہو وہ لاؤ اگر تم سچے ہو

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ

اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے کہ جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا

اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ

ہے کہ جو قیامت تک اس کے پکارنے کا جواب نہ

الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ⑤

دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے کی خبر بھی نہ ہو

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً

اور جب آدمی جمع کیے جاویں تو ان کے دشمن ہو جاویں

وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑥

اور ان کی عبادت کا انکار کریں

ترکیب

من قبل فی موضع جر ای بکتاب منزل من قبل ہذا۔ الا بالحق استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای الا خلقا متلبسا بالحق۔ واجل مسمی عطف علی الحق بتقدیر مضاف ای بتقدیر اجل مسمی او اثرۃ مجرور عطفا علی کتاب ومن فی موضع نصب بیدعوا وہی نکرۃ موصوفۃ او بمعنی الذی۔

تفسیر

احقاف ملک یمن میں ایک وادی ہے جہاں قوم عاد رہا کرتی تھی۔ یہ حقف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ریت کا ٹیلا۔ اس وادی میں ریت کے بہت ٹیلے ہیں۔ زیادہ تحقیق جغرافیہ عرب میں بیان ہوئی ہے۔ اس بڑے حادثہ کا ذکر اس سورت میں تھا اس لیے اس کو سورۂ احقاف کہنے لگے یہ سورت بھی باتفاقِ جمہور مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ سرکش قریش کو قوم عاد کی حالت بتا کر خوف دلانے کے لیے حٰم کے معنی بیان کر آئے ہیں۔ اس سورت میں بھی انہیں چاروں اصول علیہ سے بحث ہے مگر ہر جگہ نئے عنوان اور نئے پیرایہ سے اور اسی لیے یہ مضامین قرآن مجید میں مکرر واقع ہوئے کیوں کہ یہ باتیں بڑی ہیں ان کو مختلف عنوان سے بیان کرنا چاہیے تاکہ ناظرین کے ذہن نشین ہو جاوے۔ وہ چار اصول یہ ہیں۔

(۱) اثباتِ نبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے کہ جب تک صدقِ قائل ثابت نہ ہوگا اس کی بات دل میں جگہ نہ پاوے گی۔ آں حضرتؐ کی نبوت کا اثبات قرآن مجید کے آسمانی کتاب ہونے سے کیا تاکہ اس کتاب کی بھی وقعت ثابت ہو جاوے۔ اور درحقیقت قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی معجزہ یا سند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے نہیں ہو سکتی اس لیے سب سے اول اسی اصل کا ذکر کرتا ہے۔

فقال تنزیل الکتب من اللہ العزیز الحکیم کہ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ عزیز وحکیم کے لفظوں میں اس کی صداقت کے لیے دو گواہ عدل بٹھا رکھے ہیں اول عزیز جس سے شوکت وحکومت شاہانہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر بغور دیکھیے تو تمام قرآن مجید کا طرزِ کلام یہ گواہی دے گا کہ یہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ دوسرا گواہ حکیم کہ جو کچھ اس میں حکمتیں اور مصالح عباد ہیں وہ مشرق ومغرب شمال وجنوب کے طبائع مختلفہ کے لیے یکساں نافع ہیں۔ کلام کی شان کہہ دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے۔

(۲) اثباتِ صانع عالم۔ یعنی اس جہان کے بنانے والے کا ثبوت۔ اس جہان کی حالت ہی کو گواہ بنا کر اور اس کی صفات کاملہ کا ثبوت یہ بھی بڑا دقیق مسئلہ ہے۔ اس کو کن سہل لفظوں میں اور سہل طریقے سے بیان فرماتا ہے۔

ماخلقنا السموت الخ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کو بنایا ہے ہمیں ان سب کے خالق ہیں اور کوئی نہیں۔

اور اثبات کی دو دلیل ہیں۔ اول بالحق کہ اگر یہ بڑے بڑے کرّے اور ان کے اندر کی یہ چیزیں از خود ہوتیں تو ان میں یہ حق یعنی موزونیت نہ ہوتی اور باوجود گردش کے اب تک کئی بار ٹکرا گئے ہوتے۔

دوم اجل مسمی کہ یہ چیزیں ابدی نہیں بلکہ ان کی ایک عمر طبعی رکھی ہوئی ہے اس کے بعد یہ فنا ہو جاویں گے۔ یہ بات اطوار و اوضاع عالم میں نظر کرنے سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

(۳) توحید۔ بت پرستی کی قباحت۔ اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے قل ارءیتم الخ کہ اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں ان سے پوچھ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے کچھ نہیں۔ اب اگر کوئی دلیل نقلی رکھتے ہو، کسی نبی کی کتاب یا ان سے کوئی روایت ہو وہ بیان کرو۔ اثرة[له] کے یہ معنی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو ایسی بے کار چیز کو پکارے کہ جو حشر تک اس کی بات کا جواب نہ دے اور نہ سن سکے یعنی بت اور جو ارواح طیبات ملائکہ وغیرہ کو پکارتے ہیں تو وہ الٹے ان کے دشمن ہو جاویں گے اور انکار کریں گے کہ ہم کو نہیں پکارتے تھے بلکہ شیاطین کو۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ
اور جب کہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
منکر سچی بات کو جب کہ ان کے پاس آئی کہنے لگے

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
یہ تو کھلا جادو ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو از

افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ
خود بنا لیا ہے ان سے کہہ دو اگر یہ اس کو از خود بنالیا ہے تو تم اللہ کے

لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا
مقابلہ میں میرا کچھ بھلا نہیں کر سکتے وہ خوب جانتا ہے جن

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ
باتوں میں تم پڑتے ہو اس کی گواہی بس ہے میرے

وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞
اور تمہارے درمیان اور وہ غفور رحیم ہے

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ
تم کہہ دو میں کچھ انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور

مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ
مجھے کیا خبر کہ مجھ سے کیا کیا جاوے گا اور تم سے کیا

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا
میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میری طرف بھیجا جاتا ہے میں جو ہوں تو

اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
صفا صفا ڈر سنانے والا ہوں کہہ دو بناؤ تو سہی اگر

كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَ
یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوئی اور تم اس کے منکر ہو چکے اور

له ابو عبیدہ و زجاج کہتے ہیں اس کے معنی ہیں من علم اے بقیہ یعنی باقی بچی ہوئی چیز۔ اس کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے معنی بقیہ کے ہیں اثیرة اثارة بقیة۔ دوم اثرہ بمعنی روایت۔ سوم اثرہ بمعنی علامت ۱۲ منہ

شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي

بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایک ایسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان

مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

بھی لے آیا اور تم اکڑتے ہی رہے بے شک اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا

ع ۱۰ ۱

پہلی بات کا پھر اعادہ کرتا ہے یعنی مسئلہ "نبوت" کا کس لیے کہ عرب میں سیکڑوں برس سے کوئی نبی نہیں آیا تھا، بلکہ اس سے ان کے کان بھی آشنا نہ تھے۔ ہاں اہل کتاب سے کبھی کچھ انبیاء کا ذکر سنا کرتے تھے اس لیے ان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں بڑا شک و تردد تھا اور ہم کہہ چکے ہیں کہ باقی باتوں کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے طبائع عامہ کے نزدیک پس اس کے قوی کرنے کو پھر اس میں کلام کرتا ہے۔

فقال واذا تتلی علیھم الآیۃ ان جہال کا عجب حال ہے کہ جب ان کو ہماری آیتیں کھلی کھلی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہہ دیتے ہیں یہ تو صاف جادو ہے۔ عرب میں اپنی طاقت و قدرت سے بڑھ کر چیز کو سحر کہتے تھے چوں کہ قرآن مجید کی خوبیاں جو اہل زبان ہونے کے سبب ان کے اذہان میں آئیں اس کو اپنی طاقت و قدرت سے بڑھ کر سمجھ کر خدا کی طرف تو منسوب نہ کیا بلکہ جادو کہہ دیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور انکار و تعجب کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ام یقولون افتراہ الخ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ نے اس کو اپنی طبیعت سے بنا لیا ہے؟ کہہ دے اگر میں نے ایسا کیا ہے تو ضرور ایسے شخص پر ہلاکت نازل ہوتی ہے جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں مذکور ہے کہ جو کوئی نبی خدا کی طرف وہ بات منسوب کرے کہ جو اس نے نہیں کہی وہ قتل کیا جاوے گا۔ اور عقل بھی چاہتی ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو نظام ملی میں فرق آجائے۔ پس مجھ کو اللہ کے عذاب سے کون بچا سکے۔ یعنی اگر میں جھوٹا ہوتا تو سرسبز نہ ہوتا آسمانی بلا مجھ پر آتی پس معلوم ہوا کہ تمہیں جھوٹے ہو جھوٹی باتیں بناتے ہو وہ اللہ سے مخفی نہیں میرے تمہارے درمیان اس کی گواہی بس ہے۔

پھر ان کے تعجب کو دفع کرتا ہے فقال قل ما کنت بدعا من الرسل کہ ان سے کہہ دے میں کوئی نیا یا انوکھا رسول نہیں ہوں جو مجھ سے بار بار معجزات طلب کرتے ہو اور میرے حوائج بشریہ پر طعن کرتے ہو کہ رسول ہو کر کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں خرید و فروخت کو جاتا ہے۔ اس لیے اوصاف بشریت بیان کرتا ہے کہ کیسا ہی اولوالعزم نبی کیوں نہ ہو ان سے الگ نہیں ہو سکتا۔

فقال وما ادری ما یفعل بی ولا بکم آیت کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے مگر صاف معنی یہ ہیں کہ دنیا میں حوادث پیش آنے والوں کی بابت کہ کل میرے ساتھ کیا ہوگا بیماری تندرستی وغیر ذلک اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا مجھے کیا معلوم ہے؟ یہی مضمون ایک جگہ یوں آیا ہے وما تدری نفس ماذا تکسب غدا کہ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا؟ ان امور میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی قدر کے غیب داں تھے جس قدر کہ آپؐ کو بتلا یا گیا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ آں حضرتؐ کو اپنے اور کفار کے امور اخروی میں لاعلمی تھی بلکہ اپنے مطیعوں کا جنتی اور مخالفوں کا جہنمی ہونا معلوم تھا اور جس نے یہ معنی سمجھ کر اعتراض کیا ہے بڑی غلطی کی ہے۔

ان اتبع الا ما یوحی الی وما انا الا نذیر مبین. کہ میں وحی کا متبع اور ڈر سنانے والا ہوں خدا نہیں ہوں نہ فرشتہ ہوں اس کے بعد مسئلہ نبوت کو اور دوسرے

طرح سے بیان فرماتا ہے۔

قل ارءیتم ان کان من عند اللہ وکفرتم بہ وشھد شاھد من بنی اسرائیل الخ کہ قریش مکہ ذرا اس بات کو تو سوچو کہ اگر یہ من جانب اللہ ہوا ہے مگر اس طرح سے گفتگو علیٰ سبیل الزام ہوا کرتی ہے) اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس پر گواہی دی تو بتاؤ تمہارا کیا درجہ کیا ہوگا۔ کیونکہ اس کے باطل ہونے پر بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔

شھد شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مثلہ کے معنی میں علماء کے دو قول ہیں۔ جمہور کا یہ قول ہے کہ اس گواہ سے مراد کہ جس نے گواہی اس پر دی (کیونکہ مثل کا لفظ زائد ہے اس سے مراد وہی شئے ہے جب کہ کہتے ہیں مثلک لا تبخل مراد یہ کہ تم بخل نہیں کرتے) وہ عبداللہ بن سلام ہیں جو کتب سابقہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی دیکھ کر ایمان لائے۔ یہی حسن و مجاہد و قتادہ وعکرمہ وغیرہ کا قول ہے اور صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ جو سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔ اور ترمذی و ابن جریر و ابن مردویہ نے بھی عبداللہ ابن سلام سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس بھی یہی فرماتے ہیں۔ لیکن شعبی و مسروق[1] اور ایک جماعت کہتی ہے یہ کوئی اور شاہد ہے نہ کہ عبداللہ بن سلام کس لیے کہ یہ سورت مکیہ ہے اور عبداللہ ابن سلام ہجرت کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کل دو برس پیشتر ایمان لائے تھے۔ نزول سورت کے وقت انہوں نے شہادت نہیں دی تھی۔ اس لیے دو جواب دیے گئے ہیں۔ اول یہ کہ اس سورت میں صرف یہ آیت مدنیہ ہے۔ دوم یہ کہ گو تمام سورت مکیہ ہو تب بھی یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ کس لیے کہ شھد کا عطف کان پر ہے۔ جو کل جزء شرط میں داخل ہے۔ اس صورت میں ماضی بھی مستقبل کے معنی میں ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر یہ کتاب من جانب اللہ ہو اور کوئی بنی اسرائیل کا شاہد بھی اس کی شہادت دے اور حال یہ کہ تم انکار کر چکے پھر کہو تمہارا کیا درجہ ہو؟ پس گو اس وقت تک عبداللہ بن سلام نے شہادت نہ دی تھی مگر اس پیشین گوئی کے مطابق بعد میں ادا کی۔ صدق اللہ العظیم۔

جہاں تک میں خیال کرتا ہوں میرے نزدیک شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور تنوین تعظیم کے لیے ہے اور آپ نے توریت میں مثل ہونے کی شہادت دی ہے جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں ہے اور خداوند نے مجھے کہا۔ ۱۸۔ میں ان کے لیے (بنی اسرائیل کے لیے) ان کے بھائیوں میں سے بنی اسمٰعیل میں سے جو بنی اسرائیل کے بھائی اور ہم جدی ہیں تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" لکھی ہوئی کتاب اس کے پاس نہ آوے گی بلکہ الہام کے طور سے خدا اس کے دل پر نازل کرے گا بواسطہ جبرئیل اور اپنے منہ سے آپ اس کو ادا کریں گے چنانچہ خدا نے بنی اسمٰعیل میں سے موسیٰؑ کے مانند حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اے بنی اسمٰعیل موسیٰؑ تو آپ کی شہادت دیں اور تم انکار کرو۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ

اور منکروں نے ایمان والوں سے کہا اگر

كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ

یہ دین بہتر ہوتا تو یہ اس پر ہم سے پہلے دوڑ کر نہ جاتے اور جب

[1] مسروق کا بھی یہی قول ہے ۱۲ منہ

لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ

اُس کو نہ پایا تو کہہ دیں گے یہ تو

اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ

قدیم جھوٹ ہے اور اس سے آگے موسیٰ

مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ

کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب اس کو

مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ

سچا کہنے والی ہے عربی زبان میں تاکہ ستمگاروں کو

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

خبردار کر دے اور نیکوں کو خوشخبری دے

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

بے شک وہ کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر

اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

وہ اس پر قائم بھی رہے تو نہ ان کو کوئی خوف ہے اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ

وہ رنجیدہ ہوں گے یہ لوگ بہشت

الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا

والے ہیں اس میں سدا رہا کریں گے اس کے بدلہ میں جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

وہ کیا کرتے تھے

ترکیب

من جار قبلہ مجرور الجار مع مجرورہا خبر مقدم و کتٰب موسیٰ مبتدء موخر والجملۃ فی محل النصب علی الحال او مستانفۃ۔ اماماً و رحمۃ قال الزجاج انہما حالان وقال الاخفش منتصبان علی القطع وقال ابو عبیدۃ ای جعلناہ اماما و رحمۃ۔ لساناً عربیاً حال من الضمیر فی مصدق العائد الی کتاب اللہ و بشرٰی فی محل النصب عطف علی محل لینذر لانہ مفعول بہ کذا قال الزمخشری و قیل مرفوع ای ہو بشرٰی و قیل معطوف علی مصدق

تفسیر

قریش نے اس نالائقی پر یہ بھی کہہ دیا لو کان خیرا ما سبقونا الیہ[1] کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور اس میں کچھ بہتری ہوتی تو کیا ہم سے پہلے یہ غریب لوگ اس کو قبول کرتے بلکہ سب سے پہلے ہم مانتے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ دنیا میں کامیاب ہونا دینی فضائل کا حاصل کر لینا ہے مکہ میں سب سے پہلے غریب لوگ ایمان لائے تھے من جملہ ان کے حضرت عمرؓ کی ایک لونڈی بھی تھی۔ اس کو اس بات پر مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر وہ دین سے باز نہ آتی تھی اس بات پر کفار قریش تمسخر کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن حق ہوتا تو سب سے پہلے ہم قبول کرتے کیا فلاں لونڈی ہم سے پہل کر جاتی؟ (یہ ابن المنذر نے روایت کیا ہے)

اس کے جواب میں فرماتا ہے واذ لم یھتدوا بہ[1] یعنی جب ان کی سمجھ میں نہ آیا تو اس کو قدیمی جھوٹ بتا دیا۔ اور قدیم کا جھوٹ بتانا بھی ان کا غلط ہے کس لیے کہ قدیم سے موسیٰ کی کتاب یعنی توریت جو رہنما و رحمت تھی وہ تمہارے نزدیک بھی افک یعنی جھوٹ نہ تھی وھذا کتاب مصدق اور یہ کتاب یعنی قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے۔ توحید و اصول شرائع و قصص انبیاء و امم سابقہ میں ایک دوسرے کے موافق ہے پھر یہ کیوں کر جھوٹ ہوا ہاں یہ بات ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے تاکہ بدکاروں کو

[1] یعنی ہمیشہ سے لوگ ایسی باتیں بناتے آئے ہیں ۲ منہ

ان کے بدنتیجہ سے ڈرا دے اور نیکوں کو خوش خبری دے۔ اس کے بعد نیکی کے چند اصول بیان فرماتا ہے۔

فقال ان الذین قالوا ربنا اللہ کہ جس نے اللہ کی ربوبیت و توحید کا اقرار کیا اور پھر وہ اس پر قائم بھی رہا۔ اس ایک جملہ میں بہت سی باتیں آگئیں۔ پس ایسے لوگوں کے لیے نہ کچھ غم ہے نہ آیندہ رنج ہوگا یہ لوگ ہمیشہ جنت میں رہا کریں گے۔ یہ ہے وہ خوش خبری نیکوں کے لیے جن کے لیے قرآن آیا۔ سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ قرآن کا کتاب الٰہی ہونا بتایا اور اس کے ضمن میں اصول حسنات اور اس کے ثمرات بھی بیان کر دیے۔

اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ
میں فرماں برداروں میں سے ہوں یہ وہ لوگ ہیں
الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا
کہ جن کے عمدہ کام ہم قبول
عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ
کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں اہل
اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ
بہشت سے ہوں گے یہ اس سچے وعدہ کے مطابق
الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
جو ان سے کیا گیا تھا کہ وہ جنتیوں میں سے ہوں گے

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ۭ
اور ہم نے انسان کو تاکید سے حکم دیا کہ اپنے والدین سے نیکی کیا کرے
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ
اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا
وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓی
اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے یہاں تک کہ
اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ
جب جوان ہوا اور چالیس برس کو پہنچا
قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
تو کہنے لگا کہ اے رب مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں
الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَ
کہ جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور
اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ
یہ بھی کہ میں ایسے نیک کام کیا کروں جن سے تو خوش رہے اور میری اولاد کو
لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ
میرے لیے ٹھیک کر دے میں تیری طرف رجوع ہوا اور

ترکیب

احسانا، انتصابه علی المصدریة ای ان یحسن احسانا حتی غایة لعاش اشده جمع شدة عند سیبویه وقیل لا واحد له قال رب الخ جواب لاذا بلغ فی اصحٰب الجنة الجار والمجرور فی محل النصب علی الحال ای کائنا فی جملتهم وعد الصدق انتصابه علی المصدریة ای وعدهم اللہ وعد الصدق۔

تفسیر

اصول حسنات کا ذکر آگیا تھا اور اس کی ایک قسم یعنی حقوق اللہ کی بجاآوری بیان ہوچکی بقولہ ان الذین قالوا ربنا اللہ تو مناسب ہوا کہ اس کی دوسری قسم بھی بیان ہو یعنی حقوق العباد، تاکہ اس بیان کی تکمیل ہو جاوے۔ اس لیے حقوق العباد میں سے جو سب سے زیادہ مؤکد تھے ان کو ذکر کرتا ہے۔

فقال ووصینا الانسان الخ کہ ہم نے انسان کو

بتاکید حکم[1] دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔ نیکی کی تشریح نہیں کی بلکہ اس کو عرف پر چھوڑ دیا جو عرف میں نیکی سمجھی جاتی ہو کھانا کھلانا کپڑا پہنانا وغیرہ۔ پھر اس کی طبیعت کو مادرِ ضعیفہ کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ بالخصوص اس پر زیادہ رحم کیا کرے اور اس کا حق زیادہ ہے۔

مسئلہ رضاع

فقال حملتہ کرھًا الخ کہ اس کی ماں نے تکلیف سے اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا اور اڑھائی برس تک دودھ پلانے اور حمل میں رکھنے میں ایک ساتھ محنت کی۔ دو برس دودھ پلانے کے حولین کاملین اور چھ مہینے کم سے کم حمل کے۔ اس سے حمل کی اقل مدت چھ مہینے ثابت ہوئی۔ یہ امام شافعی و امام ابو یوسف و محمد کا قول[2] ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں اس آیت میں حمل و فصال سے مراد گود میں اٹھانا اور اتارنا ہے۔ قیاس سے ثابت ہوا کہ مدتِ رضاعت اڑھائی برس ہیں۔ اور اگر حمل و فصال کے وہی معنی مراد لیے جاویں تو ثلثون شھرا دونوں کی خبر ہے پس ثابت ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ مدت حمل اور دودھ پلانے کی اڑھائی برس ہے اور حولین کاملین اس کے منافی نہیں۔ کس لیے کہ حولین کاملین اس صورت میں ہیں جہاں باپ کو دودھ پلانے کی اجرت دینی پڑتی ہے اور اسی کی تعیین کے لیے حولین کاملین آیا کہ کب تک باپ سے اجرت لے کر دودھ پلایا جاوے نہ یہ کہ اصل مدت یہی ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ رضاعت میں اڑھائی برس کے زمانہ کا لحاظ کیا جائے یعنی اڑھائی برس تک جو بچہ کسی کا دودھ پیوے گا رضاعت ثابت ہوگی۔

حتی اذا بلغ اشدہٗ یہاں تک کہ جب جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کی عمر آئی قوتِ بہیمیہ کا زور ٹوٹا تب اس نیک اور پاک روح کو اپنا اصلی وطن عالمِ قدس یاد آیا اور وہاں کے توشہ کی فکر ہوئی تو خدا سے دعا کرنے لگتا ہے رب اوزعنی ان اشکر الخ کہ اے اللہ مجھے اپنی ان نعمتوں کی شکرگزاری کی توفیق عطا کر جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی تھیں اور مجھے اپنے پسندیدہ نیک کاموں کی بھی توفیق دے اور میری نسل میں صلاحیت عطا کر کہ تیری عبادت کریں اور مجھے بھی آرام دیں اور یادگار خیر پیچھے رہے۔ یہ تین باتوں کی دعا تھی اور یوں کہ سعادت کے تین مرتبے ہیں سب سے بڑھ کر سعادتِ نفسانیہ دوم بدنیہ سوم خارجیہ۔ اس لیے سب سے اول شکر کی درخواست کی جو دل سے متعلق ہے اور سعادت نفسانیہ ہے اس کے بعد عملِ صالح کی جو سعادت بدنیہ ہے۔ پھر اولاد کی نیک بختی کی جو سعادتِ خارجیہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شکر قلب کا فعل ہے اس لیے اعلیٰ درجے کی عبادت ہے اس کو اول میں لائے اس کے بعد اور اعمال صالحہ کو

[1] وصیت وقت اخیر کے حکم کا نام ہے چونکہ وہ بڑی مؤکد ہوتی ہے اس لیے ہر مؤکد بات کو بلفظ وصینا کہنے لگے ۱۲ منہ

[2] مگر حمل میں زیادہ سے زیادہ مدت حضرت عائشہؓ کے قول بموجب صرف دو برس ہوں گے۔ میں کہتا ہوں زیادہ مدت حمل کی دو برس میں منحصر کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا کس لیے کہ جب لڑکا پیدا ہوگا اسی وقت سے اس کے احکام جاری ہوں گے، خواہ دو ہو دیں یا کم۔ ہاں کم مدت کا اندازہ کرنا چاہیے تاکہ صحیح النسب اور ولد الزنا میں فرق کیا جاوے۔ اسی طرح دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ کو مقرر کرنا چاہیے کم میں تو اختیار ہے ۱۲ منہ

یہ بندگی اور فرض منصبی تھا اس کے بعد اپنے لیے منافع دنیا و دین طلب کیے۔ اور دعا کے بعد انی تبت الیك وانی من المسلمین بھی کہہ دیا اس بات کے اعلان کے لیے توبہ و اسلام سرکاری حلقہ میں داخل ہونے کے لیے شرط ہیں ورنہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس کے بدلہ میں مژدہ سناتا ہے۔ اولٰئك الذین نتقبل عنهم احسن ما عملوا کہ ان کے نیک اعمال کو ہم قبول کریں گے اور جو کچھ ان سے برائی ہوئی ہوگی اس سے درگزر کریں گے اور یہ لوگ بموجب وعدۂ الٰہی جو سچا ہے جنتی ہوں گے۔

فوائد

(۱) جمہور نے حمله و فصاله دونوں کی مجموعی اور تخمینی مدت جو اکثر وقوع میں آتی ہے ثلثون شهرا اڑھائی برس مراد لیے ہیں کہ اس عرصہ میں عورت حمل سے لے کر دودھ بڑھانے تک سب کاموں سے فارغ ہو جاتی ہے۔ پھر اس مدت کو باہم حمل و فصال پر تقسیم کیا تو بحکم آیت حولین کاملین پورے دو برس تو دودھ پلانے کے اور باقی چھ مہینے حمل کے کم از کم ٹھہرائے۔ یہ ایک اصل تھی پھر اس پر مسائل فقہیہ بہت سے متفرع ہوئے۔ ہم کہتے ہیں جب یہ آیت میں اکثر یہ مدت دونوں کی بیان کی ہے یعنی ایک عام دستور۔ تو پھر چھ مہینے کا حمل تو عام دستور نہیں یہ تو شاذ و نادر ہوتا ہے عام تو نو مہینے کا ہے اور دو برس پورے نہیں ہونے پاتے کہ بچے کا دودھ بڑھا دیتے ہیں اس عرصے میں وہ کھانے پینے لگتا ہے ہاں اگر بچہ ضعیف ہے تو مہینے دو مہینے اور پلواتے ہیں دو برس پورے کر لیتے ہیں۔ اس تقدیر پر آیت کے معنی تو بہت ٹھیک ہو گئے مگر وہ جو رضاعت و حمل کے اصول قرار دیے ہیں ان کے ثبوت کو احادیث و آثار صحابہ اور ان کا تعامل و فتوی بھی لینا چاہیے ورنہ صرف اس آیت سے ثبوت مشکل ہے۔

(۲) بلغ اشده اشد زورِ جوانی۔ اس کی مدت میں علماء کے کئی قول ہیں۔ عطاء کہتے ہیں ابن عباس اٹھارہ برس کی عمر میں اشد حاصل ہونے کے قائل ہوتے ہیں۔ شاید بلوغ مراد لیا ہے جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔ اگر اشد سے بلوغ مراد لیا جاوے گا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علی اختلاف البلاد والامزجة دس گیارہ سے لے کر اٹھارہ تک میں لڑکی بالغ ہو جاتی ہے اور چودہ سے لے کر اٹھارہ تک لڑکا بالغ ہو جاتا ہے اس میں کوئی خاص مدت معین نہیں ہو سکتی۔ اور جو اشد سے مراد عمدہ توانائی اور بھرپور جوانی لی جائے تو یہ بیس سے لے کر تینتیس ۳۲ بتیس برس تک کا زمانہ ہے۔ اکثر مفسر اسی لیے اس کی مدت ۳۲ برس کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اشد کا زمانہ جوشِ جوانی کا ہے۔ اور چالیس برس کا زمانہ استکمالِ قویٰ و مدرکات کا ہے۔

(۳) حکماء کہتے ہیں عمرِ حیوان کے تین مرتبے ہیں یہ اس لیے کہ اس کا مدار حرارت و رطوبت غریزیہ[1] پر ہے بغیر بن نہیں سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ اول عمر میں رطوبت غریزیہ غالب ہوتی ہے آخر میں ناقص ہو جاتی ہے اور زیادت سے نقصان تک آنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ بیچ میں ایک استوار کا مرتبہ نکلے۔ پس لامحالہ تین زمانے ہوں گے (۱) یہ کہ رطوبتِ غریزیہ حرارتِ غریزیہ سے زائد ہو۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اعضاء طول و عرض و عمق میں بڑھیں گے اس کو نشو و نما کا زمانہ کہتے ہیں۔ (۲) یہ کہ رطوبت غریزیہ حرارتِ غریزیہ کے محفوظ رکھنے کو کافی ہو بلا زیادہ و نقصان اس کو سنِ وقوف اور سنِ شباب کہتے ہیں (۳) یہ کہ رطوبتِ غریزیہ کم ہونے لگے اور حرارت اصلیہ کو پورے طور سے محفوظ نہیں رکھتی۔ چراغ کا تیل کم ہونے لگے تو لو

[1] اصلیہ جو فطرت نے اس کو عطا کی تھی ۱۲ منہ

بھی کم ہونے لگے۔ یہ نقصان بھی دو قسم کا ہے۔ ایک کم درجہ کا نقصان اس کو سنِ کہولت کہتے ہیں۔ دوسرا نقصان ظاہر اور اس کو سن شیخوخۃ کہتے ہیں یعنی بڑھاپا۔

چالیس برس تک سنِ وقوف تھا یعنی برابر کا زمانہ اس کے بعد سے کہولت شروع ہوتی ہے انسان کے قوائے بدنیہ اور خواہشِ بہیمیہ گھٹنے لگتی ہیں۔ اور برعکس بدن کے روح کا معاملہ ہے یعنی جو زمانہ جسم کی قوت کا ہے وہ زمانہ کمالات روحانی کی کمی کا ہے اور جو بدن کے گھٹنے کا ہے وہ کمالات روحانیہ کے بڑھنے کا ہے اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے فلما بلغ اربعین سنۃً اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم قدس کی طرف انسان کی توجہ اس وقت سے ہونے لگتی ہے سبحان اللہ کیا کیا اسرار کلام میں ودیعت رکھے ہیں۔

وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا

اور ایک وہ بھی کہ جو اپنے ماں باپ سے کہتا ہے پھٹے سے منہ کیا تم مجھے قبر سے

أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ

زندہ ہو کر نکلنے کا وعدہ دیتے ہو حالانکہ مجھ سے پیشتر

الْقُرُونُ مِن قَبْلِي وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ

بہت سے قرن گزر گئے اور ماں باپ ہیں کہ خدا کی دہائی

اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

دیتے ہیں کہ او کم بخت ایمان لا بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے

فَيَقُولُ مَا هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۷﴾

پھر وہ کہتا ہے یہ ہے کیا مگر پہلوں کے افسانے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

ان سے پہلے جو بہت سی امتیں جن اور آدمیوں سے

فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ

ہو گزری ہیں ان پر خدا کا فرمودہ کہ وہ خود زیاں کار

الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿۱۸﴾

ہیں پورا ہو گیا کہ یہ خراب ہوں گے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا وَ

اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور

لِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۹﴾

تاکہ اللہ ان کے اعمال کا ان کو پورا عوض دے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا

ترکیب

والذی مبتدا المراد بہ الجنس اولئک خبرہ تعداننی بنونین مخففتین ان اخرج مفعول ثان لتعدان وھما یستغیثان حال واللہ مفعول یستغیثان لانہ فی معنی یسألان ویلک مصدر لم یستعمل فعلہ وقیل بہ الزمک اللہ ویلک۔

تفسیر

اہل سعادت کے بعد اہل شقاوت کا بھی ان کے مقابلے میں ذکر کرتا ہے کہ نیک اولاد ایسی ہوتی ہے اور نالائق بیٹے ایسے ہوتے ہیں۔ پس فرماتا ہے والذی قال لوالدیہ اف لکما الخ ایک وہ بد ہے جو اپنے ماں باپ سے بدکلامی کرتا ہے تف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تم مجھے مرکر بار دگر زندہ ہونے کا وعدہ دیتے ہو کہ مرکر زندہ ہوں گا اور اپنے کیے کا وہاں بدلہ پاؤں گا وقد خلت القرون ابھی بہت سے قرن مجھ سے پہلے مر چکے ہیں ہم نے تو کسی کو بھی مرکر زندہ ہوتے نہیں دیکھا ماں باپ خدا کی دہائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے کم بخت کیا بکتا ہے توبہ کر ایمان لا اللہ کا وعدہ برحق ہے مگر وہ ناخلف کہتا ہے ایسے ایسے افسانے بہت سے سنے ہیں

پہلے سے لوگ ایسی باتیں بتاتے آئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں کہ ماں باپ تو ان کو دنیا و دین کی بھلائی کی کہتے ہیں اور یہ ان سے یہ کہتے ہیں پس یہ کون ہیں اولئك الذين الخ یہ وہ بدبخت ازلی ہیں کہ جن پر نوشتہ ازلی پورا ہو گیا جیسا کہ ان سے پہلے اور بہت سے جن و انس کی جماعتوں پر ہو چکا کہ یہ زیاں کار ہیں پس دونوں فریق نیک و بد اپنے اعمال کا بدلہ پاویں گے اور کسی پر ظلم نہ ہو گا۔

بعض کہتے ہیں پہلا کلام حتیٰ اذا بلغ اربعین الخ ابوبکر صدیق رضؓ کے حق میں اور والذی قال لوالدیہ اف عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضؓ کے حق میں نازل ہوا ہے مگر یہ تخصیص محض تکلف ہے۔ کلام عام ہے جو کوئی ایسا ہو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے اول کلام کو صدیق اکبر رضؓ پر صادق آنا سمجھا۔

اور مروان کو معاویہ رضؓ نے حجاز کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ وہ لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے یہ دیکھ کر کہہ دیا یہ تو خلفاء راشدین کا طریقہ نہیں بلکہ شاہانہ طریق ہے۔ اس پر مروان نے خفا ہو کر کہہ دیا کہ عبدالرحمٰن وہ ہے کہ جس کے حق میں والذی قال لوالدیہ اف نازل ہوا ہے۔ مگر عائشہ صدیقہ رضؓ نے سن کر مروان کو جھوٹا کہہ دیا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو اس کے اتہام سے بری کیا۔ اس قصہ کو بخاری نے نقل کیا ہے پھر اس سے یہ سمجھنا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہوئی ہے غلط سمجھ ہے۔

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ

لے چکے اور ان کو برت چکے پھر آج کے دن

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ

تو تم کو ذلت کی سزا دی جاوے گی اس وجہ سے کہ

تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

تم دنیا میں ناحق کا تکبر کیا

ع ۲ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ⑳ وَ

کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم بدکاری کیا کرتے تھے اور

اذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ

عاد کے بھائی (ہود) کو بھی یاد کرو جب کہ اس نے اپنی قوم کو بمقام

بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ

احقاف ڈرایا حالانکہ اس کے آگے اور

مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا

پیچھے سے ڈر سنانے والے گزر چکے تھے کہ خبردار

تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ میں تم پر بڑے دن کی

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ㉑ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا

آفت آنے سے ڈرتا ہوں وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لیے

لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا

آیا ہے کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دے پھر تو جس عذاب سے

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ㉒

ہم کو ڈراتا ہے ہمارے پاس لے آ اگر سچا ہے

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ

اور جس دن کہ کافر آگ کے روبرو لائے جاویں گے ان سے کہا

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

جاویگا) تم اپنے مزے اپنی دنیا کی زندگی میں

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَ

ہود نے کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے اور

اُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ

میں تو تم کو وہ احکام پہنچائے دیتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجے گئے ہیں

وَلٰكِنِّيٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾
لیکن میں تم کو جہالت کرنے والی قوم دیکھتا ہوں
فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ
پھر جب دیکھا کہ عذاب ابر کی طرح ان کے میدانوں سے
اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ
اٹھ کر چلا آتا ہے تو کہنے لگے یہ ابر ہم پر
مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ
برسے گا (وہ ابر نہیں) بلکہ وہ بلا ہے کہ جس کی تم جلدی کرتے
بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾
تھے وہ آندھی ہے کہ جس میں عذاب دکھ دینے والا ہے
تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا
اپنے رب کے حکم سے ہر شے کو اکھاڑ کر پھینک دیتی تھی پھر تو یہ ہوا
لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي
کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا ہم نافرمانوں کو
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾
یوں سزا دیا کرتے ہیں ۱؎

ترکیب

مرادہ الضمیر یعود الی ما فی قولہ بما تعدنا وقیل الی غیر مذکور وبینہ قولہ عارضا منصوب علی الحال او

التبیر العارض السحاب قالہ ابن عباس وبہ قال الجوہری۔

تفسیر

اشقیا کی بابت صرف اسی قدر بیان فرمایا تھا کہ ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا۔ اب یہاں اس پورے بدلے کو کسی قدر مشرح بیان فرماتا ہے۔ فقال ویوم یعرض الذین کفروا علی النار اور یاد کرو کہ جس دن منکر لوگ جہنم کے روبرو لائے جاویں گے تب ان سے کہا جاوے گا اذھبتم طیبٰتکم کہ تم اپنے مزے دنیا میں حاصل کر چکے اور خوب برت لیا اب اپنے تکبر اور بدکاری کی وجہ سے ذلت کا عذاب اٹھاؤ۔ یعنی آخرت کو بھول گئے تھے دنیا کے عیش و آرام میں ایسے محو تھے کہ آخرت کے لیے کچھ بھی فکر نہ کی۔

واحدی فرماتے ہیں کہ فی الجملہ نفس کشی دنیا میں بہت عمدہ چیز ہے کہ اس کا بدلہ آخرت میں ملے گا۔ اور اسی لیے نیکوں پر دنیا میں عیش تلخ رہا ہے۔

معاذ بن جبل رض فرماتے ہیں جب کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا کہ تنعم یعنی عیش و تن پروری سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے تن پرور نہیں ہوتے ہیں۔ (رواہ احمد)

ایک بار حضرت عمر رض نے پانی مانگا تو کوئی شہد کا شربت لایا۔ کہا یہ عمدہ ہے لیکن میں سنتا ہوں کہ خدا تعالے

۱؎ کچھ عرصہ سے قوم عاد پر قحط تھا۔ یہ ایک خدا تعالےٰ کا ان کے بیدار کرنے کو چھوٹا سا کوڑا تھا۔ اس پر بھی ویسے ہی گمراہ رہے۔ اب ہلاکی کا وقت آیا تو سیاہ آندھی اٹھتی ہوئی نمودار ہوئی جس کو دیکھ کر وہ خوش ہوئے کہ ہمارے سامنے یہ بادل اٹھا ہے یہ ضرور پانی برساوے گا۔ وہ دراصل بادل نہ تھا سیاہ آندھی تھی جس کی نسبت وہ پیغمبر سے کہہ دیا کرتے تھے کہ ہلاکت کا روز وہ لاتا کیوں نہیں؟ پس ایسی سخت زور سے آندھی چلنی شروع ہوئی کہ آدمی اڑنے لگے، ٹکرا کر مر گئے اور چیلوں کی طرح سے اوپر کو اڑے جاتے تھے بڑے بڑے درخت اڑتے پھرتے تھے سات روز یہی بلا رہی بس ان کے مکانات باقی رہے وہ سب ہلاک ہوئے ۱۲ منہ

شہوات کی برائی کرتا ہے فقال اذھبتم طیبٰتکم الآیۃ
میں ڈرتا ہوں کہ میری نیکیوں کا بدلہ مجھے دنیا ہی میں نہ مل
جائے پس نہ پیا (رواہ رزین)

لیکن لذاتِ حلال اکل و شرب وغیرہ ممنوع بھی
نہیں ہیں بقولہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج
لعبادہ والطیبٰت مگر عیش و تجمل کے عادی ہونے
سے خوف ہے کہ اس کا نفس بری باتوں کی طرف نہ
لے جائے۔

کفارِ مکہ بھی انہیں شہوات و لذات پرستی میں
ہدایت و آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوئے جس لیے
ان کو یوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیبٰتکم
الآیہ سنایا گیا اس لیے ان کو قومِ عاد کا قصہ سنایا
جاتا ہے جو لذات و نعماء دنیا میں ایسے غرق تھے کہ
دارِ آخرت کی طرف مطلقاً متوجہ نہ ہوئے اور اپنے
ہادی کا کہنا نہ مانا اس لیے ان پر ایک بلا نازل ہوئی
جس سے وہ قوم برباد ہوئی۔ بلاشک عیش و تن
پروری کا برا نتیجہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے کہ مال و دولت
سلطنت و شوکت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔

فقال واذکر اخا عاد الخ کہ قوم عاد کے بھائی ہود
علیہ السلام کو یاد کر جب کہ اس نے اپنی قوم کو احقاف
میں ڈرایا جو عمان و مہرہ کے درمیان ایک وادی ہے آخر
نہ مانا غارت ہوئے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ
اور البتہ ہم نے قوم عاد کو وہ مقدرہ دیا تھا جو (اہل مکہ) تم کو بھی نہیں
فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا
دیا اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں
وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ
اور دل بھی دیا تھا پھر نہ تو ان کے کان ہی کچھ کام آئے
وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ
اور نہ ان کی آنکھیں ہی کام آئیں اور نہ ان کے دل ہی کچھ کام آئے
مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ
کیوں کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
ہی کرتے رہے اور (آخر) جس عذاب کا وہ ٹھٹھا اڑایا کرتے
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۲۶ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا
تھے ان پر آپڑا اور البتہ ہم تمہارے آس
مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا
پاس کی بستیاں غارت کر چکے ہیں اور طرح طرح سے
الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۷ فَلَوْلَا
اپنے نشانِ قدرت بھی دکھائے کہ کاش وہ رجوع کریں پھر ان
نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ
بتوں نے کیوں مدد نہ کی کہ جن کو انہوں نے مرتبہ حاصل کرنے کے لیے
اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ
معبود بنا رکھا تھا اللہ کے سوا بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے تھے
وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۸
اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور جو کچھ وہ ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے (وہ بھی غلط تھے)

ترکیب

فیما ما بمعنی الذی وان نافیۃ فتقدیر الکلام مکناہم فی الذی ما مکناکم فیہ من کثرۃ المال وطول العمر وقوۃ الابدان وقیل ان زائدۃ ای ولقد مکناہم فیما مکناکم فیہ الاول قول المبرد والثانی قول القتیبی۔ لولا بمعنی ہلا ھم مفعول مقدم نصرھم الذین فاعلہ اتخذوا الخ صلۃ الذین قال الکسائی القربان ما یتقرب بہ الی اللہ من طاعۃ و

نسیکہ والجمع قرابین کالرہبان والرہابین۔ واول مفعولی اتخذوا الراجع الی الموصول المحذوف وثانیہما قربانا و الہۃ بدل او عطف بیان او الہۃ و قربانا حال او مفعول لہ علیٰ انہ بمعنی التقرب۔ البیضاوی۔ وہٰذا ہو الصحیح الصریح۔

تفسیر

یہ تتمہ ہے قصہ عاد کا۔ فرماتا ہے ولقد مکنہم الخ کہ اے قریش تم اپنے زر و مال پر کیا گھمنڈ کرتے ہو؟ اس قوم عاد کو جن کے ہلاک ہونے کا تم حال سن چکے ہو ہم نے اس قدر طاقت و قوت مال و ثروت عمر و راحت کے سامان عطا کیے تھے جو تم کو بھی نہیں دیے گئے۔ با وجود اس کے وہ دنیاوی امور میں کچھ احمق اور نادان بھی نہ تھے ان کو ہم نے کان دیے تھے کہ جن سے وہ اگلی امتوں کے حالات سنتے تھے آنکھ بھی دی تھی جن سے وہ ہر روز عجائبات قدرت دیکھا کرتے تھے۔ دل بھی دیے تھے جن سے سمجھنے پر قادر تھے لیکن ان کے کان اور ان کی آنکھ اور ان کے دل ان کے کچھ بھی کام نہ آئے جن سے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا۔ ان کو دنیاوی لذات و شہوات میں صرف کیا۔ کس لیے کہ انہوں نے آیات اللہ کا انکار کر دیا اور ان پر وہ بلا آئی کہ جس کا وہ انکار و تمسخر کیا کرتے تھے۔ پیغمبر کہتا تھا کہ تم پر بلا آنے والی ہے وہ سن کر ہنستے تھے۔

ولقد اہلکنا ما حولکم من القریٰ اب پھر کفار مکہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کہ اے مکہ والو ہم نے تمہارے آس پاس جنوب و شمال میں کس قدر بستیاں ہلاک کی ہیں۔ جنوب میں قوم عاد کی بستیاں الٹی پڑی ہیں ان کے عمارات کے نشان اے قریش جب تم تجارت کے لیے وہاں جاتے ہو دیکھتے ہو اور اسی طرح شمال عرب میں ثمود کی بستیاں اجڑی پڑی دکھائی دیا کرتی ہیں اور قوم لوط کی بستیاں سدوم وغیرہ کے بھی آثار تم دیکھا کرتے ہو۔ اور ان کو ہم نے یوں ہی یکبارگی ہلاک نہیں کر دیا ہے۔ بلکہ وصرفنا الآیٰت لعلہم یرجعون اپنی نشانیاں ادل بدل کر دکھائیں کہ وہ رجوع ہوں مگر نحوست سر پر آچکی تھی کیوں مانتے۔ انجام کار برباد ہوئے۔ فلولا نصرہم پس ان کے معبودوں نے ان کی کیوں نہ مدد کی کہ جن کو انہوں نے وسیلہ بنا کر معبود سمجھ رکھا تھا اور جانتے تھے کہ یہ ہمارے کام آئیں گے۔ بل ضلوا عنہم بلکہ وہ کھوئے گئے کہیں دکھائی بھی نہ دیے۔ وذلک اور یہ بات کہ وہ معبود کام آئیں گے افکہم ان کا ڈھکوسلا تھا۔ وما کانوا یفترون معطوف علیٰ افکہم اور یہ من جملہ ان کے ان ڈھکوسلوں کے ایک ڈھکوسلا تھا یعنی ایسے ایسے اور بھی خیالاتِ باطل دماغ میں جما رکھے تھے جیسا کہ بت پرستوں میں اب تک ایسے صدہا خیالاتِ فاسدہ مانے جاتے ہیں۔

اصولِ ثلاثہ اثباتِ باری تعالیٰ و توحید و معاد کے ضمن میں یہاں تک اور بہت سے اصولِ ملیہ ذکر ہو گئے سعادت و شقاوت کے آثار ماں باپ کی خدمت گزاری کرنے نہ کرنے میں انسان کا میلِ طبعی دارِ آخرت کی طرف ہونا کما قال وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی الآیہ۔ گزشتہ قوموں کے عروج و ادبار خدا تعالیٰ کا اپنے ملک میں تصرفات کرنا سرکشوں کا انجام برا ہونا، عقائدِ باطلہ سے سر پر بلا لینا وغیرہ۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ

اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے آپ کی طرف چند جن بھیجے

يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ

جو قرآن سننا چاہتے تھے پھر جب وہاں آئے تو

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى

کہنے لگے چپ رہو پھر جب قرآن سن چکے تو اپنی قوم کی طرف

قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ﴿٢٩﴾ قَالُوا يَا قَوْمَنَا
ڈر سنانے کو گئے (جاکر) کہا اے قوم!
إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ
ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد نازل
مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
ہوئی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے
يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ
اور سیدھے رستہ کی طرف رہنمائی کرتی
مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٠﴾ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا
ہے اے قوم! اللہ کی طرف بلانے
دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم
والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ
مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ
گناہ بخشدے اور تم کو عذاب الیم سے
أَلِيمٍ ﴿٣١﴾ وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ
بچائے اور جو اللہ کے داعی کی نہیں مانتا
فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ
تو وہ زمین میں اس کو ہرا بھی نہیں سکے گا اور اللہ کے
لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۚ أُولَٰئِكَ فِي
سوا اس کا کوئی حمایتی بھی نہ ہوگا یہ لوگ ہیں جو
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٢﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ
کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ
اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَ
اللہ کہ جس نے آسمانوں اور
الْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ
زمین کو بنایا اور ان کے بنانے میں نہ تھکا وہ
عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ
زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ کیوں نہیں وہ تو
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٣﴾
ہر بات پر قادر ہے

ترکیب

یستمعون حال محمولۃ علی المعنی لان نفرا مفرد فی اللفظ والنفر دون العشرۃ وجمعہ انفار۔ بقادر الباء مزیدۃ لتاکید النفی فانہ مشتمل علی ان وما فی خبرہا۔

تفسیر

قوم عاد کا ذکر کرکے یہ بات بتلاتا ہے کہ اے قریش تم یہ نہ سمجھو کہ تم عاد جیسے سرکش ایمان نہ لائے تو اور کوئی زور آور ایمان نہیں لائے گا، قوم جن تم سے زور آور اور سرکش ہے۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ وہ تو ایمان لاویں اور اپنی قوم کو جاکر ایمان لانے کی رغبت دلائیں اور تم پیغمبر علیہ السلام کے ہم قوم ہم زبان ہم جنس ہوکر یوں اللہ کے داعی سے دور پڑے رہو۔ پس اے محمدؐ! اذ صرفنا الیک الخ ان سے کہہ دیجئے جب کہ ہم نے تیرے پاس چند جن بھیجے قرآن سننے کو الخ

ابن ابی شیبہ نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطن[1] نخلہ میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ نو جن آئے جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ جب قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑی تو دلکش مضامین سن کر چونک پڑے اور کھڑے ہوکر سننے لگے۔ جب آپ فارغ ہوئے تو اپنی قوم میں جاکر ان کو متنبہ کیا کہ

[1] بطن نخلہ ایک جگہ کا نام ہے ۱۲ منہ

لے قوم! موسٰی کے بعد ہم نے ایک کتاب سنی جو اگلی کتابوں کے اصولِ ملت میں مطابق و مصدق ہے راہِ حق دکھاتی ہے اے قوم اللہ کے داعی یعنی رسول کا کہا مانو ایمان لاؤ تاکہ نجات پاؤ اور جو نہ مانے گا تو اللہ کے قبضہ سے باہر نکل نہ جائے گا کوئی اس کا حمایتی اس کو سزا سے بچا نہ سکے گا۔ نہ ماننے والے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

بخاری و مسلم و دیگر کتبِ احادیث میں جنوں کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور ایمان لانا بکثرت مذکور ہے اور سلف سے خلف تک اہلِ اسلام وجودِ جن کے قائل ہیں اور ہم مقدمہ تفسیر میں اس مسئلہ کو خوب ثابت کر آئے ہیں۔ اہلِ کتاب بھی قائل ہیں مگر وہ جو برائے نام اہل کتاب ہیں اور فلسفۂ جدید کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور موجودات کا انحصار فلسفۂ جدیدہ میں محسوسات پر ہے وہ البتہ انکار کیا بلکہ تمسخر بھی کرتے ہیں جن کی تقلید میں بعض مسلمان بھی اس خبط میں پڑ کر عجب عجب تاویلیں کرنے لگے۔

قرآن مجید میں یہ بیان نہیں ہوا کہ وہ جن گھر سے کس تلاش میں نکلے تھے؟ روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آں حضرتؐ کے مبعوث ہونے کے قریب قریب جس طرح آفتاب کے برآمد ہونے کے وقت اور اس سے پہلے امارات ظاہر ہوتے ہیں ایسے ہی عجائب امارات ظاہر ہوتے تھے کچھ عجب نہیں کہ جن اس ہادی کی تلاش میں نکلتے ہوں جس کی خبر ان یہودی جنوں کو موسٰیؑ کی توریت سے ملی ہو اور اس کے ظہور کا زمانہ ان کو امارات سے معلوم ہو گیا تھا۔ بعض[۱] روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ اس وقت عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے۔ بعض[۲] سے یہ کہ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ ابن مسعود صحابی ایک بار جب کہ جنوں کا قافلہ آپؐ کے پاس آیا جنگل میں حضرتؐ کے ساتھ گئے تھے۔ پھر تو کئی بار جن آئے اور تعلیم پا پا کر گئے۔ بعض دفعہ کوئی بھی جنگل میں رات کے وقت آپؐ کے ساتھ نہیں گیا۔ مسلمان جن لوگوں کو یوں بھی دکھائی دیے جنگلوں میں ملے ہیں ثقات سے اس بارے میں بہت کچھ منقول ہے فقیر نے بھی خود مشاہدہ کیا ہے۔

اول سورہ میں وہ دلائل بیان فرمائے تھے جو قادرِ حکیم مختار کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ اس پر دو باتیں متفرع کی تھیں۔ اول بت پرستوں کے قول کا ابطال۔ دوم اثبات توحیدِ خالص۔ اس کے بعد مسئلہ نبوت میں کلام کیا۔ مخالفین کے جو شبہات تھے ان کے جواب دیے۔ اہل مکہ جو حضرتؐ کی نبوت پر ایمان لانے میں تامل کرتے تھے اس کا باعث دنیا پر غرور اور اس کی لذات و شہوات میں غرق ہونا تھا اس لیے قومِ عاد کا حال بیان کر کے دنیا کی بے ثباتی اور تمرد کا بدنتیجہ سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر آپؐ کی نبوت کی تعمیم شروع کی، انس کے لیے تو تھے ہی جن کے لیے بھی ثابت کی۔ اس کے بعد پھر مسئلہ معاد میں کلام کرتا ہے۔

فقال اولم یروا ان اللہ الذی الخ کہ کیا نہیں دیکھتے یعنی نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمان و زمین پیدا کر دیے

لے جن بھی انسان کی طرح مختلف ادیان و مذاہب کے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ نیک جن کو جہنم سے نجات پا کر فنا ہو جانا ہے۔ نیک بدلہ ہے جنت نہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے ۱۲ منہ

[۲] امام احمدؒ کی روایت سے ۱۲ منہ

[۳] بیہقی دلائل النبوۃ میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں ۱۲ منہ

اور ان جیسے اور بھی پیدا کرنے سے عاجز نہیں وہ مُردوں کو بار دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ بے شک وہ کر سکتا ہے بلکہ ہر بات پر قادر ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى
اور اس دن کو (یاد کرو) جس روز کافر آگ کے سامنے لائے
النَّارِ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوا
جائیں گے (ان سے) پوچھا جائے گا کیا یہ برحق نہیں وہ کہیں گے
بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ
ہمارے رب کی قسم ضرور برحق ہے حکم ہوگا پھر اب عذاب چکھو
بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝۳۴ فَاصْبِرْ
اپنے کفر کرنے کے بدلے میں پھر (اے نبی) صبر کرو
كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ
جیسا کہ عالی ہمت رسولوں نے کیا ہے
وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ
اور ان کے لیے جلدی نہ کرو کیونکہ جس دن
يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا
یہ لوگ قیامت کو دیکھیں گے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ (دنیا میں)
سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ
ایک دن میں سے ایک گھڑی بھر رہے تھے ہمارا کام پہنچا دینا تھا پھر ہلاک تو وہی
إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ۝۳۵
ہوں گے جو بدکار ہیں۔

تفسیر

یہاں تک تو امکان حشر کی دلیل تھی اس کے بعد اس کے موجود ہونے کی کچھ کیفیت بیان فرماتا ہے فقال ویوم یعرض الذین کفروا کہ کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ کیا یہ حق نہیں ہے؟ یعنی اب تو اس کے قائل ہوئے، وہ کہیں گے ہاں۔ پھر کہا جائے گا کہ اب قائل ہونے سے کیا فائدہ اپنے انکار کی وجہ سے عذاب چکھو۔

مطالب ثلاثہ تمام کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چند نصائح اور تسلی بخش کلمات پر سورت کو تمام کرتا ہے۔

فقال فاصبر کہ اے محمد آپ صبر کیجیے ان کے برا بھلا کہنے اور تکالیف کو خیال میں نہ لائیے کیونکہ آپ سے پہلے اولوا العزم رسولوں نے ایسا ہی صبر کیا ہے۔ اور ان کے کہنے سے عذاب کی جلدی نہ کرو کس لیے کہ وہ جس دن اپنے وعدہ کے دن اور وہاں کے مصائب کو دیکھیں گے تو دنیا کے تمام عیش و تجملات کو بھول جائیں گے باوجود زمانہ دراز تک شہوات پرستی کرنے کے یہ سمجھیں گے کہ گویا دن کی ایک گھڑی بھر ٹھیرے تھے۔

اس کے بعد فرماتا ہے بلٰغ یعنی یہ خبر کا پہنچا دینا ہے سو اے محمد! آپ نے خدا کا حکم پہنچا دیا اب آپ کو کیا فکر ہے۔ بدکار آپ ہلاک ہوں گے۔ کردنی خویش آمدنی پیش۔

سورہ محمد

مدنیہ ہے اس میں اڑتیس ۳۸ آیات اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ
وہ جو منکر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی اللہ کے رستہ سے
اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝۱ وَالَّذِينَ آمَنُوا
روکا تو ان کے اعمال اس نے برباد کر دیے اور وہ جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ
اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے اور جو کچھ محمدؐ پر نازل کیا گیا
عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ
اس پہ بھی ایمان لائے حالانکہ وہ ان کے رب کی طرف سے برحق بھی تھے
كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (۲)
تو اللہ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کا حال درست کر دیگا
ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ
یہ اس لیے کہ جو منکر ہوئے وہ جھوٹ کے پیرو ہوئے
وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ
اور وہ جو ایمان لائے تو اپنے رب کے برحق
رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ
دین پہ چلے یوں بیان کرتا ہے اللہ
لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ (۳) فَاِذَا لَقِيْتُمُ
لوگوں کی حالتیں پھر جب تم کافروں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى
سے بھڑ جاؤ تو گردنیں مارو یہاں تک کہ
اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۤۙ
جب ہنگامہ کارزار گرم کر چلو تو قیدیوں کی مشکیں باندھ لو
فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ
پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا چاہیے یا جرمانہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے یہاں تک کہ جنگ
الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۥ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَاۗءُ
اپنے ہتھیار[۱] ڈال دے یہ ہے حکم اور اگر اللہ
اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا
چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک
بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ
دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴)
مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرنے کا
سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (۵) وَ
ان کو عنقریب مقصود تک پہنچائیگا اور ان کی حالت درست کرے گا اور
يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (۶) يٰٓاَيُّهَا
ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جو ان کے لیے پہلے سے بتلا رکھی ہے ایمان
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ
والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا
وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (۷) وَالَّذِيْنَ
اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور جو
كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (۸)
منکر ہو گئے ان پر پھٹکار ہے اور ان کا کیا کارت کر دیا
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
یہ اس لیے کہ انہوں نے برا سمجھا اس کو جو اللہ نے نازل کیا تھا
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (۹)
پھر ان کے عمل برباد کر دیے

ترکیب

الذين كفروا مبتدء اضل اعمالهم خبره والذين مبتدء وهو الحق جملة معترضة بين المبتدء وخبره وهو كفر الخ ذلك مبتدء بان الذين خبره فضرب الرقاب قال الزجاج اصله فاضربوا الرقاب ضربا. فحذف الفعل واقيم المصدر مقامه مضافا الى المفعول. وقيل هو منصوب على الاغراء حتى اذا غاية للامر بضرب الرقاب لا لبيان غاية القتل فاما منا الخ اى فاما تمنون منا او تفدون فداء. حتى متعلقة

[۱] یعنی جنگ موقوف ہو جائے ہتھیار اٹھانے کی حاجت نہ رہے ۱۲ منہ

بفشد و الوثاق۔

تفسیر

جمہور کے نزدیک یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ کا بھی یہی قول ہے۔

اس میں اور بیشتر مدینہ میں نازل ہوئی سورتوں میں احکام وجہاد یا منافقوں کی بدکرداری اور اس کے برے نتائج بیان ہوئے ہیں یا مکارم اخلاق کی تاکید ہوتی ہے۔ سورہ احقاف کے اخیر میں فرمایا تھا کہ فاسق ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا تھا کہ ان کے بعض اچھے اعمال بھی تو ہوتے ہیں خیرات وغیرہ۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:۔

الذین کفروا الخ کہ جو منکر ہوئے اور لوگوں کو یا اپنے آپ کو اللہ کے رستہ سے باز رکھا (ایمان، صوم وصلوٰۃ، جہاد وحسنات، اتباع نبی کریم علیہ السلام سب کو سبیل اللہ کا لفظ شامل ہے) ان کے اعمال برباد ہوگئے۔ بوجہ بغاوت کے وہ کچھ بھی کام نہ آئیں گے دار آخرت میں کس لیے کہ وہاں کوئی عمل بغیر ایمان وخلوص کے کام نہیں آتا۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ کے مخالف نہیں۔ کس لیے کہ عمل سے مراد وہی عمل ہے جو ایمان وخلوص سے ہو۔ وہ ذرہ برابر بھی ہوگا تو اس کا ثمرہ ملے گا۔ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اچھا کفر اور اللہ کے رستہ سے روکنے میں تو اعمال برباد ہوئے پھر اب وہ کون سا طریقہ ہے کہ جس سے یقیناً نجات ہو جاوے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔

(۱) والذین امنوا الخ وہ لوگ جو اللہ اور دیگر ایمان لانے کی چیزوں پر ایمان لائے کتب سابقہ۔ انبیاء سابقین، ملائکہ، حشر پر۔ اور اس کے ساتھ جو کچھ محمد پر نازل ہوا حالانکہ وہ برحق ہے اس پر بھی ایمان لائے ان کو یقیناً نجات ہے۔ کس لیے کہ کفر عنہم سیاتھم ان سے جو کچھ برے کام سرزد ہوگئے ہیں ان کو مٹائے گا واصلح بالھم اور ان کے حال وشان کو درست کردے گا دنیا و آخرت میں خوشنود رہیں گے۔

پھر فرماتا ہے کافروں کے لیے ایسا اور محمدؐ پر ایمان لانے والے کے لیے ایسا کیوں تجویز ہوا؟ اس لیے کہ کافروں نے باطل اور غلط کا اتباع کیا جس کا نتیجہ خسارہ دارین ہے اور ایمان داروں نے سچ کا اتباع کیا جس کا ثمرہ یہ ہے خدا نے ہر بات کھول دی ہے۔

چونکہ نجات کا دارومدار خدا کے پچھلے فرستادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر رکھا گیا ہے اس لیے اس جماعت کو (جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں) فیاضی کرنا چاہیے اور دوسرے بھائیوں کے لیے اس راہ راست کے کانٹوں کو صاف کرنا چاہیے اس لیے فرماتا ہے فاذا لقیتم الذین کفروا الخ کہ جنگ میں جب کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے جو اس رستہ کے لیے خار ہیں اور اس شمع ہدایت کو بجھانا چاہتے ہیں تو ان کی گردنیں مارو۔ آخر میں جو ہاتھ لگیں ان کو باندھ لو۔ پھر یا تو احسان کردیا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ یہ کارروائی کب تک جاری رہے؟ اس وقت تک کہ ان کے اعداء کو لڑنے کی طاقت نہ رہے۔ ہتھیار ڈال کر اطاعت وامن کی خواستگاری کریں۔ پھر اس کار خیر کی ترغیب دلاتا ہے ولو یشاء اللہ الخ کہ اگر خدا چاہتا تو ان سے آپ بدلہ لے سکتا تھا لیکن بندوں کا بھی امتحان مقصود تھا کہ کون ہمارے حکم سے جان دیتا ہے؟

(۲) والذین قتلوا الخ جمہور نے قاتلوا پڑھا ہے، معروف کا صیغہ اور بعض نے قتلوا مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے قتلوا کو معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ جمہور کی قرارت پر اور اس قتلوا کو معروف کا صیغہ پڑھنے والے کے نزدیک معنی صاف ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں لڑے

ان کے اعمال ضائع نہ جائیں گے دنیا میں اللہ ان کو نیک باتوں کی توفیق و ہدایت دے گا اور مرنے کے بعد جنت میں داخل کرے گا کہ جو ان کو بتائی گئی ہے[1]۔ اور مجہول کے صیغہ میں یہ اشکال ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو اب کس بات کی ہدایت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ہوگی منکر و نکیر کے سوال و جواب کی سعادت اور دار الخلد کے منازل طے کر کے حقیقی منزل تک پہنچنے کی۔

(۳) یایہا الذین اٰمنوا الخ کہ اے ایمان دارو اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کر کے اس کی مدد کرو گے حالانکہ وہ مدد کا محتاج نہیں تو ہر کام میں خصوصًا اس کام میں تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا اور کفار کو نیست کرے گا اور ان کی تدابیر کو رد کر دے گا۔ اس وعدہ کے بموجب خدا تعالیٰ نے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفوں پر فتح یاب کیا اور دشمنوں کو سرنگوں کر دیا اور آیندہ جو کوئی دین اللہ کی حمایت پر کمر باندھے اسی عنایت و وعدہ کا مستحق ہے جب چاہے آزما کر دیکھ لے۔

ان آیات میں صرف فضرب الرقاب، امامنا بعد واما فداء کے معنی میں گفتگو کرنی باقی رہ گئی اور وہ یہ ہے۔ کہ کیا جب کوئی کافر ملے مسلمان اس کی گردن مارنے پر مامور کیا گیا ہے؟ مجاہد فرماتے ہیں یہ ایک خاص جنگ میں حکم ہوا تھا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مخالفوں سے پیش آئی کہ جنگ میں گردن مارو۔ اور جنگ اسی لیے ہوا کرتی ہے وہاں پھول اور پان نہیں بٹا کرتے ہیں۔ الغرض ہر وقت کا حکم نہیں بلکہ جب کفار سے بقاعدہ شرعیہ جنگ قائم ہو اس وقت یہ حکم ہے کہ اس کی گردن مارو۔ عام حکم نہیں اور جس نے یہ معنی سمجھ کر اسلام پر سفاکی کا عیب لگایا ہے یہ اس کی سمجھ کا عیب ہے۔

اسیرانِ جنگ کے احکام

امامنا الخ اس آیت میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے فاما تثقفنہم فی الحرب فشرد بہم من خلفہم و بقولہ اقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم یہی قول قتادہ وضحاک وسدی وابن جریج واوزاعی واہلِ کوفہ کا ہے[2] یہ کہتے ہیں جنگ میں جو کفار اہلِ اسلام کے قبضہ میں قید ہو کر آجاویں شاہِ اسلام نہ ان کو احسان کر کے چھوڑ دے نہ فدیہ لے کر۔ اب یا قتل کیے جاویں یا غلام بنائے جاویں۔ صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے نزدیک قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جاوے۔ صاحبین کہتے ہیں ان کے بدلے میں مسلمان قیدی لے کر چھوڑنا درست ہے۔ اور یہی شافعی کا قول ہے لیکن مال لے کر نہ چھوڑنا چاہیے۔ سیرِ کبیر میں ہے اس کا بھی مضائقہ نہیں جب کہ مسلمانوں کو روپیہ کی حاجت ہو۔ (تفسیر احمدی)

علماء کا ایک گروہ کہتا ہے یہ آیت ہرگز منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے امام کو اختیار ہے خواہ فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مفت چھوڑ دے۔ یہ دو باتیں تو آیت میں صاف مذکور ہیں۔ اور دو باتوں کا اختیار ہے گو آیت میں ان کا ذکر نہیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں وہ یا غلام بنائے یا قتل کر ڈالے۔ یہی ابن عمر و حسن وعطا کا قول ہے۔ اکثر صحابہ و تابعین اسی طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری و امام احمد و شافعی کا یہی مذہب ہے۔

ہمارے بعض معاصرین یہ کہتے ہیں کہ آیت جنگِ بدر

---

[1] رسول نے یا قرآن نے بتلائی یا مرنے سے پہلے ایمان داروں کو بتائی اور دکھائی جاتی ہے ۱۲ منہ

[2] انہیں میں امام ابو حنیفہ بھی ہیں ۱۲ منہ

دغزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے اس میں صرف دو ہی باتیں قیدیوں کے لیے قرار دی ہیں یا مفت چھوڑ دینا یا فدیہ یعنی جرمانہ یا خرچہ لے کر چھوڑ دینا۔ غلام بنانے کا اس میں کہیں ذکر نہیں نہ قتل کرنے کا۔ اور جہاں قتل کرنے اور غلام بنانے کا ذکر ہے وہ اس کے نزول سے پہلے کا ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا
پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن
کہ ان سے اگلوں کا کیا
قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ
انجام ہوا اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور منکروں کے لیے
أَمْثَالُهَا ۝١٠ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى
ایسا ہی کچھ ہوتا ہے یہ عذاب اس لیے کہ اللہ حمایتی
الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ
ہے ایمان والوں کا اور کافروں کا کوئی بھی حمایتی
لَهُمْ ۝١١ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ
نہیں بے شک اللہ ایمان داروں نیک بختوں کو
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ
ایسے باغوں میں داخل کرے گا
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ
کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ جو
كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا
منکر ہو گئے دنیا برت رہے اور ایسا کھا رہے ہیں جیسا کہ
تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى
چارپائے کھایا کرتے ہیں اور (آخر تو) ان کا ٹھکانا
لَّهُمْ ۝١٢ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ
جہنم ہے اور ایسی بہت سی بستیاں کہ جو اس
أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي
بستی سے بھی طاقت ور تھیں کہ جس نے آپ کو
أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا
نکال دیا ہے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا پھر ان کا
نَاصِرَ لَهُمْ ۝١٣ أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ
کوئی بھی مددگار نہ ہوا پھر کیا وہ شخص کہ جو اپنے
بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ
رب کی طرف سے روشن طریقہ پر ہے اس کے برابر ہے کہ جس کی بدکاری
سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ۝١٤
اس کے نزدیک بھلی معلوم کرائی گئی اور وہ اپنے خواہشوں پر چلتے ہوں

ع ۱ (۱۱) ۵

ترکیب

الضمائر فی اخرجتک وہی للقریۃ و فی اھلکنٰھم ولا ناصر لھم للاہل ای لاہل القریۃ۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا والذین کفروا فتعسا لھم کہ منکروں کو ہلاکی ہے۔ اب اس ہلاکی کا ثبوت دیتا ہے۔

فقال افلم یسیروا فی الارض کہ کیا قریش نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے اگلوں کا کیا انجام ہوا۔ شام میں جاتے ہوئے قوم ثمود کے آثار اور یمن میں جاتے ہوئے قوم عاد کے امارات ان کو دکھائی دیا کرتے ہیں ان کا انجام یہ ہوا دمر اللہ علیھم اللہ نے ان کو ہلاک کیا اور قریش یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہلاکی اور بربادی انہیں کے لیے تھی بلکہ وللکفرین

امثالہا کفار کے لیے خواہ عاد و ثمود ہوں یا قریش مکہ ہوں ایسے ہی انجام ہوتے ہیں۔ امثالہا ای امثال العاقبۃ اور یہ کیوں ہے ذٰلک بان اللہ مولی الذین اٰمنوا الخ اس لیے کہ اللہ ایمان داروں کا حامی ہے اور کافروں کا کوئی بھی حامی نہیں پھر ان کو ایسے مصائب سے کون بچا سکتا ہے ؟

یہ تو کفر و ایمان کا دنیوی ثمرہ تھا۔ اس کے بعد اُخروی فرق بیان فرماتا ہے۔ فقال ان اللہ یدخل الذین اٰمنوا و عملوا الصلحٰت جنّٰت الخ کہ اللہ تعالٰی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اس کے بعد نیک کام کیے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی اور کفار و بدکار لوگ دنیا میں چارپایوں کی طرح سے کھانے پینے میں مصروف ہیں نہ ان کو آخرت کی فکر نہ نیک باتوں کی طرف رغبت نہ برے افعال سے نفرت۔ ان کا ٹھکانا آگ ہے اس میں رہا کریں گے۔

کفار یہ سن کر کہ اللہ ایمان داروں کا مددگار ہے طعن سے یہ کہتے تھے کہ وہ حمایت کہاں گئی؟ ہم نے تو محمد کو مکہ سے نکال دیا۔ اس پر کچھ عجب نہیں کہ حضرت کو وطن ترک کرنے کا رنج بھی ہوا ہو۔ چنانچہ ابو یعلٰی موصلی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلنے اور غار میں چھپنے چلے تو مکہ کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے اور یہ کہتے تھے کہ بخدا سب شہروں سے تو میرے نزدیک محبوب ہے اگر یہ لوگ مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا۔ اس پر یہ آیت تسلی بخش نازل ہوئی وکاین من قریۃ الخ کہ اے محمد! بہت سے شہر جو تمہارے اس شہر سے (کہ جس نے تجھے نکال دیا یعنی مکہ سے) طاقت و زور میں بڑھ کر تھے سدوم و عمورہ وغیرہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کا کوئی مددگار نہ اٹھا پھر یہ اہل مکہ کیا گھمنڈ کرتے ہیں ذرا صبر کریں۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بدر کی لڑائی نے ان متکبروں کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد کفر و ایمان کا ایک اور فرق بیان فرماتا ہے فقال افمن کان الخ کیا وہ شخص کہ جس کے پاس اس کے رب کی سند ہو یعنی کتاب و نبی (اور وہ کون شخص ہے؟ ایماندار) اس کے برابر ہو گیا کہ جو محض اٹکل سے اپنے خیالات کا پیرو ہے اور جس نے بری باتوں کو بھلا سمجھ رکھا ہے وہ کون ہے؟ کافر و بت پرست

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ

وہ جنت کہ جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے

فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَ

ایسی ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں ہیں اور

اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَ

(اسی طرح) نہریں دودھ کی کہ جس کا مزہ نہ بدلے اور

اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ

مزے دار شراب کی نہریں ہیں

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ

صاف شہد کی نہریں ہیں اور ان کے لیے

فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ

وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے

مِّنْ رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ

رب کی مغفرت ہے کیا یہ لوگ ان کے برابر ہیں جو آگ

فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ

میں سدا رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پلایا جائیگا جس سے ان کی

اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی (کٹ پڑیں گی)

ترکیب

قال سیبویہ المثل بمعنی الوصف والصفۃ علیٰ ہذا مثل الجنۃ الخ مبتداء فیہا انہٰر الجملۃ خبرہ وقیل المثل علیٰ معناہ فحینئذ تقدیر الکلام مثل الجنۃ (مبتداء والخبر محذوف وہو) تجری فیہا انہار ہذا ہو المثل یہ کما یقال مثل زید رجل طویل اسمر فیذکر بعین صفات زید فی رجل منکر لایکون ہو فی الحقیقۃ الازید اہذا قول الزجاج کمن ہو الکاف موضع رفع ای ام من فی ہذا النعیم کمن ہو خالد فی النار۔

تفسیر

جیساکہ مومن وکافر کا فرق بیان فرمایا تھا اسی طرح اب ان کے مقامات کا تفاوت بیان فرماتا ہے۔

فقال مثل الجنۃ الخ وہ جنت کہ جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی وہ پرہیز گاری پر ملتی ہے کسی کے حسب ونسب مال وجاہ سے نہیں ملتی) ایسی ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں بہتی ہیں الخ جنت میں تین چیزیں بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ اس میں چار قسم کی نہریں بہتی ہیں (۱) صاف پانی کی (۲) ایسے دودھ کی جو کبھی نہ بگڑے (۳) مزہ دار شراب کی (۴) شہد صاف کی۔ پانی کے وصف میں غیر اسن فرمایا یعنی جس کا رنگ وبو اور مزہ نہ بدلے۔ کیونکہ پانی کے حق میں یہ باتیں عیب ہیں۔ یعنی نہایت صاف اور معطر پانی۔ گندے سڑے ہوئے بدرنگ پانی کی نہریں نہیں جیساکہ دنیا میں ہوتی ہیں۔

اور دودھ کا عیب یہ ہے کہ وہ سریع الاستحالہ ہے جلد بگڑ جاتا ہے سو وہاں کا دودھ اس قسم کا نہ ہوگا۔

اور شراب میں عیب یہ ہے کہ وہ تلخ وکریہ الطعم ہوتی ہے وہاں کی شراب میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ مزہ دار ہوگی۔

اور شہد کا عیب یہ ہے کہ یہ میلا ہوتا ہے مکھیاں پتے کوڑا کرکٹ اس میں ملا ہوتا ہے وہاں کے شہد میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ وہ مصفٰی ہوگا۔

پانی کی نہریں تو ہوا کرتی ہیں مگر دودھ اور شہد اور شراب کی نہروں کے کیا معنی؟ کیا در اصل جنت میں ان چیزوں کی نہریں بہتی ہوں گی؟ ظاہر الفاظ تو یہی کہہ رہے ہیں۔ مگر بعض محققین کہتے ہیں یہ استعارات ہیں کس لیے کہ جنت کی کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا مثل دنیا میں تلاش کرنے سے بھی دستیاب ہو سکے۔ پھر وہاں کی نعمتیں بندوں کو سمجھائی کیوں کر جاویں۔ اس لیے جن چیزوں کو وہاں کی چیزوں سے ذرا بھی مناسبت تھی ان کے پیرایہ میں سمجھایا گیا۔

ان چیزوں کی نہریں بہنا کمالِ فرحت وتنعم کی دلیل ہے کہتے ہیں فلاں بادشاہ نے جشن میں شرابوں سے حوض بھر دیے تھے۔ یا مراد کثرت وافراط ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں ملک میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں یعنی بکثرت ہے۔ واللہ اعلم۔

قوائے اربعہ عناصر اربعہ کی صورت میں جلوہ گر ہوں گے۔ انسان کی چار قوتیں جن کی نہریں اس کے اندر بہتی ہیں بشرطیکہ ان کو ٹھیک طور پر بہنے دے جو فطرت نے ان کا بہاؤ رکھا ہے تو عالم قدس میں اپنی اپنی مناسب چیزوں میں ظہور کرکے ان کی نہریں بہیں گی روحانیہ نفسانیہ سبعیہ شہوانیہ۔ یا یوں کہو کہ اس کے علوم ومعارف حقیقیہ کہ جن سے دل زندہ ہوتے ہیں پانی کی نہر ہوگی اور چونکہ ان علوم میں وہمیات وعادات وعقائد فاسدہ کے خس وخاشاک نہیں

اس لیے وہ ماءِ غیر اسن یعنی صاف پانی ہوگا اور وہ علوم جو اخلاق و افعال سے متعلق ہیں اور ان ناقصوں کے کارآمد ہیں جو ریاضت اور سلوک سے کاملین میں ملنے کی صلاحیت رکھتے ہیں دودھ کی نہریں ہوں گی اور ذات وصفات باری تعالیٰ سے محبت وہ شراب کی نہریں ہونگی جن میں تجلیاتِ صفات و شہودِ جمال ذات سے عشاق کو لذات ہیں اور حلاوات وارادات قدسیہ و بوارق نوریہ اور لذاتِ وجدانیہ شہد کی نہریں ہوں گی اور فضول سے یہ حلاوتیں اور جذبات بری ہیں اس لیے عسل مصفیٰ ہوں گے۔

جنت میں دوسری چیز ہے کل الثمرات ہر قسم کے میوے۔ یہاں تک جنت جسمانی کا بیان تھا۔ اب تیسری چیز روحانی بیان کرتا ہے ومغفرۃ من ربھم خدا کی بخشش وخوشنودی۔ یہ تو پرہیزگاروں اور ایمان داروں کا مقام تھا۔

اب کفار کا مقام بیان فرماتا ہے کمن ھو خالد فی النار کہ یہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پلایا جاوے گا جس سے انتڑیاں کٹ کٹ کر گریں گی۔ فرماتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ کلمہ اگر کوئی ذرا بھی طبیعت سلیمہ رکھتا ہو اس کے لیے بڑا ہی مؤثر ہے۔

۲ ع ۸ ۶

الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ
کہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی ہے اور
اتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِیْنَ
یہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور وہ جو
اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی وَّاٰتٰھُمْ
رستہ پر آگئے ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا اور ان کو پرہیزگاری
تَقْوٰھُمْ ﴿۱۷﴾ فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا
عطا کرتا ہے پھر کیا وہ اس گھڑی کا انتظار
السَّاعَۃَ اَنْ تَاْتِیَھُمْ بَغْتَۃً ج فَقَدْ
کرتے ہیں کہ ان پر ناگہاں آوے کیوں کہ
جَآءَ اَشْرَاطُھَا ج فَاَنّٰی لَھُمْ اِذَا
اس کی علامتیں تو ظاہر ہو چلی ہیں پھر جب وہ آگئی
جَآءَتْھُمْ ذِکْرٰھُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ
تو ان کو سمجھنا کیا مفید ہوگا پھر اے رسول یقین کر
اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ
کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اپنے
لِذَنْۢبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط
گناہوں کی اور ایماندار مرد اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگیے
وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰکُمْ ﴿۱۹﴾
اور اللہ کو تمہارا پھرنا اور ٹھکانا معلوم ہے

وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ ج حَتّٰٓی
اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ
اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِکَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ
جب آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو علم والوں سے
اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا قف اُولٰٓئِکَ
پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی کیا کہا تھا یہ وہ ہیں

ترکیب

منھم خبر مقدم من یستمع مبتدء انفا بالمد والقصر ومعناہ الساعۃ وانتصابہ علی الظرفیۃ ای وقتا مؤتنفا او حالا من الضمیر فی قال۔ قال الزجاج ھو من استانفت الشئ اذا ابتدأتہ وھو ماخوذ من انف الشئ

لما تقدم منہ - ان تاتیھم بغتۃ بدل اشتمال من الساعۃ -

تفسیر

کمن ھو خالد فی النار میں گروہ اشقیاء کا ذکر ہوا تھا - اب یہاں ان کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے ان کا خلود فی النار ہونا ثابت ہو جائے فقال ومنھم من یستمع کہ ان اشقیاء میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اے محمدؐ! تیری مجلس میں حاضر ہوتے ہیں وعظ سننے کو بیٹھتے ہیں مگر ان میں عزت و عظمت نہیں، اس طرف دھیان نہیں کرتے رعونت و تکبر سے پھر باہر نکل کر اہل مجلس کے علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا فرمایا تھا۔

یہ مدینہ میں منافقوں کا گروہ تھا - مجلس میں ادھر اُدھر خیال رکھتے تھے بات دھیان دھر کر نہ سنتے تھے - باہر نکل کر صحابہؓ سے پوچھتے تھے - عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں من جملہ اُن اہل علم کے کہ جن سے وہ باہر نکل کر پوچھتے تھے ایک میں تھا، اس وقت کم سن لڑکا تھا۔ فرماتا ہے اولئک الذین کہ یہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر مہر ہے اور اپنی خواہش پر چلتے ہیں جو بات خواہش کے موافق ہوتی ہے اس کو بہت جلد سنتے اور دھیان دھرتے ہیں - اور جو ہدایت یافتہ ہیں یعنی ایمان دار ان کو ان مجالس وعظ میں اور زیادہ ہدایت ہوتی ہے - انسان دنیا میں نیکی حاصل کرنے کو بھیجا گیا ہر اب تک تو انہوں نے کوئی ذریعہ آخرت حاصل نہیں کیا پھر کب کریں گے کیا قیامت[1] کے منتظر ہیں کہ دفعۃً آجائے - پس قیامت کے علامات تو آگئے - من جملہ آثار قیامت کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا ہے - صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرا مبعوث ہونا اور قیامت کا آنا اس طرح سے ہیں اور دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا بیچ کی اور کلمہ کی انگلی کو - یعنی قریب قریب ہیں - اور بھی علامات قیامت ظاہر ہونے لگے فسق و فجور کا رواج محبت و الفت کا اٹھ جانا وغیرہ وغیرہ -

فرماتا ہے فانّٰی لھم اذا جاء تھم ذکرٰھم کہ قیامت اگر آگئی تو پھر کہاں سمجھنے کا موقع ملے گا - اس لیے قیامت کے آنے سے پہلے سمجھنے اور سدھرنے کا ڈھنگ بتلاتا ہے -

فقال فاعلم انہ لا الٰہ الخ کہ اس بات کو جان کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں - اس میں حکمت نظریہ کی تعلیم ہے اور یہی مقدم بھی ہے اس کے بعد عملی حصہ کو درست کرتا ہے واستغفر لذنبک الخ اپنے گناہوں کی اور اپنے ساتھ اور ایمان دار بھائیوں مرد و زن کی معافی خدا سے مانگو - معافی مانگنا حقیقت میں بندہ کا کمال عجز ہے جو رحم دلاتا ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی قومی بھی ہو کہ معافی میں اپنے بھائیوں کو بھی شریک کرتا ہے اس اولوالعزمی پر اور بھی رحم کا مستوجب ہوتا ہے - اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذکر نہیں کہ ان کو گناہ گار ٹھہرایا جاوے اور حضرتؐ کے گناہ بھی کیا ہیں صرف غفلات جو ہماری نیکیوں سے بڑھ کر ہیں -

[1] ممکن ہے کہ الساعۃ سے مراد موت کی گھڑی ہو اور اس کی علامات انسانی تغیرات دم بدم اس کو متنبہ کر رہی ہیں ۱۲ منہ

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ

اور ایمان والے | کہتے | ہیں | کس لیے کوئی سورت (جہاد کیلیے)

سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ
نہ کی گئی پھر جب کوئی ایسی سورت نازل ہوگی
وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ
اور اس میں لڑائی کا ذکر ہو تو دیکھ لینا جن کے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
دلوں میں مرض ہے آپ کی طرف ایسا تکیں گے
نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ
جیسا کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو
فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ
وہ مرے بھی نہیں فرماں برداری کرنا اور اچھی بات
مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ
کہنا چاہیے پھر جب کوئی بات (جنگ) ٹھہر جاتی پھر اس
صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾
وقت اگر وہ اللہ سے سچے ہیں تو ان کے لیے بھی بہتر ہے
فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ
پھر تم سے تو یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو
تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا
ملک میں فساد مچاؤ اور قرابت
اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
منقطع کرنے لگو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى
اللہ نے لعنت کر دی پھر ان کو بہرا اور اندھا
اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ
بھی کر دیا پھر کیوں قرآن میں غور
الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾
نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔
اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ
بے شک وہ جو ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد
مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ
بھی الٹے پھر گئے تو
الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾
یہ بات ان کو شیطان نے سجھائی اور بڑھائی ہے۔

ترکیب

لولا بمعنی ہلا رایت الذین جواب فاذا انزلت اولی مبتدا لهم الخبر اولی افعل من الولی وهو القرب ای اقرب لکم ما تکرہون وقال الجرجانی ہو ماخوذ من الویل ای فویل لهم طاعة الخ خبر مبتدا محذوف ای امرہم فاذا عزم الامر عامل الظرف محذوف وقیل فلو صدقوا اللہ - ان تفسدوا خبر عسیٰ - وان تولیتم معترض بینہما الشیطن مبتدا وسول خبر والجملۃ خبر ان واملی معطوف علی الخبر۔

تفسیر

سعید اور شقی کا فرق آیاتِ علمیہ کی نسبت بنا کر کہ نیکوں کو زیادہ ہدایت ہوتی ہے اور شقی اپنی ہوا و ہوس میں مستغرق ہوتا ہے، خیال کر کے نہیں سنتا، باہر جا کر لوگوں سے پوچھتا ہے۔ اب آیاتِ عملیہ کی نسبت دونوں گروہوں کا فرق بیان کرتا ہے۔ فقال ویقول الذین آمنوا الخ کہ نیک گروہ یعنی ایمان دار تو اس بات کی آرزو کرتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی حکم دیا جائے یعنی جہاد کرنا جو سب سے بڑھ کر سخت کام ہے تو ہم سعادت سمجھ کر اس کو بجا لائیں اور جب کوئی ایسی سورت نازل ہو جاتی ہے کہ جس میں جہاد کا حکم ہوتا

جن کے دلوں میں کفر و نفاق کا مرض ہے ان کے تو ہوش اڑ جاتے ہیں اور اے محمد! تیری طرف ایسے بھیانک ہو کر دیکھتے ہیں کہ جیسے کوئی موت کے وقت دیکھا کرتا ہے۔ فرماتا ہے یہ ان کی بد نصیبی ہے ان کو فرمان برداری کرنی چاہیے اور نیک بات کہنی چاہیے۔ اور جب کوئی بات جنگ کی بابت قرار پا جائے تو اللہ سے سچا ہونا چاہیے۔ جو اس سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنا چاہیے۔ (سورۃ محکمۃ۔ غیر منسوخۃ۔ او المراد صریحۃ البیان فی امر الجہاد)۔

اس امر میں منافق ایک یہ بھی عذر کیا کرتے تھے کہ ہم عرب سے کیوں کر لڑیں ہماری ان سے قرابت ہے اور قطع رحم کرنا اور لڑ بھڑ کر فساد مچانا کوئی اچھی بات نہیں ہے اس لیے ہم جہاد سے عذر کرتے ہیں۔ اس کے رد میں فرماتا ہے فھل عسیتم الخ اگر تم مالک ہو جاؤ اور ملک میں تم کو حکومت ہو جائے تو پھر دیکھو کس قدر فساد کرتے اور قطع رحم کرتے ہو۔ تولیتم کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اس کو ولایت سے ماخوذ قرار دیا جائے یعنی تم والی اور مالک ہو جاؤ۔ اور دوسرے یہ کہ اس کو تولّی بمعنی فرار سے ماخوذ مانا جائے تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر تم جہاد سے پھر جاؤ گے اور تم پر اپنا کوئی حاکم نہ رہے گا، مخالفوں کے شر سے امن کی صورت نہ ہوگی تو ایسی ظلمت کے زمانے میں ادنیٰ ادنیٰ بات پر خود سر ہو کر لڑو گے اور فساد مچاؤ گے رحم اور قرابت کا کچھ لحاظ نہ کرو گے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کی عادت تھی، ذرا ذرا سی باتوں پر تلوار چل کر ہزاروں خون ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں جہاد و قتال نہ ہونے سے مسلمانوں میں سردار کا وجود جاتا رہا پھر ہزاروں مصائب اور آفات میں مبتلا ہو گئے۔ فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کر دی ہے جس لیے یہ بہرے ہو گئے فوائد جہاد نہیں سنتے اور اندھے بھی ہیں خود بھی اس کے فوائد نہیں دیکھتے۔ کاش قرآن میں غور کر کے مصالح جہاد کو سوچتے ان کے دلوں پر مہر اور قفل ہیں یہ توفیق کہاں؟ ہدایت ظاہر ہونے پر جو منہ پھیرتے ہیں ان کو شیطان نے یہ حیلہ بازی سکھائی کہ جہاد میں یہ خرابی ہے اور اسی نے ان کو امید دلائی ہے کہ مدتوں جیو گے ابھی کیوں لڑ کر مرتے ہو۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا

یہ اس لیے کہ انہوں نے ان سے کہ جنہوں نے برا جانا اللہ کے نازل

مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ

کیے ہوئے کو یہ کہہ دیا کہ ہم بعض باتوں میں تمہارا کہنا

الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾

مانیں گے اور اللہ ہی جانتا ہے ان کی راز داری

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ

پھر جب کیا ہوگا کہ فرشتے ان کی جان نکالتے ہوں گے

يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾

ان کے منھ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَ

یہ اس لیے کہ یہ چلے اس پر کہ جس سے اللہ ناراض ہے اور

ع ٣ ٩ كَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

انہوں نے اللہ کی رضامندی کو برا جانا پھر اس نے بھی ان کے عمال اکارت کر دیے

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ

کیا وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض

مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾

(نفاق) ہے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کی دبی دشمنی ظاہر نہ کرے گا

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ

اور اگر ہم چاہتے تو ان کو دکھا بھی دیتے پھر آپ ان کو ان کے

بِسِیمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ
چہروں سے پہچان لیتے اور ضرور آپ ان کو ان کے طرزِ کلام سے بھی
الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾
پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے بھی خوب واقف ہے
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ
اور ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ معلوم کرلیں کہ تم میں سے جہاد کرنے
مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟
والے اور صبر کرنے والے (کون ہیں) اور تمہاری اصلی
اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
حالت جانچ لیں بے شک وہ جو کافر ہوئے
وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا
اور اللہ کے رستہ سے روکتے رہے اور رسول سے
الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ
مخالف ہوگئے بعد اس کے کہ ان پر ہدایت
الْهُدٰى ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَ
ظاہر ہو چکی تھی وہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور
سَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ
وہ جلد ان کے اعمال برباد کر دے گا ایمان والو!
اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ
اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرو
وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ[1] ﴿۳۳﴾
اور اپنے عمل ضائع نہ کرو

ترکیب

بسیماھم ای بعلامۃ خاصۃ لونشاء لجعلنا علی المنافقین علامۃ عرفتہم بتلک العلامۃ الاضغان جمع ضغن جو دل میں بری بات رکھی جائے حسد بغض کینہ خیانت لحن القول بات کا پھیرنا کسی غرض کے لیے۔

تفسیر

یہ تتمہ ہے کلام سابق کا۔ کہ یہ منافق جو ہدایت آنے کے بعد الٹے پھر گئے اس کا یہ سبب ہے کہ انہوں نے وحی یعنی قرآن کے دشمنوں سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم تمہاری کچھ باتیں مانیں گے اور یہ بات مخفی کہی تھی لیکن اللہ کو ان کی رازداری معلوم ہے۔ اسرارھم بکسر ہمزہ پڑھیں گے تو مصدر ہوگا۔ یہ اہل کوفہ کی قراءۃ ہے۔ اور اگر بفتح ہمزہ پڑھیں گے جیسا کہ جمہور کی قراءۃ ہے تو یہ سر کی جمع ہوگا جس کے معنی ہیں بہت راز۔ بہت بھید۔

قرآن کے دشمن کون تھے کہ جن سے منافقوں نے وعدہ کیا تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں وہ قرآن کے دشمن عرب کے مشرک و کفار تھے۔ مدینہ کے منافقوں نے مخفی

[1] معتزلہ اس آیت سے یہ بات نکالتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ کسی نے عمر بھر نماز روزہ کیا اور ایک بار ایک چلو شراب پی لی تو گویا اس نے کبھی روزہ نماز کیا ہی نہ تھا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ بات نہیں ہاں کفر و شرک سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں بایں معنی کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا مستحق ہوگیا۔ اعمال صالحہ کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ امام ابوحنیفہؒ اس بات سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتے ہیں یعنی اس کو تمام کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ عمل کا باطل کرنا لازم آتا ہے۔ اور ائمہ کا یہ قول نہیں ۱۲ منہ

طور پر ان سے یارانہ قائم رکھنے کے لیے کہلا بھیجا تھا کہ ہم محمدؐ پر بظاہر ایمان تو لائے ہیں مگر بعض باتوں میں تمہارا کہنا مانیں گے۔ وہ بعض کیا بات تھی وہ یہ کہ دل سے ہم بھی محمدؐ کو نبی نہیں جانتے۔ اور یہ کہ اگر تمہارا غلبہ ہوا تو ہم تمہارے ساتھ ہو جاویں گے۔

مگر اس آیت کی ایک اور آیت میں پوری شرح ہے۔ وہ آیت یہ ہے الم تر الی الذین نافقوا یقولون لاخوانھم الذین کفروا من اھل الکتب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احدًا ابدًا و ان قوتلتم لننصرنکم (کہ منافق لوگ اپنے اہلِ کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی ساتھ نکلیں گے اور اس بات میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور جو تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے) پس کہنے والے منافق تھے اور قرآن کے دشمن مدینہ کے آس پاس والے یہود تھے۔ اور وہ بات یہ تھی کہ در پردہ ہم تمہارے یار و مددگار ہیں۔ اس جرم میں یہ بھی راندۂ دربارِ الٰہی ہوئے اس لیے ان کے خاتمہ کے حال سے خبر دیتا ہے۔ فکیف اذا الخ کہ اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ ان کی روح نکالیں گے اور اس وقت ان کے منہ اور پیٹھوں پر کوڑے مارتے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی ناپسند باتوں کا اتباع کیا اور اس کی رضامندی کی پروا نہ کی۔ اس لیے ان کے اعمال حبط ہو گئے۔ منافقین اپنے حال کو بھی مسلمانوں سے بہت مخفی رکھتے تھے کہ مبادا ہماری اندرونی خباثت معلوم ہو جائے تاکہ مسلمان ہمیں ضرر نہ پہنچائیں اس بات کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ام حسب الذین فی قلوبھم مرض الخ ان کی باطنی دشمنی چھپی نہ رہے گی، اگر ہم چاہیں تو ان کو معین کر کے بتا دیں اور ان کی طرزِ گفتار سے بھی اے محمدؐ آپ پہچان لیں گے اور آزمائش ڈالیں گے اس میں خوب اچھے بروں کا امتیاز ہو جائیگا

یہ خدا کو اور اس کے رسول کو کوئی ضرر نہ دے سکیں گے اس کے بعد مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ زینہار تم ان کے کہنے میں نہ آنا اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرنا۔ خلاف کرنے میں عمل حبط ہو جائیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ
بے شک وہ جو کافر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے رستہ سے روکتے
اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ
رہے پھر وہ کافر ہی مرگئے تو ان کو ہرگز
اللَّهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا
اللہ نہ بخشے گا پھر تم بودے بن کر
إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَ
صلاح نہ پکارو حالانکہ تم ہی غالب رہو گے اور
اللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾
اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہاری کوششیں رائگاں نہ کرے گا
إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ
دنیا کی زندگانی جو ہے تو کھیل کود ہے
وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ
اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو وہ تمہاری اجرت
أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾
تمہیں دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا
إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا
اگر وہ تم سے مال مانگے پھر تم کو تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو
وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هَا أَنتُمْ
اور تمہاری خباثت ظاہر کر دے دیکھو تم
هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي
وہ ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ
بلایا جاتا ہے پھر تم میں سے وہ بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں
وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ
اور جو کوئی بخل کرتا ہے تو اپنے نفس سے کرتا ہے
وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ
اور اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ اور دوسرے لوگ
غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۴/۱۰/۸
پیدا کردے گا پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے

ترکیب

الاحفاء الاستقصاء فی الکلام ومنہ احفاء الشارب ای استیصالہ تبخلوا جواب الشرط وان تتولوا معطوف علی قولہ وان تؤمنوا۔ اعلون اصلہ اعلیون لانہ جمع اعلی فسکنت الیاء والواو کانت ساکنۃ فالتقی الساکنان فسقطت الیاء وبقی اعلون (کبیر)

تفسیر

اعمال حبط ہونے کا ذکر آیا تھا جس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ پھر مغفرت کی کوئی صورت نہیں کوئی گناہ ہوا اعمال نیک برباد گئے بخشش بھی گئی اس لیے اس مسئلہ کا تصفیہ کر دیا۔

فقال الذین کفروا الخ کہ بخشش نہ ہونے کی صرف یہی صورت ہے کہ کفر و بدکاری کرے اور پھر کفر ہی کی حالت میں مرجاوے تب ہرگز اس کی بخشش نہ ہوگی۔ اعمال برباد نہ ہونے پر اس کا فضل باقی رہتا ہے۔

کفر و اسلام کا انجام بتلا کر مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں آمادہ کرتا ہے۔ فقال فلا تھنوا الخ کہ تم بودے نہ ہو اور دب کر صلح نہ کرو حالانکہ تم ہی غالب ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے اعمال تمہاری کوشش برباد نہ کرے گا۔ اس آیت میں صاف حکم یہ ہے کہ کفار سے دب کر صلح کی درخواست نہ کرنی چاہیے ہاں ان جنحوا للسلم فاجنح لھا اگر وہ صلح جھک کر کریں تو کر لو ورنہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور جنگ کرنے میں کوشش کرو۔ یا فتح پاؤ گے سو یہیں مراد ہے یا مارے جاؤ گے تو شہید ہو گے دنیا میں کیا رکھا ہے جس پر غش ہو انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو۔ دنیا کی زندگی کھیل کود ہے بے کار و ناپائدار پھر اس حیات چند روزہ میں ان تؤمنوا وتتقوا ایمان لاؤ پرہیزگاری کر لو یہی توشہ ہے اس کو ساتھ لے چلو یؤتکم اجورکم اور آخرت میں تمہارے بدلے تم کو دیے جاویں گے اور اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا جس لیے کوئی ڈرے اور نیکی سے دور بھاگے ولا یسئلکم اموالکم کے یہی معنی ہیں ان یسئلکموھا اگر وہ تم سے مانگے تو فیحفکم تو پھر سب کا سب لے تو تم بخل کرو اور تمہاری بخیلی ظاہر ہو جائے۔

مطلب یہ کہ دین میں مال کا ایسا خرچ نہیں کہ سب دے دیا جائے اگر مال پر کچھ ہے بھی تو بہت کم چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا پڑتا ہے۔ اگر خدا سب مانگے اور امتحان کرے تو مال کی وجہ سے تم اسلام سے نفرت کرنے لگو[1]

ان جملوں میں منافقوں پر تعریض ہے جو جہاد میں

[1] دین سے نفرت کرنے لگو کہ اس کی بدولت ہم مفلس ہو گئے ۱۲ منہ

دینا بار سمجھتے تھے اس کے بعد صاف صاف طور پر بیان فرماتا ہے ھٰانتم ھؤلاء تدعون الخ کہ دیکھو تم کو اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے جہاد میں جس سے سرکشوں اور بدی کا کڑوا درخت دنیا سے کاٹنا منظور ہے۔ پھر بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں یعنی منافقین۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے اپنے لیے۔ بس ہے کہ جو کچھ یہاں دو گے وہاں پاؤ گے اور جو نہ دو گے اس سے اپنے آپ کو محروم کرو گے۔ اور اللہ کو کچھ حاجت نہیں اس میں تمہارا ہی نفع ہے۔ حاجت مند تو تم ہی ہو۔ اور اگر تم نہ مانو گے تو تم کو ہٹا کر تمہاری جگہ ایک اور قوم اسلام میں داخل کرے گا جو نیک ہوں گے تم جیسے نہ ہوں گے۔

ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو لوگوں نے پوچھا یا حضرت وہ کون ہیں جو ہماری جگہ آویں گے؟ حضرت نے سلمان فارسیؓ کے کندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ اور اس کی قوم۔ بخدا اگر دین ثریا کے پاس ہوتا تو آل فارس میں سے ایک شخص[1] اس کو وہیں سے حاصل کرتا۔ بعض کہتے ہیں اس قوم سے مراد انصار ہیں۔ بعض کہتے ہیں فارس و روم۔ بعض کہتے ہیں اہل یمن۔ مجاہد کا قول بہت ٹھیک ہے وہ کہتے ہیں جس کو چاہے اسلام کا حامی اور انصار کر دے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ عرب کے بعد ترک کھڑے ہوئے۔

سورہ فتح

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں انتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ①
آپ کو کھلم کھلا فتح دی

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ
تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ

وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ
معاف کر دے اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دے اور

يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ② وَّ
تاکہ آپ کو سیدھے رستہ پر چلائے اور

يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ③ هُوَ
تاکہ اللہ آپ کی زبردست مدد کرے وہی تو

الَّذِيْٓ أَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ
ہے کہ جس نے ایمان داروں کے دلوں میں

قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا
اطمینان اتارا تاکہ ان کا ایمان

[1] ماتقدم اس وقت سے پہلے اور اس سے پچھلے گناہ یا نبوت کے قبل و مابعد کے گناہ مراد ہیں جیسا کہ ابن جریر اور سفیان ثوری اور مجاہد کہتے ہیں۔ عطا کہتے ہیں ماتقدم سے مراد آدم و حوا کے گناہ اور ماتاخر سے امت کے گناہ مراد ہیں۔ اس تقدیر پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حقیقۃً گناہ منسوب نہیں۔ پچھلے گناہ اب تک ظہور ہی میں نہیں آئے ان کے بخشنے کے یا تو یہ معنی ہیں کہ وعدہ ہے اگر صادر ہوں گے تو معاف کر دیے جائیں گے یا گناہوں کی نوبت ہی نہ آنے دے گی۔ توفیق الٰہی رفیق رہے گی۔ ۱۲ منہ

[1] یہ بشارت امام ابو حنیفہؒ کے لیے ہے۔ آپ فارسی الاصل تھے اسی پر بڑے بڑے ائمہ کا اتفاق ہے ۱۲ منہ

إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ

اور زیادہ ہو جائے اور آسمانوں اور زمین

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤﴾

خبردار حکمت والا ہے

ترکیب

لیغفر اختلف الاقوال فی اللام ۔ قال ابو العباس المبرد ہی لام کی معناہا انا فتحنا لک فتحاً مبیناً لکی نجتمع لک مع المغفرۃ تمام النعمۃ فی الفتح ۔

تفسیر

ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے مکہ چلے اور مشرکوں نے بمقام حدیبیہ آپ کو روک دیا اور اس بات پر فیصلہ ٹھیرا کہ اگلے سال آپ عمرہ کریں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں اپنی قربانی ذبح کر دی ۔ اس سے صحابہ کی ایک جماعت کو رنج تھا جن میں عمر بن الخطاب رضی بھی تھے ۔ پھر جب قربانی کر کے مدینہ کو واپس چلے تب یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی جس میں ان شکستہ دل مسلمانوں کو مژدہ ہے کہ یہ صلح تمہارے لیے فتح وظفر ہے ۔ چنانچہ بخاری نے براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اے لوگو! تم مکہ فتح ہو جانے کو فتح سمجھتے ہو وہ بھی سہی ہم تو یوم حدیبیہ میں بیعت الرضوان[1] کو فتح سمجھتے ہیں ۔ ہم چودہ سو آدمی حضرت کے ساتھ تھے اور حدیبیہ جو ایک کنواں ہے اس میں جس قدر تھوڑا سا پانی تھا سب کھینچ لیا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ۔ آنحضرتؐ نے کسی قدر پانی مانگا وضو کر کے کلی اس میں ڈال دی ۔ پھر اس میں اس قدر پانی ہو گیا کہ سب آدمیوں اور اونٹوں نے سیر ہو کر پیا ۔

اور بھی صحیحین و سنن ابی داؤد و جامع ترمذی وغیرہ کتابوں میں روایاتِ صحیحہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے اگلی سورت میں فرمایا تھا و من یبخل فانما یبخل عن نفسہ کہ تم جہاد میں خرچ کرنے سے کس لیے بخل کرتے ہو ہم نے تمہارے لیے ایک فتح مقرر کر دی ۔ جس میں اپنے خرچ کیے سے دگنا بلکہ دہ گنا پا لوگے ۔

اس لیے فرماتا ہے انا فتحنا لک فتحاً مبیناً کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تیرے لیے فتح ظاہر کا حکم لگا دیا ۔ فتح مبین میں علماء کے چند اقوال ہیں ۔ بعض کہتے ہیں فتح مکہ گو اس وقت تک نہ ہوئی تھی مگر یقینی چیز کو بلفظِ ماضی تعبیر کرنا قرآن کا محاورہ ہے ۔ بعض کہتے ہیں فتح روم وغیرہ جو اہل اسلام کو یکے بعد دیگرے اس سورۃ کے بعد سے ہونی شروع ہوئیں خیبر فتح ہوا اور علاقے عرب کے زیرِ حکومت ہوئے یمن میں تسلط ہوا ۔ خراج بھی آئے ۔ بعض کہتے ہیں کہ براہین و حجج اسلامیہ ۔ بعض کہتے ہیں صلح حدیبیہ جو مقدمہ ہے جمیع فتوحات کا ۔ یہ اقوال باہم متعارض نہیں ۔ ہر ایک درست ہے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو ایک رنج تھا کہ کفارِ قریش نے مکہ کے قریب سے

[1] بیعتِ رضوان کا قصہ آگے آتا ہے ۔ حدیبیہ مکہ کے قریب ایک کنواں تھا ۔ بعض نے اس کو حل میں بعض نے حرم میں شمار کیا ہے ۔ اب ایک قریہ ہے مکہ سے ایک مرحلہ یا کم پر اس جگہ آں حضرتؐ نے ڈیرہ کیا مکہ تک لوگوں نے آنے نہ دیا یہیں صلح ہوئی اور دیگر باتیں کہ جن کا اس سورہ میں ذکر آتا ہے یہیں واقع ہوئی ہیں ۔

مسلمانوں کو اور حضرت کو مکہ میں نہ آنے دیا اور اگلے سال پر ٹال دیا۔ گویا مسلمان دب گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ فروتنی کو اختیار کیا جنگ وجدل کرنا مناسب نہ جانا۔ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے حضرتؐ پر اور حضرتؐ کے پیرؤوں پر کھول دیے تھوڑے دن نہ گزرے تھے کہ خیبر فتح ہوا جس سے مدینہ کے مسلمانوں کا فقر وفاقہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد مکہ فتح ہوا اور بہت سی فتوحات ظاہر ہوتی گئیں جن کی مفصل کیفیت کتب تواریخ میں موجود ہے۔ اور اسلام کو جو یوماً فیوماً غلبہ ہوتا گیا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام پسند ہے اور آں حضرتؐ برگزیدہ بارگاہ ہیں کیونکہ جھوٹے ہوتے تو بموجب بشارت سفر استثنار کے فروغ نہ پاتے۔ اس بات کو ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ویتم نعمتہ علیک ویھدیک صراطا مستقیما وینصرک اللہ نصرا عزیزا گو فتح سبب مغفرت نہیں مگر دلیل مغفرت ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ نے چار باتیں فرمائیں۔

(۱) یہ کہ آپؐ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے۔ یہ مسلّم ہے کہ حضرتؐ نے عمر بھر کوئی گناہ نہیں کیا نہ چھوٹا نہ بڑا مگر پھر بھی بشر تھے وہ خواص بشریہ جو کبھی ملکیت پر غالب آکر قدرے غفلات وجذبات پیدا کر دیتے تھے آں حضرتؐ کے گناہ ہیں جن سے کوئی آدمی زاد پاک نہیں، ان کے واسطے مغفرت کا وعدہ حضرتؐ کی کوششوں کے بدلہ میں اس بات کا اعلان ہے کہ آپؐ شافع روز محشر ہیں اور نبی معصوم۔ بعض نصاریٰ نے معمولی گناہ سمجھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گناہ گاری کا الزام قائم کر دیا اور اس پر طرح طرح کے برے نتائج پیدا کر لیے۔

(۲) یہ کہ اپنی نعمت آپؐ کو پوری پوری عطا کرے کیوں کہ نبوت کی نعمت تو آپؐ کو عطا ہوئی تھی مگر بغیر شوکت اسلام وشیوع دین پاک کے یہ نعمت پوری نہ ہوئی تھی سو پوری ہو گئی۔

(۳) ویھدیک صراطا مستقیما اور آپ کو سیدھے رستے پر چلا دے کس لیے کہ سیدھے رستے پر چلنے میں جو لوگ خارج ومانع تھے جب ان پر آپ کو فتح نصیب ہوئی تو اب صراط مستقیم صاف ہو گیا۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ لوگوں کو بتلا دے کہ تو سیدھے رستہ پر ہے کس لیے کہ اگر یہ دین منشائے الٰہی کے موافق نہ ہوتا تو دنیا میں اس قدر جلد رواج نہ پاتا۔

(۴) یہ کہ اللہ آپ کو دشمنوں پر زبردست فتح دیگا نصرا عزیزا قال الزمخشری معناہ نصرا ذا عز کقولہ فی عیشۃ راضیۃ ای ذات رضا۔

اس کے بعد فتح ومدد کا سبب بیان فرماتا ہے کہ وہ کس طرح سے ہوگی فقال وھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین لیزدادوا[۱] ایمانا مع ایمانھم کہ اس نے مسلمانوں کے دل میں اطمینان وقرار نازل کیا جس سے ان کا اور بھی ایمان قوی ہو گیا حقیقت میں فتح و

---

[۱] علما کی ایک جماعت اس آیت سے استدلال کرکے یہ کہتی ہے کہ ایمان کم زیادہ ہوتا ہے مگر محققین جن میں حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں یہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک تصدیق قلبی ہے وہ کیفیت زیادہ کم نہیں ہوتی پھر آیات واحادیث میں جو زیادہ ہونا آیا ہے اس سے علم الیقین و عین الیقین مراد ہے۔ یا باعتبار اس کے کہ جس پر ایمان لایا یعنی پہلے دو باتوں پر ایمان تھا پھر تیسری نازل ہوئی اس پر بھی ہوا چنانچہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس بارے میں بعض آثار بھی نقل کیے ہیں ۱۲ منہ

شکست کا باعث دل کی استقامت و بے ثباتی پر ہوتا ہے۔ بہت سے لشکر جن کے دل ہل جاتے ہیں تھوڑے سے آدمیوں سے جو قوی دل اور ثابت قدم ہوتے ہیں شکست کھایا کرتے ہیں قلت و کثرت سامان و اسلحہ حرب و ضرب بالائی باتیں ہیں۔ اللہ پاک نے اس ارشاد کے بموجب صحابہؓ کے دل میں وہ قوت و ثبات پیدا کر دیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتیں تھوڑے سے دنوں میں اکھیڑ کر پھینک دیں اور چھوٹے موٹوں کا کیا ذکر ہے۔

اور یہ کیوں کیا وللہ جنود السمٰوٰت والارض اللہ کی فوجیں آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین میں بھی اگر وہ چاہتا تو آسمانی لشکر یعنی ملائکہ سے ان قدیمی گمراہوں سرکشوں منکبروں کو پامال کر دیتا مگر اس نے زمین کے لشکر سے کام لیا۔ صحابہؓ کے دل میں قوت و اطمینان دیکر ان کو زمین میں خدائی لشکر کر دیا پھر خدائی لشکر سے کون مقابلہ کر سکتا تھا؟ اور زمینی لشکر سے کیوں کام لیا وکان اللہ علیما حکیما اللہ علم والا ہے ہر ایک بات جانتا ہے اور حکمت والا بھی ہے اس کی حکمت بھی اسی کو معلوم ہے من جملہ اس کے ایک یہ ہے کہ ان میں ان نیک بندوں کا بھی امتحان مقصود تھا کہ دیکھیں کیسے ثابت قدم رہتے ہیں۔

ف صحابہؓ کو گو حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے بھی حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے اس بات پر ایمان تھا کہ ایک روز اسلام غالب ہوگا مگر اس واقعہ کے بعد جب کہ ان کے دل میں اطمینان و ثابت قدمی نازل کی اور بھی یقین کامل ہوگیا۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

(زمینی لشکر سے اس لیے کام لیا) تاکہ ایماندار مردوں اور عورتوں کو ایسے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

باغوں میں داخل کرے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ

ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور ان کی برائیاں ان سے دور کرنے کو

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا

اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی

عَظِيْمًا ۝ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ

ہے اور تاکہ منافق مردوں اور

الْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے

الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ

جو اللہ سے بدگمانی کرتے ہیں انہیں پر

دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ

بری گردش پھرے اور ان پر اللہ کا غضب

عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ

نازل ہوا اور اس نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے لیے جہنم تیار

جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَ

کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے اور

لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

ترکیب

لیدخل متعلقہ بقولہ انا فتحنا وقیل متعلقہ بنصرك وقیل متعلقة بمحذوف یناسب المقام

جنّٰت مفعول فیہ خلدین حال من المؤمنین و یکفر معطوف علی یدخل و یعذب ایضا معطوف علیہ و غضب ولعن و اعد عطف علی احد مع ان الواو فی الاخیرین فی محل الفاء لیدل علی استقلال الکل فی الوعید۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا وکان اللہ علیما حکیما اب زمینی لشکر سے اسلام کو فتح یاب کرنے کی حکمت بتلاتا ہے۔ فقال لیدخل تاکہ ان جاں فشاں ایمان داروں کو جنت میں داخل کرے اور ان کی مساعی جمیلہ کو ان کے گناہوں کا کفارہ کر دے جو اللہ کے نزدیک بڑی بہتری اور انسان کی کامیابی ہے۔ اس سے زیادہ انسان کے لیے اور کیا مراد و تمنا ہو سکتی ہے کہ اس کے گناہوں پر مواخذہ نہ ہو اور وہ ہمیشہ بہشت میں رہا کرے۔

اگرچہ اور معاملات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں ہی کی طرف خطاب کیا ہے اور عورتیں تبعاً شامل ہیں مگر یہاں جہاد کے صلے میں انعام مذکور ہوئے ہیں اور عورتیں جہاد میں شریک نہیں ہو سکتیں جس سے گمان ہو سکتا تھا کہ عورتوں کو یہ انعام نہ ملے گا۔ مگر ایسے جوانمردوں کی عورتیں بھی ان معاملات میں دل سے شریک ہوتی ہیں جب مرد باہر جہاد میں جاتے ہیں پیچھے انتظام خانہ داری کرتی ہیں اور چلتے وقت سامان مہیا کرتی ہیں اس لیے قرآن کریم نے ان کی تصریح بھی کر دی۔ مؤمنین کے بعد مؤمنات کا لفظ بھی بڑھا دیا۔ اسی طرح گمراہوں کی عورتیں ان کے شریک حال ہوتی ہیں ان کا بھی عذاب میں نام لیا گیا۔ فقال یعذب المنٰفقین والمنٰفقٰت الخ۔ اور جہاد کے حکم میں یہ بھی مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں حجت تمام کر کے منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب کرے۔ دنیا میں بھی قتل کیے جائیں اسیر ہوں گھر بار لوٹے جائیں اور آخرت میں جہنم میں جلیں۔ اس مقام پر منافقوں اور مشرکوں کا ایک عیب بیان کیا جو نفاق و شرک کے علاوہ ہے اور وہ یہ کہ الظانین باللہ اللہ سے بدگمانی کرتے ہیں (کہ رسول سے جو اللہ نے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے باوجود بے سروسامانی کے کیوں کر پیغمبر کی جماعت غلبہ پاوے گی یہ محض جھوٹے وعدے ہیں) اس کے جواب میں فرماتا ہے۔

(۱) علیہم دائرۃ السوء　دائرہ مصدر رہے اسم فاعل کے وزن پر یا اسم فاعل ہے دَارَ یَدُوْرُ سے دائرہ خط محیط کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال حادثہ میں ہونے لگا جو جس پہ پڑتا ہے اس کا احاطہ کر لیتا ہے۔ سُوء بضم بمعنی عذاب و ہزیمت و شر۔ و بالفتح بمعنی برائی اس لیے دونوں قرأت ہیں۔ یعنی انہیں پر حادثہ پڑے گا نہ کہ مسلمانوں پر جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں (۲) ان پہ اللہ کا غضب ہے (۳) اس کی لعنت (۴) ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے اور وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس اسباب ظاہری نہیں وہ کیوں کر فتح پاویں گے، کس لیے کہ وللہ جنود السمٰوٰت والارض اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں جس سے چاہے کام لے وہ رب الافواج ہے کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور وہ زبردست ہے اس پر حکیم بھی ہے حکمت کے ساتھ زور بہت کام دیتا ہے۔

ف یہ فتوحات غیبیہ مخلصین اور غیر مخلصین میں امتیاز کر دیتی ہیں، اس لیے مومن دار فانی میں حیاتِ ابدی کے اور منافقین اور مشرکین جہنم کے مستحق ٹھیرتے ہیں ۱۲ منہ

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا

(اے رسول) آپ کو گواہ بنا کر اور خوش خبری دینے کو اور ڈر سنانے کو

وَنَذِيرًا ﴿٨﴾ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

بھیجا ہے تاکہ تم سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ

وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ

اور اس کی مدد کرو اور عزت کرو اور صبح و شام

بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ

اس کی پاکی بیان کیا کرو بے شک وہ جو

يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ط

آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے پھر جو کوئی بدعہدی کرے گا

فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ

تو وہ اپنی خرابی ہی کے لیے بدعہدی کرے گا اور جو اس

أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ

عہد کو پورا کریگا کہ جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ اس کو

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾ ع ۱ ۱۰ ۹

بڑا عمدہ بدلہ دے گا۔

تفسیر

ابھی فرمایا تھا عزیزاً حکیما اب یہاں اپنی حکمت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ساتھ زبردست ہونا بھی بتاتا ہے۔

فقال انا ارسلنک الخ کہ اے محمد ہم نے تجھ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر نیک و بد کاموں میں (جو لوگوں کے نزاع میں کوئی توحید کا قائل ہے کوئی بت پرستی کرتا ہے کوئی کسی بات کو اچھا کہتا کوئی برا اور دلائل فریقین باہم متعارض ہیں اس لیے دنیا ظلمات میں گھری ہوئی تھی) شہادت دیویں آپ ہی کی گواہی پر اچھائی اور برائی کا فیصلہ ہے پس آپ اچھے کام کرنے والوں کو بشارت دیتے ہیں کہ آخرت میں عمدہ نتائج ملیں گے اور برے کام کرنے والوں کو خوف دلاتے ہیں کہ ان باتوں کا انجام بد ہے دنیا کی بربادی اور آخرت میں عذاب۔ پس یہ شاہد اس لیے بھیجا تاکہ اے بنی آدم تم اس کی اور اللہ کی تصدیق کرو ایمان لاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی عزت و توقیر کرو۔

بعض کہتے ہیں تعزروہ و توقروہ کی ضمیریں خاص اللہ کی طرف پھرتی ہیں۔ بعض خاص رسول کی طرف راجع کرتے ہیں اور اس جگہ وقف ہے۔ تسبحوہ جدا جملہ شروع ہوتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں تعزیر و توقیر سے مراد یہ ہے کہ اس کے دین کی اعانت کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب و فرض ہے ذرا بھی کوئی توہین کرے گا فیض رسالت سے ابد الآباد محروم رہے گا۔

وتسبحوہ بکرۃ و اصیلا اور اللہ کی صبح و شام تسبیح بیان کرو سبحان اللہ وبحمدہ کہو۔ بعض کہتے ہیں نماز پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ تسبیح سے نماز بھی مراد ہوا کرتی ہے یہ شکر ہے اس اللہ کا کہ جس نے ہمارے لیے ایسا رسول بھیجا۔

بیعتِ رضوان

اب بندوں میں سے ایک گروہ کے محامد بیان کرتا ہے جنہوں نے تعظیم و تکریم اللہ اور اس کے رسول کی کما ینبغی کی۔

فقال ان الذین یبایعونک کہ اے محمد وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ رسول اللہ کا نائب ہے گویا اللہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے پھر جو اس بیعت کو توڑے گا یعنی اقرار کر کے بدعہدی کرے گا اپنا برا کرے گا اور جو اس عہد کو پورا کرے گا اللہ اس کو

اجرِ عظیم دے گا۔

حدیبیہ سے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی کو پیغام دے کر بھیجا قریش نے ان کو وہیں قید کر لیا اور خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر ڈالا۔ تب مسلمانوں کو جوش ہوا اور حضرت نے لوگوں سے عہد لینا شروع کیا۔ آپ ایک سایہ دار درخت کے تلے تشریف رکھتے تھے اور صحابہ آتے تھے اور حضرت کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہتے تھے کہ ہم لڑیں گے بھاگیں گے نہیں۔ تخمیناً چودہ سو آدمیوں نے بیعت کی۔ اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ ان آیات میں اسی کا ذکر ہے۔ آئندہ بھی اس کا ذکر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہاتھ پاؤں جسمانی چیزوں سے پاک ہے پھر ہاتھ بر سبیلِ مشاکلت فرمایا جس سے مراد اس کی حمایت و عنایت ہے یہی مذہب ہے محققین کا صفات متشابہات میں۔ بیع بیچنا۔ اس قسم کے معاہدہ کو اس لیے بیعت کہتے ہیں کہ بیعت کرنے والا اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں بیع کرتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے لیے بھی بیعت ہوتی تھی اور کبھی ہجرت پر اور کبھی ترکِ منکرات پر کبھی خدا تعالیٰ کی بندگی و یاد میں مستحکم رہنے پر۔ کتبِ احادیث اس کی شاہدِ عدل ہیں۔ حضرت کے بعد بیعت خلافت کا سلاطین کے لیے دستور جاری رہا اور بیعتِ توبہ و انابت کی سنت قائم کرنے کے لیے علماء و مشائخ کی جماعت قائم ہوئی اور بیعت اہلِ طریقت بھی بیعتِ انابت ہے یہ مسنون ہے۔ مگر جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے وہ ظاہر شریعت و انوارِ طریقت سے مزین ہونا چاہیے۔ ہاں یہ جو پیرزادے خاندانی پیشہ سمجھ کر کھانے کمانے کے لیے بیعت کر لیتے ہیں اور شریعت سے علیحدہ رستہ چلتے ہیں محض بے اصل کام ہے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ
وہ گنوار جو پیچھے رہ گئے ہیں ابھی آپ سے آکر
الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَ
کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور گھروں میں
أَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ
مشغول رہ گئے پس آپ ہمارے لیے معافی مانگیے وہ اپنی زبان سے
بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ
(وہ باتیں) کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں
قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ
آپ (ان سے) کہہ دیجیے (اگر) اللہ تمہارے لیے کوئی فائدہ یا
شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ
نقصان پہنچانا چاہے تو اللہ کے مقابلے میں کون
بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا
اس کو روک سکتا ہے بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ
اس کو اللہ خوب جانتا ہے بلکہ تم نے تو یہ سمجھ لیا تھا
أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَ
کہ (یہ) پیغمبر اور ایمان والے کبھی پھر کر اپنے گھروں
الْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا
کی طرف نہ آئیں گے
وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَ
اور یہ بات تمہارے دلوں میں کھپ بھی گئی تھی اور
ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ
تم نے بڑی بدگمانی کی اور تم
قَوْمًا بُورًا ﴿١٢﴾ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ
غارت ہو جانے والے لوگ ہو اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

رسول پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے بھی منکروں کے لیے دہکتی آگ

سَعِيْرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

تیار کر رکھی ہے　اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں　اور

الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

زمین میں　وہ جس کو چاہے معاف کرے　اور جس کو چاہے

مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭

عذاب دے　اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر

جس طرح کہ اعانت اور تعظیم کرنے والے گروہ کا ذکرِ خیر کیا تھا اسی طرح ان کے برعکس جماعت کا حال بیان فرماتا ہے۔

فقال سیقول لک المخلفون الخ کہ بہت جلد پیچھے رہ جانے والے اے نبی تم سے یہ جھوٹے عذر کریں گے محض تمہارے ضرر سے بچنے کے لیے حالانکہ دنیا یا آخرت میں جو کچھ ضرر یا نفع ان کو پہنچتا ہے اس کو کون روک سکتا ہے۔ یہ عذر کہ ہم اپنے مال و عیال کی وجہ سے آپ کے ساتھ اس سفر میں شریک نہ تھے ان میں مصروف رہے غلط ہے اور اس پر ان کا کہنا بھی جھوٹ ہے کہ ہمارے لیے معافی مانگ کیوں کہ دل میں اس بات کو گناہ ہی نہیں جانتے بلکہ ان میں بعض کا یہ خیال تھا کہ رسولؐ اور صحابہؓ جو مکہ جاتے ہیں سلامت نہ آئیں گے کس لیے کہ جب اہلِ مکہ مدینہ میں آکر لڑتے ہیں تو پھر یہ ان کے گھر جا کر کیوں کر سلامت آئیں گے ؟ اس خیالِ بد سے شریک نہ ہوئے تھے۔ ان کا دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہی نہیں۔ بے ایمانوں کے لیے جہنم ہے اور ان کی اللہ اور اس کے رسول کو پرواہی کیا ہے۔ اس کے قبضہ میں آسمان و زمین ہے جس کو جو چاہے معاف کرے یا عذاب دے۔ مگر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا غفور رحیم ہے۔ یہ ان آیات کا خلاصہ ہے۔

مجاہد وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تخمیناً چودہ سو آدمیوں کے ساتھ ہجرت کے چھٹے سال مکہ کی طرف عمرہ کرنے چلے اور اعلانِ عام کر دیا کہ سب قبائل چلیں۔ کس لیے کہ قریش و دیگر قبائل کا خوف تھا کہ وہ مقابلہ کریں گے تو عرب کے چند قبائل غفار و مُزینہ و جُہینہ و اشجع و دوائل جو مدینہ کے اطراف میں رہتے تھے اور بظاہر مسلمان و مطیعِ اسلام تھے اس اندیشہ سے ساتھ نہ ہوئے کہ مخالف کے ہاتھ سے بچ کر نہ آئیں گے۔ یہ بدگمانی اور وقت پر آنکھ چرانا شیوۂ ایمان و توکل نہ تھا، اس لیے ان پر عتاب ہوا اور سفر میں جب یہ سورت نازل ہوئی تو مقام پر پہنچنے سے پہلے آپؐ کو مطلع کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ لوگ آکر تم سے یہ جھوٹے عذر کریں گے۔ چنانچہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو یہ عذرات انہوں نے پیش کیے۔ سبحان اللہ خدا کا کلام بھی کیا کلام ہے۔ عتاب کے وقت بھی انجام کا لحاظ رہتا ہے۔ چونکہ یہ قبائل انجام میں صدقِ دل سے مسلمان اور ناصرِ اسلام ہونے والے تھے۔

ان اراد بکم ضرًا کے بعد او اراد بکم نفعًا بھی فرمادیا۔ کیوں کہ آخر کار اسلامی برکات سے یہ بھی مستفید ہوئے۔

اور آیت کے اخیر میں وکان اللہ غفورًا رحیمًا فرما کر توبہ و استغفار کی طرف آمادہ کر دیا اور بتلا دیا کہ درِ توبہ کھلا ہوا ہے چلے آؤ۔ تہدید کے ساتھ ترغیب ایک ہی کلام میں کمالِ اعجاز ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ

پیچھے رہ جانے والے جب کہ تم غنیمت لینے جاؤ گے

إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا

تو کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ

نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا

لینے چلو وہ اللہ کی بات بدلنا

كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ

چاہتے ہیں (اے نبی ان سے) کہہ دو کہ تم ہرگز ساتھ نہ چلو گے اللہ نے پہلے

قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ

سے ہی یوں کہہ دیا ہے پھر وہ کہیں گے

بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ

کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ وہ لوگ بات ہی کم

إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ

سمجھتے ہیں اے نبی ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں

الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ

سے کہہ دو کہ بہت جلد تم ایک سخت جنگ آور قوم

أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ

سے لڑنے کے لیے بلائے جاؤ گے تم ان سے لڑو گے یا

يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ

وہ اطاعت قبول کریں گے پھر اگر تم نے حکم مان لیا تو اللہ تم کو بہت ہی

أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

اچھا انعام دے گا اور اگر تم پھر گئے جیسا کہ آگے

مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾

پھر گئے تھے تو تم کو سخت عذاب دے گا

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى

نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے

الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ

ہی پر کچھ گناہ ہے نہ بیمار ہی پر (جہاد میں شریک

حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

نہ ہونے سے) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا

يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

تو اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں

الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

بہتی ہوں گی اور جو نافرمانی کرے گا اس کو

۲ ع ۷ ۱۰ النصف عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾

سخت عذاب دے گا۔

تفسیر

یہ تتمہ ہے کلام سابق کا کہ جب تم غنیمت حاصل کرنے جاؤ گے تو یہ پیچھے رہ جانے والے تمہارے ساتھ جانے کو کہیں گے تو تم ان کو ساتھ نہ لے جانا اور کہہ دینا اللہ کا حکم نہیں پھر وہ تم کو حسد سے متہم کریں گے، در اصل وہ نادان ہیں۔

حدیبیہ سے لوٹتے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم الٰہی سے مژدہ دیا تھا کہ اب عن قریب تم کو ایک فتح اور غنیمت حاصل ہوگی اور اس میں وہی لوگ شریک ہوں، جو حدیبیہ میں تھے۔ چنانچہ جب آپ ذی الحجہ کے مہینے میں مدینہ میں واپس آئے اوائل محرم میں ساتویں سال خیبر[1] پر چڑھائی کی اور یہ لوگ بھی

[1] خیبر مدینہ سے شمال کی جانب چار منزل ہے اور وہاں سے تیماء چار منزل اور حجر بھی چار منزل۔ یہ گڑھی کے طور پر چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں باغ اور کھیتی بہ کثرت ہیں۔ اول یہاں (باقی بر صفحہ آئندہ)

ساتھ چلنے کو آمادہ ہوئے تو ان کو منع کر دیا گیا۔ کلام اللہ سے مراد اس کا وعدہ اور حکم جو خاص اہل حدیبیہ کے شریک کرنے کا تھا یہ شریک ہوتے تو اس میں فرق آ جاتا۔

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید اے محمدؐ ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے یہ کہہ دو کہ خیبر کی غنیمت میں تو تم شریک نہیں ہو سکتے مگر اس کے بعد تم کو ایک سخت جنگ آور قوی قوم سے لڑنے کو بلایا جائے گا۔ تم ان سے لڑنا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں۔ اگر تم نے اس وقت حکم مان لیا تو تم کو نیک اجر ملے گا اور اگر پہلے کی طرح تم پھر گئے تو سخت سزا ملے گی [1]

مفسرین کے اس قوم کی بابت کہ جس کو اولی باس شدید سے تعبیر کیا ہے کئی قول ہیں۔ عطاء و مجاہد و ابن ابی لیلیٰ اہل فارس کہتے ہیں اور کعب و حسن وغیرہ روم مراد لیتے ہیں۔ سعید بن جبیر ہوازن و ثقیف قرار دیتے ہیں۔ زہری و مقاتل بنی حنیفہ یمن کے لوگ بتاتے ہیں جو مسیلمہ کذاب کے پیرو ہو گئے تھے۔ ابن عباس بھی اسی کے قائل ہیں، اور فارس و روم کو بھی مراد لیتے ہیں۔

تیسرے قول والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سیف یا اسلام خاص کفار عرب کے لیے ہے جیسا کہ آیت ہیں ہے او یسلمون اور عرب کے ساتھ جنگ عظیم ہوازن و ثقیف سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوئی۔ یہ بھی سہی مگر ہوازن و ثقیف ایسی جنگ آور قوم نہیں تھیں اور اگر یہی ہے تو بنی حنیفہ اہل یمن بھی ان سے کم نہ تھے۔ ان کے لیے بھی سیف یا اسلام ہی تھا۔ یہ جنگ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں ہوئی۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ فارس و روم مراد ہیں جن سے صدیق اکبرؓ و عمر فاروق رضی اللہ عنہما

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ ہو رہتے تھے ان کی بدعہدی اور سرکشی سے حضرتؐ نے ان پر چڑھائی کی۔ فتح کرنے کے بعد یہاں کی زمین ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو حدیبیہ میں شریک تھے ۱۲ منہ

[1] یعنی خیبر پر چڑھ کر جاتے وقت جہاں مال غنیمت کی پوری توقع ہے ساتھ جانے کی آرزو کرنے لگے کس لیے کہ حدیبیہ کے سفر میں شریک ہونا ان کے نزدیک بڑا مشکل کام تھا چونکہ قریش کی بہادری سے ڈرتے تھے اور خیبر کے یہود کو ان کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے تھے مگر بالہام الٰہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حدیبیہ کے وقت اعلان کر دیا تھا کہ جو ہمارے ساتھ اس سفر میں شریک نہ ہوگا وہ آئندہ فتح میں بھی شریک نہ ہوگا۔ اس لیے جب فتح خیبر کا وقت آیا تو آں حضرتؐ نے ان قبائل کو نہ لیا جس پر ان قبائل نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے حسد کرتے ہیں غنیمت میں شریک ہونے نہیں دیتے، مگر آئندہ ایک بڑی جنگ میں جو روم و فارس میں ہونے والی تھی شریک ہونے کی اجازت دی اور یہ بھی سُنا دیا کہ اگر اس وقت بھی پہلے کی طرح منہ موڑ کر بیٹھ رہو گے تو دنیا میں بھی بڑی سخت سزا پاؤ گے اور آخرت میں بھی۔ اگر امام وقت کی اطاعت کرو گے اور جنگ میں شریک ہو گے تو تم کو نیک بدلہ ملے گا دنیا میں اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں سخت لڑنے والی قوم سے جنگ شروع ہوئی اور یہ لوگ بھی شریک ہوئے اور اجر عظیم کے مستحق ہو گئے۔ اب وہ لڑائی خواہ یمامہ کی جنگ ہو یا روم و فارس کی بہر طور دونوں میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما امام وقت تھے جو ان کی خلافت کے برحق ہونے کی صریح دلیل ہے۔ اور فتح خیبر کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مذکورہ بالا جنگوں میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ مکہ تو معمولی جنگ کے بعد فتح ہو گیا باقی بنی المصطلق وغیرہ کی معمولی لڑائیاں تھیں اور غزوہ تبوک میں لڑنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ افسوس ہے کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کی خلافت میں جنگِ عظیم ہوئی اور عرب کے یہ قبائل بھی بلائے گئے اور انہوں نے دل کھول کر جنگ کی اور متواتر فتوحات حاصل کیں۔

اویسلمون سے اسلام لانا مراد نہیں بلکہ مطیع ہونا جزیہ قبول کرنا مراد ہے۔ اس آیت سے صدیق اکبرؓ و عمر فاروقؓ کی خلافت کا برحق ہونا خوبی ثابت ہوگیا۔ چونکہ پیچھے رہ جانے والوں پر عتاب ہوا تھا اس لیے جن کے لیے اصلی عذر سے جنگ میں شریک نہ ہونے سے کوئی الزام نہیں ان کا بھی بیان کر دیا کہ اندھا اور لنگڑا اور بیمار شریک نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ ان کے سوا اور بھی معذور رہیں جن کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد فرمادیا کہ جو اللہ اور رسول کا کہا مانے گا بہشتوں میں رہے گا اور نافرمان کو سخت عذاب ہوگا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ
البتہ اللہ ایمان والوں سے خوش ہوگیا جب کہ
يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ
وہ اس درخت کے تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے پھر اس نے معلوم کرلیا
مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ
جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر ان پر دل جمعی
عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾
اتاری اور ان کو نزدیک آنے والی فتح دی
وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ
اور بہت سی غنیمتیں بھی دیگا جن کو وہ لیں گے اور
كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ
اللہ زبردست حکمت والا ہے اللہ نے تم سے
اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا
بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ جن کو تم لوگے
فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ
پھر یہ تم کو بہت جلد دی اور لوگوں کے ہاتھ
النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً
تم سے روک دیے تاکہ قدرت کا نمونہ ہو جائے
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا
ایمان والوں کے لیے اور تاکہ تم کو سیدھے رستہ پر
مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا
چلائے اور بھی فتوحات ہیں کہ جو (آپ) تمہارے بس
عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ
میں نہیں آئیں البتہ اللہ کے بس میں ہیں اور
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾
اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب

اذ ظرف لرضی۔ تحت الشجرۃ ظرف لیبایعونک ومغانم منصوب لکونہ معطوفاً علی فتحاً قریباً ای اثابہم مغانم او اٰتاہم مغانم ولتکون ہذہ الکفۃ او الغنیمۃ والعطف علی محذوف ہو علۃ الکف ای فعل ما فعل من التعجیل الکف لتکون نافعۃ لہم وآیۃ لہم وقیل ان الواو مزیدۃ۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کے بعد ان اعراب کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرات شیعہ ان امامین کی خلافت ثابت نہ ہونے دینے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی کسی ایک لڑائی کو اس کا مصداق ٹھیراتے ہیں محض تاویلات رکیکہ کے ذریعہ سے ۱۲ منہ

محرومی ذکر کی تھی کہ جو شریک نہ ہوئے تھے ۔ اب ان اہلِ صدق وایمان کی بیعت کا حال بیان فرماتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا۔

فقال لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین کہ اللہ ایمانداروں سے خوش ہوگیا کہ جو اے محمدؐ تجھ سے درخت تلے بیعت کررہے تھے ۔ پھر ان کے دلوں کا صدق وثبات بھی اس کو معلوم ہوا جس پر اس نے ان کے دلوں میں اطمینان عطا کیا۔ واثابھم فتحا قریبا ۔ اور ان کو بہت جلد ایک فتح دی یعنی واپس آتے ہی خیبر کی فتح نصیب ہوئی. ومغانم کثیرۃ یاخذونھا بہت سی غنیمت کی چیزیں جو خیبر میں لیں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ خیبر کو قبضہ اسلام میں کردیا۔

وعدکم اللّٰہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا اس کے علاوہ اور بہت سے غنائم کا اللہ نے اے مسلمانو تم سے وعدہ کیا ہے جن کو تم حاصل کروگے وہ اور بعد کے غنائم ہیں جو صحابہ کو فتح روم وفارس ودیگر بلاد سے حاصل ہوئے اور اللہ کی خبر سچی ہوئی ۔ مدینہ میں فارس و روم کے بیش بہا غنائم کنکر پتھروں سے زیادہ ارزاں ہوگئے تھے ۔ کتب تاریخ اس کی گواہ ہیں ۔ من جملہ ان غنائم کے جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے فعجل لکم ھذہ یہ یعنی فتح خیبر تمہارے لیے جلد ملے گی ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مغانم کثیرہ سے عرب کی اور فتوحات مراد ہیں جو اس کے بعد ہوئیں اور روم وشام وفارس کے بلاد فتح ہونے کی طرف واخری لم تقدروا علیھا قد احاط اللّٰہ بھا میں اشارہ ہے کہ وہ بظاہر تمہارے قبضہ میں نہیں لیکن اللہ کے قبضہ میں ہیں ان کا بھی تم سے وعدہ ہے وہ ہر شے پر قادر ہے ۔ یہی قوی تر ہے ۔

فعجل لکم ھذہ کے بعد یہ فرمایا وکف ایدی الناس عنکم کہ یہ فتح تمہارے لیے جلد ملے گی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے جائیں گے ۔ الفاظ گو ماضی کے صیغے ہیں مگر یہ سورت رستے میں مدینہ کے پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی ہے ۔ آیندہ آنے والی چیزوں کو ماضی کے صیغہ سے بیان کرنا قرآن کا محاورہ ہے ۔ اس تقدیر پر یہ آیات فتح خیبر سے پہلے نازل ہوئی ہیں ۔ لوگوں کے ہاتھ روکنے سے کیا مراد ہے ؟ یعنی خیبر والوں کے ہاتھ تم سے روک دیے جائیں گے وہ تم سے لڑ نہ سکیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعض مفسرین نے صیغہ ماضی پر خیال کرکے یہ کہہ دیا ہے کہ قریش کے ہاتھ روکنا مراد ہے جو حدیبیہ کے روز مسلمانوں اور قریش میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی ۔ بعض مسلمان جو درختوں کے تلے پڑے ہوئے تھے مکہ والے ان سے آکر چھیڑ چھاڑ کرنے لگے ، قریب تھا کہ جنگ ہوجائے مگر ادھر حضرتؐ نے بیعت لینی شروع کردی تھی ۔ مسلمان ادھر متوجہ ہوگئے ۔ یہ ہاتھ روکنا اگلی آیات میں بیان ہوتا ہے ۔

اب ہم کو اس بیعت کا کچھ حال بیان کرنا ہے ۔

ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ والے سال آنحضرتؐ قربانیاں لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے چلے ، جنگ مقصود نہ تھی تخمینًا چودہ سو آدمی آپؐ کے ساتھ تھے ۔ جب حدیبیہ پہنچے تو کفار قریش مانع آئے اور انہوں نے جنگ کی تیاری کردی ۔ حضرتؐ نے حدیبیہ میں ڈیرہ ڈال دیا اور عثمانؓ بن عفان کو ابوسفیان اور دیگر عمائد مکہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میں لڑنے کو نہیں آیا ہوں مجھے کعبہ کا طواف کرنے دو ۔ قریش نے عثمانؓ کو قید کرلیا

ف اس میں روم و ایران وغیرہ بلاد کی طرف اشارہ ہے ۔ خلفائے اربعہ و دیگر صحابہ اسی وعدہ کے مطابق پسندیدۂ خدا ہیں ۔ لغو روایات سے ان پر طعن کرنا قرآن کے خلاف ہے ۱۲ منہ

مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ان کو قتل کر ڈالا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی، آپؐ ایک درخت کے تلے تشریف رکھتے تھے کسی نے اس کو کیکر کا کسی نے بیری کا کسی نے کیلے کا درخت بتلایا ہے۔ سب نے بیعت کی کہ لڑیں گے اور بھاگنے کے نہیں۔ بیہقی وغیرہ محدثوں نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ عثمان اللہ اور رسول کے کام میں ہے ان کی طرف سے آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ رکھ کر اس پر دوسرا ہاتھ رکھا اور بیعت کی، حضرتؐ کا ہاتھ عثمانؓ کے ہاتھ سے بہتر تھا۔ اس کو بیعتِ رضوان اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیعت کرنے والوں سے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ فقال لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ

احادیثِ صحیحہ میں اس بیعت میں شریک ہونے والوں کے بہت فضائل آئے ہیں۔ امام احمدؒ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس نے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔" اور بہت سی احادیث میں ان کے جنتی ہونے کا وعدہ ہوا ہے اور بدر کے لوگوں کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

یہ بات باتفاق مورخین ثابت ہے کہ اس بیعت میں خلفاء اربعہ شریک تھے، حضرت عثمانؓ موجود نہ تھے۔ ان کی طرف سے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی ہے۔ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، جب یہ ثابت ہو چکا تو ان کے قطعی جنتی ہونے میں اور اس بات میں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ مومن تھے کوئی بھی شک نہیں رہا۔ ان کے لیے یہ دستاویز آسمانی اور تمسک قرآنی کافی ہے۔

ہم افسوس کرتے ہیں ان لوگوں پر جو رطب و یابس روایات سے جن میں محض تعصب وطرف داری ہے فدک وغیرہ معاملات سے، حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہم کو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن بنا کر ان کو نالائق الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ان کی شان میں کیا کیا کہتے ہیں اور پھر اس بدگوئی اور بدزبانی کو محبت اہل بیت قرار دے کر اس کو نجات کا باعث کہتے ہیں۔ ہاں جیسا کہ ان کے محامد کا تمسک قوی ہے اگر اسی مرتبہ کا کوئی برائی کا وثیقہ ہوتا تو ایک بات تھی۔ محامد تو قرآن سے ثابت ہوں اور برائیاں ایرے غیرے حاطب اللیل متعصب راویوں کے بیان سے ثابت کر کے اس آسمانی تمسک کو چاک کیا جائے جس کو ذرا بھی عقل سلیم ہوگی وہ اس بات کو کبھی جائز نہ رکھے گا۔ اور یوں تاویلات رکیکہ اور توجیہات باطلہ کو تو بڑی گنجائش ہے۔ ان آیات کے صاف اور سیدھے معنی کو الٹ پلٹ کر کر جو چاہو کہہ دو، میدان قیل وقال بڑا وسیع ہے

ف صحیح بخاری میں ہے کہ وہ درخت کہ جس کے تلے بیعت ہوئی تھی لوگوں کو بھلا دیا گیا تھا۔ لوگ متبرک سمجھ کر وہاں آنے لگے تھے۔ ہوتے ہوتے اس کی پرستش ہونے لگتی، اس مصلحت سے خدا نے اس کو مخفی کر دیا مصنف میں ابی بکر بن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ وہ درخت کٹوا دیا گیا

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا
اور اگر کافر تم سے لڑتے بھی تو پیٹھ پھیر کر
الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا
بھاگ پڑتے پھر نہ کوئی حمایتی پاتے اور نہ
نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ
مددگار اللہ کا قدیم دستور پہلے سے یوں ہی

خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

چلا آتا ہے اور (اے مخاطب) تو اس کے دستور کو بدلا

تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ

ہوا نہ پائے گا اور وہی تو ہے کہ جس نے ان کے ہاتھ

اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ

تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ ان سے

بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ

شہر مکہ میں تم کو ان پر فتح یاب کرنے کے

عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بعد اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اللہ اس کو

بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

دیکھ رہا ہے یہ مغلوب کافر وہی تو ہیں کہ جنہوں نے انکار کیا

وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ ٣ ع ٩ ١١

اور تم کو مسجد الحرام سے روک دیا اور

الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ

قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پر پہنچنے سے اٹکا دیا

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ

اور اگر (مکہ میں) ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں

مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــــُٔوْهُمْ

موجود نہ ہوتیں کہ جن کو تم نہیں جانتے تھے ان کے پس جانے کا خوف نہ ہوتا

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ

پھر ان کی طرف سے تم پر نادانستگی سے الزام آتا

لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ

کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

اگر وہ ٹل جاتے تو منکروں کو ان میں سے ہم سخت

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ

سزا دیتے جب کافروں نے اپنے

كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ

دل میں سخت جوش پیدا کیا تھا جہالت کا

الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ

جوش تھا پھر اللہ نے بھی اپنی تسکین

عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَ

اپنے رسول پر اور ایمان داروں پر نازل کر دی اور

اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا

ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ

اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

اسی کے لائق اور قابل بھی تھے اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾ ع

ہر چیز جانتا ہے

ترکیب

سنۃ اللہ انتصابہ علی المصدریۃ بفعل محذوف ای سن اللہ سنۃ او ہو مصدر موکد لمضمون الجملۃ المتقدمۃ من ہزیمۃ الکفار و نصر المؤمنین والھدی قرا الجمہور بنصب الھدی عطفا علی الضمیر المنصوب فی صدوکم وقری بالجر عطفا علی المسجد معکوفا انتصابہ علی الحال من الھدی قال الجوہری عکفہ ای حبسہ ومنہ الاعتکاف فی المسجد وہو الاحتباس ان یبلغ ای عن ان یبلغ او مفعول لاجلہ ولولا شرط وجوابہ محذوف والتقدیر لاذن اللہ لکم المعرۃ العیب وقیل الشدۃ وقیل الغم بغیر علم متعلق بان تطؤھم ای غیر عالمین لیدخل اللام متعلقۃ بما یدل علیہ الجواب المقدر ای لم یاذن لکم او کف ایدیکم

یبدخل اللہ حمیۃ الجاہلیۃ بدل من الحمیۃ واہلہا عطف تفسیری ای وکان المؤمنون احق بہذہ الکلمۃ من الکفار والمستاہلین لہا دونہم۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا وکف ایدی الناس عنکم اس پر مخالفوں کو شبہ کی گنجایش تھی کہ خیبر کے لوگ ڈر گئے اور لڑے نہیں۔ یہ اتفاقی بات تھی۔ اگر سب جمع ہو جاتے تو دیکھتے کیا ہوتا، اس سے پہلے عرب مدینہ پر چڑھ کر آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں روک دیا، اس کا جواب دیتا ہے۔

ولو قاتلکم الذین کفروا کہ اگر وہ تم سے لڑتے بھی تو پیٹھ دے کر بھاگتے اور ان کا کوئی حمایتی اور مددگار کھڑا نہ ہوتا۔ یہ کیوں؟ اللہ کا ہمیشہ سے یہی دستور ہے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم سے نجات دی۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں سے نجات دی، فلسطین اور شام کے رہنے والوں پر غلبہ دیا۔ اس کا دستور بدلتا نہیں، اس نبی کا دین بھی اُسی دستور کے موافق غلبہ پاوے گا، یہ آسمانی منشا ہے۔ اس نبی کی نسبت پہلے انبیاء فرما گئے ہیں۔ یہ پتھر جس پر گرے گا اس کو چور چور کر دے گا اور جو اس پر آگرے گا چورا چورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ کا تصرف ظاہر کرتا ہے ایک واقعہ یاد دلا کر۔ فقال وھو الذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم الخ کہ بطن مکہ یعنی اس کی حرم میں جو کفار کا مجمع تھا ان کے ہاتھ ہم نے روکے جو بظاہر خلافِ قیاس بات تھی کیونکہ جب وہ باہر آکر لڑنے کو موجود تھے وہاں تو اور بھی ان کو موقع تھا اور اسی طرح تم کو قابو دے کر تمہارے ہاتھ روک لیے جنگ نہ ہونے دی۔

قابو دینے کی بابت ابن ابی شیبہ و احمد و مسلم و ابوداؤد و نسائی و ترمذی وغیرہم نے یہ نقل کیا ہے کہ اسی جوان ہتیار بند اہل مکہ کے تنعیم پہاڑ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر (بمقام حدیبیہ) حملہ کے قصد سے آئے آپؐ نے بددعا کی وہ گرفتار کر لیے گئے پھر آپؐ نے ان کو معاف کر دیا۔ بعض نے یہ بھی روایت کی ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل ایک جماعت کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مسلمان نکلے اور بغیر لڑائی ہوئی کفار کو بھگا کر خاص مکہ میں ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ سلمہ بن الاکوع نے چند مشرکین گرفتار کیے تھے ان کی طرف اشارہ ہے خیر جو کچھ ہو مسلمانوں کا قابو یافتہ ہو کر جنگ سے رکنا اس کی قدرت کا نمونہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کف ایدیھم وایدیکم سے مراد یہ ہے کہ تم میں ان میں جنگ نہ ہونے دی۔ یعنی فتح مکہ کے دن اور یہ اسی دن کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہوا۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکہ صلح سے فتح نہیں ہوا بلکہ زور و شوکت سے۔ اس کے بعد وہ باعث بتلاتا ہے کہ جس سے اے مسلمانو تم میں اور ان میں جنگ ہونی ضروری تھی مگر خدا نے نہ ہونے دی۔

فقال ھم الذین کفروا کہ وہ تو وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے دینِ حق کا انکار کیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ صدوکم عن المسجد الحرام تم کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے روک دیا (حدیبیہ کے روز) اور صرف تم کو ہی نہیں بلکہ والھدی معکوفا ان یبلغ محلہ ہدی یعنی قربانی کو محبوس یعنی بند کر دیا اس کے مقام پر نہ پہنچنے دیا اور ان کا مقام حرم ہے جہاں وہ ذبح ہوا کرتی

ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ستر قربانیاں ساتھ تھیں، لاچار حدیبیہ ہی میں ذبح کی گئیں

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو کعبہ آنے سے رک جائے اس کی قربانی منیٰ میں آکر ذبح ہونی چاہیے کیونکہ یہی اس کی جگہ ہے یعنی حرم۔ اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں جہاں رُکے وہیں ذبح کر دے۔ جیسا کہ حدیبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس مسئلہ کی تحقیق آچکی ہے۔

اب مسلمانوں کے جنگ سے ہاتھ روکنے کی مصلحت وحکمت ظاہر کرتا ہے فقال ولولا رجال مؤمنون ونساء مؤمنٰت الخ کہ مکہ میں کچھ مرد کچھ عورتیں درپردہ ایمان لائے ہوئے تھے جن کی تم کو خبر نہ تھی جنگ ہوتی تو تمہارے ہاتھ سے وہ پامال ہو جاتے جس سے تم پر عیب والزام ہوتا اگر وہ وہاں نہ ہوتے تو تم کو لڑنے کا حکم دیا جاتا۔ خدا نے تم پر مہربانی کی اور وہ جس پر چاہتا ہے مہربانی کیا کرتا ہے۔ اگر یہ لوگ وہاں نہ ہوتے جن پر اللہ کی رحمت تھی جن کے سبب یہ بچ گئے تو ہم کفار کو سخت سزا دیتے۔

اب ایک اور سبب بیان فرماتا ہے کہ جو باہمی جنگ کے لیے پیدا ہو گیا تھا مگر اللہ نے دونوں فریق کے ہاتھ روک دیے۔

فقال اذ جعل الذین کفروا فی قلوبہم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ کہ کافروں نے اپنے دلوں میں جہالت کا جوش اور تعصب پیدا کر لیا تھا کہ ہمارے لوگ تو قتل ہوں اور پھر یہ ہمارے شہر اور گھروں میں آئیں اور عرب سُن کر کیا کہیں گے ہم ہرگز طواف کعبہ کے لیے بھی نہیں آنے دیتے۔ اس سے مسلمانوں کو جوش ہونا فطری بات تھی۔ لیکن فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین اللہ نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان نازل کیا کفار کے اس جوش سے ان کو خوف پیدا نہ ہوا

بخاری ومسلم وغیرہما نے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے دوزخ میں نہیں؟ پھر کس لیے ہم دین میں ان سے دبیں؟ آپ نے فرمایا بے شک مگر میں اس کا رسول ہوں وہ مجھے ضائع نہ کرے گا۔ اسی طرح صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا، انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اطمینانِ اہلِ اسلام کا یہ حال تھا۔

صحابہؓ کا پرہیزگار ہونا ثابت ہوا

والزمہم کلمۃ التقویٰ اللہ نے اس اطمینان پر مسلمانوں کو پرہیزگاری کی بات کا پابند کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کلمۃ التقویٰ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ زہری کہتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کو کفار نے صلح نامہ میں درج نہ ہونے دیا تھا وکانوا احق بہا اور مسلمان اسی کے لائق بھی تھے وکان اللہ بکل شیء علیما۔ اور اللہ ہر بات سے واقف ہے۔ اس سے صحابہؓ کا پرہیزگار ہونا ثابت ہوا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ

البتہ اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

کہ تم ان شاء اللہ مسجد الحرام میں بے خوف (وخطر)

اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ

سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے بے خوف داخل

؎ حال مقدرۃ لانہم فی حال دخولہم لم یکونوا محلقین ومقصرین وانما کان ہذا فی ثانی الحال ۱۲ ابن جریر

مُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا
ہوتے ہو جس بات کو تم جانتے تھے اس نے اسکو جان لیا تھا
فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۲۷﴾
پھر اس نے اس سے پہلے ہی قریب کی فتح موجود کر دی
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
وہی تو ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
دے کر بھیجا تاکہ اس کو ہر ایک دین پر غالب کرے
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَسُولُ
اور اللہ کی شہادت کافی ہے محمد اللہ کے رسول
اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا
(اور) آپس میں بڑے مہربان ہیں آپ اللہ کا فضل اور رضا جوئی کے لیے
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
رکوع اور سجدہ بھی کرتے ہوئے دیکھو گے
سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ
ان کے انوار ان کے چہروں سے سجدوں کے اثر سے نمودار ہیں
ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ
یہ وصف ان کا توارت میں ہے اور انجیل میں ان کا
فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ
(یہ) وصف ہے جیسے کھیتی جو اپنی سوئی نکالتی ہے
فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ
پھر مضبوط ہوتی جاتی ہے پھر موٹی ہوتی جاتی ہے پھر اپنے تنہ پر کھڑی
سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ
ہو جاتی ہے کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگتی ہے تاکہ اللہ ان سے کافروں کو
الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ
جلا دے اللہ نے ان میں سے ایمان داروں اور
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً
نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور
وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾ ع ۳ ۴ ۱۲
اجر عظیم کا وعدہ کر لیا ہے۔

ترکیب

صدق کجعل وخلق یتعدی الی مفعولین رسولہ مفعول اول الرؤیا مفعول ثان ویحتمل ان یتعدی بحرف تقدیرہ صدق اللہ رسولہ فی رؤیاہ بالحق حال ای متلبسا بالحق۔ او قسم لان الحق من اسمائہ تعالیٰ وعلیٰ ہذا لتدخلن جواب او جواب القسم المحذوف ای واللہ لتدخلن وہذا تفسیر للرؤیا او تحقیق لقولہ صدق اللہ ان شاء اللہ تعلیق للعدۃ بالمشیۃ لتعلیم العباد ان یقولوا ان شاء اللہ کما امر اولا ولا تقولن لشای انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ او اظہار ان ذلک وعدہ لا یتحقق الا بمشیئتہ لیس علیہ دین ولا حق واجب آمنین حال من فاعل لتدخلن وشرط معترض وکذا قولہ محلقین الخ لا تخافون حال مؤکدۃ من فاعل لتدخلن او استیناف فعلم عطف علی صدق سیماہم مبتدأ فی وجوہہم خبرہ ذلک مبتدأ مثلہم خبرہ ومثلہم فی الانجیل مبتدأ کزرع خبرہ۔

تفسیر

سکینہ نازل کرنے کے بعد جو کچھ منافقوں نے کہا اس کا حال بیان فرماتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ دکان اللہ

عـه قال الاخفش ذلک من شطہ طرفہ آزرہ قواہ وشدہ فاستغلظ ای صار غلیظا تینا قویا والسوق جمع ساق ۱۲ منہ

بکل شئ علیما میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر بات کی مصلحت وہی خوب جانتا ہے۔ بندوں کی جلدی کرنے سے وہ جلدی نہیں کرتا۔ ہاں اس بات کو اس کے موقع پر پوری کر دیتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال خواب دیکھا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں یعنی حرم کعبہ میں امن سے گئے ہیں، ارکان حج و عمرہ باطمینان بجا لا رہے ہیں، سر بھی منڈاتے ہیں بال بھی کتروا رہے ہیں جیسا کہ حج و عمرہ میں کیا کرتے ہیں، اور کسی کا کچھ خوف و خطر نہیں ہے۔ اس خواب کو آپؐ نے بعض لوگوں سے بیان بھی فرما دیا تھا۔ مگر اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد عمرہ کرنے کا ہوا لوگ خصوصاً مخالفین یہی سمجھ گئے کہ آپؐ اسی خواب کے مطابق مکہ عمرہ کرنے چلے ہیں، حالانکہ آپؐ اس کی تعبیر کا یہ وقت ہرگز نہیں سمجھتے تھے اور نہ کسی سے یہ فرمایا تھا۔ خیر جب حدیبیہ پہنچے اور کفار مکہ نے سنا تو جنگ کی تیاری کر دی اور آپؐ مکہ میں نہ گئے وہیں سے صلح[1] ہو گئی واپس چلے آئے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ تو اب منافقوں کو خواب کی تکذیب کرنے کا موقع آ گیا کہ لو کہتے تھے مجھے خواب ہوا ہے مکہ میں امن سے جائیں گے ارکان حج ادا کریں گے حالانکہ مکہ میں داخل بھی نہ ہونے پائے۔ اور اس بات کو منافقوں نے بہت مشہور کیا ان آیات میں ان کا جواب ہے۔

فقال لقد صدق اللّٰہ رسولہ الرؤیا بالحق کہ خواب کو بے شک اللہ نے سچ کر دیا یعنی کرے گا اور قرآن میں یقینی چیز کو جو آیندہ آنے والی ہو بلفظ ماضی تعبیر کیا جاتا ہے، کہ ان شاء اللہ تم اطمینان و امن سے مسجد الحرام میں داخل ہو گئے ارکان حج و عمرہ ادا کر دئے مگر اس سال میں یہ مقدر نہیں۔ اس کی حکمت تم کو معلوم نہیں وہی خوب جانتا ہے مگر اس سے پہلے تم کو ایک نزدیک سے فتح دی یعنی خیبر کی فتح جلد نصیب کر دی۔

الحمد للہ کہ خدا نے اپنے نبی صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کو سچا کیا۔ اس سے اگلے سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف روانہ ہوئے مسلمانوں کا لشکر آپؐ کے ساتھ تھا۔ مکہ کے کفار گھروں میں چھپ گئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سب نے اطمینان سے عمرہ کیا کسی نے سر منڈوایا کسی نے بال کتروائے کسی کا خوف و خطر نہ تھا۔ اس کے بعد فتح مکہ کا وہی واقعہ تھا جس کی حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ کتاب یسعیاہ کا ۶۶ باب دیکھو۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خبر دی ہے۔ سفر استثنا ۳۳ باب ورس ۲۔ اور زبور میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے ورس ۳ "ہمارا خدا آوے گا (یعنی اس کا رسول) اور چپ چاپ نہ رہے گا آتکبیر اور

[1] صلح میں یہ قرار پایا کہ جو قریش سے بھاگ کر مدینہ جاوے محمدؐ اس کو واپس بھیج دیں اور جو ان کا بھاگ آدے واپس نہ دیا جاوے۔ اور آپؐ اگلے سال آکر عمرہ کریں مکہ میں ہتیار بند کر کے آویں تلواریں میان میں ہوں ننگی نہ ہوں اور دس برس تک باہم جنگ نہ ہو اور جو قبائل جس کے حلیف ہوں وہ بھی انہیں میں شامل ہوں۔ کفار کی طرف سے وکیل سہیل بن عمر تھا کہ جس کا بیٹا ابا جندل اسی وقت مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں میں آیا تھا جو واپس دیا گیا خزاعہ قبیلہ حضرت کا اور بنو بکر قریش کا حلیف ہوا حضرتؐ نے اگلے سال عمرہ ادا کیا اس کے بعد خزاعہ اور بنو بکر میں لڑائی ہوئی قریش نے بدعہدی کر کے بنو بکر کی مدد کی خزاعہ حضرتؐ کے پاس آئے جس سے وہ صلح فسخ ہو گئی اور آٹھویں سال آپؐ مکہ پر چڑھے اس کو فتح کر لیا جس کی تفصیل کتب سیر میں ہے ۱۲ منہ

تلبیہ کی آوازیں بلند ہوں گی) آگ اس کے آگے آگے فنا کرتی جائے گی اور اس کے آگے شدت سے طوفان ہوگا (لشکرِ صحابہؓ) وہ اوپر آسمان کو طلب کرنا اور زمین کو بھی تاکہ اپنے لوگوں کی عدالت کرے (مکہ میں عدالت ایسی ہی اس روز آپؐ نے کی) میرے پاک بندوں کو میرے پاس فراہم کرو جنہوں نے میرے ساتھ قربانی پر عہد کیا ہے تب آسمان اس کی صداقت کو آشکار کریں گے"۔ فتح مکہ کے بعد سے آسمانوں نے حضرتؐ کی صداقت کو ظاہر کر دیا۔ روئے زمین پر روشن کر دیا کہ آپؐ وہی رسول برحق ہیں۔ اور ۴۷۔ زبور میں بھی جس کا اخیر فقرہ یہ ہے "قوموں کے امرا ابراہام کے خدا کے لوگوں کے مل کے جمع ہوئے ہیں"۔

اب آپ ہی خدا تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شوکت کا اظہار کرتا ہے فقال ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کہ اللہ نے اپنا برحق رسول بھیجا تاکہ سب دینوں پر اس کو یا دینِ حق کو اللہ غالب کرے یا اس کی طرف سے رسول غالب کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی اور دین برحق ہونے کی گواہی دینے کو بس ہے۔ محمد رسول اللہ وہ کون رسول ہے محمد اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں ایمان داروں کے دلوں کو تسلی ہے۔ کیونکہ حدیبیہ کے مقام میں جب صلح نامہ لکھا گیا تو بسم اللہ کے بعد اس کی یہ عبارت تھی "من محمد رسول اللہ" کفار نے کہا ہم آپ کو رسول اللہ نہیں جانتے اس کو مٹا دو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے کہا تو اس لفظ کو مٹا دے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں محمد رسول اللہ کے لفظ کو مٹا ڈالوں۔ پھر خود آپؐ نے محو کر دیا، کیونکہ صلح کرنی مقصود تھی جنگ مقصود نہ تھی۔ ان کے مٹوانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ نے قرآن شریف میں محمد رسول اللہ لکھ دیا جو قیامت تک نہ مٹے گا۔

محمدؐ تو اللہ کے رسول ہیں مگر والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم اس کے ساتھ جو پاک باز اور مقدس لوگوں کی جماعت ہے وہ ہیں جو خدا کے دشمنوں پر سخت ہیں ان سے دبتے نہیں۔ اشدا، جمع شدید۔ رحما، جمع رحیم۔ آپس میں رحیم یعنی نرم دل ہیں۔ یہاں سے یہ بات بھی رد ہوگئی کہ صحابہؓ آپس میں کینہ و عداوت رکھتے تھے اور علی مرتضیٰؓ ان سے ڈر کر تقیہ کرتے تھے۔

ترٰھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا یہ ان کی تیسری صفت ہے کہ وہ اس کثرت سے نماز پڑھتے ہیں کہ رکوع و سجدہ ہی میں دکھائی دیتے ہیں، دنیا کی غرض اور کسی کے دکھانے کو نہیں بلکہ خاص اللہ کے لیے اس کے فضل اور اس کی خوشنودی کے لیے۔ پہلی دو صفتیں معاملات کے متعلق تھیں، یہ صفت ان کی ذات سے متعلق ہے یعنی بڑے پرہیز گار باخدا لوگ ہیں۔ صحابہؓ کو بُری باتوں سے متہم کرنا بڑی بدباطنی اور اس آیت کی مخالفت کرنی ہے اعاذنا اللہ منہ۔

چوتھی صفت سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ان کی بزرگی اور نیکی کے آثار و انوار ان کے چہروں سے ظاہر ہیں۔ حقیقت میں انسان کا باطنی حال اس کے چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ نیک خیر باخدا لوگوں کے چہروں میں جو انوار و برکات ہوتے ہیں وہ ریاکاروں اور بدباطنوں کے چہروں میں ہرگز نہیں ہوتے بشرطیکہ اس کو دیکھنے کے لیے خدا نے آنکھ بھی دی ہو۔ اسلام کی یہ بھی ایک بڑی ظاہر برکت ہے کہ مسلمان ہوتے ہی اس کے چہرے پر نور و برکت معلوم ہونے لگتی ہے۔ خوبصورتی و بدصورتی اور چیز ہے نورانیت

وبدرونقی اور بات ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتوں میں یہ خوبیاں ہونا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز تھا کہ جس نے کیسے کیسے سیاہ دلوں خون خواروں بدکاروں شہوت پرستوں کو کایا پلٹ کر دیا۔ اثر نبوت کاملہ اس کو کہتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے ذٰلك مثلهم فی التورٰیة اس جگہ قراء کے نزدیک وقف ہے یعنی یہ خوبیاں ان کی توریت میں موجود ہیں ومثلهم فی الانجیل الگ جملہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں فی الانجیل پر وقف ہے کزرع الگ جملہ ہے۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں توریت و انجیل میں ہیں اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ذٰلك پر وقف ہے ای الامر ذٰلک یعنی بات یوں ہی ہے اور مثلهم فی التورٰیة الگ جملہ ہے کہ توریت و انجیل میں ان کی خوبیاں مذکور ہیں۔ مگر قوی تر وہ پہلی بات ہے۔ اب ہم اسی کے مطابق شہادتیں پیش کرتے ہیں

اصل توریت و انجیل اب دنیا میں باقی نہیں جو وہاں ان صفات صحابہؓ اور حضرتؐ کی رسالت کو پورے پورے طور پر دکھائیں جس طرح کہ (وہ ناصری کہلائے گا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی خدا تعالیٰ کے نوشتوں میں نہیں دکھا سکتے اور اس بات کا ثبوت ہم نے بخوبی کر دیا ہے کہ اصلی توریت و انجیل اب دنیا میں نہیں جس طرح اور انبیاء علیہم السلام کی کتابیں نہیں جن کا مروج توریت وغیرہا میں حوالہ ہے مگر اب توراتِ موجودہ و انجیل مروج ہی میں دکھاتے ہیں:۔

توراۃ سفر استثنا تینتیسویں باب کے شروع میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی نسبت یہ لکھا ہوا ہے:۔ **قولہ** "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی"۔[1]

اس عبارت کی تاویل میں اہل کتاب گو بہت کچھ پیچ و تاب کھاتے ہیں مگر کوئی بات بن نہیں آتی۔ یہ کہ سینا سے مراد کوہ سینا ہے اور کوہ طور بھی وہی ہے وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کرنا مراد ہے۔ مگر کوہ شعیر اور فاران کے پہاڑ تو عرب میں ہیں جن کا سلسلہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک ہے ان میں سے فاران کے پہاڑ وہ ہیں جو مکہ کے متصل ہیں اور جبل شعیر مدینہ کے متصل ہے وہاں سے تو حضرت موسیٰ کا ظہور ہوا نہ حضرت عیسیٰ کا (علیہما السلام) اور نہ دس ہزار قدسی یعنی پاک باز موصوف بصفاتِ حمیدہ لوگ موسیٰؑ کے ساتھ تھے بلکہ وہ لوگ تھے کہ جن پر ان کی بے ہودگی و نافرمانی سے بارہا خدا تعالیٰ ناخوش ہوا اور فرمایا کہ ان کو شام کا ملک دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اور نہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ایسے لوگ تھے کیونکہ ان کو تو حضرت عیسیٰؑ نے بے ایمان کا لقب دیا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ خاص حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور صحابہؓ کی جماعت کہ جن کی نسبت فرمایا والذین معه کہ قدسی لوگ تھے اور آپ ہی کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی جس نے بت کدے اور قمار خانے اور زنا خانے جلا دیے۔ پھر اسی باب میں آگے چل کر فرماتا ہے "ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے (والذین معه سے) اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک

[1] توراۃ میں بھی آیندہ باتوں کو ماضی کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں ۱۲ منہ

بیٹھے ہیں اور بری باتوں کو پائیں گے"۔ پھر صحابہؓ کے اور کسی نبی کے پیرووں نے اپنے نبی کی ایسی اطاعت و فرماں برداری نہیں کی مثلهم فی التوراة کا جملہ صادق آیا۔

اب مثلهم فی الانجیل کا بیان سنیے۔ انجیل متی کے تیرھویں باب میں کھیتی کی مثال دو جگہ بیان ہے۔ آٹھویں جملہ میں ہے "اور کچھ (تخم) اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا کچھ سو گنا کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گنا"۔ یہ صحابہؓ کی مثال ہے۔ پھر ۳۱ و ۳۲ جملے میں ہے۔ وہ اچھی زمین عرب ہے جہاں تخم ہدایت بویا گیا۔ صدیق اکبرؓ کے عہد میں اس کا پھل لگا، سو گنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحات کثیرہ کی وجہ سے۔ ساٹھ گنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں تیس گنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں۔ اور حضرتؐ نے بھی فرمادیا تھا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ آیت کے بھی یہی معنی ہیں کہ پیڑ اُگا' عرب کی زمین میں۔

فآزره پھر وہ قوی ہوتا گیا صدیقؓ کے عہد میں پھر عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بالکل قوی ہوا۔

فاستغلظ فاستوی علی سوقه کہ کافر اس سے جلنے لگا۔ اللہ کا ایمان داروں کے لیے مغفرت و اجر عظیم کا وعدہ ہے۔ سورت کے اول میں فتح اور اخیر میں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔ اور یہ ثابت ہوا کہ جو صحابہؓ سے جلتے ہیں وہ کافر ہیں۔

سورۂ حجرات

مدینہ میں نازل ہوئی اس کی اٹھارہ آیات دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ

ایمان والو! اللہ اور اس کے

يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

رسول سے پیش قدمی نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کیونکہ اللہ سنتا جانتا ہے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ

والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند

صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ

نہ کیا کرو اور نہ رسول سے بلند آواز سے بات کیا کرو

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ

جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال

اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾

برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ

وہ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے روبرو

رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ

پست کرتے ہیں انہیں کے دلوں کو اللہ نے

اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے ان کے لیے بخشش

وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ

اور بڑا اجر ہے اور وہ جو ان کو حجروں

مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ

کے باہر سے پکارتے ہیں اکثر تو

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا

بے وقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے

حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

یہاں تک کہ آپ ان کے پاس نکل کر آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر

یہ سورت بالاتفاق مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ سورہ فتح کے اخیر میں صحابہؓ کا مرتبہ اور ان کی بزرگی بیان ہوئی تھی اس لیے اس سورت میں چند آداب تعلیم کرتا ہے، تاکہ ان کے برخلاف عمل کرنے سے اس بزرگی میں فرق نہ آئے۔ اس سورت میں تمدن کے متعلق وہ احکام بیان فرمائے ہیں کہ جن سے قوت اعوانیہ وطاقت اجتماعیہ جو اتفاق ومحبت باہمی پر مبنی ہے قائم رہے۔ اور سب سے اول مسئلہ سردار کی تعظیم وعظمت کا ہے کیوں کہ اس کی عزت دل میں ہوگی تو اس کے احکام کی تعمیل بھی ہوگی، وہی تو اس قوت کا جمع رکھنے والا ہے اس لیے سب سے اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب سے ادب ملحوظ رکھنے کے احکام صادر فرمائے۔

اوّل حکم

یاایھا الذین اٰمنوا لا تقدموا الخ یہ پہلا حکم ہے کہ اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو۔ اللہ کا لفظ اس لیے ذکر کیا کہ رسول، اللہ کا نائب ہے۔ اس کی گستاخی اللہ کی گستاخی اور اس کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔ آگے بڑھنے سے کیا مراد ہے؟ یعنی کسی بات میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جلدی نہ کرو بلکہ تابع رہو۔ حضرتؐ سے پہلے آپ کوئی حکم نہ دو، آپؐ کے سامنے کسی کام میں سبقت نہ کرو، چلنے میں، بات کرنے میں، حکم دینے میں، کھانے میں، کسی کے سوال کے جواب دینے میں، آگے بڑھ کر بیٹھنے میں عام ہے اور اللہ سے ڈرو، اللہ تمہاری باتیں سنتا ہے دل کے احوال جانتا ہے۔

دوسرا حکم

دوسرا حکم یاایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کیا کرو پست آوازی اور نرمی سے بات کیا کرو کس لیے کہ سردار کے سامنے غل مچا کر اور ٹائیں ٹائیں آواز سے باتیں کرنا نہ تنہا گستاخی بلکہ بدتہذیبی بھی ہے۔ مہذب لوگ پست آواز سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ بخاری نے اور مسلم نے اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ ثابت ابن قیس اس آیت کے نازل ہونے کے بعد غمگین ہوکر گھر میں بیٹھ رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، اس نے عرض کروایا میری آواز بلند ہے میرے اعمال حبط ہوگئے میں جہنمی ہوگیا آپ کے سامنے بلند آوازی سے کلام کرنے سے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا تو جنتی ہے۔ الغرض جن صحابہؓ کی آوازیں بلند تھیں اس آیت کے بعد سے وہ اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ پوچھنے کی حاجت پڑتی تھی۔

تیسرا حکم

تیسرا حکم ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض نبی سے اس طرح سے پکار کر اور خطاب کرکے باتیں نہ کیا کرو کہ جس طرح آپس والوں سے کرتے ہیں۔ دوسرے حکم میں مطلقاً آواز بلند کرنے کی حضرت کے روبرو ممانعت تھی، خواہ حضرتؐ سے خواہ کسی اور سے نہ چیخو۔ غل نہ مچاؤ یہاں خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کا ادب سکھایا گیا ہے۔ فرمایا ایسی گستاخی میں اعمال حبط ہو جانے کا ڈر ہے۔ الحمد للہ امت محمدیہ خصوصاً صحابہؓ نے اس حکم کی کمال درجہ تعمیل کی۔ اب تک حرمین شریفین میں

بلند آواز سے کوئی بات نہیں کرتا کسی کو دور سے بلایا جاتا ہو تو استثناء ہے۔ افسوس ہندستان کے مسلمانوں پر کہ مساجد میں کیسا غل مچاتے ہیں اور اکابر اور بزرگان دین کے سامنے بات کرنے میں تہذیب و ادب ان کے نصیب نہیں الا ماشاء اللہ۔ کیسی بدتہذیبی آگئی ہے۔

اب پست آوازی سے بات کرنے والوں کے محامد بیان فرماتا ہے فقال ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقوی لہم مغفرۃ واجر عظیم کہ جو لوگ نبی کے سامنے پست آواز سے بات کرتے ہیں اللہ نے ان کے دل پرہیزگاری کے لیے خاص و ممتاز کیے ہیں یعنی ان کے دلوں میں تقویٰ ہے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ صحابہؓ خصوصاً خلفاء اربعہؓ اس صفت سے موصوف تھے۔ کیوں نہ ہو ان کی نسبت تورات میں اول ہی سے آگیا ہے کہ وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

اس کے بعد اس حکم کے خلاف کرنے والوں کا حال بیان فرماتا ہے فقال ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرہم لا یعقلون۔ حُجرات کو جمہور نے بضم جیم پڑھا ہے۔ یہ حجرہ کی جمع ہے جیسا کہ غُرفہ کی غُرفات اور ظُلمۃ کی ظُلمات۔ حجرہ گھر، خلوت خانہ۔ جس کی چار دیواری ہو۔ اس سے مراد ازواج مطہراتؓ کے مکانات ہیں۔ یعنی جو لوگ آپؐ کو حجرات کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر بے عقل ہیں۔ یہ عرب کے گنواروں کی عادت تھی، جیسا کہ ہند کے گنواروں کی عادت ہے کہ کسی بزرگ سے ملنے گئے اور وہ اپنے مکان میں ہے باہر آنے کا انتظار نہیں کرتے پکارنے لگتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ احمد و ابن جریر و بغوی و طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اقرع بن حابس نے آکر پکارا تھا یا محمد اخرج (اے محمد باہر آ) ابو یعلیٰ و مسدد و ابن راہویہ و ابن مردویہ و طبرانی نے نقل کیا ہے کہ عرب کے چند آدمی آئے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر سے پکارنے لگے یا محمدؐ یا محمدؐ! اس پر یہ آیت اتری اور ادب سکھایا ولو انہم صبروا حتی تخرج الیہم لکان خیرا لہم کہ اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ اے نبی تم از خود باہر نکل کر ان کے پاس آجاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ واللہ غفور رحیم اللہ ان کی اس بے ادبی کو جو جہالت و بے عقلی سے سرزد ہوئی ہے معاف کردے گا اگر وہ توبہ کریں گے۔ اس کے بعد سے پھر کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا۔

عرب میں صلاحیت کا مادّہ بہت کچھ ہے اب تک وہاں کے بدو اور جنگل کے تہذیب یافتوں سے بات چیت میں اور دیگر امور میں مہذب ہیں۔ جب کہ وہاں کے گھوڑے میں یہ صلاحیت ہے تو آدمیوں کا کیا کہنا ہے۔ اسی حکمت سے اس سرزمین پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ

ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی

بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا

سی خبر لیکر آئے تو اس کو تحقیق کیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ کہیں کسی قوم پر بے خبری سے

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ

نہ جا پڑو پھر اپنے کیے پر پشیمان

نٰدِمِیْنَ ۝۶ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ

ہونے لگو اور جان لو کہ تم میں

رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ

اللہ کا رسول موجود ہے اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہنا

رکوع ۱۰ ع ۱۳

مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ
مانے تو تم پر مشکل پڑ جائے لیکن اللہ نے ایمان کی
اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ
محبت ڈال دی اور اس کو تمہارے دلوں میں کھپا دیا
وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَ
اور تمہاری نظروں میں کفر اور بدکاری اور نافرمانی کو برا
الۡعِصۡيَانَ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ⑦
کر دکھایا ہے یہی لوگ نیک چلن ہیں
فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعۡمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ
اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ جاننے والا
حَكِيۡمٌ ⑧ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ
حکمت والا ہے اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ
اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ
باہم لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو پھر بھی اگر دونوں میں سے ایک
اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ
دوسرے پر سرکشی کرے تو سرکشی کرنے والے سے
تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ
لڑو یہاں تک کہ وہ گروہ حکم خدا کی فرمانبرداری پر آجائے پھر اگر وہ
فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ
فرمانبرداری پر آجائے تو ان میں انصاف سے صلح کرا دو
وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ⑨
اور ان میں عدل کرو بے شک اللہ کو انصاف کرنے والوں سے محبت ہے
اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا
ایمان والے جو ہیں تو بھائی بھائی ہیں پھر اپنے دو
بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ
بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر
تُرۡحَمُوۡنَ ⑩
رحم کیا جائے

ترکیب

ان تصیبوا مفعول لہ ای خشیۃ ذلک بجھالۃ حال من الفاعل ای جاہلین۔ لو یطیعکم مستانف و یجوز ان یکون فی موضع الحال والعامل فیہ الاستقرار کقولک مررت برجل لو کلمتہ لکلمنی فکما جاز وقوعہ صفۃ للنکرۃ جاز وقوعہ حالا فضلا مفعول لہ طائفتان فاعل فعل محذوف اخویکم بالتثنیۃ والجمع الاخوۃ جمع الاخ۔

تفسیر

چوتھا حکم

چوتھا حکم، یاایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا کہ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو جانچ لیا کرو۔ یہ نہیں کہ جو کسی سے سنا یقین کر لیا اور اس پر کاربند ہو گئے کیونکہ ایسی صورتوں میں باہم لڑانے کے لیے بہت سے جھوٹے افسانے غماز بنالایا کرتے ہیں۔ ان پر باور کر کے کسی سے لڑ پڑے یا رنجیدہ ہو کر ان کے برخلاف کر بیٹھے تو پھر دریافت حال ہونے کے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔

یہ مسئلہ اصول تمدن میں سے ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی بات کو خصوصاً لڑائی اور بدگوئی کی بابت باور کر لینا بڑی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ عقل اور قرائن سے بھی دریافت کر لینا چاہیے۔ فاسق کا لفظ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ اگر کوئی نیک کہے تو باور کرو۔ خبر کے متعلق اس آیت سے اہل فقہ و اہل اصول و حدیث نے بہت سے مسائل ثابت کیے ہیں جن کا ذکر فن تفسیر سے باہر ہے اس لیے ترک کرتا ہوں۔

اس آیت میں حکم عام ہے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی کوئی ایک ایسی بات ہوئی ہے جو اس آیت کے حکم میں شامل ہے جس کو مفسرین اس کا شانِ نزول کہتے ہیں، اور وہ یہ ہے۔ امام احمد وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حارث بن ضرار خزاعی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ پر متعین کرکے اس کی قوم میں بھیجا، ابان نے اس میں خلل اندازی کردی تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے آکر جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ حارث مقابلہ میں آیا اور مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ اس پر ایک لشکر تیار ہوکر حارث کے مقابلہ کو چلا، ادھر وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زکوٰۃ لیے آرہا تھا کہ رستہ میں لشکر سے ملا۔ دریافت ہوا تو تعجب ہوا۔ پھر سب آں حضرتؐ کے پاس واپس آئے، حارث نے قسم کھائی کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ایسا واقعہ بھی ہوا ہو مگر آیت میں کسی شخص کی طرف اشارہ نہیں عام حکم ہے۔

اس بات سے لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ہماری بات اور خبر نہیں مانی جاتی، نہ ہماری رائے و تدبیر کی پابندی ہوتی ہے اور انسان کا یہ مقتضائے طبعی ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے قول کا تابع اور اپنی خواہش کا پابند کرنا چاہتا ہے۔ مگر حضرت رسالت میں اس کی کہاں گنجائش تھی۔ اس لیے فرماتا ہے واعلموا ان فیکم رسول اللہ یاد رہے کہ تم میں اللہ کا رسول ہے۔ رسول الہام و وحی سے حکم دیتا ہے پھر اس کے برخلاف کسی کی رائے اور بات کیا ہے؟

لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم اگر اکثر باتوں میں تمہارے کہنے پر چلا کرے تو خود تم مشقت میں پڑ جاؤ کس لیے کہ تمہاری بہت سی باتیں خطا سے خالی نہیں ہوتیں ان پر وہ چلے اور تم بھی ساتھ چلو تو انجام برا ہو کشتی کا ناخدا اگر اس کے اندر بیٹھنے والوں کے کہنے پر ہر ہر بات میں چلے تو جہاز غرق ہوجائے۔ مگر اے صحابہ تم ایسے بداندیش نہیں ہو کہ رسول کو اپنی مرضی کے تابع کرکے بے ایمانی اور نافرمانی اور بدکاری کے رویہ کو پسند کرو بلکہ ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم اس نے ایمان کو تمہارا پسندا ور مرغوب طبع کردیا ہے وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان کفر و بدکاری و نافرمانی سے تم کو نفرت دلادی ہے اس لیے تم دل سے رسول کی اطاعت کو پسند کرتے ہو اور کیوں نہ ہو اولئک ھم الراشدون فضلاً من اللہ ونعمۃ ایسے لوگ اس کے فضل سے و عنایت سے راشد یعنی راستی پسند حق جو، حق گو، حق پر چلنے والے ہیں۔

فضائل صحابہؓ

ان جملوں سے بھی صحابہؓ خصوصاً خلفائے اربعہؓ کے بہت فضائل ثابت ہوئے۔ پھر ان کی نسبت یہ خیال کرنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ لوگ مرتد ہوگئے اور سرکشی اور بے دینی کرنے لگے تھے اس لیے انہوں نے علیؓ اور اہل بیت پر ظلم کیے ان کا حق خلافت چھین لیا اور باغ فدک دبا بیٹھے وغیرہ وغیرہ) کمال بدگمانی اور ان آیات سے سرتابی ہے۔ جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کی توریت و انجیل میں مدح ہو قرآن میں ان کے یہ محامد ہوں کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا، وہ باہم رحیم، کفار پر سخت، نمازی و پرہیزگار ہیں، ایمان ان کے دل میں جاگزیں ہوگیا، کفر و بدکاری سے ان کو نفرت ہے اور وہ راشد ہیں، پھر ان سے یہ باتیں جو غلط گو راویوں نے اتہام لگانے کے لیے نقل کی ہیں سرزد ہوں؟ اور باوجود اس کے اشاعت اسلام و جہاد میں ان کی کوششوں اور صلاحیت پرہیزگاری بلکہ مخالفین بھی گواہیاں دیتے ہوں؟ تعجب تعجب معاذ اللہ۔

یہ چند غلط گو رطب و یابس قصہ نقل کرنے والے (جن کی اندرونی حالت مشکوک ہو) تو سچے ٹھہریں اور خدا کا کلام اور موافق و مخالف کی تاریخیں اور ان کے بڑے بڑے کارنامے سب جھوٹے سمجھے جائیں۔

پانچواں حکم

پانچواں حکم وان طائفتٰن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں (یا دو شخصوں) میں لڑائی ہو جائے تو باہم ملاپ کرادو۔

بخاری و مسلم نے اس آیت کے متعلق بھی ایک قصہ نقل کرکے اس کو اس کا شان نزول قرار دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر عبداللہ بن اُبیّ منافق کے سمجھانے کو تشریف لے گئے اس نے کہا مجھ سے دور رہیے آپ کے گدھے کی بدبو مجھے تکلیف دیتی ہے۔ کسی انصاری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی بو تیری بو سے عمدہ ہے۔ اس پر اُدھر کا کوئی غصہ ہوا ادھر سے بھی لوگ بگڑے باہم مارپیٹ کی نوبت پہنچی آخر آں حضرتؐ نے ان میں ملاپ کرادیا۔ اسی طرح اوس و خزرج انصار کے دو قبیلوں میں بارہا جھگڑے برپا ہوئے آپؐ نے باہم ملاپ کرادیا۔ یہ بھی حکم عام ہے۔ پھر اس فساد کی چنگاری کو جلد بجھانے کی تاکید کرتا ہے۔

فقال فان بغت احدٰھما الخ یعنی صلح کو نہ مان کر اگر پھر ایک فریق دوسرے پر چڑھائی کرے تو چڑھائی کرنے والوں کو قتل کرو (کیونکہ یہ تمام قوم میں آتش فساد بھڑکانا چاہتے ہیں) یہاں تک کہ یہ چڑھائی کرنے والے اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔ پس جب رجوع کریں جنگ سے باز آویں تو چھوڑ دو اور باہم ملاپ اور صلح کرادو اور عدل و انصاف ملحوظ رکھو کسی کی قلت و کثرت زور و شوکت کو نہ دیکھو۔

اور یہ کس لیے کہ انما المؤمنون اخوۃ ایمان دار سب بھائی بھائی ہیں ان سب کا ایک روحانی باپ ہے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ فاصلحوا بین اخویکم اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو واتقوا اللہ اور اللہ سے ڈرو۔ کسی کو اشتعال نہ دلاؤ، نہ لڑانے کی باتیں کرو نہ کسی کی رعایت کرو ان باتوں میں اللہ سے ڈرو لعلکم ترحمون تاکہ تم پر اس کی مہربانی رہے۔ اور اتفاق قائم رہنا بھی خدا کی بڑی مہربانی ہے جس کے دنیا و آخرت میں صدہا عمدہ نتیجے اور میٹھے پھل ہیں۔

گناہِ کبیرہ سے ایمان نہیں جاتا

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کرنے سے کافر نہیں ہو جاتا کس لیے کہ قتال باہمی کبیرہ ہے اور اس کے مرتکب کو بھی بلفظ مومن تعبیر کیا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اقرار باللسان اور اعمال صالحہ اس کی زینت ہے جس کے فوت ہونے سے بے زینت ایمان تو ضرور باقی رہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ

ایمان والو! کوئی قوم کسی

مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ

قوم پر نہ ہنسے شاید وہ ان سے بہتر ہوں

وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ

اور نہ کوئی عورت کسی عورت پر ہنسے شاید وہ اس

خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

سے بہتر ہو اور آپس میں طعنہ زنی نہ کرو

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ

اور نہ بُرے ناموں سے چڑایا کرو فسق کے نام لینے

الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ

ایمان لانے کے بعد بہت برے ہیں اور جو کوئی باز نہ آئے

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ⑪ يَا أَيُّهَا

تو وہی ظالم بھی ہے

الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ

ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے

الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا

بچتے رہو کیونکہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور

تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ

ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ

کیا تم میں سے کوئی پسند کر سکتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت

أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا

کھائے؟ پھر اس سے تو تم کو گھن بھی آتی ہے اور اللہ سے

اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ⑫

ڈرو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ

لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد

ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا

اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے (جدا جدا) خاندان اور قومیں جو

وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ

بنائی ہیں تو باہم شناخت کے لیے (نہ تکبر کے لیے) بے شک عزت دار تو

عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

اللہ کے نزدیک تم میں سے جو زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ جاننے والا

خَبِيرٌ ⑬

خبردار ہے

ترکیب

السخریۃ الاستہزاء ویعدی بعلیٰ ومن۔ اللمز العیب قال ابن جریر اللمز بالید والعین واللسان والاشارۃ والہمز لایکون الا باللسان التنابز التفاعل من النبز بالسکون وہو المصدر والنبز بالتحریک اللقب مطلقاً ولکن خص فی العرف بالقبیح والجمع انباز والالقاب جمع لقب وہو مایذکر بہ الانسان من اوصافہ والمراد بہ ہنا لقب السوء۔ اجتنبوا یقال جنبہ الشر اذا ابعدہ عنہ واصلہ جعل الشی فی جانب فیعدی الی مفعولین کما فی قولہ تعالیٰ واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ومطاوعہ اجتنب الشر فتنقص مفعولا۔ میتاً حال عن اللحم او عن الاخ فکرہتموہ الفاء لترتیب مابعدہا علی ماقبلہا من التمثیل والضمیر فی کرہتموہ (ہ) عائد الی الاکل او الی اللحم او الی المیت۔ الشعوب جمع[ف]

تفسیر

چھٹا حکم

یہ چھٹا حکم ہے۔ فقال یاایہا الذین اٰمنوا لایسخر قوم من قوم کہ کوئی کسی سے تمسخر نہ کرے۔ گو قوم کا لفظ ہے مگر مراد اس کے افراد ہیں اور مجموعی حالت بھی مراد ہے۔ تمسخر ہنسی ٹھٹھے میں کسی کو بے عزت کرنا۔ یہ باہمی عداوت کی جڑ ہے ٹھٹھے میں اُڑانا اور دل دُکھانا جہلاء اور خفیف لوگوں کی حرکت ہے عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم شاید کہ وہ لوگ کہ جن کو تم ٹھٹھے میں اڑاتے ہو تم سے بہتر ہوں۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بلاء بات سے پیدا ہوتی ہے۔ جو کوئی کسی پر جس بات میں ہنسی کرے گا اس میں خود مبتلا ہوگا اگر کسی کی کانی آنکھ پر ہنسے گا تو خوف کرے

[ف] شعب بفتح الشین ہو اعلیٰ طبقات النسب وتحتہ قبائل جمع قبیلۃ وبعدہا العمائر ثم البطون ثم الافخاذ ثم الفصائل خزیمۃ شعب، کنانۃ قبیلۃ، قریش عمارۃ، قصی بطن، ہاشم فخذ، العباس فصیلۃ۔

کہ خود کانا نہ ہو جائے یا اس سے زیادہ کسی بلا میں نہ گرفتار ہو جائے کیوں کہ خدا قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ قوم کا لفظ بظاہر مردوں کو شامل تھا اس لیے عورتوں کو بھی مخاطب کرتا ہے ولا نساء من نساء الخ اور نہ کوئی عورت دوسری عورت سے مسخر کرے، کیا معلوم کہ وہی اس سے خدا کے نزدیک بہتر ہو پھر کیا یہ مشیت الٰہی پر ہنسی کرتی ہے؟

ساتواں حکم

ساتواں حکم ولا تلمزوا انفسکم کہ کوئی کسی کو طعنہ نہ دے۔ طعنہ زنی بھی دل دکھانے والی چیز ہے جس سے اتفاق و محبت میں فرق آجاتا ہے۔ اور انفسکم کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم بنی آدم ایک ہو دوسرا شخص کہ جس کو تم طعنہ دیتے ہو وہ بمنزلہ تمہارے نفس کے ہے۔ بوجہ اخوتِ انسانی یا اخوتِ اسلامی کے۔

جیسا کہ فرمایا تھا ولا تقتلوا انفسکم کہ اپنی جانوں کو قتل نہ کرو حالانکہ غیر کی جان مارنا مراد تھا۔ غیر کو طعنہ دینا گویا اپنے آپ کو طعنہ دینا ہے کیوں کہ وہ بھی تمہارا بھائی ہے یا یہ کہ وہ الٹ کر تم کو طعنہ دے گا تم نے غیر کو طعنہ دے کر اپنے آپ کو طعنہ دلایا۔

آٹھواں حکم

آٹھواں حکم ولا تنابزوا بالالقاب کسی کو چڑانے والے ناموں سے نہ پکارو۔ جیسا کہ کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان ہو جائے اس کو یہودی یا نصرانی کہا جائے یا جس نام کو انسان اپنے لیے مکروہ سمجھے اس سے اس کو نامزد کیا جائے۔ اسی طرح لنگڑا، بھینگا، اندھا، کانا، لولا وغیرہ صفات مذمومہ سے یاد کرنا خواہ در اصل ہیں وہ اوصاف موجود ہوں ممنوع ہے۔ اسی طرح جاہلیت کے نام اور صفات سے یاد کرنا بھی ناجائز ہے۔ یا کسی کا ابتدائی نام مکروہ تھا اس نے اس کو بدل دیا ہو پھر اس کو اس پہلے نام سے پکارنا بھی ممنوع ہے کیوں کہ یہ سب باتیں دل دکھانے والی ہیں جن سے باہمی رنجش اور عداوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں جو عیب دار ناموں سے مشہور ہیں اور پھر وہ ان سے برا بھی نہیں مانتے ان سے یاد کرنا ممنوع نہیں جیسا کہ اعرج و احدب۔ اور اسی طرح عمدہ صفات جن لوگوں میں ہیں اور ان سے وہ ملقب ہو گئے ہیں ان سے یاد کرنا بھی ممنوع نہیں۔ جیسا کہ ابوبکر کو صدیق اور عمر کو فاروق اور عثمان کو ذی النورین اور علی کو ابوتراب یا حیدر کہتے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پھر اس حکم کو مؤکد کرتا ہے بئس الاسم الفسوق بعد الایمان کہ ایمان لانے کے بعد برے فسق اور برائی کے ناموں سے یاد کرنا بری بات ہے ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظٰلمون اور جو کوئی ایسے ناموں کے لینے سے باز نہ آئے تو وہی ظالم یعنی برا اور گنہگار دل دکھانے والا ہے نہ وہ کہ جن کو ان ناموں سے یاد کیا گیا۔

نواں حکم

نواں حکم یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن کہ بدگمانیوں سے بچو۔ معاذ اللہ یہ بدگمانی بھی فساد کی جڑ ہے، بعضوں کو مرض ہوتا ہے کہ ہر بات میں اور ہر ایک کی نسبت ان کو برا ہی خیال پیدا ہوتا ہے جس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جب تک کوئی وجہ معقول نہ ہو کیوں بدگمانی کی جائے؟ اس بدگمانی سے گھر برباد ہو گئے ہیں خاوند باہر گیا پیچھے بیوی کی نسبت بدگمانیاں پیدا کر لیں یا وہ کہیں مہمان یا کسی ضرورت کو گئیں یا کسی ضرورت سے کسی اجنبی سے بات کرنے کی حاجت پڑی بدگمانی پیدا کر لی یا کسی شخص کو متہم کر دیا یا خواہ مخواہ کسی کو بدخواہ اور دشمن سمجھ لیا

ظن سے تعمیم مراد نہیں جو خبر آحاد قیاس و دیگر چیزوں کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت پڑے بلکہ اس سے مراد بدگمانی ہے فرماتا ہے ان بعض الظن اثم کہ بعض گمانات گناہ ہیں ایسی بدگمانیوں سے انسان گنہ گار ہوتا ہے۔ اب یہ شبہ ہوتا تھا کہ بدگمانی کی ممانعت ہے اچھا ہم تحقیق کریں گے تو اس لیے اس کے بعد دسواں حکم اس تحقیق و تفتیش کی بابت دیتا ہے۔

دسواں حکم

فقال ولا تجسسوا کہ کسی کی عیب جوئی بھی نہ کرو۔ کسی کے عیب دریافت کرنا اور ان کی تفتیش کرنا نہ چاہیے کیوں کہ اس میں سراسر برائی ہے۔

ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ابن مسعودؓ کے پاس کوئی شخص حاضر کیا گیا اور کہا گیا کہ اس کی داڑھی میں سے شراب ٹپکتی ہے۔ فرمایا ہم کو تفتیش کرنے سے منع کیا گیا ہے ہاں جو بات ظاہر ہوگی ہم اس پر مواخذہ کریں گے۔

ابوداؤد و نسائی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تو مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا تو کام خراب ہو جائے گا۔

مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی کسی کی پردہ پوشی دنیا میں کرے گا خدا اس کی پردہ پوشی آخرت میں کرے گا۔

گیارہواں حکم

گیارہواں حکم ولا یغتب بعضکم بعضاً کوئی کسی کی غیبت یعنی بدگوئی نہ کرے۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی وہ بات ذکر کرنی جو اس کو بری معلوم ہو۔ کسی نے عرض کیا اگر دراصل اس میں وہ بات ہو تو پھر کیا؟ فرمایا یہی تو غیبت ہے۔ اگر اس میں وہ بات نہیں پھر تو بہتان ہے۔ پھر اس غیبت کی برائی کو ایک تمثیل میں بیان کرتا ہے جس سے نہایت برائی اور کراہت سمجھی جاتی ہے فقال ایحب احدکم کہ بھلا کوئی بھائی کا مردہ گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ نہیں۔

جس کی غیبت ہوتی ہے وہ غائب ہوتا ہے اس لیے اس کو مردہ سے تشبیہ دی یعنی وہ مردہ کی مانند بے خبر ہے اور یہ اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ انسان اور وہ بھی بھائی اس کا زندہ گوشت کوئی کھانا پسند نہیں کرتا چہ جائے کہ مردار کا گوشت۔ فرماتا ہے اللہ سے ڈرو، توبہ کرو وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے غیبت سے بھی باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے اس کی برائی احادیث میں بکثرت موجود ہے۔

بارہواں حکم

جس کو اور دوسرے پیرایہ میں بیان فرماتا ہے یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ کہ اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد یعنی آدم اور ایک عورت یعنی حوا سے پیدا کیا ہے تم سب کی ایک ذات اور ایک نسب ہے۔

وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا پھر تمہارے قبیلے اور جتھے جدا جدا کر دیے پہچان کے لیے نہ کہ نسب پر فخر کرنے کے لیے۔ کیوں کہ نسب تو سب کا ایک ہے اب یہ فخر کی چیز نہیں بلکہ پرہیزگاری، کس لیے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم اللہ کے نزدیک عزت دار تم میں سے وہ ہے جو پرہیزگار ہے یعنی نسب پر فخر نہ کیا کرو کس لیے کہ یہ بھی باہمی نفرت و نفاق و عداوت کا باعث ہے اور یہ فرومایہ لوگوں کا کام ہے جو بوسیدہ ہڈیوں پر فخر کیا کرتے ہیں

اپنے اندر کوئی خوبی نہیں رکھتے۔ کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

ان اللہ علیم خبیر بزرگی کے اسباب خدا کو معلوم ہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انساب ظنیہ ہیں اصل حال وہی خوب جانتا ہے اور اس طرف بھی کہ انجام کار بھی اسی کو معلوم ہے بہت سے عزت دار چندروز کے بعد لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہوگئے ہیں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا
بدوی کہتے ہیں ہم ایمان لائے تو کہو تم ہرگز ایمان نہیں لائے
وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ
ہاں یہ کہو کہ ہم تابعدار ہوگئے حالانکہ ابھی تک تمہارے
الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا
دلوں میں ایمان کا تو گزر ہی نہیں ہوا اور اگر تم اللہ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ
اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو تمہارے اعمال (کی اجرت میں) بھی
اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
وہ کچھ کمی نہ کرے گا البتہ اللہ بخشنے والا
رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
مہربان ہے ایمان والے تو وہی ہیں
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ
کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر

؎ یقرء بہمزۃ بعد الیاء وماضیہ آلت یقال آلت یالت بالفتح فی الماضی والکسر فی المضارع وقرء بغیر ہمزۃ وماضیہ لاتہ یلیت وہما لغتان ومعناہما النقصان ۱۲ منہ

۲ ع ۸ ۱۴

لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
انہوں نے کسی طرح کا شک وشبہ نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
کی راہ میں جہاد بھی کرتے رہے وہی
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ
سچے ہیں کہہ دو کیا تم اللہ کو
اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا
اپنی دین داری جتاتے ہو حالانکہ وہ سب جانتا ہے جو کچھ
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ
کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ
ہر چیز سے خبردار ہے آپ پر اپنے
عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا
اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں کہہ دو مجھ پر اپنے
عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ
اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تم پر
عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ
احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت دی
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ
اگر تم سچے ہو بے شک اللہ
يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزیں جانتا ہے
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾
اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو

تفسیر

جب یہ بیان فرما دیا کہ مدارِ کار بزرگی کا پرہیزگاری پر ہے اب اصلی اور مصنوعی پرہیزگاری کا حال بیان فرماتا ہے:-

فقال قالت الاعراب اٰمنّا کہ زبان سے ایمان لانا کہنا مصنوعی پرہیزگاری ہے ایسا ایمان زبان پر ہے دل میں نہیں۔ ہاں اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری اصلی تقویٰ ہے۔ اگر اے اعراب تم کرو گے تو تمہارے اعمال کی اجرت میں خدا کمی نہ کرے گا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اعراب سے مراد اس جملہ میں بنو اسد ہیں کہ قحط کے ایام میں صدقہ لینے کی غرض سے اظہار کیا کہ ہم ایمان لائے مگر دراصل دل میں ایمان اور اللہ اور رسول کی اطاعت مقصود نہ تھی۔ فرمایا اٰمنّا کہنا تمہارا صحیح نہیں ہاں اسلمنا کہنا درست ہے کہ بظاہر مطیع اسلام ہو گئے ہیں۔

ایمان اور اسلام ایک چیز ہے

عرفِ شرع میں ایمان اور اسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی مراد ہے وہ کیا؟ دل سے اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کی تصدیق کرنا اور احکام شرع کو قبول کرنا۔ اس جگہ اسلمنا کے لغوی معنی مراد ہیں جس لیے ایمان سے جدا سمجھا گیا۔ اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ ایمان اور چیز ہے اور اسلام اور چیز، بڑی غلطی ہے۔ اس کے بعد حقیقی ایمان و تقویٰ کا بیان کرتا ہے۔ انما المؤمنون کہ حقیقی مومن ہیں کہ جو صدق دل سے اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور جان و مال کو اللہ کے لیے صرف کرنے میں دریغ نہیں کرتے یہی سچے ایمان دار ہیں۔

وہ دنیاوی غرض سے ایمان لانے والے اپنا ایمان جتلایا کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتلاتے تھے کہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں ہم سے سلوک کیجیے، کچھ دیجیے۔ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ کیوں ایمان جتلاتے ہو، تمہارا ایمان خدا کو معلوم ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں اور کیوں احسان جتلاتے ہو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ہدایت دی اگر تم سچے ایمان دار ہو۔

سورۃ ق

مکیہ ہے اس میں پینتالیس آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ

قسم ہے قرآن مجید کی (کہ آپ رسول برحق ہیں) انہوں نے انکار

عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

ہی نہیں کیا بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں کا ایک خبردار کرنے والا آیا

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ②

پس کافروں نے کہہ دیا یہ تعجب کی بات ہے

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ

کیا جب ہم مر گئے اور خاک ہو گئے پھر زندہ ہوں گے یہ بار دیگر زندہ ہونا

رَجْعٌ بَعِيْدٌ ③ قَدْ عَلِمْنَا مَا

بعید (از عقل) ہے ہم جانتے ہیں جو کچھ

تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا

مُردوں کے جسم میں سے زمین کھاتی اور کم کرتی ہے اور ہمارے پاس تو

كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④ بَلْ كَذَّبُوْا

ایک محفوظ کتاب ہے یہ نہیں بلکہ حق بات کو انہوں نے

بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ

پہنچ جانے کے بعد جھٹلا دیا سو وہ خلجان میں

مَّرِيجٍ ⑤ أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ
ہوئے ہیں پھر کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا
كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا
کہ کس طرح سے ہم نے اس کو بنایا اور آراستہ کیا اور اس میں کوئی
مِن فُرُوجٍ ⑥ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا
بھی شگاف نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا
وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا
اور اس میں اس کے لنگر[1] ڈال دیے اور اس میں ہر
ع ۲ ۱۵ ۱۵ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ⑦ تَبْصِرَةً
قسم کی خوش آئند چیز اُگائی تاکہ ہر ایک بندہ
وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ⑧
جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے (اس کو) دیکھے اور یاد کرے (اور قدرت پر ایمان لائے)
وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا
اور ہم نے آسمان سے برکت کا پانی اُتارا
فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ⑨
پھر اس سے باغ اور کھیتی کا اناج اُگایا
وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ⑩
اور بلند کھجوریں بھی کہ جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں
رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً
بندوں کو روزی دینے کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر (خشک زمین کو)
مَّيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ⑪ كَذَّبَتْ
تروتازہ کردیا اسی طرح قبروں سے نکلنا ہوگا ان سے پہلے
قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ
نوح کی قوم نے جھٹلایا اور کوئیں والوں نے
وَثَمُودُ ⑫ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَ
اور ثمود اور عاد اور فرعون اور
إِخْوَانُ لُوطٍ ⑬ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ
لوط کی قوم نے اور بن کے رہنے والوں
وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
اور تبع کی قوم نے بھی (جھٹلایا تھا) ہر ایک ہی نے رسولوں کو جھٹلایا
فَحَقَّ وَعِيدِ ⑭ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ
تو میرا وعدۂ[2] عذاب قائم ہوا کیا ہم اول بار پیدا کرنے سے
الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ
تھک گئے جو وہ نئے پیدا کرنے میں شبہ
جَدِيدٍ ⑮
کرتے ہیں

ترکیب

من قال ق قسم جعل الواو عاطفة ومن لم یقل بہ کانت الواو للقسم عندہ وجواب القسم عند الکوفیین ہو قولہ بل عجبوا وقال ابن کیسان جوابہ مایلفظ وقال الاخفش محذوف ای لتبعثن یدل علیہ ءاذا متنا۔ بل عجبوا للاضراب اذا منصوبة بما دل علیہ الجواب فوقہم حال من السماء والارض معطوف علی موضع السماء ای دیروا الارض مددنہا حال تبصرة مفعول لہ حب الحصید ای حب الزرع الحصید وعند الکوفیین ہو من باب اضافة الشئ الی نفسہ کمسجد الجامع وہذا جائز اذا اختلف اللفظان کحق الیقین و حبل الورید و دار الآخرة والنخل معطوف علی الحب باسقت حال مقدرة لہا طلع نضید حال رزقا مفعول لہ

[1] یعنی پہاڑ بنائے ۱۲ منہ

[2] وعدی انک رسول ۱۲ منہ

بل ھم امی انھم غیر منکرین لقدرۃ اللہ علی الخلق الاول بل ھم الخ۔

تفسیر

یہ سورت مکیہ ہے جیسا کہ حسن و عکرمہ و جابر و ابن عباس فرماتے ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو صبح کی نماز کی اول رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور عید میں بھی پڑھتے تھے اور جمعہ کے خطبہ میں بھی پڑھتے تھے۔ یہاں سے سورِ مفصلات شروع ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں حجرات سے۔

پچھلی سورت میں انسان کی سعادت کے متعلق بارہ احکام تھے اور احکام کی پابندی اس بات کو ضرور چاہتی ہے کہ اگر مخالفت کریں گے تو سزا ملے گی اور تعمیل پر ثواب واجر کے مستحق ہوں گے۔ اور یہ بھی بدیہی بات ہے کہ دنیا سزا و جزا کا گھر نہیں۔ کس لیے کہ صدہا بدکار اخیر عمر تک عیش وکامرانی میں رہے ہیں پس معلوم ہوا کہ اس کے لیے ایک اور ہی جگہ ہے۔ اور وہ دارِ آخرت ہے اس لیے اس سورت میں حشر کا ذکر کیا گیا اور اس کے امکان پر اس عالم سے چند نظائر پیش کیے گئے جن سے اس کی قدرت کاملہ اور حکمت کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے۔ اور حشر کے مسئلہ سے پہلے نبوت کا مسئلہ ثابت کیا گیا۔ کس لیے کہ حشر کے ثبوت کے لیے دلائل کے سوا کسی مخبر صادق کی شہادت درکار ہے۔ اور مخبر صادق یا رسول ہے یا اس کی کتاب جو رسول کی معرفت دنیا میں نازل ہوئی۔

قٓ کے معنی

فقال قٓ والقرآن المجید۔ ق کے معنی میں علماء کے کئی قول ہیں۔

ابن عباسؓ سے جو روایت ہے کہ ق ایک عظیم الشان پہاڑ ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلی جائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سورت میں جو ق ہے اس سے وہ کوہِ قاف مراد ہے[۱] صحیح تر یہی بات ہے کہ یہ حرف ابتدا کلام میں کسی خاص رمز کے لیے بولا گیا ہے جس کو اس کا رسول ہی جانتا تھا۔ اوروں کو بھی معلوم کرا دیا گیا ہو تو ممکن ہے۔

فقیر کہتا ہے ق سے اس کی قدرت کی طرف اشارہ ہے اور قہر و جبروت کی طرف بھی جو قاف کی طرح محیط ہے۔ اور تمام ممکنات کو احاطہ کیے ہوئے ہے، اور اس طرف بھی کہ اس رمز کو قلب والا ہی سمجھتا ہے[۲]۔ قتادہ کہتے ہیں یہ قرآن کا ایک نام ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں اللہ کا نام ہے، بعض علماء کہتے ہیں یہ کسی کلمہ کا مخفف ہے۔

الحاصل ق سے کسی رمز خاص کی طرف اشارہ کرکے قرآن مجید کی قسم کھاتا ہے اور قرآن کو مجید یعنی ذی عزت کہہ کر یہ بات بتلاتا ہے کہ اس کی عزت اس کا مجد اس کی صداقت و من جانب اللہ ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ اور اس کی قسم کھانا بھی یہ بات بتلا رہا ہے کہ کسی پیاری یا محترم چیز کی قسم کھایا کرتے ہیں جیسا کہ عرب کا دستور تھا۔ پس اس سے ثبوت دیا جاتا ہے کہ یہ جھوٹی کتاب نہیں بلکہ خدا کے نزدیک محترم و محبوب ہے،

---

[۱] ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ق سے جبل قاف مراد لینا اور اس کو ابن عباسؓ کی روایت کہنا کہ وہ ایک پہاڑ ہے تمام عالم کو محیط، ملحدوں اور زندیقوں کی بناوٹ ہے۔ اسلام پر عیب و طعن کرانے کے لیے اس قسم کی انہوں نے بہت سی حدیثیں اور روایتیں بنائی تھیں ۱۲ حقانی

[۲] ق سے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے جو عرشِ الٰہی اور ہر شے سے محیط ہے جیسا کہ ص سے حضرتؐ کی صورت کی طرف اشارہ تھا ۱۲ منہ

قسم کا جواب ذکر نہیں کیا کس لیے کہ جس چیز کا مخالف انکار کرتے تھے اسی کے ثبوت پر قسم ہے۔ اس بات کو مخاطب سمجھتا تھا اس لیے اس کا ذکر کرنا بے فائدہ تھا۔ اور وہ حضرت کی نبوت اور قیامت کا زیادہ انکار کرتے تھے اس لیے پھر انہیں دونوں باتوں کو ثابت کرتا ہے۔

فقال بل عجبوا ان جاءھم منذر منھم فقال الکفرون ھذا اشئ عجیب یعنی وہ ایمان کیا نہیں لاتے بلکہ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ انہیں میں کے ایک شخص کو خدا نے رسول کیوں کر بنا دیا جو برے افعال کے نتائج بد سے ڈراتا ہے۔ کفار اس بات کو عجب بات کہتے تھے۔ یہاں تک مسئلہ نبوت کا ثبوت تھا، اور اس کے ضمن میں قرآن مجید کا من جانب اللہ ہونا بھی ثابت کیا گیا۔ اس کے بعد مسئلہ حشر کو شروع کرتا ہے۔

ءاذا متنا وکنا ترابا ذلک رجع بعید کہ کفار کہتے ہیں کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو پھر جئیں گے یہ بہت دور ہے یعنی ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔

قد علمنا ما تنقص الارض منھم وعندنا کتٰب حفیظ کہ ہم کو معلوم ہے زمین جس قدر ان کے جسموں کو کھاتی ہے۔ سدّی کہتے ہیں نقص سے مراد اس جگہ موت ہے۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ جس قدر لوگ ان میں سے مرتے ہیں وہ ہم کو معلوم ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں ہمارے پاس ایک دفتر ہے جس میں ہر بات ہے اور وہ ہر بات کا محافظ ہے یا وہ دفتر محفوظ ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہونے پاتی۔

غرض یہ کہ ہمارے علم کے احاطہ سے انسان کا جسم مر کر باہر نہیں ہو جاتا اس کے اجزا۔ کہیں کیوں نہ جائیں ہم کو معلوم ہیں۔ یہاں تک علم ثابت کیا تھا۔ افلم ینظروا الی السماء سے بلدۃ میتا تک اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کیا۔ پس جب علم بھی اور قدرت بھی ہے تو پھر بارِ دگر جی اٹھنے میں کیا تعجب ہے بلکہ اس کو حق مان لینا چاہیے۔ اس لیے قدرت ثابت کرنے سے پہلے کفار کو الزام دے کر فرماتا ہے بل کذبوا بالحق لما جاءھم وہ تعجب کیا کرتے ہیں بلکہ حق بات کو جھٹلاتے ہیں جو ان سے بیان کی گئی فھم فی امر مریج۔ پس وہ خلجان میں پڑے ہوئے ہیں۔ یا غلط خیال میں مبتلا ہیں (مریج۔ مضطرب۔ ملتبس۔ فاسد)

مخلوقات میں سے اپنی قدرت کاملہ ثابت کرنے کے لیے یہ چند دلائل بیان کرتا ہے:۔

اول، آسمان کی پیدائش اور اس کی ایسی محفوظ و مستحکم بناوٹ اور اس کی ستاروں سے آرایش۔ ومالھا من فروج فروج جمع فرج شگاف یا دراڑ۔ آسمانوں کی بابت کئی جگہ ہم بحث کر چکے ہیں کہ جس قدر سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا اثبات مقصود ہے اس کا نہ حکما۔ قدیم کا مذہب مخالف ہے نہ جدید کا۔ اس سے یہ شبہ پیدا کرنا کہ جب آسمانوں میں کوئی شگاف نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر کیوں کر پہنچے اور حضرت الیاسؑ کس طرح گئے اور جناب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں سب کو کیوں کر طے کر گئے؟ محض خام خیال ہے کس لیے کہ ان حضرات کا جسم اطہر روحانیت سے مبدل کر دیا گیا جس کے نکل جانے کو جسم مانع نہیں۔ اور اور شگاف اور چیز ہے صانع کی طرف سے کھڑکی یا دروازہ ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ ابواب السماء آیا ہے۔ پس یہ بھی ممکن ہے کہ ان دروازوں سے گئے ہوں۔

دوم۔ زمین کی بناوٹ اور اس کی وسعت اور اس میں پہاڑوں کا ہونا اور ہر قسم کی جڑی بوٹی مختلف رنگ و مختلف تاثیر کی پیدا کرنا جو صاحب بصیرت

اور خدا کی طرف متوجہ ہونے والے کے لیے ایک تبصرہ یعنی آئینہ ہے جس میں غور و فکر کی نگاہ کرنے سے وہ خدائے ذوالجلال کی بے انتہا قدرت و کبریائی کو دیکھ سکتا ہے۔

سوم۔ آسمانوں سے پانی اتارنا اور اس ایک پانی سے باغ اور کھیتیاں اُگانا اور بلند بلند کھجور کے درخت پیدا کر دینا جن کے تہہ بہ تہہ گابھے اور پکے ہوئے پھل لٹکا کرتے ہیں اور ان چیزوں سے بندوں کو روزی دی جاتی ہے۔ اور اس پانی سے مردہ یعنی خشک زمین کا زندہ یعنی شاداب و ہرا بھرا کر دینا۔

ان دلائل کے بعد فرماتا ہے کذٰلک الخروج مُردوں کا زمین سے پیدا ہونا اور نکلنا بھی اسی طرح سے ہوگا۔ یعنی جس نے اگلے سال کی مردہ جڑی بوٹیوں کو زندہ کر دیا وہ انسانوں کو بھی زندہ کر دے گا۔ کیا جو نباتات پر قادر ہے وہ حیوانات پر قادر نہیں؟ کیا مرے ہوئے انسان اس کے احاطۂ قدرتِ کاملہ سے باہر ہیں؟ ہرگز نہیں۔

حشر کا مسئلہ ثابت کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ اس مسئلہ کا انکار نئی بات نہیں ہے' ان قریش سے پہلے بھی بہت سی قومیں جن کو قوائے بہیمیہ و شہوانیہ کے ظلمات و حجابات نے اندھا کر دیا تھا اس کے منکر تھے کیونکہ ان کی کوتاہ نظر میں اسی عالم کے تجملات تھے' وہ یہاں سے دوسرے عالم میں جانا اور اعمال کی سزا و جزا پانا اپنی اس پست حوصلگی سے خیال میں لانا بھی شان سمجھتے تھے' اور یہ طبعی بات ہے ملزم و مجرم بوقت ارتکاب جرم عدالت کے ذکر سے بھی نفرت کرتا ہے۔

اصحاب الرس کی تحقیق

پھر ان نام آور قوموں کے نام گنواتا ہے' فقال

کذبت قبلھم قوم نوح کہ ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا تھا اور اصحٰب الرس نے۔

صراح میں ہے رس چاہ بسنگ برآوردہ و نام چاہ بقیہ ثمود و نام وادی و نام آبے و چاہ کندن۔ پختہ کنوئیں کو رس کہتے ہیں۔ صحیح تر یہی ہے کہ اس سے مراد حضرت شعیبؑ کی قوم ہے جن کے ہاں ایک پختہ کنواں تھا جس سے وہ مواشی کو پانی پلاتے تھے' پیغمبر کی نافرمانی اور اپنی بدکرداری سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں قوم ثمود مراد ہے ان کے ہاں بھی ایک بڑا عمیق پختہ کنواں تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک اور قوم اُس وادی رس میں تھی۔ وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط یعنی لوط کی قوم جو شام میں جھیل مردار کے کنارے رہتے تھے و اصحٰب الایکۃ اور ایکہ والے۔ ایکہ بَن کو کہتے ہیں۔ یہ قوم جہاں تھی وہاں درختوں کے بڑے جھنڈ تھے۔ ان کے نبی بھی حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ وقوم تبع اور تبع حمیری کی قوم۔ تبع مذکور ایک نبی یا با خدا شخص تھا یمن میں۔

فرماتا ہے کل کذب الرسل ہر ایک نے اپنے اپنے رسول کو جھٹلایا حشر کے بارے میں اور توحید و دیگر امور میں۔

فحق وعید پس ان پر ہمارا عذاب ثابت ہوگیا ہر ایک برباد و ہلاک ہوا۔ اس کے بعد پھر اصل مسئلہ حشر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

افعیینا بالخلق الاول کہ کیا ہم اول بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں' پھر کیوں وہ بارِ دگر پیدا کرنے میں شبہ کرتے ہیں۔ جو ایک بار پیدا کر سکتا ہے وہ اس کو مٹا کر بارِ دگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا

اور البتہ ہم نے انسان کو بنایا اور ہم جانتے ہیں جو کچھ

تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ
اس کے دل میں باتیں آتی ہیں اور ہم اس کی رگِ
اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ⑯ اِذْ يَتَلَقَّى
گردن سے بھی زیادہ تر اس کے نزدیک ہیں جب کہ دو
الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
پھرنے دار اس کے دائیں اور اس کے بائیں
قَعِيْدٌ ⑰ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا
آ بیٹھتے ہیں جو کچھ وہ بولتا ہے تو اس کے
لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ⑱ وَجَآءَتْ
پاس ہوشیار محافظ لکھنے کے لیے تیار موجود رہتا ہے اور موت کی
سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ مَا
بے ہوشی حق کو لاکر رہے گی (کہا جائے گا) یہی تو وہ ہے کہ
كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ⑲
جس سے تو بھاگتا تھا۔

ترکیب

ونعلم حال مقدرۃ بتقدیر نحن ویجوزان یکون مستانفا۔ والضمیر فی بہ یرجع الی ما ان جعلت موصولۃ والباء زائدۃ کما فی قولہ صوتت بکذا او للتعدیۃ۔ او یرجع الی الانسان ان جعلت ما مصدریۃ۔ والباء للتعدیۃ۔ والوسوسۃ الصوت الخفی والمراد بہا ہہنا ما یختلج فی قلبہ۔ اذ مقدر باذکرا ومتعلق باقرب او بنعلم قعید فعیل یطلق علی الواحد والمتعدد۔ مبتدء عن الیمین وعن الشمال خبرہ بالحق حال او مفعول بہ۔

تفسیر

یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا۔ انسان کے حال سے اب اپنے بے انتہا علم و قدرت پر دلیل لاتا ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے آسمانوں و زمین کو ایک جگہ اور ان کے مقابلہ میں دوسری جگہ ان کو ذکر کیا۔ اور درحقیقت انسان خدائے لایزال کی بے انتہا قدرتوں کا ایک بڑا خزانہ ہے۔ اگر یہ اپنے حالات میں غور کرے تو اس کو بے شمار دلائل صاف صاف یہ کہہ دیں گے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور اس کا علم بے انتہا ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

فقال ولقد خلقنا الانسان کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے نہ کہ کسی اور نے اور نہ یہ آپ سے آپ پیدا ہو گیا، یہ ہماری قدرت دیکھو۔

ونعلم ما توسوس بہ نفسہ اور ہم اس کے دلی ارادوں اور خطرات (خیالات) سے بھی واقف ہیں، یہ ہمارا علم دیکھو۔ اور ہم کو اس کے خطرات (خیالات) کا کیوں علم نہ ہو ونحن اقرب الیہ من حبل الورید اور ہم انسان سے اس کی رگِ گردن سے بھی قریب تر ہیں۔ حَبل (رسی) سے مراد رگ۔ ورید خاص رگ کا نام ہے گلے کی رگ جس کو شاہ رگ کہتے ہیں، وہ دو رگیں ہیں جو سر سے آتی ہیں اور اس کی گردن کے اگلے رُخ کو گھیرتی ہوئی دل کی رگ سے جا ملتی ہیں جن کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے۔ پس یہ اضافت حبل کی ورید کی طرف اضافۃ تبیانیہ ہے۔ خدا تعالیٰ علت العلل ہے، علت کو اپنے معلول کا علم حضوری ہے اس لیے وہ شاہ رگ سے بھی قریب ہے کیوں کہ ورید کو تو اجزائے لحمیہ حاجب ہیں، خدا کا قرب مکانی قرب نہیں بلکہ ذاتی ہے کیوں کہ انسان اس کے وجودِ اصلی کا ایک ظل ہے اور اس کے وجودِ مطلق کا تعین۔ وہ اس کے ساتھ حلول و

ف۔ کیا خوب کہا ہے سعدی نے اس قرب کے معنی میں ؎ یار نزدیک تر از من بمن است ؛ ویں عجب تر کہ من از وے دورم۔

اتصالِ صوری سے اقرب نہیں اور نہ اتحاد و عینیت سے۔

ابنِ کثیر کہتے ہیں نحن اقرب سے مراد یہ ہے کہ ہمارے فرشتے اس کی رگِ گردن سے بھی قریب ہیں کیونکہ ان کا تعلق قلب سے ہے اور وہ ملہم ہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے:۔

اذ یتلقی المتلقین جب کہ دو ملنے والے انسان کے دائیں بائیں سے آتے اور ملتے ہیں اور اس کے دونوں طرف آ بیٹھتے ہیں۔ یعنی ہم تو اس کے خطرات کو جانتے ہیں اور دو شخص بھی اس کے دونوں طرف لکھنے والے بیٹھے ہیں اس پر حجت قائم کرنے کے لیے۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں سے دو فرشتے مراد ہیں جو اس کے اعمالِ نیک و بد کو اور جو منہ سے نکالتا ہے لکھ لیتے ہیں (اس قلم و سیاہی سے نہیں نہ ان کاغذوں پر۔ ان کا لکھنا اور ہے) نیکی کا فرشتہ دائیں طرف اور بدی کا لکھنے والا بائیں طرف بیٹھا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون اور رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے صبح ہوتے ہی چلے جاتے ہیں، صبح کو دن کے اعمال لکھنے والے آتے ہیں یہ پہرہ بدلتا رہتا ہے یہ ہیں یتلقی المتلقین کے معنی۔

ما یلفظ من قول۔ جو بات انسان منہ سے نکالتا ہے ان میں سے ایک فرشتہ اس کو لکھ لیتا ہے نیک بات ہے تو دائیں طرف والا، بری بات ہے تو بائیں طرف والا، جو اس کا رقیب یعنی محافظ اور عتید یعنی اس کام کے لیے مہیا و تیار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے خطرات (خیالات) نہیں لکھتے۔

صحیحین میں ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خطرات (خیالات) معاف کر دیے جب تک کہ ان کو زبان سے نہ نکالیں یا عمل میں نہ لائیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے وہی الفاظ و اعمال لکھتے ہیں جن میں ثواب و عذاب ہے پانی پلانا کھانا کھلانا ان باتوں کو نہیں لکھتے۔ مگر الفاظِ آیت میں عموم ہے۔

علامہ محی الدین ابن العربیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دائیں طرف بیٹھنے والے سے مراد اس کی وہ قوت ہے جو اس کو نیک اعمال پر آمادہ کرتی ہے اور بائیں طرف والے سے مراد وہ قوت ہے جو شر کی طرف برانگیختہ کرتی ہے۔ یہ خدا کی طرف کے دو مؤکل ہیں جو ہر روز ملتے ہیں یعنی ان کا مقابلہ رہتا ہے اور ان دونوں قوتوں سے جو جو خطرات و خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کو ہم جانتے ہیں کیونکہ اس کی رگِ گردن تو اس کے دل سے دور ہے مگر ہمارا اس کے دل سے تعلق ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں تک تو انسان کی حالتِ دنیاوی کا بیان تھا اب یہ ایک اور عالم میں جاتا ہے، یہ عالم تو اس کی ایک منزل یا ایک شب باش کی مہمان سرائے تھی یا اس کی تجارت کا بازار تھا۔ اب جو کچھ کیا تھا اس کا پشتارا یا سہارا اس کے ساتھ ہے اور اب یہ اور جگہ چلے وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور موت جو برحق ہے جس میں کسی کو بھی کلام و شبہہ نہیں اس کی بے ہوشی طاری ہوئی اور موت کے غشی نے اس کو حق دکھا دیا، جن باتوں میں شبہہ کرتا تھا اب اس کو آنکھ سے دکھائی دینے لگیں ادھر سے آنکھوں پر پردہ پڑا ادھر دوسرا عالم اس پر منکشف ہوا۔

ذٰلک ما کنت منہ تحید یہ وہ چیز ہے کہ اے انسان اس سے تو بڑا ناخوش ہوتا تھا، اور بھاگتا پھرتا تھا۔ دنیا سے اٹھ گیا اور دوسرے عالم میں پہنچا ایک مدت تک وہاں رہا پھر حشر کا دن شروع ہوتا ہے، جو ظہورِ کلی ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ (۲۰)
اور صور پھونکا جائے گا یہ ہے وعدہ کا دن

۲ ع ۱۶ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ
اور ہر ایک شخص حساب کے لیے آئے گا اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانکنے والا اور

شَهِيْدٌ (۲۱) لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ
ایک گواہ ہوگا دربار میں اس سے کہا جائیگا تو اس سے

مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ
غافل تھا پس ہم نے تیرا پردہ اٹھادیا

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (۲۲) وَقَالَ قَرِيْنُهٗ
پھر آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے اور اس کے ساتھ رہنے والے (کراما

هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ (۲۳) اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ
کاتبین) عرض کریں گے کہ اس کے اعمال کا یہ دفتر ہمارے پاس موجود ہے فرشتوں کو حکم ہوگا ہر ایک کافر

كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ (۲۴) مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ
سرکش خیر سے روکنے والے حد سے بڑھنے والے شک کرنے

مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ (۲۵) الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ
والے کو کہ جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود ٹھیرایا

اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ
جہنم میں ڈال دو پھر اس کو سخت عذاب میں

الشَّدِيْدِ (۲۶) قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَا
ڈال دو اس کا مصاحب (شیطانی) کہے گا اے خدا میں نے

اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِي ضَلٰلٍ
اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا

بَعِيْدٍ (۲۷) قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ
ہوا تھا فرمائے گا میرے پاس جھگڑا نہ کرو اور

قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ (۲۸)
میں تم کو پہلے ہی سے خبردار کر چکا ہوں

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا
میرے ہاں بات نہیں بدلتی اور میں بندوں پر

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (۲۹)
ظلم بھی نہیں کرتا۔

ترکیب

مالدی ان جعلت ما موصوفۃ فعتید صفتہا وان جعلت موصولۃ فبدل لہا او خبر بعد خبر او خبر محذوف الذی جعل مبتدأ متضمن معنی الشرط فالقیاہ خبرہ او بدل من کل کفار۔

تفسیر

فقال ونفخ فی الصور اور صور پھونکا جاوے گا۔ یہ وہ دن مقرر ہے وجاءت کل نفس معہا سائق وشہید یہاں سے لے کر لہم ما یشاءون فیہا ولدینا مزید تک نیکوں اور بدوں کا انجام جنت وجہنم بیان فرماتا ہے۔ سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ انسان کی ابتدا۔ اور انتہا۔ اور اس کے اعمال کا نتیجہ اور موت کی کیفیت اور حشر کا حال بیان فرمادیا اور انسان کے حالات سے حشر کے امکان پر دلائل قائم کرنے میں کلام شروع ہوا تھا۔ یہ بلاغت طاقت بشریہ سے باہر ہے۔

اب ہم الفاظ آیات کی شرح کرتے ہیں سائق ہانکنے والا۔ شہید گواہ۔ ضحاک کہتے ہیں سائق فرشتہ اور گواہ انسان کے ہاتھ پاؤں۔ فرشتہ اس کو کھینچ کر عدالت میں لے جائے گا۔ حسن و قتادہ کہتے ہیں دونوں فرشتے ہوں گے۔ بعض عرفا۔ کہتے ہیں سائق دو قسم کے ہوں گے اگر نیک ہے تو اس کا سائق شوق و جذبہ ہے جو اس کو

حضرت کبریائی میں لے جائے گا۔ اور اگر بد ہے تو اس کی غفلت و نحوست ہے جو اس کو موردِ عتاب میں کشاں کشاں لے جائے گی۔ اور شہید اس کی حالت۔

دربار میں کہا جائے گا لقد کنت فی غفلۃ من ھذا کہ تو اس سے غافل تھا سو آج تیری آنکھیں کھلیں۔ وقال قرینہ ھذا مالدیّ عتید اب حساب شروع ہوتا ہے۔ انسان کا مصاحب وہی فرشتہ جو اس کی نیکی اور بدی لکھنے کے لیے مقرر ہوا تھا یہ عرض کرے گا کہ میرے پاس اس کے اعمال کا یہ ذخیرہ اور دفتر حاضر ہے قرین جنس ہے ایک کو بھی شامل ہے اور دو کو بھی مگر مراد اس جگہ وہی دو فرشتے ہیں نیکی بدی لکھنے والے۔ ان کو کبھی جنس کے لحاظ سے مفرد صیغوں سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی تثنیہ سے۔

حکم ہوگا القیا فی جھنم کل کفار عنید القیا کے صیغہ میں دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں تثنیہ کا صیغہ ہے یعنی دو فرشتوں کو حکم ہوگا، وہ دو فرشتے یا وہی نیکی بدی لکھنے والے ہیں کہ اس کافر سرکش کو جہنم میں ڈال دو یا وہ دو فرشتے جہنم کے داروغہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ مفرد کا صیغہ القین تھا نون تاکید کو الف سے بدل لیا جیسا کہ قفن کو قفا کر لیا کرتے ہیں، تب ایک فرشتہ کو خطاب ہے جو اسی کام پر متعین ہے۔ جن کو جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا ان کے یہ اوصاف ہیں کفار ہر کافر عنید سرکش منّاع للخیر نیک بات سے اوروں کو بھی روکنے والا۔ معتد ظالم۔ مریب خدا تعالیٰ کی باتوں میں شک کرنے والا الذی جعل مع اللہ الٰھا آخر خدائی میں اوروں کو شریک سمجھنے والا۔ جس میں یہ اوصاف بد ہیں وہی جہنمی ہے۔ انسان کو ان اوصاف سے بچنا چاہیے۔

اس کے بعد اس کے مضل یعنی بہکانے والے ساتھی شیطان کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اس کو ذکر کرتا ہے قال قرینہ ربنا ما اطغیتہ ولکن کان فی ضلٰل بعید اس کا قرین یعنی ساتھی جس سے مراد شیطان ہے یہ عذر کرے گا کہ الٰہی میں نے تو اس کو گمراہ نہیں کیا تھا، یہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا ہوا تھا' وہ مردود اپنی برات کرے گا۔

خدا تعالیٰ فرمائے گا لاتختصموا لدیّ وقد قدمت الیکم بالوعید میرے روبرو جھگڑا نہ کرو، میں رسولوں کی معرفت تم کو سزا پہلے سنا چکا ہوں کہ نافرمانیوں کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اس میں شیطان کچھ جھوٹی باتیں بنائے گا۔ اور اس کے جواب میں کافر گمراہ جھوٹے عذرات پیش کرے گا کہ اس نے مجھے یوں کہا تھا یعنی میرے دل میں یہ باتیں ڈالی تھیں، خدا تعالیٰ فرمائے گا مایبدل القول لدیّ میرے سامنے بات نہیں بدل سکتی، یعنی جھوٹی بات نہیں چلتی کہ بدل کر کوئی کچھ کہے اور میں اس کے بدلنے کو مان لوں۔ وما انا بظلام للعبید اور نہ میں کسی بندے پر ظلم کرتا ہوں۔ ظلّام، اس جگہ بمعنی ظالم ہے۔ اس سے یہ بات نکالنا کہ بڑا ظالم نہیں کیونکہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے تھوڑا ظالم ہے غلط خیال ہے۔ اس کا مفہوم مخالف نہیں۔

یَوۡمَ نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَأۡتِ وَتَقُوۡلُ

جس دن کہ ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر چکی اور وہ کہے گی

هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ

کچھ اور بھی ہے اور پرہیزگاروں کے لیے جنت قریب

لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ

لائی جائے گی کچھ دور نہ ہوگی (کہا جائیگا) یہ وہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيۡظٍ ﴿۳۲﴾ مَنۡ خَشِيَ

تھا ہر ایک رجوع کرنے والے حکم الٰہی یاد رکھنے والے کے لیے (اور) جو کوئی اللہ سے

الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاۤءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾

رحمٰن (سے) دیکھے (بن) ڈرا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾

اس کے یہ حکم ہوگا سلامتی سے جنت میں داخل ہو جاؤ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا

لَهُمْ مَّا يَشَاۤءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

ان کو وہاں جو چاہیں گے ملے گا اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ

اور ان سے پہلے ہم بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو

اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ

ان سے بھی زیادہ طاقت ور تھے پھر (عذاب کے وقت) شہروں میں دوڑتے پھرنے لگے

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

کہ کوئی پناہ کی بھی جگہ ہے البتہ اس میں نصیحت ہے

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ

اس کے لیے کہ جس کے دل ہو یا وہ دھیان دھر کر

وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

کان لگا دے۔

تفسیر

جب دوزخیوں کو دوزخ میں ڈال چکے گا تو دوزخ سے پوچھے گا ھل امتلأت کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی اور کچھ ہے؟ یعنی اور بھی ہو تو لا ہے۔ بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جہنم ھل من مزید ھل من مزید کہے گی یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا پاؤں رکھ دے گا تو جہنم کہے گی بس بس۔ قدم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ خود اس کی اشتہا کو فرو کر دے گا۔ یہ ایک محاورے کی بات ہے۔ یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا، اب جنتیوں کا حال بیان فرماتا ہے۔

وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید کہ پرہیزگاروں کے سامنے جنت لائی جائے گی جس کو وہ عرصات میں آنکھوں سے سامنے دیکھیں گے، فرمایا جائے گا یہ وہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اور یہ کس کے لیے ہے؟ لکل اواب حفیظ یہ ہر ایک رجوع کرنے والے کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرے اور جو احکامِ الٰہی کی محافظت کرے اور جو غائبانہ اللہ سے ڈرے اور خالص دل نیازمند اللہ کی طرف رکھے۔ حکم ہوگا ان نیک بندوں کو اس میں داخل کرو ہمیشہ سلامتی سے اس میں رہیں گے، ان کے بدلۂ اعمال کے سوا ہم اپنی طرف سے ان کو اور بہت کچھ دیں گے۔

اس ذکر کو تمام کر کے پھر کفار مکہ کی طرف رخِ سخن کرتا ہے کہ ان سے پہلے ہم نے بہت سی جماعتیں اور زمانے کے لوگ ہلاک کر دیے جو ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ پھر بتاؤ کہ ان کے لیے کہیں بھاگنے اور بچنے کی جگہ بھی ملی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر فرماتا ہے اس میں اہلِ دل کے لیے عبرت ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ

اور البتہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی

مَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا

چیزوں کو چھ روز میں بنایا اور ہم کو کچھ بھی

مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

تکان نہ ہوئی پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو

ف النقب ہو الخرق والطریق فی الجبل والمراد ساروا وتباعدوا وقرئ نقبوا بکسر القاف فهو صیغة الامر للتهدید ای سیروا فی البلاد فانظروا۔ ۱۲ منہ

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ
اور پاکیزگی بیان کر اپنے رب کی تعریف کے ساتھ دن نکلنے سے پہلے
وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ
اور دن چھپنے سے پہلے اور کچھ رات سے بھی اس کی تسبیح کیا کر
وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ
اور نماز کے بعد بھی اور سن رکھو جس روز
يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾
کہ پکارنے والا پاس سے پکارے گا
يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ
جس روز کہ وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے یہ دن
يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ
ہوگا قبروں سے نکلنے کا ہم زندہ کرتے اور
نُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ
مارتے ہیں اور ہمارے پاس ہی پھر کر آنا ہے جس دن
تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ
کہ زمین پھٹ کر لوگ دوڑتے ہوئے نکل آئیں گے یہ
حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ
لوگوں کا جمع کرنا ہم کو بہت آسان ہے ہم جانتے ہیں
بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ
جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر کچھ زبردستی کرنے والے نہیں
فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾
پھر آپ قرآن سے اس کو سمجھاؤ جو میرے عذاب سے ڈرتا ہو

ترکیب

من لغوب من زائدۃ لغوب تعب واعیا یقال لغب یلغب بالضم لغوبا من الیل ای بعض اللیل فانہ مفعول لفعل مضمر معطوف علی سبح بحمد ربك یفسرہ فسبحہ ومن للتبعیض ۔ ادبار السجود ای سبحہ اعقاب الصلوٰۃ قرء الجمہور بفتح الہمزۃ جمع دبر وقرئ بکسرہا علی المصدر من ادبر الشئی ادبارا ۔ فہی ظرف سبحہ ۔ یوم یسمعون بدل من یوم ینادی یوم تشقق ظرف للضمیر او بدل من یوم الاول سراعا حال ای یخرجون مسرعین ۔

تفسیر

مسئلہ معاد کو تمام کر کے جس طرح کہ اس سے پہلے اس پر دلائل بیان کیے تھے اسی طرح بعد میں دلیل ایک نئی طرز سے بیان کرتا ہے اور اس میں ابتداء آفرینش عالم کا حال بتا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس جہان کو ہم نے چھے روز میں پیدا کیا تھا جس کی ہزاروں برس کی عمر ہے پھر اس کو ہم یوں فنا کر دیں گے اور پھر یوں بار دیگر بنا دیں گے ۔ فقال ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض الخ کہ ہم نے نہ کسی اور نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی سب چیزوں کو چھے روز میں پیدا کیا تھا اور ہم کو اس پیدا کرنے میں کوئی تکان و ماندگی نہ ہوئی تھی ۔ اس کی مفصل کیفیت ہم بیان کر آئے ہیں ۔ اور یوم سے مراد وقت ہے نہ کہ دن کیوں کہ ابھی سورج تو پیدا ہوا ہی نہ تھا ۔ پھر دن جو

ع ۳ (۱۶) ۱۷

عہ واستمع یوم ینادی المناد فیہ ثلاثۃ اوجہ احدہا ان یترک مفعولہ راسا ویکون المقصود کن مستمعا ۔ ثانیہا استمع لما یوحی الیک ۔ وثالثہا استمع للمنادی فعلی الاول العامل فی یوم ما یدل علیہ قولہ یوم الخروج تقدیرہ یخرجون یوم ینادی المنادی ۱۲ منہ

سورج کے طلوع وغروب سے ہوتا ہے کہاں سے ہوگیا تھا۔ یوم بول کر وقت مراد لینا عرب کا محاورہ ہے۔ اور جملہ ومامسنا من لغوب میں یہود کے خیالِ باطل کا رد ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کہ ہفتہ کے روز ان سب چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد خدا نے آرام کیا۔ چنانچہ یہود کی کتاب الخروج کے بیسویں باب کے گیارہویں ورس میں یہ ہے، قولہ "کیوں کہ خداوند نے چھے دن میں آسمان اور زمین دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔" انتہیٰ۔ پھر جس نے بغیر تکان کے ان سب چیزوں کو ایک بار پیدا کر دیا کیا وہ بارِ دگر پیدا نہیں کر سکتا؟ کر سکتا ہے۔ اس میں ان کا بھی رد ہے جو عالم کو قدیم کہتے ہیں اور قدیم ہونے کے سبب اس کو قابلِ فنا نہیں کہتے، یعنی یہ عالم فنا نہ ہوگا پھر جب فنا نہیں تو بارِ دگر پیدا کرنا اور حشر کیسا؟ یہ حکماء یونان و حکماء ہند کا قول ہے۔

اس یقینی مسئلہ کے خلاف میں مخالفین بھی طرح طرح کی حجتیں اور ان کے درمیان تکذیب و سخت گوئی بھی کرتے تھے جس سے جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج پہنچتا تھا اور ممکن تھا کہ ان کے جواب میں کوئی سخت بات آپؐ سے سرزد ہو جو منصب نصیحت کے خلاف تھی۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے فاصبر علیٰ ما یقولون کہ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں۔ اور یہ بھی ہے کہ ایسی نالائم باتیں سننے سے دل کو رنج اور آئینہ صافی پر کدورت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے یادِ الٰہی کا اوقاتِ مخصوصہ میں حکم دیتا ہے۔ یادِ الٰہی رنج و غموم اور کدورات کو دور کر دیتی ہے اور روح پر نورانیت چمکنے لگتی ہے۔

فقال وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ومن الیل فسبحہ وادبار السجود مفسرین کے سبح کے لفظ میں کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں سبح کے لفظی معنی تو تسبیح کرنا یعنی سبحان اللہ کہنا ہے مگر اس سے مراد نماز پڑھنا ہے۔ کیوں کہ نماز میں تسبیح بھی ہوتی ہے اور ایک جزء سے کل کو خصوصاً نماز کو تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ رکوع اور سجدہ سے۔ پھر اس میں کلام ہے کہ کون سی نماز؟ اکثر کہتے ہیں فرائض۔ قبل طلوع الشمس سے مراد فجر کی نماز اور قبل الغروب سے ظہر و عصر کی نماز اور من الیل سے تہجد کی نماز جو حضرتؐ پر فرض تھی اور عشا۔ اور مغرب کی نماز کیوں کہ یہ تینوں رات میں ادا کی جاتی ہیں من الیل کا لفظ تینوں کو شامل ہے اور ادبار السجود سے نوافل مراد ہیں جو فرض نماز کے بعد ادا کیے جاتے ہیں۔ ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادبار النجوم و ادبار السجود کے معنی دریافت کیے تو آپؐ نے فرمایا ادبار السجود سے وہ دو رکعت مراد ہیں جو مغرب کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور ادبار النجوم سے مراد نمازِ صبح سے پہلے کی دو رکعت (رواہ مسدد فی مسندہ و وابن المنذر وابن مردویہ) اور اسی کے موافق ابن عباسؓ کی وہ حدیث ہے جس کو ترمذی و حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور یہی قول عمرؓ بن الخطاب و ابوہریرہؓ کا ہے۔ بعض نوافل مراد لیتے ہیں۔

مجاہد و دیگر علماء فرماتے ہیں کہ سبح سے مراد سبحان اللہ بحمدہ کہنا ہے نماز کے بعد۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ کہے اور اسی قدر الحمد للہ کہے اور اسی قدر اللہ اکبر اور اخیر میں لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علیٰ کل شیء قدیر کہے تو اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے اگرچہ دریا کے کف کے برابر کیوں نہ ہوں۔

اس کے بعد مسئلہ حشر کا ذکر کرتا ہے اور اس کا آنا یقینی بتاتا ہے کہ واستمع یوم ینادی المناد من مکان

قریب یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذٰلک یوم الخروج
کہ اے محمد یا اے مخاطب تو اس آواز دینے والے کی
آواز کا منتظر رہ جس دن کہ وہ بہت پاس سے پکارے گا
جس دن کہ چیخ کی آواز سنیں گے۔ یہ ہے قبروں سے باہر
نکلنے کا دن۔ گویا وہ دن یقینی آنے والا ہے اور آپ
اس کے منتظر رہیں۔ یہ منکر گو اس میں شک کر رہے ہیں،
اس آواز سے مراد نفخ صور کی آواز ہے۔ صور میں پھونکنا
نداد بنا ہے۔ کبھی ندا زبان سے دی جاتی ہے کبھی کسی
آلہ سے۔ اور اسی کو چیخ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں
اسرافیل صور پھونکیں گے، ایک بار تمام مخلوق فنا
ہو جائے گی۔ پھر دوسرے صور سے مخلوق بار دگر موجود
ہوگی، اس کے بعد حساب کے لیے جبرئیل یا کوئی اور
فرشتہ آواز دے گا۔ گویا یہ آواز ایسی یقیناً ہونے والی
ہے کہ اے نبی یا اے مخاطب تو اس کی طرف کان لگا رکھ۔

پھر فرماتا ہے انا نحن نحی ونمیت والینا المصیر
کہ دنیا میں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں
اور ہماری طرف پھر کر آنا ہے۔ یعنی یہ ایک سفر
(جس کی ابتدا ہمارے ہاں سے ہوئی اور دنیا ایک
منزل تھی پھر وہاں سے کوچ کر کے اس جگہ آنا ہے)۔
ہمارے ارادہ سے ہے اس لیے حشر و قیامت کا ہونا
ضروری ہے۔

یا دلیل اور واقعہ کو بیان کر کے اس کا اعادہ ہے بطور
نتیجہ کے کہ ہم زندہ کریں گے بار دگر، اور ہم دنیا میں مردہ
کرتے ہیں اور حشر میں سب کو ہمارے پاس آنا ہے
اور وہ کون سا دن ہے یوم تشقق الارض عنہم سراعا
جس دن کہ زمین پھٹے اور لوگ اس میں سے جلد نکل آئیں
ذٰلک حشر علینا یسیر۔ یہ حشر ہم پر کچھ مشکل نہیں بلکہ آسان
ہے۔

حشر و نشر بیان کرنے کے بعد کفار انکار کرتے تھے
جس سے حضرتؐ کا دل آزردہ ہوتا تھا اس لیے آپؐ کو
تسلی دیتا ہے۔

نحن اعلم بما یقولون وما انت علیہم بجبار کہ
ہم کو معلوم ہے اے محمد تمہارا کام پہنچانا تھا پہنچا دیا،
آپ ان پر جبر کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو اس
کے ماننے پر خواہ مخواہ مجبور کریں آپ کا کام نصیحت
کرنے کا ہے۔

فذکر بالقراٰن من یخاف وعید جو میری
سزا سے ڈرے اس کو قرآن کے ہدایت افزا مضامین
سے نصیحت کرو، جو نہیں ماننے نہ مانیں۔ وعید اصل
میں وعیدی تھا، حالت وقف میں ی کو حذف کر دیا
کسرہ اس کی جگہ باقی رہ گیا۔

سورت کے اول میں بھی قرآن کا ذکر تھا قٓ و
القراٰن المجید آخر میں بھی اس کا ذکر آیا تاکہ اول و آخر
مل کر مضامین کا احاطہ کر کے ق محیط کی صورت پیدا
کرے۔

سورہ ذاریات

مکیہ ہے اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ① فَالۡحٰمِلٰتِ
قسم ہے اُڑانے والی ہواؤں کی　پھر بوجھ اٹھانے

وِقۡرًا ② فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ③ فَالۡمُقَسِّمٰتِ
والیوں کی　پھر نرم نرم چلنے والیوں کی　پھر حکم سے ایک چیز کو بانٹنے

اَمۡرًا ④ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ⑤
دینے والیوں کی　بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے

وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۝٦ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ

اور اعمال کی جزا و سزا تو ہو کر رہے گی　اور قسم ہے آسمان کی جس میں ستاروں کے

الْحُبُكِ ۝٧ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝٨

سبب سے نمودار ہیں　البتہ تم پیچیدہ بات میں پڑے ہوئے ہو

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝٩ قُتِلَ

قرآن سے تو وہی رکا جاتا ہے جو ازل سے برگشتہ ہے　اٹکل پچو باتیں

الْخَرَّاصُونَ ۝١٠ الَّذِينَ هُمْ فِي

بنانے والے غارت ہوں　وہ جو　غفلت　میں

غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۝١١ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ

بھولے ہوئے ہیں　پوچھتے ہیں　فیصلہ کا

يَوْمُ الدِّينِ ۝١٢ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ

دن کب　ہوگا　جس دن وہ　آگ پر بھونے

يُفْتَنُونَ ۝١٣ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا

جائیں گے　ان سے کہا جائے گا　اپنی شرارت کا مزہ چکھو　یہ وہی تو ہے

الَّذِي كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝١٤

جس کی　تم　جلدی کیا کرتے تھے

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝١٥

البتہ　پرہیزگار　باغوں　اور چشموں میں

آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ

جو کچھ ان کو ان کا رب دے گا اس کو لے رہے ہوں گے　کیونکہ وہ

كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ۝١٦

اس سے پہلے نیک تھے (عبادات کے سبب)

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝١٧

رات میں بہت ہی کم سویا کرتے تھے

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝١٨ وَ

اور صبح کو معافی مانگا کرتے تھے　اور

فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝١٩

ان کے مالوں میں سائل اور محتاج کا بھی حصہ لگا ہوا تھا

ترکیب

والذاریت الواو للقسم ذروًا منصوب علی انہ مصدر یقال ذرت الریح التراب تذروہ ذروا وآذرتہ تذریۃ ذریا۔ فالحملت عطف علی الذاریت وقس علیہا البواقی۔ وقرًا قرء الجمہور بکسر الواو فہو اسم اقیم مقام المصدر کما یقال ضربہ سوطًا۔ او مفعول بہ کما یقال حمل فلان عدلاً ثقیلاً کبیرا وقری بفتح الواو علی انہ مصدر یسرًا منصوب علی انہ صفۃ مصدر تقدیرہ جریًا ذا الیسر امرًا منصوب علی انہ مفعول بہ کما یقال فلان قسم الرزق او حال انما توعدون جواب القسم وما مصدریۃ او موصولۃ یؤفک عنہ الضمیر الرسول علیہ السلام او القرآن او الایمان۔ یوم ھم منصوب علی الظرفیۃ والناصب یقع۔ وقیل موضعہ رفع ھم مبتدء یفتنون خبرہ اخذین حال ما یھجعون خبر کانوا قلیلا من اللیل ظرف ای فی قلیل من اللیل۔

تفسیر

یہ سورت بھی مکیہ ہے۔ ابن عباسؓ وابن زبیرؓ کا یہی قول ہے۔ اس میں بھی بیشتر وہی امہات المقاصد واہم المسائل حشر و توحید و نبوت مذکور ہیں۔

سورۂ قٓ میں دلائل سے حشر کا اثبات کیا تھا۔ مگر جہلاء کی عادت ہے کہ وہ دلائل میں غور نہیں کرتے پھر ان کے یقین دلانے کے جو طرز ہیں اسی طور پر ان سے کلام کیا جاتا ہے۔

عرب میں گو صدہا عیب تھے مگر ایک یہ ہنر بھی تھا کہ وہ جھوٹ بولنے کو اور خصوصاً قسم کھا کر جھوٹ بولنے کو

بہت برا سمجھتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولتا ہے برباد ہو جاتا ہے اس لیے قسم کھا کر بات کہنے سے ان کو یقین آجاتا تھا اس لیے ان مسائل کا خدا تعالیٰ ان چند چیزوں کی قسم کھا کر حق ہونا بیان فرماتا ہے۔ اور قسم بھی ان چیزوں کی کھائی جو بنفسہٖ ایک ایک اثباتِ حشر کے لیے برہانِ قاطع ہے۔

فقال والذّٰریٰت ذروًا فالحٰملٰت وقرًا فالجٰریٰت یسرًا فالمقسّمٰت امرًا کہ ان چار چیزوں کی قسم ہے انما توعدون لصادق وان الدین لواقع کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ سچ ہے اور جزا و سزا کا دن یعنی قیامت کا ضرور آنے والا ہے۔

مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ چار چیزیں کیا ہیں؟ بعض کہتے ہیں چاروں سے ایک ہی چیز اس کی صفاتِ مختلفہ کے لحاظ سے مراد ہے پھر اس میں بھی دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں سب سے ہوائیں مراد ہیں۔ ذریٰت وہ ہوائیں جو غبار اڑاتی ہیں جن سے اخیر میں بادل پیدا ہوتے ہیں اور حملٰت وقرًا بوجھ اٹھانے والی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو لیے پھرتی ہیں جو پانی کے خزانے ہیں اور اسی لیے بادلوں کو بوجھل کہا گیا۔ اور الجٰریٰت یسرًا سے بھی وہ ہوائیں مراد ہیں جو پانی برسنے کے وقت نرم نرم چلا کرتی ہیں المقسمٰت امرًا سے بھی مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو برسنے کے بعد ادھر اُدھر لے جا کر پانی تقسیم کر دیتی ہیں۔ ان ہواؤں کی قسم کھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظامِ عالم جس نے ان سے اس طرح مربوط کیا ہے جو عقل میں نہیں آتا کہ ہوائیں اجزاءِ ارضیہ کو بکھیرتی ہیں اور پھر وہی جو سماء میں جمع کرتی ہیں بادلوں کو پھر وہی نرم نرم چل کر موقع پر پہنچاتی ہیں پھر وہی تفریق کرتی ہیں اُدھر انسان کے اجزاءِ متفرقہ جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔

بعض کہتے ہیں سب سے ملائکہ مراد ہیں جو ان خدمات پر مامور ہیں۔ اور ایک گروہ کہتا ہے ان چاروں سے چار جدا جدا چیزیں مراد ہیں جن سے انتظامِ عالم مربوط ہے۔ ذریٰت سے مراد ہوائیں۔ حملٰت وقرًا سے مراد بادل۔ جٰریٰت یسرًا سے مراد کشتیاں جو دریا میں نرم نرم چلا کرتی ہیں۔ مقسمٰت امرًا سے مراد ملائکہ ہیں۔ اس کے بعد کرۂ ارضی اور جمیع عناصر کو جو چیز محیط ہے اس کی قسم کھا کر ایک اور بات بیان فرماتا ہے۔

والسماء ذات الحبك حبك حبیکہ کی جمع ہے جس کے معنی طریق کے ہیں۔ قوی تر یہ ہے کہ آسمانوں میں جو ستاروں سے مختلف راہیں سی نظر آیا کرتی ہیں وہ حبک ہیں، جال سے پڑے ہوئے دکھائی دیا کرتے ہیں کہ ایسے آسمان کی قسم اے کفار تم خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہو تم میں سے کوئی محمدؐ کو شاعر کہتا ہے کوئی ساحر کوئی کاہن کوئی دیوانہ جس طرح آسمان میں ستاروں سے مختلف رستے اور جال نظر آتے ہیں اسی طرح تمہاری باتیں مختلف ہیں۔ یہ لطیفہ ہے ذات الحبك کہنے میں تمہارا یہ اختلاف ثابت کرتا ہے کہ تم کو کسی بات کا یقین نہیں۔ تمہاری تخمینی باتیں ہیں جو اوہامِ فاسدہ پر مبنی ہیں۔

پھر فرماتا ہے یؤفك عنه من افك قرآن یا نبی سے وہی شبہ کرتا ہے جس کو ازلی تقدیر نے شبہ کے ظلمات میں ڈال رکھا ہے۔

قتل الخرّٰصون الذین ھم فی غمرۃ ساھون خرص کھجور کے اوپر کے چھواروں کا اندازہ کرنا کہ اتنے من ہوں گے۔ اس جگہ مراد ہے اٹکلیں دوڑانا۔ ابن الانباری کہتے ہیں کہ جب قتل کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے لعنت کے۔ غمرۃ غفلت۔ فرماتا ہے کہ ان اٹکل دوڑانے والوں پر لعنت ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے آخرت کو بھولے ہوتے ہیں اور پوچھتے ہیں ایان یوم الدین کب ہے روزِ جزا؟ بطورِ تمسخر کے۔

اب آپ ہی بتاتا ہے یوم ھم علی النار یفتنون کہ وہ دن ہے کہ جس روز وہ آگ میں جلائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا ذوقوا فتنتکم ھذا الذی کنتم بہ تستعجلون اپنے عذاب کو چکھو، یہ ہے وہ کہ جس کی تم دنیا میں جلدی کیا کرتے تھے۔

حشر کے برحق ہونے پر قسم کھا کر وہاں جو کچھ بروں خصوصاً منکرین حشر کا حال ہوگا اس کو یہاں تک بیان فرمایا، اب نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے ان المتقین فی جنت وعیون اخذین ما اتٰھم ربھم کہ پرہیزگار لوگ ایسے باغوں میں ہوں گے کہ جن میں چشمے جاری ہیں اپنے رب کی نعمتیں حاصل کریں گے۔ پھر اس کا سبب بیان فرماتا ہے کہ کس وجہ سے وہ اس سعادت کے مستحق ہوئے انھم کانوا قبل ذلك محسنین کہ وہ اس سے پہلے یعنی دنیا میں نیک تھے۔ احسان بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر ایک قسم کی نیکی کو شامل ہے، ایمان سے لے کر اعمال صالحہ تک اور اللہ کی عبادت اور بندوں کے ساتھ بھلائی کرنے تک کو، اب قدرے ان کی نیکی کی شرح بھی کرتا ہے۔

کانوا قلیلا من الیل ما یھجعون (الھجوع النوم باللیل) یعنی رات کو عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے اس لیے بہت کم سوتے تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ رات بھر تو یہ کام کرتے تھے وبالاسحار ھم یستغفرون صبح کو خدا سے اپنے قصور عبادت کی بابت معافی مانگتے تھے، رات کی عبادت پر غرور نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر بھی اپنے کو خطاوار سمجھتے تھے۔ بندگی اس عجز و نیاز کا نام ہے۔ یہ تو تعظیم امر اللہ تھی اور خلق اللہ کے ساتھ ان کا یہ حال تھا۔ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم کہ ان کے مال میں سائل کا بھی حصہ تھا اور نہ مانگنے والے کا بھی، یعنی سب کو بانٹ دیا

کرتے تھے۔ محروم کے معنی ہیں ممنوع کے۔ یہ لفظ عام ہے نہ سوال کرنے والے کو بھی اور آفت رسیدہ کو بھی اور اپاہج کو بھی اور جس کا کچھ حق نہیں اس کو بھی شامل ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَ
اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں اور

فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾
خود تم میں بھی (موجود ہے) پھر کیا تم نہیں دیکھتے؟

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾
اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ بھی کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ
پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی (یہ قرآن) ایسا ہی برحق ہے

مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ ﴿٢٣﴾ هَلْ
جیسا تمہارا باہم باتیں کرنا (اس میں شبہ نہیں اسی طرح اس میں نہیں) کیا

أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ
آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی

الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ
خبر پہنچی؟ جب ان کے پاس آئے

فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ
تو کہنے لگے سلام ابراہیم نے بھی کہا سلام اجنبی

مُنْكَرُونَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ
معلوم ہوتے ہیں پھر ابراہیم اپنے گھر کی طرف متوجہ ہوئے

۱ ع ۲۳ ۱۸

وقف لازم

لے راغ وارتاغ وماذا تریغ ای ترید وراغ الی کذا ای مال الیہ سر قال فی الصحاح العجل ولد البقر والعجول مثلہ (بچھڑا) والجمع العاجل والانثیٰ عجلۃ (بچھیا) وقیل العجل فی بعض اللغات الشاۃ (بکری) سمین فربہ سمن روغن و مسکہ اوجس احس فی نفسہ خوفا منہم وقیل (باقی بر صفحہ آئندہ)

فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیۡهِمۡ
تو تلا ہوا بچھڑا لئے ل پھر اس کو ان کے پاس رکھ کر

قَالَ اَلَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوۡجَسَ
کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ (جب نہ کھایا) تو اس کو

مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ وَ
ان سے خوف معلوم ہوا انہوں نے کہا خوف مت کرو اور

بَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقۡبَلَتِ
ان کو ایک دانش مند لڑکے کی (پیدا ہونے کی) خوشخبری بھی دی پھر ان کی بیوی

امۡرَاَتُهٗ فِیۡ صَرَّةٍ فَصَکَّتۡ وَجۡهَهَا
(سارہ) شور مچاتی ہوئی آگے بڑھیں اور ماتھا پیٹ کر

وَ قَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِیۡمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوۡا
کہنے لگیں کیا بڑھیا بانجھ جنے گی؟ وہ بولے

کَذٰلِکِ ۙ قَالَ رَبُّکِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے وہ جو ہے

الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۰﴾
حکمت والا دانا ہے

ترکیب

مثل یقرء بالرفع علی انہ نعت لحق او خبر ثان او علی انہما خبر واحد وما زائدۃ ویقرء بالفتح انہ حال من النکرۃ او من الضمیر فیہا او علی اضمار اعنی وما زائدۃ وقیل معرب وقیل مبنی علی انہ رکب مع ما کخمسۃ عشر۔ انکم موضعہا جر بالاضافۃ اذا جعلت ما زائدۃ اور رفع علی تقدیر ہو۔ اذ ظرف لحدیث او لضیف۔ والضیف مصدر یطلق علی الواحد والکثیر۔ سلام مبتدء علیکم خبرہ محذوف۔

تفسیر

یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا یعنی اہلِ جنت کی عبادت کا تو یہ حال ہے اور ان کے افکار و خیالات ایسے پاکیزہ ہیں کہ زمین میں ہر شے ان کے نزدیک اس کی قدرت کا نمونہ ہے اور خود انہیں کے اندر سیکڑوں نمونے ہیں۔ یا کہو یہ بیانِ سابق کا بقیہ ہے یعنی حشر کے امکان پر اور چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ زمین کے اندر اس کے اشیاء رنگارنگ ہیں اور خود لوگوں کے اندر ہماری قدرت کی سیکڑوں نشانیاں ہیں۔

انسان اپنی پیدائش اور قوٰے اور اعضاء وصحت و مرض و تبدلات و تغیرات و جذباتِ باطنیہ میں غور کرے تو فوراً باور کرلے کہ وہ اس کی بے انتہا قدرتوں کا خزانہ ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے آپ کو جان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا)

اس لیے فرماتا ہے افلا تبصرون پھر تم کیوں نہیں ان نشانات قدرت کو دیکھتے؟ اور آسمان میں تمہاری روزی ہے۔ آسمان سے مراد بارش جو آسمان سے یعنی اوپر سے اُترتی ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بمعنی اوجس اضمر صرہ بانگ و فریاد و سختی اندوہ و جماعت مردم یعنی اور گھر کے لوگوں میں سے ماتھا کوٹتی آئی ۱۲ منہ

ل فربہ بچھڑے کے کباب ۱۲ منہ

بارش سے انسان بلکہ حیوان کی روزی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جنت و دوزخ خیر و شر سب اوپر سے ہے۔ یعنی تمہاری کوششوں سے اور تدابیر سے یہ سامان پیدا نہیں ہوتے بلکہ یہ سب کچھ آسمانی اسباب سے ہے۔ آسمان سے مراد اوپر کی جہت جس سے مقصود تقدیر و مشیّتِ الٰہی۔ تقدیری باتوں اور مشیتی اسباب کو آسمانی کہا کرتے ہیں شرف و فوقیت کے لحاظ سے۔

پھر کہتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم یعنی روزِ جزا کا آنا ایسا ہی برحق ہے جیسا کہ تمہارا باہم باتیں کرنا کہ اس میں تم کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

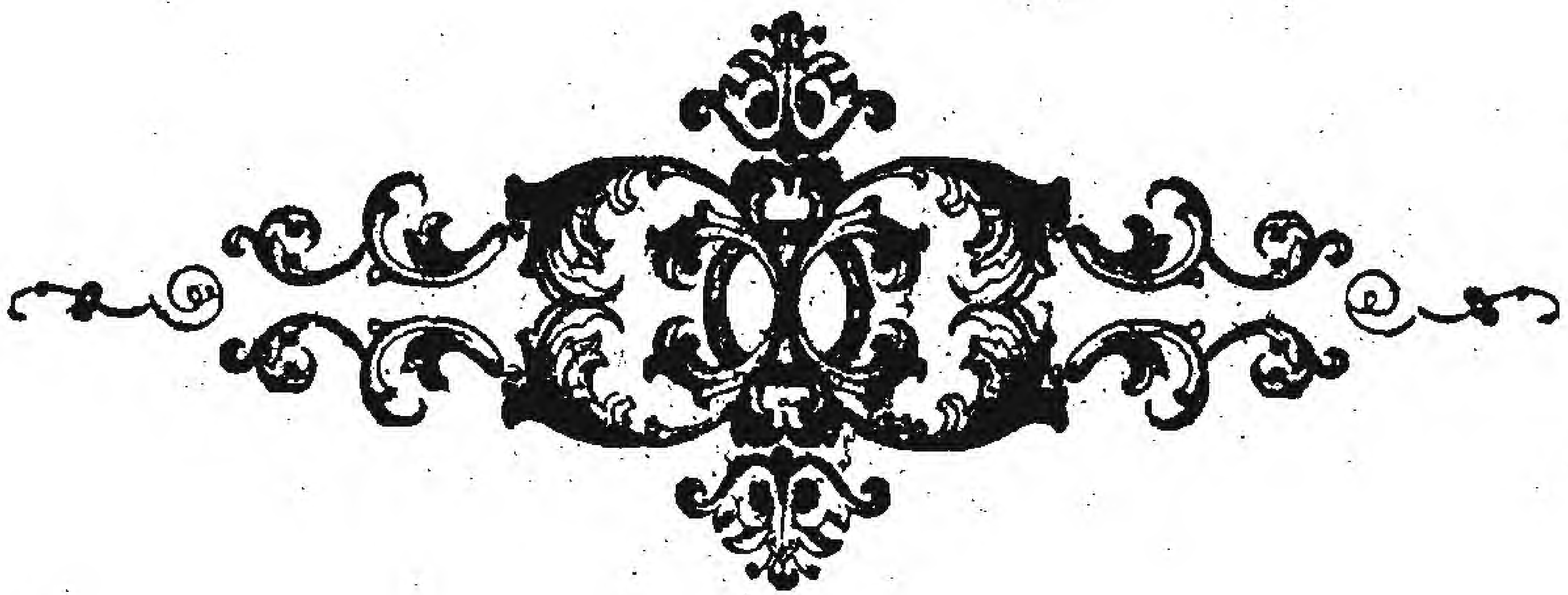
ان دلائلِ حشر اور وہاں کی جزا و سزا بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و والسلام کا تذکرہ کرتا ہے جس سے یہ باتیں بتانی مقصود ہیں۔

(۱) یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح مہمان نوازی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

(۲) دنیا میں کسی مراد کے دیر میں ملنے سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ خدا کا وعدہ برحق ہے اس نے اخیر عمر میں حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو اولاد دی، اسی پر اس کی سزاؤں کو بھی خیال کرنا چاہیے کہ اگر دیر ہوجائے تو مغرور و غافل نہ ہوجائے کہ میرے اعمالِ بد کا بُرا ثمرہ مجھے نہ ملے گا۔

(۳) چنانچہ قوم لوط مدت سے اس بدکاری کی عادی تھی، پیغمبر ہرچند منع کرتا تھا پر نہیں مانتے تھے۔ آخر ایک روز ایسا ہوا کہ ان کی بدکاری کا بُرا دن اُن کے سامنے آیا۔ وہ بستیاں غارت ہوئیں اے قریشِ مکہ تم بھی دلیر نہ ہوجاؤ۔

الحمد للہ چھبیسویں پارے کی تفسیر تمام ہوئی



تفسیر حقّانی

پارہ ۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾

ابراہیم نے کہا اے رسولو! تمہارا کیا مطلب ہے ؟

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾

وہ بولے ہم کو گناہ گار لوگوں (قوم لوط) کی طرف بھیجا گیا ہے

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾

کہ ہم ان پر مٹی کی (سلیں) برسادیں

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾

جو آپ کے رب کی طرف سے حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے نام زد ہو چکے ہیں

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾

پھر ان بستیوں میں سے ہم نے اس کو جو ایمان دار تھا نکال لیا

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ

اور ہم نے وہاں بجز لوط کے گھر کے اور گھر

الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً

ایمان داروں کا نہ پایا　　اور ہم نے ان بستیوں کو (ہلاک کرنے کے بعد)

لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾

ان لوگوں کے لیے جو عذاب الیم سے ڈرتے ہیں کچھ نشانیاں باقی رکھ چھوڑی ہیں

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

اور موسیٰ کے قصہ میں بھی (عبرت ہے) جب کہ ہم نے اس کو فرعون کی طرف

بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ

کھلی ہوئی سند دے کر بھیجا　　پھر اس نے اپنے زور طاقت کے گھمنڈ پر

وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ

سرتابی کی اور کہہ دیا جادوگر یا دیوانہ ہے　　پھر تو ہم نے اس کو

وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ

اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا　پھر ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ

مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا

ملامت زدہ تھا　　اور عاد کے حال میں بھی (عبرت ہے) جب کہ ہم نے

عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ

ان پر سخت آندھی بھیجی　　جس چیز پر وہ

مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ

گزرتی تھی تو اس کو چورا ہی

كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ

کر ڈالتی تھی اور ثمود کے واقعہ میں بھی (عبرت ہے) جب کہ ان کو

لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا

کہا گیا کہ ایک وقت تک (برتنا ہے) برت لو پھر انہوں نے اپنے

عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ

رب کے حکم سے سرتابی کی پھر تو ان کو کڑک نے آلیا

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا

اور وہ دیکھتے رہ گئے پھر تو وہ نہ اٹھ ہی سکے

مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور نہ بدلہ ہی لے سکے

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا

اور نوح کی قوم کو اس سے پہلے (ہلاک کر چکے تھے) کیوں کہ وہ

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ع ۲/۲۳/۱

بدکار قوم تھی

ترکیب

للخطب الشان مسومۃ ای معلمۃ بعلامات تعرف بہا قیل کانت مخططۃ بسواد و بیاض صفۃ لحجارۃ او حال من الضمیر المستکن فی الجار والمجرور وقیل معنی مسومۃ مرسلۃ من اسمت الماشیۃ ای ارسلتہا و وفی موسیٰ فی عطفہ اقوال مختلفۃ قیل انہ عطف علی قولہ تعالیٰ وترکنا فیہا اٰیۃ وفی موسیٰ ایضاً ترکنا اٰیۃ اذ ارسلنٰہ الظرف متعلق بمحذوف او منصوب بترکنا و الاول اولیٰ برکنہ ای بقومہ (ابن عباس) ماتذر

الجملۃ حال مقدرۃ من الریح او خبر مبتدء محذوف ہی وقوم نوح بالجر عطفاً علی ماتقدم من قولہ وفی عاد بالنصب علی تقدیر اہلکنا ۔

تفسیر

اب ہم اس قصہ کو مع شرح الفاظ قرآنیہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ملک شام میں آ بسے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام جو ان کے بھتیجے تھے وہ بھی ساتھ آئے تھے، پھر حضرت لوطؑ سدوم و عمورہ وغیرہ بستیوں میں آ بسے تھے جو جھیل مردار کے کنارے آباد تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی چھیاسی برس کی عمر میں ان سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تھے۔ مگر سارہؑ بیوی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور وہ اسی امید میں بڑھیا ہوگئیں۔ اس بات کا ان کو بڑا غم رہتا تھا۔ ایک روز حضرت ابراہیمؑ اپنے خیمہ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے دوپہر کے وقت مہمانوں کی صورت میں چند فرشتے نظر آئے، حضرت اپنی عادت مہمان نوازی کے موافق ان کے کھانے کو تلا ہوا بچھڑا لائے فرشتوں نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیمؑ ڈرے کہ یہ دشمن ہیں کیوں کہ اس عہد میں دشمن اپنے دشمن کے گھر کا کھانا نہیں کھاتا تھا (یہ نمک حرامی اسی عہد میں مروج ہوئی ہے) فرشتوں نے کہا ڈرو نہ اور اس کو علم والے لڑکے کی بشارت دی (اسحٰق علیہ السلام کے تولد کی) حضرت سارہؑ پیچھے کھڑی تھیں یہ سن کر ہنسیں، بڑی خوشی سن کر ہنسی آنا طبعی بات ہے۔ صرۃ کے معنی ہیں آواز اور چیخنے کے مگر مراد کھل کھلا کر ہنسنا ہے کیونکہ قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے فضحکت اور تعجب سے ماتھا کوٹنے لگیں، اور کہنے لگیں کیا بانجھ اور وہ بھی بڑھیا جنے گی؟

فرشتوں نے کہا خدا کا یہی حکم ہے۔ بانجھ اور بڑھیا کو بچہ دینے کی حکمت و تدابیر اس کو خوب معلوم ہیں۔ پھر ابراہیم نے فرشتوں سے پوچھا تم کدھر جاتے ہو۔ انہوں نے کہہ دیا کہ لوط کی قوم کی طرف کہ ان پر پتھر برسائیں، چنانچہ وہاں گئے اور وہ بستیاں ہلاک ہوئیں۔

اس کے بعد موسیٰ کا قصہ بیان کرتا ہے کہ ہم نے اس کو فرعون کے پاس دلیل دے کر بھیجا تو لی برکنہ التولی الاعراض، الرکن الجانب، قالہ الاخفش) تو اس نے اعراض کیا اور کہہ دیا جادوگر ہے یا دیوانہ۔ پھر خدا نے اس کو مع لشکر کے غرق کیا۔ اس کے بعد عاد و ثمود و قوم نوح کی ہلاکی بیان کرتا ہے کہ ان بدکاریوں سے ہلاک ہوئے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور آسمان کو ہم نے قدرت سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے ہی زمین کو بچھایا پھر ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ﴿۴۹﴾

اور ہم نے ہی ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَفِرُّوْٓا

شاید تم سمجھو (اپنے نبی کہہ) اللہ کی طرف

اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ

دوڑو میں تم کو اس کی طرف سے صاف صاف ڈر

مُّبِيْنٌ ﴿ج﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا

سنانے والا ہوں اور اللہ کے سوا اور کسی کو معبود

اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

نہ ٹھیراؤ میں تم کو اس کی طرف سے صاف صاف آگاہ کیے دیتا ہوں

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اسی طرح ان سے پہلوں کے پاس بھی جب کوئی

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ

رسول آیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ جادوگر ہے یا

مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ

دیوانہ کیا ایک دوسرے سے یہی کہہ مرا تھا بلکہ وہ

قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ

خود بھی سرکش تھے پھر آپ ان سے منہ پھیر لیجیے آپ

اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ

پر کوئی الزام نہیں اور ہاں سمجھاتے رہو کہ

الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

سمجھانا ایمان داروں کو نفع دیتا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا

اور میں نے جن اور انسان کو جو بنایا ہے تو

لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ

اپنی بندگی کے لیے ہم ان سے کچھ روزینہ

مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

تو نہیں چاہتے اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھانا کھلاویں

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

کیوں کہ اللہ ہی بڑا روزی دینے والا زور آور ہے

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ

پس ان ظالموں کا بھی ویسا ہی پیمانہ (لبریز ہے) جیسا کہ ان کے

ف ذنوبا والذنوب الدلو العظیمۃ ہذا تمثیل واصلہ تقسیم الماء یکون لہذا دلو یعنی حالہم کحالہم من رغد العیش والغفلۃ فکما وقع علیہم نفع علیٰ ہؤلاء ویمکن ان یکون الذنوب بمعنی المعاصی ای ان لہؤلاء القوم جرائم مثل جرائم اصحابہم الماضین ۱۲ منہ

ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾

اگلے یاروں کا تھا پھر وہ مجھ سے (عذاب کی) جلدی نہ کریں

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ

پھر کافروں پر ان کے اس روزِ بد کے سبب کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے

يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

بڑی ہی خرابی ہے۔

ع ۱۴ ۳ ۲

ترکیب

والسماء منصوب علٰی شریطۃ التفسیر بأیید متعلق بالفعل وقال حال من الفاعل ومن کل شئ متعلق بخلقنا کذلک ای الامر کذلک المتین بالرفع علی النعت و قیل ہو خبر مبتدا محذوف ای ہو المتین (ابو البقاء)

تفسیر

ان آیات میں اپنی خدائی کا ثبوت اور توحید اور مسئلہ رسالت اور گناہوں کا برا نتیجہ پیش آنا ثابت کرتا ہے پہلی بات پر تین دلیلیں لایا۔ اول والسماء بنینٰھا کہ آسمان کو ہم نے قدرتِ کاملہ سے بنایا اور ہم بڑے وسعت والے ہیں۔ یعنی قدرت والے۔ دوم والارض فرشنٰھا زمین کو ہم نے فرش کر دیا یعنی بندوں کی سکونت کے قابل کیا۔ آسمان چھت اور زمین اس دارِ دنیا کا فرش ہے سوم ومن کل شئ ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا یعنی اس کی دوسری چیز مثل ہے جنس میں یا فصل میں یا جوہر ہوتے ہیں۔ بے مثل وہی ہے۔ یہی دلیل ہے اس کی خدائی و یکتائی پر۔ یہ چیزیں اس گھر کی زینت و آرائش کے سامان ہیں تاکہ تم سمجھو کہ یہ گھر چند روزہ ہے اس کو مرنے سے پہلے چھوڑ کر اللہ کی طرف دوڑو۔ جو تم کو اس سے عمدہ گھر میں آسائش دیوے یعنی اس کی طرف جلد رجوع کرو۔ میں اس کی طرف تم کو جلد متنبہ کرنے آیا ہوں۔ یہاں سے مسئلہ رسالت کا ثبوت کیا۔

اب توحید کا ثبوت کرتا ہے کہ جب وہی بے مثل اور اس گھر کا بنانے والا ہے ولا تجعلوا مع اللہ الٰھا اٰخر اس کے ساتھ اور کسی کو خدائی میں شریک نہ کرو۔ انہیں باتوں کے بتانے کو میں دنیا میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ پھر مسئلہ نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے کہ تم جو مجھے نہیں مانتے یہ کوئی نئی بات نہیں رسالت کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے، جب کوئی رسول دنیا میں آیا لوگوں نے اس کو جادوگر اور دیوانہ بتایا۔ اس بات کو تعجب کے طور پر خداتعالیٰ ذکر کرتا ہے کہ کیا وہ اگلے ان پچھلوں کو وصیت کر گئے اور کہہ گئے تھے کہ تم بھی رسول کو دیوانہ اور ساحر کہنا جو یہ ان کی تقلید کرتے ہیں؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ وصیت تو نہیں کر گئے تھے خود انہیں کی ذات میں سرکشی کا مادہ ہے۔

پس اے رسول تم ان سے ہٹ آؤ تمہارا جو کام تھا وہ تم نے پورا کر دیا ہاں ایمان داروں کو نصیحت کرتے رہو کہ ان کو اس سے فائدہ ہوگا۔ اور وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم نے جن و انسان کو اپنی عبادت کے لیے بنایا ہے وہ اس بات کو سمجھ کر خدا کی عبادت میں مصروف رہیں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم نے یہ گھر بنا کر جو تم کو اس میں بسایا ہے شکر کرنے کے لیے نہ کہ نافرمانی و ناشکری کے لیے۔ اس شکر گزاری میں اللہ بندوں سے کوئی اپنا فائدہ رزق روزی کا نہیں چاہتا جس لیے وہ ہٹتے ہیں کیوں کہ وہ خود رزاق و قوت والا زبردست ہے یعنی غیر اس کے محتاج بلکہ اس لیے کہ ناشکری کا وبال بندے پر پڑے جیسا کہ اگلے لوگوں پر وبال آیا۔ پھر فرماتا ہے کہ حال کے منکروں کی بھی وہی نوبت ہے پھر کیوں عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ یہ چوتھی بات کا ثبوت تھا۔

سورۂ طور

مکیہ ہے اس میں انچاس آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾

قسم ہے طور کی اور اُس کتاب کی جو کشادہ

فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾

ورقوں میں لکھی گئی اور قسم ہے آباد گھر کی

وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾ وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾

اور اونچی چھت کی اور پُرجوش دریا کی

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَہٗ

کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب (کفار پر) ہو کر رہے گا جس کو کوئی

مِنۡ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ

بھی ٹالنے والا نہیں جس دن کہ آسمان چکر کھائے

مَوۡرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِیۡرُ الۡجِبَالُ سَیۡرًا ﴿ؕ۱۰﴾

اور پہاڑ اُڑتے پھریں

فَوَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾

پھر اس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے

الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ خَوۡضٍ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿ۘ۱۲﴾ وقف لازم

جو نکتہ چینیوں میں کھیل رہے ہیں

یَوۡمَ یُدَعُّوۡنَ اِلٰی نَارِ جَہَنَّمَ دَعًّا ﴿ؕ۱۳﴾

جس دن کہ وہ آتشِ دوزخ کی طرف دھکے دے دے کر ہانکے جاویں۔ (کہا جائے گا)

ہٰذِہِ النَّارُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ بِہَا

یہ وہ آگ ہے کہ جس کو تم

تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحۡرٌ ہٰذَاۤ اَمۡ

جھٹلایا کرتے تھے پھر کیا یہ جادو ہے (نظر بندی) یا

اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿ۚ۱۵﴾ اِصۡلَوۡہَا

تم دیکھتے نہیں ہو اس میں گھسو

فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ ؕ

صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے

اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب

الواو الاولیٰ فی والطور للقسم وما بعدہا فی وکتاب الخ للعطف فی رق متعلق بمسطور ان عذاب الخ جواب القسم۔ مالہ الخ الجملۃ صفۃ لواقع ویوم ظرف لدافع اولواقع۔ یوم یدعون بدل من یوم تمور افسحر خبر مقدم سواء مبتدء موخر۔ سواء خبر مبتدء محذوف ای صبرکم وترکہ سواء۔ الرق بفتح الراء وکسرہا کل مایکتب فیہ جلدا کان او غیرہ وجمعہ رقوق والمور الاضطراب والحرکۃ ولذا یطلق علی الموج الدع الدفع بعنف۔

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں یہ سورت پڑھتے سُنا (رواہ البخاری مسلم وغیرہما) اس سورت میں بھی مسئلہ حشر کا اثبات ہے اور وہ اثبات اس جگہ اور عنوان کے ساتھ ہے اس لیے ان چار چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان عذاب ربک کہ بے شک تیرے رب کا عذاب آنے والا ہے جس کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔ اس میں صرف قیامت کے آنے کی ہی خبر نہیں بلکہ

منکرین کو ایک یقینی آنے والے عذاب سے تہدید بھی ہے اور وہ چار چیزیں جن کی یہاں قسم کھائی یہ ہیں الطور اس سے مراد کوہِ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں درخت ہوتے ہیں اس کو طور کہتے ہیں اور جس میں درخت نہ ہوں اس کو جبل کہتے ہیں۔ اس قول سے تعمیم پائی جاتی ہے۔

(۲) کتاب مسطور۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے مگر قوی تر یہ ہے کہ اس سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو اوراق پر لکھی جاتی ہیں جو کھلے ہوتے ہیں جن کو پڑھنے والا پڑھ سکتا ہے۔

(۳) البیت المعمور۔ آباد گھر جس سے مراد خانہ کعبہ اور دیگر معابد ہیں جو عابدین سے آباد ہیں۔ دنیا کے ہوں یا سماوات پر ہوں۔ اس لیے احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ کعبہ کے محاذ میں ساتویں آسمان کے اوپر ملائکہ کا ایک عبادت خانہ ہے جہاں ہزاروں ملائکہ طواف کرتے ہیں اس کو بھی بیت المعمور کہتے ہیں۔

(۴) السقف المرفوع۔ آسمان۔

(۵) البحر المسجور۔ دریائے شور۔ مسجور کے معنی گرم کے ہیں۔ سمندر تموج کی وجہ سے گرم کہلاتا ہے جب تموج ہوتا ہے کہتے ہیں ان دنوں دریا گرم ہے۔ ان چاروں چیزوں کے ذکر سے اپنے عجائبات قدرت اور دینی اور دنیوی برکات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس نے دنیا میں استواری کے لیے پہاڑ قائم کیے کتابیں دستور العمل بنائیں گھر آباد کیے بلند مکان بنوائے دریائے شور بنایا جو سب کو محیط ہے اور یہ کہ کوہ طور پر موسیٰ سے کلام کیا پھر اس کو کتاب دی اور بندوں کے لیے خانہ کعبہ بنایا اور بیت المقدس قائم کیا جس کی چھتیں بلند تھیں اور پھر ان عبادت خانوں سے اور اس پہاڑ سے اور ان کتابوں سے علوم و معارف کے پرجوش دریا نکالے جنہوں نے عالم کو سیراب کیا، وہ سب قیامت کے قائل تھے پھر ان جہلاء کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اس کے بعد قیامت کے واقعہ کو بیان کرتا ہے کہ اس روز آسمان لرزیں گے اور پہاڑ اُڑیں گے اُس روز اس دن کے جھٹلانے والوں کو بڑی خرابی ہوگی جو آج غفلت میں بڑے نکتہ چینیاں کرتے ہیں وہ خرابی یہ ہوگی کہ وہ دوزخ کی طرف دھکے دے کر روانہ کیے جائیں گے اور جہنم دکھا کر کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جس کا انکار تھا اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تم کو دکھائی نہیں دیتی۔ اب اس میں جلا کرو چیخو یا چلاؤ تمہارے اعمال کی سزا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾

بے شک جو پرہیزگار ہیں باغوں اور نعمتوں میں چین کرتے ہوں گے

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ

ان چیزوں سے جو ان کو رب نے عطا کیں اور ان کا رب

رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا

ان کو عذابِ دوزخ سے بچاوے گا کھاؤ

وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

پیو مزے کرو اپنے عملوں کے سبب

ف اور ممکن ہے کہ طور سے اشارہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف ہو کہ وہ وقار کا پہاڑ اور عالم کی تجلی گاہ تھی اور کتاب مسطور حضرتؐ کے علوم متعارف جو لوگوں کے اوراقِ دل پر لکھے گئے اور بیتِ معمور حضرتؐ کا دلِ پاک اور سقفِ مرفوع آپؐ کی شان اور بحرِ مسجور آپؐ کے علوم کا دریائے مواج ۱۲ منہ

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ

تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے قطار سے بچھے ہوئے تختوں پر اور ان کی شادی

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ

ہم حورعین سے کر دیں گے اور جو ایمان لائے اور ان کی نسل

ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

ایمان میں ان کی پیرو ہوئی تو ان کے ساتھ ان کی نسل کو بھی ہم ملا دیں گے

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ

اور ان کے عملوں میں کچھ بھی کمی نہ کریں گے

كُلُّ امْرِیٴٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

ہر شخص اپنے کیے کا پابند ہے

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا

اور ان کو پے درپے ہم میوے اور گوشت دیں گے جس کا

يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا

وہ چاہیں گے وہاں اُن پیالوں کی چھینا جھپٹی کریں گے

لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ

کہ نہ جن میں بکواس ہے، اور نہ گناہ اور ان کے

عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ

پاس آئیں جائیں گے ایسے لڑکے کہ گویا وہ موتی ہیں

مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى

غلاف کے اور ایک دوسرے کی طرف

بَعْضٍ يَّتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا

بات کرنے کو متوجہ ہوگا کہیں گے کہ ہم

كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

پہلے اپنے گھروں میں ڈرا کرتے تھے

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ

پس ہم پر اللہ نے احسان کیا اور ہم کو جہنم کے عذاب سے

السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ

بچا لیا ہم اس کو پہلے سے پکارا کرتے تھے

ع ۲۸ ۱ ۳

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

وہ جو ہے تو بڑا احسان کرنے والا مہربان ہے

ترکیب

فاکهین یقال رجل فاکهة ای ذو فاکهة قیل ذو نعمة تلذذ حال وقرء فکهین والفکه طیب النفس بما موصولة والباء علی اصلها او بمعنی فی ووقهم عطف علی الصلة او حال بتقدیر قد او معطوف علی فی جنت متکئین حال من الضمیر فی کلوا او من الضمیر فی وقهم او من الضمیر فی فاکهین والذین اٰمنوا مبتدء واتبعتهم الخ معترضه للتعلیل الحقنا بهم خبره بایمان حال من الضمیر او الذریة او منهما یتنازعون حال۔ انه بالکسر علی الاستیناف کاسا خمر اسمها باسم محلها ولذلک انث الضمیر فی قوله لا لغو فیها۔

تفسیر

جیسا کہ اہلِ جہنم کا حال بیان ہوا تھا اب اہلِ جنت کا حال بیان فرماتا ہے۔

فقال ان المتقین الخ کہ پرہیزگار بہشتیوں میں ہر طرح سے آرام و عافیت سے رہیں گے اور جہنم کے عذاب سے خدا ان کو بچائے گا۔ روحانی جنت کے سوا جسمانی نعمتیں بھی ان کو نصیب ہوں گی۔ جسمانی نعمتیں یہ ہیں اول عمدہ کھانا پینا اس کی نسبت حکم ہوگا کلوا واشربوا هنیٔا ھنی کے معنی ہیں بے مشقت و بے رنج و بے کھٹکے نہ مرض کا کھٹکا نہ پکانے اور کما کر لانے کا دغدغہ، نہ کم ہو جانے کی فکر دوم رہنے کی عمدہ جگہ سو اس کو ایک بار تو جنات نعیم میں

اجمالاً بیان کیا تھا اب اس کی تشریح کرتا ہے کہ متکئین علی سرر مصفوفۃ بادشاہوں کی طرح تختوں پر صف بستہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تیسری نعمت اس کے بعد حسین اور فرماں بردار اور نیک بیوی کا میسر آنا جس کی طرف انسان کو ماکل و مشارب کے بعد بالطبع رغبت ہے سو اس کی نسبت فرماتا ہے وزوجنٰہم بحور عین کہ ہم ان کی شادی حور عین سے کر دیں گے۔ (حور عین کے لفظ کی شرح اور جنت میں شادی ہونے کی بابت پادریوں کے اعتراض کا جواب ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں)۔

ان سب نعمتوں کے بعد انسان کو اپنے احباب و اقارب کی جدائی کا رنج بھی خصوصاً عیش و آرام کے وقت دل میں کانٹا سا کھٹکا کرتا ہے جو سب باتوں کو تلخ کر دیتا ہے اس کانٹے کو نکالتا ہے:۔

فقال والذین اٰمنوا واتبعتہم ذریتہم بایمان ذریۃ بضم فرزند فرزاری، ذریات جمع (صراح) کہ ایمان داروں کی اولاد جو ایمان میں اپنے بزرگوں کے تابع ہوں گے وہ بھی ان کے ساتھ جنت میں ملا دیے جائیں گے اور ان کے بزرگوں کے عمل میں سے اس وجہ سے کہ ان کی اولاد ان کے ساتھ ایمان لانے کے سبب ملائی گئی کچھ کمی نہ کریں گے۔

طبرانی و ابن مردویہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ مومن جنت میں جا کر اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کو دریافت کرے گا اس کو کہا جائے گا کہ وہ تیرے درجہ تک نہ پہنچے۔ وہ عرض کرے گا الٰہی میں نے اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کیا تھا تب حکم ہوگا کہ ان کو بھی ساتھ ملا دو۔ صالحین کی اولاد بلکہ دیگر اقارب بلکہ احباب و عقیدت مند بھی کہ جن کو عرفاً لفظ ذریت شامل ہے ان کی بدولت بشرطیکہ خود بھی ایمان رکھتے ہوں گے ان کے درجات میں جگہ پائیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کل امرئ بما کسب رہین کہ ہر آدمی اپنے عمل میں بند ہے تاکہ کوئی اپنے بزرگوں پر بھروسہ کر کے آپ ایمان و اعمالِ صالحہ کی کوشش سے آزاد نہ بن بیٹھے۔

آگے پھر ان نعماء کا ذکر کرتا ہے کہ دل پسند پرندوں کا گوشت کھانے کو ملے گا شراب طہور کا دور چلے گا فرحت میں آ کر ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرے گا جیسا کہ دنیا میں احباب کیا کرتے ہیں پھر باہم ایک دوسرے سے پوچھے گا کہ تم نے دنیا میں کیا اعمال کیے تھے جواب دیں گے کہ ہم خدا سے ڈرا کرتے تھے اس نے ہم پر فضل کر دیا، عذاب جہنم سے بچا لیا بس اس کی عنایت و مہربانی تھی۔

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ
سو نصیحت کیے جائیے کیونکہ رب کی عنایت سے نہ آپ کاہن ہیں

وَلَا مَجْنُونٍ ﴿۲۹﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ
نہ دیوانہ　کیا ان کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں کہ

نَتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿۳۰﴾ قُلْ
کہ اس کے بارے میں ہم گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں　کہہ دو

تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿ط﴾
(ہاں) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَٰذَا أَمْ هُمْ
کیا ان کی عقلیں ان کو یہی باتیں سکھاتی ہیں　یا وہ

قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۳۲﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ
ذاتی شریر قوم ہیں　کیا وہ کہتے ہیں کہ قرآن از خود بنا لیا ہے

بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ
ہرگز نہیں بلکہ ان کو یقین نہیں آتا　اچھا اسی طرح کا کلام وہ بھی تو

مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾ اَمْ
بنا لاویں اگر وہ سچے ہیں کیا
خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾
وہ آپ ہی آپ بن گئے کیا وہ کسی کو پیدا کرنے والے ہیں
اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا
کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین
يُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ
بھی نہیں کرتے کیا ان کے پاس ان کے رب کے خزانے ہیں
اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ لَهُمْ
کیا وہ زبردست ہیں کیا ان کے پاس
سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ
سیڑھی ہے کہ جس پر چڑھ کر آسمانی باتیں اُس (تک) میں سنتے ہیں پھر جو ان میں سے سننے والا ہو
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ
تو کوئی صاف سند پیش کرے کیا اس کے بیٹیاں اور
لَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا
تمہارے بیٹے ہیں کیا آپ ان سے اجرت مانگتے ہیں
فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ اَمْ
کہ وہ اس کے تاوان سے دبے جاتے ہیں کیا
عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾
ان کے پاس علم غیب ہے جس کو وہ لکھتے رہتے ہیں

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ
کیا وہ (آپ پر) داؤ کرنا چاہتے ہیں پھر کافر تو
كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ
خود ہی داؤ میں پھنسے ہوئے ہیں کیا اللہ کے سوا
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
ان کا اور بھی کوئی معبود ہے اللہ ان کے شرک کرنے سے
يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ
پاک ہے اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی
السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ
گرتے دیکھیں گے تو اس کو گہرا بادل
مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا
بتا دیں گے پھر آپ ان کو چھوڑیے یہاں تک وہ اپنے اس
يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾
دن کو دیکھ لیں گے کہ جس میں وہ بے ہوش پڑے ہوں گے
يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا
اُس دن کہ ان کا مکر ان کے کچھ بھی کام نہ آوے گا
وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ
اور نہ ان کی مدد کی جائے گی اور ستمگاروں کو اس کے
ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
سوا ایک اور سزا ہے (قتل بدر) لیکن ان میں سے اکثر

ف قال الفراء الكسف بكسر الكاف وسكون السين واحد وبكسر الكاف وفتح السين جمع كسفة. وهي القاطعة من الشئ - المركوم المجهول بعضه على بعض تہہ بہ تہہ ۱۲ یصعقون موت کا دن یا قیامت کا یا بدر کا۔ صعق کڑک ہلاکی ۱۲ یعنی موت کے روز یا ہلاکت کے دن ان کی تدبیر کام نہ آوے گی اور ان کو عذاب ہوگا۔ باعیننا بحمایتنا - حین تقوم بعض کہتے ہیں کہ جب خواب سے اٹھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے اٹھیں تو سبحانک اللھم وبحمدک کہیں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ من اللیل سے مراد بعض کہتے ہیں تہجد کی نماز ہے۔ بعض کہتے ہیں عشاء و مغرب کی نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ وادبار النجوم سے مراد صبح کی نماز یا دو رکعت سنت۔ بعض کہتے ہیں اوقات مخصوصہ میں سبحان اللہ وبحمدہ کہنا مراد ہے ۱۲ منہ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ
جانتے　نہیں　اور آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں
رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رہیے　آپ ہماری حفاظت میں ہیں　اور جب اٹھو　تو
رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ
اپنے رب کی تسبیح و حمد کیا کرو　اور کسی قدر رات کو بھی
فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾
اس کی تسبیح کرو اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی

ع ۲ (۲۱) ۴

ترکیب

بکاھن لا خبر ما والباء زائدۃ بنعمت ربک حال من اسم ما او من خبرہا والعامل کاہن ای لست کاہنًا ولا مجنونًا متلبسًا بنعمت ربک ای بانعامہ علیک ریب المنون المراد من الریب صرف الدہر و حوادثہ علی انہا شبہت بالریب ای الشک لانہا لا تدوم و لا تبقی فیکون استعارۃ تصریحیۃ المنون قال الاصمعی واحد فعول من امن ای ہو القطع فہو اسم للموت او الدہر لانہ یقطع العدد و ینقص المدد۔ قال الفراء المنون واحد وجمع قال الاخفش جمع لا واحد لہ۔ التقول الافتراء والکذب ام ہہنا و فی ما بعد منقطعۃ بمعنی بل وقیل ام فی ہذہ الآیات للاستفہام مثل الہمزۃ والاستفہامات انکار علی الکفار علی ظنونا تہم الفاسدۃ۔

تفسیر

دار آخرت کی کیفیت بیان فرما کر۔ پھر انہیں منہ اصل الاصول مسائل کو مرکوز خاطر کرتا ہے اور کفار کے بدیہی البطلان خیالات کو جو ان اصول ثلاثہ کے برخلاف تھے استفہام کے پیرایہ میں ذکر کر کے رد کرتا ہے۔

اول اصل مسئلہ نبوت خصوصًا نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی بابت مخالفوں کے چند خیالات تھے بعض آپ کو کاہن بعض دیوانہ کہتے تھے۔ بعض شاعر کہتے تھے کہ جس طرح زہیر و نابغہ چند روز میں مر کھپ گئے ذرا دیکھو یہ بھی اسی طرح مر مٹ جائے گا۔ اس بات کو ان کانوا صدقین تک بیان کیا۔ پس فرماتا ہے اے محمد تو اس کی عنایت و کرم سے دیوانہ اور کاہن نہیں، اپنی نبوت و منصب نبوت کو پورا کیجے اس سے ایمان داروں کو نفع ہوتا ہے۔ ان سے کہہ دے تم انتظار کرو۔ میں بھی کرتا ہوں یہی میری صداقت کی دلیل ہے اگر دین کی روز بروز ترقی و کامیابی ہوئی تو جانیو کہ نبی برحق ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ شاعری کا کسی پر خاتمہ نہیں تم بھی تو انجائے کلام پر قادر ہو۔ قرآن کی مثل بنالاؤ اگر سچے ہو بات یہ ہے کہ دل میں جانتے ہیں کہ نہ دیوانہ ہے نہ کاہن نہ شاعر بلکہ اپنی سرکشی سے ایمان نہیں لاتے۔

ام خلقوا من غیر شیٔ سے لے کر المصیطرون تک چار استفہاموں میں دوسرے اصل مسئلہ توحید کو ثابت کرتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ اسی کے ضمن میں تیسرے مسئلہ حشر کو اور پہلے مسئلہ نبوت کو بھی اس طرح سے ثابت کرتا ہے کہ گویا تینوں باہم مسلسل ہیں۔ پہلے استفہام میں فرماتا ہے کہ کیا وہ بغیر کسی کے پیدا ہو گئے ہیں؟

یہ کلام بھی چند معانی کو شامل ہے کہ جو ان میں سے ایک ایک توحید یا حشر یا نبوت کو ثابت کر رہی ہے کیوں کہ من غیر شیٔ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ بغیر مادے کے پیدا ہو گئے ہیں؟ حالانکہ اس کا ان کو اقرار تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو اقرار ہے کہ انسان قطرۂ منی سے بنایا گیا ہے۔ منی ایک گندی چیز ہے جس کو

ذکر کرنے بھی عقلاء مجالس میں شرم کرتے ہیں اس لیے اس کو شئی کے لفظ سے تعبیر کیا پس جیسا وہ یہ جانتے ہیں تو سمجھ لیں کہ ایک قطرہ میں سے کس نے بعض کو قلب اور بعض کو دماغ اور بعض کو جگر اور بعض کو ہڈی اور بعض کو پٹھا بنا دیا اور پھر کس نے اس میں یہ کاری گری کی ہے؟ اسی خدائے قادرِ مطلق نے کہ جس کا کوئی بھی شریک و مددگار نہیں، بس وہ قادر بارِ دگر بھی اس کو پیدا کر سکتا ہے۔ اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کیا وہ من غیر شئی کسی کام کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں؟ ہر عاقل انسان کی ترکیب میں غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ ضرور یہ کسی کام کے لیے بنایا گیا ہے یعنی اصلاح معاش و معاد کے لیے۔ پھر جب یہ اس کے لیے بنایا گیا ہے اور معاد کے مسئلہ کی باریکیاں اور موت و حیات کے رموز بجز انبیاء علیہم السلام کے حل نہیں ہو سکتے تو یہ بھی خیال کر لیں کہ ضرور اس خالق نے کوئی نبی عقدہ کشائی کے لیے بھیجا ہے اور بجز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی شان کا اس مشکل کشائی میں اور کون ہے؟

اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کیا وہ من غیر شئی بغیر کسی کے آپ ہی آپ بن گئے ہیں جیسا کہ طبیعیین و دہریین کا خیال ہے سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کوئی حادث بغیر محدث یعنی پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس وہ محدث ایسا قادر و صانع خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے؟

دوسرے استفہام میں یہ بات بتاتا ہے کہ وہ بتائیں کوئی چیز اس عالم کی انہوں نے بھی پیدا کی ہے۔ ھم سے مراد تمام مخلوق۔ بے شک خدا تعالیٰ کے سوا کسی نے کوئی چیز پیدا نہیں کی ہاں پیدا کی ہوئی چیز دل میں ترکیب دے لیا کرتے ہیں وہ بھی ہر جگہ نہیں پس جب بجز اس کے کسی نے کوئی چیز نہیں بنائی تو کوئی اس کی خدائی میں بھی شریک نہیں۔

تیسرے استفہام میں اپنی ایک بڑی اور عجیب مخلوق پیدا کرنے کا حال پوچھتا ہے کہ اچھا بتاؤ آسمانوں یا کھو علویات سورج اور چاند اور ستارے اور زمین کو کس نے بنایا یہی کہیں گے کہ اسی نے۔

چوتھے استفہام میں اپنی قدرت کے بے انتہا خزانوں کا سوال کرتا ہے کہ وہ بتاؤ کس کے پاس ہیں؟ اس میں مسئلہ نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبوت بھی اسی کے خزانے کا ایک بیش بہا جوہر ہے جس کو چاہے عطا کرے تمہارا اس میں کیا اختیار ہے جو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا۔

اس کے بعد علم غیب کے وسائل بیان کرتا ہے کہ بتاؤ تم میں سے کس کے پاس سیڑھی ہے جو اس پر سے چڑھ کر آسمانوں پر جاتا ہے اور وہاں سے غیب کی باتیں لاتا ہے؟ البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے الہام وحی کے ذریعہ سے غیب کی باتیں اور معاد و معاش کے رموز بتائے جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ نبوت کے متعلق بات تھی۔

اس کے بعد اصولِ ثلثہ کے مخالف اعتقادات پر سرزنش کرتا ہے۔ توحید کے خلاف مشرکوں کا خیال تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اس لیے ہم ان کو وسیلہ سمجھ کر پوجتے ہیں۔ فقال ام له البنٰت الخ کہ اس نے تم کو تو بیٹے دیے جو اعلیٰ چیز ہے اور اپنے لیے بیٹیاں بنا دے

ٰ۱ یہ ہے سمٰوٰت کی سیڑھی جس پر چڑھ کر حضرات انبیاء علیہم السلام انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے والے علوم اوپر سے لاتے ہیں ۱۲ منہ

یہ ہو سکتا ہے ؟

نبوت کے خلاف میں نبی علیہ السلام پر بدگمانیاں تھیں اس پر فرماتا ہے ام تسئلھم اجرا الخ کہ تو ان سے کچھ مانگتا ہے کہ جس کا بار ان پر پڑتا ہے ؟

حضرتؐ کو جو وہ جھوٹا کہتے تھے اس کی نسبت فرماتا ہے ام عندھم الغیب کیا ان کے پاس غیبؐ کا دفتر ہے پھر ان کو کیوں کر معلوم ہو گیا کہ وہ جھوٹا ہے ؟ کیا وہ نبی سے داؤ کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے اتہامات سے شان نبوت میں فرق ڈالیں، وہ اس بات میں خود ہی داؤ میں پھنسے ہوئے ہیں کہ اپنے لیے برائی پیدا کر رہے ہیں۔ کیا کوئی اور معبود ہے ہرگز نہیں۔

اس کے بعد ان کی شکی طبیعت کا حال اور نڈر ہونا بیان کرتا ہے کہ اگر آسمان کا کوئی ٹکڑا ان پر ٹوٹ کر آوے تو اس کو بادل کہیں گے۔

پھر آں حضرتؐ کو تسلی دیتا ہے کہ ان کو چھوڑ یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن کو دیکھیں کہ جس میں ان کی ہلاکت ہے۔ اور اے نبی تو صبر کر، تو ہماری حمایت میں ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے اور رات میں اور صبح میں تسبیح کیا کر۔

سورہ نجم

مکیہ ہے اس میں باسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (۱) مَا ضَلَّ

قسم ستارہ کی جب کہ جھکے تمہارے صاحب (محمدؐ)

صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (۲) وَمَا

نہ گمراہ ہوئے اور نہ بہک گئے ہیں اور نہ

يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا

وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہیں یہ تو وحی ہے جو

وَحْيٌ يُّوْحٰى (۴) عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (۵)

اس پر آتی ہے بڑے طاقت ور زور آور نے ان کو سکھایا ہے

ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى (۶) وَهُوَ بِالْاُفُقِ

(جبریل نے) جب کہ وہ فرشتہ آسمان کے ایک بلند کنارہ پر تھا تو نبی کے سامنے

الْاَعْلٰى (۷) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (۸) فَكَانَ

آ کر کھڑا ہوا۔ پھر وہ اور بھی قریب ہوا (یہاں تک) کہ دو

قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (۹) فَاَوْحٰى

کمانوں کا فاصلہ رہ گیا تھا، یا اس سے بھی کم پھر اس نے جو

اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى (۱۰) مَا كَذَبَ

کچھ ہمارے بندہ پر وحی کرنا تھا کیا جو کچھ نبی نے دیکھا تھا

الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (۱۱) اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى

ان کے دل نے جھوٹ نہیں بنا لیا تھا پھر جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں تم اس میں ان

مَا يَرٰى (۱۲) وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (۱۳)

سے جھگڑا کر رہے ہو البتہ نبی نے تو اس کو دوبارہ دیکھا ہے

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (۱۴) عِنْدَهَا

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے نزدیک

جَنَّةُ الْمَاْوٰى (۱۵) اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ

جنت الماویٰ ہے جب کہ سدرہ کو چھپا رکھا تھا

مَا يَغْشٰى (۱۶) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۱۷)

جس چیز نے کہ چھپا رکھا تھا نہ تو نبی کی آنکھ نے غلطی کی ہے نہ وہ بہکی ہے

لہ ہاں غیب کا دفتر ہوتا اور اس کے مطابق آپؐ کی باتیں نہ پاتے تو یقیناً جھوٹا کہہ سکتے تھے ۱۲ منہ

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

بے شک نبی نے اپنے رب کی (بڑی بڑی) نشانیاں دیکھی ہیں

ترکیب

الواو للقسم۔ اذا ھوٰی والعامل فی الظرف فعل القسم المحذوف ای اقسم بالنجم وقت ھویہ وقیل النجم نزول القرآن فیکون العامل نفس النجم۔ ماضل جواب القسم وما ینطق الخ جملة مستانفة وقعت موقع الدلیل تقدیر الکلام کیف یضل ویغوی وھو لا ینطق عن الھویٰ ان ھو ای الذی ینطق بہ من القرآن وحی موصوف یوحیٰ صفة ترفع احتمال المجاز وتفید الاستمرار التجددی علمہ صفة للوحی ای علمہ ایاہ فاستوی عطف علی علمہ بطریق التفسیر فانہ الی قولہ اوحیٰ بیان لکیفیة التعلیم وھو بالافق حال من فاعل استوی فکان مقدار ما بینھما قاب قوسین خبر کان نزلة منصوب علی الظرفیة لان النزلة علی وزن الفعلة اسم للمرة وقیل نصبھا علی المصدر تفسیرہ ولقد راٰہ نازلا نزلة اخریٰ۔ اذ یغشی ظرف زمان لراٰہ لا لما بعدہ من الجملة المنفیة۔

تفسیر

یہ سورت بھی جمہور کے نزدیک مکیہ ہے بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے مگر یہ قول صحیح نہیں۔

بخاری و مسلم وغیرہما نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلی سورت کہ جس میں سجدہ ہے سورہ نجم ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور سب لوگوں نے سجدہ کیا مگر ایک شخص نے مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ میں نے اس کے بعد اس کو دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا اور وہ امیہ بن خلف تھا۔ اور یہی احادیث سے ثابت ہے کہ اس سورت میں سجدہ ہے۔ اور صحیح بخاری وابو داؤد و ترمذی ونسائی وطبرانی وطیالسی وابن ابی شیبہ وابن مردویہ نے زید بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے کہ میں نے یہ سورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی پس آپؐ نے سجدہ نہ کیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورہ نجم میں مکہ میں تو سجدہ کیا کرتے تھے مگر جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو سجدہ کرنا ترک کر دیا۔ اسی لیے امام شافعیؒ واحمدؒ فرماتے ہیں کہ سورت کے اخیر میں جو فاسجدوا للہ واعبدوا آیا ہے وہاں سجدہ کرنا واجب نہیں۔ ہاں جو کوئی کرے تو بہتر ہے۔ مگر پہلی روایات کے لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ وسفیان ثوریؒ وغیرہما علماء فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنا واجب ہے اس آیت کے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی' اور یہی قوی ہے۔

سورۂ طور کے اخیر میں فرمایا تھا کہ ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی اے محمد اللہ کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ اب اس سورت کے اول ہی میں ان ڈوبتے ہوئے ستاروں کی قسم کھا کر جو خدا تعالیٰ کی عزت و عظمت پر گواہی دیتے ہیں یہ بات بتلاتا ہے کہ محمد گمراہ اور بہکے ہوئے نہیں ہیں جیسا کہ اے کفار تم کہتے ہو۔ یہ مناسبت ہے اس سورت کو اس سے پہلی سورت سے۔

جن سورتوں کے شروع میں خدا تعالیٰ نے حرفوں کے سوا اور چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ چار سورتیں ہیں اول والصّٰفّٰت دوم والذّٰریٰت۔ سوم والطور چہارم والنجم۔ پہلی میں قسم کھا کر وحدانیت ثابت کی کہ

جیسا کہ فرمایا ان انھکم لواحد دوسری میں جزا و حشر کا واقع ہونا ثابت کیا ہے چنانچہ فرمایا انما توعدون لصادق وان الدین لواقع تیسری میں عذاب کا واقع ہونا کسی کے ٹلانے سے نہ ٹلنا جیسا کہ فرمایا ان عذاب ربک لواقع مالہ من دافع اس سورت میں قسم کھا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کی ہے جیسا کہ فرمایا ماضل صاحبکم وما غوی تاکہ ان تینوں اصل الاصول مسائل توحید و حشر و نبوت کا کامل ثبوت ہو جائے اور حشر کے اثبات ہیں اس لیے قسمیں کھائیں کہ یہ مسئلہ صرف دلیل نقلی سے ثابت ہوتا ہے[1]۔

والنجم۔ مفسرین کے نجم کے معنی میں کئی قول ہیں جمہور کا قول ہے کہ اس سے مراد ستارہ ہے، کوئی خاص ستارہ نہیں بلکہ جنس یعنی ہر ایک ستارہ۔ اور بعض کہتے ہیں ثریا[2] کیوں کہ النجم بول کر یہی معنی مراد ہوا کرتے ہیں کلام عرب میں۔ بعض کہتے ہیں شعریٰ ستارہ۔ بعض کہتے ہیں زہرہ۔ خیر ایک ستارہ خاص ہو یا عام مگر ستارہ مراد لینا ایک قول ہے۔

دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد زمین پر پھیلنے والی بیلیں ہیں کیوں کہ ایک جگہ آیا ہے والنجم والشجر یسجدان یہ اخفش کا قول ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ النجم سے مراد قرآن شریف ہے کس لیے کہ تنجیم کے معنی ہیں تفریق اور قرآن پارہ پارہ یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو ظلمات عالم میں روشنی دینے کے سبب بطور استعارہ کے ستارہ کہنا بہت ہی ٹھیک ہے۔

اب نجم کے کوئی معنی لو مگر اذا ھوی (جب کہ جھکے) سے اسی کے مناسب معنی مراد لیے جائیں گے۔ ستاروں کا جھکنا طلوع و غروب، جو خدا کی شان جبروت بتلاتا ہے۔ زمین کی وہ بوٹیاں کہ جن کو درخت نہیں کہتے ان کا جھکنا وہی جھکنا ہے جو ہولے سے سربسجود ہو کر اس کی شان یکتائی بتایا کرتی ہیں۔ ؎

سرو می جنبد بصحن بوستاں
در ہوائے قامت دل جوئے تو

قرآن کا جھکنا اس کا اوپر سے نازل ہونا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جھکنا رکوع و سجود کرنا ہے جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایک عمدہ حالت ہے اور آنحضرتؐ کا جھکنا ذات باری تعالیٰ کی طرف حضرتؐ کا منازل قربت طے کرنا ہے۔

پانچویں معنی النجم کے بعض عرفاء (وصوفیہ) کے نزدیک بندہ کا دل ہے جو ظلمات ہیولانیہ میں خدا تعالیٰ کا چمکتا ستارہ ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو اس میں اور بھی روشنی آجاتی ہے، جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کرنے پر بخوبی قادر ہو جاتا ہے اس لیے قسم کھا کر فرماتا ہے:۔

ماضل صاحبکم وما غوی صاحبکم سے مراد

---

[1] برخلاف توحید و نبوت کے کیونکہ توحید پر بے شمار دلائل عقلیہ موجود ہیں اور نبوت کے لیے معجزات اور نبی کا باطنی اثر بھی ثابت کرتا ہے ۱۲ منہ

[2] آپ نے صبح کو مشرق کی طرف دیکھا ہوگا کہ ستاروں کا ایک گچھا سا معلوم ہوا کرتا ہے اسی کا نام ثریا ہے۔ وہ ایسا ہوتا ہے جیسا انگور کا خوشہ ۱۲ منہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جگہ بھی اس لفظ سے حضرتؐ کو تعبیر کیا گیا ہے وما صاحبکم بمجنون۔ صاحب صحبت رکھنے والا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم شب و روز حضرتؐ کے حالات سے بخوبی واقف ہو کوئی اجنبی شخص نہیں پھر کہو کیا وہ گمراہ اور بہکا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ آں حضرتؐ جو توحید و مکارم اخلاق بیان فرماتے تھے بت پرستی اور ناپاک باتوں سے منع فرماتے تھے، کفار اپنی کج روی کو سیدھا رستہ جانتے تھے اس لیے وہ اُلٹا حضرت ہی کو گمراہ اور بہکا ہوا کہتے تھے اور یہ انسان کی جبلی عادت ہے۔ بعض کہتے ہیں ضل وغویٰ دونوں لفظوں سے ایک بات مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں دو باتیں ضلالت رستہ بھولنا اور غوایت عام ہے بھولنا بھی اور رستہ کے چلنے میں بے قاعدگی افراط وتفریط۔

ف بندہ اور خدا تعالیٰ کے مابین جو حجابات حاجز ہیں ان کا قطع کرنا اس کا طے کرنا ہے جن کو تدلیات کہتے ہیں اس رستہ میں بہت سے بھول گئے ہیں اور بہت سے غوایت میں پڑ گئے ہیں انسانی جذبات کی جن کو واقفیت ہے وہ ہر روز اس بات کو معائنہ کرتے ہیں مگر یہ دنیا کا ستارہ اور جہان کا آفتاب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس رستہ میں بھولے نہ چوکے۔

اب ماضل وماغویٰ کی وجہ بیان کرتا ہے:۔ فقال وماینطق عن الھویٰ کہ آپ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ آپؐ کی زبان خدا کی زبان ہے جو کچھ وہ بلواتا ہے وہی آپؐ بولتے ہیں۔ عارفِ کامل جب اپنے ارادات اور اپنی ہستی کو اس کی ہستی میں میں محو کر دیتا ہے تو اب اس کا کلام اور اس کے حرکات و سکنات اسی کے حکم سے ہوتے ہیں۔ جب انسان مرجاتا ہے اس کے اپنے حرکات وارادات مفقود ہو جاتے ہیں، تو اب جو کوئی اس کو ہلاتا جلاتا ہے وہ آپ نہیں ہلتا جلتا کسی اور کا شمار ہوتا ہے یعنی اس کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے ہلایا۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ جب بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں مجھ سے پکڑتا ہے الخ۔

دین کے بارے میں جو کچھ آپؐ فرماتے تھے اگر اس کے الفاظ بھی من جانب اللہ ہوتے تھے تو وہ وحی متلو ورنہ وحی غیر متلو ہوتی تھی۔ اول کو قرآن دوسرے کو سنت کہتے ہیں جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ امام احمدؒ نے روایت کی ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں میں جو کچھ کہتا ہوں حق کہتا ہوں۔

اس کے بعد اُس ناموس اکبر کا حال بیان فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کے پاس وحی لاتا ہے فقال علمہ شدید القویٰ ذو مرۃ کہ اس کو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے تعلیم کیا ہے جو بڑا طاقتور اور نہایت قوی ہے یعنی جبرئیل امینؑ جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین جبرئیل کی قوت وہ قوت مؤثرہ ہے کہ جہاں شیطان و جن و دیگر صورِ خیالیہ کی گنجائش نہیں۔ یہ اوصاف ان کے اس لیے بیان فرمائے تاکہ اسکو کوئی جن و شیطان یا صورتِ خیالی نہ سمجھے کیونکہ ان میں یہ اوصاف نہیں ہوتے۔ پھر اس جملہ کی تشریح کرتا ہے اور جبرئیل کے وحی لانے اور دوبارہ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے کا حال بیان فرماتا ہے۔

فاستویٰ پس جبرئیل اپنے اس کام پر کہ جس کے لیے اللہ نے اس کو مقرر کیا ہے تیار و آمادہ ہوئے وھو بالافق الاعلیٰ اُفق بضمتین وسکون کنارہ آفاق اس کی جمع (صراح) اُفقِ اعلیٰ آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا ایک بڑا گول دائرہ سا نظر آیا کرتا ہے جہاں سے آفتاب

طلوع و غروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یعنی جبریل آسمان کے کنارے پر ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آئے اپنی اصلی صورت میں۔ ثم دنی فتدلی پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تک قریب ہوتے گئے کہ فکان قاب قوسین او ادنی۔ قاب اور قیب اور قاد اور قید قیس کے معنی مقدار کے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں کمان اور نیزہ اور کوڑہ اور گز اور ہاتھ کے ساتھ عرب میں اندازہ بیان کیا جاتا ہے کہ دو کمان کے فاصلہ پر یا تیر کے یا ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔ قاب کمان کی مُوٹھ کو بھی کہتے ہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ وہ دونوں اس قدر قریب ہوگئے کہ جس طرح دو کمانوں کو ملا دینے سے ان کی موٹھ باہم مل جاتی ہے کچھ فاصلہ نہیں رہتا۔ یہ قرب جسمانی کی طرف اشارہ ہے او ادنی بلکہ اس سے بھی قریب ہوگئے یعنی حضرتؐ کے قلب تک پہنچے یہ روحانی قرب ہے فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی تب اللہ کے بندے محمدؐ کی طرف جو چاہا وحی کیا۔ یہ ہے پیغمبر کی وحی بواسطہ جبریل۔ ماکذب الفؤاد ما رای محمدؐ کے دل نے جھوٹا نہیں سمجھا جس کو دیکھا یعنی دل نے یقین کرلیا۔

افتمٰرونہ علی مایریٰ کیا تم اے کفار محمدؐ سے اس کی دیکھی ہوئی اور یقینی چیز پر جھگڑتے ہو؟ یہ ایک بار ہی دیکھنا نہیں ہوا بلکہ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ کہ محمدؐ نے جبریل کو شب معراج میں اس کی اصلی صورت پر سدرۃ منتہیٰ کے پاس بھی دوسری بار دیکھا ہے۔

سدرہ ایک درخت ہے ساتویں آسمان کے اوپر اور منتہیٰ جہاں تک بلندی کی انتہا ہے کیونکہ اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے۔ اور سدرہ کو ڈھانک رکھا تھا اس چیز نے کہ جس نے ڈھانک رکھا تھا اور وہاں جنت الماویٰ ہے۔

مازاغ البصر وما طغیٰ حضرتؐ کی آنکھ نے خطا نہیں کی کہ دراصل کچھ اور تھا اور نظر آیا کچھ اور بلکہ اصلی اور حقیقی حالت پر دیکھا۔

لقد رای من ایٰت ربہ الکبریٰ اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ تفسیر ہے جمہور علماء محدثین کے طور پر اور اسی کے اکثر اہل سنت والجماعت قائل ہیں اور یہی مذہب ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ و ابن مسعودؓ و ابی ذر و ابی ہریرہؓ کا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

لیکن صحابہ کی ایک جماعت کہ جن میں عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور اخیر عبداللہ بن عمرؓ نے بھی اسی طرف رجوع کیا اور سلف و خلف میں سے اہل علم کی ایک جماعت ان کے تابع ہوئی ہے خصوصاً صوفیہ کرام اسی طرف ہیں، وہ یہ کہ فاستویٰ سے لے کر اخیر تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کا باہم قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے)۔

اس تقدیر پر آیات کے یہ معنی ہوں گے "پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوت یا رسالت میں حدِ کمال کو پہنچے یعنی ملکیت اور روحانیت کا ان پر غلبہ ہوا۔ یہ ہیں فاستویٰ کے معنی۔ حالانکہ آپؐ اس وقت بشریت کے افق اعلیٰ پر تھے بشریت کے دائرہ سے نکلنے کو تھے کہ روحانیت محضہ میں داخل ہوجائیں۔ پھر آپؐ اللہ تعالیٰ سے یہاں تک قریب ہوگئے کہ دونوں میں صرف دو قوسوں کا ہی فرق رہ گیا تھا۔ یعنی آپؐ میں قوسِ حدوث و امکان اور اللہ تعالیٰ میں قوسِ وجوب و قدم اتصالِ

سلہ او بمعنی الواو و قیل بمعنی بل ۱۲ منہ

سلہ یعنی انوار و تجلیات نے ۱۲ منہ

حقیقی اور اتحادِ ذاتی سے مانع تھے جب یہ تقرب ہوگیا تو اللہ نے اپنے بندے کو جو چاہا بتا دیا۔ یہ ہے وحی کی حقیقت۔ یعنی بندے میں اور خدا میں ایسا تقرب ہوتا ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اُس وقت اللہ ہمکلام ہو کر اپنے بندے کو جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔

علمہ شدید القویٰ سے اگر جبرئیل مراد لیے جائیں تو وحی کی دوسری قسم تھی اور یہ وحی کی اول قسم ہے۔ پھر اے لوگو تم محمد سے اس کی دیکھی ہوئی اس بات میں جھگڑتے ہو کہ جو اس کی آنکھ نے دیکھی جو نورِ الٰہی سے شرمگیں تھی اور جو دل کا حکم رکھتی تھی۔

پھر ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ سے شب معراج میں آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونا بیان فرماتا ہے کہ محمد نے اللہ کو بارِ دیگر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ سدرہ جو جنت الماویٰ میں ہے وہ کوئی دنیا کا درخت نہیں بیری وغیرہ کا، وہ صوفیہ کرام کے نزدیک عبارت ہے روحِ اعظم سے کہ جس کے اوپر کوئی تعین اور مرتبہ نہیں اور اس کے اوپر بجز ہویت محضہ کے اور کچھ نہیں اور اس لیے اس کے پاس رویت واقع ہوئی۔ کیونکہ یہاں فنا محض سے بقا کی طرف رجوع ہوا۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے وادی مبارکہ میں ایک درخت پر تجلی ہوئی تھی اسی طرح آں حضرتؐ کو جنت الماویٰ میں جو وادیٔ مبارکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے اس درخت کی صورت میں تجلی ہوئی جو تمام ارواح کی جڑ ہے۔ آپ نے وجودِ حقانی میں متحقق ہو کر چشمِ حقیقت بیں سے جس کے آگے کوئی چیز حاجب نہیں خدا تعالیٰ کو عیاناً دیکھا ما زاغ البصر وما طغیٰ کے یہ معنی ہیں۔ ع ۲۵ ۵

مسلم و ترمذی وغیرہ نے روایت کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دوبار دیکھا۔ احمد وغیرہ محدثین نے بسند صحیح اس بات کو ثابت کیا ہے۔ اور اس کے خلاف میں بھی احادیث وارد ہیں۔

أَفَرَءَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ﴿۱۹﴾ وَمَنَاةَ
پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو بھی دیکھا اور تیسرے
الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿۲۰﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ
منات کو بھی کیا تمہارے لیے بیٹے
وَلَهُ الْأُنثَىٰ ﴿۲۱﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ
اور اس کے لیے بیٹیاں وہ ہیں؟ تب تو یہ بہت ہی بری
ضِيزَىٰ ﴿۲۲﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ
تقسیم ہے یہ تو صرف نام ہی نام ہیں
سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا
جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں جن پر
أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِن
خدا نے کوئی سند بھی نہیں اتاری وہ
يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى
محض وہم اور خواہش کی پیروی
الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن
کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کے ہاں
رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿۲۳﴾ أَمْ لِلْإِنسَانِ
سے ہدایت بھی آچکی پھر کیا انسان کو مل جاتا ہے
مَا تَمَنَّىٰ ﴿۲۴﴾ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿۲۵﴾
جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ پھر آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے بس میں ہے

تفسیر

اثبات نبوت کے بعد توحید کے مسئلہ میں کلام کرتا ہے اور مشرکین عرب کی بت پرستی کی تحقیر کرتا ہے جو

ے رسول کریمؐ ۱۲ منہ

نبوت کا پہلا کام ہے۔

فقال افرءیتم اللّٰت والعزّٰی۔ یہ تین بت عرب میں زیادہ پوجے جایا کرتے تھے۔

لات[1] ایک شخص عرب میں حاجیوں کو ستّو گھول کر پلایا کرتا تھا اس کے مرنے کے بعد اس کی شکل پر ایک بت پوجنے لگے یہ بت طائف میں تھا۔ بعض کہتے ہیں عکاظ میں۔ بعض کہتے ہیں نخلہ میں۔

اور عزیٰ ایک درخت تھا جس کو غطفان کا قبیلہ پوجتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو اس کے کاٹنے کو بھیجا تھا جو کاٹ ہی کر آئے لوگوں میں اس کی بڑی ہیبت تھی۔

اور منات ایک پتھر تھا مکہ و مدینہ کے درمیان[2]۔

فرماتا ہے بتاؤ یہ کیا چیز ہیں؟

اس کے علاوہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر پوجتے تھے ان کی نسبت فرماتا ہے تم کو خدا بیٹے دے اور آپ بیٹیاں لے۔ یہ کیا بھونڈی تقسیم ہے۔

پھر فرماتا ہے کچھ ان کی اصل نہیں تم نے نام گھڑ لیے ہیں۔ محض توہمات ہیں اور ان سے امید شفاعت رکھنا خام خیالی ہے۔ دنیا و آخرت اللہ ہی کے لیے ہے کوئی وہاں اس کے سوا کام نہیں آتا۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا

اور بہت سے فرشتے آسمان میں ہیں کہ

تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ

جن کی شفاعت کسی کے کچھ بھی کام نہیں آتی مگر اس کے بعد کہ

اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۲۶

اللہ جس کے لیے چاہے اجازت دے اور پسند کرے

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے

لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۲۷

وہ فرشتوں کے زنانے نام رکھتے ہیں

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ

اور اس بات کی جانتے کچھ بھی نہیں محض وہم پر

اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ

چلتے ہیں اور وہم حق بات کی جگہ کچھ بھی

[1] اللات اصلہ لات یلیت فالتاء اصلیۃ وقیل زائدۃ فھو اسم فاعل فی الاصل غلب علی رجل یلیت السویق للحاج فلما مات عبدوہ والعزی من العز وہی تانیث الاعز وہی اسم صنم لقریش وبنی کنانۃ قال مجاہد ہی شجرۃ لغطفان وقیل کانت شیطانۃ تاتی ثلاث سمرات ببطن نخلۃ وقال سعید بن جبیر حجر ابیض کانوا یعبدونہ ومنات بالف من دون ہمزۃ وبالمد وبالہمزۃ فالاولی واشتقاقہا من منی یمنی صب لان دماء النساء کانت تصب عندہا تقربا وعلی الثانیۃ واشتقاقہا من النوء وہو المطر لانہم کانوا یستمطرون عندہا الانواء وقیل ہما لغتان للعرب قال الجوہری ہی صنم کان بین مکۃ والمدینۃ ۱۲ منہ

[2] لات و عزیٰ و منات بتوں کے بارے میں مختلف روایات ہیں کوئی کسی جگہ کوئی کسی قوم کا بت بتاتا ہے۔ یہ سب روایات ٹھیک ہیں۔ کیوں کہ ایک نام کے متعدد جگہ اور مختلف صورتوں میں بت تھے۔ ہنود کے دیوی اور مہادیو وغیرہما بتوں کو دیکھ لو ۱۲ منہ

الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾ فَأَعْرِضْ عَن مَّن
کام نہیں آتا　پھر تم اس کی پروا نہ کرو کہ جس نے

تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا (ع ۲/۶)
ہماری یاد سے منہ پھیر لیا　اور صرف دنیا ہی

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم
کی زندگی چاہی　ان کی سمجھ کی یہیں تک

مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ
رسائی ہے　بے شک آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے

بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ
جو اس کے رستہ سے بہکا　اور وہ خوب اسکو بھی جانتا ہے

بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿۳۰﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي (الربع)
جو راہ پر آیا　اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ

السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ
آسمانوں اور زمین میں ہے　تاکہ برا

الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ
کرنے والوں کو ان کے کام کا بدلہ دے　اور نیکی

الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ
کرنے والوں کو نیک بدلہ دے　ان کو جو

يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ
بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں

إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ
مگر کچھ آلودگی سے　بے شک آپکے رب کی بڑی وسیع مغفرت ہے

هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ
وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ تم کو زمین سے پیدا

الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ
کیا تھا　اور جب کہ تم اپنی ماں کے پیٹ میں

أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ
بچے تھے　پھر اپنے آپ کو پاکیزہ نہ جتلاؤ

هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿۳۲﴾
وہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے

ترکیب

کم خبریۃ فی محل الرفع و لا تغنی الخبر لیجزی اللام متعلقۃ بما دل علیہ الکلام کانہ قال ہو مالک ذلک یضل من یشاء و یہدی من یشاء لیجزی و قیل ہی لام العاقبۃ لا التعلیل ای عاقبۃ الخلق الذین فیہم المحسن و المسیٔ ان یجزی اسم الذین فی موضع نصب نعتا للذین احسنوا او فی موضع نصب علی تقدیر ہم الا اللمم قیل استثناء متصل لان اللمم من الکبائر و الفواحش و قیل منقطع لان اللمم دونہا۔

تفسیر

لات و عزیٰ و منات بتوں کی تحقیر کے بعد یہ بھی بتایا تھا کہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں سمجھنا[1] اور ان کی شفاعت کو کافی سمجھنا بھی غلط خیال ہے۔ اب اس کی وجہ بیان فرماتا ہے۔

فقال وکم من ملک فی السموٰت الآیہ آسمانوں میں

---

[1] قال الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ التاء فی الملائکۃ لتاکید معنی الجمع لا للتانیث کما فہم المشرکون کما فی صیاقلۃ لان فی المشہور ہی جمع ملک و الملک اختصار من الملائک بحذف الہمزۃ فی مفاعلۃ و الاصل مفاعل ورد اسلے ملائکہ فی الجمع فہی تشبہ فعائل و فعائلۃ ۱۲ منہ

جو ملائکہ ہیں حالانکہ وہ ان ملائکہ سے جو زمین کے کاروبار پر متعین ہیں بدرجہا بڑھ کر ہیں ان کی شفاعت بھی کسی کے کچھ کام نہیں آتی خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ہاں جس کے لیے خدا ان کو دعا کرنے کی اجازت دیتا ہے (اور وہ کس کے لیے اس کے لیے کہ جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور وہ موحد و نیک ہی سے راضی بھی ہوتا ہے) تو وہ دعا کرتے ہیں۔ یہی ان کی شفاعت ہے پھر اے مشرکین تم کس امید پر ان کی عبادت کرتے ہو؟[1]

اب اس بات کو بھی رد کرتا ہے کہ ملائکہ عورتیں ہیں۔ فقال ان الذین لا یؤمنون الخ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے کسی نبی یا رسول کے کہنے پر نہیں چلتے وہی لوگ اپنے توہمات فاسدہ سے ان کے زنانے نام دھرتے اور ان کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں محض جہالت و وہم سے اور وہم حق بات کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا۔[2]

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کور باطنوں کی ہٹ دھرمی کرنے پر تسلی دیتا ہے :-

فقال فاعرض عمن تولی الخ کہ جو نہ مانے اور ہماری یاد سے پھرے اور اس کو بجز زندگیٔ دنیا کے اور کچھ مقصود نہ ہو اور اس کے فہم کی رسائی اس عالم فانی کے تجلیات چند روزہ تک ہو آپ بھی اس سے علیحدہ ہو جائیے۔ کیونکہ ایسے ازلی گمراہوں کو آپ کی نصیحت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ خدا کو خوب معلوم ہے جو اس کے رستہ سے بہکے ہوئے ہیں، اور وہ جو ہدایت پر ہیں۔

پھر فرماتا ہے وللہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض کہ اس کو کسی کی ہدایت و گمراہی سے نہ نفع پہنچ سکتا ہے نہ نقصان، وہ بے پرواہ ہے آسمانوں اور زمین پر اس کی بادشاہت ہے اور سب اس کی ملک و قبضہ میں ہیں۔ ہاں تمہارے ہی نفع کے لیے اس نے دنیا میں قانونِ آسمانی

[1] کفار مکہ آخرت کے تو قائل ہی نہ تھے پھر ملائکہ یا اصنام کی شفاعت کی امید دنیاوی کارخانوں میں رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ قضاء و قدر کے کارخانے میں ان کو بھی دخل ہے۔ یہ سفارش کر کے بیٹا دلوا سکتے ہیں۔ تندرستی و فتح و ظفر اور ہر قسم کی مراد حاصل کرا سکتے ہیں۔ ہندوستان کے بت پرستوں کا بھی اپنے بتوں سے یہی اعتقاد ہے۔ مہادیو و ہنومان اور دیگر بتوں کو اسی امید پر پوجا کرتے ہیں۔ بنی آدم میں یہ توہم باطل ایک عرصہ دراز سے چلا آتا ہے اور یہی سبب ہے شرک و بت پرستی کے مروج ہونے کا۔ اس کے مٹانے کے لیے انبیاء علیہم السلام لگاتار دنیا میں آئے اور خاتم المرسلین اولیاء کرام و علماء عظام کو اس کام پر اپنا کارکن بنا کر چھوڑ گئے ہیں ۱۲ منہ

[2] علماء فرماتے ہیں ظن کو جو ناکارآمد بتلاتا ہے اس سے یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اعتقادیات میں ظن کام نہیں دیتا۔ ہاں اعمال میں جہاں کہ ظن و تخمین سے بھی کام چل سکتا ہے جیسا کہ خبر آحاد و قیاس ائمہ دین بے شک وہاں ظن معتبر ہے۔ جمہور مفسرین اسی کے قائل ہیں۔ بلکہ جن کو قیاس ائمہ مجتہدین کا منکر سمجھا جاتا ہے وہ بھی یہی کہہ گئے ہیں۔ دیکھو نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اپنی تفسیر فتح البیان میں جو قاضی شوکانی کی تفسیر کا خلاصہ سمجھنا چاہیے اس آیت کی تفسیر میں یہ تحریر فرماتے ہیں، قولہ ولابد من ہذا التخصیص فان دلالۃ العموم والقیاس وخبر الواحد ونحو ذلک ظنیۃ فالعمل بہا عمل بالظن وقد وجب علینا العمل فی ہذہ الامور انتہی۔ کہ یہ تخصیص ضروری ہے کس لیے کہ دلالۃ عموم و قیاس و خبر واحد وغیرہ کی ظنی ہے اور ان پر عمل کرنا ظن پر عمل کرنا ہے۔ حالانکہ ان باتوں میں ہم پر عمل کرنا واجب ہے)۔ من جملہ ان باتوں کے ایک قیاس کو بھی گنوایا ہے اس پر عمل کرنا تقلید ہے اس کو بھی نواب صاحب مرحوم واجب کہتے ہیں ۱۲ منہ

یعنی شریعت نازل کردی ہے لیجزی الذین الخ تاکہ جو اس کے اوپر نہ چلیں اور نیک بختی نہ اختیار کریں ان کو دنیا و آخرت میں ان کی بدی کا بدلہ دے اور جو نیکی کریں ان کو نیک بدلہ دے۔

پھر نیکیوں کی شرح کرتا ہے فقال الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش کہ نیک وہ ہیں جو کبائر اور فواحش سے بچتے ہیں۔ کبائر کبیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بڑا گناہ۔ اس کی تفصیل میں مختلف احادیث و مختلف علماء کے اقوال ہیں۔ شرک کرنا قتل ناحق چوری۔ زنا۔ ماں باپ کی نافرمانی۔ جھوٹ بولنا جھوٹی گواہی دینا۔ جادو کرنا۔ جہاد میں سے بھاگ آنا۔ کسی کو زنا کی تہمت لگانا۔ غیبت کرنا۔ فحش کرنا۔ فرائض و واجبات ترک کرنا وغیرہ وغیرہ۔ فواحش فاحشہ کی جمع ہے۔ انہیں کبائر میں سے خاص وہ گناہ جو فحش سے متعلق ہیں جیسا کہ زنا۔ لواطت عام ہے کہ انسان سے ہو یا چارپایوں سے یہ فعل شنیع کیا جائے یا ایک عورت دوسری سے سحق کرے سب فواحش میں داخل ہیں۔

بظاہر ہر ایک گناہ سے بچنے پر محسن ہونا ثابت ہوتا تھا، جو ایک بہت بڑی بھاری بات تھی کس لیے کہ بشریت کے جامہ میں رہ کر ذرا ذرا سے گناہ سے بچنا مشکل بات ہے اس لیے اس رحیم و کریم نے استثناء کردیا کہ الا اللمم۔

مبرد کہتے ہیں لمم کسی بد بات کا قصد کرنا اور ارتکاب نہ کرنا۔ اس سے چھوٹے گناہ مراد ہیں جیسا کہ کسی اجنبیہ پر نظر کرنا۔ یا ہاتھ لگانا یا بوسہ لینا۔ بیہودہ بکواس کرنا ہنسی تمسخر کرنا۔ ان گناہوں کی بھی اجازت نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر یہ گناہ احیاناً سرزد ہو جائیں بشرطیکہ ان پر اصرار و مداومت نہ ہو معاف ہیں کیونکہ ان ربك واسع المغفرۃ تیرے رب کی مغفرت وسیع ہے۔ کسی گناہ گار کو بھی اس سے ناامید نہ ہونا چاہیے توبہ و استغفار پر وہ سب کو معاف کردیتا ہے۔ اے بنی آدم وہ تمہاری سرشت سے بخوبی واقف ہے۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض قوت بہیمیہ تم میں خمیر کی گئی ہے اور اس کے بعد ماں کے پیٹ میں پڑ کر اور بھی بشریت کے خصائص تم سے چسپاں ہو گئے ہیں اذ انتم اجنۃ فی بطون امھتکم کے یہ معنی تھے اجنہ جنین کی جمع۔ جو ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں۔

جب یہ ہے تو فلا تزکوا انفسکم اپنی پاکیزگی نہ جتلاؤ۔ تقوی کرنے والے اس کو خوب معلوم ہیں، وہ جو خصائص بشریہ ان کی ملکیت میں دب گئے ہیں اور وہ روحانیت ان پر غالب آگئی ہے اس معنی میں جناب سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہے ای عبد لك لا الما کہ تیرا کون سا بندہ ہے کہ جس نے چھوٹا گناہ بھی نہیں کیا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ مسیح نے کہا "تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ انجیل متی ۱۹ باب ۱۷ ورس۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰی

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے منہ پھیر لیا اور تھوڑا سا

قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَہٗ

دیا اور سخت دل ہو گیا کیا اس کے پاس

عِلْمُ الْغَیْبِ فَھُوَ یَرٰی ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ

غیب کا علم ہے جو دیکھ رہا ہے کیا اس کو نہ

یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَ

معلوم ہوا جو موسیٰ اور ابراہیم وفادار کے صحیفوں

اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ
ہیں   تھا   وہ یہ کہ کوئی

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّیْسَ
کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا   اور یہ کہ آدمی

لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ
کو وہی ملتا ہے جو کرتا ہے   اور یہ کہ

سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ ثُمَّ یُجْزٰىهُ
آدمی اپنی کوشش کو جلد دیکھے گا   پھر اس کو

الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ
پورا (پورا) بدلہ ملے گا   اور یہ کہ آپ کے رب کے

الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ
پاس جانا ہے   اور یہ کہ وہی ہنساتا اور

اَبْكٰی ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا ﴿۱﴾
رُلاتا ہے   اور یہ کہ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ
اور یہ کہ اس نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا

الْاُنْثٰی ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ﴿م﴾
کیا ہے   ایک قطرۂ منی سے جبکہ ڈالا جاتا ہے

وَاَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی ﴿۴۷﴾ وَ
اور یہ کہ لازم ہے اس پر دوبارہ زندہ کرنا اور

اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ
یہ کہ وہی غنی کرتا اور مقدور دیتا ہے   اور یہ کہ

هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ
وہی ستارہ شعری کا رب ہے   اور یہ کہ اسی نے

عَادَا الْاُوْلٰی ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ
عادِ اُولیٰ کو ہلاک کیا   اور ثمود کو بھی پھر

اَبْقٰی ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ
باقی نہ چھوڑا   اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی

اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی ﴿ط﴾
کیونکہ وہ بڑے ظالم   اور بڑے سرکش تھے

ترکیب

اعندہ الجملۃ المفعول الثانی لرایت بمعنی اخبرت ان لا تزر ان مخففۃ وضمیر الشان اسمہا محذوف ای انہ لا تزر والجملۃ المنفیۃ فی محل الجر علی انہا بدل مما فی صحف موسیٰ۔

تفسیر

نیکوں کا بیان کر کے ان کے مقابلے میں بعض بدوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ ایسے بھی بدکردار ہوتے ہیں۔ فقال افرءیت الذی تولّٰی کہ اے محمد! تو نے ایسے لوگ بھی دیکھے کہ جو ہماری یاد سے منہ پھیرتے ہیں اور کچھ تھوڑا سا دے کر دل کو سکیڑ لیتے ہیں کیا ان کو علم غیب ہے کہ یہ مال ان کے پاس ہمیشہ رہے گا اور ان کو کسی سے حاجت نہ ہوگی۔ قرآن مجید میں ان طریقوں سے انسانی طبائع کے جزر و مد اور خیر و شر میں اس کے جذبات بتلائے جاتے ہیں اس میں تعمیم ہے جس کا ایسا حال ہوا اور یہی تعمیم منصب وعظ کے لیے مناسب ہے مگر اسی تعمیم میں کہیں کسی شخص خاص کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے جس کو بطور نمونہ کے پیش کیا ہے۔ اس لیے مفسرین کہتے ہیں کہ اس الذی سے ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے جو اسلام لا کر خیرات کرنے لگا تھا۔ پھر کسی کے عار دلانے سے پھر گیا اور ہاتھ روک لیا۔ اب اس کو پہلے انبیاء کے صحیفوں یعنی

کتابوں کے مضامین یاد دلا کر سمجھایا جاتا ہے۔
فقال ام لم ینبا بما فی صحف موسیٰ وابرٰھیم
کہ موسیٰ اور ابراہیم وفادار بندے کے صحیفوں میں کیا لکھا ہوا تھا، معلوم نہیں؟ صحفِ موسیٰ توریت یا اور ان کی بعض مفقود شدہ کتابیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم پر بھی کچھ صحیفے نازل ہوئے تھے جواب بالکل مفقود ہیں۔
ان صحیفوں کی پہلی بات الا تزر کہ کوئی کسی کا بوجھ یعنی گناہ نہیں اٹھائے گا۔ یعنی کرے کوئی بھرے کوئی۔ کسی کے گناہ میں قیامت کو دوسرا نہیں پکڑا جاوے گا۔ اس کہنے سے کہ تو گناہ کرلے اور تیرا گناہ مجھ پر، یہ بری نہ ہو جاوے گا۔
(۲) وان لیس الخ انسان کو اپنی کمائی یعنی اعمال کا پھل ملتا ہے کرایہ کے لوگوں کے اعمال اس کو نفع نہ دیں گے یعنی گناہ سے ڈرنا چاہیے اور نیکی میں آپ کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے یہ غرض نہیں کہ ایمان دار کو اس کے ایمان کی برکت اور اس کی کوشش سے اس کو آخرت میں کسی کی شفاعت سے نفع نہ ہوگا یا اس کے لیے کسی کی دعا فائدہ مند نہ ہوگی یا مرنے کے بعد کسی کے صدقات واعمالِ صالحہ کی برکت سے جو اس کے لیے دعا وصلہ ہے نفع نہ ہوگا جیسا کہ معتزلہ اور دیگر لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔
(۳) وان سعیہ الخ انسان کی کوشش رائگاں نہ جائے گی اگر یہ خود اس کے رائگاں کرنے کے کام نہ کرے گا ورنہ عمل حبط بھی ہو جاتے ہیں۔
(۴) اس کو اپنے اعمال کا پورا بدلہ ملے گا۔
(۵) خدا کے پاس ہر ایک کو جانا ہے۔
(۶) یہ کہ خوشی وغم خدا ہی کی طرف سے ہے۔
(۷) مارنا جلانا بھی اسی کے ہاتھ ہے۔
(۸) نر و مادہ اسی نے بنائے ہیں قطرۂ منی سے۔
(۹) وہی مرنے کے بعد بارِ دیگر حشر میں زندہ کرے گا۔
(۱۰) وہی فراغ وتنگ دستی دیتا ہے۔
(۱۱) یہ نہ ستاروں کی تاثیر ہے نہ اور کوئی تدبیر کس لیے کہ وہ شعریٰ[۲] یعنی ستاروں کا بھی مالک ہے۔
(۱۲) اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں اعمالِ بد کا ثمرہ نہیں ملتا کس لیے کہ اس نے قوم عاد[۳] وثمود اور نوح کی قوم کو غارت کر دیا کسی کو باقی نہ چھوڑا کیوں کہ وہ ظالم اور سرکش تھے۔

---

[۱] عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ نے ان دونوں باتوں سے ان کو غافل کر دیا اور انسان کو بے قید بنا دیا ۱۲ منہ

[۲] شعریٰ ایک ستارہ ہے جو گرمی کے موسم میں جوزار کے بعد نکلتا ہے۔ یہ دو ہیں ایک نہایت روشن ہے اسی کو عبور کہتے ہیں۔ دوسرا اس سے کم۔ اس کو غمیصا کہتے ہیں۔ بہت لوگ ان کو پوجتے تھے من جملہ ان کے عرب میں جس نے اس کی پرستش اول اختیار کی وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ننہیال میں سے ایک شخص ابن ابی کبشہ نامی تھا۔ اور ستارے عرض میں آسمان کو قطع کرتے ہیں مگر یہ طول میں اس لیے سب کے خلاف اس نے یہ بات نکالی تھی اس لیے ابوسفیان مخالفتِ عرب کی وجہ سے آں حضرتؐ کو ابن ابی کبشہ کہا کرتا تھا ۱۲ منہ

[۳] عادِ اولیٰ کے یہ معنی نہیں کہ عادِ اُخریٰ بھی تھے بلکہ اولیٰ ان کو اس لیے کہا کہ قوم نوح کے بعد سب سے پہلے یہ قوم ہلاک ہوئی جو یمن میں تھی جن کے حضرت ہود علیہ السلام نبی تھے۔ بعض کہتے ہیں انہیں میں عاد اُخریٰ بھی تھے جو اس حادثہ کے بعد باقی رہے تھے، ان کو ارم کہتے ہیں ۱۲ منہ

یہ بارہ باتیں ہوئیں جو اس کی سعادت کے لیے نہایت نافع ہیں، توحید و توکل و اعتقادِ صحیح اور نیکی میں کوشش کرنے اور بدی سے بچنے کی بابت اور بُرے اعمال کے بدنتیجے کے پیش آنے کی بابت۔

ا نہ۔ انہ کو جمہور نے بالفتح پڑھا ہے سب کا عطف لفظ ما پر ہے جس سے لازم ہوگا کہ سب موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں کی باتیں ہیں۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰهَا
اور قوم لوط کی بستیوں کو بھی اُلٹ دیا   پھر ان کو ڈھانک دیا تھا
مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ
اس نے کہ ڈھانک دیا   پھر اے آدمی تو اپنے رب کی کس کس نعمت میں
تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ
جھگڑے گا   یہ نبی بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک
الْأُولٰى ﴿۵۶﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ
ڈرانے والا ہے   پس قریب آگئی آنے والی (قیامت)   کہ جس کو
لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾
اللہ کے سوا اور کوئی ظاہر نہیں کر سکتا
أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿۵۹﴾
پھر کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو
وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿۶۰﴾
اور ہنستے ہو اور روتے نہیں
وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ﴿۶۱﴾
اور تم کھیل رہے ہو
فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا ﴿۶۲﴾
پس اللہ کو سجدہ کرو اور بندگی کرو

ع ۳ ﴿۳۰﴾ السجدۃ ۷

ترکیب

المؤتفکۃ منصوب باھوی الائتکاف الانقلاب تقول آفکتہ اذا قلبتہ المؤتفکۃ المنقلبۃ ماغشی مفعول ثان ویحتمل ان یکون فاعلاً یقال ضربہ من ضربہ فبای الجار متعلق بتتمارٰی من دون من زائدۃ تقدیرہ لیس لہا غیر اللہ کاشفۃ ہی صفۃ المؤنث ای نفس کاشفۃ وقیل التاء للمبالغۃ۔

تفسیر

فرماتا ہے کہ عاد و ثمود و قوم نوح پر کیا موقوف ہے ان کے بعد اُلٹی ہوئی بستیوں کو بھی جو قوم لوط کی بستیاں تھیں سدوم وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں ان کو اس قوم کی بدکرداری پر الٹ دیا۔ جو اے قریش شام کے سفر میں آتے جاتے تم کو ان کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔

ان بستیوں کو ڈھانک لیا اس چیز نے کہ ڈھانک لیا تھا۔ اس ڈھانکنے والی چیز کے ابہام میں ہول دلانا مقصود ہے۔ وہ کیا چیز تھی؟ پتھر تھے جو اُن پر برسے اور ممکن ہے کہ جمیع الامم کی طرف ضمیر راجع ہو اور وہ ڈھانکنے والی چیز قہر الٰہی اور اس کا عذاب شدید تھا جو ان پر ہر طرف سے محیط ہو رہا تھا۔

پھر ان دلائل کے بعد فرماتا ہے فبای آلاء ربک تتمارٰی کہ اے انسان تو خدا کی کس کس نعمت میں جھگڑا کرے گا اس کی ہر ایک نعمت اس کی توحید پر برہانِ قاطع ہے۔ کس کس کو غیر کی طرف منسوب کرے گا اور غیر کو اس میں

ل؎ المؤتفکۃ مدائن قوم لوط وسمیت المؤتفکۃ لانہا انقلبت بہم و صار عالیہا سافلہا تقول افکتہ اذا قلبتہ ۱۲ حقانی

شریک کرنا ان نعمتوں میں جھگڑا کرنا ہے۔

توحید کے بعد پھر رسالت کے مسئلہ کو سورت کے خاتمہ میں ذکر کرتا ہے فقال ھٰذا نذیر من النذر الاولیٰ کہ جس طرح اول نذیر یعنی ڈر سنانے والے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں ہود و صالح و نوح و ابراہیم و لوط و موسیٰ علیہم السلام انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کوئی نئی بات نہیں جس سے تم انکار کرتے ہو۔

اس کے بعد تیسرے مسئلہ حشر کو ذکر کرتا ہے۔

ازفت الاٰزفۃ کہ قیامت (جس کا نام ہے آزفہ یعنی قریب آنے والی ہے) قریب آ لگی آنے والی چیز گو کتنی ہی دور ہو مگر آناً فاناً قریب ہوتی جاتی ہے۔ اس پر شاید منکر یہ کہتے ہوں کہ وہ کب آئے گی؟ اس کا جواب دیتا ہے:-

لیس لھا من دون اللّٰہ کاشفۃ کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں ظاہر کر سکتا کہ وہ کب ہوگی؟ قیامت کا وقت خدا تعالیٰ نے اس مصلحت سے مخفی رکھا ہے کہ اگر اس کا وقت بتا دیا جاتا تو اس وقت کو دور دراز سمجھ کر لوگ غافل ہو جاتے اب جو ابہام ہے تو ایمان دار کو ہر وقت خوف لگا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے پہلے جو کچھ کرنا ہے کر لینا چاہیے پھر مہلت کہاں؟ اور کی قیامت اس کی موت ہے جس میں کسی کو بھی شبہ نہیں اور اس کا بھی وقت معلوم نہیں مگر اس پر بھی غفلت ہے۔

افمن ھٰذا الحدیث تعجبون وتضحکون ولا تبکون کہ کیا تم قیامت کے دن سے تعجب کرتے ہو کہ بھلا یہ عالم جو ہزاروں برسوں سے ہے فنا ہو جائے گا؟ اور جو دہریت و فلسفہ کی غلاظت میں آلودہ ہیں وہ تو اس پر ہنستے ہیں اور روتے نہیں حالانکہ اس مصیبت کے وقت کو سن کر رونا چاہیے۔

انتم سامدون تم بھول اور غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ سمود غفلت و سہو۔ غفلت کی یہ حالت ہے کہ جہاں چند روز رہنا ہے وہاں کے لیے رات دن ان تدابیر جائز و ناجائز میں گرفتار ہے کہ دوسرے کا ہوش نہیں کہ کہیں جانا بھی ہے اور عمر ہے کہ اپنے منازل بڑی سرعت کے ساتھ طے کر رہی ہے ادھر لذات و شہوات کا وہ نشہ چڑھا ہوا ہے کہ بیہوشی اس طرف سے طاری ہو رہی ہے۔

اس لیے اس عالم جاودانی کا توشہ جمع کرنے کے لیے ایمان داروں کو حکم دیتا ہے اور اسی پر سورت کو تمام کرتا ہے۔

فقال فاسجدوا للّٰہ کہ اللہ کو سجدہ کرو۔ عام ہے کہ صرف سجدہ کرو یا نماز پڑھو کہ اس میں سجدہ بھی ہے اور سجدہ بندے کا خدا سے پوری نیازمندی کا اظہار ہے اور سجدہ نماز ہی پر موقوف نہیں بلکہ واعبدوا اس کی ہر طرح سے عبادت کرو تسبیح و تہلیل و استغفار و ذکر و مراقبہ خیرات و صدقات سب کو شامل ہے مسائل ثلاثہ کو ثابت کر کے سورت کو کس موقع پر تمام کیا ہے۔

سورۂ قمر

مکیہ ہے اس میں پچپن آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ①

قریب آ لگی قیامت اور چاند پھٹ گیا

وَإِنْ يَّرَوْا آيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

اور اگر وہ (منکرین) کوئی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہنے لگیں کہ

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا

یہ جادو ہے (جو قدیم سے) چلا آتا ہے اور وہ تو جھٹلا چکے اور اپنی خواہش

أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾

کے پیرو ہو گئے اور ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرا ہوا ہے

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيْهِ

اور ان کو اتنی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ جن میں (کافی)

مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ

عبرت ہے اور پوری دانائی بھی

فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾

پر ان کو ڈر سنانے والوں سے فائدہ نہیں پہنچا

ترکیب

وانشق عطف علیٰ اقتربت وان شرطیۃ یعرضوا ویقولوا جوابہ سحر خبر مبتدا محذوف ای ہذا وکل امر مبتدا مستقر خبرہ ویقرء بالجر صفۃ لامر من الانباء بیان لمزدجر ہو اسم مکان او مصدر میمی یقال ازدجرتہ اذا نہیتہ عن السوء ووعظتہ بغلظ واصلہ مزتجر فتاء الافتعال قلبت دالا لوقوعہا بعد الزاء وما موصولۃ او موصوفۃ حکمۃ خبر مبتدا محذوف او بدل من ما او من مزدجر فما استفہامیۃ او نافیۃ تغن اصلہ تغنی لم یکتب الیاء بعد النون اتباعا لرسم المصحف والنذر جمع نذیر بمعنی المنذر ای الامور المنذرۃ لہم کاخبار الماضیۃ والامور الہائلۃ۔

تفسیر

یہ سورت جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر بھی یہی فرماتے ہیں، آیات کے فواصل راء ساکنہ ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ قاف اور سورۂ قمر عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نمازوں اور بڑی مجالس میں پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ ان میں وعدہ وعید و بدء خلق و حشر و توحید و اثبات النبوت وغیرہا اعظم المقاصد مذکور ہیں (تفسیر ابن کثیر)

اس سے پہلے سورۂ والنجم کے خاتمہ میں قیامت کے برپا ہونے کا ذکر تھا ازفت الآزفۃ الآیۃ کہ قیامت قریب آ لگی، اس لیے اس سورت میں بھی سب سے اول قیامت ہی کے قریب ہونے کا ذکر کرتا ہے اور اس کا ذکر منصب نبوت کے لیے بڑی ضروری بات ہے کس لیے کہ جب تک اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ مر کر زندہ ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان کے بھلے برے پھل کھانے پڑیں گے تب تک وہ سعادت کے رستہ کو جو کہ بڑا دشوار گذار راستہ ہے کبھی اختیار نہیں کر سکتا اس لیے فرماتا ہے:

اقتربت الساعۃ کہ وہ گھڑی یعنی قیامت کی ساعت (بمعنی وقت) قریب آ لگی آنے والی چیز کا جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے وہ قریب ہوتی جاتی ہے خصوصاً جب کہ اس کے آثار و علامات نمودار ہونے لگتے ہیں پھر تو اور بھی اس کا قریب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قیامت کے آثار و علامات میں سے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا[1] ہے اسی طرح چاند کا

[1] امام احمد نے مسند میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا کہ اس طرح سے یکے بعد دیگر ہیں اور اسی لیے آپ کا ایک نام حاشر بھی ہے ۱۲ منہ

پھٹنا بھی اس کی ایک بڑی علامت ہے جس کا اشارہ پہلے انبیا علیہم السلام نے کیا ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وانشق القمر اور چاند پھٹ گیا۔

جمہور مفسرین اور تمام اہل سنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کس لیے کہ جب آپؐ مکہ میں تھے تو کفار نے آپؐ سے کوئی معجزہ طلب کیا تھا، تب آپؐ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس کے دو ٹکڑے لوگوں کو دکھائی دیے ایک ابوقبیس پہاڑ پر اور دوسرا اس کے قریب قعیقعان پہاڑ پر نظر آیا اور لوگوں نے دیر تک دیکھا۔ اس بات کو محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے یہ کہہ دیا کہ محمدؐ نے جادو کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر کہ اگر وہ نشانی دیکھتے ہیں تو قوی یا قدیم جادو کہتے ہیں۔ (طبرانی) اور آیات کا سیاق و سباق بھی یہی کہہ رہا ہے کس لیے کہ اول اقتربت الساعۃ فرمایا اور بعد نشانی دیکھ کر اس کو جادو کہنا اور اس سے انکار کرنے کا ذکر آیا۔

بعض نے یہ کہہ دیا ہے کہ انشق گو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد مستقبل ہے یعنی پھٹے گا قیامت میں۔ اس قول کو محققین مفسرین نے رد کر دیا ہے۔ امام رازیؒ وغیرہ کی تفاسیر ملاحظہ کرو۔

بعض کہتے ہیں انشق القمر عرب کی زبان میں کسی بات کے ظاہر ہونے پر بطور مثل کے بولا جاتا ہے۔ قمر سے روشن چیز کو تشبیہ دیا کرتے ہیں اور انشق کے معنی واضح یعنی یہ بات بالکل چاند کی طرح سے واضح ہو گئی کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ عقل مندوں کے نزدیک یہ قول بھی مردود ہے۔ صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے۔ مگر اس پر مخالفین اسلام نے بعض شبہات کیے اور دیکھیں

شبہ ۱

(۱) یہ کہ چاند اس قدر بڑا جسم ہے جو زمین کے کرہ سے بہت زیادہ ہے باوجود اس کے اجرام علویات میں حکماء نے کون و فساد ممتنع ثابت کیا ہے۔

شبہ ۲

اگر یہ واقعی ممکن بھی مان لیا جائے تو پھر اس کا وقوع ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہتا حالانکہ اس وقت مختلف ممالک میں مورخ تھے کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

جواب ۱

اول شبہ کا یہ جواب ہے کہ خواہ کسی قدر عظیم المقدار جسم کیوں نہ ہو سب اس قادر مطلق کے احاطہ قدرت میں ہیں، اور کون و فساد جن حکماء نے ممتنع ثابت کیا ہے ان کے دلائل کی بنیاد محض توہمات باطلہ پر ہے جن کا بطلان علم کلام میں بدرجہ اتم ہو چکا ہے۔

جواب ۲

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ چاند اس وقت باعتبار کرویت زمین کے تمام ملکوں پر تو طلوع کیا ہوا تھا ہی نہیں خصوصاً آفاق بعیدہ میں تو وہ اس وقت دکھلائی بھی نہیں دیتا تھا پھر ان پر اس کا پھٹنا اور پھر مل جانا کیوں کر ظاہر ہوتا؟ پھر اس کو کیوں کر لکھتے؟ اب رہے آفاق قریبہ کے لوگ، سو اول تو یہ رات کا معاملہ تھا جب کہ سیکڑوں بلکہ نصف سے زیادہ لوگ سوتے ہوں گے اور ایک حصہ کثیر اپنے کاروبار میں مصروف ہوگا ان کو آسمان کی طرف خیال بھی نہ ہوگا اور اس کے سوا یہ معاملہ پھر دو پہر تک نہیں رہا تھا صرف

چند منٹ میں ہوگیا جو بہت کو بغیر متنبہ کیے خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی اور نہ پہلے سے اس کا اعلان ہو چکا تھا کہ آج رات کو فلاں وقت یہ ماجرا گزرے گا۔ ان وجوہ سے یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب متوجہ تھے یا آفاق بعیدہ کے چند اور اشخاص کہ جن کو اتفاقاً یہ معاملہ دکھائی دیا۔ اس پر بھی عرب میں اس کا ایسا چرچا پھیلا تھا کہ اُس وقت کے شعراء نے اس کو نظم کیا اور یہی اشعار ان کی تواریخ کا محفوظ دفتر تھا جس سے صدہا واقعاتِ گزشتہ کا صحیح حال واضح ہوتا ہے، اس کے سوا جو کسی نے تاریخ میں بھی لکھا ہو تو کیا تعجب ہے، ہاں اس وقت کے مورخوں کی تمام تواریخ محفوظ ہمارے پاس موجود ہوں اور ان میں سے کسی میں بھی یہ واقعہ مندرج نہ ہو تو البتہ تعجب کی بات ہے۔ اور جس حالت میں کہ اس وقت کی کوئی صحیح تاریخ بھی ہمارے پاس نہ ہو اور جو کوئی ہے بھی تو کسی یونانی وغیرہ کی جس میں بجز شاہانِ ملک کے ایسے واقعات درج کرنے کا کم التزام کیا تھا تو پھر ہم کس اعتماد پر کہہ سکتے ہیں کہ کسی مورخ نے اس کو نہیں لکھا؟

ہندوستان کے راجہ بھوج کی ایک متواتر نقل یہاں کے باشندوں میں مشہور ہے اور غالباً کسی ہندو کی تاریخ میں بھی ہو جو راجہ بھوج کے عہد میں ان کی حکومت کے حالات میں لکھی گئی ہو کہ راجہ نے جو اس وقت اپنے بام کی چھت پر بیٹھا تھا یہ واقعہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر اپنے علماء سے پوچھا انہوں نے آں حضرتؐ کی بعثت اور آپؐ سے یہ معجزہ سرزد ہونا بحوالہ اپنے علوم متوارثہ کے بیان کیا جس سے وہ راجہ حضرتؐ پر ایمان لایا۔

اہلِ مذاہب میں سے ہر شخص تھوڑی دیر کے لیے اپنی مذہبی کتابیں بھی خیال میں رکھے تو کبھی اس واقعہ پر اعتراض نہ کریں، ہنود کے وید اور پوران تو اس سے بھی بڑھ بڑھ کر واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کتاب یشوع کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ "اُس روز آفتاب ٹھیر رہا" اور عیسائی انجیل کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ "مسیح کو صلیب دینے کے وقت ہیکل کے پردے پھٹ گئے اور تمام زمین پر بڑی دیر تک تاریکی چھا گئی اور قبریں کھلیں اور ان میں سے مردے نکلے اور بعض لوگوں کو دکھائی بھی دیے"۔ حالانکہ یہود میں اس وقت ایسے واقعات لکھنے کا دستور تھا، پھر یہ کس مورخ نے لکھا اور کس نے اس کو دیکھا؟ یہود تو معجزے کے طالب تھے ان کو ایسا معجزہ دکھایا جاتا تو سب نہیں تو بہت سے ایمان لے آتے۔ عیسائی ان تو ہمات آمیز روایتوں کا پہلے جواب دے لیں پھر ہم سے شق القمر کے معجزے میں گفتگو کریں۔

مستمر کے معنی بعض کہتے ہیں قوی کے ہیں ابو العالیہ وضحاک و نحاس کا بھی قول ہے۔ اخفش کہتا ہے کہ یہ امرار الحبل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مضبوطی سے بٹنا۔ فراء و کسائی و ابو عبیدہ کہتے ہیں اس کے معنی ہیں فنا ہو جانے والے کے کہ اس جادو کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں ہمیشہ کے یعنی ایسے جادو ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی تکذیب کا اور حال بیان فرماتا ہے وکذبوا واتبعوا اھواءھم کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں کا کہنا کیا۔ اب چاہیے تھا کہ ایسے معجزے کے انکار پر عذاب الٰہی آتا اور فوراً ہلاک کیے جاتے مگر کل امر مستقر ہر بات کا ایک وقت معین ہے کسی مصلحت کی وجہ سے اس نے ان کو چھوڑ رکھا ہے۔ اور اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہر ایک بات کی ایک انتہا ہوتی ہے، ان کے کفر کی بھی انتہا ہے اسلام کے دبنے کی بھی انتہا ہے۔ اس انتہا کے بعد

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ
پس (اے رسول) آپ اُن سے کنارہ کرلیں جس دن پکارنے والا ایک ناپسند چیز
إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ
کے لیے پکارے گا، (تو اس دن) وہ آنکھیں نیچی کیے ہوئے ہونگے
يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ
(اور) قبروں سے ایسے نکل پڑیں گے کہ جیسے
جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِينَ إِلَى
ٹڈیاں پھیل پڑی ہوں۔ (اور) پکارنے والے کی طرف دوڑے
الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ
چلے جارہے ہونگے کافر کہتے ہوں گے یہ تو بڑا ہی
عَسِرٌ ﴿٨﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
سخت دن ہے۔ (اے رسول) ان سے پہلے نوح کی قوم بھی
قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا
جھٹلا چکی ہے پس انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا
وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا
اور کہہ دیا (یہ تو) دیوانہ دھتکارا ہوا ہے پھر نوح نے
رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ﴿١٠﴾
اپنے رب کو پکارا کہ میں تو مغلوب ہوگیا تو میری مدد کر
فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾
پھر تو، ہم نے ان پر پانی کے ریلوں سے آسمان کے دروازے کھول دیے
وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى
اور زمین کی سوتیں کھول دیں پھر جہاں تک
الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَ
پانی کا چڑھاؤ چڑھنا ٹھہر چکا تھا چڑھ آیا اور
حَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَ
ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر

ان کا کفر زائل ہوگا، اسلام ظہور پکڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس معجزے ہی پر کیا موقوف ہے ولقد جاءهم من الانباء ما فيه مزدجر ان کے پاس بہت سی خبریں پہلی امتوں کے ہلاک و برباد ہونے کی آچکی ہیں جن میں اہلِ بصیرت کے لیے نصیحت و عبرت حاصل ہو سکتی ہے حكمة بالغة کامل دانائی حاصل ہو سکتی ہے فما تغن النذر مگر ان جنم کے اندھوں اور ازلی بدنصیبوں کو پند و نصائح اور خوفناک عبرت انگیز باتوں اور ڈرانے والوں بیدار کرنے والوں واعظوں کی نصیحت نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا، وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے، یہ ویسے کے ویسے گمراہ اور اندھے ہی رہے۔ پھر جب ان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو اس معجزے سے کیا ہوتا، اس کو بھی جادو کہہ دیا۔

ف جیسا یہ معجزہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہے ایسا معجزہ کبھی کسی نبی سے صادر نہیں ہوا اور انبیاء کی روحانی قوت کا اثر زمین کی چیزوں پر ہوا۔ مثلاً پتھر سے پانی نکلا، قلزم جیسے سمندر کو چیر کر رستہ لیا، لاٹھی کا اژدہا بنایا، ہاتھ میں روشنی دکھائی، ان کی بد دعاؤں سے سرکش ہلاک ہوئے، دعاؤں سے مُردے بھی جی اٹھے، دریا کو ڈانٹا، ہوا پر حکومت کی۔ مگر آسمانی چیزوں پر خاص اسی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر پہنچا اور ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت و فوقیت ثابت کی گئی۔

قومِ نوح کی ہلاکت

دُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ

سوار کیا | جو ہماری عنایت سے چلتی تھی | یہ اس کا بدلہ تھا کہ

كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً

جس کا انکار کیا گیا تھا | اور ہم نے کشتی کو نشانی بنا کر رکھ دیا

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ

کہ کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے | پھر (دیکھا) کیسا تھا

عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

ہمارا عذاب اور ڈرانا | اور البتہ ہم نے تو سمجھنے

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

کے لیے قرآن کو آسان کر دیا | پھر کوئی ہے کہ سمجھے ؟

ترکیب

یوم ناصبہ یخرجون۔ یدع سقطت الواو من یدع اتباعا للفظ وحذفت الیاء من الداع مبالغۃ فی التخفیف واکتفاء بالکسرۃ نکر بضم النون والکاف وباسکان الکاف ہو صفۃ بمعنی منکر و یقرء بضم النون وکسر الکاف و فتح الراء علی انہ فعل مالم یسم فاعلہ۔ خشعا جمع خاشع وقر خاشعا علی الافراد وہو حال والعامل یدعو ابصارہم مرفوع بخشعا کانہم حال من الضمیر فی یخرجون مھطعین الاہطاع الاسراع فی المشی حال من الضمیر فی یخرجون وازدجر الدال بدل من التاء انی بالفتح ای بانی علی امر حال او ظرف والعامل فی حملنٰہ لنوح تجری فی موضع جر صفۃ باعیننا حال من الضمیر فی تجری ای محفوظۃ جزاء مفعول لہ کفر ای بہ ونذر۔ قال الفراء الانذار والنذر مصدران۔

تفسیر

منکرین نے جب ایسا بڑا معجزہ دیکھ کر اس کا انکار کر دیا اور اس کو جادو بنا دیا تو اب ان سے حق قبول کرنے کی کیا توقع باقی رہ گئی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ازلی بدنصیبوں کو جہنم سے بچانے کی از حد حرص تھی اس لیے آپ کو حکم ہوا فتول عنھم کہ آپ ان سے منہ پھیر لیں یعنی گفتگو نہ کریں کچھ فائدہ نہیں، اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ جنگ کے موقع پر آپ ان سے جنگ نہ کریں اور سزا کے موقع پر سزا نہ دیں، پھر اس کو آیۃ السیف سے منسوخ قرار دینا زائد بات ہے۔ یہاں تک کلام تمام ہو گیا اور اسی لیے یہاں قراء کے نزدیک وقف لازم ہے۔

یوم یدع الداع الخ سے دوسری بات شروع ہوتی ہے یعنی حشر کا ہولناک واقعہ اور قبروں سے نکل کر حساب دینے کے لیے عدالت میں آنے کی کیفیت بیان کرتا ہے تاکہ اس بات کو سن کر منکرینِ حشر کے دلوں میں خوف پیدا ہو۔ پس فرماتا ہے اس دن کو یاد دلا کر جس دن پکارنے والا فرشتہ اسرافیل یا جبرئیل یا اور کوئی فرشتہ ایک مکروہ چیز کے لیے بلائے گا، اور ناپسند چیز حساب ہے اس کے آواز دیتے ہی ٹڈیوں کی طرح سے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر عدالت کی طرف مجبور دوڑتے چلے آئیں گے اور خوف اور شرم کے مارے آنکھیں نیچی ہوں گی۔ پھیلی ہوئی ٹڈیوں سے تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح وہ کثرت سے ہر طرف سے دوڑتی ہوئی جاتی ہیں اسی طرح لوگوں کا بھی ایک بڑا ٹڈی دل ہو گا کس لیے کہ تمام انسان اگلے پچھلے سب ہی قبروں سے اٹھیں گے اور سب خدا ذی حکم کی ہیبت سے عدالت کی طرف دوڑے چلے آئیں گے

کسی کو مجال نہ ہوگی کہ حاضر ہونے میں دیر و تامل کرے، اور ان میں سے منکروں پر بڑی سختی ہوگی جس لیے وہ کہیں گے کہ یہ دن سخت ہے۔

اس کے بعد ان کفار کو دنیاوی مصائب سے بھی ڈراتا ہے۔ اول تو آخرت کی دردناک مصیبت سے ڈرایا مگر آخرت کا ان کو باور نہ تھا وہ تو دنیا ہی پر غش تھے اس لیے چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی نافرمان قوموں کی تباہی و بربادی کے تذکرے سنا کر دنیاوی مصائب سے ڈراتا ہے اور ولقد جاءھم من الانباء الخ کی تفصیل کرتا ہے اور سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کا حال سناتا ہے :۔

فقال کذبت قبلھم قوم نوح کہ ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی نوح کو جھٹلایا تھا پھر اس جھٹلانے کی مفصل کیفیت بیان فرماتا ہے فکذبوا عبدنا وقالوا مجنون وازدجر کہ ہمارے بندے نوح کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ یہ دیوانہ مبتذل ہے ہر کوئی اس کو جھڑکتا ہے مارتا ہے۔ سیکڑوں برس یہ پاک بندے حقِ عبودیت ادا کرنے کے لیے ان کو سمجھاتے رہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے ناصحِ مشفق کی قدر و منزلت کرتے مارتے پیٹتے برا بھلا ہی کہتے رہے (وہ ہمارے زمانے کے واعظ یادیفار مر نہ تھے جو بغیر منظوری خدا تعالیٰ کے یہ عہدۂ جلیلہ آپ لینے کا قصد کرتے ہیں صرف چرب زبانی ہوتی ہے مگر ان کی اندرونی خباثتیں اور نفسانی خواہشیں اور نمود و شہرت کی آرزوئیں ان کی چرب زبانی کو صابن بن کر دھو ڈالتی ہیں جس پر یہ جلد ہزیمت کھا کر اس فرضی عہدے کو خیر باد کہہ بیٹھتے ہیں) آخر غضبِ الٰہی جوش میں آیا اور نوح علیہ السلام کے عرقِ عبودیت کو جنبش ہوئی تو دعا کی فدعا ربہ انی مغلوب فانتصر کہ الٰہی میں دب گیا میری مدد کر۔ خاصانِ خدا کو بھی ایسے گستاخوں کے مقابلے میں جوش بھی آجاتا ہے جو انتقامِ الٰہی کا پیغام ہوتا ہے ؎

نہ توڑ دو ہمیں تم کھلونا سمجھ کر
کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

پھر کیا تھا ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر وفجرنا الارض عیونا فالتقی الماء علی امر قد قدر کہ ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے، پانی کے ریلے گرنے لگے اور زمین سے بھی پھوٹ نکلا پھر جہاں تک کہ خدا نے مقرر کر رکھا تھا پانی چڑھ گیا زمین کے رہنے والے اور درخت اور پہاڑ بھی ڈوب گئے۔ مگر نوح اور اس کے ساتھ والوں کو کشتی پر سوار کیا جو ہماری مدد سے چلتی تھی یہ غرق اور نوح کی نجات بدلہ ہے اس کا کہ جس کا انکار کیا تھا اور اسی کشتی کو یا اس قسم کی کشتیوں کو ہم نے دنیا میں یادگار کے لیے باقی رکھا پھر کوئی ہے کہ اس بات کو سمجھے۔ پھر دیکھا میرا عذاب اور میرا ڈر کیسا ہوا؟

ف احداث جمع جدث کی جس کے معنی ہیں قبر۔ مھطعین الاھطاع دوڑنا۔ ابواب السماء احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ استعارہ ہے بے حد پانی برسنے کے وقت کہہ دیا کرتے ہیں کہ آسمان کے دروازے کھل گئے کیوں کہ پانی تو بادلوں سے برسا کرتا ہے اور بادلوں کو آسمان بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ منھمر پانی اوپر سے گرنا اور بہت گرنا۔ ذات الواح کشتی۔ الواح جمع لوح تختے۔ دسر جمع دسار میخیں اور کیلیں کہ جن سے تختے جوڑے جائیں۔ ترکنھا قتادہ کہتے ہیں کہ اس کشتی کو مدتوں خدا نے باقی رکھا تھا یہاں تک کہ اس امت کے لوگوں نے بھی اس کو دیکھا۔ چند برس ہوئے کہ ترکی سیاحوں نے اس پہاڑ کی برف پگھلنے سے ایک

عظیم الشان کشتی دریافت کی تھی جس کا تذکرہ اخباروں میں بھی رہا۔ اکثر کا گمان تھا یہ وہی کشتی ہے ورنہ پہاڑ پر چڑھنے کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ بعض کہتے ہیں ھا ضمیر جنس کشتی کی طرف راجع ہے، بعض کہتے ہیں فعلۃ کی طرف کہ اس کام کو ہم نے عبرت کر دیا ترکنا بمعنی جعلنا۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي

قوم عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھا ہمارا عذاب

وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اور ڈرانا کیسا تھا (پھر تو) ہم نے بھی ان پر سخت منحوس دن

رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾

میں ایک سخت آندھی چلائی

تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ

جو لوگوں کو ایسا پھینک رہی تھی کہ گویا وہ کھجور کے جڑ سے

مُنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي

اکھڑے ہوئے پیڑ ہیں پھر (دیکھا) ہمارا عذاب

وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ

اور ڈرانا کیسا تھا اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع

آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی کہ سمجھے

ترکیب

انا ارسلنا۔ جملہ مستانفہ مبینہ لما اجملہ قبلہ فی یوم الظرف متعلق بارسلنا۔ تنزع الناس الجملۃ صفۃ لریح او حال منہا۔ کانھم حال من الناس النخل والنخیل یذکر ویؤنث ولذا یوصف بالمذکر کما فی قولہ تعالیٰ نخل منقعر وبالمؤنث کما فی قولہ تعالیٰ اعجاز نخل خاویۃ وقیل التذکیر رعایۃ للفظ والتانیث رعایۃ للمعنی ونذر اصلہ نذری۔ حذف الیاء رعایۃ للفواصل وبقیہ الکسرۃ عوضاً عنہا۔

تفسیر

قوم عاد کی بربادی

یہ دوسرا تذکرہ قوم عاد کا ہے کہ انہوں نے بھی پیغمبر کا انکار کیا پھر دیکھا کہ ہمارا عذاب اور ہمارا ڈرانا کیسا ہوا ؟ پھر اس کی مجملاً کیفیت بیان فرماتا ہے :-

انا ارسلنا ہم نے اس قوم پر سخت آندھی بھیجی نا مبارک دن میں جو لوگوں کو اکھاڑ کر پھینکتی تھی اور لوگ کھجور کے اکھڑے ہوئے پیڑوں کی طرح زمین پر مردے پڑے ہوئے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھو میرا عذاب اور میری تنبیہ کیسی تھی ؟ اس کلمہ فکیف کان عذابی ونذر کو اسی قصہ میں دوبار ذکر کیا اول بار انکار و کفر ذکر کر کے دوسری بار سزا بیان کر کے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اول بار کے ذکر میں دنیاوی بربادی ہلاکت کی طرف اشارہ ہو اور بارِ دگر میں اخروی عذاب

ع ۱ ۲۲ ۸ کی طرف ایماء ہو۔ ان کے اعمالِ بد کے نتیجہ بد کو ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے :-

ولقد یسرنا القرآن للذکر کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کے پند و نصائح ذکر کر دیے ہیں صاف صاف طور پر نہ جن میں کوئی ابہام ہے نہ معمہ نہ ایسے رموز و اشارات ہیں کہ جن کی طرف ذہن نہ جا سکتا ہو (جیسا کہ مکاشفاتِ یوحنا اور بعض پیشین گوئیاں بائبل میں ہیں) نہ شاعرانہ خیال کی بلند پروازیاں ہیں بلکہ بہت صاف اور آسان۔ فھل من مدکر پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟

پھر اس پر بھی جو کوئی نہ سمجھے تو جان لو کہ اس کی تقدیر میں سعادتِ ازلی کا حصہ ہی نہیں۔

ف ا قرآن کے آسان کرنے کے یہ معنی تھے جو ہم نے بیان کیے۔ اب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لغاتِ عرب سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور قواعدِ صرف و نحو و معانی و بلاغت کے رموز سے واقف نہ ہو احکام کے علل و اسرار تک رسائی نہ ہو۔ حقائقِ غامضہ و لطائفِ روحانیہ تک ذہن اڑ کر نہ جاتا ہو الہامِ ربانی و اساس نوامیہ سے آشنا نہ ہو وہ بھی قرآن مجید کو ویسا ہی سمجھتا ہے جیسا کہ یہ شخص سمجھتا ہے کہ جس میں یہ سب باتیں ہوں حاشا و کلّا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کے لیے ظہر و بطن ہے، اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ یہ دریائے بے کنار ہے۔ اس سے ہر شخص بقدرِ فہم خود حصہ پاتا ہے۔ پھر اس پر ایک ایسے جاہل کا کہ جس کو بجز ترجمے کے بارگاہِ قرآنیہ تک رسائی نہیں یہ کہہ دینا کہ جو کچھ ائمہ مجتہدین و علماء مستنبطین نے قرآن سے مسائلِ شرعیہ و معارفِ حکمیہ ثابت کیے ہیں ہم کو ان کی کچھ پروا نہیں محض یاوہ گوئی اور دریدہ دہنی ہے جو آج کل ظاہر بینوں اور سرسری نظر والوں میں انگریزی الحاد اور نئی آزادی کی باعث ازحد بڑھی ہوئی ہے

ف ۲ فی یوم نحس یوم سے مراد مطلق وقت ہے جیسا کہ کلامِ عرب میں دستور ہے۔ پس یہ آیت سورۂ سجدہ کی اس آیت کے منافی نہیں فی ایام نحسات اور نہ الحاقہ کی اس آیت کے مخالف ہے سبع لیال و ثمانیۃ ایام حسوما۔ مستمر غالبًا نحس کی صفت نہیں بلکہ یوم کی ہے جیسا کہ قراءت اضافۂ یوم نحس کی طرف اس کی مؤید ہے یوم کے مستمر ہونے سے کئی روز تک پے در پے آندھی کا چلنا مراد ہے۔ یا مستمر کے معنی قوی کے ہیں۔ بعض مؤرخوں اور مفسروں نے لکھا ہے کہ آندھی جس روز شروع ہوئی تھی وہ آخری چہار شنبہ تھا اور ہر مہینے کا آخری بدھ منحوس ہوتا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ ایام کا فی ذاتہا انسان کی سعادت و شقاوت میں کوئی دخل نہیں، اسی کے اعمال کا نیک و بد ثمرہ ایام میں ظہور کرتا ہے جس لیے وہ اس دن کو منحوس یا سعید کہتے ہیں۔ ورنہ وہی ایک دن ہے جو سیکڑوں کے لیے نحس اور سیکڑوں کے لیے سعد ہے اگر دن میں کوئی اثر ہوتا تو سب کے لیے برابر ہوتا ایسے خیالات اور توہمات ہنود اور دیگر بت پرست اور اوہام پرست قوموں میں مدت سے چلے آتے ہیں جن سے ان کے تمدن میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا

قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا پس کہنے لگے

اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا

کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کے کہنے پر چلیں گے؟ تب تو ہم ضرور

لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ[۱] ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ

گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے کیا ہم میں سے

عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ

اسی پر وحی بھیجی گئی؟ بلکہ وہ تو بڑا ہی جھوٹا (اور)

اَشِرٌ[۲] ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ

شیخی خور ہے ان کو کل ہی معلوم ہو جاوے گا کہ کون

۱؎ سعر آگ کا شعلہ۔ جنون۔ جمع سعیر کی۔ (ابو عبیدہ) فراء کہتے ہیں اس کے معنی ہیں سختی اور مشقت کے۔

۲؎ اَشِرٌ بروزن فَعِلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں خوشی کرنے والا اور اترانے والا۔ جس کا ٹھیک ترجمہ ہے شیخی مارنے والا ۱۲ منہ

الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٦﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا

شیخی خورا ہے ہم ان کی آزمائش

النَّاقَةِ فِتْنَةً لَهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَ

کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں پھر (اے صالح) انہیں دیکھتے رہو اور

اصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ

ٹھیرے رہو اور ان سے کہہ دو کہ پانی ان میں بٹ

بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾

گیا ہے ہر ایک اپنی باری سے پانی پر آیا کرے

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾

پھر قوم ثمود نے اپنے رفیق کو بلایا تب اس نے ہاتھ بڑھایا اور (اسکی) کونچیں کاٹ ڈالیں

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾

پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً

(پھر تو) ہم نے ان پر ایک زور کی چیخ کا عذاب بھیجا

فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَ

پھر تو وہ ایسے ہو کر رہ گئے کہ جیسا کانٹوں کی باڑ کا چورا اور

لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے

مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

کوئی سمجھنے والا ؟

ترکیب

بشرا ہو منصوب بفعل یفسرہ المذکور ای انتبع بشرا منّا نعت ویقرء بالرفع فہو مبتدا۔ ومنا نعت لہ واحدا حال من الہاء۔ فی نتبعہ من بیننا حال من الہاء۔ الاشر بکسر الشین وضمہا لغتان مثل فرح وفرح ویقرء بتشدید الراء ہو افعل من الشر فتنۃ مفعول لہ۔

تفسیر

قوم ثمود کی بربادی

یہ تیسرا قصہ ثمود کا ہے کہ انہوں نے بھی نذر یعنی ڈر سنانے والے رسولوں کو جھٹلایا (اگرچہ بظاہر انہوں نے اپنے رسول صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا مگر جو بات صالح کہتے تھے وہی سب اگلے انبیاء کہتے آئے تھے پس ایک کا جھٹلانا گویا سب کا جھٹلانا ہے۔ یا یوں کہو خدا کی طرف سے انسان کو ڈر سنانے والے انسانی انقلابات اور حوادث دہر بھی ہیں ان سے پند پذیر نہ ہونا اور ان کو پس پشت ڈال دینا ان کی تکذیب ہے) اور یہ بھی کہہ دیا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک شخص کے جو ہمارے برابر ہے تابع ہو جائیں ؟ اس میں کیا فوقیت ہے۔ جو اسی پر خدا کی طرف سے نصیحت نازل ہوئی ہے

ا شِرب بکسر شین پانی کا حصہ ۱۲ منہ

۲ ہشیم : ایندھن۔ محتظر : جمہور نے بکسر ظا پڑھا ہے یعنی اسم فاعل جس کے معنی ہیں کانٹوں کی باڑھ بنانے والا جو کھیت یا مواشی کی حفاظت کے سبب بنایا کرتا ہے۔ بعض نے بفتح ظا پڑھا ہے جس کے معنی ہیں حظیرہ کے جس کو احاطہ یا گھیر یا باڑ کہتے ہیں مراد ہے چورا چورا اور شکستہ ہونا ۱۲ منہ

۳ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے نبی وہ بات لائے تھے جس پر پہلے انبیاء قائم تھے کوئی نئی بات نہ تھی نہ بے سند بات ۱۲

اس کے تابع ہونا گمراہی اور مصیبت میں پڑجانا ہے، بلکہ یہ جھوٹا اور شیخی خور اہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سیعلمون غدًا کہ کل ان کو معلوم ہوجائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خور اہے؟ اب ہم ان کی آزمائش کو اونٹنی بھیجتے ہیں اس کو دیکھو اور صبر کرو اور کہہ دو کہ پانی پینے کو ہر ایک اپنی باری سے گھاٹ پر آوے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قوم نے ایک بدکردار کو آمادہ کیا اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر ان پر عذاب آیا ایک ہیبت ناک آواز رات میں آئی پھر سخت زلزلہ آیا جس سے سب چورا چورا ہوکر رہ گئے، اس کا مفصل بیان سورۂ ہود میں ہوچکا ہے۔

اس قصہ کو تمام کرکے فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں ایسے ایسے عبرت انگیز واقعات ہیں۔ سمجھو قرآن کو آسان کردیا ہے، کوئی ہے کہ سمجھے؟

ابشرا منا واحدًا نتبعہ نتبع کے اول بشر کو مقدم کیا جس میں ان کفار کے وجوہِ انکار و اسباب عدم اتباعِ رسول علیہ السلام کی طرف چند اشارات ہیں۔

اول یہ کہ بشر یعنی انسان ہونا ان کے نزدیک اتباع کے مناسب نہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ انسان سب برابر پھر ہم میں کیا بات نہیں جو اس میں ہے پھر کس لیے ہم اس کے کہنے پر چلیں۔

دوم بشرًا کو نکرہ بیان کیا جس سے اس کی تحقیر مقصود تھی یعنی بشر بھی کوئی نامور و معزز اور معروف شخص نہیں جس کے پاس دنیاوی عزت کا کوئی سامان نہیں نہ مال و اسباب ہے نہ اور کوئی تجمل کی بات ہے ایک فقیر آدمی ہے۔

سوم بشر بھی منا ہم لوگوں میں کا ایک آدمی۔ عقلاء کے نزدیک مجانست انسان کا اصلی حال دریافت کرکے اس پر اعتقاد لانے کا عمدہ ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ آپس کے لوگوں سے اس کی کوئی بات مخفی نہیں رہتی مگر ان حمقاء کے نزدیک یہ بھی ایک عیب کی بات تھی۔ سچ ہے آپس کے لوگ اور ہم زمانہ اور ہم وطن اپنے آدمی کے کمالات پر بہت کم اعتقاد لایا کرتے ہیں۔ اسی لیے حکماء اور عرفاء کا قول ہے کہ آدمی کی اس کے وطن میں قدر نہیں ہوتی۔ باغ میں پھول کی اور کان میں جواہر کی قدر نہیں جب وہ اپنے وطن سے نکل کر جوہریوں کے ہاتھ میں آتا ہے تو بڑی قدر و منزلت پاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کاملین کو قضا و قدر نے بے وطن کیا ہے اور اسی سبب سے جناب رسول کریم محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم وطن چھوڑنے اور ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لانے پر مجبور کیے گئے۔

چہارم واحدًا یعنی اکیلا ہونا اس کے ساتھ جماعتِ کثیر نہ ہونا یہ بھی اس کی کسرِ شان کا باعث عام دلوں میں سمجھا گیا۔ اور یہی بات عمومًا قوموں کی جبلی ہوگئی ہے اسی لیے ہر جگہ کے لوگوں نے اپنے ہم وطن اور ہم قوم اور دنیاوی تجمل و حشمت نہ رکھنے والے نبی کا انکار ہی کردیا ہے اور اب تک بنی آدم اسی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ہم قوم اور ہم وطن اہلِ کمال کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح جس کے پاس سامان و اسبابِ دنیاوی اور ظاہری حشمت و عزت اور جماعت و اعوان و انصار نہیں ہوتے خواہ وہ کیسا ہی باکمال ہو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آج کل تو کمالاتِ انسانیہ کا دارومدار حشمت و مال و اعوان و انصار پر ٹھیر گیا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس زمانے میں حسیات میں انسان نے ترقی کی ہے مگر روحانی کمالات میں بہت پستی ہوگئی ہے اور یہی سبب ہے کہ فواحش و ریاکاری اور عیاری و نفس پرستی نے بہت رواج پایا ہے اور پانا بھی چاہیے کس لیے کہ جس قدر مادی برحق سے لوگوں کو زمانہ دور کھینچے لیے جا رہا ہے اسی قدر ان کی روحانی قوت میں سستی اور ضعف آتا جا رہا ہے اور یہی سبب ہے کہ اس زمانے میں نفوسِ قدسیہ حضرات اولیاء کرام بہت کم نظر آتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس ایک چھوٹے سے فقرے میں انسانی جبلت اور اس کے آثار بتلا کر ایمان داروں کو

کس لطیف پیرایہ میں اسباب ظاہریہ پر کمالات کی
قدردانی کو منحصر جاننے کو منع فرمایا اور یہ بات بتلادی کہ
ان باتوں کی طرف نظر نہ کیا کرو اصلی بات کو دیکھو۔ ان
اسباب کے مفقود ہونے پر کفار اپنے نبی کی اتباع کرنے کو
گمراہی اور جنون سمجھتے تھے۔ انا اذا لفی ضلل وسعر۔
اور ہم جنس اور ہم وطن ہونے کے سبب سے ان کو اس
بات کا کمال تعجب تھا کہ ہم میں سے یہ کیونکر خدا کا نبی
ہوگیا۔ القی الذکر علیہ من بیننا آخر جب فہم نے
رسائی نہ کی تو یہی کہہ دیا بل ہو کذاب اشر کہ یہ
تو جھوٹا شیخی خورا ہے۔ چونکہ وہ اس قابل نہ رہے تھے
کہ دلائل ان کے سامنے پیش کیے جاتے اور وہ دات
میں غور کرکے نتیجہ نکالتے اس لیے سزا ہی کے تازیانے
کی ان کو خبر دی گئی جیسا کہ بہائم اور بےعقلوں کو سمجھایا جاتا
ہے۔ فقال سیعلمون غدا من الکذاب الاشر

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ (۳۳)
قوم لوط نے بھی ڈر سنانے والوں کو جھٹلایا تھا
إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ
(پھر تو) ہم نے ان (سرکش قوم) پر پتھر برسائے لوط کے خاندان
لُوطٍ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ (۳۴) نِعْمَةً مِنْ
کے سوا کہ ان کو تو اپنی عنایت سے ہم نے صبح ہوتے
عِنْدِنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ (۳۵)
بچا لیا جو شکر کرتا ہے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں
وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا
اور البتہ لوط نے تو ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا پھر وہ خوف کی
بِالنُّذُرِ (۳۶) وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ
بات کو جھٹلانے لگے اور وہ اس کے مہمانوں کو

ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا
چھیننے لگے پھر تو ہم نے ان کی آنکھیں پٹ کر دیں (اور کہہ دیا) لو اب
عَذَابِي وَنُذُرِ (۳۷) وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ
ہمارے عذاب و سزا کے مزے چکھو اور صبح سویرے سے ان کو
بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقِرٌّ (۳۸) فَذُوقُوا
اٹل عذاب نے آلیا (کہہ دیا گیا) لو اب
عَذَابِي وَنُذُرِ (۳۹) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
ہمارے عذاب و سزا کے مزے چکھو اور البتہ ہم نے سمجھنے کے لیے
ع ۲ الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (۴۰)
قرآن کو آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا؟

ترکیب

الحاصب اسم الفاعل من حصب اذا رمی الحصباء وہی الحصاء منہ المحصب موضع بالحجاز۔ قال ابوعبیدۃ الحاصب الحجارۃ فی الریح وقال فی الصحاح الحاصب الریح الشدیدۃ التی تثیر الحصباء۔ تذکیر الحاصب مع انہ مسند الی الریح وہی مؤنث سماعی لکونہا فی تاویل العذاب الا آل لوط استثناء متصل بسحر الباء بمعنی فی او للملابسۃ ای حال کونہم متلبسین بسحر نعمۃ منصوب علی العلۃ او علی المصدریۃ تماروا تفاعلوا من المریۃ وہی الشک والمجادلۃ راودوہ المراودۃ الطلب مرۃ بعد مرۃ۔

تفسیر

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ

یہ چوتھا قصہ قوم لوط کا ہے کہ انہوں نے بھی نبیوں اور

ان کی باتوں کو جھٹلایا تھا جس سے ان پر بلائے عظیم نازل ہوئی، یہ قصہ کئی ایک جگہ ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ مختصراً یہ ہے کہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سفر مصر میں ساتھ تھے دونوں کے مواشی کثرت تھے اس لیے دونوں کو جدا ہونا پڑا حضرت ابراہیم کنعان میں آرہے اور حضرت لوط یردن ندی کی ترائی میں جہاں سدوم اور عمورہ شہر آباد تھے۔ یہاں کے لوگ بڑے بدکار اور بت پرست تھے مردوں سے مباشرت کیا کرتے تھے۔ حضرت لوط نے بہت کچھ وعظ و پند کیا مگر وہ بدبخت اپنی ناجائز شہوت کے نشے میں اندھے تھے، نہ مانا اور جھٹلا دیا۔ اب انتقام الٰہی کا وقت قریب آیا۔

(توراۃ میں ہے کہ) "دو فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر آئے تھے لڑکوں کی شکل میں شام کے وقت حضرت لوط کو جو سدوم کے پھاٹک پر بیٹھے تھے نظر آئے حضرت ان مہمانوں کو گھر لے گئے سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے ان کا گھر گھیر لیا اور انہوں نے پکار کر لوط کو کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے یہاں مہمان آئے ہیں کہاں ہیں انہیں ہمارے پاس باہر لا کہ ہم ان سے صحبت کریں تب لوط دروازے سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا اے بھائیو! ایسا برا کام نہ کرو تب انہوں نے کہا ہٹ جا۔ تو گزران کرنے آیا ہے یا حاکمی کرنا چاہتا ہے اب تیرے ساتھ ہم ان سے زیادہ بدسلوکی کریں گے پھر وہ لوط پر حملہ کر کے آئے اور کواڑ توڑنے لگے تب اُن فرشتوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کے لوط کو اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے اندھا کر دیا سو وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔ تب فرشتوں نے لوط سے کہا تو اپنے لوگوں کو لے کر اس مقام سے نکل جا کیونکہ ہم اس کو غارت کریں گے۔ صبح کو لوط اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو لے کر نکل گئے اور شہر صغر میں پہنچے اور جب صغر میں داخل ہوئے تو سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک[1] اور آگ آسمان سے برسائی اور ان شہروں کو غارت کر دیا مگر اس کی بیوی نے باوجود منع کر دینے کے پیچھے پھر کے دیکھا سو وہ نمک کا کھنبا بن گئی۔ اور ابراہیم نے فجر کو اٹھ کے اُس تمام زمین کے میدان کی طرف نظر کی اور کیا دیکھا کہ زمین پر بھٹی کا سا دھواں اٹھ رہا ہے"۔ (توراۃ سفر الخلیقہ باب ۱۹)

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾

اور البتہ فرعون کے خاندان کے پاس بھی ڈر سنانے والے آئے تھے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ

انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا پھر تو ہم نے ان کو پکڑی

[1] قرآن مجید میں آندھی اور پتھر برسانا آیا ہے اور توراۃ میں گندھک اور آگ، گندھک کے دہکتے ہوئے ڈھیلے سخت ہوا میں گرنا قرار دیا جائے تو کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی جو اعجاز اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اب بھی آسمان سے مختلف چیزیں لوگوں پر برسی ہیں۔ اور جو فلسفہ کی تاریکیوں میں مبتلا ہیں کہتے ہیں کہ آسمان سے بسا اوقات ابخرات و ادخنہ مختلف صورتیں حاصل کر کے زمین پر گرا کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں مختلف صورتیں بنا کر حسب وقت کسی خاص قوم پر ان کی بربادی کے لیے گرانا طبیعتِ اجسام کا کام نہیں بلکہ فاعلِ مختار اور واحدِ قہار کا ہے ۱۲ منہ

اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝۴۲ اَكُفَّارُكُمْ
زبردست پکڑنا　سے　پکڑا　کیا (اے اہل مکہ) تمہارے
خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ
منکر ان سے　کچھ بہتر　ہیں؟ کیا تمہارے لیے دفتروں میں
فِي الزُّبُرِ ۝۴۳ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ
معافی (لکھی) ہے　کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم زبردست
مُّنْتَصِرٌ ۝۴۴ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ
جماعت ہیں　جلد یہ جماعت شکست کھائے گی اور
يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝۴۵
پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

ترکیب

النذر جمع نذیر او مصدر بمعنی الانذار اخذ منصوب علی المصدریۃ اکفارکم الاستفہام انکاری فی الزبر صفت البراءۃ ای براءۃ مکتوبۃ فی الاوراق او الکتب السماویۃ المنزلۃ علی الانبیاء السابقین الدبر والمراد الادبار لارادۃ الجنس اولان کل واحد یولی دبرہ وقیل لاجل دبرہ وقیل لاجل رؤس الآی وقیل فی الافراد اشارۃ الی انہم فی التولیۃ والھزیمۃ کشخص واحد فلا یقدرون علی المقابلۃ۔

تفسیر

فرعونیوں کا حال

یہ پانچواں قصہ فرعونیوں کا ہے۔ آل فرعون سے صرف اس کا خاندان ہی مراد نہیں بلکہ اس کی ساری قوم۔ ان کے پاس خدا کی طرف سے موسیٰ کی معرفت خوف اور دہشت دلانے والی باتیں پہنچیں مگر وہ بدبخت ازلی جو جاہ و حشم کے نشے میں بدمست ہو رہے تھے کب ڈرنے والے تھے اور اپنی بدکاریوں سے باز آنے والے تھے۔ خدا تعالیٰ کی کسی نشانی کو بھی نہیں مانا۔ خدا تعالیٰ کی نو نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں جو انہوں نے فرعونیوں کو وقتاً فوقتاً دکھائیں۔ ید بیضا عصا وغیرہ اس کے سوا اور بھی صدہا خداوند تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حالات کا تغیر عالم کا تبدل اور ارضی و سماوی حوادث اور اس کے عجائبات قدرت پہاڑوں اور دریاؤں اور زمین و آسمان کے بے انتہا قدرت کے کارخانے خداوند تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان میں غور و فکر کرنے والے کو ہدایت کے صدہا نمونے ہیں پھر جو کسی میں بھی غور نہیں کرتا تو پھر وہ ان سب کو جھوٹا جان رہا ہے پھر اس پر ہدایت کے دروازے بند نہ ہوں تو اور کیا ہو؟

جب فرعونیوں کی یہ حالت ہوئی تو ان کو ہم نے خوب پکڑ کر قابو میں کیا۔ ان پر ہر طرح کی بلائیں آئیں۔ فرعون اور اس کا لشکر بحر قلزم میں غرق ہوا۔

یہ قصے سنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لوگوں سے خطاب کرتا ہے کہ اکفارکم خیر اے عرب یا اے اہل مکہ کیا تمہارے کافر ان پہلے کافروں سے جو ہلاک ہوئے اور جن کے تذکرے تم سے آگے بہتر ہیں کہ ان کو وہ ہلاکی و بربادی پیش نہ آوے گی؟ اگر بہتر نہیں تو دوسری صورت بچنے کی یہ ہے کہ تمہارے لیے پہلی کتابوں میں کوئی برات لکھ دی گئی ہے؟ کیا تم کو کوئی پروانہ مل گیا ہے کہ تم پر عذاب نہ آئے گا؟ تیسری بات دنیا میں عذاب سے مامون ہونے کی اپنی ذاتی قوت ہے، اپنی جماعت کے زور و شوکت سے خدا تعالیٰ کے قہر و جبروت کو مقابلہ کر کے ٹلا سکنے ہو سو یہ بھی نہیں کیونکہ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔

پر پس پا ہو جائیں گے اور مسلمانوں سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے
بخاری و نسائی نے روایت کی ہے کہ جنگ بدر کے
دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر مقابلہ میں نکلے اور یہ
آیت پڑھتے تھے۔
ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل
ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کون سی جماعت غالب
ہوگی کون سی مغلوب؟ پھر جب بدر کے روز آپؐ یہ
آیت پڑھتے ہوئے برآمد ہوئے تو اس کا مطلب
معلوم ہوا۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ
بلکہ وہ گھڑی ان کے وعدہ کا وقت ہے اور وہ گھڑی
أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ
بڑی سخت اور تلخ ہے بے شک گنہ گار
فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ
گمراہی اور جہالت میں پڑے ہوتے ہیں جس دن کہ آگ میں منہ کے
فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا
بل گھسیٹے جائیں گے (تو کہا جائے گا) آگ لگنے کا
مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ
مزہ چکھو بے شک ہم نے ہر چیز
خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا
اندازے سے بنائی ہے اور ہمارا حکم تو ایک ہی بات
وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ
ہوتی ہے جیسا کہ پلک کا جھپکنا اور البتہ
أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ
ہم تمہارے جیسوں کو غارت کر چکے ہیں پھر کیا کوئی
مُدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ
سمجھنے والا ہے؟ اور وہ جو کچھ کر چکے ہیں وہ تو

فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَ
اعمالنامو میں (لکھا جا چکا) ہے اور ہر بات چھوٹی اور
كَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ
بڑی سب لکھی ہوئی ہے بے شک پرہیزگار
فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ
باغوں اور نہروں میں (اور) مقام
صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾ ع
صدق میں بادشاہ قادر کے پاس ہوں گے

ترکیب

ادھی اسم تفضیل من الداہیۃ وہی الامر المنکر الفظیع الشدید وامر اشد مرارۃ من عذاب الدنیا کل شئ والجمہور علی نصب کل بالاشتغال ای عاملہ فعل یفسرہ ما بعدہ وقرئ بالرفع علی الابتداء۔ کلمح اللمح النظر علی السرعۃ وفی الصحاح لمحہ والمحہ اذا ابصرہ بنظر خفیف والاسم اللمحۃ کل شئ مبتدا فی الزبر خبرہ مقعد صدق من اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ای فی مجلس حق ومکان مرضی وہو الجنۃ او موضع لہ مزیۃ علی سائر الاماکن فی مقعد صدق بدل من قولہ فی جنت وقولہ عند ملیک بدل منہ ویحتمل ان یکون صفۃ مقعد صدق۔

تفسیر

کفار کے حق میں پہلے بطور پیشین گوئی کے فرمایا تھا کہ ان کی جماعت ہزیمت کھا کر بھاگے گی (ایسا ہی ہوا بھی)۔ اب یہاں یہ بتلاتا ہے کہ اس بھاگنے ہی پر ان کی سزا و سرزنش موقوف نہیں بل الساعۃ موعدھم بلکہ ان کے عذاب کامل کا وقت ساعت یعنی قیامت

ہے۔ وہ سخت مصیبت کی گھڑی اور بڑی تلخ ہے۔ وہاں کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے بہت ہی سخت ہے یعنی ان کو دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر۔ اس کے بعد وہاں کے عذاب کا قانون بتاتا ہے کہ وہ کس کو ہوگا اور کیوں کر ہوگا۔

فقال ان المجرمین فی ضلال وسعر کہ مجرمین یعنی گنہ گار اللہ و رسول کے نافرمان کفار اور مشرکین دنیا میں گمراہی میں ہیں[۱] نجات کا رستہ بھولے ہوئے ہیں ان کی یہ گمراہی اور جرم آتشِ جہنم ہو جائے گی۔ یا یوں کہو جنت کا رستہ بھولے ہوئے ہیں اور جہنم میں ہوں گے۔

یوم یسحبون اس دن وہ اپنے تکبر کے بدلے میں منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا کہ آگ لگنے کا مزہ چکھو۔

قیامت کے قائم ہونے اور وہاں مجرموں کے عذاب پانے کا ذکر کیا تھا لیکن یہ بات دو امر کے ثبوت پر موقوف تھی۔

اول یہ کہ ہر چیز کا خدا خالق ہے اور ہر چیز اس نے اندازے سے پیدا کی ہے فقال انا کل شیٔ خلقنہ بقدر کہ ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے سے پیدا کیا ہے[۲]۔ من جملہ ہر شے کے عالمِ دنیا بھی ہے اس کی بھی ایک حد معین ہے آخر ایک روز یہ تمام ہوگا اور وہی قیامت کا دن ہے۔ ع

ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات پر ہر طرح سے حکمراں ہے، اس کے حکم کے نافذ ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی، پس جب وہ قیامت قائم کرنا چاہے گا اور وہاں مجرموں کو سزا دینا چاہے گا

ف[۱] تعمیم ہے ضعیف روایتوں سے قدریہ وغیرہ کے ساتھ مخصوص کرنا تکلف ہے ۱۲ منہ

ف[۲] خلقنہ بقدر صاف دلالت کر رہا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے، نافع ہو خواہ ضار ہو اور اس نے ہر چیز کا اندازہ اور پورا پیمانہ اور حد بھی پیدا کرنے میں ملحوظ رکھی ہے۔ اذہانِ بنی آدم میں مختلف مضامین جانشین ہوتے آئے ہیں۔ مشرکین تمام حوادث کو ستاروں کی تاثیرات اور ان کے اتصالات سے پیدا ہونا خیال کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کے سوا اوروں میں بھی قدرت ثابت کرتے تھے اس لیے ان کو بھی قدریہ کہا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ اپنے افعال میں اپنے آپ کو مستقل قادر سمجھتے ہیں کہتے ہیں بندہ ہی خالق و مختار اپنے نیک و بد اعمال کا ہے علمِ ازلی سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہ عقیدہ آج کل کے مشنریوں اور بعض ہنود کا ہے اور مسلمانوں میں بھی ایک فریق تھا جس کو قدریہ کہتے تھے بہ این لحاظ کہ یہ قضاء و قدر کے منکر ہیں انہیں کی مذمت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں اور فرقہ معتزلہ بھی انہیں کے قریب قریب ہے بلکہ شیعہ بھی۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرا فریق تھا جس کو جبریہ کہتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ بندہ محض بے بس ہے جو کچھ ہم سے سرزد ہوتا ہے اس طرح سے ہوتا ہے کہ جیسا مرتعش کا ہاتھ ہلنے میں بے خود اور مجبور ہو کر حرکت کرتا ہے۔ پہلا فریق اس جبریہ فریق کو قدری کہتا تھا کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے زنا یعنی ہم کو قادر کیا تو ہم نے زنا کیا بایں معنی کہ یہ اثباتِ قدر کرتے ہیں۔ مگر اہلِ سنت والجماعت کا فریق نہ قدر کا قائل ہے نہ جبر کا۔ وہ کہتے ہیں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا یہاں تک کہ ہمارے افعال و حرکات ان کا بھی خدا تعالیٰ کو ازل میں علم تھا بندے کو اختیار ہے مگر وہ اس اختیار میں مستقل نہیں، اس کے جمیع افعال کا بھی اللہ ہی خالق ہے۔ بندہ کا سب ہے اس کسب پر اس کو ثواب و عذاب ملتا ہے اور مدح و ذم کا مستحق ٹھہرتا ہے ۱۲ منہ

تو فوراً کر دے گا اس بات کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر کہ ہمارا حکم ایک ہی کلمہ ہے وہ ہے کُن اور جب ہم ہونے کا حکم کرتے ہیں تو وہ بہت جلد ہو جاتا ہے، جس طرح آنکھ جھپکنے میں دیر نہیں لگتی اسی طرح قیامت برپا ہونے میں اس کے حکم کے بعد دیر نہ ہوگی۔ اور نیز عالمِ خلق کو انا کل شیء خلقنہ بقدر میں ذکر کیا تھا پس مناسب تھا کہ عالمِ امر کو بھی ذکر کرتے اس لیے وما امرنا الا واحدۃ ذکر کیا۔

پھر جب اپنا خالق اور عالمِ امر کا مالک ہونا ثابت کیا گیا تو اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ اجزا و سزا دینے کے پیرائے میں) ثابت کرتا ہے فقال ولقد اھلکنا اشیاعکم فھل من مدکر کہ ہم نے اپنی قدرتِ جبروت سے سے کفارِ قریش تم جیسے بہت لوگ غارت کر دیے پھر کوئی سمجھنے والا ہے۔ یعنی پھر تم کو کیا امن ہے اور کون سی بات حاصل ہے جو ہلاکی سے مانع آئے گی؟

اس کے بعد اپنا بے انتہا علم ثابت کرتا ہے جو عدالت وجزا و سزاء اعمال کے لیے اور وہ بھی دوسرے عالم میں پر ضرور ہے۔ فقال وکل شیء فعلوہ فی الزبر کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب دفترِ اعمال میں موجود ہے اور ہر بات لکھی ہوئی ہے۔ اس لکھنے اور دفترِ اعمال کی کیفیت ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں کہ وہ لکھنا اس دوات قلم سے نہیں نہ وہ دفتر دنیا کے کاغذوں پر ہے۔

پہلے مجرموں کی کیفیتِ سزا بیان کی تھی اب فرماں برداروں کا انجام نیک بیان فرماتا ہے فقال ان المتقین فی جنّٰت ونھر کہ پرہیزگار جو زیورِ ایمان و اعمالِ صالحہ سے مزیّن ہیں مرنے کے بعد باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ یہ جنتِ جسمانی ہے فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر عمدہ موقع میں خداوند تعالیٰ کے پاس رہیں گے۔ یہ جنتِ روحانی ہے جو متقین میں سے خاص ابرار و احرار کا حصہ ہے۔ مرنے کے بعد ان کی روح حظیرۃ القدس کی طرف عالمِ بالا میں محبوبِ اصلی کے پاس جا کر آرام پاتی ہے۔ تختِ رب العالمین کے داہنی طرف بیٹھنے سے یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس بارگاہِ قدس میں کاش اپنے ابرار کی صفِ نعال ہی میں جگہ دے وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔

سورۃ الرحمٰن

مکیہ ہے اس میں اٹھتر آیات اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ

رحمٰن ہی نے قرآن سکھایا (اور) اس نے

الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④

انسان کو پیدا کر کے بولنا سکھایا (قوتِ ناطقہ عطا کی)

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤ وَّ

سورج اور چاند حساب پر لگے ہوئے ہیں اور

النَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ⑥ وَ

بوٹیاں اور درخت (اسی کے حکم سے) سربسجود ہیں اور

السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦

اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ⑧

تاکہ تم اندازے سے نہ بڑھو

ترکیب

الرحمٰن ذہب قوم الی انہا آیۃ فالمبتدأ محذوف تقدیرہ اللہ الرحمٰن۔ وعلی قول الآخرین الرحمٰن مبتدأ و مابعدہ الخبر۔ خلق الانسان مستانف وکذا علمہ و یمکن ان یکون حالا من الانسان وقد محذوف بحسبان قال الاخفش الحسبان جماعۃ الحساب مثل شہب وشہبان وقیل مصدر مفرد بمعنی الحساب کالغفران والکفران۔ والجار یتعلق بیجریان محذوف والسماء منصوب بفعل محذوف یفسرہ المذکور الا تطغوا لئلا تطغوا فلا نافیۃ وتطغوا منصوب بان وقبلہا لام العلۃ مقدرۃ وقیل ان مفسرۃ لان فی الوضع معنی القول۔

تفسیر

جمہور کے نزدیک یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حسن و عروہ و عکرمہ و جابر و ابن عباسؓ کا قول ہے مگر ابن مسعودؓ و مقاتل کہتے ہیں یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اول قول اصح ہے کیونکہ امام احمد و ابن مردویہ نے اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں رکن[1] کی طرف منہ کیے ہوئے اس سورت کو پڑھتے سنا اور مشرکین فبای آلاء ربکما تکذبان سن رہے تھے۔ یہ اس سے پہلے کا ماجرا ہے کہ حضرتؐ کو صاف صاف سنا دینے کا حکم ہوا تھا۔ انتہی

اس سورت میں بھی انہیں تینوں اہم مسائل کا بڑے لطف و خوبی کے ساتھ اثبات ہے اور کن کن معانی خیز اور دل پر اثر کرنے والے پیارے پیارے الفاظ اور عرب کی میٹھی بول چال میں خاص انہیں کے مذاق کے موافق مکرر جملے لا کر ان کو دل نشین فرمایا ہے۔

شعرائے عرب بلکہ عجم چند اشعار مختلف المضامین کے بعد ایک بند بطور مسدس یا مخمس کے ایک اشتراک خاص ملحوظ رکھ کر مکرر لایا کرتے ہیں جس سے اس مضمون کی خوبی دوبالا ہو جاتی ہے اور طبیعت سامع جو کسی قدر غافل ہو جاتی ہے اس پر ایک کوڑا سا تنبیہ کرنے کے لیے پڑ جایا کرتا ہے اس سورت میں وہ بند فبای آلاء ربکما تکذبان[2] ہے جو ہر ایک جان بخش مضمون کے بعد مکرر آ کر مطالب میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس بات کا لطف انہیں کو زیادہ آتا ہے جو کچھ مذاق سخن بھی رکھتے ہیں۔ عبارت کا دلکش ہونا بھی اثر کلام میں بڑی تاکید کرتا ہے۔

پہلا مسئلہ جو من جملہ اصول کے ایک بڑی اصل ہے اثبات نبوت و قرآن کا من جانب اللہ ہونا ہے اس لیے اس سورت میں سب سے اول اس کو کس لطف کے

[1] رکن خانہ کعبہ کے ایک گوشہ کا نام ہے ۱۲ منہ

[2] یہ جملہ اس سورت میں اکتیس[31] جگہ آیا ہے۔ آٹھ بار اس کی نعمتیں اور عالم علوی و سفلی کے عجائبات قدرت ذکر کرنے کے بعد اور سات بار بہ تعداد ابواب جہنم دوزخ کے شدائد ذکر کرنے کے بعد کیونکہ مومنین سے ان بلاؤں کا دفع کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور آٹھ بار دو جنت اور ان کے نعماء اور ان کے رہنے والوں کے حسن و جمال ذکر کرنے کے بعد بعدد ابواب جنت کہ وہ بھی آٹھ ہیں اور آٹھ بار ان کے سوا اور دو جنتوں کی کیفیات بیان کرنے کے بعد جس میں اشارہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے گا نیک کام کرے گا وہ دوزخ کے ساتوں دروازوں سے امن میں رہے گا اور دونوں جنتوں کے نعماء حاصل کرے گا۔ اس جملہ کے بعد سن کر یہ کہنا چاہیے لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد ۱۲ منہ

ساتھ بیان فرماتا ہے۔

فقال الرحمٰن علّم القرآن کہ رحمٰن نے قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا ہے نہ اس نے اپنے جی سے بنا لیا ہے نہ کسی جن و خبیث کا شیطانی کلام ہے' الرحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم و نزول اس کی رحمت خاصہ کا مقتضیٰ ہے کیوں کہ اس وقت مشرق و مغرب تک دنیا تاریک و خراب ہو رہی تھی دنیا گمراہیوں کے دریائے بے کنار میں غوطے کھا رہی تھی اس کی رحمت کب اس ورطۂ ہلاکت میں چھوڑتی' اس لیے آپؐ نے قرآن تعلیم کیا جو ان ڈوبنوں کے لیے نجات کی کشتی اور ان اندھیریوں کے قعر میں مبتلاؤں کے واسطے آفتابِ ہدایت ہے۔

اور الرحمٰن کے مقدم کرنے نے اس بات کو اور بھی واضح کر دیا۔ یہ بات بھی ثابت کر دی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بظاہر اُمّی تھے یعنی کسی کے شاگرد نہ تھے وہ خاص تلمیذِ رحمٰن تھے۔ خلق الانسان علّمہ البیان اس میں اپنی رحمتِ خاص کا ذکر کرتا ہے کہ انسان کو اس نے اپنی رحمت سے پیدا کیا اور پیدا کر کے دیگر حیوانات کی طرح گونگا نہ چھوڑا بلکہ اپنی مہربانی سے اس کو بولنا سکھایا۔ پھر جس نے انسان کو بولنا سکھایا وہ رحمٰن بندوں کے درست کرنے کے واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کیوں نہ سکھاتا؟

اور تعلیم بیان ہی پر اس کی رحمت کا ظہور منحصر نہیں بلکہ اس نے انسان کے فائدے کے لیے الشمس والقمر بحسبان چاند اور سورج کو حساب میں لگا رکھا ہے یعنی وہ اس معین اور اندازے کی چال سے چلتے ہیں کہ جن سے سال اور مہینوں کا حساب درست ہوتا ہے۔ یوں ہی بے تُک حرکت نہیں کرتے ہیں وہ اس کے حکم جبروت کے مسخر ہیں اور یہ گردش ان کی اُس معبودِ حقیقی کا طواف اور قربان ہونا بھی ہے۔ دیکھو یہ انسان کے حق میں بھی اس کی کیسی رحمت ہے اور عالم میں اس کا کیسا حکومت و انتظام جلوہ گر ہے۔ اور انہیں پر کیا موقوف ہے و النجم والشجر یسجدان زمین کی بیلیں اور درخت بھی اس کے آگے جھکتے ہیں۔ نجم اس پیڑ کو کہتے ہیں کہ جو اپنی ساق پر کھڑا نہ ہو بلکہ زمین یا کسی چیز پر پھیلا ہوا ہو اور شجر اس کے برخلاف جو اپنی ساق پر کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کا انقیادِ فطری ہے۔ حسن و مجاہد کہتے ہیں نجم سے مراد آیت میں آسمان کے ستارے ہیں ان کا سجود بھی وہی انقیادِ فطری اور طلوع و غروب ہے۔

والسماء رفعھا۔ اور آسمان کو بلند کیا یہ بھی من جملہ انتظامِ عالم کے ایک بات ہے۔ ان سب باتوں میں علویات سے لے کر عالمِ سفلی تک اس کی رحمت کا ظہور و جبروت کا اعلان تھا اور یہ بات چاہتی ہے کہ ایسا قادر رحیم و کریم اپنے اشرف المخلوقات انسان کو ایسی بری حالت میں کیونکر چھوڑتا اور اس کے پاس نبی و کتاب نہ بھیجتا چنانچہ ان سب بیانوں کے بعد آپ ہی اس نتیجہ کو اگلے جملے میں ظاہر فرماتا ہے:۔

و وضع المیزان اور اس رحمٰن نے دنیا میں ترازو یعنی عدل قائم کیا۔ مجاہد و قتادہ و سدی کہتے ہیں میزان سے مراد عدل و انصاف زمین پر قائم کرنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ سے قائم ہوا یعنی قانونِ انصاف قائم کیا جو بواسطہ وحی و الہام انبیاء علیہم السلام خدا نے دنیا میں قائم کیا اور یہی وجہ نبوت قائم کرنے کی ہے الا تطغوا فی المیزان تاکہ تم اس انصاف کرنے میں حد سے نہ بڑھو ہر شخص اپنے اپنے حقوق پر قائم رہے دوسرے کی حق تلفی نہ کرے باہمی معاملات سے لے کر عبادات و توحید تک۔ وہ قانونِ الٰہی قرآن مجید ہے جس میں سب معاملات و عبادات و طہارت و نجاست' بیع و شراء کے قوانین'

ماں باپ کے حقوق، تربیتِ اولاد کے احکام، زن وشو کا دستور العمل، حسنِ معاشرت کے طریقے، عبادت و تزکیۂ نفس کے رستے، دارِ آخرت کی بقا، دنیا کی فنا، انسانی جذبات کے جزرومد، اس کی عمر گراں مایہ کا نتیجہ، حاکم و محکوم، بادشاہ و رعیت کے ضوابط بخوبی مندرج ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بیان میں روحانی برکت اور تحریک دلانے والا بے انتہا اثر بھی ہے۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا

اور انصاف سے تولو اور تول

الْمِيزَانَ ﴿٩﴾ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا

نہ گھٹاؤ اور اسی نے زمین کو لوگوں کے (فائدے)

لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ

لیے بچھایا اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں

ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو

جن کے پھل گابھوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور اس میں بالوں میں لپٹے

الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ

اناج اور خوشبودار پھول (بھی ہیں) پھر تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ

کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اس نے انسان کو ایسی

مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ

کھرکھری مٹی سے بنایا جیسا کہ ٹھیکرا اور جن کو

الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ ﴿١٥﴾ فَبِأَيِّ

شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا پھر تم اے

آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٦﴾ رَبُّ

جن وانس اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے وہ دو مشرق

الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾

اور دو مغرب کا مالک ہے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٨﴾

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

ترکیب

ولا تخسروا بضم التاء ای ولا تنقصوا الموزون وقیل التقدیر فی المیزان۔ ویقرء بفتح التاء والخاء والاول اصح۔ للانام یتعلق بوضعہا والحب بالرفع عطفاً علی النخل والریحان کذلک ویقرء بالنصب ای خلق الحب کالفخار لغت لصلصال من نار لغت لمارج رب المشرقین ای ہو وقیل ہذا مبتدأ وخبرہ مرج الاکمام جمع کم بالکسر وہو وعاء الثمر اصلہ یطلق علی ما ستر شیئاً ومنہ کم القمیص بالضم۔

تفسیر

پہلے بطور علت وسبب کے عدل قائم کرنا بیان فرمایا تھا اب بصراحت حکم دیتا ہے واقیموا الوزن بالقسط کہ دنیا میں انصاف کی ترازو سے تولو۔ یہ حکم بڑا اوسع المعنی ہے جس میں اشیاء کا انصاف سے تولنا بھی داخل ہے اور عموماً ہر بات میں حق بات کہنا اور حق پر عمل کرنا اور عبادت و معاملات میں حقوق العباد سے لے کر حقوق اللہ تک بلکہ اپنے نفس کے حقوق دنیاوی اور دینی سب میں انصاف کی ترازو ہاتھ میں رکھنے اور تولنے کا حکم ہے۔ بات چیت کرنے اور چلنے پھرنے سونے جاگنے میں۔ کیا جامع کلمہ ہے جس میں صدہا حکمت کے خزانے دبے ہوئے ہیں۔ پھر اس کی تائید کی جاتی ہے ولا تخسروا المیزان کہ اس ترازو میں گھٹاؤ نہیں یعنی بے انصافی نہ کرو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

اگر تم ایسا کرو گے تو قیامت میں تمہارے اعمال کی ترازو میں کمی ہوگی پس تم اپنی اس میزان میں کمی کرنے کا سبب نہ ہو۔

سماویات کے بعد عالم سفلی کی ایجاد میں جو کچھ انتظام اور مصلحتیں اور حکمتیں ملحوظ رکھی ہیں ان کو بیان کرکے اپنا قادر و رحیم ہونا ثابت کرتا ہے۔ فقال والارض وضعها للانام کہ زمین کو انسان کے لیے کس طرح سے بچھایا اور ان کے آرام کرنے کے قابل بنایا کہ جس پر بلا کلفت و تکلف بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ نہ وہ ڈگمگاتی ہے نہ ایسی گول ہے کہ جس پر یہ ٹھہر نہ سکیں، اور نہ صرف یہی بات ہے بلکہ فیها فاکهة و النخل ذات الاکمام اس میں انواع و اقسام کے میوے ہیں اور کھجور بھی ہے جس کے پھلوں پر غلاف ہوتے ہیں۔ یعنی میوے ہی پر موقوف نہیں بلکہ ایسے بھی درخت زمین پر پیدا کیے ہیں جن کے پھل کھا کر انسان بغیر اناج کے بھی بسر کر سکتا ہے جیسا کہ کھجور، اور وہ پھل کس حفاظت سے رہتے ہیں کہ گابھے میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کے درختوں کے علاوہ والحب ذو العصف چارے والے اناج اور غلے بھی پیدا کیے جن کے تخم تو انسان کی خوراک ہیں اور ان کے بھُسے اور پتے جانوروں کی جیسا کہ گیہوں، چاول، جو وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ الریحان خوشبو کی چیزیں اور عمدہ پھول بھی پیدا کیے گلاب، موتیا، چنبیلی وغیرہ بلکہ خود ریحان بھی اسی قسم میں داخل ہے جس کے پتوں میں سے خوشبو آتی ہے ان کے پتے اور پھول، خوشبودار اور آنکھوں میں اپنی مختلف رنگتوں سے نور اور سرور بھی پیدا کرتے ہیں۔ ایک پھول ہے کہ سرخ کوئی گلابی کوئی زرد کوئی کاسنی کوئی اودا کوئی سفید، پھر ایک پیڑ میں مختلف الوان کے پھول بلکہ ایک پھول میں مختلف رنگتیں پھر یہ گل کاری اس صانع مطلق نے تمہارے لیے کی ہے تم شکریہ ادا کرو۔ فبای الاء ربکما تکذبن اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

آلاء جمع ہے الی و الی کی جس کے معنی ہیں نعمت و احسان کے۔ ربکما تکذبن میں تثنیہ کا صیغہ جن و انس کی طرف خطاب کے لیے آیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے سنفرغ لکم ایها الثقلان اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ میں نے اس سورت کو جنوں کے سامنے پڑھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خطاب انسان کی طرف ہے اور عرب خطاب میں صیغۂ مفرد کو تثنیہ کرکے بول دیا کرتے ہیں۔

یہاں تک جس طرح مسئلہ نبوت کا اثبات تھا اسی طرح دوسرے مسئلہ توحید کا بھی کامل اثبات کر دیا گیا اس طور پر کہ جس نے اناج اور پھل پھول اگائے وہی تنہا معبود برحق ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ سہیم

اس کے بعد انسان اور جن کی پیدائش کا ذکر کرکے دونوں مسئلوں کو قوت دیتا ہے فقال خلق الانسان من صلصال کالفخار۔ صلصال خشک مٹی کھنکھناتی۔ صلصلۃ کے معنی ہیں آواز کھن کھن کی جو سوکھی مٹی میں سے آتی ہے اس لیے اس کو صلصال کہتے ہیں۔ فخار ٹھیکری۔ صلصال بالفتح گل باریک آمیختہ یعنی غریزن فاذا طبخ بالنار یقال الفخار (صراح) آدمی کی پیدائش متعدد آیات میں بیان ہوئی ہے آل عمران میں من تراب اور حجر میں من حما مسنون اور صٰفٰت میں طین لازب آیا ہے اور ایک جگہ ماء مهین آیا ہے اور اس جگہ صلصال کالفخار آیا ہے۔ ان میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر دراصل کچھ اختلاف نہیں، کیوں کہ روایات اہل اسلام کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا قالب خشک مٹی سے بنایا گیا جو کھنکھناتی اور ٹھیکرے کی مثال تھی پھر اس کو مہین کرکے پانی سے گوندھا وہ طین لازب گارا ہوگئی۔ پھر جب خمیر اٹھ گیا تو حما مسنون ہوگئی اور اس کے بعد اس کی اولاد کا سلسلہ ماء مهین (منی) سے جاری ہوا۔

وخلق الجانّ من مارج من نار اور جانّ یعنی جنوں کے جداعلیٰ کو آگ کے شعلہ سے بنایا۔ مارج آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ جس طرح انسان عناصر سے بنا ہے جن بھی عناصر سے بنا ہے مگر جس طرح انسان کا زیادہ مادہ خاک ہے اسی طرح جن کا آتش ہے۔ اسی لیے وہ لطافت کی وجہ سے حسِ بصر سے محسوس نہیں ہوتا اور سریع الحرکات و خفیف ہوتا ہے۔ پھر ان کی بہت سی اقسام ہیں جیسا کہ ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی تاویل کرکے وجودِ جنّ کے منکر کہاں ہیں جو بہ تقلید فلاسفۂ حال جنّ کا انکار کرتے ہیں اور اس کو بھی انسانوں کی ایک جنگلی قوم بلحاظ لفظِ جنّ قرار دیتے ہیں وہ یہاں کیا کریں گے یہاں تو انسان کے مقابلہ میں دوسری قوم بیان ہوئی اور ان کا مادہ بھی بیان فرمادیا فبای الاء ربکما تکذبٰن اے انسان و جن تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤگے؟

رب المشرقین ورب المغربین دو مشرق اور دو مغرب کا رب۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں جاڑے میں آفتاب اور جگہ سے اور گرمی میں اور جگہ سے طلوع کرتا ہے اس ظاہر فرق کے لحاظ سے مشرقین یعنی دو مشرق کہتے ہیں۔ اسی طرح دونوں موسموں میں غروب بھی دو جگہ سے معلوم ہوتا ہے اس لیے مغربین یعنی دو مغرب کہے جاتے ہیں، ورنہ ہر روز آفتاب کا طلوع و غروب دوسری جگہ سے ہوتا ہے جس لیے رب المشارق والمغارب کہا جاتا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ⑲ بَیْنَھُمَا
اس نے دو دریا ملے جلے چلائے ان میں پردہ

بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ⑳ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
(رکھ دیا) ہے جس سے بڑھنے نہیں پاتے پھر تم اپنے رب کی کس

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ㉑ یَخْرُجُ
کس نعمت کو جھٹلاؤگے ان دونوں

مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ㉒
میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ㉓
پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤگے

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ
اور دریا میں پہاڑوں جیسے کھڑے ہوئے جہاز

کَالْاَعْلَامِ ㉔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
اسی کے ہیں پھر تم اپنے رب کی کس کس

ع ۲۵ ۱۱ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ㉕
نعمت کو جھٹلاؤگے۔

ترکیب

المرج الارسال یقال مرجت الدابۃ اذا ارسلتھا یلتقیٰن حال وبینھما برزخ حال من الضمیر فی یلتقیٰن ولا یبغیٰن حال ایضا یخرج قالوا التقدیر من احدھما الجوار جمع جاریۃ وھی السفن وحذفت الیاء المنشئٰت من انشاہ اذا رفعہ المرفوعات وقری بکسر الشین وفی البحر یتعلق بہ کالاعلام جمع علم وھو الجبل الطویل۔ حال من الضمیر فی المنشئٰت

تفسیر

ان آیات میں دوسرے مسئلہ توحید کو ثابت کر رہا ہے۔ مگر جہاں کہیں قرآن مجید میں اپنے دلائل قدرت و جبروت ذکر کرکے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے دلائل میں وہی چیزیں بیان فرمائی ہیں کہ جو بندوں کے لیے انعام اور

کارآمد چیزیں ہیں، یہ اس لیے کہ انسانی جبلت انعام کی وجہ سے منعم کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے ان آیات میں بھی وہی قاعدہ ملحوظ ہے۔

نقال مرج البحرین یلتقیٰن بینھما برزخ لا یبغیٰن کہ اس قادرِ مطلق نے دو دریا رواں کیے جو ملے ہوئے چلتے ہیں اور باہم مختلط نہیں ہونے پاتے، ان میں ایک قدرتی برزخ یعنی پردہ رکھا ہوا ہے جس سے دونوں باوجود اتصال کے خلط ملط نہیں ہونے پاتے یہ دو دریا کس کے بس میں ہیں اور کس کی حکومت ان پر نافذ ہے؟ اسی قادرِ مطلق کی۔

ان دو دریا سے کون سا دریا مراد ہے؟ ابن جریج کہتے ہیں بحرِ شور یعنی سمندر اور زمین کی میٹھی ندیاں مراد ہیں جیسا کہ نیل، جیحون، دجلہ، فرات، گنگ وغیرہ۔ جب یہ سمندر میں گرتے ہیں کوسوں تک دونوں پانی جدا جدا ممتاز معلوم ہوتے ہیں، دو دھاریں الگ معلوم ہوتی ہیں، رنگت میں بھی اور پانی کے میٹھے کھاری پنے میں بھی۔ بعض کہتے ہیں خود سمندر ہی کے مختلف ٹکڑے مراد ہیں بحرِ فارس وروم وغیرہ۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ لفظ میں تعمیم ہے، یہ بھی مراد ہیں اور ان کے ساتھ اور بھی دریا مراد ہیں جیسا کہ دریائے ملکیت وبہیمیت جو ایک میٹھا اور ایک کھاری ہے۔ انسان کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں اور مختلط ہونے نہیں پاتے اور ان سے بعد تہذیب وشائستگی حاصل کرنے کے عمدہ نتائج پیدا ہوتے ہیں جن کو موتی اور مونگا کہنا چاہیے اور اسی طرح انسان کی ہر متضاد قوتیں مراد ہو سکتی ہیں جن کے دریا اس کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں۔

موتی سیپ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور مونگا ایک قسم کا پتھر ہے جو درخت کی طرح شاخیں نمودار کرتا ہے وہ بھی سمندر سے برآمد ہوتا ہے، موتی سفید، یہ سرخ، کیا قدرت ہے؟

یہ تو تھا ہی اور قدرت کا تماشا دیکھو ولہ الجوار المنشئٰت فی البحر کالاعلام کہ بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز اور آگ بوٹ پہاڑ جیسے سمندر میں کھڑے ہیں، پانی کی طبیعت تھی کہ ڈوب جائیں مگر وہ قادرِ مطلق نہیں ڈوبنے دیتا، اس کے سامان پیدا کر کے ان کو سمندر میں ایسا دوڑاتا پھراتا ہے کہ جس طرح زمین پر گھوڑے دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک اپنی قدرت وجبروت عناصر پر ثابت کی کہ جن کو اوہام پرستوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے ہنود آگ اور پانی کی پرستش کرتے ہیں اور پانی کی مایہ بناتے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقَىٰ

جو کوئی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے اور (صرف) ایک ا

وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور بزرگی والا ہے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٨﴾

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

اسی سے مانگتے ہیں آسمانوں والے اور زمین والے

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِأَيِّ

ہر دن اس کی (ایک) نئی شان ہے پھر تم اپنے

آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ

رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اے جن وانس ہم

لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ ﴿٣١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ

ابھی تمہارے کام سے فارغ ہوئے جاتے ہیں پھر تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٢﴾ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَ

کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اے جنوں اور

الْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا
آدمیوں کے گروہ اگر تم آسمانوں اور زمین

مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو

فَانفُذُوا ۚ لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ﴿٣٣﴾
تو نکل جاؤ (کچھ ایسا ہی) زور ہو تو نکل سکتے ہو (لیکن وہ ہے نہیں)

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٤﴾
پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ ۙ
تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا

وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ
پھر تم دفع نہ کر سکو گے پھر تم اپنے

آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٦﴾
رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

ترکیب

فان خبر لکل من. ذو الجلال بالرفع علی انہ نعت للوجہ وبالجر نعتا للمجرور. یسئلہ مستانف اوحال من وجہ العامل فیہ یبقی. کل ظرف لما دل علیہ ھو فی شان لا تنفذون لا نافیۃ شواظ بالضم والکسر لغتان ھو اللھب الذی لا دخان معہ من نار صفۃ او متعلق بالفعل نحاس بالرفع عطفا علی شواظ وبالجر عطفا علی نار والاول اقوی۔

تفسیر

دلائل توحید میں عالم اور اس کی عمدہ اور نافع چیزیں پیدا کرنے کا ذکر تھا تاکہ معلوم ہو کہ یہ عالم قدیم نہیں بلکہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، اس کے بعد عالم فنا کرنے کی قدرت بیان کرتا ہے اور ان کے فنا کرنے میں اپنی قدرت و جبروت ظاہر فرما کر تیسرے مسئلہ حشر کو بھی اسی کلام کے دوسرے پہلو میں ثابت فرماتا ہے کہ وہی پیدا کرنے والا وہی مٹانے والا ہے:۔

فقال کل من علیہا فان کہ جو کچھ زمین پر ہے فانی ہے۔ اس تقدیر پر آیت میں جنت و دوزخ کی تخصیص کرنا بے فائدہ ہے کس لیے کہ وہ زمین ہی پر نہیں ان کا فنا کرنا یہاں مذکور نہیں۔

ویبقی وجہ ربک اور اے مخاطب تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو ذوالجلال والاکرام عزت و جلال والا ہے۔ وجہ سے مراد اس کی ذات اور اس کا وجود ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ربک میں واحد حاضر کی طرف خطاب اس رمز کے لیے ہے کہ اے محمد! اصلی مخاطب تم ہو، تم ہی اس بات کو سمجھتے ہو، تمہارا رب جیسا کچھ ہے تم ہی اس کو خوب جانتے ہو کہ وہ حی قیوم ازلی ابدی ہے اور اس کے سوا ممکنات فی ذاتہا فانی ہیں ان کی حیات ان کا وجود مستعار ہے۔ دنیا کی فنا بھی انسان کے لیے اس کی بڑی نعمت ہے کیوں کہ اس کے فنا ہونے کے بعد عالم باقی میں جانا میسر آئے گا جو بڑی نعمت ہے۔ عرفا نے سچ کہا ہے موت پل ہے جو دوست کو دوست تک پہنچا دیتی ہے، اس کے علاوہ انسان کا رنج اور متکبروں کا جاہ و حشم فانی پر غرور اور ان کی کامرانی کی انتہا اور ایک محدود زمانہ دیکھ کر مومن کے دل میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے، یہ بھی ایک اس کی بڑی نعمت ہے جس لیے فرماتا ہے فبای آلاء ربکما تکذبن۔

ایجاد اور فنا کے بعد یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ بات نہیں کہ ہم نے ایک بار عالم کو پیدا کر دیا پھر سب کچھ آپ ہی ہو رہا ہے اور ایک روز ہم فنا کر دیں گے بس ہمارے کام کے یہی دو روز ہیں اور بیچ میں ہم کچھ نہیں کرتے جیسا کہ

بعض اقوام کا خیال ہے بلکہ یسئلہ من فی السمٰوٰت و الارض کل یوم ھو فی شان کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے خواہ بزبانِ حال خواہ بزبانِ مقال اسی سے مانگتے ہیں اور وہ ہر روز نئی شان میں ہے، اس کی شان بے انتہا ہیں جن کا وہ وقتاً فوقتاً اظہار کرتا ہے۔ عبداللہ بن منیبؓ صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے روبرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ہم نے پوچھا یا حضرت شان سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ یہ کہ وہ گناہ بخشتا ہے اور غم دور کرتا ہے اور کسی قوم کو بلند اور کسی کو پست کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں۔ اور ابن جریر و طبرانی و ابو الشیخ و ابن مندہ و ابن مردویہ و ابونعیم و ابن عساکر نے۔ اور ابودرداءؓ سے یہی حدیث اپنی تاریخ میں بخاری نے و ابن ماجہ وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ حق سبحانہ کی شیون اور اس کی نئی نئی تجلیات کا عالم میں ظہور ہوتا ہے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور آیندہ ہوگا اور قیامت میں ہوگا سب اس کی ایک ایک شان کا جلوہ ہے۔ وہ بے کار اور نکما نہیں کہ دنیا کو پیدا کر کے آپ بے کام بن بیٹھا جیسا کہ بعض حکما۔ اور ہنود اور دیگر اہلِ مذاہب کا خیال ہے خصوصاً حکمائے فرنگ کا۔

اس کے بعد پھر دارِ آخرت کے مسئلہ میں اپنی شان بیان فرماتا ہے سنفرغ لکم ایہ الثقلٰن زجاج و کسائی و ابن الاعرابی و ابوعلی فارسی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں فراغ سے مراد وہ فراغ نہیں جو کام کے بعد ہوتا ہے کس لیے کہ اس کا کوئی ایسا شغل نہیں کہ جس سے فارغ ہونا کہا جائے اور نہ اس کی کوئی شان دوسری شان کو روکتی ہے بلکہ مراد ہے قصد کرنا۔ ثقلان ثقل کا تثنیہ ہے جس سے مراد جن و انس ہیں۔ ثقل بوجھ کو کہتے ہیں۔ انسان و جن احکام الٰہی کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں اس لیے ان کو ثقلان کہتے ہیں یا اس لیے کہ یہ بہ نسبت اور حیوانات کے بھاری بھرکم یعنی ذی عزت عاقل ہیں۔ یا اس لیے کہ یہ گناہوں کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ یہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ لکم میں جمع کا صیغہ لا کر پھر خطاب میں ایہ الثقلٰن تثنیہ کا صیغہ لایا اس لیے کہ وہ دو فریق ہیں اور ہر فریق جماعت ہے۔ بعض کہتے ہیں ثقلان سے مراد نیک و بد انسان ہیں۔ یا عالم ناسوت و ملکوت کے لوگ۔ یہ خلافِ جمہور ہے۔ یعنی اے جن و انس کیوں حساب و قیامت کے بارے میں جلدی کرتے ہو ہم ابھی تمہارا کام کیے دیتے ہیں، یہ دیر ہمارے نزدیک کچھ بھی دیر نہیں۔ اس میں تہدید ہے منکرانِ قیامت کے لیے، یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے کہ اس سے بد ڈر کر بدی سے باز آئے اور نیک نیکی میں سرگرمی کرے، اس لیے فرماتا ہے فبای اٰلاء ربکما تکذبٰن۔

اس کے بعد یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک ہماری قدرت کے احاطہ میں ہے کوئی اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ فقال یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا کہ اے ثقلانِ جن و انسان کے گروہ اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ لا تنفذون الا بسلطٰن نکل نہ سکوگے مگر قوت کے ساتھ اور وہ قوت تم میں کہاں ہے بلکہ کسی میں بھی نہیں۔ تم سب اس کی قدرت کے احاطہ میں بند ہو، وہ جو احکام چاہتا ہے دنیا میں نافذ کرتا ہے، کوئی ان پیش آنے والے حوادث کو ٹال نہیں سکتا اور آخرت میں تم پر اپنے احکام جبروتی نافذ کرے گا۔ یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس فلا تنتصرٰن۔ شواظ، ابن عباسؓ کہتے ہیں شواظ آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں۔ نحاس، مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا جو قیامت میں دوزخیوں پر ڈالا جائے گا سعید بن جبیر و ابن عباسؓ کہتے ہیں نحاس دھواں جو جہنمیوں پر چھوڑا جائے گا۔ یعنی قیامت میں اے جن و انس کے مجرمو! تم پر شعلہ آتش اور دھواں چھوڑا

جاوے گا جس کو تم دفع نہ کر سکو گے۔ اس بیان میں بھی بوجہ تہدید ہونے کے جس سے انسان بدی سے بچ کر نیکی کا رستہ اختیار کرنے میں سرگرم ہو جائے بڑی نعمت واحسان ہے جس لیے ان شدائد قیامت کے ذکر کرنے کے بعد بھی فبای آلاء ربکما تکذبٰن کا لانا ایک عمدہ مناسبت رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً
پھر جب کہ آسمان پھٹ جائے اور پھٹ کر گلابی تیل
كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
کی طرح سرخ ہو پھر تم اپنے رب کی کس کس
تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ
نعمت کو جھٹلاؤ گے پھر اس دن نہ کسی آدمی سے
عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ
گناہ کی پرسش ہوگی اور نہ جن کی پھر تم
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ
اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے گنہ گار ان کے
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ
چہروں سے پہچانے جائیں گے پھر تو پٹے اور ٹانگیں پکڑ کر
وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
گھسیٹے جائیں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو
تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ
جھٹلاؤ گے (کہا جائے گا) یہ ہے وہ جہنم کہ جس کو
يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ
گنہ گار جھٹلایا کرتے تھے گنہ گار جہنم
بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ
میں اور کھولتے ہوئے پانی میں تڑپتے پھریں گے پھر تم اپنے رب
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾
کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب

فاذا شرط فکانت جواب الشرط وقیل جوابہ فیومئذ الخ فکانت علی ہذا عطف۔ وقیل جوابہ محذوف ای رایت امرا مہولا کالدہان جمع دہن کقرط و قراط ورمح و رماح۔ وقیل اسم مفرد کالحزام والادام۔ خبر ثان علی کان الناقصۃ وحال علی تقدیر کونہا تامۃ عن ذنبہ و الضمیر للانس باعتبار اللفظ وان تاخر لفظا تقدم رتبۃً۔ والاخذ یستعمل بالباء تارۃً وبغیرہا تارۃً یقال اخذت الخطام و اخذت بالخطام قالہ الکرخی یطوفون حال من المجرمون ویجوز ان یکون مستانفا ان اسم فاعل منقوص کقاض قال الزجاج آنی یانی فہو آن اذا انتہی فی النضج والحرارۃ۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا یرسل علیکما شواظ من نار کہ تم پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا۔ اب یہاں اس کا وقت بیان فرماتا ہے کہ یہ کب ہوگا؟ یعنی قیامت میں اس لیے قیامت کی تشریح کرتا ہے کہ وہ کب ہوگی اور کیونکر؟ اور تیسرے مسئلہ معاد کا بھی ذکر کرنا مقصود تھا مگر اسی سلسلہ میں:۔

فقال اذا انشقت السماء کہ جس دن آسمان پھٹ جائیں گے پھر وہ گلابی ہو جائیں گے جیسا کہ سرخ چمڑا۔ فکانت وردۃ کالدہان کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں وردۃ سرخی مائل گھوڑے کی طرح ان کا رنگ ہو جائے گا۔ صراح میں ہے وردہ بالفتح گل وردۃ یکے وقیل للاسد ورد ولدنہ وللفرس ایضا

وہو بن الکمیت والاشقر وللانثی وردۃ والجمع وُرد مثل جون وجُون ووراذ ایضاً وُرودۃ گلگوں شدن۔ دُہن بالضم روغن وباران ضعیف۔ دِہان جمع۔ دِہان بالکسر ایضاً ادیم سرخ۔ (صراح)

یہ اختلاف دھان کے لفظی معنی پر مبنی ہے۔ فراء و ابو عبیدہ کہتے ہیں اُس وقت شدتِ حرارت کی وجہ سے آسمان سرخ ہو جائے گا۔ حسن کہتے ہیں کہ جس طرح تیل کو پانی میں ڈال دیتے ہیں اور اس میں سرخی مائل مختلف ٹکڑے نظر آیا کرتے ہیں، قیامت کے دن آسمانوں کا بھی حال ہو جائے گا۔ پہلے قول کی علت گازرونی و عمادی وغیرہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اصلی رنگت آسمان کی قدماء کے نزدیک سرخ ہے لیکن بُعدِ مسافت اور کثرتِ حوائل وحواجز اور ہمارے اور اس کے بیچ میں ہوا آجانے کی وجہ سے نیلگوں دکھائی دیتا ہے جیسا کہ عروق میں خون باوجود سرخ ہونے کے نیلگوں دکھائی دیا کرتا ہے۔

ایسا ہو مگر فلسفۂ جدید یا قدیم کے مطابق کرنے میں ہم کو اس قدر موشگافی کرنے کی حاجت ہی کیا ہے خواہ آسمانوں کی اصلی رنگت سرخ ہو یا نیل گوں یا کوئی بھی رنگت نہ ہو بوجہ شفاف ہونے کے۔ یہ نیلی چھتری صرف کرۂ ہوا کے سبب ہم کو نظر آیا کرتی ہے۔ اور چونکہ آسمان کے تلے یہ چھت گیری ہم کو دکھائی دیتی ہے اور اسی لیے ہم اسی کو آسمان کہتے ہیں یا جو کچھ ہو قرآن مجید کا صاف مطلب اسی قدر سے متعلق ہے کہ قیامت کے روز آسمان پھٹ جائیں گے یعنی خراب ہو جائیں گے اور اس صدمۂ عظیم کے وقت سرخی نمودار ہو گی۔ یہ آسمان سرخ ہو جائے گا اس کے قہر وجبروت کے آثار اس پر ظاہر ہوں گے اور وہ خونی لباس سے ملبوس ہو گا۔ یہ بھی اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ آسمان فنا نہ ہوں تو عالم قدس

آباد نہ ہو، اس لیے فرماتا ہے فبای اٰلاء ربکما تکذبٰن کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟۔

پھر اس روز مجرموں کے ساتھ کیا ہو گا فقال فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان کہ اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی بابت کچھ نہ پوچھا جائے گا[1] یہ بڑی تہدید ہے جس سے عاقل گناہ سے بچنے میں بڑی کوشش کر سکتا ہے اس لیے یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے فبای اٰلاء ربکما تکذبٰن اس کے بعد ان پوچھے نہ جانے کا سبب بیان فرماتا ہے فقال یعرف المجرمون بسیمٰہم فیؤخذ بالنواصی والاقدام کہ گنہ گار ان کے چہروں سے خود پہچانے جائیں گے، گناہوں کا داغ اور اس کی سیاہی ان کے منہ پر خود بخود کہہ دے گی یہ گنہ گار ہے پھر پوچھنے کی کیا حاجت؟ پھر ان کے سر کے بال اور ٹانگیں پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا النواصی جمع ناصیہ ماتھے کے بال۔

یہ کلام بھی بڑی تہدید کا ہے جو انسان کو سعادت کے رستہ پر کھینچ کر لانے والا ہے اس لیے یہ بھی ایک نعمت ہے

[1] اس قسم کی آیات کی کہ جہاں نہ پوچھے جانے کا ذکر ہے وہ آیات مخالف نہیں کہ جہاں سوال کرنے کا ذکر آیا ہے جیسا کہ یہ آیت فوربک لنسئلنھم اجمعین کہ تیرے رب کی یعنی اپنی قسم کہ ہم ہر ایک سے ضرور ہی پرسش کریں گے کس لیے کہ یہ سوال کرنا ایک مقام خاص پر مراد ہے اور نہ سوال کرنا دوسری جگہ ہو گا۔ یا یہ کہ وہ سوال کرنا بطور دریافت کرنے کے نہ ہو گا بلکہ سرزنش اور تہدید کے طور پر اور یہاں بھی سوال نہ کیے جانے سے یہی مراد ہے کہ بطور دریافت کے سوال نہ ہو گا کس لیے کہ ان کے چہروں سے معلوم ہو جائے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔

فبای الاء ربکما تکذبن - پھر ان دوزخیوں سے کہا جائے گا ھذہ جہنم التی یکذب بها المجرمون کہ یہ وہی تو جہنم ہے کہ جس کو یہ گناہ گار دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ یطوفون بینها و بین حمیم آن - اب یہ حال ہے کہ وہ گنہ گار اس دوزخ میں اور اس کے اندر جو گرم اور کھولتا ہوا پانی ہے اس میں پھر رہے ہیں جس کا انکار تھا وہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

احادیث صحیحہ میں جہنم کے عذابوں کا مفصل طور پر بیان آیا ہے۔ نعمان بن بشیر رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب یہ ہوگا کہ اس کی جوتیاں اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے جس سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح پکے گا وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں حالانکہ اس کو عذاب سب سے کم ہوگا (متفق علیہ)

اس مصیبت دردناک سے خدا نے اس کی تدبیر بتلا کر بچنے کا سامان کیا یہ اس کی کیسی نعمت ہے؟ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے فبای الاء ربکما تکذبن انسان جو ان باتوں پر کان نہیں دھرتا ہی تو اس نعمت کا انکار کرنا اور جھٹلانا ہے - یہاں تک مجرموں کی سزا کا بیان تھا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿ج﴾
اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا تھا اس کے لیے دو باغ ہوں گے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ
پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے — وہ دونوں باغ

اَفْنَانٍ ﴿ج﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾
بڑے پھیلے پھولے ہوں گے — پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
ان دونوں میں دو چشمے جاری ہوں گے — پھر تم اپنے رب کی کس کس

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ
نعمت کو جھٹلاؤ گے — (اور) ان میں ہر ایک قسم کے

فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
میوے ہوں گے — پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو

تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍ
جھٹلاؤ گے — تکیہ لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے

بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ
کہ جن کا استر مخملی ہوگا — اور ان باغوں کے میوے جھکے

دَانٍ ﴿ج﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾
پڑتے ہوں گے — پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ
ان میں نیچی نگاہ والیاں عورتیں ہوں گی — کہ جن کو اس سے پہلے نہ کسی

اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ
آدمی نے ہاتھ لگایا ہوگا — نہ کسی جن نے — پھر تم اپنے

اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ
رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے — گویا کہ وہ (رنگت میں)

اَلْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
یاقوت اور مونگا ہیں — پھر تم اپنے رب کی

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ
کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے — نیکی کا بدلہ

اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
سوا اور کیا ہے — پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو

تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾
جھٹلاؤ گے ؟

ترکیب

جنتٰن مبتدا لمن خاف خبرہ مقام ربہ المقام اما اسم مکان ای خاف الموقف الذی یقف فیہ العباد وللحساب کما فی قولہ تعالیٰ یوم یقوم الناس لرب العٰلمین واما مصدر ففیہ احتمالان اما بمعنی قیامہ تعالیٰ علی احوال العباد من قام علیہ اذا رقبہ کما فی قولہ تعالیٰ افمن ھو قائم علیٰ کل نفس بما کسبت واما بمعنی قیام العباد بین یدیہ۔ فعلی الاول اضافۃ الی الرب تفخیماً و تہویلاً۔ وقیل لفظ المقام مقحم ای ولمن خاف ربہ والمعنی لکل خائفین منکما او لکل واحد جنتان۔ ذواتا تثنیۃ ذوات علی الاصل و لامھا تاء (الجلال المحلی) قال ابن الصائغ الالف قبل التاء بدل من یاء وقیل من واو قال الخطیب فی تثنیۃ ذات لغتان الاولیٰ الرد الی الاصل فان اصلہا ذویۃ فالعین واو واللام یاء لانہا مؤنثۃ ذوی والثانیۃ التثنیۃ علی اللفظ فیقال ذاتان۔ وھو صفۃ الجنتٰن او خبر مبتدا محذوف۔ افنان جمع فنن وھی الغصنۃ[1] التی تتشعب من فرع الشجر۔ وقال الزجاج جمع فن[2] کدن وھو الضرب والنوع من کل شیٔ والمراد بہا الالوان وبہ قال عطاء وسعید بن جبیر وجمع عطاء بین القولین فقال فی کل غصن فنون من الفاکھۃ۔ وقیل ذواتا انواعٍ و اشکال من الثمار وقیل الافنان ظل الاغصان علی الحیطان متکئین انتصابہ علی المدح للخائفین او حال منہم لان من خاف فی معنی الجمع وجنا الجنتین مبتدا و دان خبرہ اصلہ دانو مثل غاز فاعل اعلالہ وجنی فعل بمعنی مفعول والجنی[3] ما یجتنی من الثمار قاصرات الطرف من اضافۃ اسم الفاعل الی مفعولہ تخفیفاً لم یطمثھن الضمیر راجع الی الازواج المدلول علیھن بقاصرات الطرف الطمث الجماع وقال ابو عمرو الطمث المس۔

تفسیر

یہاں سے اہلِ سعادت کے منازل بیان فرماتا ہے۔ فقال ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن کہ جو دنیا میں اس بات سے ڈرا کہ مجھے خدا تعالیٰ کے سامنے جانا اور حساب دینا ہے (اور یہی اصول حسنات میں سب سے بڑھ کر ہے یہی نظری اور عملی حسنات پر آمادہ کرتی ہے اور برائیوں سے باز رکھتی ہے) اس کے لیے آخرت میں دو بہشت ملیں گی۔ ایک روحانی دوسری جسمانی اور دو اس لیے کہ ہمیشہ ایک مقام میں رہنے سے طبیعت بجھ جاتی ہے کبھی یہاں کبھی وہاں سیر و تفرج کے لیے ایک گھر دوسرے سیر کا باغ۔ ایک جنت معصیت ترک کرنے کے بدلے میں دوسری طاعت کے بدلے میں۔ یا کہو ایک عقیدۂ پاک کے سبب دوسری اعمال کے سبب۔ یا ایک محض فضلِ الٰہی کے سبب۔ آگے ان دونوں باغوں کا وصف بیان فرماتا ہے ذواتا افنان شاخوں والے یعنی پھلے پھولے ہرے بھرے جن پر خزاں و بادِ صرصر گرمی و سردی کا کبھی اثر نہ ہو فبای اٰلاء ربکما تکذبٰن۔

فیہما عینٰن تجریٰن یہ دوسری صفت ہے کہ ان دونوں میں دو نہر جاری ہوں گی[4] نہایت صاف اور فرحت خیز پانی بلورین پٹریاں اور ان میں منبت کاری کی ہوئی اور پھر کہیں فواروں میں سے پانی کا گرنا کہیں چادروں میں چھٹنا عجب فرحت بخشتا ہے فبای اٰلاء الخ

[1] شاخ ۱۲ [2] قسم ۱۲ [3] چُنے ہوئے میوے ۱۲

[4] ابوبکر وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں عینٰن تجریٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں جو آنکھیں اللہ کی محبت یا خوف میں روتی تھیں وہی جنت میں ہوں گی ان کے آنسو وہاں دو جاری نہر کی صورت میں متشکل ہوں گے۔
ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسلام کی جزا دار السلام ہے۔ دار السلام جنت کا ایک نام ہے ۱۲ منہ

فیھما من کل فاکھۃ زوجان یہ تیسری صفت ہے صرف بہار ہی نہیں بلکہ ہر ایک قسم کے میوے بھی ان میں ہوں گے جو نہ موسم کے تمام ہونے سے تمام ہوں اور نہ فصلوں کے خراب ہونے سے خراب ہوں۔ زوجٰن الصنفان والنوعان والمعنی فی الجنۃ من کل نوع من ثمار الدنیا نوعان۔ یعنی دنیا میں جس قسم کے میوے ہیں ان کی وہاں دو قسمیں ہوں گی رنگت اور ذائقہ اور خوشبو اور چھوٹے بڑے ہونے میں فبای اٰلاء الخ

متکئین علٰی فرش بطائنھا من استبرق۔ تکیہ لگا کر ایسے عمدہ فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کے استر مخمل کے ہوں گے۔ یہ چوتھی صفت ہے کہ پتّوں اور گھاس اور پتھروں پر بیٹھنا نہ پڑے گا بلکہ ایسے عمدہ مقامات بنگلے اور بارہ دریاں اور کوٹھیاں ان باغوں اور نہروں کے اوپر نہایت صنعت کے ساتھ جواہرات سے بنی ہوں گی کہ جن میں ایسے فرش ہوں گے کہ جن کے استر عمدہ ریشمی مخمل کے ہوں گے پھر ان کے اوپر کے رخ کے تو کیا کہنے ہیں دستِ قدرت نے کیا کیا اس میں گل کاری کی ہوگی اور کیسا عمدہ کپڑا لگایا ہوگا۔ بطائن جمع بطانۃ وہ رُخ جو زمین سے ملا ہو۔ استبرق موٹی دیبا یعنی ریشمی مخمل۔

اور یہ بھی نہیں کہ باوجود اس خوبی کے جنت کے میوے ایسے بلند اور مشکل چڑھائی کے درختوں پر اور شاخوں میں ہوں کہ جن کے لیے محنت اٹھانی پڑے بلکہ وجنا الجنتین دان ان کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے ہاتھ بڑھاؤ اور توڑ لو کیسی ہی بلند شاخ ہے جھکی چلی آتی ہے یہ پانچویں صفت ہے۔

عمدہ باغ اور نفیس مکانات اور آراستہ فروش اور عمدہ کھانوں کے بعد انسان کی طبع حسین عورتوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور یہ جلسہ ان سے دوبالا ہوجاتا ہے ایسے عمدہ مقامات پر یہ نہ ہوں تو حظ نہیں، اس لیے فرماتا ہے فیھن قٰصرٰت الطرف لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان یہ چھٹی صفت ہے کہ وہاں ایسی نیک ستیّبر عورتیں ہوں گی کہ جن کی نیچی نگاہیں ہوں گی شوخ چشم غیروں کو گھورنے والیاں نہ ہوں گی اور یہ وصف ان میں پیدائشی ہوگا یہ نہیں کہ پہلے بدکار تھیں پھر توبہ کر کے نیک ہوگئی ہوں، ایسی عورتوں سے بھی غیرت مند طبائع نفرت کیا کرتی ہیں بلکہ لم یطمثھن ان کو کسی نے ان سے پہلے ہاتھ ہی نہیں لگایا ہوگا نہ جن نے نہ انسان نے۔ یہ ان کی ستیّبر کی خوبی بیان ہوئی کس لیے کہ سیرت صورت پر مقدم ہے، بدصورت ہے تو سب حسنِ صورت ہیچ۔

اس کے بعد حسنِ صورت بیان فرماتا ہے کانھن الیاقوت والمرجان۔ گویا وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔ یہ ان کے صفائے رنگ میں تشبیہ ہے جو کمال حسن کو متضمن ہے فبای اٰلاء ربکما تکذبٰن انسان کا جہاں تک خیال جاسکتا ہے اور جن چیزوں پر اس کی رغبت ہے وہ بھی چیزیں ہیں جن کا بہ ترتیب بیان ہوا مگر وہاں اس کے خیال سے بھی بڑھ کر نعمتیں ہیں۔

ھل جزاء الاحسان الا الاحسان دنیا میں جو کوئی نیکی کرتا ہے پھر اس کا وہاں نیک ہی بدلہ ہے۔ گویا یہاں تک نیک بدلہ کی تشریح تھی۔ یہ آیت من جملہ اُن چار آیتوں کے ہے کہ جن کے سو سو معنی سے زائد ہیں۔ ان کے کلمات جامع بے شمار معانی کو حاوی ہیں فبای اٰلاء ربکما تکذبٰن۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ ﴿٦٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

اور ان دونوں باغوں کے سوا اور دو باغ ہوں گے　پھر تم اپنے رب کی کس

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾

کس نعمت کو جھٹلاؤ گے　وہ دونوں بہت ہی سبز ہوں گے

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾
پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ ع ٣ ٣٣ ١٢
ان میں دو چشمے جوش مارتے ہوں گے پھر تم اپنے
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿ج﴾ فِيْهِمَا
رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے ان میں
فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَيِّ
میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے پھر تم اپنے
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿ج﴾ فِيْهِنَّ
رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ان میں
خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿ج﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
بڑی نیک سیرت عورتیں ہوں گی پھر تم اپنے رب کی
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿ج﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ
کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے حوریں ہوں گی جو خیموں میں
فِي الْخِيَامِ ﴿ج﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
بند بیٹھی ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو
تُكَذِّبٰنِ ﴿ج﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ
جھٹلاؤ گے جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے چھوا ہوگا
وَلَا جَاۗنٌّ ﴿ج﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
نہ جن نے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو
تُكَذِّبٰنِ ﴿ج﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي رَفْرَفٍ
جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے سبز اور رنگ
خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿ج﴾ فَبِاَيِّ
برنگ کے عمدہ قالینوں پر پھر تم
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾
اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَ
آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت ہے جو (بڑے) جلال و
الْاِكْرَامِ ﴿ع﴾
عزت والا ہے

ترکیب

جنتٰن مبتدا، ومن دونهما خبر مدهامتٰن صفة لجنتٰن او خبر مبتدا محذوف عينٰن موصوف نضاختٰن صفة الموصوف والصفة مبتدا، فيهما خبره وقس عليه مابعده۔ حور بدل من خيرات وقيل الخبر محذوف اى فيهن حور متكئين حال وذو الحال محذوف دل عليه الضمير فى قبلهم۔ رفرف فى معنى الجمع وقيل رفرفة خضر صفة والاكرام بالجر عطفا على الجلال وقرأ ابن عامر بالرفع صفة للاسم۔

تفسیر

یہ اہلِ سعادت کے مقامات کی اور زیادہ تشریح ہے کہ ان خدا ترسوں کے لیے دو اور باغ ملیں گے جن کے اوصاف بعد میں بیان فرماتا ہے۔ کیا یہ چاروں جنت ایک کے لیے ہونگی؟ جمہور کے نزدیک وہ دو جنت ایک گروہ اہلِ سعادت کے لیے ہوں گی اور یہ دونوں دوسرے گروہ اہلِ سعادت کے لیے۔ وہ پہلی بہتر ہیں یا یہ دونوں پچھلی؟ حکیم ترمذی اپنی کتاب نوادر الاصول میں لکھتے ہیں یہ دونوں جن کا آیات میں ذکر ہے ان دونوں سے جن کا پہلے ذکر ہوا بڑھ کر ہیں۔ دونھما کے معنی ہیں اقربہما و امامہما کے کہ یہ عرش کے ان سے زیادہ قریب تر ہیں یعنی ان سے بالاتر کے مقامات ہیں۔ مگر اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ یہ دونوں ان دونوں سے کم تر درجہ کی جنت ہیں۔ لفظ دون جس کے معنی کمی کے ہیں اس پر شہادت دے رہا ہے اور

احادیثِ صحیحہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ وہ پہلی دو جنت سابقین مقربین کے لیے ہیں اور یہ اصحاب الیمین کے لیے۔

بعض کہتے ہیں ان دونوں کا نام جنت عدن و جنت نعیم ہے اور ان کا جنت الفردوس و جنت الماویٰ۔

اہل سعادت میں سے سابقین مقربین کا درجہ بڑھ کر ہے کیوں کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام ہیں اور اصحاب الیمین ان سے درجہ میں کم ہیں کیونکہ اصحاب الیمین صلحائے مؤمنین ہیں اس لیے سابقین کے لیے جو دو باغ ملیں گے بڑھ کر ہوں گے اصحاب الیمین کے دو باغ سے۔

اس لیے ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں پہلی دو جنتوں کے جو اوصاف ہیں قرآن مجید کے الفاظ سے ان کا ان اوصاف سے جو ان دو جنتوں کے ہیں بڑھ کر ہونا ثابت کر کے دکھایا ہے۔ ایسی باتوں کو علم الٰہی کے حوالے کرنا میں پسند کرتا ہوں، اس عالم کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے۔

مدھامّتٰن۔ مشتق ہے دھمۃ سے جس کے معنی لغت میں سیاہی کے ہیں۔ کہتے ہیں فرس ادھم و بعیر ادھم جب کہ ان پر سیاہی غالب آجائے ادھام ادھیماما۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سبز کے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں تیز سبز کا، سبزی جب تیز ہوجاتی ہے تو سیاہی مارنے لگتی ہے اسی سبزی کو دھمۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی پانی کی کثرت اور شادابی کے زیادہ ہوجانے سے ان دونوں باغوں کے درخت نہایت سبز مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

نضاختٰن۔ نضخ کے معنی ہیں چشمے سے پانی کا ابلنا، فوارے کی طرح جوش مار کر نکلنا۔ اور نضح حاء مہملہ سے جو ہے تو اس کے معنی میں کمی ملحوظ ہے کیوں کہ اس کے معنی ہیں ترشح اور چھڑکنے کے۔ یعنی ان دونوں باغوں میں ایسے دو چشمے ہوں گے کہ جن کا پانی فوارے کی طرح سے گرتا ہوگا اس قسم سے پانی کا نکلنا بھی عجب فرحت خیز ہے۔

فیہما فاکھۃ ونخل ورمان۔ ان میں میوے اور کھجور اور انار بھی ہوں گے یہ چیزیں باغوں کو خصوصاً عرب کے قلوب میں نہایت زینت دیتی ہیں کس لیے کہ کھجور تو ان کی عام خورش ہے اور انار بمنزلہ شراب کے ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کھجور اور انار پر عرف عرب میں فاکہۃ کا اطلاق نہیں ہوتا کس لیے کہ ان کا فاکہہ پر عطف ہے اور معطوف علیہ معطوف کے غیر ہوتا ہے دونوں ایک ہی چیز نہیں ہوا کرتی۔

فیہن خیرات حسان فیہن کی ضمیر انہیں دونوں باغوں کی طرف پھرتی ہے تغلیباً۔ بعض کہتے ہیں ان دو کی خصوصیت نہیں اس میں پہلے دو باغ بھی شامل ہیں مکانات کی خوبی اور ان کی تروتازگی کے بعد وہاں کی دلکش چیزوں کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ان میں خیرات حسان ہیں۔ خیرات کو جمہور نے بغیر تشدید کے پڑھا ہے۔ تب یہ خیرۃ بوزن فعلۃ کی جمع ہے۔ کہتے ہیں امرأۃ خیرۃ یعنی اچھی عورت جیسا کہ اس کے مقابل میں کہتے ہیں امرأۃ شرۃ بری عورت اور بعض نے خیّرات بالتشدید پڑھا ہے تب یہ خیّرۃ کی جمع ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں خوبصورتی کے دوسری میں عادت و اخلاق کی اچھائی کے اور بعض نے عام رکھا ہے۔ مگر قوی یہی ہے کہ خیرات سے اخلاق و عادات کی خوبی مراد لی جائے اور حسان سے صورت کی۔ اور ممکن ہے کہ ایک لفظ دوسرے کی تائید کے لیے آیا ہو۔ حسان خوبصورت یعنی ان دونوں باغوں میں خوبصورت اور حسین عورتیں ہوں گی۔

حور مقصورات فی الخیام ان باغوں میں خیمے ہوں گے جن میں حوریں پردہ ستر میں ہوں گی۔ حسن کہتے ہیں وہ حور العین جو قرآن میں مذکور ہیں وہ یہی دنیا کی نیک عورتیں ہوں گی جن کو حسن و خوبی دے کر وہاں حور بنا دیا جائے گا۔ جمہور کے نزدیک وہ ایک نئی قسم کی عورتیں ہیں جو خدا تعالیٰ نے جنت میں پیدا کی ہیں وہ دنیا کی عورتیں نہیں۔ اس پر جمہور کے پاس بہت سے شواہد نقلیہ موجود ہیں۔ پھر ان دونوں میں کس کا حسن زیادہ ہوگا؟ بعض کہتے ہیں حوریں بڑھ کر ہوں گی، بعض کہتے ہیں دنیا کی نیک بیویاں ستر درجے بڑھ کر حسن میں حور سے زیادہ ہوں گی، اور حوریں ان کے آگے لونڈیوں کی طرح رہیں گی۔ واللہ اعلم۔ ان باتوں میں بھی کسی کے پاس کوئی حجت قاطعہ نہیں۔ مکانات میں ان حسین عورتوں کا رہنا اور خیموں میں سیر و تفرج کے لیے جانا یا انہیں کا جا کر رہنا یا وہاں حوروں کا موجود ہونا طبائع انسانیہ کے لیے نہایت مرغوب ہے۔

متکئین علی رفرف خضر و عبقری حسان۔ سبز اور خوبصورت عبقری پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ رفرف رف یرف اذا ارتفع سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی کے لیے ہیں اور اسی لیے جو طائر ہوا میں پر کھول کر اڑتا ہے اس کو رفرفہ کہتے ہیں۔ آیت میں اس سے کیا مراد ہے؟ ابوعبیدہ کہتے ہیں اس سے مراد بچھونے ہیں۔ اور یہی قول ہے حسن و مقاتل و ضحاک وغیرہم کا۔ بعض کہتے ہیں تکیے، بعض کہتے ہیں جنت کے چمن۔ مگر صحیح اول قول ہے کہ وہ عمدہ ریشمی قالین سبز رنگ کے ہوں گے۔ عبقری عبقر کی طرف منسوب (عبقر زمین پریاں و عرب ہر چیزے از مردم دستور و جامہ و فرش وجز آں راکہ در غایت قوت و حسن و لطافت باشد بوے منسوب کنند یقال ثوب عبقری و ہو واحد و جمع والانثیٰ عبقریۃ۔ (صراح) اس سے مراد بھی وہی گدے اور تکیے اور نہالیچے ہیں جو نہایت عمدہ ہوں گے۔

اس کے بعد کلام کو اپنی ذات کی خوبی و برکت پر تمام کرتا ہے تبارک[1] اسم ربک ذی الجلال والاکرام کہ جس نے انسان کے لیے یہ نعمتیں پیدا کیں۔

ثوبان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر تین بار استغفار کرتے اور پھر یہ کہتے تھے اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ (رواہ مسلم)

سورہ واقعہ

مکیہ ہے اس میں چھیانوے آیات اور تین رکوع ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَیْسَ

جب کہ واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے (قیامت) جب کہ واقع

---

[1] اصل تبارک کی ترک ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں اور اسی سے ہے برک البعیر و برکۃ الماء کہ جہاں پانی ٹھہرتا ہے۔ یہ معنی ہوئے کہ اس کا نام سدا رہے گا۔ اور سب خیر و خوبی اسی کو ہے کس لیے کہ برکت کا استعمال خیر میں ہوتا ہے۔ یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی شان بلند اور وہ سب عیبوں سے پاک ہے ازاں جملہ کذب ہے جس میں اشارہ ہے کہ یہ جو اس کے وعدے ہیں سب سچ ہیں بعد مرنے کے ہر کوئی دیکھ لے گا ترغیب کے لیے جھوٹی باتیں نہیں بنائی گئی ہیں جیسا کہ ملحد کہتے ہیں ۱۲ منہ

لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾

ہونے میں کچھ بھی جھوٹ نہیں (وہ) کسی کو پست کر دیگی اور کسی کو بلند

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّ

جب کہ زمین بڑے زور سے لرزے گی اور

بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً

پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چورا ہو جائیں گے سو وہ غبار ہو کر اڑتے

مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾ وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾

پھریں گے اور (اس وقت) تمہاری تین جماعت ہو جائیں گی

فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۵ مَا أَصْحٰبُ

ایک تو دائیں طرف والے دائیں طرف والوں کا کیا ہی

الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۵

کہنا ہے اور (دوسرے) بائیں طرف والے

مَا أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ

بائیں طرف والوں کا کیا ہی برا حال ہے اور (تیسرے) آگے والے تو

السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ أُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾

آگے والے ہی ہیں (اور) وہی مقرب بھی ہیں

فِي جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾

وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے

ترکیب

اذا والعامل فیہا اذکر او مادل علیہ لیس لوقعتہا کاذبۃ ای اذا وقعت لم تکذب۔ او ہی ظرف لخافضۃ رافعۃ اذا الثانیۃ تکریر للاولی او بدل منہا کاذبۃ مصدر کالعافیۃ والعاقبۃ ہی اسم لیس خافضۃ رافعۃ قرأ الجمہور بالرفع علی انہما خبر مبتدا محذوف وقری بالنصب علی الحال من الضمیر فی کاذبۃ او فی وقعت۔ فاصحب المیمنۃ مبتدا، ما اصحب المیمنۃ الجملۃ خبر ولما کان الثانی عین الاول لم یحتج الی ضمیر الی المبتدا، والسبقون مبتدا، السبقون خبرہ وقیل الثانی نعت للاول او تکریر وتوکید او اولئک الخ الجملۃ خبر فی جنت النعیم خبر ثان او حال من الضمیر فی المقربون او ظرف قرأ الجمہور جنت بالجمع وقری بالافراد واضافۃ الجنات الی النعیم من اضافۃ المکان الی ما فیہ کدار الضیافۃ۔

تفسیر

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے، ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ و حسن و عکرمہ و جابر و عطا کا یہی قول ہے۔ قتادہ کہتے ہیں صرف یہ آیت وتجعلون رزقکم الآیۃ مدینہ میں نازل ہوئی۔ کلبی کہتے ہیں اس میں سے چار آیات افبھذا الحدیث الخ سفر مکہ میں نازل ہوئی باقی مدینہ میں۔ پہلا قول قوی ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں اور حارث بن اسامہ اور ابویعلی اور ابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ کشی کی نوبت نہ آئے گی۔ ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سورۂ واقعہ غنی کی سورت ہے اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔

یہ اور اس قسم کی احادیث جو بیشتر فضائل میں مذکور ہیں محققین کے نزدیک صحت و قوت کے درجہ کو نہیں پہنچیں۔ مگر ان کے مطالب میں ذرا بھی شک نہیں کس لیے کہ ہر کلام و ہر کام کا دنیا میں بھی ایک اثر خاص ہے۔ کلام کے اس اثر کے سوا جو اصل مقصود ہے یعنی سامع یا مخاطب کے دل پر بیٹھ جانا ایک اور بھی اثر خصوصاً کلام اللہ کا بارہا تجربے میں آیا ہے۔ آج کل کے

لوگ جو سائنس (علوم) کی ترقی کا دم بھرتے ہیں ان باتوں کے منکر ہیں مگر ابھی ان کی سائنس نے کامل ترقی نہیں کی ہے جب کرے گی تو بہت سی باتوں کو جن کا وہ اب انکار کرتے ہیں اقرار کریں گے اور کرتے جا رہے ہیں۔

سورۂ رحمٰن کے اخیر میں فرمایا تھا تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام اب اس سورت میں اس کے کامل جلال واکرام کے ظاہر ہونے کا وقت بیان کرتا ہے کہ وہ کس دن ظاہر ہوگا؟

فرماتا ہے اذا وقعت الواقعۃ الخ کہ جب ہونے والی گھڑی جو کسی طرح ٹلنے ہی کی نہیں آئے گی یا یوں کہو جنت کی نعمتیں اور وہاں کے اسباب عیش وآرام کا ذکر ہونے سے نفوسِ سامعین مشتاق ہو کر پوچھتے تھے کہ یہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ جب قیامت آئے گی یعنی دوسرے جہان میں۔ اس جہان میں نہیں جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہان عیش وکامرانی کی جگہ نہیں یہ جہان کوشش عمل اور تکالیف کی جگہ ہے جو بہت ہی تھوڑا زمانہ ہے اس سورت میں زیادہ تر تیسرے مسئلہ قیامت کا ذکر ہے۔

واقعۃ قیامت کا نام ہے اس لیے کہ یہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اسی طرح اس کا نام ازفۃ وغیرہا ہے لیس لوقعتہا کاذبۃ کہ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ یہ کلمہ واقعۃ کی تاکید ہے۔ زجاج کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اور یہی حسن وقتادہ کا قول ہے۔ اور یہ بھی کہ اس دن اس کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا۔ پھر اس کی تصریح اور اس کے خواص بیان فرماتا ہے۔ خافضۃ کہ وہ گھڑی پست کرنے والی ہے بہت سے دنیا کے سربلندوں کو جو خدا تعالیٰ سے غافل اور اس کے منکر اور اس کے احکام کی پابندی نہیں کرتے نیچا دکھائے گی۔ رافعۃ بلند کرنے والی بھی ہے۔ بہت سے لوگوں کو جو نیک ہیں اس روز سربلندی نصیب ہوگی گو وہ دنیا میں پست اور ذلیل تھے یہ کب ہوگا اذا رجت الارض رجا کہ جس دن زمین ہلے گی۔ رجۃ اضطراب وحرکت۔ وبست الجبال بسا اور پہاڑ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ بس ٹکڑے ٹکڑے ہونا ٹوٹنا۔ فکانت ہباء منبثا۔ پھر وہ غبار اڑتا ہوا ہو جائیں گے۔ ہبار کے معنی غبار اور منبثا کے معنی منتشر اڑنے والا۔

حال کی فلاسفی کے بموجب بھی ایسا ہونا کچھ بعید از قیاس نہیں۔ حال کے منجموں نے دُم دار ستاروں کی بابت تحقیق کر کے ان کے اجسام کا اندازہ ہزار ہا حصہ زمین سے بڑا ثابت کر کے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی حرکت ایسی تیز ہے کہ ایک دو منٹ میں ہزاروں کوس کا رستہ طے کرتے ہیں[1] اور ایک بار قریب تھا کہ یہ ستارہ زمین سے ٹکرا جائے مگر خیر گزری ورنہ زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ پس اس روز اگر ایسا صدمہ آنے سے یہ ہو جائے تو کیا بعید ہے اس لیے خدائے قہار سے ہر وقت ڈرنا چاہیے کہ ایسے اجرام عظیمہ ٹکرا کر ہر ایک کو چورا چورا کر دیں ہر گھڑی یہ احتمال اور دغدغہ لگا ہوا ہے۔ مگر یہ باتیں ظاہر بینوں کی ہیں جو عالم اجسام اور ان کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں۔ اور اس قادر مطلق کی بے انتہا قدرت اور طاقت کے آگے سب کچھ ممکن ہے۔

وکنتم ازواجا ثلثۃ اس روز دنیا فنا ہونے کے بعد جب دوسرا عالم پیدا ہوگا اور لوگ بارِ دگر زندہ ہوں گے

[1] ایسی تیز حرکت کا کیا ٹھکانا ہے پھر اتنے بڑے جسم کا جو زمین سے بہت ہی بڑا ہو زمین کے کرہ سے ٹکرانا اگر قیامت برپا ہونا نہیں تو اور کیا ہے؟ ۱۲ منہ

تو اے بنی آدم تمہاری تین قسم یعنی تین گروہ ہو جائیں گے پھر آگے ان تین گروہوں اور ان کے حالات و درجات کا بیان کرتا ہے:۔

فقال فاصحب المیمنۃ ما اصحب المیمنۃ ایک وہ جو تخت رب العلمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے یا یہ معنی کہ ان کو نامۂ اعمال دائیں طرف سے دیے جائیں گے۔ یعنی دائیں والے یا یُمن و برکت والے۔ یہ یُمن سے مشتق ہے۔ یا یہ معنی کہ بلند مرتبہ والے۔ عرب میں جو دائیں طرف سے چیز آتی تھی اس کو بہتر سمجھتے تھے اور بائیں طرف سے جو چیز آتی تھی اس کو نحوست پر محمول کرتے تھے اس لیے عمدہ اور بہتر چیز یمین والی اور بری چیز شمال والی بطور استعارہ کے مراد ہونے لگی یعنی یمین والے کیا ہی عمدہ ہیں۔

واصحب المشئمۃ ما اصحب المشئمۃ اور بائیں[1] والے یا بُرے مرتبے والے شوم منحوس کیا ہی برے ہیں۔ یہ دوسرا فریق تھا۔

والسبقون الخ یہ تیسرا فریق ہے یعنی سب سے پہلے ایمان و نیکی اختیار کرنے والے یا سعادت و حسنات میں سبقت کرنے والے یا اگلے لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام یا تخت رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے والے وہی درجات میں سبقت کرنے والے ہیں وہی مقرب ہیں جو جنّٰت النعیم میں رہیں گے۔

اب کلام اس میں ہے کہ ان تینوں گروہ میں کون کون داخل ہیں؟ صحیح تر یہ ہے کہ اصحاب الیمین مؤمنین و صالحین ہیں خواہ امت محمدیہ کے ہوں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یا پہلی امتوں کے اور اصحاب الشمال کافر و منافق و گنہ گار اور سابقین انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ہیں۔ ان تینوں میں اعلیٰ درجہ کے سبقون ہیں لیکن سب کے اخیر ان کا ذکر اس لیے آیا کہ انہیں کے فضائل و درجات کا سب سے اول بیان کرنا مقصود تھا اس صورت میں انصال ہو گیا۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ
بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے　اور تھوڑے

الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾
پچھلوں میں سے　بھی　جڑاؤ　پلنگوں پر

مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾
تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے　بیٹھے ہوں گے

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾
(وہ) لڑکے　جو سدا لڑکے ہی　رہیں گے

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ
آبخورے　اور　آفتابے　اور صاف شراب کے جام لاتے

مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ
لیجاتے ہوں گے　کہ جس سے نہ ان کو دردِ سر ہوگا

لَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا
نہ بے ہوشی　اور (نیز)　جو　میوے

يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾
پسند کریں گے　اور جس پرند کا گوشت چاہیں گے (وہ بھی لائیں گے)

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ
اور ایسی حور عین ہوں گی　جیسا کہ　صدف کا پوشیدہ

الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
موتی　ان کے ان کاموں کے بدلے میں کہ

[1] بائیں طرف کھڑے ہونے والے یا بائیں طرف سے نامۂ اعمال پانے والے ۱۲ منہ

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا

جو وہ کیا کرتے تھے　وہ وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے

وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

نہ خلاف تہذیب　مگر باہم سلام سلام کی آواز

ترکیب

ثلۃ مبتدا۔ وہی القطعۃ والفرقۃ من ثللت الشئ اذا قطعتہ وقلیل معطوف علی المبتدا علی سرر الخ خبر و قیل ہم ثلۃ سرر بضم السین والراء الاولیٰ وقری بفتح الراء وہی لغۃ جمع سریر[1] موضونۃ منسوجۃ والضن النسج المضاعف یقال وضن الشئ یضنہ فہو موضون و وضین متکئین ومتقبلین حالان من الضمیر فی الخبر وقیل منتقبلین حال من الضمیر فی متکئین یطوف مستانفۃ ویجوز ان یکون حالا باکواب متعلق بیطوف اکواب جمع کوب (کوزۂ بے دستہ) صراح۔ واباریق جمع ابریق کوزہ بادستہ معطوف علی اکواب و حور بالرفع علی انہ معطوف علی ولدان او لہم حور وبقری بالنصب علی تقدیر یعطون و بالجر عطفا علی اکواب والحور جمع حوراء والعین جمع عیناء جزاء و مفعول لہ او مفعول مطلق ای یجزون جزاء الا قیلا استثناء منقطع سلما بدل منہ او صفۃ او مفعولہ الا ان یقولوا سلما او مصدر ای یسلمون سلما والتکریر للتکثیر ای یفشون السلام بینہم۔

تفسیر

فرقۂ سابقین کا ذکر

سب سے اول سابقون کے درجات بیان فرماتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلاتا ہے کہ سابقون پہلے لوگوں میں سے کتنے ہیں اور پچھلوں میں سے کتنے؟ اس لیے فرمایا ثلۃ من الاولین وقلیل من الاخرین کہ یہ سابقین پہلے زمانے والوں میں سے ایک گروہ ہے اور پچھلے زمانے والوں میں سے تھوڑے سے۔ پہلا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ بے شک ان میں سابقین زیادہ ہیں کس لیے کہ ان میں تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخلصین شامل ہیں اور ان کی تعداد بہت ہے اور پچھلا زمانہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک۔ ان میں سابقین بہ نسبت پہلے زمانے والوں کے کم ہیں گو فی نفسہ بہت ہیں ان میں ہمارے حضرتؐ ہیں اور آل واصحابؓ و اولیائے کرام جو سعادت کے درجۂ قصویٰ تک پہنچ گئے تھے۔

یہ مجاہد و حسن بصری کا قول ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے نقل کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور تائید کرتی ہے اس قول کی وہ حدیث کہ جس کو امام احمدؒ نے ابی ہریرہؓ سے اور حافظ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ پر یہ بات شاق گزری کہ سابقین پہلے لوگوں میں سے بہت ہوں اور ہم میں سے کم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تمام اہل جنت کے چوتھائی یا تہائی بلکہ نصف ہوں گے یعنی گو تم میں سے سابقین کم ہیں مگر جنت میں داخل ہونا سابقین میں سے ہونے پر موقوف نہیں اصحٰب الیمین بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ اصحٰب الیمین تم میں سے ایک بڑا فریق ہے جیسا کہ سورت کے اخیر میں ہے ثلۃ من الاولین و ثلۃ من الاخرین۔ ابن سیرین کا قول ہے

[1] تخت۔ چارپائی۔ پلنگ۔ چھپرکھٹ وغیرہ ۱۲ منہ

کہ ثلۃ من الاولین وقلیل من الآخرین میں اسی امت خیرالامم کے اولین و آخرین مراد ہیں کہ اس کے اولین یعنی خیر القرون کے لوگوں میں سابقین بہت ہیں اور پچھلوں میں جو خیر القرون کے بعد کا زمانہ ہے ان میں سے کم ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب سابقین کے لیے جو وہاں عیش و آرام ہیں ان کا بیان فرماتا ہے، ان کے درجات اجمالاً ایک جملے میں پہلے بیان فرمائے تھے کہ اولئک المقربون کہ وہ مقرب الٰہی ہیں یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ تھا۔ وہ اس کی تجلی جمال و مشاہدۂ انوار میں شاداں و فرحاں رہیں گے ۔ فی جنٰت النعیم یہ مشاہدہ بری جگہ میں نہ ہوگا بلکہ نعمت کے بھرے ہوئے باغوں میں۔ اب ان نعمتوں کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔

فقال علیٰ سرر موضونۃ کہ طلائی تاروں سے بنے ہوئے تختوں اور چھپر کھٹوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے اور ان کے پاس ولدان مخلدون لڑکے کہ جن کا لڑکپن ہمیشہ رہے گا افراد کہتے ہیں عرب اس شخص کو کہ جو بڑی عمر کا ہو اور اس کی صورت میں فرق نہ آئے مخلد کہتے ہیں) یعنی وہ لڑکے ہمیشہ اسی حسن و جمال کے ساتھ رہیں گے یہ اس لیے کہا کہ لڑکپن کا زمانہ اور حسن کی بہار بہت ہی تھوڑی ہوا کرتی ہے ۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں مخلدون کے معنی ہیں کہ خلدہ یعنی بالا پہنے ہوئے ہوں گے۔ ان کے کانوں میں بالے پڑے ہوں گے ۔ وہ لڑکے کفار و مشرکین کی وہ صغیر اولاد ہوگی جو نابالغی میں مرگئے اور ممکن ہے کہ حوروں کی طرح وہ بھی ایک نئی مخلوق ہو، دنیا کے لڑکے نہ ہوں۔ (لڑکوں کا خدمت کے لیے چیزیں لانا لے جانا صرف ان کے حسن کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ ان کی پھرتی اور بالے پہنے کے ساتھ ہنسنا بولنا عجب لطف دیتا ہے) ان کے پاس پیالے اور آبخورے اور رکابیاں اور طشتریاں (اکواب) اور لوٹے اور آفتابے یعنی چمکتے ہوئے دستہ دار برتن (اباریق) اور جام جن میں طلائی کام کیے ہوں گے (کاس) لائیں لے جائیں گے پھر ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ سب سے پہلے جام کی چیز بتلاتا ہے جس کے پینے سے سُرور ہو وہ کیا ہے معین صاف شفاف پانی یا کوئی جنتی عرق یا کوئی خاص وہاں کی ساخت کی شراب جو کسی برتن میں سے نہ انڈیلی جائے گی بلکہ اس کا وہاں چشمہ جاری ہوگا جس سے نہ سر میں درد اور خمار ہوگا نہ بے ہوشی ہوگی۔ لا یصدعون عنہا صدع و صداع درد سر ولا ینزفون نزف عقل کا زائل ہونا نشہ۔ دنیا کی شراب میں قدرے سرور ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ بدبو اور خمار یعنی درد سر اور بے ہوشی ضرور ہے اور جب ہوش ہی بجا نہ رہے تو کوئی لطف باقی نہ رہا ایک شخص مُردے کی طرح پڑا ہے خواہ منہ میں مکھیاں گھسیں یا کتّے موتیں اور اس کی محبوب چیزوں کو کوئی کام میں لائے ۔ وہاں ایسا نہ ہوگا اور اسی لیے دنیا کی شراب حرام کی گئی ۔ اور ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ وفاکھۃ مما یتخیرون وہ عمدہ میوے کہ جن کو وہ پسند کریں گے ۔ ولحم طیر مما یشتھون ۔ اور ان پرندوں کا گوشت کہ جن کو چاہیں گے ۔ پرند کا گوشت ہی مزے دار ہوتا ہے پھر ان میں سے بھی وہ کہ جو مرغوب ہو۔

یہ تو کھانے پینے کا سامان تھا مگر اس کی زینت اور جان حسین عورتوں سے ہوتی ہے اس لیے فرمایا وحور عین کامثال اللؤلؤ المکنون حوریں یعنی گوری رنگت والیاں ۔ عین بڑی بڑی آنکھوں والیاں جیسے سیپ کے اندر کے موتی، نہ کوئی عیب ہوگا نہ کسی کے صرف میں آئی ہوئی ہوں گی جیسا موتی سیپ کا کسی کے استعمال میں آیا ہوا نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی بیرونی عیب و نقصان پہنچا

ہوتا ہے نہ چھیدا ہوا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں میں اور نیز خوب صورتی میں سیپ کے موتی کے ساتھ تشبیہ کیا عمدہ تشبیہ ہے۔ یہ بدلہ ہوگا ان کے دنیاوی نیک کاموں کا۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ کوئی ضرر و تکلیف نہ ہونا بھی بڑی خوبی ہے اس لیے فرماتا ہے لا یسمعون فیہا الخ کہ وہاں کوئی بے ہودہ اور تاثیم یعنی قابل الزام رنج دہ بات سننے میں بھی نہ آئے گی صرف باہم سلام کہنا اور اس کے متعلق جو دل خوش کرنے والی بات ہو۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ؕ

اور دائیں طرف والے کیا کہنا ہے دائیں طرف والوں کا

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾

وہ اُن باغوں میں ہوں گے کہ جہاں بے خار بیریاں اور تہہ بر تہہ کیلے

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾

اور دراز سائے ہیں اور پانی کے جھرنے

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ

اور بہت سے میوے ہیں کہ نہ جن کی فصل تمام ہوگی

لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾

نہ ان کی ممانعت ہوگی اور بلند فرشوں میں آرام کر رہے ہوں گے

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ

ہم نے وہاں کی عورتوں کو ایک اٹھان پر اٹھایا پھر ان کو

اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ

کنواریاں اور دل لبھانے والیاں ہم عمر بنا دیا ہے (یہ سب) دائیں طرف

الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ع ۱ ۳۸ ۱۴

والوں کے لیے (اس جماعت میں) اگلے لوگوں کا بھی ایک انبوہ ہوگا

وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ

اور پچھلے لوگوں کا بھی انبوہ ہوگا۔

ترکیب

فی سدر الظرفیۃ للمبالغۃ فی التنعم والانتفاع بہ۔ مخضود لاشوک لہ من خضد الشوک اذا قطعہ او مثنی اغصانہ من کثرۃ حملہ لا مقطوعۃ نعت لفاکہۃ وقیل معطوف علیہا انشاھن الضمیر للفرش لان المراد بہا النساء عرب جمع عروب قال المبرد ہی العاشقۃ لزوجہا وقال زید بن اسلم ہی الحسنۃ الکلام وقیل المحبوبۃ الاتراب جمع ترب وہو المساوی لک فی السن لانہ یمس جلدہما التراب فی وقت واحد قیل یطلق علی النساء والرجال اقران۔ لاصحٰب الیمین اللام متعلقۃ بانشاھن او بجعلنا۔

تفسیر

اصحاب الیمین کا ذکر

یہ دوسرا گروہ اصحاب الیمین کا ذکر ہے کہ وہ بہت ہی خوب لوگ ہیں اور ان کے لیے جنت میں یہ نعمتیں ہیں فی سدر مخضود باغات ہوں گے جن میں سے یہ چند درخت ہیں۔ سدر بیری مخضود بے خار یا جھکی ہوئی شاخیں جو پھلوں کے بوجھ سے جھک پڑیں۔

حاکم و بیہقی نے ابی امامہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز ایک بدوی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا عرض کیا کہ یا حضرت میں سمجھتا ہوں کہ جنت میں کوئی تکلیف دینے والا درخت نہیں اور قرآن میں ایسے درخت کا ذکر ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا؟ عرض کیا سدر اس کے کانٹے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے مخضود نہیں فرمایا، ان کے کانٹے توڑے جائیں گے ان کی جگہ پھل ہوں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بیری مراد نہیں بلکہ ایک اور عمدہ درخت جو بیری سے مشابہ ہے۔

طلح اکثر مفسر کہتے ہیں اس سے مراد کیلا ہے۔ منضود تہہ بہ تہہ اوپر تلے۔ اور ان کے سوا بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوں گے۔ ظل ممدود وماء مسکوب اور جا بجا سے پانی اوپر سے نیچے گرتا ہوگا اور فاکھۃ کثیرۃ بہت سے میوے جو لا مقطوعۃ قطع نہ ہوں گے یعنی کسی وقت تمام نہ ہوں گے برخلاف دنیا کے میووں کے کہ ان کی فصل تمام ہوجاتی ہے اور شائقین کا دل ترستا رہ جاتا ہے و لا ممنوعۃ اور نہ ان کی ممانعت جس کا جہاں سے دل چاہے کھائے وفرش مرفوعۃ اور بلند فرش ہوں گے یعنی بلند تختوں پر بچھے ہوں گے یا یہ معنی کہ خوبی میں بلند ہوں گے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں فرشوں سے مراد عورتیں ہیں یہ مرد کے تلے بچھتی ہیں اس لیے بطور استعارہ کے ان کو فرش سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بلند ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ بلند تختوں پر ہوں گی یا یہ کہ حسن وخوبی میں بلند قدر ہوں گی جیسا کہ سورہ یٰس میں آیا ہے ھم و ازواجھم فی ظلل علی الارائک متکؤن اس لیے ان کی مدح میں فرماتا ہے انا انشأنٰھن الخ کہ ان کو ہم نے پیدا کیا اور عجب اٹھان اٹھایا ہے کہ ان کو ابکارا کنواریاں بنادیا ان سے پہلے کسی نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا اور اس کنوارپن کی وجہ سے ایسی نہ ہوں گی کہ ان کو مرد سے نفرت یا سرکشی ہو بلکہ عربا یعنی دل لبھانے والیاں محبت کرنے والیاں ناز ونخرے سے دل کو کھینچنے والیاں ہوں گی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوگا کہ اترابا یعنی ہم سن ہوں گی کس لیے کہ بڑی عمر کی عورت سے یا نہایت چھوٹی سے دل بستگی نہیں ہوتی، ہم سنی کا بھی ایک عجیب لطف ہوتا ہے۔

یہ کن کے لیے؟ اصحب الیمین کے لیے جو پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے ایک ایک گروہ اور انبوہ کثیر

ہوگا؛

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۰﴾
اور بائیں طرف والے کیا ہی بری گت ہے بائیں طرف والوں کی
فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿لا﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿لا﴾
وہ لوؤں اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں
لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۳﴾ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا
جہاں نہ ٹھنڈک ہے نہ عزت کس لیے کہ یہ لوگ
قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ کَانُوۡا
اس سے پہلے ناز ونعمت میں رہے تھے اور بڑے
یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۵﴾
گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے
وَ کَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَ
اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرچکیں گے اور
کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿لا﴾
(مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم تب بھی زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے
اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۷﴾ قُلۡ اِنَّ
اور کیا ہمارے باپ دادا بھی کہہ دیجیے ایک
الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۸﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ
سب اگلے اور پچھلے وقت پر معلوم روز کے
اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۴۹﴾ ثُمَّ
ضرور جمع کیے جائیں گے پھر
اِنَّکُمۡ اَیُّہَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ ﴿لا﴾
بے شک تم کو اے گمراہو جھٹلانے والو
لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿لا﴾
ضرور تھوہر کا پیڑ کھانا ہوگا

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۵۳

پھر اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝۵۴

پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝۵۵

پھر تم اس کو پیاسے اونٹوں کی طرح پیو گے

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۵۶

قیامت کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی

ترکیب

السموم حر النار وقیل الریح الحارۃ جدا والحمیم الماء الحار الشدید الحرارۃ یحموم یفعول من الاحم او الحمیم وہو الاسود یحموم اذا کان شدید السواد وقیل ماخوذ من الحم وہو الشحم المسود باحتراق النار وقیل من الحم بمعنی الفحم۔ والبارد فیہ زائدۃ من یحموم صفۃ لظل اوحال وکذا لابارد ولا کریم الاستفہام للانکار اذا والعامل فیہ مایدل علیہ مبعوثون لان مابعد الاستفہام لایعمل فیما قبلہ او اباونا معطوف علی الضمیر فی لمبعوثون لوقوع الفصل بینہما بالہمزۃ والمیقات ما وقت بہ الشی ای حد ومنہ مواقیت الاحرام والاضافۃ بمعنی من والمعنی انہم یحشرون الی ما وقتت بہ الدنیا من یوم الحساب۔ من شجر من زائدۃ وقیل لابتداء الغایۃ من زقوم من بیانیۃ منہا الضمیر تعود الی شجر الزقوم لکون الشجر اسم جنس واسم الجنس یذکر ویونث شرب الہیم شرب قرأ الجمہور بضم الشین وفتحہا وکسرہا قال المبرد بالفتح مصدر وبالکسر والضم اسم لہ۔ والہیم جمع اہیم والانثی ہیماء وقیل جمع ہیمان للذکر وہیماء للانثی کعطشی اوعطشان وہی ابل عطاش لاتروی لداء وقیل الرمال علی انہ جمع ہیام بالفتح وہو الرمل الذی لایتماسک جمع اولا علی وزن ہیم کسحب ثم خفف ای بدل ضمۃ الہاء کسر البقاء الیاء کما فی بیض جمع ابیض۔ والتقدیر شربا مثل شرب الہیم وکل من المعطوف علیہ اخص من الآخر من وجہ فلا اتحاد۔

تفسیر

اصحاب الشمال کا حال

اب تیسرے گروہ اصحاب الشمال کا ذکر کرتا ہے کہ اصحٰب الشمال ما اصحٰب الشمال کہ بائیں والے کیا ہی برے ہیں۔ پھر آگے ان کی بری حالت جو ان کے اعمالِ بد کا مظہر ہے بیان فرماتا ہے فی سموم وحمیم کہ گرم ہوا یا آگ کی لپیٹ اور گرم کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور یہ سایہ گرم دھوئیں کا سایہ ایسا ہوگا کہ نہ جس میں کچھ خنکی ہوگی جیسا کہ اور چیزوں کے سایہ میں ہوا کرتی ہے اور نہ کچھ آرام و عافیت ہوگی اور نہ کوئی عزت ہوگی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عرب میں اس لفظِ کریم کو اور الفاظ کے پیچھے محض تبعاً ذکر کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں ہذا الطعام لیس بسمین ولا کریم۔ معاذ اللہ سایہ بھی ملا تو کیسا اور جگہ بھی ملی تو کیسی ؟

اس کے بعد ان کے اس ہیبت ناک جگہ اور مصیبت کدہ میں داخل ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے فقال انھم کانوا قبل ذٰلک مترفین کہ وہ پہلے یعنی دنیا میں بڑے عیش و آرام اور ترفہ میں تھے، فراغ دستی اور ترفہ اگر خدا پرستی اور نیکوکاری سے مانع نہ آوے تو کوئی بری چیز نہیں اس کی نعمت ہے۔ مگر اس میں خرابی ہے تو یہی ہے کہ یہ نفس پروری اور غفلت اور شہوانی اور غضبانی کاموں کی طرف کھینچ

لے جاتی ہے ظلم اور غرور اور دین اور بزرگانِ دین سے مقابل کر دیتی ہے اور دنیا ہی میں رہنے اور یہاں کے اسباب تجمل پیدا کرنے پر آمادہ کرتی ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وکانوا یصرون علی الحنث العظیم اور بڑے بڑے گناہ پر اڑی کیا کرتے تھے اسی دنیا کے مال وجاہ کے نشے ہیں۔ غریب آدمی کو جب کسی برے کام پر ملامت کی جاتی ہے تو بیشتر وہ نادم ہو جاتا ہے اور اڑتا نہیں مگر پیٹ بھرے دولت مند کب مانتے ہیں بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں بڑے گناہ سے کیا مراد ہے؟ واحدی کہتے ہیں شرک اور یہی ضحاک و حسن و ابن زید کا قول ہے۔ مگر قوی یہی ہے کہ عموماً ہر ایک بڑا گناہ مراد ہے خواہ شرک ہو خواہ انکار آخرت و نبوت خواہ زنا و قتل وغیرہ اور اس پر اصرار کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے نادم نہ ہو توبہ نہ کرے۔

وکانوا یقولون ائذا متنا وکنا ترابا و عظاما ءانا لمبعوثون اوآباؤنا الاولون اور منجملہ ان کے گناہِ عظیم کے ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ مر کر بار دگر حشر میں زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور تعجب کر کے کہتے تھے کہ بھلا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو گئے تو پھر ہم اور ہمارے باپ دادا اگلے زمانے کے جن کی قبروں اور ہڈیوں کا نشان بھی باقی نہیں رہا بارِ دگر زندہ ہو کر اٹھیں گے؟

یہ بات ان کے نزدیک بڑی تعجب انگیز اور ان کی عقولِ ناقصہ کے احاطے سے باہر تھی۔ اور اصل سبب اس تعجب و انکار کا وہی کم بخت حب دنیا اور اس کا ترفہ تھا جس نے ان کے انوار فطریہ اور عقولِ صافیہ کو سیاہ کر کے ایسی باتوں کے سمجھنے سے قاصر کر دیا تھا اور ان کی محبت دنیا اس خطرے کو بھی ان کے دل میں جگہ نہ دیتی تھی کہ آخر ایک روز مرنا ہے اور مر کر زندہ ہونا اور خدا کے سامنے جانا ہے۔ ان کے جہنم میں جانے کی یہی تین باتیں سبب ہوئیں جو تمام گناہوں اور ہر قسم کی بدکاریوں کی اصل الاصول ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔

اس انکار کے جواب میں فرماتا ہے قل ان الاولین والآخرین الی میقات یوم معلوم کہ اے محمدؐ! ان منکروں سے کہہ دیجیے کہ اگلے اور پچھلے سب لوگ زندہ کر کے ایک روز جمع کیے جائیں گے۔

پھر اس روز ایہا الضالون المکذبون لآکلون من شجر من زقوم فمالئون منہا البطون اے گمراہو جھٹلانے والو! ان نعمتوں کی جگہ تم تھوہر کا درخت کھاؤ گے اور یہ نہیں کہ ذرا چکھ لو بلکہ اس سے پیٹ بھرو گے۔ ہر چند وہ جہنم کا پیڑ جو دنیا کے تھوہر سے مشابہ ہے نہایت بدمزہ اور تلخ اور گلا گھونٹنے والا انتڑیوں کا زخمی کرنے والا ہے مگر بھوک کی تکلیف اس سے بھی زیادہ تم کو معلوم ہوگی اس سبب سے اس سے پیٹ بھرنا غنیمت جانو گے۔ پھر اس کے کھانے کے بعد پیٹ میں ایک سخت گرمی اور بے انتہا پیاس معلوم ہوگی سرد پانی کی تلاش کرو گے سرد پانی وہاں کہاں؟ ناچار جہنم میں جو کھولتا ہوا پانی ہے فشاربون علیہ من الحمیم اسی کو پیوگے اور کس طرح فشاربون شرب الہیم اس طرح سے اس پر گرو گے کہ جس طرح کئی دن کے پیاسے اونٹ خشک بیابانوں میں جو پانی دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف بے خود ہو کر دوڑتے ہیں اور اس پانی پر گرتے ہیں اس طرح یہ لوگ اس پر بھی گر پڑیں گے۔ اس پانی کے پینے سے انتڑیاں کٹ کٹ کر دستوں میں نکلیں گی ہر روز یہی معاملہ رہے گا۔ ہائے یہ کیسی بیماری اور کیسی مصیبت ہوگی (اللہ محفوظ رکھے) یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن جس کے وہ نعمتیں کھا کھا کر منکر ہوئے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝۵۶
ہم نے تم کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں سچ نہیں جانتے (کہ وہ پھر بھی کر سکتا ہے)

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ
بھلا دیکھو تو وہ منی جس کو تم (رحم میں) ڈالتے ہو　کیا تم اس کو

تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۵۸
بناتے ہو　یا　ہم　بنانے والے ہیں

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ
ہم نے　تم میں　مرنا　ٹھہرا دیا ہے　اور

مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝۵۹ عَلٰۤى اَنْ
ہم اس سے بھی عاجز نہیں　کہ تمہاری

نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِىْ
شکل بدل دیں اور کسی (دوسری) حالت میں کر جس کو تم جانتے بھی نہیں

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۰ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ
تم کو بنا کھڑا کر دیں　اور تم اول بار کا پیدا کرنا

النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۱
جان بھی چکے ہو پھر کس لیے یہ نہیں سمجھتے (کہ قیامت کے دن بھی بنا سکتا ہے)

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ
بھلا دیکھو تو تم جو کچھ بویا کرتے ہو　پھر کیا اس کو

تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝۶۳
تم اُگاتے ہو　یا　ہم　اُگایا کرتے ہیں

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ
اگر ہم چاہیں　تو اس کو چورا چورا کر دیں　پھر تو تم باتیں

تَفَكَّهُوْنَ ۝۶۴ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝۶۵
بناتے ہی رہ جاؤ　کہ ہائے ہم زیر بار ہو گئے

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝۶۶ اَفَرَءَيْتُمُ
بلکہ　بے　نصیب　ہو گئے　بھلا بتاؤ تو سہی

الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ؕ ۝۶۷ ءَاَنْتُمْ
وہ پانی کہ جس کو تم پیا کرتے ہو　کیا تم نے

اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ
اس کو　بادل سے　اُتارا　یا　ہم

الْمُنْزِلُوْنَ ۝۶۸ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ
اتارتے ہیں　اگر ہم چاہیں تو اس کو کھاری

اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝۶۹
کر دیں　پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ؕ
بھلا بتاؤ تو سہی وہ آگ کہ جس کو تم سلگایا کرتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ
کیا تم نے اس کا درخت　اُگایا　یا　ہم

الْمُنْشِئُوْنَ ۝۷۱ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا
اگاتے ہیں　ہم نے اس کو یادگار

تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝۷۲
(قدرت) اور مسافروں کے کارآمد بنا دیا ہے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝۷۳
پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کرو جو بہت بڑا ہے

الربع
ع ۲
۲۶
۱۵

ف اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خداوند قادر مطلق کے حقائق غیوب بے انتہا ہیں اور بے شمار و بے حد قدرت کے سانچے ہیں، جس میں چاہے ڈھالے سعادت کے سانچے ہیں یا شقاوت کے اور پھر ہر وقت ایک جدا سفر نئی منزل اور نیا میدان اس کے سامنے ہے اس سے یہ سمجھ لینا کہ انسان تناسخ کا لباس پہنتا ہے غلط سمجھ ہے کیونکہ یہ اپنی قدرت کا اظہار کرنا ہے کہ ایسا کر سکتے ہیں اور نیز یہ تغیرات بالاسی عالم کے ہیں جو اس کے حالات کے تغیر و تبدل ہیں یا اس عالم سے دوسرے عالم کے ۱۲ منہ

ترکیب

نحن مبتدا خلقناکم خبرہ افرءیتم الہمزۃ للاستفہام والفاء للتفریع او العطف ما موصولۃ تمنون قرا الجمہور بضم الفوقیۃ من امنی یمنی وقری بفتحہا من منی یمنی وہما بمعنی واحد وقیل بینہما فرق امنی اذا انزل عن الجماع ومنی اذا انزل من احتلام والمعنی ما تصبونہ فی ارحام النساء والجملۃ صلۃ والموصول مع صلتہ مفعول ارأیتم بمسبوقین ای لا یسبقنا احد فیہرب من الموت او العذاب او لا یغلبنا احد من سبقتہ علی کذا اذا غلبتہ علیہ علی الاول حال من فاعل قدرنا الموت کائنین علی ان نبدل امثالکم او علۃ تقدرنا وعلی بمعنی اللام وما نحن بمسبوقین اعتراض وعلی الثانی صلتہ ظلتم بفتح الظاء مع لام واحدۃ وقری بکسرہا معہا وقری ظللتم بلامین اولاہما مکسورۃ علی الاصل تفکہون تندمون علی ما اصبتم بذلک من المعاصی فتحدثون فیہ والتفکہ التنقل بصنوف الفاکہۃ وقد استعیر للتنقل بالحدیث المزن جمع مزنۃ وہی السحابۃ البیضاء والمطر اجاجا الاجاج الماء الشدید الملوحۃ الذی لا یمکن شربہ وقیل الماء المر من الاجیج وہو تلہب النار فانہ یحرق الفم ولو لیست خالصۃ للشرط بخلاف ان وانما جاء فیہا معنی الشرط اتفاقا من حیث انہا تدخل علی الجملتین امتنع الثانیۃ لامتناع الاولی فلا بد فی جوابہا من اللام لتکون علما علی ذلک وفی ہذہ الآیۃ حذفت حیث قال جعلناہ ولم یجعلہ للعلم السامع بہا حیث ذکرت اولا المقوین الذین ینزلون القواء ای البوادی والصحراء ای المسافرین یقال ارض قواء بالمد والقصر ای مقفرۃ وقال قطرب المقوی من الاضداد بمعنی الفقر والغنی۔

تفسیر

تینوں گروہوں کا حال بیان کر کے دلائل حشر بیان کرتا ہے جو خاص انسان کی پیدائش اور اس کے حالات اور کار آمد چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

اول دلیل انسان کا پیدا کرنا ہے اس بات کو پہلے تو اجمالی طور پر بیان فرماتا ہے فقال نحن خلقنکم کہ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے فلولا تصدقون پھر تم کس لیے اس بات کو سچ نہیں جانتے کہ وہ بار دیگر بھی پیدا کر سکتا ہے پھر اس پیدا کرنے کی کیفیت مشاہدہ کراتا ہے افرءیتم ما تمنون کہ کیا تم نے منی کو رحم میں ڈال دیتے نہیں دیکھا کیوں نہیں بلکہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے پھر وہ منی ایک قطرہ پانی کا ہے جو غذاؤں کا نچوڑ ہے ءانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون پھر اس منی کو تم انسان بناتے ہو یا ہم؟ نہیں اللہ ہی اس قطرہ منی سے انسان بناتا ہے ورنہ انسان کو تو منی ڈالنے کے بعد کچھ بھی خبر نہیں رہتی کہ رحم میں قرار پانے کے بعد متحد الحقیقت چیز سے مختلف الطبائع چیزیں کس نے پیدا کیں کسی جزء کو قلب کسی کو دماغ کسی کو جگر پھر کسی کو ہڈی کسی کو کچھ۔ یہ کاری گری کسی فاعل مختار کا کام ہے جس کے قبضہ میں طبیعت کل کی طرح کام کرتی ہے۔ اور منی کی طرف بھی ضمیر پھر سکتی ہے کہ منی کو بھی تم بلکہ ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ابتدا ہماری طرف سے ہے انتہا بھی ہمارے حکم سے ہے فقال نحن قدرنا بینکم الموت کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کر دیا ہے مختلف اوقات اور مختلف حالات میں لوگ مرتے ہیں پھر جس کی ابتدا اور انتہا ہمارے بس میں ہے کیا بار دگر پیدا کرنا ہمارے بس میں نہیں؟ ہم قادر ہیں کہ تمہارے جیسے اور لوگ پیدا کر دیں یا تمہاری حالت بدل دیں کہ مار کر ریزہ ریزہ کریں اور پھر جلا دیں۔ اول صورت میں امثال مثل بالکسر کی جمع ہے اور دوسری میں مثل بالفتح کی جس کے معنی ہیں صفت و حالت وننشئکم فی ما لا تعلمون اور تم کو اس ہیئت و حالت میں پیدا

کر سکتے ہیں کہ جن کو تم جانتے بھی نہیں یعنی انسان بنا کر تمہیں اور دوسری چیز بھی بنا سکتے ہیں ابتداء و انتہاء و درمیانی حالت بھی سب ہماری قدرت کے احاطے میں ہے۔ اس لیے دلیل کا اجمالی طور پر اعادہ کرتا ہے فقال ولقد علمتم النشاۃ الاولیٰ فلولا تذکرون کہ تم اول بار کا پیدا ہونا جان چکے ہو پھر کس لیے اس کو یاد نہیں کرتے اور کس لیے نہیں سمجھتے کہ وہ بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل افرءیتم ما تحرثون بھلا رحم کے اندر پیدا کرنے کی کیفیت تو تھی ہی اب تم اپنی کھیتی کرنے کو دیکھو کہ تم زمین میں تخم ڈالتے ہو جو ہمارا پیدا کیا ہوا ہے پھر دیکھو زمین کے اندر تمہارا کوئی فعل مؤثر نہیں، ہمیں اس کو اگاتے اور پیڑ بنا کر باہر لاتے ہیں اور اس پر بھی ہم ہر طرح سے قادر ہیں چاہیں تو سکھا کر گھاس اور چورا کر دیں جس پر تم افسوس و حسرت کرنے لگو معلوم ہوا کہ نہ اس کے پیدا کرنے میں تمہارا اختیار تھا نہ باقی رکھنے میں پھر جو زمین میں ایک دانے سے ویسا ہی پیڑ پیدا کرتا ہے کہ جس کا وہ دانہ تھا کیا انسان کے کسی جزو جسم سے پھر اس کو اسی طرح زمین سے نہیں اگا سکتا؟ ضرور اگا سکتا ہے اور اگاوے گا یہ بات اے بنی آدم تم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہو۔

تیسری دلیل افرءیتم الماء الذی تشربون الخ بارش کے پانی کو دیکھو کہ جس کو تم پیتے ہو بھلا اس کو بادل سے کس نے برسایا ہے؟ ہم نے یا تم نے ہمیں نے بادل اٹھائے اور ہمیں ان میں سے شیریں پانی برساتے ہیں اور چاہیں تو اس پانی کو کھاری کر دیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے اور پوری شکر گزاری یہ ہے کہ اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لاوے کہ وہ قادر مطلق انسان کو بار دگر بھی زندہ کر سکتا ہے۔

چوتھی دلیل۔ افرءیتم النار التی تورون الخ تم اس آگ کو دیکھو کہ جس کو سبز درختوں میں سے لے کر سفر میں جنگلوں میں سلگایا کرتے ہو، پھر وہ درخت کس نے پیدا کیا تم نے یا ہم نے؟ ہم نے اس آگ کو اپنی قدرت یاد دلانے والا اور جنگل میں بھولوں کو رستہ یاد دلانے والا کر دیا کہ آگ کی روشنی دیکھ کر رات میں بیابانوں کے مسافر وہاں پہنچ جاتے ہیں اور مسافروں کے برتنے کی چیز بنا دیا اب سبز درخت دیکھو اور اس میں سے آگ کا نکلنا دیکھو خالق کی کیسی قدرت کاملہ کا نمونہ ہے۔

عرب میں ایک قسم کا درخت ہے جب اس کی شاخوں کو باہم رگڑا جاتا ہے یا از خود ہوا سے رگڑ کھاتی ہیں تو آگ نکل آتی ہے۔ عرب جنگلوں میں جہاں آگ نہیں ملتی اس آگ سے کام لیتے ہیں ف۔ ہندوستان کے کوہ ہمالیہ میں بانسوں میں بھی باہم رگڑ کھانے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ دلائل کو تمام کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے اور اس کے پاک نام کی تسبیح و تقدیس کرنے کا حکم دیتا ہے فقال فسبح باسم ربك العظيم۔

ف اول دلیل کو منی ڈال کر انسان کے پیدا ہونے سے ذکر کیا کہ وہ بھی ایک طرح کی کھیتی ہے پانی کے قطرے کو تخم بنا کر عورت کے رحم میں اگاتا ہے جو اس کا کھیت ہے۔ دوسری دلیل کو ایک اور زیادہ محسوس کھیتی سے شروع کیا اور دونوں میں نہایت مناسبت ہے مگر اول سے انسان اور دوسری سے نباتات پیدا ہوتے ہیں اس لیے اول کو مقدم کہا شرف انسانی کی وجہ سے مگر پانی ڈالنے سے دونوں کی پیدائش تھی اس مناسبت سے تیسری دلیل میں پانی کا ذکر کیا جو اوپر سے زمین میں قضا و قدر ڈالتی ہے جس میں انسانی صنعت کو کچھ بھی دخل نہیں لیکن دونوں کھیتیوں میں گویا پانی سے (باقی بر صفحہ آئندہ)

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٤﴾ وَ
پھر میں تاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں اور
إِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٥﴾
اگر سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے
إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٦﴾ فِي كِتَابٍ
کہ یہ عزت والا قرآن ہے مخفی دفتر میں
مَّكْنُونٍ ﴿٧٧﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا
لکھا ہوا جس کو بغیر پاکوں کے
الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٨﴾ تَنزِيلٌ مِّن
اور کوئی نہیں چھوتا رب العالمین کی طرف
رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾ أَفَبِهَٰذَا
نازل ہوا ہے پھر کیا تم
الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨٠﴾ وَ
اس بات میں شک کرتے ہو اور
تَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨١﴾
تم نے اپنی بھی روزی بنالی ہے کہ تم جھٹلایا کرو

فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿٨٢﴾
پھر کس لیے جان کو روک نہیں لیتے جب کہ وہ گلے تک آجاتی ہے
وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿٨٣﴾ وَ
تم اُس وقت تکا کرتے ہو اور
نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَ
تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں
لَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ﴿٨٤﴾ فَلَوْلَآ
لیکن تم دیکھتے نہیں پھر اگر تم
إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿٨٥﴾
کسی کے محکوم نہیں تو کیوں اس کو لوٹا
تَرْجِعُونَهَآ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٨٦﴾
نہیں لیا کرتے اگر تم سچے ہو

ترکیب

فلا لا مزیدۃ للتاکید کما فی قولہ لئلا یعلم وقیل انہا النفی لا اقسم اذلا حاجۃ الی القسم فان الامر واضح وقیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پیدائش ہوتی ہے مگر ان پودوں کا نشو و نما بغیر حرارت کے نہیں ہوتا اس لیے چوتھی دلیل میں ایک ایسی حرارت اور آگ کا ذکر کیا جو انہیں نباتی چیزوں میں سے برآمد ہوتی ہے جس کو قضاءِ قدر نے ودیعت رکھا تھا اس کو بھی ظاہر کر کے دکھا دیا اور اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کی یادگار اور انسان کے لیے کارآمد بنا دیا سفر و غربت کی حالت میں۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حرارت جس سے یہ کاربار چلتے ہیں خشک پیڑوں میں سے ظاہر نہیں ہوتی یعنی زندہ دل انسانوں میں بھی یہ حرارت رکھی ہوئی ہے مسافرینِ راہِ عرفان و ترقی تمدن کے لیے چراغِ ہدایت درکار ہے اسی حرارت نے جو عرب کے سرسبز پودوں میں ودیعت تھی ان کو دینی و دنیاوی مقاصد کے اعلیٰ درجوں پر پہنچایا اور ان کے کاروانوں کے لیے جو ترقی کی راہ طے کرنے کے لیے سفر کرتے تھے رہبر ہو گئی۔ سبحان اللہ دلائل میں کیا ہی ارتباط ہے اور پھر الفاظ میں کیا ہی رموز و اسرار ہیں ان دلائل میں غور کرنے کے بعد زندہ دل انسان فوراً یقین کر سکتا ہے کہ وہ قادرِ مطلق بار دگر بھی انسان کو دوسرے طور سے پیدا کر کے حشر کے روز عدالت میں کھڑا کر سکتا ہے ۱۲ ابو محمد عبد الحق

ف ہم تم سے بھی زیادہ مرنے والے کے قریب اور پاس ہوتے ہیں قربِ علمی مراد ہے یا ہم سے مراد اس کی جان قبض کرنے والے ملائکہ۔ مجازاً ملازموں کے کام اور ان کے حاضر و موجود ہونے کو اپنا کام اور اپنا موجود ہونا کہا جایا کرتا ہے ۱۲ منہ

معناہ لیس الامر کما زعم الکفار ثم اکدہ بالقسم فقال اقسم بمواقع النجوم وانہ خبرہ عظیم لو تعلمون جملہ معترضۃ بین القسم و المقسم علیہ انہ لقرآن کریم صفۃ فی کتٰب صفۃ ثانیۃ لایمسہ ثالثۃ تنزیل رابعۃ القرآن مع صفاتہا خبر ان والجملۃ جواب القسم وتجعلون معطوف علیٰ مدھنون ہٰہنا فکم مفعول اول لتجعلون انکم تکذبون الجملۃ مفعول ثان فلولا بمعنی ہلا اذا ظرفیۃ والعامل فیہا ترجعونہا وانتم الخ الجملۃ حال ونحن الخ حال من فاعل تنظرون فلولا تکریر وتاکید للولا الاولیٰ ترجعونہا المحضض علیہ لولا ان کنتم شرط جوابہ محذوف یدل علیہ ترجعونہا والمعنیٰ ہلا ترجعون الروح ان کنتم غیر مملوکین مجزیین۔

تفسیر

ان دلائل میں اعجاز قرآنی بھی اپنا جلوہ دکھا گیا تھا اور چوتھی دلیل میں ایک حرارت قدرتی کا ذکر تھا کہ وہ مسافروں کے لیے رہ نما بھی ہو جاتی ہے، اب ترقی کرتا ہے کہ اراضی چیزوں پر کیا موقوف ہے، ستاروں میں بھی اس رہ نمائی کا وصف رکھا گیا ہے اس لیے مواقع النجوم کی کی قسم کھا کر اور یہ جتلا کر کہ یہ قسم بڑی قسم ہے قرآن مجید کا من جانب اللہ ہونا اور اس کے چند اوصاف حمیدہ بیان فرماتا ہے جو اس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں اور وہ اوصاف بھی چار ہیں جن کو چار دلیل سمجھنا چاہیے۔ اس خوبی اور لطف کے ساتھ معاد کے مسئلہ کو تمام کر کے مسئلہ نبوت کو ذکر کرتا ہے اس لیے کہ دلائل کے بعد کامل تسلی اس مسئلہ میں نقلی دلائل سے ہوتی ہے اور نقلی دلائل مخبر صادق کی تصدیق اور اس پر ایمان لائے بغیر فائدہ بخش نہیں ہو سکتے۔

تنزیل من رب العٰلمین تک مسئلہ نبوت کا ذکر ہے پھر افبھذا الحدیث الخ سے مخالفین کے بے جا انکار وشبہات کا رد اور ان کا لچر و بوچ ہونا بیان کرتا ہے اور پھر انسان کی انتہائی حالت بیان کر کے (جو دنیا سے کوچ کرنے کے وقت نہایت عجز و بےبسی کے پیرایہ میں ظاہر ہوتی ہے اور اس سفر سے اس کا عزیز و قریب اس کو روک نہیں سکتا اور سب بیٹھے دیکھا ہی کرتے ہیں اور اس کی جان ہے کہ گلے تک پہنچ گئی ہوتی ہے اور وہ ہچکیاں لے لے کر دم توڑتا ہے اور اقارب و احباب پاس بیٹھے ہوئے محض بےبسی کی حالت میں آنسو بہایا کرتے ہیں اور اپنے آہ و نالے کی صدائیں بلند کرتے ہیں) اپنی قدرت و جبروت کا اظہار کرتا ہے کہ انسان یوں ہمارے بس میں ہے اور یوں اس کو ہم کشاں کشاں دوسرے عالم میں لیے جاتے ہیں اور تم بیٹھے دیکھا کرتے ہو۔

یہاں سے پھر مسئلہ معاد کی طرف (دلائل و تصدیق نبوت سے مستحکم کر کے) کلام کو متوجہ کیا جاتا ہے اور الفاظ میں سیکڑوں رموز و حقائق کی طرف اشارہ کرتا جاتا ہے فلا اقسم بمواقع النجوم مواقع موقع کی جمع جس کے معنی ہیں ستاروں کے واقع ہونے کے یعنی ٹوٹنے یا غروب ہونے کی جگہ۔ مبرد کہتے ہیں مواقع اس جگہ مصدر ہے یعنی ستاروں کے غروب یا ٹوٹنے کی قسم کھاتا ہے۔ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ پچھلی رات جب جلوہ دکھا کر ستارے غروب ہونے کو ہوتے ہیں وہ بھی ایک عجیب وقت ہوتا ہے گویا عارف کی نظر میں (جو تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اور ان انوار و برکات سے حصہ پا کر بیٹھتا ہے جو اس وقت مناجات و عبادات کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں) ستاروں کا غروب ہونا یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ اس آفتاب بنانے والے پر نثار ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جمال کا۔ جو ایک ادنیٰ مظہر آفتاب برآمد ہونے والا ہے اس کے سامنے رونمائی کی ان کو تاب نہیں اور یہ کہ دنیا کی بے ثباتی اور اسی طرح

بجھے بعد دیگرے انسانوں کا غروب یاد دلاتے ہیں (قتادہ وغیرہ) حسن کہتے ہیں مواقع النجوم سے مراد قیامت کے دن ان کا ٹوٹنا اور بے نور ہونا جو بڑا عبرت انگیز وقت ہوگا بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد قرآن مجید کی آیات اور ان کا بجھے بعد دیگرے نازل ہونا۔ مواقع یعنی ٹوٹنا۔ یہ استعارہ ہے۔ نزولِ آیات کی اللہ تعالیٰ قسم کھا کر اگلے کلام کو مؤکد کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں انبیاء و اولیاء کرام کے دل مراد ہیں جہاں اس کے انوار و محبت کے ستارے ٹوٹ کر گرا کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ستاروں سے مراد نیک با خدا لوگ ہیں جو دنیا کی اندھیری رات میں ستارے ہیں اور ان کا ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا یکے بعد دیگرے دنیا سے گزر جانا اور اس کو خالی کرتے جانا ہے جو حسرت و افسوس و عبرت کا مقام ہے اس بات کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ کلام الٰہی میں ان سب احتمالات کی گنجائش ہے کیا بلیغ کلام ہے۔

یہ چیزیں کہ جن کی قسم کھانا مذکور ہوا بڑی چیزیں ہیں اس لیے فرماتا ہے کہ یہ بڑی قسم ہے مگر کب؟ جب کہ تم جانو۔ اور جب جہالت اور نادانی سے جانتے ہی نہیں تو تمہارے نزدیک کچھ بات نہیں قرآن کریم اول مدح ہے فی کتٰب مکنون یہ قرآن کی دوسری مدح ہے کہ وہ مخفی دفتر میں ثبت ہے کوئی اس میں تحریف و تبدیل نہیں کر سکتا کتٰب مکنون سے مراد لوحِ محفوظ جو لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہے اور ممکن ہے کہ حفاظ کے دل مراد ہوں کہ اس مخفی دفتر میں قرآن کو قضا و قدر نے لکھ دیا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کتٰب مکنون سے مراد توریت و انجیل ہو۔ کیونکہ یہ کتابیں مکنون یعنی مخفی ہیں اصلی کتابیں تو چھپ گئیں ان کے نام کی دو کتابیں موجود ہیں ان میں قرآن کا ذکر تھا۔ مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ مصحف بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جس میں قرآن مجید لکھا ہوتا ہے یعنی اوراق۔

قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم

لا یمسہ الا المطھرون کہ اس کو پاک ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔ یہ تیسری مدح ہے۔ اگر اس کو جملہ خبریہ مانا جائے جیسا کہ ظاہر ہے۔ واحدی کہتے ہیں اس تقدیر پر اکثر مفسرین کے نزدیک ضمیر کتٰب مکنون کی طرف پھرتی ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ کتٰب مکنون یعنی لوح محفوظ کو بجز پاک لوگوں کے یعنی ملائکہ مقربین کے جو جمیع نجاستوں ظاہری و باطنی سے پاک ہیں اور کوئی نہیں چھوتا کیونکہ وہی اس کو وہاں سے یاد کر کے دنیا میں لاتے ہیں۔ اور اگر اس کو معناً نہی قرار دیا جائے جو تاکید کے لیے بصورت نفی صادر ہوئی ہے[1] تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پاکوں کو ہی اسے چھونا چاہیے۔ اس تقدیر پر لا یمسہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف پھرتی ہے۔ یہ جمہور فقہاء اور اکثر محدثین کا قول ہے۔ یعنی بے وضو بے غسل جنابت اور حیض و نفاس میں قرآن مجید کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ و سعد بن ابی وقاصؓ و سعید بن زیدؓ و عطاؒ و زہری و نخعی و حکم و حماد وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اس بارے میں احادیث بھی وارد ہیں۔ چنانچہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

[1] کس لیے کہ نفی کی صورت میں مخاطب کو خیال ہوتا ہے کہ خلاف کرنے میں امر کی تکذیب لازم آئے گی اس کو وہ گوارا نہیں رکھتا (مثال نہی) تم نہ کرو اور نفی یہ کہ تم نہ کرو گے دوسری بات میں تاکید ہے ۱۲ منہ

قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔ کتب حنفیہ میں ہے کہ محدث وحائض ونفاس والی کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے مگر جداگانہ غلاف میں ہو تو خدا نقہ نہیں کہ غلاف کو ہاتھ لگایا جائے ہاں بے وضو کو پڑھنا درست ہے اگر حافظ ہو اور اگر دیکھ کر پڑھتا ہے تو قلم یا اور کسی چیز سے ورق الٹے۔ ع ۳ ۲۲ ۱۶

مدھنون۔ ادہان۔ مداہنت جھٹلانا اس کے اصلی معنی ہیں چکنا کرنا چوں کہ جھٹلانے والا چپڑی چکنی باتیں بنایا کرتا ہے اس لیے اس کے اس فعل کو مداہنت وادہان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غیر مدینین غیر مطیعین، او غیر مجزیین او غیر حاسبین۔ واللہ اعلم

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٧﴾

پھر اگر وہ مقربین میں سے ہے

فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۵ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٨﴾

تو (ان کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٨٩﴾

اور اگر وہ داہنی طرف والوں میں سے ہے تو اس کو شاباش

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ ۶ اہل سعادت

جائیگا کہ اے شخص تو داہنی طرف والوں میں سے ہے تجھ پر سلام

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ

اور اگر وہ جھٹلانے والے

الضَّآلِّيْنَ ﴿٩١﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٢﴾

گمراہوں میں سے ہے تو اس کے لیے کھولتے پانی

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

اور آگ میں جلنے کی ضیافت ہے بے شک یہ (جو بیان کیا گیا ہے)

حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٤﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

کامل یقینی ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کیا کرو

رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٥﴾

جو بہت بڑا ہے

ترکیب

فروح جواب فاما جواب ان مستغنی عنہ بجواب اما والتقدیر فلہ روح قرء الجمہور بفتح الراء وقری بالضم فالفتح مصدر والضم اسم لہ وقیل بالفتح معناہ الراحۃ وبالضم معناہ الرحمۃ مجازاً لعلاقۃ السببیۃ لانہا کالسبب لحیوۃ المرحوم ریحان اصلہ ریوحان علی فیعلان قلبت الواو یاءً وادغم ثم خفف مثل سیّد وسید وقیل ہو فعلان قلبت الواو یاء و ان سکنت والفتح ما قبلہا۔ ابن الصائغ، تصلیۃ بالرفع عطفا علی نزل وبالجر عطفا علی حمیم۔ حق الیقین ای حق خبر الیقین فالموصوف محذوف والصفۃ قائمۃ مقامہ۔

تفسیر

حشر کے دن تین گروہوں کی پیش آنے والی حالت بیان کر کے پھر ان تینوں گروہوں کا بعد موت کے جو حال ہونا ہے اس کو بیان فرماتا ہے یعنی جب کہ روح جسم کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں جاتی ہے نیست ونابود نہیں ہو جاتی نہ وہ دنیا کے تنگ میدانوں میں تناسخ کے ذریعہ سے اجسامِ مختلفہ کے لباس پہن کر ٹھوکریں کھاتی ہے بلکہ فاما ان کان من المقربین اگر وہ مقربین یعنی سابقین میں سے ہے تو اس کے لیے روح وریحان وجنت نعیم عیش وعمدہ روزی اور نعمتوں کے بھرے پُرے باغ ہیں

ؔ الریحان الرزق فی الجنۃ قالہ مجاہد مقاتل وقیل رزق بلغۃ الحمیر وقال الحسن ہو الریحان المعروف الذی یشم ۱۲ منہ

باغ و بہار اور خوشبوئیں اور بہشت میں ہر قسم کی شادمانی نصیب ہوتی ہے واما ان کان من اصحٰب الیمین اور اگر اصحٰب الیمین میں سے ہے تو فسلٰم لک من اصحٰب الیمین تو تجھے لے محمدؐ یا اے مخاطب ان کی طرف سے سلام یعنی سلامتی ہے رنج و غم سے۔ ان کا ایسا عمدہ حال ہوگا کہ جس کو دیکھ کر تجھے رنج و غم نہ ہوگا وہ عذاب سے سالم و محفوظ ہوں گے۔ یا یہ معنی کہ وہ ایسے خوش حال میں ہوں گے کہ وہاں خوش ہو کر تجھ پر سلام بھیجیں گے۔ یا یہ کہ لے صاحب الیمین تجھے تیرا دوسرا بھائی سلام کرے گا، یعنی آپس میں خوشی و خرمی میں ایک دوسرے سے سلام علیکم کہے گا جیسا کہ عید وغیرہ خوشی کے دنوں میں باہم ملتے اور سلام کیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتہ اللہ کی طرف سے اس کو سلام کہے گا اور خبر دے گا کہ تو اصحاب الیمین میں سے ہے۔

واما ان کان من المکذبین الضالین اور اگر وہ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے یعنی اصحاب الشمال (مگر اصحاب الشمال کو ان الفاظ سے اس لیے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ یہی بدخصلت ان کو اس عذاب میں لائی ہے) فنزل من حمیم تو اس کی مہمانی اور ضیافت کھولتا ہوا پانی وتصلیۃ جحیم اور آگ میں ڈالا جانا ہو یعنی وہ زقوم کھانے کے بعد کھولتا پانی پیے گا اور آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کی ضیافت اور مہمانی یہ ہے اور یہ اس کے لیے سامان مہمانی تیار ہیں۔ جانے ہی کی دیر ہے۔ ہائے بہت لوگ دنیا میں بدکاری و کفر میں گرفتار ہیں اور ان کو ہر قسم کی کامرانی اور عیش اور دنیاوی عزت وجاہ بھی ہے اور

اور اپنے لیے بڑے بڑے سامان دوام کے لیے کر رہے ہیں کہ یکایک موت آئے گی، صبح دنیا کی ان شادمانیوں میں تھا، شام سے پہلے اُس عالم میں ان بلاؤں میں گرفتار ہو گیا اور ایسے بھی ہیں کہ نیک و باخدا ہیں مگر دنیاوی تکالیف تنگدستی بیماری، خواری، بیکسی، غربت میں گرفتار۔ موت آگئی دوسرے عالم میں سلطان و کامران ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دولت مند اور ایک معزز نامی محتاج و بیمار کا انجام کار بیان فرمایا کہ دولت مند دوزخ میں گیا اور وہ محتاج جو اس کی ڈیوڑھی پر اس کے بچے ہوئے ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا اور کتے اس کے زخم چاٹا کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں بیٹھا ہوا اس کو نظر آیا اور التجا کی کہ کاش لے عزیز اپنی انگلی کا سرا بھگو کر میرے منہ میں ٹپکا دے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا یہ نہ ہوگا تو دنیا میں مزے اڑا چکا وہ تکلیف پا چکا تیرے اس کے درمیان جہنم کا گڑھا ہے یہ تیرے پاس بھی نہیں آسکتا۔ (انجیل لوقا۔ باب)

یہ باتیں بظاہر اہلِ دنیا کے خیال میں نہیں آتیں اس لیے فرماتا ہے ان ھٰذا لھو حق الیقین کہ یہ مذکور یقینی ہے پھر دارِ آخرت کے توشہ حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے فسبح باسم ربک العظیم کہ اس کے بزرگ و برتر نام کی تقدیس و تسبیح کیا کر۔ یہی آخرت کا بڑا ذخیرہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے سے پاک ہے جو کچھ فرمایا حق ہے کس موقع پر کلام کو تمام کیا کہ جس کا لطف بیان سے باہر ہے۔

لہ بعض پاک لوگوں کو خواب یا مکاشفہ میں دارِ آخرت کے یہ حال جو مرنے کے بعد پیش آتے ہیں دکھائے بھی جاتے ہیں جس سے دنیا ان کی آنکھوں میں گرد و سرد ہو جاتی ہے اور وہ اس جگہ کے ہر دم مشتاق رہتے ہیں یہاں ان کا کسی حال میں دل نہیں لگتا اور خواب میں بھی آکر بعض نے یہ کیفیت بیان کر دی ہے ۱۲ منہ

سورہ حدید

مدنیہ ہے اس میں انتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج
اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ
اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اسی کے لیے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ج
آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ②
اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَ
وہی سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور ظاہر اور

الْبَاطِنُ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③
پوشیدہ اور وہ ہر چیز سے واقف ہے

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور

الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
زمین کو چھ دن میں بنایا پھر وہ

عَلَى الْعَرْشِ ط يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ
عرش پر قائم ہوا جو کچھ کہ زمین میں گھستا ہے

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ
اور جو کچھ کہ اس سے برآمد ہوتا ہے اور جو کچھ کہ آسمانوں سے اترتا اور

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ط وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ
جو کچھ کہ اوپر کو چڑھ جاتا ہے وہ سب جانتا ہے اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے

مَا كُنْتُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو

بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
دیکھ رہا ہے آسمانوں اور زمین کا وہی

الْاَرْضِ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤
بادشاہ ہے اور سب چیزیں اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ
وہی داخل کر دیتا ہے رات کو دن میں اور داخل کر دیتا ہے دن کو

فِي الَّيْلِ ط وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥
رات میں اور وہ دلوں کے راز کو (خوب) جانتا ہے۔

ترکیب

یحیی ویمیت فی محل الرفع لکونہ خبر المبتدا المحذوف ای ہو۔

تفسیر

اس سے پہلی سورت کو اپنے نام پاک کی تسبیح کرنے پر تمام کیا تھا فسبح باسم ربک العظیم اب اس سورت کی ابتدا میں اس تسبیح کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

فقال سبح للہ ما فی السموٰت والارض کہ تمہیں پر کچھ موقوف نہیں آسمانوں کے رہنے والے فرشتے اور روحانیات حضرات انبیاء و اولیاء کرام اور زمین کے رہنے والے ملائکہ و جمادات و نباتات اور کل موجودات اپنی زبان حال سے اس کی یکتائی و صنعت و ربوبیت و کمال کی گواہی دے رہے ہیں اور یہی ان کی تسبیح و تقدیس ہے

جو لوگ زبان سے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں مومنین و ملائکہ کرام خواہ وہ ارضی ہوں خواہ سماوی وہ زبان سے باقی کا ولالت حال تسبیح کر رہا ہے۔

یہ لفظ تسبیح قرآن مجید میں مختلف صیغوں میں آیا ہے۔ اس سورت اور سورۂ حشر اور صف وغیرہ میں بصیغہ ماضی اور سورۂ جمعہ و تغابن وغیرہ میں بلفظ مضارع یسبح اور بعض میں بصیغہ امر سبح جیسا کہ سورۂ اعلیٰ اور سورۂ بنی اسرائیل کے اول میں بصیغہ مصدر سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس کی تسبیح و تقدیس کسی وقت کسی حال میں منقطع نہیں بلکہ ہر حال میں ہونی چاہیے گویا یوں فرمایا اس کی تسبیح ہوتی آئی ہے اور ہوگی اور ہونی چاہیے اور ہوتی رہتی ہے اور اے لوگو تم بھی کرو۔ اور مافی السموٰت الخ میں یہ اشارہ ہے اے بنی آدم کچھ تمہیں پر اس کی تسبیح و تقدیس موقوف نہیں اس کی تسبیح و تقدیس کرنے والے بہت ہیں آسمانوں کے فرشتے اور دیگر چیزیں اور زمین کے رہنے والے اور دریا کے جانور اور بیابانوں کے وحوش و طیور سوراخوں کے چیونٹے اور درند و پرند، نباتات و جمادات۔ اگر سننے والے کان ہوں تو عرش سے لے کر فرش تک اس کی تسبیح و تقدیس کا غلغلہ اور شور ہے۔ خاصانِ خدا نے کبھی جمادات کی تسبیح بھی سنی ہے۔ بخاری نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم کھانے کی جس وقت کہ وہ کھایا جاتا تھا تسبیح سنا کرتے تھے۔ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے۔ اور غرض اس کہنے سے کہ اسی کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے خصوصاً شروع سورت میں یہ ہے کہ اے مشرکو اے جاہلو! تم نے جو اپنے اوہام باطلہ اور قیاسات فاسدہ سے خدا تعالیٰ کی ذات پاک میں عیوب تجویز کر رکھے ہیں کسی نے اس کے لیے بیٹیاں کسی نے بیٹا، کسی نے اس کے کارخانہ قضاء وقدر میں شریک سمجھ رکھے ہیں کسی نے انسان کو خدا کا ہم شکل قرار دیا ہے کسی نے انسانوں یا حیوانات کی شکل میں اس کا متشکل ہو کر ظاہر ہونا مانا ہے کسی نے آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے کے بعد اس کے لیے تکان ثابت کی ہے کسی نے اس کو بعض امور کی نسبت عاجز تصور کیا ہے کسی نے اس کو بغیر وسائل کے بندوں کی دعائیں سننے سے بہرا قرار دے کر وسائل تجویز کر کے ان کی پرستش اختیار کی ہے کسی نے اس کو عالم پیدا کرنے کے بعد معطل ٹھہرا رکھا ہے وہ ان سب باتوں سے پاک ہے اس کی پاکی زمین و آسمان کی ہر ایک چیز بیان کر رہی ہے۔

اس کے بعد وہ ان امور کے ابطال اور اپنی قدرت وکمال کے ثبوت میں جو تسبیح و تقدیس کے اسباب ہیں چند دلائل بیان فرماتا ہے مگر اسی سادے اور دل پسند طریق سے۔

دلیلِ اول وھو العزیز الحکیم تسبیح تنزیہ یعنی برائیوں سے مبرا کرنا۔ یہ دو باتیں چاہتا ہے اول یہ کہ جس کو عیوب سے مبرا کہا جاتا ہے وہ بے انتہا قدرت کاملہ رکھتا ہو کہ جس کے سبب کوئی عیب و نقص عجز کی وجہ سے اس کے گرد نہیں آنے پاتا۔ اس میں بے شمار باتیں آگئیں بیوی بچوں سے پاک ہونا جسم و مقتضیات جسم اور ہر قسم کی شہوانی و نفسانی خواہشیں بھوک، پیاس، نیند، اونگھ، موت و بیماری کسی کام کے کرنے پر بغیر کسی آلات و اسباب معین و مددگار کے قادر نہ ہونا سب سے پاک ہے۔ دوسری بات قدرت کے ساتھ حکمت بھی ہو کہ حقائق الاشیاء اور ہر چیز کی مناسب تدبیر آغاز و انجام حاجات و عبادات ان کے دلی معاملات عالم کے انقلابات سب سے بخوبی واقفیت بھی ہو زور ہو اور حکمت و تدبیر نہ ہو وہ بھی بہت سے عیبوں کو پیدا

کر دیتا ہے۔ اس واقفیت کو حکمت کہتے ہیں۔ پہلی بات کے لیے العزیز دوسری کے لیے الحکیم فرما کر دعوے کو مدلل کر دیا۔

دلیل ۲۔ اب رہی یہ بات کہ دراصل اس میں یہ دونوں وصف ہیں بھی یا نہیں؟ اس کے ثبوت میں عالم کے تصرفات کو دلیل میں پیش کرتا ہے فقال لہ ملک السمٰوٰت والارض کہ آسمانوں اور زمین پر اسی کی حکومت اور اسی کی سلطنت ہے یہ بات ہر روز مشاہدے میں آرہی ہے کیونکہ یحیی و یمیت وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ گو عالم اسباب میں انسان اور حیوان اور جملہ موجودات کا وجود و عدم جس کو حیات و موت سے تعبیر کیا جاتا ہے بظاہر اسباب کی طرف منسوب ہے مگر جب عقل دوربین سے دیکھے گا تو ان جملہ اسباب کا سلسلہ اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہوا معلوم ہوگا جس لیے آخر یہی کہنا پڑے گا کہ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔ پھر جس کے قبضہ قدرت میں عالم کا ایجاد و انعدام ہے پھر اس کی کامل بادشاہی میں کیا کلام ہے؟ کس بادشاہ کو رعیت پر یہ اختیارات حاصل ہیں؟ اور لطف بلاغت دیکھو کہ اس کو مضارع کے صیغوں سے بیان کیا تاکہ معلوم ہو کہ بالفعل بھی مارتا جلاتا ہے ہر روز یہ فعل جاری ہے اور رہے گا یہ نہیں کہ کر چکا جس میں کوئی کلام کر سکے۔ اس لیے اس بات کی آپ ہی تصریح بھی کرتا ہے وھو علیٰ کل شئ قدیر کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔

دلیل ۳۔ پھر اس قدرت کاملہ کا اظہار اپنی چار صفتوں میں ثابت کرتا ہے فقال ھو الاول کہ وہ سب سے اول ہے اس سے پہلے کوئی نہیں کیوں کہ ہر شئے کا موجد ہے اور علت کا وجود جملہ معلومات سے مقدم ہوتا ہے۔ اس کی ابتدا جب ہوتی کہ کوئی اس سے پہلے ہوتا پس وہ ازلی اور قدیم ہے ذات و صفات میں۔ اور جو کچھ ہے وہ حادث ہے ذات و صفات میں ان کی نسبتیں ان کی ہستی سے مقدم ہے اور اسی طرح وہ الاٰخر بھی ہے سب کے بعد وہی رہے گا یعنی ابدی بھی ہے۔ سب مٹ جائیں گے پر وہ رہے گا اور الظاھر اور وہ سب پر غالب اور بلند بھی ہے سب سے برتر ہے۔ یا بہ معنی کہ تجلیات اور موجودات کے پردوں میں سے ایسا ظاہر ہے کہ اس قدر کوئی چیز ظاہر نہیں مصنوع جب اپنی خوبیوں کا جلوہ دکھاتا ہے اس سے پہلے اس کے صانع کی خوبی اور اس کا وجود جلوہ گر ہوتا ہے انہیں معنی میں بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں سب سے پہلے اس میں اللہ کو دیکھتا ہوں ؎

کہ بہ چشمان دل مبیں جز دوست
ہر چہ بینی بداں کہ مظہر اوست

باوجود اس کے الباطن مخفی بھی ایسا ہے کہ کسی کو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس کی حقیقت ذات ادراک ابصار و عقول سے محتجب ہے۔ یا یوں کہو کہ جس طرح سب سے بلند اور اونچا ہے اسی طرح سب سے نیچا بھی وہی ہے۔ وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ "اگر تم کنوئیں میں ڈول ڈالو گے تو وہ اللہ ہی پر جا کر پڑے گا" اس کے یہی معنی ہیں۔ وہ ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے اس کے احاطہ سے کوئی باہر نہیں سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ ترمذی و مسلم وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ایک دعا کا تلقین فرمانا مذکور ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور یہی تفسیر کی ہے اور اسی طرح احمد و مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بھی حدیث نقل کی ہے جس میں ان چاروں لفظوں کے یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔

دلیل ۴۔ یہاں تک پہلی بات کا ثبوت یعنی العزیز کی توضیح و تفسیر تھی۔ مگر انہیں میں سے دوسرے وصف کا بھی جلوہ نمایاں تھا اس لیے اس کی بھی تصریح کر دی دھی

بکل شئ علیم یہ الحکیم کی تفسیر ہے۔

دلیل نمبر ۵ اس کے بعد ایک گزشتہ اور ماضی کے فعل کو ذکر کرتا ہے جس سے اس کی کمال قدرت و حکمت کا اظہار ہوتا ہے فقال ھو الذی خلق السمٰوٰت الخ کہ اسی نے تو آسمانوں اور زمین کو چھٹے روز میں بنایا۔ اس کی تفسیر کئی جگہ ہوچکی ہے۔

ثم استوٰی علی العرش اس کے بعد تخت حکومت پر تصرفات کرنے کو بیٹھا۔ اس کی بھی تفسیر و تحقیق ہوچکی۔

دلیل نمبر ۶ اس کے بعد پھر اپنی حکمت و علم کا اظہار کرتا ہے یعلم ما یلج فی الارض کہ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں گھستا ہے۔ پانی اور نباتات کے تخم اور خزانے اور مُردوں کی لاشیں وغیرہ۔ وما یخرج منھا اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اس کو بھی جانتا ہے نباتات معادن وغیرہ۔ وما ینزل من السماء اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا ہے ملائکہ، رحمت، عذاب، بارش، احکام، حوادث وغیرہ سب کو جانتا ہے وما یعرج فیھا اور جو کچھ نیچے سے اوپر چڑھ کر جاتا ہے بندوں کے نیک اعمال اور نیک روحیں اور بعض انبیاء زندہ اور بندوں کی دعائیں اور زمین کے ابخرات سب کو جانتا ہے۔ اور انہیں پر کیا موقوف ہے وھو معکم این ما کنتم وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے واللہ بما تعملون بصیر اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھ رہا ہے۔ پھر اسی جملہ کا اگلے مضمون کی تمہید بنا کر اعادہ کرتا ہے فقال لہ ملک السمٰوٰت والارض اس کے بعد پھر اپنی قوت و حکمت کا اظہار شروع کرتا ہے فقال والی اللہ ترجع الامور عالمِ سفلی سے لے کر علوی تک اور جسمانی سے لے کر روحانی تک جن کے کاروبار اسباب پر مبنی ہیں سب اسباب اسی مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی قبضۂ قدرت میں ہیں اور تمام کائنات کا وہی مرکزِ اصلی ہے سب کا میلان اسی طرف ہے۔ ع

ہمہ رو سوئے تو بود و ہمہ سو روئے تو بود

مگر بہیمیت کے ظلمات اور رسم و رواج کی تقلید کے پتھر اس کے رستے میں حائل ہو کر اس کو اس طرف جانے سے روک دیتے ہیں انہیں کے دور کرنے کو دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور کتابیں بھیجی جاتی ہیں سب چیزوں کا اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی اس کے ہاتھ میں ہونا بیان فرمایا تھا۔

اس کے بعد چند بڑی بڑی باتوں کا اس کی طرف رجوع کرنا فرماتا ہے۔ فقال یولج الیل فی النھار الخ رات دن کو دیکھو کہ وہ قادرِ مطلق ان کو کس طرح سے الٹی پلٹی دیا کرتا ہے۔ تمام جہان منور ہوتا ہے دن کی بادشاہت زور پر ہوتی ہے کہ اس کو نیست کرکے رات کو اس میں داخل کر دیتا ہے۔ پھر رات دخیل ہوکر تمام جہان پر اپنا قبضہ کر لیتی ہے اس کے بعد پھر دن کو اس میں داخل کر دیتا ہے یہ کیسا انقلابِ عظیم ہے پھر کس کے قبضہ میں ہے؟ اسی کے۔ آفتاب بھی اسی کے حکم سے چلتا ہے۔ اس کی لگام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اس کی قدرت کا نمونہ ہے۔

اور علم کی یہ کیفیت ہے کہ وھو علیم بذات الصدور وہ ان چیزوں کو بھی تو جانتا ہے جو سینہ میں ہوتی ہیں یعنی دل میں مخفی ہوتی ہیں دل کی بات کو سینے کی بات بھی محاورہ عرب میں کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ دل سینہ میں ہوتا ہے انسان کے تمام مخفی ارادے اور خیالات بھی اس کے سامنے حاضر ہیں۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا
اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس چیز میں سے
جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ
جس میں تم کو قائم مقام کیا دیا کرو اللہ کی راہ میں۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا
پھر وہ جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے خرچ بھی کیا
لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ
ان کے لیے بڑا اجر ہے اور تم کو کیا ہوا
لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ
جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور رسول ہے کہ
يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ
تم کو تمہارے رب پر ایمان لانے کے لیے (برابر) بلا رہا ہے اور
قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تم سے عہد بھی لے چکا ہے اگر تم کو
مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ
یقین آئے وہی تو ہے جو اپنے بندے پر
عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ
کھلی کھلی آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ لوگوں کو
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ　ع ۱۰ / ۱۷
اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لائے اور اللہ تو
بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا
تم پر بڑا عنایت فرما مہربان ہے اور تم کو

لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
کیا ہوگیا جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے
وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ تو اللہ ہی کے لیے ہے
لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ
تم میں سے اور کوئی اس کے برابر نہیں ہوسکتا کہ جس نے فتح مکہ
قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ
سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا یہ ہیں کہ اللہ کے نزدیک
دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ
جن کا بڑا درجہ ہے ان لوگوں سے کہ جنہوں نے بعد میں خرچ کیا
بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ
اور جہاد کیا اور (یوں تو) اللہ نے ہر ایک سے نیک
الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے
خَبِيْرٌ ⑩ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ
خبردار ہے کوئی ہے جو اللہ کو خوش دلی سے
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ
قرض دے کہ وہ اس کو دوچند کرکے لے

ف والرسول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا انسان کی حالت اور دہر کا انقلاب اور توارد نعماء سب اللہ کے پیغام بر ہیں جو انسان کو اللہ پر ایمان لانے کے لیے بلا رہے ہیں اور دلائل آفاق و انفس خدا کا عہدنامہ ہے جو بندے نے زبانِ حال سے تمام کیا ہے ان دونوں باتوں پر بھی ایمان نہ لانا، اس کی طرف نہ جھکنا اندھاپن ہے۔ ایسے اندھے کا عالم محسوس کی بھی کسی چیز اور کسی حالت پر ایمان نہیں۔ ان کنتم مؤمنین میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کس لیے کہ اگر کسی کا ان باتوں پر ایمان و یقین ہوگا تو ضرور اللہ ہی پر ہوگا ۱۲ منہ

ف قبل الفتح کے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ انکشاف حجاب ظلمانی سے پہلے مال و جان سے اس کی تلاش میں جہاد و کوشش کرنا اعلیٰ درجہ ہے کس لیے کہ بعد فتح یعنی انکشاف تو مال و جان صرف کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس تقدیر پر فتح سے فتح مکہ بالخصوص مراد نہیں بلکہ عام ہے فتح بمعنی انکشاف حجابات و فتح بمعنی رفع مصائب و فتح بمعنی حصولِ مرادات و نعماء جن میں سے اعداء دین پر فتح اور ان کے مسکن پر غلبہ بھی، جو فتح کو بھی شامل ہے اور نفس امارہ پر فتح یابی کو بھی شامل ہے مگر اصل معنی وہی ہیں جو متن تفسیر میں مذکور ہوئے جو متبادر الی الفہم ہیں ۱۲ منہ

وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ○

اور اس کے لیے عمدہ بدلہ ہے

تفسیر

جب یہ ہے تو انسان کو اپنے دل میں سب سے عمدہ خیال اور سب سے اعلیٰ اعتقاد رکھنا چاہیے اس لیے اس کے بعد فرمایا اٰمنوا باللہ ورسولہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نجات اور حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے اور دوسری زندگانی کی روح ہے۔ مگر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں اس کے بعد کچھ عمدہ کام بھی کرنے چاہییں اور اعمال میں خلقِ خدا کے ساتھ سلوک کرنا بڑا عمدہ کام ہے اس لیے اسی کو ذکر کیا وانفقوا الخ کہ خیرات بھی کرو۔ ابتداء اسلام میں جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ قریش کی سخت کشاکش میں تھے ایمان لانا اور خیرات کرنا ہی سکھایا جاتا تھا اور باتوں کے ماننے کی ابھی ان میں صلاحیت نہ تھی جب صلاحیت بڑھنی گئی اور احکام بھی تکمیلِ سعادت کے لیے فرض ہوتے گئے اس لیے اس آیت میں ان کفارِ قریش کو انہیں دو باتوں کی طرف بلایا جاتا ہے۔ مگر مال خرچ کرنا آسان کام نہیں، طبیعت کا بخل مانع آیا کرتا ہے اس لیے مختلف طور سے اس کی تاکید کی جاتی ہے۔

(۱) مما جعلکم مستخلفین فیہ اس مال میں سے دو جس کا خدا نے تم کو خلیفہ یا وارث بنایا۔ باپ دادا کی میراث یا کسی کے عطیہ یا کسی سبب[1] سے حاصل ہوا۔ کل وہ غیر کے پاس تھا آج اس کے پاس یہ اس کا خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سدا کسی کے پاس نہیں رہا ہے نہ تمہارے پاس رہے گا، آنی جانی چیز ہے اس میں جو کچھ ہو سکے اپنے عہد میں نیکی کر لو مرنے کے بعد یا بگر اسباب سے یہ دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے۔

(۲) فالذین اٰمنوا الخ کہ جو ایمان لائیں گے اور اللہ کے رستے میں دیں گے ان کے لیے بڑا عمدہ بدلہ ملے گا یہ ضائع نہ جائے گا کبھی اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے ورنہ اکثر تو اس جہان میں ملتا ہے جہاں یہ مرکر جاتا ہے اور دوسری زندگی حاصل کرتا ہے۔ اس لیے نیک لوگوں نے جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایک صحابی سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے گھر میں تمہارا کچھ مال و اسباب دکھائی نہیں دیتا کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا بھائی یہ میرا گھر نہیں مسافر خانہ ہے چند روزہ مہمان ہوں مجھے جو ملتا ہے اس کو اپنے اصلی گھر میں بھیج دیتا ہوں جس کو نہ کوئی چور لے سکے نہ ظالم چھین سکے۔ یہ جواب سن کر سائل پھوٹ پھوٹ کر اپنی غفلت اور حبِ مال پر رونے لگا۔ یہاں سے ایمان کی بھی تاکید شروع ہو گئی کیوں کہ یہ نہیں تو خیرات کا بھی نفع نہیں اور یہی اعتقاد تو اس کو خیرات پر حرکت دیتا ہے اس لیے ایمان کی تاکید کرتا ہے فقال وما لکم لا تؤمنون الخ کہ تم کس لیے ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کا رسول تم کو ایمان لانے کے لیے کہہ رہا ہے اور تم سے عہد بھی لے لیا ہے یا تو وہی عہدِ ازلی جو روحوں سے لیا گیا تھا یا دنیا میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا حاصل کرنا اور روز مرہ صدہا دلائل دیکھنا عقلِ سلیم کا عہد ہے کہ اپنے اللہ پر ایمان لائے ان کنتم مؤمنین اگر تم کو ایمان لانا منظور ہے تو کس لیے نہیں لاتے۔ بعض کہتے ہیں ان الخ جملہ شرطیہ ہے جزاء محذوف ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تم کو اجرِ عظیم

[1] تجارت ہو یا حرفہ ۱۲ منہ

ملے گا۔

ھو الذی ینزل الخ کہ اللہ جس پر ایمان لانا چاہیے وہ ہے کہ جو اپنے بندے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آیتیں نازل کر رہا ہے خاص تمہارے بھلے کو کہ تم کو گمراہی کی اندھیریوں[1] میں سے نکال کر ہدایت وسعادت کی روشنی میں لائے اور اور اللہ تم پر بڑا مہربان ہے جو اس نے ایمان لانے کے لیے رسول بھیجا ورنہ اس کو کیا پروا تھی۔ یہ بیچ میں تاکیدیں ایمان کے لیے تھیں جو مقصد اصلی ہے۔

(۳) تاکید وما لکم الا تنفقوا الخ خیرات کے لیے تم کس لیے خرچ نہیں کرتے آخر چھوڑ جاؤ گے سب اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ یا یہ کہ سب مال اللہ کا ہے اس کے بدلے میں تمہیں اور مال دے گا۔

(۴) پھر خیرات کے مراتب بیان فرماتا ہے لا یستوی کہ خیرات اگرچہ ہر حال میں بہتر ہے مگر بعض اوقات کہ جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں مکہ فتح ہونے سے پہلے فقرائے اسلام پر بڑی تنگ دستی تھی اس وقت کا دیا بعد کے دیے کے برابر نہیں جس نے اس وقت اللہ کی راہ میں دیا اور جہاد کیا جان اور مال دونوں کو کام میں لایا اس کا اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے مگر جس نے بعد میں بھی ایسا کیا ثواب اور نیک وعدہ اس کے لیے بھی ہے مگر مدار نیت اور خلوص پر ہے اس لیے فرما دیا واللہ بما تعملون خبیر کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ جانتا ہے اس میں یہ بھی رمز ہے کہ اس سے مت ڈرو کہ ہمارے دینے کا اس کو علم نہ ہوگا پھر بدلہ کیوں کر ملے گا جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کے کارگزاروں کو فکر ہوتی ہے جس لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ آقا کو یہ کارگزاری معلوم ہو جائے۔

(۵) من ذا الذی الخ یہ اور زیادہ اللہ کی راہ میں دینے کی تحریک ہے۔ یعنی جو کچھ تم دیتے ہو اللہ کو قرض دیتے ہو جو بڑا غنی اور دگنا کر کے دینے والا ہے پھر کوئی ہے جو اس کو قرض دے جو دگنا واپس دے اور اپنی طرف سے عمدہ اجر بھی دے؟ ہر چند خدا تعالیٰ کو کسی کی کچھ حاجت نہیں نہ وہ محتاج ہے نہ اس کو قرض لینے کی حاجت ہے مگر یہ اس کی رحیمی ہے کہ جو کوئی اس کے لیے کسی حاجت مند کو دیتا ہے گویا خدا تعالیٰ اپنی ضمانت دیتا ہے کہ یہ اس نے ہم کو قرض دیا ہم دگنا کر کے دیں گے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت میں خدا تعالیٰ فرمائے گا اے بندے میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ اللہ تو ان باتوں سے پاک تھا۔ فرمائے گا تیرے پاس میرا بندہ بیمار تھا تو اس کی عیادت کرنا تو گویا میری عیادت کرنا اور میرا بندہ تیرے پاس بھوکا تھا اس کو کھانا کھلاتا تو گویا مجھ کو کھلاتا کیوں کہ یہ سب کام میرے ہی واسطے ہوتے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسکین پر اس کے الطاف کی تجلی ہوتی ہے اور ہر درد مند پر۔ اس لیے یہ مصائب خاص لوگوں پر نازل ہوتے ہیں۔ یہود بدبخت نے اس بات کو سمجھا نہیں یہ جملہ سن کر کہہ دیا کہ اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔

سبحان اللہ اس آیت میں اللہ کی راہ میں دینے کی کس قدر بلیغ تاکید کی گئی اور کن کن پیرایوں میں۔ اول یہ کہ مسکین کو دینا ہم کو قرض دینا ہے۔ دوم یہ کہ ہم دگنا کر کے دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ اس کے علاوہ اور بھی عمدہ اجر دیتے ہیں۔

---

[1] گمراہی کے بہت اقسام تھے ہر ایک کی جداگانہ ظلمت تھی جس میں اس عہد کے لوگ مبتلا تھے اس لیے ظلمات جمع کا صیغہ لایا اور ایمان و ہدایت کی روشنی ایک ہی ہے اس لیے مفرد لایا ۱۲ منہ

چہارم من ذا الذی الخ استفہام کیا کہ کون ہے جو ہمیں قرض دے گویا ہم مانگ رہے ہیں۔ پھر اس پر بھی جو کوئی نہ دے تو بڑا ہی بدبختِ ازلی ہے۔ اے میرے اللہ! آپ پر جان اور مال فدا ہے جو تو نے ہی دیا ہے۔

یہ تمام صفات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں موجود تھے فتح مکہ سے پہلے وہ ایمان لائے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں مال بھی دیا خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر امامت کے مسئلے سے اجس کا مدار انتخاب پر تھا جو حسنِ خدمات لیاقت وکارگزاری اور فضلِ علم وصحبت پر تھا جس لیے ان تمام صحابہؓ نے ابوبکرؓ کو منتخب کیا۔ کس لیے ان کو کافر و مرتد اور غاصب بنایا جاتا ہے؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعد میں خلیفہ بنانے سے ان پر جھوٹے الزام لگائے جائیں سخت بے جابات ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
(اے رسول) جس دن کہ آپ دیکھیں گے کہ ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے اور ان کے

يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ
دائیں طرف ان کی روشنی (ایمان) دوڑتی چلی جا رہی ہوگی (اور اس وقت)

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ
ان سے کہا جائیگا آج کے روز تم کو مژدہ ہے ایسے باغوں کا کہ جس کے نیچے

تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ذٰلِكَ
نہریں بہہ رہی ہیں جس میں تم سدا رہا کرو گے یہ ہے

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑫ يَوْمَ يَقُولُ
ان کی بڑی کامیابی　جس دن کہ منافق

الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِينَ
مرد　اور عورتیں　ایمان داروں سے

اٰمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ
کہیں گے　ذرا ٹھیرو کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں

قِيلَ ارْجِعُوا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوا
ان سے کہا جاوے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ　پھر روشنی ڈھونڈ کر

نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ
لاؤ　پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں

بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ
دروازہ ہوگا جس کے اندر کے رخ تو رحمت　اور باہر کے رخ

مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬ يُنَادُونَهُمْ
(جدھر کفار ہوں گے) عذاب ہوگا۔ (اور اس دن) وہ منافق پکار کر کہیں گے

أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ
کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے بے شک　لیکن تم نے

فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَ
اپنے آپ کو خود خرابی میں ڈال دیا تھا　اور (ہم پر مصیبت کے آنے کا) انتظار

ارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ
کرتے تھے اور شک میں پڑ گئے تھے (ان بیجا) آرزؤں ہی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا

حَتّٰى جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ
یہاں تک کہ حکم الٰہی آن پہنچا　اور تم فریب دینے والے نے اللہ سے

الْغَرُورُ ⑭ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ
غافل کر دیا تھا　پھر آج کے روز نہ تم سے فدیہ لیا

فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا
جائے گا　اور نہ ان سے ہی کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا

مَأْوٰىكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰىكُمْ
الغرض تمہارا ٹھکانا آگ ہے　یہی تمہاری جگہ ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑮
اور بہت ہی بری جگہ ہے

ف　ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تم پر کہ ایک زندگی مستعار رکھتے ہیں

ترکیب

یوم الظرف لیضاعف وقیل العامل یسعٰی و قیل التقدیر. اوجرون یوم تری ای یسعٰی نورھم حال بین ایدیھم ظرف یسعٰی اوحال من النور بشراکم مبتدا. جنّٰت الخ خبرہ ای دخول جنات والجملۃ حال ای یقال لھم ذلک یوم یقول بدل من یوم الاول وقیل التقدیر اذکر باطنہ الجملۃ صفۃ لباب اولسور ینادونھم حال من الضمیر فی بینھم۔

تفسیر

پہلی آیتوں میں جہاد کرنے والوں ایمان داروں اللہ کو قرض دینے والوں کے لیے دوچند ملنے اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہوا تھا اس لیے اس ایفاء وعدہ کا وقت بیان فرماتا ہے:۔

فقال یوم تری المؤمنین والمؤمنٰت الخ کہ یہ اُس دن ہوگا کہ جس روز ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے ان کا نور دوڑتا ہوا چلے گا اور ان کو جنت کا مژدہ دیا جائے گا اور جس دن منافق اُس نور کی حسرت کریں گے یعنی قیامت کے روز کہ جہاں سخت حاجت ہوگی اور وہ ایک دوسرے جہان کی جاودانی زندگی ہوگی اس روز ان کو یہ بدلہ ملے گا۔ دنیا چند روزہ ہے اُس دُربے بہا کی یہاں چنداں ضرورت نہیں کہ دے کر ضائع کر دیا جائے ہاں کسی قدر اجر یہاں بھی کبھی دے دیتے ہیں۔ اجر ملنے کا وقت بھی بیان فرمادیا اور اس کے ضمن میں قیامت کا حال بھی ذکر کر دیا جس کا خوف انسان کو نیکی کی طرف حرکت دیتا ہے۔

اب کلام اس میں ہے کہ مؤمنین و مؤمنات کے آگے نور دوڑنے سے کیا مراد ہے اور کس موقع پر ہوگا؟ جمہور مفسرین اس کے قائل ہیں کہ یہ پل صراط کا قصہ ہے۔ جو جہنم کے اوپر ایک باریک تار کھنچی ہوگی جس پر سے چلنے کا حکم ہوگا اور اس کے سامنے جنت کی دیوار بھی دکھائی دینگی کہ لو جنت میں جاؤ مگر اس پُل پر سخت اندھیری ہوگی وہاں صرف ایمان اور عمل صالح کا نور یا قندیل آگے آگے دوڑتی چلے گی۔ ایمان دار برقِ خاطف کی طرح عبور کرکے جنت میں چلے جائیں گے۔ منافق ایمان داروں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھیرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں کس لیے کہ ان کے پاس روشنی نہ ہوگی۔ ایمان دار کہیں گے پیچھے جاؤ یہاں روشنی نہیں ہم بھی وہیں سے لائے ہیں یعنی دنیا سے پھر ان کے درمیان حجاب ہو جائے گا الغرض منافق و کافر اس اندھیری میں اور اس باریک راستے میں جو ایسے قعرِ جہنم کے منہ پر ہوگا چل نہ سکیں گے کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔ یہ بھی بندوں کے الزام دفع کرنے کا طریقہ ہوگا کہ ہم نے تمہاری روشنی نہیں بجھائی تمہیں دنیا میں اس کو ضائع کر کے آئے ہو۔ یہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کا خلاصہ ہے جن کو اہلِ سنت مانتے ہیں۔

بِسُوْرٍ۔ سور: دیوار اس سے مراد حجاب ہے جس کے اس طرف عذاب اور پرلی طرف جنت و رحمت ہوگی۔ اس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں گزر کر ایماندار جنت میں جائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں یہی وہ دیوارِ اعراف ہے۔

حجاب ہونے کے بعد منافق مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے تمہارے جیسے اعمال نماز روزہ عمل میں نہ لاتے تھے پھر آج کس لیے تم نے ہم کو چھوڑ دیا؟ مسلمان جواب دیں گے ہاں تھے مگر تم کو اعتقاد نہ تھا جو کچھ کرتے تھے دکھانے کے لیے اور تم دنیا کی محبت میں فریفتہ تھے جس کے لیے اپنے آپ کو کفر و معاصی میں ڈال رکھا تھا جو فتنہ تھا اور اسلام کے

در پردہ دشمن تھے تکا کرتے تھے کہ کب اسلام کو
شکست ہو کہ ہم آزادانہ بدکاری و خراباتی کے مزے
اڑائیں احکام کی تکلیف سے چھوٹ جائیں اور دارِ آخرت
اور نئی زندگانی میں تم کو شک تھا اور تمہاری تمناؤں نے
تم کو بھول میں ڈال دیا تھا کہ ایسا مال ہو ایسی اولاد ہو
ایسی جائداد ہو رات دن اسی فکر میں تھے اور شیطان
نے خدا تعالیٰ کی طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا تھا کہ
وہ غفور رحیم ہے ہم جو کچھ کرتے ہیں معاف کر دے گا یا
یہ کہ خدا تعالیٰ کو اس روز کے برپا کرنے پر قادر ہی نہیں
جانتے تھے یا یہ کہ اس کے منکر تھے اور دہر اور طبیعت کو
ہی متصرف جانتے تھے آخر موت آگئی غرکم باللہ
الغرور کے یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔

پھر آج تم سے اور کافروں سے کوئی فدیہ نہ لیا جائیگا
کہ کوئی جرمانہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ ما یفتدی
نہ آج کے روز تمہاری توبہ قبول ہے نہ روپیہ پیسہ لیا جاتا
ہے۔ ماوٰکم النار تمہارا ٹھکانا آتش جہنم ہے۔ ھی
مولٰکم یہی تمہارے پاس کی جگہ ہے یا یہی تمہارے
لائق ہے۔ یا تمہاری چارہ ساز ہے اور کوئی نہیں۔

الغرور بالفتح شیطان۔ دھوکا دینے والا و بالضم
مصدر ہے جس کے معنی ہیں دھوکہ۔ کہ دنیا میں تم پر کوئی
سزا نہیں آتی تھی اس دھوکے نے تم کو اللہ کی طرف سے
غفلت میں ڈال دیا تھا۔

عرفاء کے نزدیک وہ نور جو اس کے آگے چلتا ہے معرفت
و محبت الٰہی ہے یہی جذبۂ عشق اس کو طبیعت و خواہش
کی اندھیریوں اور عدم و امکان کے سخت ظلمات متراکمہ
سے نکال کر نورِ محض حق جل عظمتہ کے جوارِ عاطفت تک
لے جاتا ہے اور یہ جوار جنت و گلزار و حیاتِ جاودانی
کی جگہ ہے۔ اور جن کو یہ نور نصیب نہیں وہ انہیں ظلمات
میں ٹکرائیں گے، اس صحنِ نور تک نہ پہنچ سکیں گے اور
ہر ابدی ظلمات جہنم و نار کی شکل میں جلوہ گر ہوں گی پھر
وہاں اس نور کی تمنا کریں گے جو محض بے سود ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ
کیا ایمان داروں کے لیے وہ وقت نہیں آگیا ہے کہ ان کے دل
قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ
اللہ کی یاد سے اور اس (کلام) برحق سے نازل کیا ہے دل گداز
مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
نہ ہو جائیں اور وہ اہل کتاب جیسے نہ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ
ہو جائیں جس پر مدت دراز
عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ
گزر گئی جس سے ان کے دل سخت ہو گئے
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا
اور بہت تو ان میں سے بدکار ہی ہیں جان رکھو
اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ
کہ اللہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا کرتا ہے
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
ہم نے تو تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں تاکہ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ
تم سمجھو بے شک خیرات کرنے والے مرد اور
الْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا
خیرات کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو خوش دلی سے
حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ
قرض دیا ہے ان کو دوچند دیا جائے گا اور ان کو
اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾
عمدہ بدلہ ملے گا۔

ترکیب

الوبیان من انی الامر یانی اذا جاء اناہ ای وقتہ وقری الم یئن من آن یئین بمعنی انی یانی۔ ان تخشع الجملۃ فاعل یان واللام للتبیین وما بمعنی الذی وہو عطف علی الذکر عطف احد الوصفین علی الاخر وفی نزل ضمیر یعود الیہ ولا یکون الخ عطف علی تخشع والمراد النہی عن مماثلۃ اہل الکتاب فیما حکی عنہم بقولہ فطال الخ واقرضوا اللہ فیہ وجہان احدہما ہو معترض بین اسم ان وخبرہا وہو یضعف والثانی انہ معطوف علیہ لان الالف واللام بمعنی الذی ای ان الذین تصدقوا۔

تفسیر

منافقوں اور کافروں کی دردناک مصیبت آنے والے دن کی بیان فرماکر ایمان والوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اپنی حالت پر قائم رہیں اور آیندہ سعادت کے میدان میں ترقی کرتے رہیں اس لیے اصولِ سعادت ذکر فرماتا ہے:۔

فقال الم یان الخ اعمش کہتے ہیں صحابہؓ مدینہ میں آکر کسی قدر کھیتی باڑی کے شغل میں اس سرگرمی سے سست ہوگئے تھے اس آیت میں ان پر عتاب ہے تاکہ پھر پہلی حالت کی طرف رجوع کریں۔ ایمان و اعمالِ صالحہ کے بعد تخشع یعنی نرم دل ہونا اور اللہ سے ڈرتے رہنا بھی ترقیٔ درجات کے لیے عمدہ سیڑھی ہے اس کو مرتبۂ احسان کہتے ہیں جس کی شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ جبریل میں خوب فرمادی ہے جیساکہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

فرماتا ہے کہ کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آگیا ہے کہ ان کے دل لرزا کریں اللہ کا ذکر اور اس کی نازل کی ہوئی برحق بات (قرآن) سُن کر اور وہ اگلے اہل کتاب جیسے نہ بن جائیں کہ جن پر زمانہ گزرنے سے ان کے دل سخت ہوگئے اور بہت سے بدکار ہوگئے۔ یعنی ذکر اللہ اور قرآن سُنا کریں اور ڈرا کریں اور یہود و نصاریٰ کی طرح سخت دل نہ بن جائیں۔

زمانہ جو امد کا ترجمہ ہے اس میں مفسرین کے چند اقوال ہیں:۔

(۱) یہ کہ ان میں اور ان کے انبیا میں مدت گزر گئی تھی اس لیے ان کے دل سخت ہوگئے تھے زبان پر سب کچھ تھا مگر دل مر چکے تھے[۱]۔

(۲) یہ کہ اس غفلت میں ان کو مدت گزر گئی تھی یہاں تک کہ یہ غفلت اور حبِ دنیا اور دین سے بے خبری ایک پشت سے دوسری پشت تک متوارث ہو کر طبیعت ہوگئی تھی۔

(۳) یہ کہ ان کی اس بے ہوشی اور سخت دلی پر مدتوں کوئی عذاب و مصیبت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے

[۱] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صرف علم کافی نہیں نہ کتابیں پڑھ لینا بلکہ ایسے کاملین کی صحبت جو نورِ مجسم ہوتے ہیں اور ان کی زبان سے سننا اور ہی اثر پیدا کرتا ہے وہی بات ہے کہ جس کو ایک خوش بیان عمدہ تقریروں میں بیان کر رہا ہے جس کا اثر قلوب تک نہیں پہنچتا اور پہنچتا ہے تو قائم نہیں رہتا اسی بات کو وہ نورِ مجسم سیدھے لفظوں میں بیان کر کے اپنی روحانی تاثیر سے دلوں میں نقش حجر کر دیتا ہے جس سے دیرپا جوش اور سچی سرگرمیوں کا ایک دریا رواں ہو کر قوموں اور ملکوں کو احاطہ کر لیتا ہے یہی قرآن ہے کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سناتے تھے پھر تیرہ برس میں کیسا انقلابِ عظیم عرب میں نمودار ہوا یہی ہے کہ جس کو اور لوگ پڑھتے اور سناتے ہیں آج کل لیکچرار اور سپیکر حشرات الارض کی طرح نکل پڑے مگر اثر ندارد خود ان ہی کے دلوں میں اثر نہیں ہوتا پھر اوروں کے دلوں پر ان کی حکومت کیوں کر ہو سکتی ہے؟ ۱۲ منہ

اور بھی ڈھیٹ اور نڈر ہو گئے تھے۔ صحابہؓ کے ڈر اور نرم دلی کی یہ نوبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پہنچی تھی کہ قرآن مجید سن کر زار زار رو یا کرتے تھے۔ صبح کی نماز میں امام قرآن پڑھ رہا تھا اس میں وہ آیات تھیں کہ جن میں تہدید و تنبیہ ہے یہ سن کر ایک مقتدی پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر گر پڑا لوگ اٹھا کر اس کے گھر لے گئے اسی حالت میں مرگیا۔ (ترمذی)

اس پر خیال گزر سکتا تھا کہ جب دل ایسے سخت ہو جاتے ہیں تو مر جاتے ہیں پھر وہ کسی کی صحبت یا وعظ و قرآن سننے سے کیوں کر زندہ ہو سکتے ہیں گویا مایوسی سے فرماتا ہے اعلموا ان اللّٰہ الخ کہ مایوس نہ ہونا چاہیے کوشش کرنی چاہیے کس لیے کہ اللہ مردہ زمین کو (خشک کو) ابر رحمت سے پھر زندہ (سبز) کر دیا کرتا ہے اس بات کو جان لو۔ ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان فرما دی ہیں تا کہ تم سمجھو۔ اس میں حشر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں مرنے کے بعد انسانوں کو ہم زندہ کر دیں گے۔ یہ بھی خوف دلانے والی بات تھی کس لیے کہ حشر کا یقین کامل ہونے کے بعد ڈرنا لازمی بات ہے۔

دل مردہ کے زندہ کرنے والے اسباب بھی ضمناً بیان فرما دیے گئے کہ اللہ کے ذکر اور اس کی نازل کردہ کتاب سے زندہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک اور بھی نسخہ تھا اس کو دوسرے پیرایہ میں ذکر فرماتا ہے ان المصدقین کہ صدقہ دینے سے بھی دل زندہ ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ و دیگر خیرات سب کو شامل ہے کس لیے کہ کسی کا دل خوش کرنا اور حاجت براری کرنا اس کی خوشنودی کا باعث ہے اس کے بدلے میں وہ دو چند دیتا ہے اور آخرت میں اجر عظیم جنت عطا کرتا ہے۔ (واقرضوا اللّٰہ الخ اسی صدقہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کو قرض دیا بطور جملہ معترضہ کے)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ

اور وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر یقین لائے وہی

هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ

اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید

رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَ

ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور نور ملے گا اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا

ع ۹ ۲ ۱۸ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ اِعْلَمُوْٓا

وہی دوزخی ہیں جان رکھو

اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّ

کہ دنیا کی زندگی یہی کھیل اور کود اور

زِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ

آرائش اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر

فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ

بڑائی اور زیادتی ڈھونڈتا ہے جیسا کہ

غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ

بارش جس کا سبزہ کھیتی کرنے والوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے پھر

يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ

وہ زور پر آتا ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر چورا

سلہ دل بمنزلہ زمین کے ہے اور ذکر الٰہی اور قرآن بمنزلہ آب رحمت کے جس طرح آب رحمت سے خشک زمین جس کو مرنے سے مشابہت ہے تر ہو جاتی ہے جس کو زندگی سے مشابہت ہے اسی طرح ذکر و قرآن سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں ۱۲ منہ

حُطٰمًا ؕ وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ

ہو جاتا ہے　اور آخرت میں تو دنیا پر فریفتہ ہونے والوں کے لیے سخت عذاب ہے

وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا

(اور خدا پرستوں کے لیے) اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہے　اور

الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

دنیا کی زندگی ہے کیا　یہی ایک دھوکے کا اسباب

ترکیب

والذین مبتدا. باللہ متعلق بامنوا ورسلہ معطوف علیہ اولئک مبتدا هم الصدیقون خبرہ والجملۃ خبر والذین عند ربھم ظرف للشھداء کمثل الکاف فی موضع نصب من معنی ماتقدم ای یثبت لھا ہذہ الصفات مشبھۃ بغیث ویمکن ان تکون فی موضع رفع ای مثلھا کمثل غیث۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جہاں ایمان داروں کا نور اُن کے آگے دوڑتا ہوا ان کی رہبری کرے گا اور منافق نور نہ ہونے کی وجہ سے حسرت کرے گا اس کے بعد فرمایا تھا کہ کیا اب وہ وقت نہیں آن پہنچا کہ ایمان دار ڈریں اور غافل نہ ہو جائیں اور صدقہ وخیرات و ذکر و تلاوت عمل میں لائیں اور صدقہ و خیرات کے بعد صدقہ و خیرات دینے والوں کے لیے دوچند ملنے اور اجر عظیم پانے کی بشارت بھی تھی جس سے ظاہر بینوں دنیا پرستوں کا خیال جا سکتا تھا کہ جو کچھ ہے روپیہ پیسہ ہے اسی کی خیرات کے بدلے میں اجر عظیم ملتا ہے۔ خالی عبادت و ایمان و محبت الٰہی کو کون پوچھتا ہے ؟ اس لیے ان آیات میں ایمان کی فضیلت اور ایمان داروں کے درجات اور کفر و تکذیب کی خرابی گو کافر و مکذب دنیا بھر کی خیرات کرے بیان فرماتا ہے۔ اور اس کے بعد خود دنیا کی بے ثباتی اور اس کی بے قدری ظاہر فرماتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ اصولِ سعادت ایمان ہے یہی اس کو صدیق و شہید عنداللہ بنا دیتا ہے یہی اجرِ عظیم کا مستحق اور اس نور کا مالک کر دیتا ہے۔ وہ نورِ ایمان ہی سے حاصل ہوتا ہے جو دنیا میں بھی اس کا رہ نما ہے اور آخرت کی اندھیریوں میں بھی رہ نمائی کرے گا۔

صدیق (بر وزن فعیل) تصدیق کرنے والا۔ دل سے سچا جاننے والا۔ عرفِ شرع میں یہ ایک خاص مرتبہ ہے نبوت سے کم اور تمہوں سے بڑھ کر۔ صدیق نبی کا قوتِ نظریہ میں پرتو اور ظلِ کامل اور سچا نمونہ یا روحانی فرزندِ اکبر اور جانشین ہوتا ہے۔ ہر امت میں صدیق گزرے ہیں جن کی برکات و فیوضِ نبوت کا لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اس امت میں ابوبکر و علی و عثمان و زید و طلحہ و زبیر و سعد و حمزہ رضی اللہ عنہم تھے۔

شہید یہ نبی علیہ السلام کی قوتِ عملیہ کا ظلِ کامل ہے۔ صدیق کے بعد اس کا مرتبہ ہے۔ مگر بڑا بلند مرتبہ ہے۔ اس شخص سے خوارق و کرامات اس کثرت سے خود بخود ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کا شمار مشکل ہے حیات میں بھی اور بعد الممات بھی اُن کے اجسادِ پاک سے ان کا روحانی تعلق ایک نئی قسم کا باقی رہتا ہے اس امت میں حضرت عمر فاروق و حمزہؓ و علیؓ و حسنینؓ وغیرہم گزرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کفار سے لڑ کر جہاد میں مر جانے والے کو بھی شہید کہتے ہیں اور اسی طرح مبطون وغیرہ کو بھی اس ذیل میں درج کر دیا جاتا ہے مگر شہیدِ اکبر وہی لوگ ہیں کہ جن کی قوتِ روحانی اس اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہو۔ عام ہے کہ یہ جہاد میں یا کافر کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہوں یا نہ وہ اپنے بستروں پر بھی مر جائیں

توبھی شہید ہیں اولیاء کرام رحمہم اللہ اسی مرتبے میں ہیں۔
انما الحیوۃ الدنیا دنیا کی زندگی کو لہو و لعب کہا جو لڑکپن اور شہوانی لوگوں کی زندگی ہے۔ اور زینت جوانی کے ایام میں آرائش و تجمل مرغوب ہوتا ہے۔ اور تفاخر و تکاثر بڑھاپے میں۔ پھر ان کو ساون کی گھاس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جب اگتی ہے تو خوش نما معلوم ہوتی ہے پھر چند روز میں زرد ہو کر سوکھ کر چورا ہو جاتی ہے۔ یہی انسان کا حال ہے۔ گھاس تو دار آخرت کے عذاب و ثواب سے فارغ ہے مگر اس پر وہاں کا عذاب و ثواب باقی رہ گیا۔ اس لیے دھوکے کا سرمایہ ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف
وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَ
دوڑو کہ جس کی چوڑان آسمان و زمین
الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
جیسی ہے جو ان کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
جس کو چاہے نصیب کرے اور اللہ بڑا فضل
الْعَظِيْمِ ۝ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ
کرنے والا ہے جو کوئی مصیبت زمین پر
فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ
یا خود تم پر پڑتی ہے
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ
وہ اس سے پیشتر کہ ہم اس کو پیدا کریں کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۲۲ لِّكَيْلَا
بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے تاکہ جو
تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا
چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تم کو دیوے
بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ
اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی اترانے والے بڑائی مارنے
مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝۲۳ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ
والے کو پسند نہیں کرتا کہ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں
وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَ
اور لوگوں کو بھی کنجوسی سکھلاتے ہیں اور
مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ
جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پروا
الْحَمِيْدُ ۝۲۴
خوبیوں والا ہے۔

ترکیب

عرضہا مبتدا، کعرض السماء الخ خبرہ والجملۃ صفۃ جنۃ۔ اعدت صفۃ اخری۔ فی الارض الجار متعلق بمصیبۃ لانہا مصدرہ یجوز ان تکون صفۃ لہا علی اللفظ او المحل۔ و مثلہ ولا فی انفسکم الا فی کتب حال ای مکتوبۃ من قبل لغت لکتاب او متعلق بہ لکیلا کی ناصبۃ للفعل بمعنی ان (آسی) اندوہ و اندوہگین شدن من سمع یسمع یقال اسی علی مصیبۃ ای حزن واسیت بفلان ای حزنت لہ

[1] ان کا جہاد نفس کے ساتھ تھا جو [illegible] عدو اللہ ہے ۱۲ منہ

تفسیر

دنیا کی بے ثباتی اور بے قدری بیان فرما کر دارِ آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے جس کے لیے انسان اِس فانی گھر میں چند روزہ مہمان بنایا گیا ہے۔ فقال سابقوا الی مغفرة من ربکم الخ کہ ان کاموں کی طرف دوڑو اور جلد حاصل کرو کہ جو اللہ کی مغفرت اور حصولِ جنت کا باعث ہیں پھر جنت کے اوصاف بیان فرماتا ہے:۔

(۱) عرضها کعرض السماء والارض کہ اس کی چوڑان آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ سُدّی کہتے ہیں کہ جنت کی چوڑان کو تشبیہ دی ہے آسمان اور زمین کی چوڑان سے اور بتلایا گیا ہے کہ طول تو کہیں زیادہ ہے۔ پھر اس قدر وسیع جنت کا آسمان پر قائم ہونا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اس کے معنی سورۂ آل عمران کی تفسیر میں جہاں کہ یہ جملہ آیا تھا ہم بیان کر آئے ہیں (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت دوسرے عالم کا نام ہے اس کے آگے یہ عالم ناسوت جس میں آسمان و زمین ہیں ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔ پھر آسمانوں پر جو جنت کا ہونا بیان ہوا ہے اس سے مقصود صرف بجہت علو عالم قدس بیان کرنا ہے۔ مقدس چیزوں کو سمٰوٰت کی طرف اور ادنیٰ کو زمین کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں خدا تعالیٰ کو بھی اسی لیے آسمانوں پر کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ عالمِ ناسوت اُس کا کسی طرح ظرف و مکان نہیں ہو سکتا۔[1] بعض نے کہا ہے کہ عرض سے مراد چوڑان نہیں بلکہ صرف فراخی مقصود ہے جیسا کہ آیا ہے فذو دعاء عریض ای کثیر۔ بعض کہتے ہیں عرض سے مراد قیمت و قدر ہے۔

(۲) اُعدت للمتقین کہ وہ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ یہ نہیں کہ تیار کی جائے گی یہ بھی رغبت کا باعث ہے۔ یہ اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ جنت بالفعل موجود ہے۔ اور احادیثِ صحیحہ کہ جن میں شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کی سیر کرنا آیا ہے اس کے لیے مؤید ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں قیامت کے روز تیار ہوگی۔ یہ قول غلط ہے پرہیزگاروں کے لیے تیار رہنا فرمایا تاکہ پرہیزگاری کی طرف توجہ ہو کسی قوم اور کسی ملک کے باشندوں یا امیروں کا خاص حصہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بعض اقوام نے خیال کر رکھا ہے۔ ہنود میں برہمن اور یہود تو اس کو اپنے باوا کا گھر سمجھے بیٹھے ہیں اور تثلیث کے عقیدے سے عیسائی بھی اس کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ پرہیزگاری بقول پولوس بے کار اور لعنتی کام ہے۔ اسی طرح اشرافِ عرب بھی اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھے بیٹھے تھے۔

دارِ آخرت کے بعد انسان کی عاجزی اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں بھی رنج و راحت جو کچھ سامنے آتا ہے سب نوشتۂ ازلی کے موافق ہوتا ہے۔ فقال ما اصاب الخ کہ جو کوئی مصیبت زمین پر آتی ہے جیسا کہ قحط و بدامنی یا خود تمہاری ذات پر پڑتی ہے جیسا کہ مرض و تنگدستی اولاد و احباب کا مرنا بے عزتی و ذلت و ناکامی نصیب ہونا۔ تم پر اور زمین پر آنے سے پہلے کتاب (یعنی دفترِ قضاء و قدر) میں لکھی ہوئی ہوتی ہے یہ تم کو اس لیے سنا دیا کہ تم کسی ہاتھ سے جانے والی بات پر رنج نہ کرو اور کسی نعمت پر اتراؤ نہیں کہ اپنی محنت و تدبیر کا ثمرہ سمجھ بیٹھو اور بخل کرنے لگو کس لیے کہ اللہ کو اترانے والے متکبر پسند نہیں جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں اور جو نہ مانے تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں اس میں سب خوبیاں موجود ہیں۔ چاہیے کہ مصیبت پر صبر اور نعمت کو عطیۂ الٰہی سمجھ کر

[1] یقال عارض الکتاب بالکتاب ای قابلہ و عرض الجاریة علی البیع والعرض بوزن الفلس المتاع (مختار الصحاح) ۱۲ منہ

شکر کرے اور اس کے بندوں پر اس کے شکریہ میں احسان کرے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ
البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور
اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ
ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازو (عدل) بھی بھیجی
لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا
تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا
الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ
بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ
بھی ہیں اور تاکہ خدا معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے
رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾
رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے اللہ قوی زبردست ہے
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَ
اور البتہ ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور
جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ
ان کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم رکھی
فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾
پھر کچھ تو ان میں سے راہ پر ہیں اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں
ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ
پھر ان کے بعد ہم نے اپنے اور رسول بھیجے اور
قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ
اور عیسیٰ بن مریم کو بعد میں بھیجا اور اس کو ہم نے انجیل دی
وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ
اور اس کے ماننے والوں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور
رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ
مہر قائم کی اور ترک دنیا بھی
ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ
قائم کیا تھا جو ہم نے تو ان پر فرض نہ کیا تھا
اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا
خود انہوں نے ہی خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا تھا پھر جیسا چاہیے تھا
حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اس کو ویسا نباہ نہ سکے پھر ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو
مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾
ان کا اجر دیا اور بہت سے تو ان میں بھی بدکار ہی ہیں

ترکیب

۳ ع ۹ ۱۹ فیہ باس الخ الجملۃ حال من حدید ومنافع معطوف علیٰ باس ولیعلم معطوف علیٰ محذوف وہو لیستعملوہ وقیل عطف علی قولہ لیقوم الناس بالغیب حال من فاعل ینصر اومفعولہ ای غائبا عنہم او غائبین عنہ رہبانیۃ منصوب بفعل مضمر یفسرہ ما بعدہ وہو ابتدعوہا وقیل بالعطف علی ما قبلہا ای جعلنا فی قلوبہم رہبانیۃ مبتدعۃ من عندہم و ابتدعوہا علیٰ ہذا التقدیر صفۃ لہا الرہبانیۃ الفعلیۃ المنسوبۃ الی الراہب وقری بضم الراء کانہا نسبۃ الی الرہبان جمع راہب۔

تفسیر

(۱) پہلے بخل کی برائی بیان فرمائی تھی۔ اب یہ ذکر فرماتا ہے کہ بخل پر کیا منحصر ہے جمیع نیک و بد امور بتلانے کے لیے ہم نے رسول بھیجے معجزات و نشانیاں دے کر تاکہ بنی آدم کی اصلاح کریں مگر بنی آدم کے معاملات دو قسم پر تھے ایک

ان کی ذات کے متعلق عقائد سے لے کر اعمالِ حسنہ عبادت وریاضت تک۔ دوم امورِ تمدن جن میں حقوقِ عباد ہیں پہلی باتوں کے لیے انزلنا معھم الکتٰب کتاب نازل کی دوسری قسم کے معاملات کے لیے والمیزان ترازو یعنی عدل وانصاف نازل کیا لیقوم الناس تاکہ بنی آدم ان باتوں میں انصاف پر قائم رہیں زیادتی کمی جور وظلم نہ کریں۔ مگر سرکش اور کج طبع لوگوں کے لیے جو قانونِ انصاف پر نہیں چلتے ہیں وانزلنا الحدید لوہا نازل کیا۔ لوہے سے مراد حکومت وشوکت ہے جو حاکم کے ہتیاروں سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ حکام جو تلوار کے زور سے ان کو انصاف پر چلاتے ہیں۔ اور لوہے کے نازل کرنے سے مراد اس کا پیدا کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں وانزل لکم من الانعام ثمانیۃ ازواج اس کے احکام وقضایا عالم بالا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس لیے ایسی کارآمد چیز کے پیدا کرنے کو انزلنا سے تعبیر کیا۔

پھر لوہے کے فوائد بیان فرماتا ہے (۱) فیہ باس شدید باس سختی وسخت حرب شدن (صراح) کہ اس میں جنگ کے وقت بڑی سختی وشدت ہے کس لیے کہ تلوار، بندوق، نیزہ، گرز، توپ وغیرہ تمام آلات جس سے سرکشوں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے لوہے کے ہوتے ہیں۔

(۲) ومنافع للناس اور بہت نفع ہیں کس لیے کہ انسان کی حاجت کے متعلق جس قدر پیشے ہیں زراعت ومعماری وغیرہ سب میں لوہے کے آلات مستعمل ہوتے ہیں۔ (افسوس آج کل مسلمانوں کے ہاتھ میں لوہا نہیں رہا جس سے یہ نوبت پہنچی)

(۳) ولیعلم اللّٰہ تیسرا فائدہ اس میں اللہ اور اس کے رسولوں کے مددگاروں حامیوں کا پورا امتحان بھی ہے کہ دیکھیں کون ہے جو جان کو ہتیلی پر رکھ کر ہتیار باندھ کر خدا کے قانون جاری ہونے میں مدد کرتا ہے اور دنیا میں ظلمت وفساد پھیلانے والوں خدا پرستوں پر ظلم کرنے والوں کی خبر لیتا ہے؟ (اس میں جہاد کی ترغیب ہے)

اس کے بعد ان اللّٰہ قوی عزیز بھی فرما دیا کہ اللہ کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں صرف تمہارا امتحان مقصود ہے کہ آیا تم بھی اس کے دین کے باقی رہنے اور شائع ہونے میں مدد کرتے ہو؟ ورنہ وہ تو خود قوی زبردست ہے آپ قائم کرکے رہے گا۔ رسولوں کے اجمالی ذکر کے بعد چند اولوالعزم رسولوں کا ذکر کرتا ہے تاکہ عرب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اچنبھا نہ معلوم ہو فقال ولقد ارسلنا نوحًا الخ کہ ہم نے نوح کو اس کے بعد ابراہیم کو بھیجا اور ان کی نسل میں کتاب ونبوت کو قائم رکھا ان کے بعد بھی ان کی نسل میں سے صاحب کتاب نبی اٹھے جیسا کہ موسیٰ وداؤد یکے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے پھر کچھ لوگ ان سے ہدایت پاتے رہے اور کچھ بدکار ہی رہے آخر عیسیٰ کو بھیجا اور اس کو کتاب دی جس کا نام انجیل ہے۔ یا انجیل یعنی خوشخبری دی کہ وہ ایمان والوں کو نجات کی خوشخبری دیتے تھے (یہ معنی جمہور اہل اسلام کے خلاف ہیں) انجیل عبرانی لفظ انگیلوں کا معرب ہے جس کے لغوی معنی خوشخبری کے ہیں مراد اس سے کتاب ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی جو قیاصرہ گردی میں تلف ہوگئی۔ یہ بات پولوس کے بعض خطوط سے بھی سمجھی جاتی ہے ان کے بعد متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا ان کے حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں نے جو کتابیں ان کے حالات میں لکھیں جن کا مبدء سمعی اور مروی باتیں ہیں اور ان کا نام بھی انجیل ہے۔ وہ دراصل وہ انجیل نہیں یہ ممکن ہے کہ ان میں اس کی بھی بعض باتیں شامل کی گئی ہوں۔ یوں تو اور بھی بہت سی انجیلیں عیسائیوں کے بزرگوں نے بنائیں جن کو یہ لوگ

الہامی نہیں جانتے۔

پھر فرماتا ہے وجعلنا فی قلوب الذین الخ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تابع داروں کے دل میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کر دی تھی، وہ لوگ نرم دل اور متواضع اور فروتن تھے اور رہبانیت بھی ان کو ملی تھی جس کو انہوں نے ازخود پیدا کیا تھا ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی لیکن ان سے وہ جیسا چاہیے تھی نبھ نہ سکی پھر جو ان میں سے پیغمبر آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اجر کے مستحق ہو گئے اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو لوگوں میں سے جو تارک الدنیا ہو جاتے تھے کسی گوشے میں عبادت کرتے نہ وہ بیاہ شادی کرتے تھے نہ عمدہ لباس پہنتے تھے نہ عمدہ کھانا کھاتے تھے ان کا نام راہب ہوتا تھا جس کی جمع رہبان آتی ہے جس کے معنی درویش اور رہبانیت درویشی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے راہبوں میں بہت سی بری باتیں شرمناک پیدا ہو گئی تھیں جس کا ذکر مؤرخین نے بہت کچھ کیا ہے قرآن نے اپنے اخلاق کریمانہ سے ان کا صراحۃً ذکر کرنا مناسب نہ جانا فمارعوھا حق رعایتھا میں اشارۃً ذکر کر دیا۔

ابحاث

(۱) وانزلنا الحدید کے متعلق کچھ اور بھی اسرار ہیں:۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ انسان کے کام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ جن کو کرنا چاہیے، دوسرے وہ جن کو کرنا نہ چاہیے۔ پھر جن کو کرنا چاہیے وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو نفس سے متعلق ہیں۔ دوسرے وہ جو بدن سے علاقہ رکھتے ہیں افعالِ انسانیہ یعنی معارف ان کا سرچشمہ کتاب ہے کس لیے کہ کتاب اللہ ہی حق و باطل میں تمیز کر دیتی ہے اور بدنی اعمال جو ہاتھ پاؤں اعضا سے متعلق ہیں ان میں بڑا حصہ وہ ہے جن کا لگاؤ خلقِ خدا کے ساتھ ہے ان کے لیے میزان ہے اسی عدل کی ترازو میں تل کر عدل و ظلم میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ اب رہے وہ افعال کہ جن کو کرنا نہ چاہیے ان سے روکنے والا دنیا میں لوہا ہے واعظ برسوں سمجھائیں کوئی نہ مانے لوہے کے خوف سے دم بھر میں ترک ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ کتاب قوتِ نظریہ کے لیے اور میزان قوتِ عملیہ کے لیے اور حدید نالائق کاموں سے روکنے کے لیے نازل ہوا ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ اگر معاملہ خدا سے ہے تو اس کے لیے کتاب ہے اور جو بندوں سے ہے تو میزان اور دشمنوں سرکشوں سے ہے تو اس کے لیے لوہا ہے۔

ازاں جملہ بنی آدم تین قسم کے ہیں ایک سابقون جو انصاف کرتے ہیں مگر انصاف کے طالب نہیں ان کا معاملہ کتاب سے ہے۔ دوسرے وہ جو انصاف کرتے ہیں اور انصاف ہی چاہتے ہیں یعنی درمیانی لوگ ان کو میزان درکار ہے تیسرے بدکار ظالم ہیں ان کے لیے حدید درکار ہے وہ اس کی دھمکی سے ٹھیک ہوتے ہیں شہوات کے تمام نشے تلوار دیکھ کر ہرن ہو جاتے ہیں دم بھر میں بھلے مانس اور نیک ہو جاتے ہیں اور یہی حکمت تھی کہ آخرالزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس کے عہد میں گمراہی و شہوت پرستی کا دریا طغیانی پر تھا کتاب و حکمت کے ساتھ حدید یعنی زور و شوکت بھی عطا ہوا فقیری و مسکنت کے لباس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر نہیں ہوئی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی بلکہ شان و شوکتِ شاہانہ کے پیرایہ میں جلوہ گر ہوئی اور اسی کو سلطنتِ آسمانی کہتے ہیں جس کی خبر پہلے انبیاء علیہم السلام

دیتے آئے ہیں اور اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں کہ جس کو بخاری نے نقل کیا ہے مکارم اخلاق تعلیم کر کے سب کے بعد فرمادیا ذروۃ سنامہ الجھاد کہ ان سب باتوں کا سر جہاد ہے۔ اور اسی لیے قیامت تک جہاد و احتساب قائم کر کے اور اپنے جانشینوں اور پیرووں کے لیے ایک عمدہ دستور العمل چھوڑ گئے جس کو آج کل مسلمانوں نے ترک کر رکھا ہے اور دنیا کی آنکھوں میں حقیر ہو گئے۔ اہلِ اسلام خدا تعالیٰ کا لشکرِ خاص ہے جن کی تنخواہ دارِ آخرت و حیاتِ جاودانی ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ انسان یا عارفِ کامل ہے جو مقامِ حقیقت تک پہنچ گیا ہے اس کے لیے بجز محبوب کی کتاب کے اور کوئی بات تسلی بخش نہیں۔ یا وہ طالب ہے یعنی مقامِ طریقت میں ہے اور یہ مقام نفسِ لوّامہ کا ہے اور مقام اصحاب الیمین کا جیسا کہ اول مقام نفسِ مطمئنہ اور سابقون کا تھا تو اس کے لیے معرفتِ اخلاق کے لیے میزان درکار ہے یہاں تک کہ افراط و تفریط سے بچے اور کسی کجی کی جانب اس رستے میں نہ جھکے اور یا وہ مقام شریعت میں ہے جو نفسِ امارہ کا مقام ہے اس وقت اس کے لیے مجاہدہ و ریاضات کے ہتھیار اور نفسِ بد کے لیے آہنی گرز درکار ہے (کبیر)

(۲) لا رھبانیۃ فی الاسلام یہ مسئلہ جمہور علماء کے نزدیک مسلّم ہے کہ مذہب اسلام میں رہبانیت نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا ترک کر بیٹھنا نکاح نہ کرنا فقیری کا لباس اور قلندرانہ وضع اختیار نہ کرنا چاہیے کس لیے کہ ان باتوں میں خدا نہیں ملتا اور نیز منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی متعدد نکاح کیے اور نکاح کرنے کی ترغیب دلائی۔ عمدہ لباس بھی پہنا۔ عمدہ کھانا بھی جب مل گیا تناول فرمایا۔ دنیا کے سب کاروبار کرو۔ نوکری تجارت، زراعت، بال بچوں کی پرورش، اقارب و ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرو۔ خدا دے تو اچھا کھاؤ پیو پہنو مگر ہر کار میں اللہ کو نہ بھولو اس کے احکام کو ملحوظ رکھو۔ مگر نہ ایسا بھی کہ لذائذ و شہوات کے بندے بن جاؤ رات دن اسی دھندے میں پڑے رہو اور آرائش و تجملات کے حاصل کرنے میں عمرِ گراں مایہ برباد کرو دین کو خیرباد کہہ بیٹھو نفس کو موٹا کرو کس لیے کہ گو اسلام میں رہبانیت تو نہیں مگر زہد ضرور محمود ہے اور بزرگانِ دین نے زہد و تقویٰ اختیار کیا ہے۔ زہد دنیا سے بے رغبتی کا نام ہے نہ بالالتزام مباحات و لذائذ و طیبات کو حرام کر لینا۔ ہاں زاہد کو ان چیزوں کی طرف چنداں التفات نہیں ہوتا نہ وہ ان چیزوں کے طالب و جویاں ہوتے ہیں۔ اگر اتفاقاً میسر آگئیں تو کچھ انکار بھی نہیں، برخلاف راہب کے۔ زاہد و راہب میں یہ فرق ہے اور بڑا فرق ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے

بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

رسول پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو اپنی عنایت سے دُگنا اجر دے

وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ

اور تم کو ایسا نور عطا کرے جس سے تم رستہ چلو اور

یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۲۸)

تم کو اللہ بخش دے اور اللہ غفور رحیم ہے

لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ

تاکہ اہلِ کتاب جان لیں کہ ہم اللہ کے

عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ

فضل پر کچھ بھی قادر نہیں اور یہ کہ فضل تو

بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ

اللہ ہی کے ہاتھ ہے جس کو چاہے دیوے اور اللہ

ع ۴ ۲۰

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

بڑا فضل کرنے والا ہے۔

تفسیر

اس کے بعد عیسائیوں کی طرف خطاب کرتا ہے:۔ فقال یایھا الذین اٰمنوا کہ اے عیسیٰ پر ایمان لانے والو اتقوا اللہ اللہ سے ڈرو نفسانیت و تعصب کو چھوڑ دو اٰمنوا برسولہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے آں حضرتؐ کے ظاہر ہونے کی بشارت دی ہے یؤتکم کفلین من رحمتہ تاکہ تم کو اپنے فضل سے دوہرا حصہ ثواب کا دے دونوں پیغمبروں پر ایمان لانے کے سبب جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا تھا فاتینا الذین اٰمنوا منھم اجرھم کہ جو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا یعنی دیں گے۔ کفل حصہ۔ دوہرا حصہ پانے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جو عیسائی ہو کر آنحضرت صلی اللہ پر ایمان لائے گا اس کو دوہرا حصہ ملنے کے سبب سب سے زیادہ اجر ملے گا کس لیے کہ دوہرے ہونے سے زیادہ ملنا ثابت نہیں ہوتا۔ فرض کرو کہ ایک چیز کے دس حصے کیے اور ایک شخص کو ان دس حصوں میں سے دوہرا حصہ ملا اور پھر اسی چیز کے تین حصے کر کے ایک شخص کو ایک حصہ دیا تو یہ ایک حصہ پانے والا اس دوہرے پانے والے سے کم نہیں رہا۔[1]

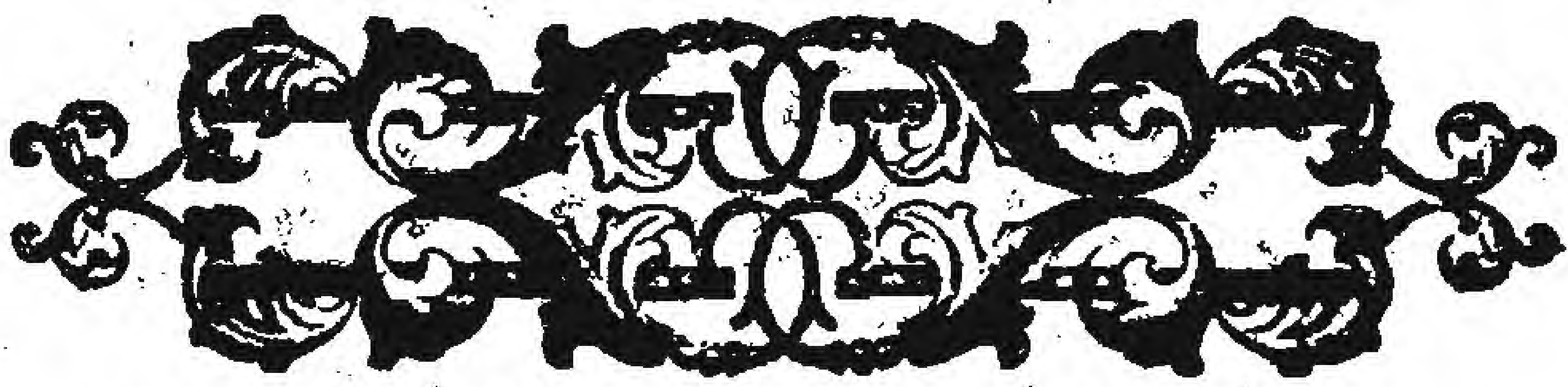
ویجعل لکم نورا تمشون بہ اور اس نبی آخر الزمانؐ سے تمہارے لیے ایک نور قائم کر دے گا جس کے سبب تم دنیا میں سیدھا رستہ چلوگے یا پل صراط پر چلو گے۔ یہ نور بغیر اس کے حاصل ہی نہیں ہوتا۔ ویغفر لکم اور تم کو بخش دے گا وہ غفور رحیم ہے پچھلے گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے۔

اہل کتاب کو یہ گمان تھا کہ نبوت خاص ہمارے خاندان اسرائیلی کا حصہ ہے اخیر نبی کہ جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے وہ بھی ہمارے خاندان سے ہوگا۔ یہ عنایت خاندان بنی اسرائیل پر

[1] بلکہ اس نے زائد پایا اور یہ اہل اسلام ہیں۔ اس بات کی طرف بخاری کی وہ حدیث اشارہ کر رہی ہے جس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے امت محمدؐ! یہ تمہاری اور تم سے اگلوں کی ایسی مثال ہے جیسا کسی نے کسی کو نصف روز پر خاص اجرت پر معین کیا اور کسی کو نصف النہار سے لے کر عصر تک اسی اجرت پر مامور کیا اور کسی کو عصر سے لے کر غروب آفتاب تک دوچند اجرت پر معین کیا۔ پہلوں نے کہا ہمارا وقت زیادہ اور ان کا وقت بھی کم اور اجرت دوچند۔ اس نے کہا میں نے تمہاری مزدوری میں سے تو کچھ کم نہیں کر لیا۔ صبح سے نصف النہار تک والے اور اس سے لے کر عصر کے وقت تک والے یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور عصر سے آخر دن تک والے جن کو باوجود بہت کم وقت و محنت کے دوچند اجرت ملی وہ مسلمان ہیں ۱۲ منہ

منحصر ہے۔ اس لیے اہلِ کتاب کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تاکید اور ایمان کے ثمرات بیان کر کے یہ فرماتا ہے لئلا یعلم اھل الکتٰب الا یقدرون علیٰ شئ من فضل اللہ الخ کہ یہ بیان ہم نے اس لیے کیا ہے کہ اہلِ کتاب جان لیویں کہ ان کو فضلِ الٰہی پر کوئی قبضہ و قدرت نہیں کہ وہ اس کو اپنے ہی گھر میں منحصر کریں، بلکہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس پر چاہے کرے، بنی اسرائیل کی کیا خصوصیت؟ اس نے بنی اسمٰعیل پر کر دیا۔ اس تقدیر پر لا زائد ہے۔

الحمد للہ ستائیسویں پارے کی تفسیر تمام ہوئی





تفسیر حقانی

پارہ ۲۸

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

سُوْرَہ مُجَادلہ

مدنیہ ہے اس میں بائیس آیات تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ

(اے نبی) البتہ اللہ نے اس عورت کی بات بھی سن لی جو تم سے اپنے خاوند کی

فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ

بابت گفتگو کرتی اور اللہ کے آگے شکوہ کرتی تھی اور

اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ تمہارے جواب و سوال سن رہا تھا بے شک اللہ

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

سننے والا دیکھنے والا ہے تم میں سے وہ لوگ جو اپنی

مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ

عورتوں سے ظہار کر لیتے ہیں وہ درحقیقت انکی مائیں تو نہیں ہوگئیں

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَ

مائیں تو ان کی وہی ہیں کہ جنہوں نے ان کو جنا ہے اور

اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ

ہاں انہوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات منہ سے

وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَ

نکالی ہے اور بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اور

الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ

جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں پھر

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

اس کہی بات سے پھرنا چاہیں تو ایک بردہ ایک دوسرے کے

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۤسَّا ؕ ذٰلِكُمْ

ہاتھ لگانے سے پہلے آزاد کریں یہ اس لیے کہ

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳

اس سے تم کو نصیحت ہو اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

پھر جس کو بردہ نہ ملے تو دو مہینے کے روزے لگاتار

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۤسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ

آپس میں ہاتھ لگانے سے پہلے رکھے پھر جو روزے بھی نہ رکھ سکے

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ

تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے یہ اس لیے

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ

تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول کی (پوری پوری) تصدیق کرو اور یہ تو اللہ کی حدیں باندھی

اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴ اِنَّ

ہوئی ہیں اور منکروں کو سخت عذاب ہے

ع ۲ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا

وہ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں وہ خوار ہوں گے

كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ

جیسا کہ ان سے پہلے لوگ خوار ہوئے اور

قَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

ہم نے تو صاف صاف آیتیں نازل کر دی ہیں اور منکروں کو

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ

ذلت کا عذاب ہے جس دن کہ ان سب کو اللہ قبروں سے

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ

اٹھائے گا پھر ان کو بتا دیگا کہ وہ کیا کرتے تھے جس کو کہ اللہ نے یاد

اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

رکھا ہے اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہر چیز

شَهِيْدٌ ۝۶

موجود ہے

ترکیب

و تشتکی معطوف علی تجادلک وقیل حال من فاعلہ ای تجادلک وہی متضرعۃ الی اللہ تعالٰی الذین موصول یظہرون الخ صلۃ والکل مبتدا ماہن امہتہم الجملۃ خبرہ امہتہم بکسر التاء علی انہ خبر او بضمہا علی اللغۃ التمیمیۃ والذین یظہرون من نساۂم مبتدا فتحریر رقبۃ الجملۃ ای فعلیہم تحریر رقبۃ خبرہ ذلکم مبتدا توعظون بہ خبرہ واللام فی لما قالوا تتعلق بیعودون وما مصدریۃ ویمکن ان تجعل بمعنی الذی ونکرۃ موصوفۃ وقیل اللام بمعنی فی وقیل بمعنی الی وقیل فی الکلام تقدیم وتاخیر تقدیرہ ثم یعودون فعلیہم تحریر رقبۃ لما قالوا فصیام شہرین ای فعلیہ صیام شہرین ذلک ومحلہ النصب بفعل معلل بقولہ لتؤمنوا او الرفع علی الابتداء یوم منصوب بما تعلق بہ اللام من الاستقرار او بمہین او باضمار اذکر۔

تفسیر

یہ سورت بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کسی قدر مکہ میں بھی نازل ہوئی ہے مگر یہ قول معتبر نہیں۔

۱؎ محادۃ مخالفت کردن و باز داشتن حق تحاد کذلک قولہ تعالٰی ان الذین یحادون۔ کبت بازگردانیدن و خوار کردن بروئے در افگندن یقال کبت اللہ العدو ای صرفہ واذلہ وصرعہ بوجہ صح ف اک ۲ م ۔۔۔

سورۂ حدید کے اخیر میں واللہ ذو الفضل العظیم آیا تھا جو یہود و نصاریٰ کے گمانِ فاسد کا رد تھا کہ وہ نبوت اپنے خاندان میں ختم سمجھتے تھے۔ اس سورت میں من جملہ افضالِ الٰہی کے جن میں سے نبوتِ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بڑی چیز ہے اس نبوت کی برکات اور اپنے بعض افضال کا (سہل احکام اور آسان شریعت نازل کرنے کے پیرایے میں) اظہار فرماتا ہے کہ یہ بھی اس کے فضل کی ایک بڑی بات ہے کہ اس نے ظہار میں جو جاہلیت میں اشد طلاق سمجھی جاتی تھی یہ سہولت کی کہ کفارے سے عورت کو اس کے مرد کے لیے حلال کر دیا۔ اب اس کی تشریح بضمن ایک واقعہ کے کرتا ہے فقال قد سمع اللہ قول التی الخ اس کی شانِ نزول میں جمہور مفسرین نے یوں نقل کیا ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ؄ اوس بن صامت؄ کی بیوی کو اس کے خاوند نے ناراض ہو کر یہ کلمہ کہہ دیا تھا (اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ) کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح سے حرام ہے۔ یہ کلمہ جاہلیت میں سخت طلاق کا تھا کہ جس کے بعد ملاپ نہیں ہوتا تھا، اس کو بڑا رنج ہوا، خاوند سے محبت بھی اور بچہ دار بھی تھی، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہوئی، عائشہ صدیقہ؄ فرماتی ہیں میں اُس وقت حضرت؄ کا سر دُھلا رہی تھی، اس عورت نے آکر سب قصہ بیان کیا اور اپنی مصیبت ناک حالت بھی عرض کی کہ میں پہلے جوان مال دار تھی، اب عمر رسیدہ بھی ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں کہ اگر آپ رکھتی ہوں تو بھوک سے ہلاک ہوتے ہیں اور اس کو دیتی ہوں تو برباد ہوتے ہیں اور مجھے اس سے محبت بھی ہے، اب میں کیا کروں گی؟ اب میں اس سے پھر بھی مل سکتی ہوں؟ آپ؄ نے فرمایا مجھے تو طلاق ہو گئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر اس کو اور بھی رنج ہوا۔ بار بار دردناک الفاظ میں اپنی مصیبت و تنہائی بیان کر کے پھر جائز ہونے کی سبیل پوچھتی تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں وہی بات فرماتے تھے۔ آخر وہ مایوسانہ حالت میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر یہ کہنے لگی کہ الٰہی میں اپنی مصیبت کا اظہار تجھ سے کرتی ہوں میری مشکل کشائی کے لیے اپنے نبی پر کوئی حکم نازل کر دیجیے اتنے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ یہی کہے جاتی تھی کہ یا نبی اللہ آپ کے قربان جاؤں میرے معاملے میں کچھ تدبیر و فکر کیجیے۔ حضرت عائشہ؄ نے آثارِ وحی دیکھ کر اس عورت کو کہا چپ رہو اور اپنی تکرار کو بند کر۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کو نہیں دیکھتی؟ جب آں حضرت؄ کو وحی ہو چکی تو اس عورت کو بلا کر یہ آیات سنائیں اور کفارے کا حکم دے کر اس کو خاوند کے لیے مباح کر دیا۔ اس کے خاوند نے کفارہ ادا کیا۔ یہ اس کا کیسا فضل ہے۔ اور بھی سہل احکام اس سورت میں ہیں۔ اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔

الذین یظھرون منکم الخ ظہار یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو یوں کہے انتِ علیَّ کظھر امی کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح سے حرام ہے۔ ظہار شرع میں اپنی بیوی کو یا اس کے کسی جزء شائع کو یا ایسے جزء کو جس سے کل تعبیر کیا جا سکتا ہو اپنی ماں سے یا اس کے کسی ایسے جزء سے تشبیہ دینا کہ جس کا دیکھنا جائز نہیں اور اسی طرح اور محرمات ابدیہ عورتوں سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے۔ یہ ظہر بمعنی پشت سے مشتق ہے۔ اور پشت ذکر کی اور مراد اس سے پیٹ ہے یا مقام مخصوص مجازًا۔ اور شرم کی وجہ سے ایسی چیزوں کو دوسرے ناموں سے تعبیر کر دینا زبانِ عرب کا دستور ہے۔ بعض کہتے ہیں ظہر کہ جس سے ظہار لیا گیا ہے اس کے معنی پشت کے نہیں کس لیے کہ اور اعضاء میں سے صرف پشت ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ یہ ظہر بمعنی علو سے مشتق ہے جس سے مراد چڑھنا یعنی مرد جو اپنی بیوی پہ

چڑھتا ہے اس کو اپنی ماں پر چڑھنے سے تشبیہ دے رہا ہے یہ ایامِ جاہلیت میں سخت طلاق تھی، اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر شرع نے بھی اس کو طلاق ہی قرار دے رکھا تھا جس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق ہوگئی جس پر وہ عورت حیرت زدہ ہوکر اور حکم چاہتی تھی۔ بالاتفاق جمہور علماء اس کلمہ سے عورت مرد پر ایک وقت تک حرام ہوجاتی ہے یعنی جب تک کفارہ نہ دے اور اس لفظ سے طلاق نہیں واقع ہوتی بلکہ ظہار ایک جداگانہ چیز ہے۔

ان الفاظ کے کہنے سے تو بالاتفاق ظہار ہوجائے گا، مگر ان میں سے دوسری صورت بدل کر کہنے میں اختلاف ہے اور صورتیں چار پیدا ہوتی ہیں:۔

(۱) یہ کہ ظہر و اُم یا ان کے ہم معنی الفاظ دونوں مذکور ہوں جیسا کہ بیان ہوا اس میں بالاتفاق ظہار واقع ہوگا۔

(۲) یہ کہ ظہر تو مذکور ہو مگر اُم مذکور نہ ہو۔ پس اگر ماں کے بدلے کوئی غیر محرم عورت ذکر ہے یعنی محرم عورت سے تشبیہ نہیں، اس صورت میں بھی بالاتفاق ظہار نہ ہوگا۔ کس لیے اپنی عورت کے جماع کو اجنبی عورت سے تشبیہ دینے سے کوئی خرابی نہیں آتی اور اگر ماں کے سوا اُن عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو اس پر ہمیشہ حرام ہیں خواہ قرابت سے جیسا کہ بہن بیٹی خالہ پھوپی نانی دادی نواسی بھتیجی بھانجی خواہ دودھ کی شرکت سے جیسا کہ دودھ بہن یا دودھ ماں یا رشتے کے سبب سے جیسا کہ بیوی کی ماں۔ ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہار ہوگا کس لیے کہ جو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے غرض تھی وہی ان کے ساتھ تشبیہ دینے میں حاصل ہے۔ امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ظہار نہ ہوگا۔ آخر قول یہ ہے کہ ظہار ہوگا، مگر بعض شافعیہ قول اول کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۳) یہ کہ ماں کی پیٹھ سے تشبیہ نہ ہو بلکہ کسی اور عضو کے ساتھ ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اس کے کسی اور عضو سے تشبیہ ہو کہ جس کا دیکھنا حرام نہیں جیسا کہ ہاتھ پاؤں، ان صورتوں میں بھی ظہار نہیں، مگر امام شافعیؒ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر ان میں سے ان اعضا کے ساتھ تشبیہ ہے کہ جہاں تعظیم مقصود ہوتی ہے مثلاً منہ آنکھ تو اس میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ ظہار نہیں، آخر یہ کہ ظہار ہے۔ دوم یہ کہ اُن اعضا سے تشبیہ ہو کہ جن کا دیکھنا حرام ہے پیٹ ران چوتڑ وغیرہ۔ ان صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہار ہے۔ اور امام شافعیؒ کے دو قول ہیں مگر بعض نے قوت اس کو دی ہے کہ ظہار نہیں۔

(۴) یہ کہ نہ ماں کا ذکر ہو نہ پشت کا بلکہ یوں کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری بہن یا بیٹی کا پیٹ یا ران یا یوں کہے کہ تو میری بہن یا بیٹی جیسی ہے۔ ان صورتوں میں اختلاف ہے مگر امام اعظمؒ کے نزدیک ظہار ہے۔

بحث دوم

ظہار کون کر سکتا ہے اور کس سے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو مسلمان طلاق دینے کا مجاز ہے وہ ظہار کا بھی ہے کافر ذمی کا ایسا فعل ظہار نہ ہوگا کس لیے کہ آیت میں منکم کا لفظ ہے جو اہلِ اسلام کی طرف خطاب ہے امام شافعیؒ کہتے ہیں مسلمان ہو یا نہ ہو جو کوئی طلاق دے سکتا ہے ظہار بھی کر سکتا ہے، ذمیوں کے ایسے افعال کا

۱؎ فتح القدیر میں ظہار کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ ظہار حلال عورت کو یا اس کے جزء مستورہ یا جزء شائع کو اس عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے کبھی نکاح درست نہیں یا اس کی کسی چیز سے جس کا دیکھنا درست نہیں یا اس جزء سے کہ جس سے وہ تعبیر کی جاتی جیسا کہ سر گردن نصف وغیرہ مگر اس میں اختلافی صورتیں بھی داخل ہیں ۱۲ منہ

وہی حکم ہوگا جو مسلمانوں کا ہے۔ ابو حنیفہؒ و شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک عورت ظہار نہیں کر سکتی اس کے اس کہنے سے کہ تو میرے پر ایسا ہے جیسے میری ماں کی پشت کچھ نہیں ہوتا۔ اوزاعی فرماتے ہیں یہ یمین ہے عورت کو کفارہ دینا پڑے گا

مسئلہ اگر مرد نے ظہار میں دن کی قید لگا دی کہ آج کے روز تو مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہے تو ظہار نہ ہوگا مگر امام مالکؒ و ابن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں ظہار ہوگا

آیت میں من نسائھم کا لفظ ہے' اس سے ثابت ہوا کہ ظہار خاص بیوی سے ہو سکتا ہے نہ کہ لونڈی سے۔ اگر لونڈی کو ایسی بات کہے گا تو امام ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کے نزدیک ظہار نہ ہوگا مگر مالکؒ و اوزاعیؒ کہتے ہیں ظہار ہوگا کس لیے کہ من نسائھم میں لونڈی بھی داخل ہے وہ بھی مرد کی عورت ہے۔

ف آیت میں لفظ منکم عرب پر ایک طرح کی چوٹ ہے کس لیے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ عادت تھی جس سے خدا تعالیٰ نفرت ظاہر کرتا ہے اس لیے بعد میں صراحت کرتا ہے ماھن امھتھم کہ اس کہنے سے وہ ان کی مائیں نہیں ہو گئیں ان امھتھم الا الّٰئ ولدنھم مائیں تو ان کی حقیقۃً وہی ہیں کہ جنہوں نے ان کو جنا ہے اور حکم حرمت میں ان کے ساتھ وہ مائیں بھی شریک ہیں کہ جن کو شرع نے ماں کے قائم مقام کیا ہے جیسا کہ دودھ کی ماں جس کی نسبت ماں کا لفظ آیا ہے وامھتکم من الرضاعۃ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جن کی نسبت بھی ماں کا لفظ آیا ہے وازواجہ امھتھم مگر یہ عورتیں نہ تو حقیقی مائیں ہیں نہ حکمی۔

وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا یہ تو ایک بری اور جھوٹی بات منہ سے نکال دی ہے جس کی سزا کفارہ ہے۔ اس لیے اس کے بعد کفارے کا ذکر کرتا ہے فقال والذین یظھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالو فتحریر رقبۃ کہ جو اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہیں (ان کو ماں کی ظہر یعنی پشت سے تشبیہ دیتے ہیں) پھر وہ لوٹنا چاہتے ہیں تو ان کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیے بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے' یہ تمہاری نصیحت کے لیے ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے اور جس کو بردہ یعنی غلام میسر نہ ہو تو بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے پے درپے دو مہینے کے روزے رکھے اور جس کو اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں یعنی فقیروں کو کھانا کھلاوے یہ کفارہ ہے اس کے بعد پھر بدستور اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے۔

ابحاث

(۱) ثم یعودون لما قالوا محاورۂ عرب میں اس کلام کے دو معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس کام کے برخلاف ہونا اور اسی کو بارِ دگر کرنا۔ کہتے ہیں[1] عاد لما فعل جب کہ اس کے کام کو بگاڑنا چاہے۔ اور جب بارِ دگر نا چاہے تب بھی یہی جملے بولتے ہیں اور ہر ایک کے نظائر موجود ہیں' یہ اس لیے کہ الیٰ اور لام ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کلام کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلے معنی کی طرف (یعنی برخلاف مراد لینے کی طرف) جمہور مجتہدین گئے ہیں' ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کر کے اس سے پھرنا چاہیں اور برخلاف ہونا چاہیں تو کفارہ دیں۔

پھر ان پہلے معنوں کی تعیین میں کئی قول ہیں:۔

---

[1] ومنہ المثل عاد غیث علی ما افسد ای تدارکہ بالاصلاح، کشاف ۱۲ منہ

(۱) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کر کے وطی وغیرہ فوائد حاصل کرنا چاہیں تو کفارہ دیں کس لیے کہ ظہار سے بجز اس خاص فائدے کے اور کوئی فائدہ ممنوع نہیں ہوا خانہ داری کے سب کام بعد ظہار بھی کرنے درست ہیں پھر عود کس چیز کی طرف ہے؟ اسی چیز کی طرف ہوگا جو فوت ہوگئی اور وہ وطی اور اس کے دواعی ہیں۔

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں ٹھیرا رکھنا یعنی جو شخص ظہار کر کے عود کرے کہ بیوی کو اس قدر زمانے تک اپنے پاس ٹھیرائے رکھے کہ اس قدر زمانے میں طلاق دے سکے پس جب اس نے ظہار کر کے عورت کو رہنے دیا طلاق نہ دی تو بیوی پنے کا حق جو ظہار سے تلف کیا تھا پھر حاصل کیا۔

(۳) امام مالکؒ کہتے ہیں وہ عود جو کفارے کا باعث ہے ظہار کے بعد وہ صرف وطی کا قصد کرنا ہے۔ ظہار کے بعد جب یہ قصد کر لیا تو عود کیا۔

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہاء کے نزدیک کفارہ محض ظہار سے واجب نہیں بلکہ عود سے ہے ان وجوہ ثلاثہ میں سے کسی وجہ پر عود ہو۔ ابن عباسؓ نے عود کی تفسیر یہ کی کہ نادم ہو اور الفت چاہے اس کے بھی یہی معنی ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور جو علماء عود کے دوسرے معنی لیتے ہیں یعنی بار دگر اس فعل ظہار کا کرنا تو ان کے نزدیک وجوب کفارہ کا باعث ظہار ہے نہ کہ اور کوئی چیز۔ پھر اس کے بھی کئی معنی ہو سکتے ہیں:۔

(۱) یہ کہ مکرر الفاظ منہ سے کہنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے نہ کہ ایک بار کے کہنے سے جیسا کہ ابی عالیہ و داؤد ظاہری اور جمیع اہل ظواہر کا قول ہے ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر کے ثم یعودون لما قالوا پھر انہیں کلمات کو بار دگر منہ سے نکالیں اور اعادہ کریں تو ان پر کفارہ ہے اور جو ایک بار کہا تو کچھ نہیں مگر یہ قول محض ضعیف ہے کس لیے کہ خدا تعالیٰ اپنی ناراضی ان کلمات پر ظاہر فرما رہا ہے جو زمانہ جاہلیت کی بات تھی اس میں ایک بار کہنے سے بھی وہی جاہلیت کی ناشائستہ حرکت پائی گئی۔

(۲) اس صحابی کا جس کی عورت کا آیات میں اشارۃً ذکر ہے کسی روایت سے دوبارہ کہنا ثابت نہیں بلکہ اس نے ایک ہی بار یہ کلمات منہ سے نکالے تھے جس پر اس کی بیوی حیران و پریشان ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

(۳) یہ کہ صرف ظہار کے کلمات باعث ایجاب کفارہ ہیں یہ مجاہد و سفیان کا قول ہے ان کے نزدیک ثم یعودون لما قالوا کے یہ معنی ہوئے کہ جو ایام جاہلیت میں کہا کرتے تھے اگر اب بھی کہیں تو کفارہ دیں۔ ان کے نزدیک والذین یظھرون من نسائھم کا بیان ثم یعودون لما قالوا ہے کہ وہ جو ظہار کرتے ہیں اہل اسلام میں بار دگر پھر اسی جاہلیت کی بات کا اعادہ کرتے ہیں۔

کفارۂ ظہار

فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا۔ تحریر بنانا یعنی آزاد کرنا۔ رقبۃ گردن۔ اس سے مراد گردن والا جزء سے کل تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہماری زبان میں کہتے ہیں ہر سر پیچھے یہ ہو۔ یعنی ہر شخص کے لیے۔ رقبۃ سے مراد غلام لونڈی۔ تماس۔ ہاتھ لگانا۔ مراد عام ہے۔ ہاتھ لگانا، بوسہ دینا، جماع کرنا سب کو شامل ہے عموم الفاظ کی وجہ سے۔ صحبت کرنے اور اس کے اسباب عمل میں لانے سے پہلے ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں رقبہ مطلقہ ہے مومن ہونے کی کوئی قید نہیں۔ غلام ہو کافر ہو یا مومن کالا ہو یا گورا آزاد کر دینا چاہیے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں دوسری آیت میں رقبہ کو مومنہ سے مقید کر دیا ہے

یہاں بھی وہی مراد ہوگا یعنی مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔ مگر دوسری آیت میں جو قید تھی وہاں یہ قید قتل کے کفارے میں ہے جو سخت جرم ہے اس کو یہاں لانا اور قیاس کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔

من قبل ان یتماسا کے متعلق ایک اور بحث ہے وہ یہ کہ آیت کا حکم یہی ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے عورت کو ہاتھ نہ لگائے مگر جو کسی نے لگا[1] اور صحبت کر لی تو پھر کیا حکم ہے؟ اکثر علماء امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ و سفیان ثوریؒ و اسحٰقؒ وغیرہ کے نزدیک ایک ہی کفارہ دینا ہوگا۔ پہلے ہاتھ لگانا دوسرا گناہ ہے اس کے لیے کوئی کفارہ نہیں استغفار کرے[2]۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں دو کفارے دینے ہوں گے۔

ذٰلکم توعظون بہ یہ کفارہ یا غلام آزاد کرنے کا حکم تمہاری نصیحت کے لیے ہے تاکہ پھر ایسی بات نہ کہو۔

واللّٰہ بما تعملون خبیر اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔ اگر کوئی یہ کلمات کہہ کر کفارے کے ڈر کے مارے نہ کرے گا تو کیا؟ اللہ تو جانتا ہے (یہ کفارے میں ایک بات تھی)۔

فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین من قبل ان یتماسا پھر جس کو غلام میسر نہ آئے تو ہاتھ لگانے سے پہلے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ دوسری بات ہوئی۔ ان روزوں میں بھی یہ شرط ہے کہ ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے رکھے۔ اگر دس بیس روزے رکھ کر بیچ میں بیوی سے صحبت کر لی تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ رات میں یا دن میں کفارے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگانا نہ چاہیے۔ عمداً تو عمداً اگر سہواً بھی کر بیٹھے گا تو نہٹ کر نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اگر رات میں بیوی سے صحبت کی تو اس سے تتابع میں فرق نہ آئے گا۔ امام مالکؒ و امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تتابع نہ رہا پھر نئے سرے سے روزے رکھے۔ اور جو کسی عذر سے اس نے دو مہینے کے روزوں میں سے کوئی روزہ نہ رکھا تو اس میں اختلاف ہے۔ بعضؒ کہتے ہیں نئے سرے سے رکھے، بعض کہتے ہیں نہیں۔

پھر اگر بیماری یا بڑھاپے یا کسی معتبر عذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلائے۔ فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا صبح و شام دو وقت پیٹ بھر دے۔ معمولی کھانا ہو اور معمولی کھانے والے ہوں۔ اور جو ان کو کھانا پختہ یا غیر پختہ دے کہ اپنے گھر جا کر کھا لیں تو کس قدر فی کس دے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ہر مسکین کو گیہوں کا نصف صاع[3] اور جو اور چھوارے کا پورا صاع دے یا ان کی قیمت دے دے۔ اور دلیل ان کی حدیث اوس بن الصامتؓ و سہل بن صخر کی ہے جس میں نصف صاع گیہوں اور ایک صاع جو اور چھوارے دینے کا حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ اور نیز صدقہ

[1] اصحاب سنن اربعہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس نے صحبت کر لی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو نے کس لیے کیا؟ اس نے عرض کیا چاندنی رات میں اس کی پازیب اور گوری پنڈلی دیکھ کر رہا نہ گیا۔ فرمایا کفارہ دینے تک اس کے پاس نہ جانا ۱۲ منہ

[2] احناف ۱۲ منہ　[3] صاع پختہ تول سے جس کا اسی روپیہ کل دار کا سیر ہے تخمیناً ساڑھے چار سیر کا وزن ہے اور مُد ایک سیر سے کچھ کم ہے ۱۲ منہ

الفطر میں بھی مقدار آئی ہے۔ اور صدقات واجبہ برابر ہیں۔ یہ حدیثیں ابوداؤد و احمد و طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ہر ایک مسکین کو ایک مُد دے جو مد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد کے ہم وزن ہو اور وہ ایک رطل اور ثلث مقدار کی ہے۔

مسئلہ اگر ساٹھ روز تک ایک ہی مسکین کو دے گا تو کافی ہوگا۔ اور اگر ساٹھ روز کا ایک فقیر کو ایک ہی روز دے دیگا تو یہ صرف ایک روز کا دینا سمجھا جائیگا۔ (ہدایہ)

آیت میں جہاں کھانا دینے کا ذکر ہے اس جگہ من قبل ان یتماسا کی قید نہیں جیسا کہ غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں تھی۔ اس سے امام ابوحنیفہؒ یہ بات کہتے ہیں کہ ہر چند کھانا پہلے کھلانا واجب ہے لیکن اگر کسی نے کھانا کھلانے سے پہلے صحبت کرلی تو یہ کفارہ کافی ہوجائیگا یعنی ہنوز مساکین دوسرے وقت کا کھانا نہ کھانے پائے تھے کہ اس نے صحبت کرلی تو برا کیا استغفار کرے مگر کفارہ ادا ہوگیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں گو اس جگہ قید من قبل ان یتماسا مذکور نہ ہو مگر اس سے پہلے دو چیزوں کے ادا کرنے میں مذکور ہو چکی ہے لہذا یہاں بھی وہی مراد ہے، یہ کفارہ ادا نہ ہوگا۔

جمیع آیت سے متعلق بحث

اللہ تعالیٰ نے الذین یظھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ الخ ارشاد فرمایا، جس سے کئی باتیں پیدا ہوئیں۔

(۱) ثم یعودون لما قالوا یہ تحریر رقبۃ الخ کا سبب ثابت ہوتا ہے جس لیے تحریر پر ف سببیہ آئی پھر اگر کوئی ظہار کرکے رجوع کرنا نہ چاہے تو کفارہ لازم نہ ہوگا۔ تو اس صورت میں کیا وہ عورت کو عمر بھر یوں ہی لٹکائے رکھ سکتا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں عورت کفارہ ادا کیے بغیر مرد کو اپنے پاس نہ آنے دے اور مرد کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے کس لیے کہ ادا نہ کرنے میں عورت کے حقوق تلف ہوتے ہیں لہذا وہ حاکم سے رجوع کرکے کفارہ ادا کرالے (کبیر)

(۲) من نسائھم کے لفظ میں وسعت ہے کہ اگر کسی کی چار بیویاں ہوں اور چاروں کو ایک بار خطاب کرکے یہ کہہ دے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہو یعنی حرام تو یہ چار ظہار گنے جائیں گے اور چار کفارے دینے پڑیں گے، جس سے صحبت کرنے کا قصد کرے گا پہلے کفارہ دے گا۔ جیسا کہ ایک ساتھ سب کو طلاق ہو سکتی ہے اسی طرح ظہار بھی ہو سکتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ شافعیؒ حسن بصریؒ زہریؒ سفیانؒ وغیرہم کا قول ہے۔ امام مالکؒ و امام احمد حنبلؒ کہتے ہیں ایک کفارہ دینا ہوگا۔ اور عمرؓ و علیؓ و عروہؒ و طاؤسؒ و عطاءؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ یہ لوگ یمین باللہ پر قیاس کرتے ہیں ایلاء میں (فتح القدیر)

(۳) اگر کوئی ایک بار ظہار کرکے اور کفارہ دے کر پھر ظہار کرے تو ف سببیہ یہ کہہ رہی ہے کہ کفارہ دینا ہوگا۔ تکرار علت سے معلول مکرر ہوگا۔ (ہدایہ)

کفارے کے بعد پابندی احکام کی بابت تاکید فرماتا ہے۔ فقال ذٰلك یہ تعلیم احکام اس لیے ہے کہ اللہ اور رسول پر بجا آوری احکام میں ایمان لاؤ اور اس کے حدود پر قائم رہو اور کافروں کو عذاب الیم ہے اور خدا کو ناخوش کرنے والے عزت نہیں پاتے ایک روز ذلیل ہوں گے، جیسا کہ پہلے لوگ ہوئے۔ ہم نے آیات بینات نازل کر دیں ان کو جو نہ مانے اس پر خدا کی مار اور ذلت کا عذاب ہے اس روز ان سب کو اللہ اٹھا کر ان کے اعمال بتائے گا اللہ نے ان کو لکھ رکھا ہے یہ بھول گئے ہیں

اللہ کے نزدیک سب چیز حاضر ہے۔ اس میں مسئلہ معاد بھی کس لطف سے ثابت کر دیا اور آخرت کا ذکر بھی جو انسان کو نیکی پر تحریک دلاتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
کیا آپ نے نہ دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ
اور زمین میں ہے (یہاں تک) جو کوئی مشورہ تین آدمیوں

ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا
میں ہوتا ہے تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور جو پانچ میں ہوتا ہے تو

هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ
وہ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو

وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا
یا زیادہ کی مگر وہ ہر جگہ ان کے ساتھ

كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ
ہوتا ہے پھر ان کو قیامت کے روز بتا دے گا کہ وہ کیا

الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾
کیا کرتے تھے کیوں کہ اللہ ہر شے سے واقف ہے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ
کیا آپ نے (اے رسول) ان کو نہیں دیکھا کہ جن کو کانا پھوسی کرنے سے منع کر دیا تھا

ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ
پھر بھی وہ اس سے باز نہیں آتے اور گناہ

بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ
اور سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے لیے مخفی مشورے کرتے ہیں

وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ
اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کے ان کلمات سے صاحب سلامت کرتے ہیں کہ

يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي
جن سے اللہ نے نہیں کی اور اپنے دلوں میں کہتے

أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا
ہیں (کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں) کس لیے اللہ اس پر ہم کو عذاب

نَقُولُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا
نہیں دیتا ان کے لیے جہنم بس ہے جس میں وہ گریں گے

فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٨﴾
پھر وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب

مایکون۔ جملہ مستانفۃ مقررۃ لما قبلہا من سعۃ علمہ یکون من کان التامۃ وقرئ تکون من التاء اعتبار التانیث النجوی وان کان غیر حقیقی۔ نجوی مصدر کالتناجی وقال الزجاج النجوی مشتق من النجوۃ وہی ما ارتفع من الارض فان السرار مرتفع عن استماع الغیر کالارض المرتفعۃ لارتفاعہما انفصلت عن انفصال الغیر۔ ثلثۃ مجرور باضافۃ نجوی الیہ او علی انہا موصوفۃ بہا بتقدیر مضاف الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال۔ ولا خمسۃ ای ولا نجوی خمسۃ ولا اکثر[1] معطوف علی العدد ویقرء بالرفع علی الابتداء۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا اللہ علی کل شئ شہید کہ اللہ کے نزدیک ہر چیز حاضر و موجود ہے۔ اب اس جگہ اس وسعت علمی کی تشریح فرماتا ہے تاکہ ہر مکلف کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا کوئی فعل کوئی قول کوئی حرکت کوئی دلی خیال بھی خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ جزا دے گا اس بات پر یقین آنا انسان کا بڑا ہادی اور منہیات سے منع کرنے والا ناصح مشفق ہے۔

[1] منصوب علی ان لا لنفی الجنس ۱۲ منہ

فقال الم تر کہ کیا اے انسان تو نہیں دیکھتا کس لیے کہ اس بات کے دلائل تیرے آگے ظاہر ہیں پھر جاننا بمنزلہ دیکھنے کے ہے اور یہ بات محسوس و مشاہد ہو گئی ہے کہ اللہ کو آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں معلوم ہیں۔ انسان کی مخفی اور مشورہ نہانی کی باتیں بھی اس کو معلوم ہیں، جہاں تین شخص مل کر مشورہ کرنے بیٹھتے ہیں ان کے ساتھ خدا ہوتا ہے، اور جو چار ہوتے ہیں تو وہ پانچواں ہوتا ہے، اور پانچ ہوں تو وہ چھٹا ہوتا ہے (غالباً مخفی مشورے میں کم ہی آدمی ہوا کرتے ہیں جن کی اکثر یہ تعداد ہوتی ہے) خواہ کم ہوں خواہ زیادہ ہر حال میں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز بتا دے گا کہ کیا کرتے تھے وہ ہر بات جانتا ہے۔

مخفی مشورے کے ذکر کے بعد خاص مشورہ ہی کی بابت ایک مناسب حکم دینے کا موقع آگیا اس لیے بری باتوں کے بے مخفی مشورت اور کانا پھوسی کی ممانعت کس عمدہ پیرائے میں بیان فرماتا ہے:۔

فقال الم تر الی الذین نھوا عن النجوی کہ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ جو مخفی مشورہ سے منع کیے گئے تھے وہ باز نہیں آتے پھر کرتے ہیں اور کس بات کی کانا پھوسی کرتے ہیں؟ گناہ اور بغاوت کی رسول کی نافرمانی کی۔ اور اسی پر بس نہیں جب وہ اے رسول تیرے پاس آتے ہیں تو سلام اس طرح سے کرتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے نہیں کیا خدا نے سلٰمٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی فرمایا ہے اور السلام علیکم سنت قرار پائی ہے مگر یہ کم بخت ان لفظوں سے سلام نہیں کرتے یا تو السام علیک زبان دبا کر کرتے ہیں۔ یا انعم صباحاً وغیرہ الفاظ کہتے ہیں۔ اور جب مجلس سے باہر جاتے تھے تو دلیری سے کہتے تھے خدا ہماری باتوں پر ہمیں کیوں عذاب نہیں دیتا۔ ان کو جہنم کی سزا ہے مگر دنیا میں جلدی نہیں کرتا وہ بہت بری جگہ ہے۔

معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینے کے منافق اور بنی قریظہ و بنی نضیر کے یہود جو آس پاس رہتے تھے مسلمانوں کو حیران و پریشان کرنے کے واسطے لوگوں کو دکھا کر دو چار الگ بیٹھ کر سرگوشی کرتے اور آنکھوں بھوؤں سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے، اس سے مسلمانوں کو تشویش پیدا ہوتی تھی کیوں کہ اس وقت بد امنی تھی کفار کا غلبہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کر دیا تھا مگر پھر بھی باز نہ آتے تھے اور اسی طرح السلام علیکم کی جگہ جو شعار اسلامیہ ہے کہیں السام علیک کہیں انعم صباحاً کہتے تھے، مقصود خلاف کرنا ہوتا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ

اے ایمان دارو! جب تم سرگوشی کرو

لے سام یعنی موت۔ مدینہ کے یہود ایسا کرتے تھے بدبخت لوگوں میں ایسی کمینگی اور چالاکی اور گستاخی کی عادت اخلاق کریمانہ کی جگہ ہو جاتی ہے ۱۲ منہ

ع اسلام کا آسمانی قانون جس طرح روحانی اور اخلاقی امور کی تعلیم کرتا ہے اسی طرح بعض رسمی اور علامتی باتوں کو بھی بڑے درسے قائم کرتا ہے۔ خصوصاً ان اوضاع و اطوار کو جو صحابہؓ و پیغمبرؐ کے تھے جو اسلامیوں کے نشان اور علامات قرار دیے گئے ہیں (جیسا کہ داڑھی کا موچھیں کتروانا ناخن لوانا زیرناف کے بال لینا ختنہ کرنا آپس میں بوقتِ ملاقات السلام علیکم کہنا) اس کا غلبہ اور قوموں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان باتوں میں پیروی کریں اوروں کو جھکاتا ہے۔ مبتذل اور فاحشہ کی طرح ہر ایک کی طرف آپ اپنے کپڑے اور وضع بدل کر جھکنا نہیں چاہتا۔ دیکھو آج کل شوکت انگریزی لوگوں کو اپنی زبان و اوضاع کی طرف کھینچ رہی ہے حالانکہ ملکی مصلحت یہ تھی کہ خود انگریز رعایا کی زبان و اطوار کا تتبع کرتے ۱۲ منہ

فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ
تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی
مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ
نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کا
التَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۹
مشورہ کیا کرو اور اس اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم کو پھر کر جانا ہے
اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ
(یہ) سرگوشی تو صرف شیطانی بات ہے تاکہ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا
ایمان داروں کو رنج ہو حالانکہ بغیر حکم اللہ کے کچھ بھی
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
ضرر نہیں دے سکتا اور ایمان والے تو اللہ ہی پر بھروسہ
الْمُؤْمِنُوْنَ ۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
رکھتے ہیں اے ایمان والو!
اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ
جب تم کو کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے
فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ
تو کھل کر بیٹھو خدا تم کو فراخی دے گا اور جب کہا جائے
انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ تم میں سے اللہ ایمان داروں
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے
دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بلند کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ
خَبِيْرٌ ۱۱
اس سے خبردار ہے

ترکیب

لیحزن خبر آخر لانما النجوی والاول من الشیطن والذین اوتوا العلم فی محل النصب لکونہ معطوفا علی الذین اٰمنوا درجٰت منصوبۃ بالتمیز۔

تفسیر

پہلے مخفی مشاورت کی برائی بیان ہوئی تھی' اب یہاں مسلمانوں کو مشورے کی بابت حکم دیتا ہے:۔
فقال یاایھا الذین اٰمنوا الخ کہ مخفی مشورہ بالکل ممنوع نہیں۔ ہاں اگر ہو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی بابت نہ ہو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کے لیے ہونا چاہیے۔ اور اگر مصالح دنیاویہ کی بابت ہو بشرطیکہ گناہ اور بغاوت اور نافرمانی رسول نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں' اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اسی کے پاس جمع ہونا ہے قیامت میں یا مرنے کے بعد عالم ارواح میں۔
اب اس پہلے مخفی مشورے کی حالت بیان فرماتا ہے انما النجوی الخ کہ وہ مشورہ شیطانی اور مسلمانوں کو رنج دینے کے لیے ہے اور خدا کی مرضی بغیر اس سے ضرر تو کیا دے سکتے ہیں؟ اور ایمان داروں کا اللہ ہی پر بھروسہ ہونا ہے وہ مخفی مشورہ اور اشاروں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ یعنی نہ کرنا چاہیے۔

آداب مجلس

مخفی مشورہ جس طرح مجلس میں حضار جلسہ کی پریشانی و رنج کا باعث ہے بلا ضرورت کرنا وہ ممنوع کیا گیا' اسی طرح مجلس میں پہنچ کر بیٹھنا اور آنے والے کو جگہ نہ دینا یا خواہ مخواہ جگہ تنگ کرنے کے لیے اڑ جانا اہل مجلس اور قومی جماعت اور سردار کو رنج دینے والی بات تھی اس لیے اس کی بھی

اصلاح کرنی ضرور تھی۔

فقال یا یھا الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسحوا الخ یہ نشست و برخاست کی بابت دو حکم جو سراپا تہذیب ہیں۔

(۱) یہ کہ جب مجالس میں اعام ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہو یا کسی دینی بزرگ کی یا وعظ و پند کی یا مصالح دینی و دنیوی میں مشورہ کرنے کی یا کوئی تدبیر ملکی و مصلحت قومی کی) تنگ ہو کر نہ بیٹھو اور جب تم کو سردار کشادہ ہونے کا حکم دے تو کھل کر بیٹھو اللہ تمہارے لیے کشائش عطا کرے گا دنیا میں اور دنیاوی امور میں، قبر میں آخرت میں، فہم و عقل میں، دائرۂ محبت و اخوتِ اسلامی و قومی میں۔ مجلس میں کھل کر بیٹھنے سے دائرۂ محبت و تہذیب کھل جائے گا۔

(۲) واذا قیل انشزوا الخ کہ جب تم کو سردار جانے کے لیے کہے تو چلے جاؤ حکم سن لیا جو کام تھا کر لیا چل دیے، اژدحام کرنے کو اُڑ کر نہ بیٹھو کہ سردار پر اور دیگر آنے والوں پر شاق گزرے۔ دعوت و عبادت میں بھی زیادہ جم کر نہ بیٹھنا چاہیے تم سردار کے کہنے سے مجلس سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تو خدا تمہارے میں سے ایمان داروں بالخصوص علم والوں کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے یعنی تم اٹھنے میں جو بلند ہوتے ہو تو درجے میں بھی بلندی حاصل کرتے ہو، عجب پُر معنی لفظ ہے، یہ بھی اور اس سے پہلا یفسح اللہ بھی۔

اس آیت میں اہل مجلس کے مراتب بھی اشارۃً بیان کر دیے کہ اسلامی مجلس میں ترجیح ایمان و علم سے ہے نہ کہ کثرتِ مال و اسباب و زن و فرزند سے۔ علم کے فضائل احادیثِ صحیحہ میں اس قدر بیان ہیں کہ جن کے ذکر کو ایک دفتر چاہیے۔

مباحث

(۱) مشورہ اور ہے جس کا حکم خدا تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وشاورھم فی الامر فرمایا۔ نجویٰ اور چیز ہے، نجویٰ بھی مشورہ ہے مگر مخفی اور تھوڑے آدمیوں میں ہوتا ہے لیکن مشورے میں یہ قید نہیں، بلکہ کبھی وہ علیٰ رؤس الاشہاد سب کے سامنے ہوتا ہے۔ راؤں میں سقم و صحت دریافت کرنے کے لیے جو کسی خاص بات میں دی جاتی ہیں، یہ عمدہ چیز ہے، کس لیے کہ ہر قسم کے لوگ اور مختلف ذہنوں اور دماغوں کا جو (مختلف تجربے اور کامیابی و ناکامی کی ورزش کیے ہوئے ہوں) کسی بات پر توجہ کرنا مجموعی قوت کے لحاظ سے بڑا اثر رکھتا ہے۔

اسلامی سلطنت جو آسمانی سلطنت کے نام سے بائبل میں نامزد کی گئی ہے اسی مشورے پر مبنی تھی اور جمہوری تھی مگر رفتہ رفتہ بُعدِ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یا قومی نحوست و بدبختی سے جس طرح اور باتوں میں فرق آتا گیا اس میں بھی آیا، سلطنت شخصی ہو کر رہ گئی جس میں ایک ہی شخص پر تمام بار پڑتا ہے اگر وہ لائق اور مدبر اور اولوالعزم ہوا تو اس نے بڑے بڑے کارِ نمایاں کیے اور اس کے مرتے ہی وہ چراغ گل ہو گیا اور اگر جمہوری ہوتی تو کیوں چراغ گل ہوتا۔

اور نیز شخصی سلطنت میں بادشاہ کو غیر محدود اختیارات حاصل ہونے سے وہ لہو و لعب جور و ظلم خلافِ قانونِ مذہب و ملت خلافِ دستور جو چاہے کر سکتا ہے۔ خزانۂ شاہی خاص اس کی ملک ہوتا ہے جس کا بڑا حصہ اس کے شہوانی اور آسائشی و آرائشی کاموں میں صرف ہوتا ہے اور پھر اس کو انتظامِ ملک و تدابیر سلطنت و لبقائے قوتِ اعوانیہ و تحفظِ جماعت و نظرِ قوانین سلطنت و ملک و ملت و انتخاب کارکنانِ سلطنت کے لیے کوئی وقت بھی نہیں ملتا۔ اس غافل کے کارکن وقت کو غنیمت جان کر خوب دست برد کرتے ہیں، اس لیے ملک برباد سلطنت تمام

ہو جاتی ہے۔ اور نیز بد خواہانِ سلطنت یہ سمجھ کر کہ اس ایک شخص کے مارنے سے ملک ہاتھ لگتا ہے، مارنے میں کوشش کرتے ہیں اسی لیے بادشاہ اپنی جان کو سپاہیوں کی حفاظت میں رکھتا ہے اور کھانے پینے پھرنے چلنے میں اس کی آزادی جاتی رہتی ہے، وہ ایک قیدی یا ایک بیمار ہوتا ہے جو کہیں نہیں جا سکتا نہ کسی کے ہاتھ کا کھانا کھا سکتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنی بیوی اور اولاد اور خاندان سے بھی اطمینان نہیں رہتا، یہ کیسی مصیبت ہے؟ اگر جمہوری ہو تو اس کا بوجھ بھی بٹ جائے اور نہ کوئی اس کے مارنے کا قصد کرے نہ اس کے مرنے کو اپنی کامیابی تصور کرے کیونکہ جانتا ہے کہ قوم کو اختیار ہے وہ بعد میں بھی باقی ہے۔

ہمارے بادشاہوں نے باغ لگائے سڑکیں بنائیں قلعے مستحکم چنائے مگر ایسے پودے نہ لگائے کہ ان کی چھاؤں میں ملک و سلطنت کو بیٹھنا نصیب ہوتا یعنی جمہوری کرنے کے لیے قوم و ملک میں ایسے حوصلے اور علوم کارآمد شائع نہ کیے کہ جس سے عمدہ افراد پیدا ہوتے اور ہر شخص ملک و سلطنت کو اپنی جان کر سچی ہمدردی اور کامل سرگرمی کرتا۔

نجویٰ یعنی کانا پھوسی اور وہ بھی ایک مجلس میں خصوصاً بڑے شخص کے سامنے دینی و دنیاوی شہنشاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بدمعاشوں اور چوٹوں کا کمینہ فعل ہے اس لیے اس کو من الشیطٰن اور مومنین کو رنج رساں کہا تھا اس لیے ان آیات میں اذا تناجیتم اس پیرایہ سے ذکر کیا کہ جس سے نجویٰ کی کوئی خوبی اور بہتری نہیں نکلتی کیونکہ یوں فرمایا کہ اگر سرگوشی کرو یا جب کبھی سرگوشی کرو تو بری باتوں کے لیے نہ کرو اچھی باتوں کے لیے کرو و تناجوا بالبر الخ اس تقدیر پر پہلے کلام کا تتمہ ہے مستقل حکم نہیں۔

(۲) اثم گناہ عدوان سرکشی بغاوت معصیت الرسول رسول کی نافرمانی یہ تینوں باتیں ہوئیں بظاہر تینوں کے مقصد میں کوئی فرق نہیں گناہ سب کو شامل ہے، مگر گناہ دو قسم کے ہیں ایک بندوں کی حق تلفی ان پر ظلم و زیادتی دوسرے خدا تعالیٰ کے گناہ مثلاً نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا وغیرہ۔ پہلے گناہ کی تفسیر بالتفصیل عدوان کے ساتھ کی۔ کس لیے کہ ان امور کا ثبوت کہ جن کے ترک و فعل سے گناہ ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہے بوحی متلو یا غیر متلو اور اس میں باریک فرق ہے جس کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

(۳) بر نیکی نیک سلوک کرنا تقویٰ پرہیزگاری بر عدوان کے مقابلہ میں اور تقویٰ معصیت الرسول کے مقابلہ میں ذکر کی اور جس طرح اثم نہی میں دونوں کو شامل تھا اسی طرح امر میں اتقوا اللہ دونوں کو شامل ہے۔ اور اللہ کی صفت میں الذی الیہ تحشرون کا ذکر منہی عنہ سے بچنے اور مامور کے بجا لانے کا باعث ہے کیوں کہ جب انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ ہم سب کو خدا کے پاس جمع ہونا اور بندوں کے حقوق کا مطالبہ ہونا اور اپنے گناہوں سے بھی پوچھا جاتا ہے تو بری باتوں سے بچے گا اور نیک باتوں کو کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ
اے　ایمان دارو!　جب تم رسول سے سرگوشی کرو

فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ
تو اپنے　مشورے سے پہلے　صدقہ دے لیا کرو

ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ
یہ　تمہارے لیے بہتر　اور ستھری بات ہے پھر اگر نہ

تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫
پاؤ　تو اللہ　غفور رحیم　ہے

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ
کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے

نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا

ڈرتے ہو　پھر جب تم نے نہ کیا

وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور اللہ نے تم کو معاف بھی کر دیا تو (بس) نماز ادا کرو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ

اور زکوٰۃ دیا کرو　اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬　ع ۲

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے

ترکیب

اذا ناجیتم الخ شرط فقدموا جوابہ والجملۃ نداء بین یدی بمعنی قبل ای قبل نجواکم. ہو ظرف لقدموا وصدقۃ مفعولہ ذلک مبتدا خیر لکم خبرہ واطہر خبر بعد خبر و شفقۃ مہربانی شفق کذلک. اشفاق ترسیدن از کسے یا چیزے از مہربانی بروے صلۃ بعلی و بمعنی ترسیدن از کسے وصلتہ بمن۔

تفسیر

پہلے صرف سرگوشی کی برائی بیان فرمائی تھی کہ یہ شیطانی کام اور رنج دہندہ بات ہے۔ خیر یہ تو ان کی باہمی مشورت کے لیے حکم تھا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خواہ مخواہ سرگوشیاں کر کے مسلمانوں کو وحشت دلاتے تھے۔ مگر منافق تو عجب جبلہ گر تھے، اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنی اختیار کی۔ بات کچھ نہیں مشیخت جتانے کے لیے اور اس لیے کہ اس عرصے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ و پند تلقین کرنے کا موقع نہ ملے، نہ مسلمانوں کو کسی بات کے دریافت کرنے کا موقع ملے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے کہ آپ سے کچھ مخفی عرض کرنا ہے، کان جھکا کر ادھر ادھر کے قافیے ملانے لگتے۔ آپ سراسر اخلاقِ مجسم تھے جانتے تھے کہ بے ہودہ کام کی بات میں مشورہ درست نہیں مگر پھر بھی اخلاق کریمانہ سے کسی کی دل آزاری بھری مجلس میں پسند نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں پر شاق گزرتا تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے یہ ایک خاص حکم اس بارے میں نازل فرما دیا فقال یا یھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول الخ کہ اے مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اس سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔

ایسی سرگوشیاں منافق کیا کرتے تھے مگر رسول پاک کے تو اخلاق کریمانہ تھے ہی اللہ تعالیٰ کی ستاری و دل جوئی کو دیکھو یہ نہ فرمایا کہ اے منافقو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ اس میں کئی باتیں بری پیدا ہو جاتیں۔

ایک تو ان منافقوں کا پردہ کھل جاتا۔

دوسرے منافق کہنے میں ان کو بڑی ندامت و شرمندگی اور رنج ہوتا۔

تیسرے اخلاص اور ایمان کی امید ان سے منقطع ہو جاتی کس لیے کہ جب اللہ نے ان کو منافق کہہ دیا تو پھر مومن کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ ان میں سے بہت لوگ اخیر میں مخلص اور سچے ایمان دار ہو گئے گویا آمنوا کے لفظ سے یاد کرنا ان کے حق میں نیک فالی اور ایک طرح کی پیشین گوئی اور ایک مژدہ تھا۔

چوتھے اس میں منافقوں ہی کی تخصیص ہو جاتی ایمان داروں کے لیے یہ حکم نہ ہوتا حالانکہ ان کے لیے بھی تھا، کس لیے کہ رسولِ خدا سے ہر کس و ناکس کا ہر بات میں مخفی طور سے سرگوشی کرنا منصبِ رسالت کے کاموں میں

ہرج کرنا ہے اور رسول کو اس کے اعلیٰ مقاصد سے روکنا ہے، فی الجملہ یہ بھی ایک قسم کی خطا ہے جس کا کفارہ اس کے وقوعہ سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا یعنی یہاں اُدھار نہیں نقدا نقد ہے پہلے صدقہ دے لو پھر رسول ؐ سے سرگوشی کرو۔

پانچویں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب ہم نے مسلمانوں کو ان کی ضروری اور غیر ضروری باتوں میں صدقہ کا حکم دیا تو منافقوں کو کیوں نہ حکم ہو کہ وہ نہ دیا کریں۔ کیا پُرحکمت بول چال ہے۔ انہیں باتوں کی رعایت رکھنا تو اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔

اس صدقہ دینے کے حکم میں چند مصلحتیں تھیں۔

(۱) ایک تو یہی کہ اس ہرج کا کفارہ ہے۔

(۲) یہ کہ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے۔

(۳) مخلصین اور غیر مخلصین کا امتحان ہے۔

(۴) فقراء کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔

(۵) سب سے بڑھ کر مصلحت سرگوشیوں کا انسداد ہے۔

پہلے تو مفت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کہہ دینا آسان بات تھی مگر اب تو صدقہ دینا پڑا اس لیے یہ سرگوشی بہت کم ہو گئی اور کس لطف کے ساتھ کم کی گئی۔ دنیا کے عقلا جب کسی بات کی قلت اور اس کا انسداد چاہتے ہیں تو دفعۃً اس کے بند اور معدوم کرنے کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس پر کوئی ٹیکس یا جرمانہ یا فیس قائم کر دیتے ہیں جس کی صدہا نظائر آج کل موجود ہیں قرآن روحانی اخلاق تو سکھاتا ہی ہے دنیاوی تدابیر بھی تعلیم کرتا ہے۔ نیک لوگوں نے اس مسئلہ کو اپنے اخلاقِ ذمیمہ کم کرنے پر بہت برتا ہے اور خوب عمدہ نتائج پیدا کیے ہیں۔ کسی بزرگ نے التزام کر رکھا تھا کہ اگر کسی کی غیبت یا کوئی جھوٹی بات یا کوئی ایذا دہندہ کلمہ منہ سے نکلے گا تو سات روزے رکھوں گا۔ دو ایک بار روزے رکھے پھر نفس کو خبر ہو گئی، زبان بھی کُھل گئی۔ اسی طرح اور باتوں پر بھی ایسے احکام لگا رکھے تھے، ایسے باخدا اپنی اصلاح میں شب و روز سرگرم رہتے ہیں اور یہی جہادِ اکبر ہے جس نے نفس پر اس کی شہوانی خواہشوں کے روکنے میں فتح پائی اس نے اقلیم جاودانی کو حاصل کر لیا۔

ف اس آیت میں اس صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہ ہوئی کہ کس قدر ہو؟ اور نہ تعین کہ کیا چیز دے اور کس کو دے۔ ان سب باتوں کو سہولت کے لیے عرف پر چھوڑ دیا اور صدقۃ نکرہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔

مسئلہ یہ صدقہ کیا واجب تھا یا مندوب؟ بعض علماء کہتے ہیں واجب تھا، بعض کہتے ہیں مندوب تھا آیت کے اخیر الفاظ بتا رہے ہیں جیسا کہ فان لم تجدوا۔ ءاشفقتم الخ خیر جو کچھ ہو مگر کیا یہ حکم اخیر تک باقی رہا تھا یا منسوخ ہو گیا تھا؟ اکثر علماء کہتے ہیں پھر منسوخ ہو گیا تھا، اور یہ اخیر جملے جو بعد میں نازل ہوئے تھے ناسخ ہیں اور وہ یہ ہیں فان لم تجدوا الخ اور ءاشفقتم الخ اور یہ سرگوشی کی عادت بھی جاتی رہی تھی۔ مسلم کہتے ہیں جن جملوں کو ناسخ قرار دیتے ہو ان میں کوئی بات پہلے حکم کے مخالف نہیں یا تاکید ہے یا تشریح پھر کیونکر ناسخ کہا گیا؟ بلکہ یہ حکم باقی رہا اس کی وجہ سے یہ فعل بھی جاتا رہا اور بہت سے منافق رفتہ رفتہ مخلصین ہو گئے۔

صدقہ کی نسبت فرمایا تھا ذٰلک خیر لکم واطہر کہ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ بہتر میں چار اخیر مصلحتوں کی طرف اشارہ ہے اور اطہر میں پہلی مصلحت کی طرف۔

پھر فرماتا ہے فان لم تجدوا الخ اگر تمہیں صدقہ دینے کا

مقدور نہ ہو تو خیر معاف ہے پھر اسی پہلی آیت کے تمام مضمون کی تاکید کرتا ہے فقال ء اشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوىٰکم صدقٰت کہ کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے؟ یعنی نہ ڈرو صدقہ دو صدقے میں بہتری اور پاکیزگی ہے۔ فاذ لم تفعلوا پھر اگر نہ کرو جیساکہ فان لم تجدوا میں ذکر تھا۔ یعنی بے مقدوری کی وجہ سے صدقہ نہ دے سکو اور تاب اللہ علیکم اللہ نے تم کو معاف بھی اسی حالت میں کر دیا ہے تو اقیموا الصلوٰۃ الخ نیک کام کیا کرو۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔

ف پہلے تو صدقہ مفرد لفظ فرمایا تھا کس لیے کہ حکم کے وقت مامور بہ کو تھوڑا دکھانے میں مکلف کی ہمت بڑھتی ہے کہ یہ تھوڑی سی بات ہے اسے کر لوں گا مگر اخیر میں بلحاظ افرادِ مخاطبین یا افرادِ صدقہ جمع کا لفظ صدقات ارشاد فرمایا۔

ف بعض علماء فرماتے ہیں خصوصًا جو اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں کہ فاذ لم تفعلوا میں بے مقدوری سے صدقہ نہ دینا مراد نہیں کس لیے کہ اگر یہ ہوتا تو اقیموا الصلوٰۃ کے بعد اٰتوا الزکوٰۃ نہ فرماتا کس لیے کہ مفلس کیا زکوٰۃ دے گا جو تھوڑا سا صدقہ نہ دے سکا؟ بلکہ حکم کو منسوخ کرتا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو تو تمہیں اختیار ہے۔ اس تقدیر پر یہ پہلی آیت کی تصریح و تشریح و تاکید نہیں بلکہ جدید حکم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ
کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر رکھی ہے کہ جن پر
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا
اللہ کا غضب ہے یہ منافق نہ تمہارے ہیں اور نہ
مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ
ان کے اور جان بوجھ کر جھوٹ پر قسمیں
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ
کھایا کرتے ہیں اللہ نے ان کے لیے سخت
عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا
عذاب تیار کر رکھا ہے وہ بہت ہی
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ
برا کر رہے ہیں اپنی قسموں کو آڑ بنا لیا
جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
ہے سو (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں
فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٦﴾ لَنْ
سو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے ہرگز
تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
اللہ کے مقابلہ میں نہ تو ان کے مال ہی کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی
مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
اولادیں کچھ کام آئیں گی یہ دوزخی لوگ
النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ
ہیں سدا اس میں رہا کریں گے جس دن
يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا
کہ اللہ ان سب کو قبروں سے اٹھاوے گا تو اس کے سامنے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی
يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ
کہ تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم
عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
رستے پر ہیں دیکھو یہ
الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٨﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ
جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے قابو

الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ

پا لیا ہے جس نے ان کو اللہ کی یاد بھلا دی

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ

یہی شیطان کا گروہ ہے دیکھو

حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑲

شیطان کا گروہ ہی تو خسارے میں ہے

ترکیب

ماھم منکم و لا منھم جملۃ مستانفۃ او حال من فاعل تولوا و یحلفون عطف علی تولوا داخل فی حکم التعجب وصیغۃ المضارع للدلالۃ علی تکرار الحلف وتجددہ۔ وھم یعلمون[1] حال من فاعل یحلفون لتفید شناعۃ قولھم لان الحلف علی مایعلم انہ کذب فی غایۃ القبح۔ یوم یبعثھم قیل ظرف لقولہ تعالیٰ لھم عذاب مھین۔ استحوذ لم یبدل الواو بالالف مع وجود الفائدۃ۔

تفسیر

پہلی آیات میں منافقوں کے اعمالِ بد کا ذکر تھا جو اہلِ ایمان کی ایذا اور پریشانیٔ خاطر کا باعث ہوا کرتے تھے یعنی کانا پھوسی کرنا۔ اب اس جگہ ان کی دوسری بدعادت ایذا دینے والی ذکر کرتا ہے تاکہ اس سے باز آئیں اور دیگر مسلمان بھی دور رہیں۔ فقال الم تر الخ اور وہ بدبات یہ بھی کہ منافق اس قوم سے (کہ جس پر غضب الٰہی ہے یعنی یہود) مخفی یارانہ رکھتے تھے اور اس یارانے میں بھی سچے اور قائم نہ تھے نہ یہود کے ساتھ نہ اہلِ اسلام کے ساتھ بلکہ مذبذبین بین ذٰلك اور مسلمانوں کے روبرو آکر جھوٹی قسمیں کھایا کرتے تھے[2]۔ یہ مجموعہ ناپسند اور ایذا دہ کام تھا۔ اگر یارانہ یہود سے کیا تھا تو صاف کہہ دیتے مسلمان پھر ان سے بھی خبردار رہتے۔ اس سازش کو چھپانا اور بھی ظلم تھا[3]۔ اس نکوہیدہ بات کو تعجب کے صیغوں میں بیان فرمایا کہ اے نبی تم نے وہ لوگ بھی دیکھے جو ایسا کرتے ہیں؟ اس سے مقصود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا دریافت کرنا نہیں بلکہ یہ محاورہ تعجب اور افسوس کے لیے ہے۔ یہود کا نام نہیں لیا بلکہ یوں کہہ دیا کہ ان سے ملتے ہیں جن پر خدا کا غضب ہوا۔ یہ اس لیے کہ یہود سے بالذات ملنے کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ مقہور قوم ہے۔ مقہور اور مدبر لوگوں کے ساتھی ہونے میں انسان خود بھی قہر الٰہی میں آجاتا ہے ڈوبتی کشتی کا بچانے والا آپ بھی ڈوبتا ہے یہ ایک بڑی کام کی بات ہے کبھی بداقبال اور مقہور لوگوں سے میل جول نہ کرے۔ یہود ایک متبرک اور خاندانی قوم تھی دینی

---

[1] وہم یعلمون کی قید سے جاحظ کا قول غلط ہوگیا جو کہتا ہے کہ خلاف واقع بات کہنے سے جب جھوٹ ہوگا کہ جب جانتا بھی ہو کہ یہ خلاف واقع ہے کس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہم یعلمون مکرر الفاظ ہو جاتے بلکہ ثابت ہوگیا کہ جھوٹ دو قسم ہیں ایک یہ کہ بے خبری میں خلاف واقع بات کہے دوسرے یہ کہ جان کر کہے یہ سخت ہے پہلے سے ۱۲ منہ

[2] چنانچہ سدی و مقاتل کہتے ہیں کہ عبداللہ بن نبتل منافق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا پھر یہود میں جاکر باتیں بنایا کرتا اور عیب جوئی کرتا اور برا بھلا کہتا ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تو مکر گیا اور کس بات پہ برا بھلا کہتا ہے قسمیں کھانے لگا اس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے جس کو بعض مفسروں نے تعبیر کیا کہ اس کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں ۱۲ منہ

[3] انسان کا ملکاتِ روحانیہ پر قائم نہ رہنا کبھی ادنا سی بہیمیہ کی طرف مائل ہونا کبھی ملکوتیہ کی طرف ... باقی بر صفحہ آئندہ

کم بخت لوگ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں

أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ
وہی ذلیل ہو کر رہیں گے اللہ نے لکھ دیا

اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ
ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے کیونکہ اللہ

قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا
زور آور اور زبردست ہے آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو

يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں

وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ
گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي
یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں

قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ
اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی روح سے مدد بھی

مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ
کی ہے اور وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے

اور دنیاوی دونوں جہت سے مگر جس طرح ہر حادث کی عمر طبعی ہے قومی اقبالوں کی بھی ہے ان کے اقبال کی عمر ہو چکی تھی مدت سے ستارۂ اقبال غروب ہو چکا تھا سخت اندھیریوں کے عمیق گڑھے میں پڑے ہوئے تھے، اپنے بزرگوں پر تفاخر اور خاندان پر ناز ان کا مایۂ بساط تھا اور اس لیے من گھڑت منصوبے بھی باندھ رکھے تھے کہ ہم انبیاء زادے ہیں دوزخ ہمارے لیے نہیں کس لیے کہ ہم نبی کا جزوِ بدن ہیں اور نبی کا جزوِ بدن جہنم میں نہیں جائیگا ہم جو چاہیں کریں بھلا دوسرے خاندان کے کسی شخص کو ہم مانیں؟ اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن ہو گئے تھے، مدینہ کے پاس ان کے دو قبیلے رہتے تھے یہ مدینہ کے منافق ان سے ملا کرتے تھے اور برائیاں کیا کرتے تھے ان قسموں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال یا آڑ بنا رکھا تھا' فرماتا ہے ان کو ذلت کا عذاب ہے ان کے اولاد و مال آخرت میں کچھ کام نہ آوے گی جس کے لیے خدا کے دشمنوں سے یارانہ کرتے ہیں۔ یہ جہنمی ہیں ہمیشہ وہاں رہیں گے جس روز اللہ ان کو بارِ دگر زندہ کرے گا یعنی قیامت میں وہاں بھی اپنی عادت کے موافق اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے لیے کھاتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں مگر جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے' قوائے بہیمیہ ملکیہ پر غالب آگئے ہیں اس لیے اللہ کو بھول گئے یہ شیطانی گروہ ہے اور شیطانی گروہ خسارے میں ہیں تقدیر کھوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ بھی اہلِ طریقت کے نزدیک نفاق ہے اہلِ شریعت کے نزدیک دل میں کچھ ہو زبان سے اور کچھ کہے نفاق کا شعبہ ہے اور آیت میں منافقوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو زبان سے کلمہ توحید پڑھتے تھے باطن میں کافر تھے ۱۲ منہ

سلہ افسوس مسلمانوں میں بھی بعض لوگوں کی اس کے قریب قریب نوبت آگئی ہے خصوصاً مصنوعی سید اور نالائق بزرگ زادے ایسی باتیں بنایا کرتے ہیں اور بادشاہوں اور امیروں کی بداقبال اور کم بخت اولاد لاف زنیوں کو فوزِ مرام کا وسیلہ جانتی ہے خود کچھ بھی نہیں ہوتے۔

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ

نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ سدا رہا کریں گے اللہ ان سے

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ

خوش ہوگا اور وہ اس سے خوش یہی ہے

حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ

اللہ کا گروہ دیکھو اللہ کا گروہ ہی

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

کامیاب ہوکر رہے گا۔

ترکیب

اولئک الجملۃ خبر ان الذین لاتجد اما متعد الی اثنین فقولہ تعالیٰ یوادون مفعولہ الثانی واما متعد الی واحد فقولہ یوادون حال من مفعولہ لتخصصہ بالصفۃ و قیل صفۃ لقوم و لوکان متصلۃ بقولہ لاتجد اولئک مبتدا، کتب خبرہ وایدھم ویدخلھم معطوف علیہ۔

تفسیر

یہ کفار کی اسی دوستی کے متعلق بیان ہے کہ جس کا پہلے بیان ہوا تھا کہ خدا کے دشمنوں سے دوستی کرنا اللہ کو ناراض کرنا ہے اور جو اللہ کو ناراض کرتے ہیں وہ ذلیل ہیں۔ منافق یہود سے یارانہ اس لیے رکھتے تھے کہ اس سے ہم کو عزت ہوگی اور ہم اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے انہیں دونوں باتوں سے ان کا محروم رہنا بیان فرما دیا۔ پہلی بات کا اولئک فی الاذلین میں، ان کا ذلیل ہونا ظاہر ہے کس لیے کہ عزت والا خدا تعالیٰ ہے ایسے عزت دار کے مخالف کو ذلت کے سوا اور کیا ہے۔ دوسری کا کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی میں اللہ کے دفتر میں لکھا گیا کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بعض رسول منکروں کے مقابلے میں گو سردست مغلوب ہوگئے تھے مگر انجام کار وہ منکر ہلاک و برباد ہوئے اس رسول کے گروہ کے لوگ غالب آئے۔

اس کے بعد کفار و مشرکین سے دوستی رکھنے کی ممانعت کا تاکیدی حکم دیتا ہے :۔

فقال لاتجد قوما الخ کہ اے محمد یا اے ہر ایک اہل بصیرت تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانے والے لوگوں کو نہ دیکھو گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہوں خواہ ان کا باپ ہو یا بیٹا ہو، بھائی ہو یا برادری ہو۔ وہ سچے ایماندار کبھی ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں، اس میں ان کا بھائی ہو یا باپ یا بیٹا کوئی کیوں نہ ہو وہ کسی کی اللہ کے مقابلے میں پروا نہیں کرتے۔

پھر ان سچے ایمانداروں کے (جو اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی بیٹے باپ برادری کی پروا نہیں کرتے) چند اوصاف بیان فرماتا ہے :۔

(۱) کتب اللہ الخ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان قائم کر دیا۔ ان کے الواح قلوب پر ازلی قلم سے ایمان لکھا گیا وہ صرف زبانی ایمان والوں میں نہیں۔

(۲) وایدھم بروح منہ کہ ان کی اپنے ہاں کی

ف کفار سے جو مودت و محبت ممنوع ہے وہ دینی امور اور اسلام کے مقابل دنیوی امور میں ہے۔ رہی حسن معاشرت و خوش اخلاقی نیکی و احسان جس کے بنی آدم مستحق ہیں یہ ممنوع نہیں ۱۲ منہ

روح سے مدد کی، روح موید کے علماء نے کئی ایک معنی بیان فرمائے ہیں۔ نورِ قلب قرآن مجید دشمنوں پر فتح یابی ان سب کو روح کہا گیا اور ان سے ایمان داروں کی تائید ہوئی۔ سدّی کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر ایمان کی طرف پھرتی ہے یعنی ان کی روحِ ایمان سے مدد کی۔

کاتب الحروف کہتا ہے یہ بھی سہی مگر روح منہ روح القدس ہے جس سے خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تائید کرتا ہے جیسا کہ فرمایا ایدنٰہ بروح القدس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسانؓ کے حق میں فرمایا تھا اللھم ایدہ بروح القدس پھر روح القدس کیا ہے اور اس سے کیونکر تائید ہوتی ہے؟ اس کا بیان ایدنٰہ بروح القدس کی تفسیر میں دیکھو۔

(۳) یدخلھم الخ ان کو ایسے باغوں میں رکھے گا کہ جن میں نہریں جاری ہیں وہاں ہمیشہ رہیں گے یہ جسمانی بہشت کی طرف اشارہ تھا۔

فضائلِ صحابہؓ

(۴) رضی اللہ عنھم الخ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے۔ یہ روحانی بہشت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب انعام حضرات صحابہؓ کے نصیب ہوئے کس لیے کہ انہوں نے خصوصاً ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ نے جنگِ بدر احد وغیرہ مواقع پر اپنے اقارب سے دل کھول کر جنگ کی اور ہر موقع میں آنحضرتؐ کے روبرو اور بعد میں ثابت قدم رہے اس لیے یہ خوبیاں ان کو نصیب ہوئیں۔ اس لیے صحابہؓ کے نام پر رضی اللہ عنہ کہنے کا اہلِ سنت میں قدیم سے دستور ہو گیا ہے۔

(۵) اولٰئک حزب اللہ کہ یہ اللہ کا گروہ ہے جو فلاح پائے گا۔ اسلام میں اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ بات عطا کر دی کہ اہلِ حق کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ دیکھو صحابہؓ چند روز میں دنیا کی بڑی بڑی عالی شان سلطنتوں پر غالب آگئے اور قیامت تک اہلِ حق غالب رہیں گے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت علیؓ مغلوب ہو کر عمر بھر تقیہ کا بوجھ میں دبے رہے جیسا کہ حضرات شیعہ کا اعتقاد ہے۔ اور وہ تو کیا ان کے امام مہدی بھی خائف و مغلوب رہے اور اب تک چھپے بیٹھے ہیں کیا ان کے لیے خدا کا یہ وعدہ نہیں ہے۔

سورہ حشر

مدنیہ ہے اس میں چوبیس آیات تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس

الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اس نے تو اہلِ کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے

ف۱ روح حیات کا باعث ہے اور نورِ قلب وغیرہ ان کے استقلال کی حیات کا باعث ہے اس مشابہت سے ان پر لفظِ روح کا اطلاق ہوا ۱۲ منہ

ف۲ حزب اللہ ہونا صحابہؓ کا یہاں تک ہے کہ اہلِ بدر کے اسماءِ گرامی سحر و جادو و دفع غلبۂ اعداء کے لیے عجب خاصیت رکھتے ہیں بارہا تجربہ ہوا ہے ان کی روحانیت و اسماء شریفہ میں یہ تاثیر خدا نے دی ہے ۱۲ منہ

ف۳ دوسری جگہ غالبون بھی آیا ہے کہ اللہ کا گروہ غالب رہے گا ۱۲ منہ

أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ
لشکر جمع کرنے سے پہلے نکال باہر
الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا
کر دیا حالانکہ تم کو ان کے نکلنے کا گمان بھی نہ تھا اور وہ یہی سمجھ رہے تھے
أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللّٰهِ
کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے
فَأَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا
پھر ان پر اللہ کا عذاب وہاں سے آیا کہ جہاں کا ان کو گمان بھی نہ تھا
وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ
اور ان کے دلوں میں ہیبت ڈال دی
يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي
کہ اپنے گھروں کو اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے آپ
الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يٰۤأُولِي الْأَبْصَارِ ②
ڈھانے لگے پس اے آنکھوں والو عبرت پکڑو

ترکیب

مانعتہم بالرفع علی انہ خبر مقدم وحصونہم مبتدا مؤخر والجملۃ خبران من اللہ متعلق بالخبر۔ ویمکن ان یکون مانعتہم خبران وحصونہم مرتفع علی الفاعلیۃ یخربون الجملۃ حال او تفسیر للرعب فلا محل لہا۔ وقری یخربون بالتشدید التکثیر وقیل الاخراب التعطیل والتخریب الہدم۔

تفسیر

پچھلی سورت میں منافقوں کے افعال ناشائستہ کا ذکر تھا اس سورت میں ان کے معین و مددگار یہود کی نالائق حرکت اور اس کا یہ نتیجہ ذکر فرماتا ہے کہ عبرت ہو۔

فقال سبح للہ الخ ان آیات میں اور نیز ان کے بعد آیات میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کو مؤرخین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب پچھلے زمانوں میں یہود پر مصائب پڑے کچھ لوگ ان میں کے عرب میں بھی آ رہے تھے۔ بیشتر مدینہ منورہ کے آس پاس آ بسے تھے اس خیال سے کہ وہ نبی جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے یہیں آ کر رہے گا اور یہی شہر اس آفتاب کا تجلی گاہ بنے گا۔ من جملہ ان کے مدینہ کے آس پاس ایک ایک فرسنگ کے فاصلے سے دو فرقے یہود کے تھے ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر کہلاتے تھے[1] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو یہ دونوں فرقے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف[2] ہو گئے تھے مگر اُحد کی جنگ میں جو مسلمانوں کو کفار قریش سے ہزیمت پہنچی تب سے بنی نضیر کے دماغوں میں بھی سرکشی کا مادہ بھر گیا اگرچہ اس سے پہلے بدر کی لڑائی کے بعد ابوسفیان سردار قریش کو بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم نے اپنے ہاں مہمان رکھا تھا۔ جو آں حضرت پر شبخون مارنے آیا تھا آخر اس کو مدد دی اور

[1] خیبر بھی مدینہ سے پاس ہے وہاں بھی حضرت ہارونؑ کی نسل کے یہودی رہتے تھے بنی قینقاع اور بنی قریظہ اور بنی نضیر تو بہت ہی قریب تھے ۱۲ منہ

[2] عرب میں قدیم دستور تھا کہ جب دو شخص یا دو قوم باہم ایک عہد نامہ حلفیہ قائم کر لیتے تھے کہ ہماری جان و مال تمہاری، تمہاری جان و مال ہماری۔ تو ان کو حلیف کہتے تھے ان میں حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ اتحاد و حمایت ہوتی تھی اس طوائف الملوک کے زمانے میں خانہ بدوش قوموں کے بچنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مستحکم قلعہ متصور نہیں ہو سکتا تھا۔ آں حضرت (باقی بر صفحہ آئندہ)

ابوسفیان نے اس کی مدد سے مدینے کے بعض مسلمانوں پر جو اپنے کھیتوں میں مصروف تھے رات کو حملہ کیا مسلمانوں نے خبر پاکر تعاقب کیا۔ یہ تو تھا ہی اب ایک اور نئی بات پیدا ہوئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کی گڑھی میں مع چند صحابہؓ اسی عہد نامے اور معاہدے کی رو سے ایک مسلمان کو خون بہا دینا تھا اس روپے کے چندے میں انہیں بھی شریک کرنے تشریف لائے تھے۔ حضرتؐ سے کہا آپ تشریف رکھیے ہم چندہ دیتے ہیں اور بہت کچھ مدد دیں گے۔ آں حضرتؐ گڑھی کی دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے، یہود اندر گئے جاکر تجویز کی کہ اس کے اوپر سے بھاری پتھر ڈال دو مرکر رہ جائے جھگڑا ہی تمام ہو اس کی خاطر سے بھلا ہم قریش سے اور تمام عرب سے بگاڑ کر کے کہاں رہیں گے؟ (جب بدبختی سوار ہوتی ہے تو ایسی ہی کمینگی کی باتیں سوجھا کرتی ہیں) وہ ہنوز اپنا ارادہ پورا کرنے نہ پائے تھے کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو خبر کی آپؐ وہاں سے چلے گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام آپؐ کے حق میں فرما ہی چکے تھے کہ جو آپؐ پر گرے گا چور چور ہو جائے گا اور جس پر آپؐ گریں گے اس کو بھی چورا کر دیں گے۔ بموجب اس بشارت کے ان متواتر بدذاتیوں پر قہرمان الٰہی کب صبر کر کے پایہ تخت اسلام میں ان پشتینی بدذاتوں اور ازلی منحوسوں کو فتنہ انگیزی کی مہلت دے سکتا تھا؟ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اعلان کر دیا کہ اب ہمارا تمہارا عہد باقی نہیں رہا اب تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ پھر جنگ ہے۔ ان مغروروں نے قریش اور مدینے کے منافقوں کی مدد کے بھروسے پر کہہ دیا کہ اچھا جنگ ہے آپ ہمارا آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اپنی گڑھی کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے یہ گڑھی بھی مستحکم اور بلند تھی لشکر اسلام نے محاصرہ کیا گیارہ روز تک سخت محاصرہ رہا یہود کی باہر سے کوئی مدد نہ آئی ادھر مسلمانوں نے ان کے باغوں کو جن میں بہت عمدہ کھجوریں تھیں کاٹنا اور کھیتوں کو جلانا شروع کیا۔ (ان کی گڑھی سے لے کر مدینے تک باغات تھے) آخر مجبور ہو کر پیغام بھیجا کہ امن دیجیے آپ جو کہیں گے ہم کریں گے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا اور یہ حکم دیا کہ اپنا اس قدر مال و اسباب کہ تم سے چل سکے یا ایک اونٹ پر لد سکے لے جاؤ، یہود نے منظور کیا اور دس روز کی مہلت مانگی۔ اس عرصہ میں اپنا اسباب لادنا شروع کیا اور اس جلن کے مارے نہ بعد میں مسلمان ہمارے گھروں میں نہ رہیں اور اس لالچ سے بھی کہ اپنا کڑی کاٹھ کیوں چھوڑ دیں مکانوں کو گرانا شروع کر دیا آپ بھی ڈھاتے تھے اور مدینے کے مسلمانوں سے بھی اس کام میں مدد لیتے تھے پھر اکثر تو ادیجا اور اذرعات کی طرف چلے گئے (یہ شام کے مقامات ہیں) اور ابی الحقیق اور حیی بن اخطب کا خاندان کچھ تو خیبر میں جا رہا اور کچھ حیرہ چلا گیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی نضیر و بنی قریظہ نے حلف کر کے عہد باندھا تھا جو بعد میں خلاف کیا اور بہت ہی برے طور پر نالائقیاں اور بدذاتیاں کیں جس کی سزا قانون الٰہی میں ضروری تھی بنی نضیر نکالے گئے بنی قریظہ غزوۂ احزاب کے بعد جو اس واقعہ کے بعد ہوا ہے (شاید دو برس بعد) موذی سانپ اور زہریلے جانور کی طرح قتل کیے گئے اور ان کے ناپاک اور زہریلے وجود سے دنیا کو پاک کرنا حکمت آسمانی کا مقتضی ہی تھا جو واقع ہوا اس کو پیغمبر علیہ السلام کی رحم دلی روک نہیں سکتی تھی اس زمانے میں جب مہذب گورنمنٹ مارشل لا (فوجی قانون) کے بعد رحم دلی کے بجائے گولیاں مارنا مصلحت و حکمت جانتی ہیں تو اس حکم پر کیا اعتراض ہے ۱۲ منہ

اس واقعہ کے بعد یہ سورت نازل ہوئی ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی شان کبریائی جتلا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے ان سرکش یہود کو حشر سے پہلے ہی ان کے گھروں سے نکلوا دیا۔ محاصرہ سے پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک بھی اپنے گھر بار نہ چھوڑیں گے۔ تو اس نے حشر سے پہلے ہی گھر بار چھڑا دیے۔ ان کی بلند اور مستحکم گڑھی کو دیکھ کر ظاہر میں مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہ نہیں نکل سکتے۔ ادھر خود ان کو بھی یہ غرور تھا کہ ہماری گڑھی اور مستحکم قلعہ ہم کو ہر قسم کی آفت سے بچا لے گا ہم کو اس میں کون مار سکتا ہے؟ مگر ان کو اس بد روز کا خیال بھی نہ تھا کہ محاصرہ ہوتے ہی ان کے دلوں میں رعب بھر گیا نامردی چھا گئی امان مانگ کر جلاء وطنی پر راضی ہوئے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مکانوں کو کس نامرادی کے ساتھ آپ ڈھانے لگے۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے آنکھ والوں کے لیے کہ آسمانی حکم کا مقابلہ ایسے برے نتیجے پیدا کرتا ہے پیغمبر سے دغا کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ کسی سے دوستی کا عہد مستحکم باندھ کر مکاری و عیاری کرنا ضرور برا دن دکھاتا ہے۔ دنیا اور اس کے سامان دل لگانے کے قابل نہیں، کل کس شادمانی اور کن کن میٹھی امیدوں سے یہ مکانات بنا رہے تھے اور کیا کیا خیالات پکا رہے تھے، آج کس حسرت و یاس کے ہاتھوں سے ڈھا رہے ہیں عبرت عبرت۔ پچھلی آیتوں کا یہ مطلب صاف صاف تھا۔ اب ہم مفسرین کی موشگافیاں بھی نقل کرتے ہیں اور آیات میں جو اسرار ہیں ان کو بھی دکھاتے ہیں۔

سبح للہ تسبیح تنزیہ و تقدیس تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والے کرتے ہیں شریعت و نبی بھیجنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ ان کی عبادت کا حاجت مند ہے بلکہ انہیں کے فائدے کے لیے ہے۔ آسمانوں کے رہنے اور ان کے اندر کی کائنات اور اسی طرح زمین کے رہنے والے سب زبانِ حال سے اپنے خالق کی یکتائی اور شان بیان کر رہے ہیں گویا ہر شے اہلِ بصیرت کے لیے اس کے کمالات اور عظمتِ شان کا آئینہ اور مکمل دفتر ہے اور یہی اس کی تسبیح و تقدیس بے اختیاری ہے اور ملائکہ اور ارواحِ طیبہ آسمانوں میں نیک لوگ زمین پر اس کی تسبیح و تقدیس بالارادہ کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی جملہ کائنات کا اس طرز و رویہ فطری پر لگا رہنا کہ جس پر ان کو ان کے خالق و مالک نے لگا دیا ہے ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ تمام کائنات پر اس کے احکام جبرتی نافذ ہیں طوعاً و کرہاً سب ان کو تسلیم کر رہے ہیں، یہ بھی تسبیح و تقدیس ہے۔ اس جملہ میں اس کی کمال عظمت و شوکت و توانائی بیان ہوئی ہے، اس کے بعد اس کی جبروتیت و قہاریت کی ایک خاص بات ذکر کرتا ہے کہ ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتب کہ وہی جبار و توانا ہے کہ جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو حشر سے پہلے ان کے گھروں سے نکال دیا۔ کفروا میں اشارہ ہے کہ یہ کفر ہی ان کی اس سزا کا باعث ہوئی۔ اور اخرج کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ایک تو ان کے باپ دادا وہ تھے کہ جو توریت میں لکھا دیکھ کر نبی عربی علیہ السلام کے ظہور کے انتظار میں بامید اعانت و اطاعت یہاں آئے تھے ایک یہ ان کی نااہل اولاد ہے کہ اس سے مخالفت کرنے کے جرم میں نکالے گئے۔ لاول الحشر کے صاف معنی وہی ہیں جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ لیکن بعض مفسرین نے اور بھی بیان کیے ہیں۔ حشر جمع کرنا یعنی اس دن سے پہلے کہ ان پر مسلمانوں کے لشکر جمع ہوں جیسا کہ ہرقل روم و کسریٰ فارس پر ہوئے اس سے پہلے ہی آسانی سے نکالے گئے۔ یا یہ معنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معین و مددگار جمع ہوں اس سے پہلے یہ کم بخت نکالے گئے ان میں شریک ہونا جس لیے یہاں آئے تھے نصیب نہ ہوا۔ یا یہ کہ معین

و مددگار جمع کرنے سے پہلے نکالے گئے کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آیا اپنے قلعہ پر بڑا گھمنڈ تھا ناگہانی بلا کی خبر بھی نہ تھی۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ

اور اگر اللہ نے ان کے لیے دیس نکالا نہ لکھ دیا ہوتا تو

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي

ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا اور آخرت میں تو

الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ان کے لیے عذاب ہی ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے

شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ

اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی تھی اور جو کوئی اللہ کی مخالفت

اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴ مَا

کیا کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دیتا ہے

قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا

مسلمانو! تم نے جو کھجور کا پیڑ کاٹ ڈالا یا اس کو اس کی

قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ

جڑوں پر کھڑا رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا

وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۵

اور تاکہ بدکاروں کو رسوا کرے

تفسیر

اس کے بعد فرماتا ہے ولولا ان کتب اللہ علیہم الجلاء کہ اگر اللہ نے ان پر جلاء وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا میں ان کو عذاب دیتا اور اس عذاب سے آخرت کے عذاب میں کمی نہ ہوتی بلکہ وہاں بھی عذاب ہوتا یعنی دونوں ہوتے۔ اس جلاوطنی سے دونوں نہ ہوئے بلکہ صرف آخرت کا ہوگا۔ دنیا میں عذاب دیتا۔ یا تو بنی قریظہ کی طرح قتل کرتا یا لونڈی غلام بنواتا یا تنگ دستی و بیماری میں مبتلا کرتا یا زلزلہ یا برق یا کسی اور آسمانی بلا سے ہلاک کرتا اس کے دنیاوی عذاب صدہا قسم کے ہیں۔ اس کی امان فرماتا ہے ذلک بانہم شاقوا اللہ الخ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے گردن کشی کی اور جو ایسا کرتا ہے تو اللہ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

بعض مسلمانوں کو اپنی بہادری کا خیال پیدا ہوا ہوگا کہ بنی نضیر جو بڑے بہادر لوگ تھے ہم نے یوں نکال دیا اس لیے فرماتا ہے ما قطعتم من لینۃ او ترکتموہا قائمۃ علی اصولہا الخ کہ تم نے جو کوئی لینہ (عمدہ کھجور) کاٹی یا ویسی ہی قائم چھوڑی سو یہ سب خدا کے حکم کا مقتضی تھا تاکہ بدکاروں کو سزا دے وہ دیکھیں اور حسرت کریں تم اپنی بہادری اور جواں مردی کا نتیجہ نہ سمجھنا۔

اور ممکن ہے کہ کفار نے درختوں کے کاٹنے پر طعن کیا ہو کہ یہ فساد فی الارض ہے جس کو تم خود منع کرتے ہو[1] اور صحابہ کے دل میں اس کا کوئی اثر پیدا ہوا ہو اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ جو کچھ تم نے کیا حکم الٰہی سے کیا اللہ کو بدکاروں کا رسوا

[1] پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے موقعوں پر منع فرمایا ہے کہ میوہ دار سبز درخت نہ کاٹو نہ کھیتی اُجاڑو، کارآمد جانوروں کو نہ مارو۔ مگر ضرورت کے موقع پر ایسا کرنا جائز ہے۔ ممانعت تو اس لیے ہے کہ ان کارآمد چیزوں کو برباد کرنا فساد فی الارض اور اپنی قسمت میں آنے والی چیز کو مفت برباد کرنا ہے۔

اور اجازت کسی خاص موقع پر اس لیے کہ مخالفین کو صدمہ پہنچے یا وہ اسباب معیشت کے منقطع ہونے سے صلح پر یا اطاعت پر آمادہ ہوں جیسا کہ بنی نضیر کے نخلستان میں ہوا۔

کرنا منظور تھا۔ (بخاری کی کتاب التفسیر سے یہی متبادر ہوتا ہے)

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ
اور جو کچھ اللہ نے ان سے لے کر اپنے رسول کو دلا دیا ہے[1]
فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا
تو اس پر تم نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ
رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ
اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر
قَدِيْرٌ ⑥ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
قادر ہے جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں
مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَ
سے لے کر دیا ہے سو وہ اللہ اور رسول اور
لِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ
اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ
بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ
دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے اور جو کچھ تم کو رسول دے
فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ
اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو اور
اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑦
اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی سخت سزا ہے

تفسیر

اس کے بعد بنی نضیر کے مال و اسباب کی بابت فرماتا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور جس کو وہ نہ لے جا سکے:۔

فقال وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب الخ مبرد کہتے ہیں فاء یفئ کے معنی ہیں رجوع کے اور افاء اللہ جب کہتے ہیں کہ جب اللہ بھیجے۔ الزہری کہتے ہیں فیٔ اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ مخالفوں سے حاصل ہو خواہ اس طور سے کہ کفار چھوڑ کر چلے جائیں یا جزیے کے طور پر ادا کریں یا رعب میں آکر جان بچانے کے لیے کچھ رقم یا چیزیں دیں یہ سب فیٔ ہے۔ اس کو لغوی معنی کے لحاظ سے فیٔ اس لیے کہتے ہیں کہ کفار سے اللہ نے مسلمانوں کے پاس بھیجا ہے۔ برخلاف غنیمت کے کہ جنگ و جدل محنت و مشقت سے جو مال کفار سے ہاتھ لگے اس کو غنیمت کہتے ہیں۔ انفال کہ جس کا شروع سورۂ انفال میں ذکر ہے اس کے دو معنی ہیں۔ کبھی تو وہ غنیمت کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ نفل کے معنی لغت میں زیادت کے ہیں اور فرض کے علاوہ نماز کو اس لیے نفل کہتے ہیں کہ وہ زائد علی الفرض ہے اور غنیمت بھی جہاد کے اصل مقصود اعلاء کلمۃ اللہ سے ایک زائد بات ہے اس لیے اس کو انفال کہتے ہیں۔ اور کبھی سردار لشکر کے اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو وہ کسی خاص مردانہ کام کے مقابلے میں معین کرتا ہے۔

انفال کی تقسیم کا حکم اللہ اور رسول کے سپرد ہونا بیان کر کے پھر اس کی تقسیم بھی ذکر کر دی گئی۔ (دیکھو سورۂ

[1] یعنی یہود بنی نضیر کے مال بلا مشقت خدا نے رسول کو دیے ۱۲ منہ

انفال)

فیٔ اور غنیمت کے معنی

فیٔ اور غنیمت میں فرق ہے، اس لیے سب سے اول اس فرق کو قائم کرتا ہے فقال فما اوجفتم الخ کہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ یعنی تمہاری محنت و مشقت اس میں کچھ نہیں اللہ اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے مسلّط کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح یہ تقسیم نہ ہو گی جیسا کہ غنیمت ہوتی ہے۔ صحابہؓ کو شاید تقسیم کا خیال پیدا ہوا ہوگا اس فیٔ میں بقول مؤرخین بنی نضیر سے پچاس زرہیں پچاس خود، تین سو پینتالیس اونٹ اور دیگر اسباب حاصل ہوا جس کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جس کو جس قدر مناسب جانا عطا کیا۔ پچھلی آیت میں فیٔ کے صرف کا مسئلہ بھی آتا ہے۔ وجف یجف وجفا وجیفا جلد جلد چلنا دوڑانا اونٹ اور گھوڑے کا۔ خیل گھوڑے رکاب اونٹ ان لفظوں میں سے مفرد صیغہ نہیں۔ ہاں دوسرے لفظ سے ہے راحلہ۔ گھوڑے کے سوار کو فارس، اونٹ کے سوار کو راکب کہتے ہیں۔

ف یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بنی نضیر کے مال کو فیٔ کہنا اور یہ فرمانا کہ اس پر تمہارے گھوڑے اونٹ نہیں دوڑے صحیح نہیں کس لیے کہ بنی نضیر کا کئی روز تک محاصرہ رہا لوگ مرے کھپے بھی۔ آخر جلاء وطنی پر وہ راضی ہو گئے تھے لہٰذا اس کو غنیمت کہنا چاہیے۔

جواب۔ یہ بنی نضیر مدینے سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھے ان کے لیے کچھ زیادہ سامانِ سفر اور تیاری کی ضرورت نہ ہوئی پاپیادہ جا کر محاصرہ کر لیا گیا۔ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے۔ یعنی جس طرح جنگوں میں محنتیں اور تکلیفیں اٹھا کر فتح ہوتی ہے اس میں اس قدر تکلیف اٹھانی نہ پڑی گویا کہ مفت ہاتھ آ گیا۔ اس لیے اس کو فیٔ کہا گیا۔

بعض علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ ان آیات میں فدک کی طرف اشارہ ہے البتہ وہ جائداد بے محنت حاصل ہوئی تھی جس میں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب اور مہمانوں کے لیے خرچ کیا کرتے تھے اور سامانِ جنگ گھوڑے ہتیار وغیرہ میں بھی صرف کرتے تھے۔

فیٔ کے مصارف

اس کے بعد فیٔ کے مصارف بیان فرماتا ہے۔ فقال ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ کہ جو کچھ گاؤں والوں سے پہنچایا۔ گاؤں والے یعنی کفار سے جو گاؤں اور بستیوں کے لوگ تھے ان سے بشوکتِ اسلامی وصول ہوا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں گاؤں والوں سے مراد قریظہ و نضیر و فدک و خیبر ہیں (معالم)

فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمی والمسٰکین وابن السبیل تو وہ اللہ اور رسولؐ اور قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کے لیے ہے یعنی اللہ کا مال ہے یعنی اس میں لشکر کا کوئی حق نہیں وہ رسول کے پاس رہے گا۔ رسول اس کو اپنے ذاتی مصارف میں بھی بقدرِ ضرورت صرف کرے اور اپنے قرابت داروں کو بھی دے بوجہ قرابت صلہ رحمی کرے اور جو قرابت دار محتاج ہوں بدرجۂ اولیٰ صلہ رحمی کے مستحق ہیں اور یتیموں کو بھی دے عام ہے کہ رسول کے خاندان کے یتیم ہوں یا اور، اور فقراء کو بھی دے کوئی ہو۔ اور حاجت مند مسافروں کو بھی دے۔ اور محتاج نہ ہوں یوں مہمان آئے ہوں رسول کے پاس جیسا کہ قوموں کے وکیل اور جماعتیں آیا کرتی تھیں۔ یہ سرکاری مہمان ہیں ان کا خرچ بھی اسی سرکاری خزانے پر ہے۔ آیت میں چھ شخص ذکر ہوئے۔ اول اللہ جل جلالہ۔ یوں تو سب کچھ اسی کا ہے مگر یہاں اللہ کا مال کہنے سے

یہ غرض ہے کہ یہ اللہ نے مخصوص حاجتوں کے لیے اپنا خزانہ بنا کر رکھا ہے اس تقدیر پر یہ کہنا کہ لفظ اللہ تبرکاً مذکور ہے بے فائدہ بات ہے۔ دوم[2] رسول۔ سوم[3] قرابت دار۔ چہارم[4] یتمٰی۔ پنجم[5] مساکین۔ ششم[6] مسافر۔ آیت میں یہ قید نہیں کہ قرابت دار کس کے؟ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور آں حضرتؐ کے بعد جو آپؐ کا جانشین ہو اس کو بھی اپنے اقارب کے ساتھ حسن سلوک کرنا انسانی خاصہ ہے جس کا بار بقدر ضرورت سرکاری خزانے پر ہونا عین انصاف ہے۔ اور یتیم و مسکین و ابن السبیل قومی ذوحاجت لوگ ہیں۔ خصوصاً شاہی مہمان جو سلطنت سے علاقہ رکھتے ہوں یا ان کی مہمان داری شان سلطنت اور اس کے فوائد آیندہ پیدا کرنے میں مؤثر ہو یہ بھی اسی سرکاری خزانے سے ہونی چاہیے۔

آیت میں یہ بھی ذکر نہیں کہ ان چھوں کے حصے مساوی ہیں یا کم زیادہ کیوں کہ ان چھوں کی طرف تقسیم نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ان اشخاص کو دینا مراد ہے جس کی قبل از وقت کوئی تعداد معین نہیں ہو سکتی۔ اور آیت میں یہ چند ذوحاجت اس لیے مذکور ہیں کہ ان کی طرف زیادہ تر توجہ مبذول ہوتی ہے یہ اس کے منافی نہیں کہ اور کسی حاجت مند کو یا اور کسی کام میں جو قومی اور سلطنت کے مفید ہو صرف نہ کیا جائے۔ الحاصل فیٔ سرکاری خزانے میں داخل ہو کر اشخاص مذکورہ بالا کے لیے ہے۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم مبرد کہتے ہیں دُولۃ بالضم وہ چیز جو لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جائے کبھی اس پاس کبھی اُس پاس اور دَولہ بالفتح خوش حالی جو ایک قوم سے منتقل ہو کر دوسری پر آئے۔ پس بالضم اسم ہے اس کا جس کا تداول کریں روپیہ پیسہ کپڑا زیور وغیرہ۔ اور بالفتح اس کا مصدر (کبیر) کہ یہ اس لیے مقرر کیا تاکہ وہ فیٔ تمہارے اغنیاء کے ہاتھوں میں نہ پڑے بلکہ اس کے مستحقین ہی کے پاس رہے۔ اے اغنیاء تم اس کی حرص نہ کرو وبلکما اتٰکم الرسول فخذ وہ جو تم کو غنیمت یا اور کسی چیز میں سے رسول دے یا حکم کرے اس کو لو وما نھٰکم عنہ فانتھوا اور جس سے منع کرے جیسا کہ اس فیٔ سے یا اور بری باتوں سے تو اس سے باز آؤ۔ واتقوا اللہ لخ اللہ سے ڈرو نافرمانی نہ کرو اس کی سزا سخت ہے۔ یہ جملہ معترضہ تھا کی لا یکون سے لے کر یہاں تک۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا

(وہ مال) مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں

مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ

اور مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کے

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ

فضل اور رضامندی کے طالب رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧

کی مدد کرتے رہتے ہیں یہی راستباز بھی ہیں

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ

اور (وہ مال) ان کے لیے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان

قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا

حاصل کر رکھا ہے جو کوئی ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو

ے قومی سے اسلام اور سلطنت سے وہی آسمانی سلطنت مراد ہے جس کی پہلے انبیاء علیہم السلام نے خبر دی تھی جو مدینے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی اور پھر آپؐ کے جانشینوں کو پہنچی جو جمہوری تھی جو بگڑتے بگڑتے شخصی رہ گئی اور آخرکار ڈوم ڈھاڑی، شراب رنڈیاں اس کے مصارف رہ گئے۔ انا للہ الخ ۱۲ منہ۔

يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ
کچھ اوروں کو دیا جاتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کچھ خلش
أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَ
نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم سمجھتے ہیں
لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن
گو ان کو احتیاج بھی کیوں نہ ہو اور جس نے
يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾
اپنی جان کو لالچ سے بچایا وہی کامیاب ہوا
وَالَّذِينَ جَآءُو مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ
اور ان کے لیے بھی جو مہاجرین اولین کے بعد آئے (اور) دعا مانگتے ہیں
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ
کہ اے رب ہمارے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي
ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں
قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَآ
ایمان داروں کی طرف سے کینہ (دشمنی) قائم نہ ہونے پائے
إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠﴾ ع ۱ ۱۰
تو غصہ کا دھیما اور مہربانی کرنے والا ہے

تفسیر

اس کے بعد مہاجرین و انصار کے فقراء اور حاجتمندوں کو ان کے محامد اور اسلامی سرگرمیاں اور سچی جاں فشانیاں ذکر فرما کر مستحق ٹھہراتا ہے اور تعمیم کے بعد تخصیص کرتا ہے کہ اور فقیروں سے یہ زیادہ تر مستحق ہیں۔

فقال للفقراء المہجرین الخ کہ یہ اُن فقراء مہاجرین کو ملنی چاہیے کہ جو اللہ کے لیے اپنا گھر بار مال و اسباب چھوڑ کر ہجرت کرکے نبی علیہ السلام کے پاس آئے ہیں۔ جب عرب میں اسلام کا چرچا ہوا اور اس آفتاب کی کرنیں اس سرزمین پر پڑیں تو مکہ اور دیگر جگہوں کے لوگ مسلمان ہونے شروع ہوتے مگر جہاں کوئی مسلمان ہوا اس پر اس کی قوم کی طرف سے مصیبتیں آئیں مار دھاڑ شروع ہوئی اس لیے گھر بار چھوڑ کر مدینے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آتے تھے اب ان کے پاس بجز صبر و فاقے کے اور تھا کیا؟ ان کو مہاجرین کہتے تھے، اس لیے ان پر ترحم دلاتا ہے کہ ان کو بھی دو۔ ان کی فکر بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی۔ فرماتا ہے کہ یہ لوگ صرف یہی بات نہیں کہ ہجرت کرکے چلے آئے ہیں، بلکہ ینصرون اللہ ورسولہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اسلام کا لشکر جرار جس نے بڑے بڑے گردن کشوں کو سیدھا کر دیا انہیں لوگوں کا تھا اولئک ھم الصدقون یہ سچے لوگ ہیں۔

مناقب مہاجرین

یہاں تک مہاجرین کے محامد تھے۔ (۱) یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے کو اپنے گھروں سے اور مالوں سے جدا کیے گئے اور نکالے گئے ہیں (۲) وہ اللہ اور رسول کے مددگار ہیں (۳) وہ صادقین ہیں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ بھی مہاجر تھے۔ اور جو جو دین کی حمایت میں انہوں نے کوششیں کی ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ فقراء بھی ہو گئے تھے پھر وہ کون سی روایت اور کون مؤرخ ہے جو جھوٹے افسانے گھڑ کے ان کو بدنام کرے اور یہ کہے کہ آں حضرتؐ کے بعد انہوں نے وہ کیے کام کیے جو پیغمبر علیہ السلام کا سخت دشمن بھی نہ کر سکتا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے لات ماری اور اہل بیت پر ظلم کیے۔ معاذ اللہ۔ صادقین سے یہ کبھی ہو سکتا

ہے ؟ ہرگز نہیں اولٰئك کا لفظ کہہ رہا ہے کہ یہی سچے تھے اور جو ان پر الزام لگائے وہ جھوٹا ہے۔

مناقبِ انصار

اس کے بعد فقرا انصار کی طرف توجہ دلاتا ہے فقال والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم کہ ان فقیروں کو بھی دو کہ جنہوں نے دار یعنی دار الہجرت مدینہ کو اور ایمان کو گھر بنایا پہلے سے یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینے میں رہتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز مکے میں تشریف رکھتے تھے کہ عرب میں آپؐ کی نبوت کا شہرہ ہوا۔ ایام حج میں چند اہلِ مدینہ آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام لائے اور جاکر مدینے میں لوگوں کو ترغیب دی وہ بھی ایمان لے آئے۔ جب کفارِ قریش نے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا تو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر صدیقؓ مدینے تشریف لے گئے جو اہلِ مدینہ کی دلی تمنا تھی اور رفتہ رفتہ اور لوگ بھی جانے شروع ہوئے۔ ان اہلِ مدینہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر مہاجرینؓ کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ جیسا کہ بعد کی آیت میں ذکر آتا ہے۔

من قبلھم یعنی مہاجرین کی ہجرت سے پہلے مدینے کو جگہ بنایا اور ایمان کو دل میں جگہ دی۔ یا ان کے گھر بنانے سے پہلے گھر بنایا۔

یحبون من ھاجر الیھم جو ان کے پاس ہجرت کرکے آیا اس کو دوست رکھتے ہیں محبت کا یہ حال تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک مہاجر کا ہر ایک انصار سے بھائی چارہ کرا دیا تھا یہاں تک کہ آیت میراث نازل ہونے سے پہلے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا اور کو مرنے کے بعد ورثہ نہیں ملتا تھا اور ہر ایک دوسرے کی جان و مال پر اپنا مال اور جان فدا کرتا تھا۔ جس کی مفصل کیفیت کتب سیر میں موجود ہے۔

ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا حسن بصریؒ کہتے ہیں حاجۃ کے معنی یہاں حرارت و حسد و غیظ کے ہیں کہ مہاجرین کو جو دیا جاتا ہے اس سے ان کے دل میں کوئی رنج نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ بخاریؒ نے ابی ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ انصار نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بنی نضیر کے باغ ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں تقسیم کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں تم کام میں شریک رہو تم کو پھل دیں گے انصار نے کہا ہم راضی ہیں بسر و چشم منظور۔

اس سے بڑھ کر ان میں یہ صفت ہے ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ کہ وہ باوجود حاجت فقر و فاقہ کے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ اپنی حاجت کے کام میں نہیں لاتے مہاجرین کو دیتے ہیں۔ یہ ایثار بڑی اولو العزمی کی بات ہے۔ ہر ایک کو نصیب نہیں۔ آپ بھوکا رہے اپنے بھائی کو کھلائے۔ خصاصۃ حاجتِ فقرا۔ اس ایثار کا کیا ٹھکانا ہے کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھر اور مال بانٹ دیے تھے جس کے پاس ایک مکان یا باغ تھا تو آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا۔ دو کپڑے تھے تو ایک مہاجر کو اسی طرح سب چیزوں میں کیا تھا۔ بخاریؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت

ل تبوء الایمان تغلیب کقول الشاعر ؎ ولقد رأیتک فی الوغی :: متقلدا سیفا و رمحا مع ان الرمح لا یتقلد :: او یقال کانھم استقروا علی الایمان و تمکنوا :: حتی جعلوہ وطنا ۔ ۱۲ منہ

کیا ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نے اس کو مہمان بنایا گھر میں کسی کو بھیجا کہ کسی کے پاس کھانے کو کچھ ہے ؟ بیویوں نے عرض کیا بجز پانی کے ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ کون ہے جو اس کو مہمان بنائے ؟ ایک انصاری نے (غالباً ابو طلحہؓ تھے) کہا میں یارسول اللہ۔ پھر اس کو وہ اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر کرو۔ اس نے کہا لڑکوں کے کھانے کے سوا ہمارے ہاں اور کوئی چیز نہیں اس نے کہا کھانا تیار کر چراغ جلا لڑکوں کو سلادے جب وہ کھانا مانگیں۔ پھر اس نے کھانا تیار کیا چراغ جلایا لڑکوں کو سلادیا پھر بتی اکسانے کے بہانے سے اٹھی اور چراغ گل کر دیا تاکہ اندھیرے میں مہمان کو یہی معلوم ہو کہ میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں مگر آپ نہ کھایا مہمان نے کھایا آپ بھوکے سو رہے۔ صبح کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا تمہاری رات کی بات سے خدا تعالیٰ نہایت خوش ہوا تب یہ آیت نازل فرمائی ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔

بخل کی برائی

اسی طرح اور مواقع پر انصار نے ایسی ہمدردی اختیار کی ہے جس کی نظیر اور قوموں یا کسی اور نبی کے پیرؤں میں پائی نہیں جاتی۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون یعنی انصار کو لالچ نہ تھا اس سے خدا نے ان کو بچا لیا تھا اور جس کو خدا لالچ سے دور رکھے وہ کامیاب ہے۔

شح بالضم والکسر۔ شح اور بخل میں علماء نے فرق کیا ہے بخل صرف منع کرنا نہ دینا۔ اور شح وہ نفسانی حالت جس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ شح صفات ذمیمہ میں سے تھا جس کا ترجمہ لالچ ہے اس سے بچنے کو کامیابی فرمایا۔ دنیا و دین کی صدہا محرومیاں اسی شح سے پیدا ہوتی ہیں لوگوں کی آنکھوں میں یہ انسان کو حقیر کر دیتا ہے ہمدردی اور سعادت کے کاموں میں حصہ نہیں لینے دیتا۔ لالچی اور بخیل کو ہم نے اپنے گھر میں بھی اس کے متعلقین کے نزدیک عزت پاتے نہیں دیکھا۔ ایسے آدمی کو لئیم کہتے ہیں جس کا مال اس کے بعد فضول خرچی میں صرف ہوتا ہے۔ دنیا میں جس قدر اولوالعزم لوگ گئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ ناپاک خصلت نہ تھی۔ تمام عمر خون جگر کھایا دولت سے متمتع نہ ہوا نہ نفس کو آرام دیا نہ کار خیر میں حصہ لیا مرگیا چھوڑ گیا حسرت لے گیا۔ یہی انسان کو چوری خیانت قتل ظلم جھوٹ بولنے کم تولنے پر مجبور کرتا ہے۔ بہادرانہ کاموں سے روکتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس سے نفرت دلاتا ہے اس کے نام لینے کو بھی لوگ معیوب سمجھتے ہیں مرنے کے بعد برائی سے یاد کرتے ہیں۔ پھر جس کو خدا نے اس ناپاک خصلت سے بچا لیا اس کے کامیاب ہونے میں کیا شک ہے۔

انصار و مہاجرین جو اسلامیوں کی دو اعلیٰ اور بزرگ ترین جماعتیں ہیں ان کے محامد بیان فرما کر تیسرے گروہ کی مدح کرتا ہے جس میں تابعین اور ان کے بعد کے آنے والے نیک اور بزرگ لوگ ہیں۔

فقال والذین جاء و من بعدھم یہ بھی مہاجرین پر عطف ہے یعنی جو ان کے بعد ہجرت کر کے آئے یا اسلام میں ان کے بعد آئے قیامت تک جو کوئی ہو ان کے اندر یہ خوبی ہے یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان وہ اپنے لیے بخشش مانگتے ہیں کہ الٰہی ہم کو بخشدے اور اس کے بعد اپنے متقدمین بھائیوں کے لیے بھی بخشش مانگتے ہیں کہ لے ہمارے رب ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخشدے جو ہم سے پہلے ایمان دار گزرے ہیں۔ ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں رنج[1] اور عداوت نہ پیدا کر

ا۔ حاشیہ بر صفحہ آئندہ۔

ربنا انک رؤف رحیم اے ہمارے رب تو نرمی کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے جس میں یہ خاصیت نہیں وہ اس تیسرے گروہ میں داخل نہیں۔

ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں لوگوں کے تین درجے ہیں مہاجرین انصار اور وہ جو ان کے بعد آئے اور ان سے محبت رکھتے ہیں ان کے لیے استغفار کرتے ہیں دعائے خیر میں شریک کرتے ہیں ان کے رستے پر چلتے ہیں پس تو کوشش کر کہ ان تینوں سے خارج نہ ہونے پائے۔ مہاجرین و انصار تو گزر گئے ان میں داخل ہونا تو ممکن نہیں، خیر یہ نہیں تو تیسرے فریق میں تو شامل رہے کہ ان کو بھلا سمجھے دل سے ان کی محبت رکھے ان کی مساعی جمیلہ کی قدردانی کرے نہ یہ کہ ان پر جھوٹے سچے الزامات قائم کر کے تبرا کرنے کو ایمان و سعادت جانے۔ یہود سے اگر پوچھا جاتا ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو اچھا کہتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو اچھا جانتے ہیں۔

شیعہ بزرگوں کو بُرا کہتے ہیں

مگر افسوس شیعہ حضرات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین و انصار کو باستثنائے چند اشخاص سب کو برا کہتے ہیں بلکہ برا کہنے کو حسنات و برکات کا موجب سمجھتے ہیں۔ دنیا میں اس خصلت کا یہ اثر ہے کہ کبھی ان کا جھنڈا اکھڑا ہوا نہیں پاتا نہ مقابلے میں پاؤں جمتا ہے اہل حق کے مقابلے میں مقہور ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

اور وہ بات کیا ہے؟

جس سے وہ ان بزرگوں سے پھر گئے۔ اس آیت کے ذیل میں اس کا بیان محققانہ طور پر مناسب ہے۔ بنی نضیر اور فدک اور خیبر کی کچھ زمین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معین ہوئی تھی جس میں سے آپؐ نے کسی کو مہمانوں اور سامان حرب کے لیے اور کسی کو خرچ ازواج مطہرات کے لیے کسی کو اقارب و یتامیٰ و مساکین کے لیے معین کر رکھا تھا چنانچہ فدک کی آمدنی سے آپؐ قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب جانشین کی ضرورت سمجھی گئی تو انہیں مہاجرین و انصار نے جن کی مدح آیاتِ مذکورہ میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتخاب کیا۔ اس وجہ ترجیح کو وہی لوگ خوب جانتے تھے جو ایک مجموعی اوصاف سے ان کے دلوں میں جاگزیں تھی جس لیے ان بزرگوں کے نزدیک یہی حضرت اس مسند پر بیٹھنے کے مستحق ٹھیرے وہاں کوئی رعایت یا ابوبکرؓ کا ذاتی دباؤ تو قطعاً نہ تھا کس لیے کہ نہ ان کی قوم زیادہ تھی نہ ان کے پاس کوئی لشکر و خزانہ تھا اور ایسے مہاجرین و انصار ایسے بے جا دباؤ کو ماننے والے بھی کب تھے فوراً مخالفت ظاہر کرتے اور سیوف کے قبضوں پر ہاتھ دھر لیتے۔

اول خلاف

شیعہ سنیوں کے اختلاف کا باعث

شیعہ کہتے ہیں یہی بات بُری کی کس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جانشینی کا استحقاق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تھا اور امامت لوگوں کے انتخاب پر موقوف نہ تھی بلکہ آسمانی عہدہ ہے نبوت کے عہدے کے برابر یا کسی قدر کم

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گزشتہ) مسلمانوں سے عداوت رکھنا گناہ ہے بدگمانی اور بھی گناہ ان پر اتہام اور بھی معصیت ہے اور سب و شتم تو سب سے زیادہ خراب ہے ۱۲ منہ

کے مشابہ ۔ حضرت علیؓ کے لیے آسمانی سند موجود تھی مگر افسوس حضرت علیؓ نے اس آسمانی سند کو پیش نہیں کیا اور نہ وہ مہاجرین و انصار کو معلوم ہوئی کس لیے کہ اگر معلوم ہوتی تو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ باوجود اس آسمانی سند کے اور باوجودیکہ حضرت علیؓ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور داماد اور مہاجرین میں ذی مرتبہ شخص تھے ان سے عداوت اور بغض رکھتے جو سراسر بیہودہ اور مہاجرین و انصار کی اسلامی سیرت کے برخلاف تھا اور ابوبکرؓ کو قائم مقام کر دیتے ۔ اور ابوبکرؓ یا عمرؓ سے ڈر جاتے حالانکہ کوئی ڈرانے کا سامان ان کو میسر نہ تھا ۔ اس پر وہ سب مہاجرین و انصار کو جو اس جانشینی میں شریک تھے برا بھلا کہتے ہیں ۔ یہ پہلا خلاف تھا ۔

مگر تعجب ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی ان کی جانشینی تسلیم کر لی اور ان کے ساتھ بخوشی و خرمی کاروبار میں شریک رہے ۔ شیعہ کہتے ہیں دل میں ناراض تھے ظاہر داری کرتے تھے اس کو تقیہ کہتے ہیں ۔ مگر ایسے بزرگ کی نسبت یہ ظاہر داری ظاہر کچھ باطن کچھ منسوب کرنا ان کی شانِ حیدری کو گھٹانا ہے ۔ حضرت علیؓ نے معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ نے یزید کے مقابلے میں تقیہ نہ کیا توبہ توبہ برگزیدۂ ہاشم کبھی کسی سے دبنے والے تھے جو زبان سے جھوٹی باتیں بناتے اور دل میں کچھ اور کہتے ۔

دوسرا اخلاف

حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مدعیہ تھیں اور خلافت مدعیٰ علیہ ۔ دعویٰ یہ تھا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جائداد میں سے بموجب فرائض مجھے حصہ ملنا چاہیے ۔ دعویٰ بہت درست تھا ، مگر خلافت کی طرف سے یہ جواب ملا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں اس جائداد کو وقف کر چکے تھے پیغمبر علیہ السلام کی یہ شان نہ تھی کہ وہ جائداد روپیہ پیسہ چھوڑ کر دنیا سے رحلت کریں اس پر شہادت گزر گئی ، دعویٰ نہ چلا مگر جس قدر جائداد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقارب کے مصارف میں لگا دی تھی خلافت نے اقارب کے خرچ و اخراجات بلحاظ قرابتِ پیغمبر علیہ السلام بدستور جاری رکھے ۔ یعنی منافع جاری رہے تملیکِ عین نہ کی بلکہ وہ سب خلافت کا مال تصور ہوا ۔ اس پر حضرت فاطمہ زاہراؓ کو اگر رنجیدگی ہوئی ہو تو انسانی جبلت اور برادرانہ رنجش خیال ہو سکتی ہے ۔ یہ دوسرا اخلاف ہوا ۔

اس پر شیعہ مؤرخین نے جس قدر مبالغہ آمیز روایات تیار کی ہوں تو تعجب نہیں کس لیے کہ منشا موجود تھا اور ایسے مواقع پر مبالغہ کرنے والوں کو بڑا موقع ہاتھ آتا ہے ۔ میں اُن ناپاک روایات کا ذکر بھی اہل بیت کی اہانت سمجھتا ہوں ، مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ فاطمہؓ کس باپ کی بیٹی ہیں اور کس رتبہ کی ہیں وہ ایسے قلیل دنیاوی معاملات پر اس قدر رنج و بغض اپنے باپ کے جانشین سے رکھیں جبلۂ امکان سے باہر ہے ۔ حاشا کلا ثم حاشا کلا ۔ مگر حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں بھی اس جائداد کو خلافت کا مال سمجھا ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ میں تقسیم نہ کیا ۔

تیسرا اخلاف

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی انتخاب سے خلیفہ کیا ۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ، یہ بھی شیعہ کے نزدیک رنجش کا باعث ہوا یہ تیسرا خلاف تھا ۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ۔ مگر معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے

عہد سے شام کے حاکم یا گورنر تھے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ اور ان کے احباب سلطنت کی باریکیاں خوب سمجھتے تھے اور دنیاداری کی تدابیر پر پورے قابو یافتہ تھے۔ لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہا اول معاویہؓ سے بیعت لے لیجیے پھر چاہیے ان کو معزول کیجیے اور عثمانؓ کے قاتلوں سے بھی اول دار و گیر کیجیے۔ مگر شیرِ خداؓ نے جانے کس مصلحت سے مہاجرین و انصار کے اس مشورے پر عمل نہ کیا۔ معاویہؓ نے بغاوت اختیار کی اور کہہ دیا میں تم کو خلیفہ ہی نہیں سمجھتا تم سے اب تک قاتلانِ عثمانؓ کا بھی پتہ نہ چل سکا۔ اس بنا پر طرفین میں رنجش آمیز خط و کتابت بھی جاری رہی۔ ادھر لوگوں نے عائشہ صدیقہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ کو تحریک دلائی کہ قاتلانِ عثمانؓ علیؓ کے لشکر میں پناہ گزیں ہیں اور اس وقت حضرت علیؓ اطراف کوفہ میں ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ حضرت علیؓ کے پاس چلیں اور صدہا لوگ شریک ہوتے گئے ایک لشکر مہیا ہو گیا جب یہ لشکر حضرت علیؓ کے لشکر کے قریب پہنچا اور باہم قاتلانِ عثمانؓ کی بابت گفتگو شروع ہوئی ایک رات چند بدمعاشوں نے حضرت ام المؤمنین کے لشکر پر تیر مارنے شروع کر دیے پھر تو ادھر سے بھی تیاری ہو کر دونوں لشکروں میں خاطر خواہ جنگ ہوئی حضرت عائشہؓ کے لشکر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ جنگ آور اس اونٹ تک پہنچ گئے تھے کہ جس کے اوپر ہودے میں ام المؤمنینؓ سوار تھیں اس لیے اس مصیبت ناک واقعہ کو جنگِ جمل کہتے ہیں[1]۔ حضرت عائشہؓ کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا اور طرفین سے بڑے بڑے اسلام کے نامور اور بہادر شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی معاویہؓ کے لشکر سے لڑائیاں شروع ہوئیں صفین کا میدان مسلمانوں کے گراں بہا خون سے لالہ زار ہو گیا۔ ایسے مواقع پر برادرانہ رنجشیں ایک معمولی بات ہے اور طرفین کے غالیوں کے لیے افراط و تفریط اور بے شمار روایات بنانے کا عمدہ محل ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ شہید ہوئے۔ ابن ملجم ملعون نے (جو گھات میں تھا) مسجد کوفہ میں زخمی کیا۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے پھر باہمی جنگ شروع ہوئی۔ آخر کار ابنِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خلافت معاویہؓ کے سپرد کر کے کنارہ کشی کی اور باہمی معاہدہ ہو کر جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ ان کا نالائق فرزند یزید پلید نہ انتخاب سے بلکہ اپنے باپ کی شوکت کے زور سے خلیفہ کیا گیا تھا مسند پر بیٹھا۔ اس ناخلف نے حضرت حسنؓ کو زہر دلوا کر شہید کیا اور پھر حضرت حسینؓ کو کربلا کے میدان میں شہید کیا اور مسلمانوں پر جور و ظلم کیے اور اس کے بعد یہ مر گیا اور چند روز کے لیے اس کا بیٹا جانشین ہوا مگر اب انتخاب نہ رہا حکومت و سلطنت کی تخت نشینی رہ گئی۔ اس کے بعد مروان خلیفہ ہوا اور مروانی خاندان میں کچھ کم سو برس حکومت رہی پھر اس خاندان کا استیصال بنی عباس نے کیا۔ عباسیوں کی خلافت و حکومت کا پایۂ تخت بغداد تھا۔

ان باہمی لڑائیوں میں حضرت علیؓ کی اولاد پر ظلم و ستم بھی ہوتے رہے۔ معاویہؓ کی لڑائی سے لے کر اخیر تک اہلِ سنت کے نزدیک بھی جو حضرت علیؓ اور حسنینؓ کے مقابلے میں ہوئیں ان میں فریقِ مخالف سراسر خطا پر تھا اور حق اس طرف تھا۔

شیعہ حضرت علیؓ کی اولاد میں فرضی طور پر اسی

[1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مصیبت ناک واقعات کی پہلے ہی سے نہایت درد انگیز الفاظ میں پیشین گوئی کی تھی ۱۲ منہ

سندِ آسمانی سے اس مسند نشینی کو بہ لقب امامت بار ہویں امام مہدی حسن عسکری کے بیٹے تک مانتے ہیں اور کسی کو خلیفہ برحق نہیں جانتے۔ پھر ان میں بھی کئی فرقے پیدا ہو گئے۔ کسی نے حضرت علی رضؓ کی کسی اولاد کو کسی نے اور کسی کو امام مانا۔ اسی طرح ایک فریق جو ابتدا میں حضرت علی رضؓ کا طرفدار تھا وہ دونوں فریق سے برگشتہ ہو کر دونوں کو برا کہنے لگا۔ ان کو خوارج کہتے ہیں۔

معاویہؓ اور ان کے بعد والے اگرچہ خطاکار تھے مگر ان باہمی ملکی لڑائیوں سے جن کا بیشتر منشا برادری کی عصبیت وحمیت ہے ان کو کافر نہیں کہہ سکتے اور نہ کفر و اسلام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص خاص کے ماننے یا نہ ماننے پر منحصر ہے کفر و اسلام وہی ہے جس کو خدا اور رسول نے کفر و اسلام بتلایا ہاں باہمی فساد معصیت ضرور ہے جس کی سخت الفاظ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اصلی بات تو اتنی ہے اس پر لوگوں نے حاشیہ چڑھا چڑھا کر کاہ کا کوہ بنا دیا اور افراط و تفریط کو کام میں لاکر ایسے مباحث سے کتابیں بھر دیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ بڑی نامبارک لڑائیاں تھیں۔ اسلام کی تلوار جس نے تھوڑے عرصے میں قطعہ ارض پر بے نظیر قبضہ کیا تھا اسلامیوں ہی پر اُلٹ پڑی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس کہ ہر فریق کے تیز طبع اور چالاک لوگوں نے ان واقعات سے کیا کیا باتیں اختراع کی ہیں بعض سنیوں نے تو بمقابلہ شیعہ حضرت صدیقِ اکبر رضؓ کی خلافت کے لیے آسمانی سند بنانے کی کوشش کی اور روایات واحادیث بنائیں۔ اسی طرح شیعہ نے تو سینہ بسینہ علوم و اسرار شریعت جدا گڑھنے میں کوشش کی اور روایات کا تو ڈھیر لگا دیا۔ کسی نے زُبر بینات نکالے، کسی نے دعویٰ کیا کہ علی مرتضیٰ رضؓ و فاطمہ زہراؓ و حسنینؓ کی کتاب ہمارے پاس ہے جو خاص ان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت کی تھی اس میں لکھا ہے کہ بارہ امام اس ترتیب سے ہوں گے اور یہ سب معصوم ہوں گے نبی کی طرح ان کے پاس بھی وحی آتی تھی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے اتباع میں سے نبی گزرے ہیں یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سے نبی ہیں گو نبی کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے مگر معنی اسی کے لیے جاتے ہیں۔ بارہ اماموں کو اہلِ سنت بھی مانتے ہیں یعنی ان کو بزرگ اور نیک سمجھتے ہیں جن کے عقائد و اعمال اہلِ سنت کے موافق تھے نہ یہ کہ وہ معصوم تھے ان پر وحی آتی تھی۔

بعض نے قرآن مجید کی آیات کی ایسی تفسیریں لکھیں کہ گویا تمام قرآن اسی باہمی جھگڑے اور علی رضؓ کی خلافت اور دیگر خلفاء کی مذمت میں نازل ہوا ہے اور کوئی اہم مقصد بجز اس کے نہ تھا اور لطف یہ کہ سارے قرآن میں صاف صاف کہیں بھی ان کے مقاصد کو خدا تعالیٰ نے بیان نہیں فرمایا کہ جھگڑا ہی طے ہو جاتا اور نہ پیغمبر علیہ السلام نے صحابہؓ کے مجمع عام میں اس بات کو طے کر دیا۔ معاذ اللہ کیا اللہ اور

لے شیعہ کے بارہ[۱۲] امام یہ ہیں:۔ اول علیؓ[۱] ان کے بعد حسنؓ[۲] ان کے بعد ان کے بھائی حسینؓ[۳] ان کے بعد ان کے بیٹے علی[۴] زین العابدین ان کے بعد ان کے بیٹے محمد[۵] باقر ان کے بعد ان کے بیٹے جعفر[۶] صادق ان کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ[۷] کاظم ان کے بعد ان کے بیٹے علی[۸] رضا ان کے بعد ان کے بیٹے محمد[۹] تقی ان کے بعد ان کے بیٹے محمد[۱۰] نقی ان کے بعد ان کے بیٹے حسن[۱۱] عسکری ان کے بعد ان کے بیٹے محمد[۱۲] مہدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو غار سُرّ من رأی میں چھپے بیٹھے ہیں ۱۲ منہ

اس کے رسول کو صاف بیان کرنا نہیں آتا تھا کیا وہ بھی ابوبکرؓ و عمرؓ سے ڈرتے تھے ؟ معاذاللہ معاذاللہ۔ رہیں مناقب علی مرتضیٰ رضؓ کی بعض سچی احادیث سو ان میں کلام ہی کیا ہے مگر ان سے وہ بات پیدا کرلی توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مضمون ہے۔

اور سب سے بڑھ کر غور طلب بات یہ ہے کہ وہ خلافت جو ابوبکرؓ و عمرؓ نے کی اس میں دنیا کا حظ ہی کیا تھا وہ تو ایک سخت مشقت تھی جس لیے ان بزرگوں نے اپنی اولاد کو نہ دی۔ شیعہ اس کو دنیاوی سلطنت و امارت سمجھے ہوئے ہیں جس لیے اپنے پیارے علی مرتضیٰؓ اور ان کی اولاد پاک کے پاس بلافصل نہ آنے سے ناخوش ہیں۔ ہاں یزید کے عہد میں امارت ہو گئی تھی اُس وقت تو ہم بھی یہی کہتے کہ یہ نعمتِ دنیا جگر گوشۂ رسولؐ کو دی جائے بشرطیکہ وہ اس کو قبول بھی کرتے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ
کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے
لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
اہل کتاب کے کافر بھائیوں (یہود) سے
الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ
کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا
نکلیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی بات نہ
أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ط
مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے
وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (۱۱)
اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں

لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ج وَ
اگر (کافر اہل کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور
لَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ج وَ
اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور
لَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ
جو ان کی مدد بھی کریں گے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے
ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ (۱۲) لَأَنْتُمْ أَشَدُّ
پھر کہیں سے مدد نہ پائیں گے ان کے دلوں میں
رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ
تو تمہارا ہی خوف اللہ سے زیادہ ہے
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (۱۳)
یہ اس لیے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں
لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى
وہ تم سے سب مل کر بھی نہیں لڑ سکتے مگر محفوظ
مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ
بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں اُن کی لڑائی
بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَ
تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ
قُلُوبُهُمْ شَتَّى ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
ان کے دل تو پھٹے ہوئے ہیں یہ اس لیے کہ وہ
لَا يَعْقِلُونَ (۱۴)
بے عقل لوگ ہیں

عہ جدر دیوار جدران (ج) جدار بالکسر مثلہ جُدُر بضمتین (ج) ۱۲ صراح۔

عہ شتت اشتات پراگندن شت الامر واشتتت وتشتت بمعنی قوم شتی واشیاء شتی وجاءوا اشتاتا ای متفرقین ۱۲ صراح۔

تفسیر

ایمان داروں کی اقسام بیان فرما کر ان کے مقابلے میں بدکاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ بدبخت بجائے ان اصولِ سعادت کے جو پہلے مذکور ہوئے یہ باتیں کرتے ہیں۔ فقال الم تر الی الذین نافقوا بطور تعجب کے منافقین کی پوشیدہ نالائق حرکات سے خبر دیتا ہے کہ ایسے موقع پر وہ اپنے کافر بھائیوں[1] سے یوں کہتے اور ایسے غلط وعدے دیتے ہیں جن کو ہرگز وہ پورا نہ کر سکیں گے۔ اللہ اور رسول کی مخالفت میں اس کے دشمنوں سے یہ ساز و باز اور زبان سے ایمان کا دعویٰ۔ ایک وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں۔

جب یہود بنی نضیر سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہو رہی تھی اور ابھی ان کا محاصرہ بھی نہیں ہوا تھا اس وقت مدینہ کے منافق اور ان کے سردار عبداللہ ابن ابی نے یہود سے مخفی یہ کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم کو نکالیں گے تو تمہارے ساتھ ہم بھی وطن چھوڑ کر نکل جاویں گے اور اس میں کسی کی بات بھی نہ مانیں گے اور جو تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے مضبوط رہو۔ یہ سردار منافق کا کلام تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بطور پیشین گوئی کے نہایت تاکید سے فرماتا ہے واللہ یشھد انھم لکٰذبون کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ہرگز ہرگز کوئی بات بھی ان دونوں میں سے نہ کریں گے لئن اخرجوا لا یخرجون معھم اگر وہ نکالے گئے تو ان کے ساتھ آپ نہ نکلیں گے۔ ولئن قوتلوا الخ اگر ان سے لڑائی ہوئی تو ان کی مدد نہ کریں گے اور بالفرض مدد بھی کی تو شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور پھر کبھی غلبہ نہ پائیں گے۔

پیشین گوئی ۲

اس پیشین گوئی کی پوری تصدیق ہوئی بنی نضیر سے نوبتِ جنگ آئی ان کی گڑھی کا محاصرہ ہوا اس کے بعد وہ عرب سے نکالے گئے مگر منافقوں پر وہ رعب غالب آیا کہ نہ تو ان کی مدد کر سکے نہ ان کے ساتھ آپ جلاوطن ہوئے۔ پیغمبر علیہ السلام کی خبر کو جھوٹا کرنے کے لیے ان کے لیے بڑا موقع تھا کہ کچھ مدد کرتے یا دس بیس کوس دو چار روز کے لیے ہی نکل جاتے مگر خدائے قادر کب تکذیب کرنے دیتا۔ یہ بھی من جملہ اخبار بالغیب کے ایک پیشین گوئی تھی جو صادق ہوئی۔ اعجازِ قرآن و نبوت کی کھلی دلیل ہے[2]۔

اس خلاف وعدگی کا سبب بیان فرماتا ہے لانتم اشد رھبۃ الخ کہ یہ منافق اللہ سے اتنا نہیں ڈرتے جس قدر اے مسلمانو تم سے ڈرتے ہیں بے سمجھ لوگ ہیں۔ بندہ کا کیا ڈر اللہ سے ڈرنا چاہیے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر بات ہے۔ جو قوم اللہ سے ڈرتی ہے اس سے سب ڈرنے لگتے ہیں ان پر پھر کسی کا خوف غالب نہیں آتا۔ یہی شجاعت کا اصل اصول ہے جو صحابہؓ کو حاصل تھا۔

---

[1] کفر ایک ملت ہے اس لیے ان کے بھائی کہا یا ان میں اور یہود میں بھائی چارہ تھا مواخات و موالات قائم تھی ۱۲ منہ

[2] کتاب یسعیاہ کے بائیس[22] باب میں اس واقعۂ بنی نضیر و بنی قریظہ کی طرف ان الفاظ میں صاف بیان ہے جو پورا ہوا اس کتاب کی عبارت یہ ہے:۔ ”خداوند ایک بہادر کی صورت میں نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اکسائے گا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا۔ وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا۔“ (پیغمبر علیہ السلام خدا کی طرف سے بہادرانہ لباس میں نمودار ہوئے شریعت کو عزت ہوئی) لیکن (باقی بر صفحہ آئندہ)

اب یہ ہے یہود وہ بھی بزدل ہیں تم سے مقابلہ نہیں کر سکتے مگر گڑھیوں میں بیٹھ کر اور شہر پناہوں کی آڑ میں۔ ہاں آپس میں خوب لڑتے ہیں ظاہر میں موافق اور باطن میں باہم مخالف یہ بدعقل ہیں۔ افسوس یہی خصلت آج کل ہم مسلمانوں میں پیدا ہوگئی ہے۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا

ان کا حال تو پہلوں جیسا ہے کہ جنہوں نے ابھی اپنے

وَبَالَ أَمْرِهِمْ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾

کام کی سزا پائی ہے اور ان کو (آخرت میں بھی) سخت عذاب ہے

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ

(اور) مثال شیطان کی سی ہے وہ آدمی سے کہتا ہے کہ

اكْفُرْ ج فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ

تو منکر ہو جا پھر جب وہ منکر ہو جاتا ہے (اور ڈر مانگتا ہے) تو کہہ دیتا ہے کہ مجھ کو تجھ سے کچھ سروکار

إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

کیونکہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ جو تمام جہان کا رب ہے

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ

پھر ان دونوں کا یہی انجام ہونا ہے کہ وہ دونوں ہمیشہ کے لیے جہنم

خَالِدَيْنِ فِيهَا ط وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿ع﴾

میں ڈال دیے جاتے ہیں اور ستمگاروں کی یہی سزا بھی ہے

ترکیب

کمثل شبیہ مثلہم قریبا ای استقروا من قبلہم زمنا قریبا او ذاقوا وبال امرہم قریبا ای عن قریب فکان عاقبتہما یقرء بالنصب علی الخبر وانہما فی النار ویقرء بالعکس وخلدین حال وحسن لما کرر الظرف ویقرء خلدان علی انہ خبران۔ ابن الصائغ۔

تفسیر

یہود بنی نضیر نے اپنی نالائقی کی ایسی سزا پائی جیسا کہ ابھی ان سے پہلے لوگ اپنے افعال بد کا وبال اور سزا پا چکے ہیں دنیا میں اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ ان بنی نضیر سے پہلے تھوڑے دنوں آگے کون لوگ آسمانی تازیانے سے پٹے تھے؟ مجاہد کہتے ہیں مشرکین مکہ تھے جو بدر میں قتل اور قید ہوئے بنی نضیر کے واقعہ سے پہلے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بنی قینقاع کی طرف اشارہ ہے۔ بعض کہتے ہیں یہود بنی قریظہ کی سزا کی نسبت ارشاد ہے کہ ان کو ایسی سزا ہوئی جو تھوڑے دنوں آگے بنی نضیر کو ہوئی تھی۔ بنی نضیر کے دو برس بعد یہود کے دوسرے قبیلے پر جس کو بنی قریظہ کہتے تھے اور وہ بھی مدینے کے قریب رہتے تھے ان کی بدعہدی سے آفت آئی۔

ع ۲ ٥

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ایک گروہ ہے جو لوٹے گئے اور غارت کیے گئے (بنی نضیر لوٹے گئے بنی قریظہ غارت ہوئے) وہ شکار ہوئے اور کوئی نہیں بچاتا وہ لوٹے گئے اور کوئی نہیں کہتا" پھر وہ (منافق بچا نہ سکے) بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانی کی۔ اس لیے اس نے ان پر قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب ڈالا اس پر گردا گرد آگ لگی۔ بنی نضیر کی گڑھی کا شعلہ جب مسلمانوں نے اس میں آگ دی خدا کے قہر کا شعلہ تھا جو دور سے لپٹیں مارتا تھا ۱۲ منہ

کمثل الشیطٰن الخ مدینے کے منافق جو یہود بنی نضیر کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں جھوٹی باتوں کے گھمنڈ پر ابھار رہے تھے اور وہ کم بخت ان کی باتوں میں آکر خراب ہوئے۔ اس کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ یہود بنی نضیر کے بہکانے کی مثال ایسی ہے کہ جب شیطان آدمی کو کافر بنا دیتا ہے اور جب بہکا چکتا ہے تو شیطان آپ الگ ہو جاتا ہے اور الٹی ملامت کرنے لگتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں مجھے اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ اسی طرح منافق بہکا کر الگ ہو گئے اور جب ان پر آپڑی تو انہیں کو برا بھلا کہنے لگے۔ انجام کار شیطان اور اس بہکے ہوئے آدمی کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور ظالموں کی سزا بھی یہی ہے۔

یہ ایک بڑی عبرت انگیز نصیحت دل پر اثر کرنے والے الفاظ میں انسان کے لیے ہے کہ وہ کسی بہکانے پھسلانے والے کی باتوں میں آکر برباد نہ ہو وہ بہکانے والا بوقتِ مصیبت ساتھ نہیں دیتا الگ ہو جاتا ہے شیطان سے مراد ابلیس ہے، وہ ہر روز انسان کو بہکاتا اور کفر و بدکاری میں مبتلا کرتا ہے، انسان کے اندر قوائے بہیمیہ وشہوانیہ وغضبیہ تین زور آور کلیں ہیں جن تک بذریعہ سرایت شیطان کا ہاتھ پہنچتا ہے، اگر مددِ غیبی کا محافظ نہ روکے تو یہ بدبخت ان میں ناجائز تحریک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی ان تینوں قوتوں کی ناجائز تحریک اور فطری ہڑک سے دوسری طرف روانگی شیطانی تحریک و تضلیل ہے جس طرح ملائکہ کو ان چیزوں کی اصلاح کے لیے بذریعہ الہام وتلقی رسائی ہے اسی طرح شیطان کو فساد کے لیے اور خود انسانی خیالاتِ فاسدہ جو خلافِ فطرت پیدا ہوتے ہیں اور بنی آدم کے بدراہ کرنے والوں کی تائید و تحریک بھی تضلیلِ شیطانی ہے۔
بعض مفسرین نے کمثل الشیطٰن کے الفاظ سے چسپاں کرنے کے لیے ایک قصہ طول وطویل نقل کیا ہے جس میں برصیصا راہب کے پاس شیطان کا بہ شکلِ راہب آنا اور اس کو اسماء سکھانا اور بیماروں کا بھیجنا اور ان میں بادشاہ کی لڑکی کا آنا اور برصیصا کا اس سے زنا کرنا اور اس کو حمل رہ جانا اور بدنامی دور کرنے کے لیے بمشورہ شیطان اس کا قتل کر کے دبانا اور شیطان کا جا کر خبر دینا اور برصیصا کا دار پر چڑھنا اور اس وقت شیطان کو بامید خاص سجدہ کرنا اور پھر شیطان کا ملامت کر کے غائب ہو جانا اور برصیصا کا حالتِ کفر میں مرنا نقل کیا ہے جس کا صحیح احادیث سے ثبوت نہیں، ہاں کہیں ایسا ہوا ہو تو کچھ تعجب بھی نہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور ہر شخص کو
نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ وَلَا
کیونکہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اور تم
تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ
ان جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر اللہ نے بھی ان کو (ایسا کر دیا)
اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ⑲
کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے یہی لوگ نافرمان ہیں۔
لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ
دوزخی اور جنتی برابر نہیں
الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳
ہو سکتے جنتی تو کامیاب ہیں
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ
اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے

لَرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ
تو آپ اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے پھٹ
خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ
پڑا ہوتا اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾
لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں

تفسیر

اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت کا ذکر کرکے اہلِ سعادت کو ان کے اصولِ سعادت کی طرف متوجہ کرنا ہے جو دارین میں اس کے لیے کافی ہیں۔

فقال یایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ واضح ہو کہ انسانی سعادت کے دو حصے ہیں۔

اوّل قوتِ نظریہ کی تکمیل۔ جہلِ بسیط و جہلِ مرکب کی ظلمات سے نجات پانا علم کی روشنی میں آنا، خدا تعالیٰ کی صفات و ذات اور دیگر امورِ ضروریہ کو واقعی طور پر یقین کرکے توہمات و تخیلاتِ باطلہ کی دلدل سے گزر جانا۔ اس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ جن کو یہ صفت حاصل ہوگئی ہے ان کو ایمان والے کہتے ہیں پس وہ ایمان والوں کو اس پر ثابت رہنے یا اس میدان میں ترقی کرنے کے لیے تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ تقویٰ، اللہ سے ڈرنا اور ڈر کر عمدہ اور کارآمد وسائلِ سعادت حاصل کرنا مضرات سے بچنا۔

دوسرا حصہ سعادت کا اصلاحِ عمل و تہذیبِ اخلاقِ ظاہری و باطنی ہے اور یہ ایک مشقت کا کام ہے اور نفس پر بڑے بڑے جہاد کرنے پڑتے ہیں اس لیے ان کو ان تاکیدی الفاظ میں ادا کرتا ہے۔

فقال ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ کہ ہر شخص (نکرہ میں تعمیم ہے) کسی قوم کسی رتبہ کا ہو یہ دیکھے کہ میں نے کل کے لیے یعنی اُس جہان کے لیے (جو بہت قریب پیش آنے والا ہے گویا دنیا اور اس کی تمام زندگی ایک روز ہے اگلا دن اُس دوسرے جہان کا ہے گویا بہت ہی قریب ہے۔ غدٍ کے لفظ میں اس مطلب کو کس خوبی کے ساتھ ادا کر دیا) کیا بھیجا ہے؟ یعنی کیا توشہ اور کون سا سرمایہ اس جہان کے لیے جہاں سدا رہنا ہے تیار کیا ہے؟ اور وہ توشہ تقویٰ ہے اس لیے تقویٰ کرنا چاہیے۔ انسان جب اپنی عمرِ رواں اور اس کے اندر ملکِ جاودانی کے لیے توشہ مہیا کرنے کا خیال کرے گا تو قطعاً اس کے تمام قوائے باطنیہ میں ایک سخت تحریک پیدا ہوگی۔ اور اس کے بعد جب یہ بھی خیال ہوگا کہ ان اللہ خبیر بما تعملون اللہ خبردار ہے ہمارے ہر عمل سے واقف ہے تو اور بھی کوشش اور اخلاص میں سرگرمی کرے گا تقویٰ تمام حسنات و اصولِ سعادت کا اصل الاصول ہے۔ اس لیے ہر ایک بات یا ہر ایک حصہ کے لیے جداگانہ اتقوا اللہ کا اطلاق ہوا۔ اور بظاہر اس لفظ کو مکرر لاکر نفسِ غافل کو متنبہ کر دیا۔

اس کے بعد اور بھی سرگرمی کرنے کا حکم دیتا ہے ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ الخ اور ان جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو اللہ کو بھول گئے اور شب و روز اس چند روزہ زندگی کے لیے شہوات و لذات میں ایسے محو ہوئے کہ اللہ کو بھی بھول گئے پھر دارِ آخرت کی یاد اور وہاں جانے کا خیال کیسا؟ اس لیے اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا یعنی سعادت و حیاتِ جاودانی سے محروم کر دیا اور وہ بدکار لوگ ہیں یہ اہلِ سعادت کے برابر نہیں ہوں گے لا یستوی اصحٰب النار الخ کہ جہنم میں جلنے والے اور جنت میں آرام پانے والے ہرگز برابر نہیں اہلِ جنت جو ہیں بامراد ہیں اور جہنمی کون؟ یہ بیان نہیں کیا اس کو عاقل سمجھ سکتا ہے یعنی نامراد۔

یہ اصولِ سعادت جو قوتِ نظریہ اور عملیہ کے متعلق ہیں سب انسان کو بذریعہ ایک الہام الٰہی کے پہنچے ہیں جس کا نام قرآن ہے اس لیے سعادت کا دارمدار قرآن کی پابندی پر ہے لہٰذا قرآن مجید کی عظمتِ شان بیان فرماتا ہے۔

ع ۳/۶

فقال لو انزلنا ھذا القرآن الخ کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے جیساکہ انسانوں پر نازل کیا ہے تو ہیبتِ الٰہی کے مارے پھٹ جاتا۔ یہ تمثیل ہے یعنی باوجودیکہ پتھر سخت اور غیر متاثر ہے اگر وہ عاقل اور قابلِ خطاب ہوتا اس پر قرآن نازل ہوتا تو وہ خوف کے مارے پھٹ جاتا مگر انسان کیسا سخت دل ہے۔ اسی لیے وزمین اور آسمانوں اور پہاڑوں نے بارِ امانت نہ اٹھایا انسان نے اٹھالیا۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ
اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپے

الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ
اور کھلے کا جاننے والا وہ بڑا مہربان

الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ
بہت رحمت والا ہے وہ اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی

اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
معبود نہیں وہ بادشاہ پاک ذات سلامتی دینے والا

الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ
امن دینے والا نگہبان زبردست دباؤ والا

الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾
عزت دینے والا ہے اللہ پاک ہے ان کے شریک ٹھیرانے سے

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ
وہ اللہ پیدا کرنے والا ایجاد کرنے والا صورت بنانے والا ہے

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی
اس کے (بہت سے) عمدہ نام ہیں آسمانوں اور زمین والے

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ
اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ زور آور

الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾
اور حکمت والا ہے۔

تفسیر

اصولِ سعادت میں سے اعلیٰ حصہ تکمیل قوتِ نظریہ تھا جس کا اعلیٰ حصہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کو علیٰ ماینبغی یقین کرنا تھا اس لیے اس کے بعد اپنی ذات و صفات کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ اس کی عظمت ذہن میں آوے اور پھر قرآن کی عزت بھی خیال میں آجائے کہ وہ کس کا کلام ہے؟ اس کا کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے ہیں آسمان کانپتے ہیں سمندروں کا زہرہ آب ہوتا ہے۔

فقال ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو کہ اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہی یکتا بے انتہا طاقتوں والا آسمانوں کا خالق اور ان کو تاننے والا زمین اور اس کے اوپر جو ہیں انہیں پھیلانے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہاں تک ذاتِ حق سبحانہ کا بیان تھا۔

اس کے بعد صفات کا بیان کرتا ہے عٰلم الغیب والشھادۃ پوشیدہ اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے جو بندوں کے نزدیک ظاہر اور جو پوشیدہ ہے سب کو جانتا ہے۔ الغیب بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ انسان کی حسِ بصر سے لے کر حواس خمسہ سے بھی جو غائب ہے اور انسان پر کیا موقوف بلکہ ملائکہ کے بصر بلکہ جمیع مدارک سے غائب ہے وہ بھی غیب ہے عالمِ ملکوت انسان کا غیب اور لاہوت و جبروت ان سے اوپر والوں کا غیب بلکہ عالمِ ناسوت ہر ایک پس

پردہ چیز کے لحاظ سے یا بعدِ زمانی و مکانی کے سبب یا حسِ بصر اور اس کے بعد دوسرے حس کے لحاظ سے غیب ہے گو دوسرے کا کہ جس کے آگے حجاب نہیں شہود ہے۔ غیب کے بے شمار پردے بے انتہا اور عمیق گہرائیاں ہیں فرشتوں کے ادراک سے بھی صدہا چیزیں غائب خدا تعالیٰ کے نزدیک حاضر ہیں اس کے غیب الغیب پر کسی کو آگاہی نہیں۔ عالم شہود میں آنے والی چیزیں جو مسافت طے کرتی ہوئی آرہی ہیں اور پھر عالم شہود میں رہ کر جو عالم غیب کی بے انتہا وسیع وادیوں کو طے کرتی جاتی ہیں ہزاروں منازل طے کر گئیں یہ سب انسان سے غائب اس کے نزدیک حاضر ہیں۔ ہر شخص اور ہر قوت ادراک کے لحاظ سے غیب اور شہادت میں اضافی اور اعتباری درجات نکلتے آئیں گے بلکہ غیب و شہادت اضافی ہوگا۔ جس طرح غیب کے مراتب ہیں اسی طرح شہود کے بھی۔ مگر اس کے نزدیک سب عیاں ہے سب کو برابر جانتا ہے۔

ھوالرحمٰن الرحیم ان دونوں لفظوں کی شرح بسم اللہ کی تفسیر میں ہو چکی کسی قدر خلاصہ یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں رحمت کا مادہ موجود ہے مگر قلت و کثرت تمام غیر تمام دنیا و آخرت کی رحمت مؤمن و کافر پر رحمت کے لحاظ سے ان دونوں لفظوں میں فرق ہے۔ رحمٰن میں کمال اور پوری رحمت ہے اس لیے بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق عموماً درست نہیں برخلاف لفظ رحیم کے رحمت مہربانی عنایت۔ اگر معنی پر غور کیا جائے اور آدمی تھوڑی دیر بھی ان لفظوں کے معنی کا مراقبہ کرے تو معلوم ہو جائے کہ اس کی رحمت کے ہزاروں دریا موجیں مار رہے ہیں بلکہ آسمان و زمین اور جو کچھ اس کی ظاہری اور باطنی نظر میں آئے سب رحمت ہے وجود اشیاء خواہ بعض اشیاء بعض کو بہ لحاظ فوت ہونے کسی منفعت کے زحمت معلوم ہوتی ہو مگر رحمت ہی رحمت ہے۔

اس کے بعد پھر اسی کلمۂ توحید کا اعادہ کر کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال ھواللہ الذی لا الٰہ الا ھو اس کا اعادہ مضمونِ توحید کی تاکید ہے الملك بادشاہ، تمام کائنات پر حقیقی سلطنت اسی کی ہے نہ اس کے خزانوں کی کچھ انتہا ہے نہ لشکروں کی تعداد ہے۔ دنیا میں بادشاہت اسی کی بادشاہت کا ایک ادنیٰ پرتو ہے اور پھر سریع الزوال جس کو ہزاروں خطرے سیکڑوں دغدغے، بغاوت کا ڈر۔ کارکنانِ سلطنت کی خیانت کا خطر اس پر ارضی و سماوی مصائب کا کوئی مقابلہ نہیں خزائن صرف ہو جانے کا اندیشہ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رعیت کی احتیاج ان کے اموال کی دست نگری برخلاف اس شہنشاہِ حقیقی کے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیاوی بادشاہ کو ملک الملوک کہلانا زیب نہیں وہی ملک الملوک ہے وہی خداوندِ خدا ئگاں ہے۔

القدوس پاک ہر عیب سے بری ہر بات سے جو اس کو شایاں نہیں کثیر البرکات (بالضم و بالفتح کم تر)

السلٰم یا تو اس کو سلامتی سے لیا جائے اور اسی سے دار السلام و سلام علیکم ہے تب اس کے معنی ہیں ہر نقصان و زوال سے سلامت۔ مصدر ہے مبالغۃً اطلاق ہوا جیسا کہ کسی کو کہتے ہیں رجاءٌ و غیاث پھر اس میں اور قدوس میں یہ فرق ہے کہ سلام آیندہ نقصانوں سے بری ہونے والا اور زوال پذیر نہ ہونے والا۔ قدوس زمانِ ماضی و حاضر کے نقصانوں سے مبرا۔ یا سلام کے معنی باعث سلامتی تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ سلامتی عطا کرنے والا۔

المؤمن یا امن سے لیا جاوے کہ وہ امن دینے والا ایمان داروں کو اور اس کی پناہ میں آنے والوں کو عذاب و بلیات سے۔ یا ایمان سے لیا جائے کہ وہ اپنے انبیاء اور ملائکہ اور احوالِ آخرت کی تصدیق کرنے والا ہے معجزات و

آیاتِ قدرت سے۔

المھیمن خلیل اور ابو عبیدہ کہتے ہیں ہیمن یہیمن فہو مہیمن اس کو کہتے ہیں جو محافظ اور نگہبان ہو۔ اور علماء کہتے ہیں مہیمن اصل میں مؤیمن تھا امن یومن سے ہمزہ کو ہا سے بدل لیا جیسا کہ ارقت ہرقت میں اس کے معنی ہیں مومن کے۔ حسن کہتے ہیں اس کے معنی ہیں امین خلیل کہتے ہیں محافظ۔ سعید بن المسیب و ضحاک کہتے ہیں کہ قاضی۔ ابن کیسان کہتے ہیں اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے معنی وہی جانتا ہے۔

العزیز عزت والا۔ غالب قاہر زبردست۔

الجبار فعال کے وزن پر ہے جبر نقصان سے یعنی وہ فقیر کو غنی کرنے والا۔ ٹوٹے کو جوڑنے والا، نقصان کی جگہ فائدہ دینے والا، بھر دینے والا۔ یا جبر بمعنی قہر سے لیا جائے۔ جبار بمعنی قہار مجبور کر دینے والا۔ اس کے کاموں سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ فراء کہتے ہیں فعال افعل سے بجز ان دو جگہ کے نہیں آیا۔ ایک اجبر سے جبار۔ دوسرا ادرک سے دراک۔ ابن عباس کہتے ہیں جبار کے معنی ہیں عظیم اور اس کی جبروت اس کی عظمت ہے[۱]۔

المتکبر کبر بسکون الوسط کبریا۔ بزرگی و بزرگ شدن۔ تکبر استکبار بزرگی نمودن (صراح) اس کے معنی ہیں بزرگی والا اور علو و برتری ظاہر کرنے والا۔ تمام صفات کمال اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو زیبا ہے نہ مخلوق میں سے کسی کو ؎

مر او را رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

حدیث میں آیا ہے کہ کبر میری چادر ہے جس نے اس کو اختیار کیا گویا میری چادر پر ہاتھ ڈالا۔ سنت اللہ جاری ہے دنیا میں متکبر اور گردن کش اور نخوت شعار ایک روز ضرور سرنگوں کیا جاتا ہے۔ بندگانِ خدا کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اس کے بعد فرماتا ہے سبحٰن اللہ عما یشرکون کہ لوگ تکبر کرتے ہیں اور اللہ کے ساتھ اس وصف میں مشارکت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اللہ اس تکبر سے جو خلق کو حاصل ہے پاک ہے کس لیے کہ وہ اپنی ذات و صفات میں ناقص ہیں پھر ادعاء کبر نقصان پر اور نقصان ہے۔

ھو اللہ الخالق کہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ الباری بنانے والا۔ خالق اور باری کے ایک ہی معنی ہیں مگر کسی قدر فرق ہے۔ باری کا استعمال جواہر و اجسام میں ہوتا ہے نہ اعراض میں برخلاف خالق کے کہ وہ عام ہے۔ دنیا میں اجسام و جواہر یا مواد کسی بندے کے پیدا کیے ہوئے نہیں، ہاں بعض مواقع میں بندہ ترکیب دے دیتا ہے جس کے بعد ایک نئی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گارے میں کمہار تصرف کرتا ہے آبخورے پیالے بناتا ہے۔

المصور بلکہ حقیقی طور پر صورت بھی وہی بناتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے جو کوئی کسی ذی روح کی تصویر یا مورت بناتا ہے قیامت کو حکم ہو گا کہ ان میں جان ڈالے مگر نہ ڈال سکے گا عذاب ہو گا قطع نظر اس کے کہ اس کام میں خداوندی فعل کی نقالی ہے بت پرستی کا سامان بھی ہے اس لیے شرع محمدی میں حرام کر دیا گیا۔

یہ چند اسماء بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے لہ الاسماء الحسنیٰ اس کے اور بھی نیک نام ہیں یسبح لہ ما فی السمٰوٰت والارض آسمانوں اور زمین میں اس کی تسبیح و تہلیل ہوتی ہے۔ وھو العزیز الحکیم اور وہ زبردست

۱؎ ابن الانباری کہتے ہیں جبار اللہ کے صفات میں بایں معنی مستعمل ہے کہ سب سے بالا ہے وہ کھجور جس تک ہاتھ نہیں پہنچتا اس کو جبارہ کہتے ہیں ۱۲ منہ

بھی ہے اس کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔

ابحاث

(۱) للہ الاسماء الحسنیٰ اس کی بابت ہم بحث کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی بے شمار صفات حمیدہ ہیں ہر صفت کے لحاظ سے اس کا ایک نام ہے جس سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور حدیث میں جو ننانوے ۹۹ نام آئے ہیں ان میں حصر نہیں۔ امام ابو موسیٰ اشعری وغیرہ اہلِ سنت کے اکابر کہتے ہیں کہ اسمائے الٰہی توقیفیہ ہیں کہ جس قدر شارع کی طرف سے اسماء کا اطلاق اس پر وارد یا جائز ہوا ہے انہیں پر بس کرنا چاہیے گو اس کا ہم معنی لفظ آیا ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بت پرست قوموں نے اپنے اوہام باطلہ سے مخلوقات کے کبراء پر قیاس کر کے خدا تعالیٰ کے نام بنائے ہیں جن سے صفت نام ضیبہ کا ثبوت ہوتا ہے یا وہ نام کسی خاص وجہ سے جیساکہ اشتراک بالہ باطلہ عنداللہ مکروہ ہیں بہرطور اس باب میں شرع نے وسعت نہیں دی مگر معتزلہ و قاضی ابو بکر باقلانی کہتے ہیں اگر اس نام کے معنی میں کوئی قباحت نہیں اور عقلاً اس صفت سے خدا کا اتصاف جائز ہے تو اس کا اطلاق ذاتِ باری پر عقلاً ممنوع نہیں۔

(۲) کیا اسماء میں کوئی جداگانہ خاصیت یا تاثیر رکھی گئی ہے؟ حکماء کہتے ہیں کہ صرف یہی تاثیر ہے کہ ان معانی کے تصور سے جو ان اسماء سے مستفاد ہوتے ہیں دل پر ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ مگر محققین نے اس کے سوا اور بھی تاثیر ثابت کی ہے یہاں تک کہ حروفِ مفردہ میں جداگانہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اثر رکھا گیا ہے جیساکہ ادویہ میں اور پھر ان کو مرکب نام میں خواہ وہ کسی کا نام ہو ایک نیک یا بد نحس یا سعد اثر ہے اور پھر اس تاثیر یا ظہور کے لیے شروط ہیں جن کے بعد قطعاً اثر ظاہر ہوتا ہے پڑھنے سے بھی اور لکھ کر ان کو پاس رکھنے اور باندھنے سے بھی بلکہ ان کے اعداد بقاعدۂ فنِ تکسیر لکھنے سے بھی جس کا صدہا بار تجربہ ہوا ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے[1]۔

یہ تاثیر کچھ ان اسماء کے مسمیات کے روحانی تصرفات پر موقوف نہیں بلکہ جن اسماء کے کچھ معنی بھی نہیں اور نہ ہم کو ان کا حکم ہے نہ ان کا تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے ان کے مسمیات سے استمداد و استعانت کا تو کیا ذکر ان میں بھی اثر ہے اور یہ اثر کچھ عربی یا فارسی الفاظ پر موقوف نہیں مگر جس صورت میں کہ وہ اسماء منزل من اللہ ہیں اور ان کے معانی قلب میں تحریک پیدا کرتے ہیں اور ان کے مسمّٰی کا روحانی اور علوی اثر عظیم بھی ان کے ساتھ مربوط ہے ان کے اثر میں کوئی شبہ ہی نہیں دفعِ مرض، رزق کی فراخی، نجاتِ آخرت، فتح بر اعداء وغیرہ میں قرآن مجید کے الفاظ میں یہ اثر ضرور رکھا گیا ہے اسی لیے جو معنی پر واقف ہوئے بغیر بھی تلاوت کرتے ہیں تنویرِ قلب اور حلِ مشکلات میں بے حد اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے احادیثِ صحیحہ میں بعض بعض سور یا اسماء کے جداگانہ اوصاف آئے ہیں۔ چنانچہ سورۂ حشر کی ان اخیر آیات کی بابت ھو اللہ الذی سے آخر تک ترمذی و دارمی نے یوں روایت کیا ہے کہ جو شخص اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم پڑھ کر یہ تین آیت صبح کو تین بار پڑھے گا تو اس کے لیے ستر ہزار ابعی بہت سے

---

[1] راقم الحروف ورمِ طحال (تاپ تلی) کے لیے چند اسماء لکھ کر دیا کرتا ہے۔ صدہا بار تجربہ ہوا ہے کہ مرض جاتا رہا اور جب شرط میں خلاف ہوا اثر نہ ہوا یا ان اسماء کی جگہ دوسرے بدل دیے گئے پھر بھی اثر نہ ہوا۔ میں تجربہ کر اسکتا ہوں اور بہت لوگ ہیں کہ جن پر تجربہ ہوا ۱۲ منہ

فرشتے مقرر ہوں گے کہ اس کے لیے دعائے خیر کریں گے اور جو اس روز مرے گا تو شہید مرے گا اور جو شام کو مرے گا یہی بات پیدا ہوگی۔ ترمذی نے کہہ دیا کہ یہ حدیث غریب ہے جو خاص ایک سند سے ثابت ہے۔

اسماء کی تاثیرات کی بابت قدیم زمانے سے حکمائے اشراقین کا اور خصوصاً اہلِ ریاضت کا بھی اعتقاد تھا اور اس کا ایک خاص علم تھا حکماء مصر و ہند وغیرہ اس فن میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے یہ فن بہت مخفی کیا جاتا تھا اشاروں اور رموز میں لکھا جاتا تھا اس لیے شدہ شدہ تلف ہوگیا اور لوگوں کے بخل نے اور بھی اس کو خاک میں پنہاں کر دیا، قدماء یہود میں جو سحر بابل یا نقوشِ سلیمانی کے آثار عجیبہ مشہور تھے وہ اسی فن سے متعلق تھے۔ اسی طرح قدیم ہنود ہوم اور یگیہ کرنے میں منتر پڑھا کرتے تھے دفع بلا و شکستِ اعداء کے لیے یہ ان کا قوی ہتھیار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ سہی مگر عالم کے کارخانے اور اسبابِ تمدن و تدابیرِ ترقی ان باتوں پر کچھ بھی وابستہ نہیں، اسی لیے صحابہ کرامؓ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف کچھ بھی توجہ نہ کی بلکہ عالمِ اسباب کی تدابیر کا اثر عملی و قولی طور پر ثابت کر دیا۔ ان باتوں کے پابند یا تو بھیک مانگا کرتے ہیں یا جہلا خصوصاً عورتوں کو دامِ تزویر میں پھنسا کر پیٹ پالتے ہیں، ہندو فقیر اور مسلمانوں کے پیرزادے اور سیلانے تو اسی ورطۂ ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں خیالات سے بادشاہوں کی سلطنتیں برباد ہوئیں افلاس آیا تجارت و حرفت سے محروم رہے ف۔ بہت سے سادہ لوحوں کو دیکھا گیا کہ تدابیر عالم اسباب یا توکل کو تو چھوڑ دیا ہے اور صدہا تعویذ لٹکائے ہیں، بچوں کو سوانگ بنا رکھا ہے۔ صبح شام چھوا چھو ہو رہی ہے مگر ہونا خاک بھی نہیں۔ ہندو قوم اس بلا میں سب سے زیادہ گرفتار ہے معاذ اللہ۔

سورۃ ممتحنہ

مکیہ ہے اس میں تیرہ آیات دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ

اے ایمان دارو! میرے اور اپنے

وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ

دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے

بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ

پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آیا ہے

ف من جملہ اسباب تنزل کے ایک سبب یہ بھی ہوا کہ مزدوری نہیں کی جاتی تجارت نہیں کرتے صنعت و حرفت نہیں سیکھتے۔ کرتے کیا ہیں دستِ غیب کی تلاش میں سامنے باداموں کا ڈھیر لگا رکھا ہے۔ ترکِ حیوانات سے رات دن مشقت اٹھائی جاتی ہے مگر حصول کچھ بھی نہیں۔ اگر ہر ایک کے ساتھ یوں ہوا کرے تو نظام عالم بگڑ جائے اسی طرح کیمیا کی تلاش میں گھر پھونک دیا، تاجروں کے گھروں میں سونے چاندی کا ڈھیر ہے اس کم بخت کے ہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں، خزائن تلاش کرتے کرتے دیوانہ بن گیا۔ رمل و جفر و نجوم والوں سے دریافت کر کے غیب کے آئندہ مصائب دفع کرنے میں کوشش ہو رہی ہے حالانکہ رمّال و نجومی آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ فقراء کا لباس پہن کر گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا اور لوگوں کو مرادیں دیتے پھرتے ہیں۔ یہ سب بد اقبالی کے زیورات ہیں پناہ بخدا ۱۲ منہ

مِنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ
اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر نکالتے ہیں
اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ
کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لاتے ہو اگر تم
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ
جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضاجوئی کے لیے نکلے ہو تو
مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ
ان کو دوست نہ بناؤ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو
وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ
حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو
وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ
اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے
سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ
رستے سے بھٹکا اگر وہ تم پر قابو پا دیں
يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا
تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں اور تم پر اپنے ہاتھ
اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ
اور اپنی زبانیں برائی سے دراز کریں
وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ
اور چاہتے ہیں کہ کہیں تم کافر ہو جاؤ تمہاری رشتہ
اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ
داری اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی قیامت
الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
کے دن وہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور تم جو
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③
کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب

تلقون الخ حال من ضمیر الفاعل فی تتخذوا وصفۃ لاولیاء او استیناف والباء زائدۃ وقد کفروا الخ حال من فاعل تلقون وقیل من فاعل لاتتخذوا یخرجون الخ حال من فاعل کفروا او استیناف مبین لکفرہم و صیغۃ المضارع لاستحضار الصورۃ ان تؤمنوا مفعول لہ معمول یخرجون ان کنتم جوابہ محذوف دل علیہ لاتتخذوا جہادا مصدر فی موضع الحال او معمول فعل محذوف دل علیہ الکلام تسرون توکید لیلقون بتکریر معنًا وانا اعلم حال وقیل اعلم مضارع والباء مزیدۃ وما موصولۃ او مصدر۔

تفسیر

سورۂ حشر میں منافقوں کی بدسیر کا بیان تھا، جس سے حذر کرنا چاہیے۔ اب اس سورت میں منافقانہ سیر کی مذمت کرتا ہے۔ اور اس سورت کی شانِ نزول میں بخاری وغیرہ محدثین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے:۔

وہ یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ صحابی بدری نے ایک عورت کو جو مدینے سے مکے واپس جا رہی تھی مشرکین مکہ کے نام ایک خط دیا جس میں اظہارِ محبت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا اظہار تھا کہ حضرت تم پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں ہوشیار رہو۔ وہ عورت خط لے کر نکل گئی۔ جبریل نے آں حضرتؐ کو خبر دی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰؓ و زبیرؓ و مقدادؓ کو دوڑایا کہ ایک عورت فلاں باغ کے پاس ملے گی اس کے پاس حاطب کا خط ہے وہ لے آؤ اور عورت کو جانے دو۔ یہ حضرات گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے اسی باغ کے پاس عورت کو جا لیا اس سے خط مانگا وہ مکر گئی۔ حضرت علیؓ نے

تلوار سے ڈرایا تو خط بالوں میں سے نکال کر دیا۔ یہ لے کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، حاطبؓ کو بلایا اور خط دکھایا اس نے سچا عذر کر دیا کہ میں نے دین سے برگشتہ ہو کر یہ کام کیا نہ مشرکین کی محبت سے۔ دراصل ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی مکے میں قرابت دار ہے جو اس کے عیال و اطفال کی نگہبانی کرتا ہے میرا وہاں کوئی بھی نہیں اس لیے یہ خط لکھا کہ اس کے سبب مشرکین میرے عیال و اطفال کو نہ ستائیں اور اس میں آپ کا کوئی ضرر بھی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حکم ہو تو اس منافق کی گردن ماروں؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا ہے اور اہل بدر ہے خدا نے بدریوں کے حق میں کہہ دیا کہ میں نے ان کو بخش دیا۔

یہ کام خدا کے نزدیک ناپسند تھا۔ ان آیات میں اس محبت اور مودت کو ناپسند کرتا ہے کہ ان سے دوستی اور یارانہ نہ کرو اگر میری رضامندی مطلوب ہے کیونکہ وہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں اگر قابو پائیں تو تم پہ ہاتھ اور زبان سے نہ چوکیں اور تمہیں کافر بنانے میں کوشش کرتے ہیں اور تمہاری رشتہ داری اور اولاد قیامت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے تم یہ ناپسند باتیں کرتے ہو۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ
اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے دشمنی اور
الْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
کاوش پیدا ہو گئی جب تک تم اکیلے اللہ پر
وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ
ایمان نہ لاؤ مگر ابراہیم کی اس بات میں پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ سے کہی تھی
لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ
کہ میں ضرور تیرے لیے بخشش مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے
مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ
کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں (اور یہ بھی کہا تھا) اے رب ہم نے تجھ پر
تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ
بھروسہ کر لیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف
الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
پھر کر آنا ہے اے رب ہم کو کافروں کے
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ
ہاتھ میں نہ ڈالیو اے ہمارے رب ہم کو بخش دیجیو
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤
تو جو ہے تو زبردست حکیم ہے

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ
تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی عمدہ
اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا
چال چلنی چاہیے جب کہ انہوں نے
لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا
اپنی قوم سے کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جس کو تم اللہ کے
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ
سوا پوجتے ہو بے زار ہیں ہم تمہارے قائل نہیں

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
اس پر وہی چلے گا جو اللہ اور قیامت کے دن
لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ
کے سامنے ہونے کی امید رکھتا ہے اور
ع ۶ ۱ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥
جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پروا خوبیوں والا ہے

ل اسوہ بالضم والکسر پیشوا در مہمات (صراح) اسوۂ حسنہ یعنی اچھا نمونہ یا اچھا طریقہ ہے ۱۲ منہ

ترکیب

فی ابراھیم الخ صفۃ ثانیۃ لاسوۃ اوخبر لکانت و لکم بیان او حال من المستکن فی حسنۃ او صلۃ لھا اذ قالوا ظرف لخبر کان برءٰ واجمع بری کظریف وظریف و قری براء بالکسر مثل ظراف بالفتح اسم مصدر مثل سلام والتقدیر انا ذو براء الا قول استثناء منقطع من قولہ تعالیٰ اسوۃ حسنۃ فان استغفار ابراھیم علیہ السلام لابیہ و ان کان جائزالہ قبل النھی عنہ لکنہ لیس ان یوتشی بہ لمن کان بدل من لکم۔

تفسیر

کفار کی محبت و مودت سے دو طرح پیرایے میں منع کرتا ہے:۔

فقال قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابرٰھیم والذین معہ کہ اے مسلمانو! تم کو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ ان کا عمدہ طریقہ اور بہتر رویہ تمہارے لیے قابلِ اقتدا ہے۔ پھر ان کے عمدہ طریقے کو بیان فرماتا ہے کہ وہ کیا تھا اذ قالوا لقومھم انا برءٰؤا منکم الخ کہ جب ابراہیم اور ان کے ساتھ والوں نے اپنی بت پرست قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں یعنی تمہارے معبودوں اور اور ان کی نسبت جو کچھ تمہارے اعتقاد ہیں کہ وہ نفع و ضرر کے مالک ہیں ہم اس کے منکر ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ ہے وبدا بیننا وبینکم العداوۃ الخ کہ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کو دشمنی اور رنجش پیدا ہو گئی جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

نینویٰ اور بابل کے بادشاہ اور ان کی قوم اور سردار بت پرست تھے صرف ابراہیمؑ اور ان کے بھتیجے لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ایمان لائی تھی اس وقت اس قوم کے مقابلے میں جو ہر طرح سے قابو یافتہ تھی اس بے کسی کی حالت میں یہ کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ یہ جواں مردی محض اس قادرِ مطلق کے بھروسے پر تھی۔ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم کو بھی ابراہیم کی پیروی کرنی چاہیے۔

کفار سے دوستی رکھنا حرام ہے

مشرکین تمہارا کیا کر سکتے ہیں کس لیے ان سے محبت رکھتے ہو برادری اور دوستی خدا کے دشمنوں سے کیسی؟۔ مسلمان کے سچے ایمان اور خدا تعالیٰ کی پوری محبت کا یہ مقتضیٰ ہے کہ اس کے دشمنوں بد دینوں ملحدوں پر قولاً و فعلاً تمسخر کرنے والوں سے قطع کر دے۔ ان سے محبت اور یگانگت اور دلی اخلاص ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔ ہاں خوش خلقی اور حسنِ معاشرت کی ممانعت نہیں یہ اور بات ہے۔

الا قول ابراھیم الخ ہاں اس بات میں ابراہیم کی پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ کے لیے کہی تھی کہ میں خدا سے ضرور بخشش مانگوں گا حالانکہ مجھے اس معاملے میں کچھ اختیار نہیں (ابراہیمؑ سا پیغمبر اپنے باپ کے حق میں یہ بے اختیاری ظاہر کرے پھر وہ بزرگ زادے جو اپنے بزرگوں کے طریقے پر نہیں کس بھروسے پر نجات کا بیڑا اٹھاتے ہیں) پھر آگے ابراہیمؑ کی مناجات ہے جو اس وقت اپنے رب سے کی تھی کہ ربنا علیك الخ اے رب تجھ پر ہمارا بھروسہ ہے اور تیری طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کر جانا ہے۔ ہم کو کافروں کے ہاتھ میں ڈال کر آزمائش نہ کر اور ہم کو بخش دے تو جو ہے تو زبردست اور حکمت والا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے کفار کی تکلیف سے

بچایا اور جو کوئی ایسا کرے اس کو بچاتا ہے۔ الغرض کافر باپ کے لیے بخشش مانگنے میں ابراہیم کی پیروی نہ کرو اور سب باتوں میں کرو اگر اللہ اور قیامت کے سامنے ہونے کی امید ہے اور جو اس بات کو نہ مانے اور کفار و فجار سے دوستی رکھے تو اللہ کو بھی اس کی پروا نہیں۔ یہ سخت تہدید کا کلمہ ہے۔

وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ
اور تمہارے نکالنے پر (لوگوں کی) مدد بھی کی کہ
تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ
ان سے دوستی کرو اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر
هُمُ الظَّالِمُونَ ⑨
وہی ظالم بھی ہیں

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ
شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے
الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ
تم کو دشمنی ہے دوستی قائم کر دے اور اللہ
قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑦
قادر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے
لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ
اللہ تم کو ان لوگوں سے منع نہیں کرتا کہ جو
لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ
تم سے دین میں نہیں لڑے اور نہ
يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ
تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ
تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ
تم ان سے نیکی کرو اور انصاف سے پیش آؤ کس لیے کہ
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ⑧ إِنَّمَا
اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تم کو
يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ
اللہ منع تو انہیں سے کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے
فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ
لڑے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا

ترکیب

اللہ فاعل عسی ان یجعل الجملۃ خبرہا مودۃ مفعول لیجعل ان تبروھم فی موضع جر علی البدل من الموصول بدل البعض و تقسطوا معطوف علی تبروا منصوب بان ان تولوھم بدل من الموصول (الذین) بدل الاشتمال ای ینھٰکم ان تتولوھم۔

تفسیر

پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ملاپ سے منع کر دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بالکل ترک کر دیا اور اس حکم کی پابندی میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ حسن معاشرت کے قانون سے تجاوز ہو گیا چنانچہ بخاری نے نقل کیا ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس مکے سے اس کی ماں آئی اس وقت کہ قریش میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں معاہدہ قائم ہو گیا تھا، اسماءؓ نے بغیر آں حضرتؐ سے دریافت کیے اپنی مشرکہ ماں کو گھر میں بھی نہ آنے دیا نہ اس کے تحفے قبول کیے۔ اسماءؓ نے آں حضرتؐ سے دریافت کیا کہ میری ماں مشرکہ ہے کیا میں اس سے سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا اس سے سلوک کر۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر لیا تھا کہ ہم آپ پر چڑھائی نہ کریں گے نہ آپ کے برخلاف کسی کو مدد دیں گے۔ خیر کوئی واقعہ ہو مگر یہ آیات اس افراط کے روکنے کے لیے نازل ہوئیں جن کا خلاصہ ایک درمیانی برتاؤ اور اعتدال کی کارروائی ہے۔

فقال عسی اللہ الخ کہ شاید خدا تم میں اور تمہارے دشمن کافروں میں دوستی کر دے۔ اب اتنا نہ بڑھو کہ حسن معاشرت اور مکارم اخلاق سے بھی گذر جاؤ کہ پھر دوستی ہو جانے کے بعد شرمندہ ہونا پڑے، اسی جگہ سے عقلاء نے کہا ہے کہ دشمنی کے وقت اس بات کو بھی لحاظ رکھ کہ دوستی ہو جانے کے بعد کسی نامناسب بات پر ندامت نہ اٹھانی پڑے اور دوستی میں بھی دشمنی کے زمانے کو خیال کر کوئی ایسی بات اس کے ہاتھ میں نہ دے کہ دشمن ہو جائے تو تجھے مشکل پڑے۔

واللہ قدیر اللہ اس بات پر قادر ہے اور تمہاری افراط و تفریط کے لیے غفور رحیم ہے۔ اور شاید ملاپ کی ممانعت سے مسلمانوں پر عزیز و اقارب کا کلیتہً ترک کرنا شاق بھی گذرا ہو جیسا کہ انسانی طبیعت کا مقتضیٰ ہے۔ مگر جب وہ لوگ اس حکم کے امتحان میں پورے نکلے تو خدا نے آئندہ دوستی قائم ہونے کا مژدہ بھی سنا دیا اور اس میلان قلبی کی معافی بھی کر دی بقولہ واللہ غفور رحیم اور اس بشارت کا جلد ظہور بھی ہو گیا فتح مکہ کے بعد جس سے لڑائی تھی شیر و شکر ہو گئے۔

پھر اس امر میں یہ امتیاز کر دیا لا ینھٰکم کہ جو لوگ تم سے لڑے نہیں نہ انہوں نے تم کو گھروں سے باہر کیا ان سے احسان و انصاف کرنے کی اللہ تعالیٰ ممانعت نہیں کرتا۔ احسان و انصاف ان سے کرو۔ مگر دوستی و محبت اور چیز ہے وہ نہیں۔ اور جنہوں نے تم سے لڑائی کی گھروں سے نکالا یا نکالنے میں مدد کی جیسا کہ قریش مکہ اور ان کے حلیف قبائل ان سے دوستی کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ تولّٰی دوستی باکسے کردن (صراح) احسان اور عدل کرنے کی بابت ان لوگوں سے کچھ نہیں فرمایا۔ اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ ان دشمنوں سے اس کی بھی ممانعت ہے۔ آیت کا سباق دلالت کر رہا ہے۔ یہ لوگ حربی کہلاتے ہیں ان سے بجز مقابلے کے اور کیا کیا جائے اور احسان و سلوک کفار میں سے صرف ذمیوں کے ساتھ درست ہے جو اسلام کے ذمے یا عہد میں داخل ہوں جیسا کہ عرب میں قبیلہ خزاعہ تھا۔

فوائد

(۱) عسی اللہ الخ ایک بشارت اور پیشین گوئی تھی جس میں ضمناً اسلام کی ترقی اور اس کے غلبہ کی طرف اشارہ تھا کس لیے ان صادق اہل اسلام کی ان کفار سے دوستی ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ یا وہ کفار مسلمان ہو جائیں یا مغلوب ہو کر اسلام کی ماتحتی اختیار کریں۔ اس آیت کے نزول کے تھوڑے زمانے بعد اس کا ظہور کامل طور پر ہوا۔ مکہ اس کے بعد فتح ہوا وہاں کے کفار جو مسلمانوں کو محض اسلام کے لیے تکلیف دیتے تھے مغلوب ہوئے اور اسلام لائے پھر کیا تھا بھائی بھائی ہو گئے۔ اس سے پہلے علی مرتضیٰ رض اور ان کے اقارب میں دینی عداوت تھی پھر وہی محبت ہو گئی ابو سفیان کو قہر کی نظروں سے دیکھتے تھے پھر ایک ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس صبر و برداشت و فرمانبرداری کا یہ نتیجہ خدا نے دکھایا۔ اس کے فرمان کے مطابق اقارب سے یک لخت بیگانگی ہو گئی تھی۔

(۲) دنیا میں اسلام کا آنا ایک تغیر عظیم تھا، اس کے مقابلے میں اس کے تین دشمن کھڑے ہوئے۔

اول کفر و بت پرستی۔ کیوں کہ اس کی تو اسلام نے دنیا میں ظاہر ہوتے ہی بیخ کنی کی مکے کے قریش جو مسلمانوں کے قرابت دار اور بھائی بند تھے سب سے اول مقابل ہوئے اور بڑی بے رحمی اور بے مروتی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مار پیٹ گالی گلوچ قتل و ضرر رسانی کا کوئی دقیقہ ان غریب مسلمانوں سے اٹھا نہیں رکھا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان وطنِ عزیز سے نکال دیے گئے جو سب مدینے میں آ جمع ہوئے۔

دوسرا رقیب عیسائیت تھی جو نہایت بد نما اور مہیب صورت میں ظاہر ہو رہی تھی اور ایک ایسے بیمار کی حالت میں تھی کہ جس میں صد ہا امراض نے گھر کر لیا ہو یہ بھی مقابل ہوئی اور شام کی سرزمین پر اس میں اور اسلام میں آخر کشت و خون کی نوبت پہنچی اور پھر قرنوں تک دونوں دنیا کے اکھاڑے میں لڑتے رہے اور قیامت تک لڑتے رہیں گے۔

تیسرا دشمن اور بغلی گھونسا یہودیت و مجوسیت تھی۔ آخر کار اسلام کے دل کش نظاروں نے دنیا کو اپنے اوپر فریفتہ کر ہی لیا اور یہ کشمکش اسلام کو اب بھی جہاں نیا عمل دخل کرتا ہے پیش آتی ہے اس لیے اس کے مخالفوں کے برتاوے کے لیے خدائے پاک نے ان آیات میں دستور العمل قائم کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۳) اسلام کے غیر لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں:

قسم اول جو اس سے مقابلہ نہیں کرتے اور نہ اس کی ایذا و ضرر رسانی میں سعی کرتے ہیں اب عام ہے کہ وہ اس کے ذمے یا عہد میں بھی داخل ہیں یا نہیں۔ اس قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ صلہ رحمی حسن سلوک انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا۔ اسلام کی فیاضی و ہمدردی ایسے کافروں پر بھی ہے اور ان میں سے اہلِ ذمہ کو تمدنی حالت میں کسی طرح بھی کم نہیں سمجھا گیا۔

دوسری قسم وہ ہے جو اس سے مقابلہ کرتے ہیں تکلیفیں دیتے ہیں قتل و ضرب کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے جو ان کے امکان میں ہو جیسا کہ قریش مکہ تھے۔

اب ایسے لوگوں کے ساتھ وہ مذہب (جو دنیا میں سلطنت و شوکت کے لباس میں جلوہ گر ہوا ہوا اور خدا تعالیٰ کے ان سخت وعدوں کا ایفا جو اس نے سرکشوں کے لیے کیا تھا اسی کی شمشیرِ آبدار کے قبضہ سے بندھا ہوا ہو) کیا کرے گا؟ مقابلہ اور اپنی قوت کا اجتماع۔ اجتماع قوت اعوانیہ کا یہ پہلا اصول ہے کہ مخالفوں سے یکسوئی اختیار کریں تاکہ ان پر اثر پڑے اور انتخابِ صادق ہو کر ایک لشکر قہار تیار ہو جائے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی الٹا دنیا و آخرت میں خسارہ ہوگا۔

حکم تو یہ تھا مگر اس کو کس عمدہ عبارت میں ادا فرمایا ہے اور لفظوں میں دوسرے مطالب کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا۔

اول تو کفار کے ساتھ جو قسم اول ہی کیوں نہ ہو سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ کہہ دیا لا ینھٰکم اللہ اللہ تم کو منع نہیں کرتا اجازت و رخصت دیتا ہے تاکہ کفر کی ذلت اس عارضی صلح و ذمہ سے مٹ نہ جائے۔

دوم ان تبروا وتقسطوا فرمایا کہ نیکی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جس سے یہ نکلا کہ دوستی کی اجازت نہیں دیتا۔

سوم قسم دوم کے کفار کے لیے یہ فرمایا کہ ان سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے نیکی و انصاف کا ذکر چھوڑ دیا تاکہ دونوں پہلو ملحوظ رہیں کفر و عداوت پر غور کیا جائے

تو ان سے بجز جنگ اور جواب ترکی بہ ترکی کے اور کچھ نہ کیا جائے تاکہ دنیا سے کفر کا جھنڈا اُکھڑے اور جو ان میں سے کسی کی حالتِ زار فقر و فاقہ و مصیبت پر خیال کیا جائے تو نیکی اور حسن سلوک کرو دبھوکے کو کھانا کھلاؤ ننگے کو کپڑے پہناؤ تمہاری عدالت میں ان کا جھگڑا آئے تو انصاف کرو۔

چہارم قاتلوکم فی الدین میں مسلمانوں کو جوشِ مذہبی دلایا۔ واخرجوکم میں جوشِ عصبیت و حمیت وغیرہ کو دوبالا کر دیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ
اے ایمان والو! جب کہ تمہارے پاس

الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ
ایمان دار عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کر لو

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ
اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم جان لو کہ

مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ
وہ ایمان دار ہیں تو ان کو کافروں کی طرف نہ بھیجو

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ
نہ یہ عورتیں ان کو حلال ہیں نہ وہ کافر ان عورتوں کو

لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا
حلال ہیں اور ان کافروں کو دے دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اور تم پر

جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں

اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا
جب کہ تم ان کے مہر دے چکو اور

تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا
کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان

مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ
عورتوں پر خرچ کیا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ ؕ
اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے بیچ صادر فرمایا

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ
اور اللہ بہت جاننے والا حکمت والا ہے اور اگر

فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
تمہاری بیویوں میں سے کوئی چلی جائے

اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ
کافروں کی طرف پھر تمہاری باری آجائے تو تم ان مسلمانوں کو دیدو

ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ
کہ جن کی بیویاں چلی گئیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾
اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو

ترکیب

مہٰجرٰت حال من المؤمنٰت فامتحنوھن جواب اذا۔ اللہ اعلم جملہ معترضہ مومنٰت مفعول ثان لعلمتم ھن مفعول اول فلا ترجعو ھن الجملۃ جواب الشرط لا ھن الجملۃ فی موضع التعلیل لقولہ فلا ترجعوا و لا تمسکوا من الامساک وقرء ابو عمرو و یعقوب بالتشدید والاخرون بالتخفیف بعصم جمع عصمۃ و ہی ما یعتصم بہ من العقد والنسب والعہد والمراد ہہنا النکاح الکوافر جمع کافرۃ وان فاتکم ای سبقکم وانفلت منکم شیٔ فاعل فاتکم من ازواجکم بیان لشیٔ وایقاع شیٔ للتحقیر والاشباع فی التعمیم اوشیٔ من مہور ازواجکم فعاقبتم ای فجاءت عقبتکم ای نوبتکم من اداء المہر شبہ الحکم باداء ہٰؤلاء مہور اولٰئک تارۃً واداء اولٰئک مہور نساء ہٰؤلاء تارۃً بامر

يتعاقبون فيه كما يتعاقب فى الركوب وغيره قال المبرد فعاقبتم اى فعلتم مافعل بكم يعنى ظفرتم وهو من قولك العقبى لفلان اى العاقبة ومعنى العاقبة الكرة الاخيرة وقال ابن عباس ومسروق ومقاتل معنى عاقبتم غنمتم وغزوتم معاقبين غزوا بعد غزو وكانت العقبى والغلبة لكم وقيل اصبتم الكفار فى القتال بعقوبة حتى غنمتم. قرى حميد الاعرج فعقّبتم بالتشديد وقرء الزهرى بالتخفيف بغير الف وقرء مجاهد فاعقبتم اى صنعتم بهم كما صنعوا بكم. فهو معطوف على فاتكم فى حيز الشرط فاتوا الخ جوابه مثل مفعول ثان فاتوا۔

تفسیر

دشمنِ اسلام تین قسم کے تھے :-

اول وہ کہ ان کی دشمنی ہنوز باقی تھی۔

دوم کہ جن کی دشمنی دور ہو جانے کی امید تھی۔

سوم وہ کہ ان کی دشمنی جاتی رہی تھی اور وہ مطیعِ اسلام ہو گئے تھے۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے ان کے احوال بیان فرما کر ہر ایک فریق سے ان کے مناسب معاملہ کرنے کا حکم دیا۔

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابرٰھیم الخ میں اول قسم کے کفار کا حکم دیا کہ ان سے بالکل ترک کرنا چاہیے۔

اور دوسری قسم کے لوگوں کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا عسى اللہ ان یجعل بینکم و بین الذین عادیتم منھم مودۃ کہ ان سے ایک روز دوستی ہو جائے گی حسنِ معاشرت سے پیش آؤ۔

تیسری قسم کے کفار کا حال اور حکم ان آیات یاایھا الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنٰت مھٰجرٰت میں بیان فرماتا ہے کہ اب جو کفار میں اور تم میں بمقام حدیبیہ صلح و عہد ہو گیا ہے وہ دشمنی تمام ہو گئی ان سے عدالت و انصاف کی کارروائی کرو جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بخاری نے روایت کی ہے کہ بمقام حدیبیہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور کفارِ مکہ میں صلح ہوئی اور عہدنامہ لکھا گیا اور سہیل بن عمرو کفار کی طرف سے عہدنامہ لکھ رہا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ ہمارا جو کوئی اے محمدؐ تیرے پاس بھاگ کر آئے تو آپ اس کو ہمارے حوالے کر دیں اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ شرط شاق معلوم ہوئی اور انکار کیا مگر اس نے نہ مانا آخر لکھی۔ اسی روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل سہیل مذکور کے بیٹے کو جو مکہ سے بھاگ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اس کے حوالے کیا[1]۔ یہ معاملہ مردوں کے ساتھ تھا مگر عورتوں کی بابت اس عہدنامہ میں کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔ اس عرصے میں چند عورتیں بھی مکہ سے محض دینِ اسلام اختیار کرنے کی غرض سے مسلمانوں میں آ لیں من جملہ ان کے سبیعہ بنت حارث قبیلہ اسلم کی بھی آئی اور عہدنامہ لکھ کر اس پر مہر ہو چکی تھی اس کے پیچھے اس کا خاوند بھی آیا جس کے نام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں مسافر مخزومی۔ مقاتل کہتے ہیں اس کا نام صیفی بن راہب تھا۔ اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری بیوی کو میرے ہمراہ کر دیجیے آپؐ نے ہمراہ نہ کیا کس لیے کہ یہ آیت نازل ہو گئی تھی۔ اس آیت میں عورتوں کا دینا ممنوع ہو گیا۔

[1] اس میں بھی مصلحتِ الٰہیہ تھی وہ یہ کہ یہ لوگ مکہ کو واپس نہ گئے نہ مدینے میں رہے بلکہ ایک مقام تجویز کر کے کفارِ مکہ کے آیندہ روند کو لوٹنا شروع کر دیا، جس سے کفار نے ان کو مدینے ہی میں رہنا غنیمت جان کر واپس لینے کی درخواست کو چھوڑ دیا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کا دریا جوش زن تھا لوگ مسلمان ہوتے تھے مگر اپنے وطنوں میں کفار برادری سے امن نہ تھا۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آتے تھے مکہ کے لوگوں سے صرف مردوں کی بابت معاہدہ ہو گیا تھا اس آیت نے کھول دیا کہ عورتوں کی بابت معاہدہ نہیں وہ ہرگز واپس نہیں دی جائیں گی کس لیے کہ کفر و اسلام میں زوجیت باقی نہیں رہتی نہ کافر مرد کو مسلمان عورت حلال ہے نہ مسلمان عورت کو کافر مرد مگر شرط یہ تھی کہ وہ عورت خاص اسلام کے لیے ہجرت کر کے آئی ہو کسی مرد یا دنیوی خواہش یا اپنے شوہر کی نفرت سے نہ آئی اس لیے سب سے اول اس آیت میں اسی مسئلہ کی تشریح ہوئی۔

فقال یا یہا الذین امنوا اذا جاء کم المؤمنت مہجرت فامتحنوھن کہ اے مسلمانو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کر لو کہ آیا دراصل دین کے لیے آئی ہیں یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے؟ امتحان آزمائش قرآن میں اس کا کوئی خاص طریقہ بیان نہیں ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حلف دے کر پوچھتے تھے کہ تو اپنے خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی مرد کی رغبت سے یا کسی دنیاوی غرض سے تو نہیں آئی؟

اللہ اعلم بایمانھن حقیقت الامر اور ان کا ایمان تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں احکام شرع ظاہر پر جاری ہوتے ہیں جب وہ حلف سے ایمان ظاہر کر دیں تو تمہیں اعتبار کرنا چاہیے کسی بدگمانی کو دخل نہ دینا چاہیے۔ اور نیز ان کے ایمان کی تائید بھی ہے کس لیے کہ امارات تو ظاہر ہیں مگر وطن و اقارب کا چھوڑنا ان پاک باطن بیبیوں کا محض ایمان اور محبت الٰہی سے تھا۔

فان علمتموھن مؤمنت فلا ترجعوھن الی الکفار اگر تم کو یقین ہو جائے کہ وہ ایمان والیاں ہیں تو پھر ان کو کفار کے پاس نہ جانے دو کس لیے کہ لاھن حل لھم یہ عورتیں ان کفار شوہروں کے لیے حلال نہیں ولا ھم یحلون لھن اور نہ وہ کافر شوہر ان کو حلال اور جائز بنا سکتے ہیں۔

پہلا حکم

ان آیات میں یہ پہلا حکم ہے کہ کفار کی بیویاں اگر اسلام لا کر مسلمانوں کے گروہ میں آملیں تو ان کا نکاح سابق باقی نہیں رہتا کبھی مسلمان عورت کافر کے لیے نہیں، کوئی مسلمان عورت کسی ہندو یا نصرانی یا مجوسی یا یہودی یا کسی غیر مذہب والے سے نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا بلکہ حرام کاری ہوگی۔ بادشاہ اسلام کا فرض ہے کہ ان کو جدا کر دے اور جو نہ مانیں تو سزا دے تاکہ ملک بدکاری سے پاک رہے اس پر جمہور اہل اسلام کا اتفاق ہے۔

ف ۱ جب کوئی عورت مسلمان ہو جائے یا اسلام کے ارادے سے مسلمانوں کے گروہ کی طرف سفر کرے بایں نیت کہ پھر کفار میں نہ جائے گی اس کا نکاح کافر شوہر سے فسخ ہو گیا۔

اب مسلمان عورت کو مسلمان مرد سے نکاح درست ہے پہلے خاوند کا جو کافر تھا کچھ تعلق باقی نہیں رہا، اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت کے بعد یوں فرماتا ہے و لا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیتموھن

---

۱ اسی طرح مرد اسلام لائے یا بہ ارادۂ اسلام دار الاسلام کی طرف آئے اس کی کافرہ بیوی سے اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے ان دونوں میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔

(عینی شرح ہدایہ باب العدۃ)

اجورهن کہ مسلمانوں پر ان مہاجرات عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کے مہر ادا کر دیں۔

مہروں کا ادا کرنا اس حکم کے لیے دائمی قید نہیں بلکہ اس واقعے کے لحاظ سے یہ قید لگائی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آیا تھا، وہ یہ کہ کفار مکہ سے عہد نامہ ہو چکا تھا اور مکہ والوں کی عورتیں ہجرت کر کے مدینے میں آئی تھیں۔ یہ واپس نہ بھیجی جاتی تھیں بلکہ ان کا نکاح مسلمانوں سے درست تھا مگر بموجب اس باہمی مصالحت کے یہ ضرور ہوتا تھا کہ ان کے کافر خاوندوں نے جو مہر ان بیویوں کو دیے تھے وہ واپس دیے جاتے تھے چنانچہ اس آیت سے پہلے جملے میں اس کا ذکر تھا واٰتوهم ما انفقوا کہ ان کافروں نے جو کچھ اپنی بیویوں پر صرف کیا ہے وہ دیدو۔

ما انفقوا جو کچھ خرچ کیا۔ گرچہ لفظ عام ہے روٹی کپڑے دیگر عطیات کو بھی شامل مگر مراد مہر ہے کس لیے کہ اور چیزیں عرف میں کم واپس لی جاتی تھیں جدائی کے وقت مہر ضرور واپس لیا جاتا تھا۔

اب یہ مہر کون دے؟ بیت المال دے اگر اس عورت سے کسی نے نکاح نہیں کیا ورنہ جس نے نکاح کیا وہ عورت کو مہر دیدے اور یہ مہر اس مہر کے بدلے میں جو اس نے کافر خاوند سے وصول کیا تھا واپس دیدے۔ مہر جدید جو مسلمان مرد سے بندھا وہ اسی قدر ہونا چاہیے کہ جس قدر اس کافر نے دیا تھا۔ اس میں اور علماء کے اقوال بھی شاید کچھ ہوں۔

مگر اس بات کی تشریح آیت میں نہیں کہ مہاجرہ عورت سے مسلمان مرد آیا عدت کے بعد نکاح کرے یا فوراً؟ ہدایہ کتاب العدۃ میں لکھا ہے وکذا اذا خرجت الحربیۃ الینا مسلمۃ فان تزوجت جاز الخ وهذا کله عند ابی حنیفۃ وقالا علیها وعلی الذمیۃ العدۃ کہ اس عورت پر عدت نہیں، مگر صاحبین کے نزدیک عدت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں آیت لا جناح میں عدت کی کوئی قید نہیں۔ صاحبین کہتے ہیں گو نہ ہو مگر اس بات کے امتیاز کے لیے کہ پہلے کافر خاوند کا حمل ہے یا نہیں عدت ضرور ہے کس لیے کہ اگر اس کو حمل ہے تو نکاح درست نہیں اور جو درست بھی کہا جائے تو صحبت کرنا وضع حمل تک قطعاً ممنوع ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ اور نیز امام احمد اور ابوداؤد اور دارمی نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی عورتوں کی بابت جن کو مسلمان اسیر کر کے لائے تھے یہ فرما دیا تھا کہ حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک وہ نہ جنے اور بغیر حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک کہ ایک حیض نہ ہو لے۔ استبرا کرنے کا حکم گو سبایائے اوطاس میں صادر ہوا مگر علت عامہ مہاجرات میں بھی پائی جاتی ہے۔

ف ۲ میاں بیوی کافر ہیں اور ان میں سے کوئی اسلام لا کر دار الاسلام میں چلا آوے تو ان کا نکاح جاتا رہتا ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگرچہ پھر دوسرا بھی اسلام لائے تو نکاح جدید کرنا پڑے گا واذا اخرج احد الزوجین الینا من دار الحرب مسلماً وقعت البینونۃ بینهما (ہدایہ کتاب النکاح) امام شافعی کہتے ہیں اگر اس عرصہ میں بیوی نے مسلمان ہو کر اور مرد سے نکاح نہیں کیا ہے اور اس کا خاوند بھی مسلمان ہو گیا تو نکاح جدید کی حاجت نہیں پہلا نکاح کفر کافی ہے کس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت سی عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں اور بعد میں ان کے شوہر بھی مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو آں حضرتؐ نے وہی نکاح سابق باقی رکھا۔[1]

[1] من جملہ ان کے زینبؓ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی (باقی بر صفحہ آیندہ)

مسئلہ اگر دونوں یک لخت مسلمان ہو جائیں اور ان کا نکاح کفر میں اس طور سے ہوا تھا جو ان کے نزدیک بھی درست تھا تو وہی نکاح کافی ہوگا مگر جو کسی نے اپنے ناجائز قانون یا دستور کے موافق بیٹی یا بہن سے نکاح کیا تھا تو اسلام میں یہ باقی نہ رہے گا بلکہ جدا کر دیے جائیں گے (ہدایہ کتاب النکاح)

مسئلہ اگر کافر میاں بیوی مسلمانوں کی قید میں آجائیں یعنی لڑائی میں پکڑے جائیں جیسا کہ مغلوبی کے بعد ہوتا ہے پھر ان کا باہم نکاح سابق رہا یا نہیں؟ امام شافعیؒ کہتے ہیں نکاح باقی نہیں رہا۔ یہ عورت لونڈی میاں غلام ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں باقی رہتا ہے۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک قید میں آجائے تو باقی نہیں رہتا اگر عورت ہاتھ آگئی تو مسلمان کی لونڈی ہے اگر اس کو حمل نہیں تو ایک حیض کے بعد اس سے صحبت درست ہے۔

مسئلہ اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور دار الحرب میں ہی رہے اس کا نکاح تین حیض کے بعد فسخ ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اگر اس عورت سے اس کا خاوند صحبت کر چکا ہے تو بے شک عدت کے بعد فسخ ہوگا ورنہ اسلام لاتے ہی فسخ ہو جائے گا خواہ دار الحرب ہو یا دار الاسلام۔ (ہدایہ)

دوسرا حکم

ولا تمسکوا بعصم الکوافر اور نہ تھام رکھو کافر عورتوں کی عصمت۔ یعنی ان کو اپنے نکاح میں نہ سمجھو کہ ان کی حفاظت عصمت کی طرف تمہیں حاجت پڑے۔ بلکہ ان کو چھوڑ دو کسی مرد سے نکاح کریں یا نہ کریں تم کچھ علاقہ نہ رکھو۔ جو لوگ ہجرت کر کے مدینے چلے آئے تھے اور مکے میں ان کی بیویاں اسی کفر کی حالت میں تھیں مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔

زہری کہتے ہیں اس آیت کے بعد عمر بن الخطابؓ رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکے میں رہ گئی تھیں چھوڑ دیا ایک کا نام قریبہ تھا جو ابی امیہ بن المغیرہ کی بیٹی تھی جس نے اس کے بعد معاویہ بن ابی سفیان سے مکے میں نکاح کیا اور اس وقت وہ دونوں مشرک تھے۔ دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن جرول کی بیٹی تھی عبد اللہ ابن عمرؓ کی ماں۔ اس سے ابو جہم بن حذانہ بن غانم نے نکاح کیا اور وہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے۔

ف اسلام نے مسلمانوں و کافروں کے مابین ایک عظیم الشان تفرقہ پیدا کر دیا تھا اسلام اور شرک میں کوئی رشتہ نہ رکھا تھا جس کی صادق الایمان صحابہؓ نے بڑی خوشی سے تعمیل کی جو ان کی صداقت اور سچے جوش کا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر اعجاز کا کامل نمونہ تھا۔ مگر اسلام کے سبب اس بیوی سے مفارقت ہے کہ جس سے اسلام میں بھی نکاح درست نہیں۔ مثلاً اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہے اور خاوند کسی اور مذہب کا تھا اس نے اسلام قبول کر لیا اس صورت میں بیوی خاوند سے جدا نہ ہوگی زوجیت باقی رہے گی کس لیے کہ مسلمان مرد کا اہل کتاب عورت سے نکاح درست ہے ہاں اگر عورت کسی ایک مذہب کی تھی اور مرد اہل کتاب تھا، عورت مسلمان ہوگئی نکاح فاسد ہو جائے گا کس لیے کہ مسلمان عورت بجز مسلمان کے اور کو درست نہیں (ہدایہ وغیرہ کتابوں میں ایسا ہی ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صاحبزادی ہیں وہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینے چلی آئیں اور ان کے شوہر ابو العاص مشرک مکہ میں رہے پھر جب وہ بھی مسلمان ہو کر مدینے میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کر دیا ۱۲ منہ

تیسرا حکم

وسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا تمہاری جو عورتیں کافرہ ہیں اور کافروں سے انہوں نے نکاح کر لیا ہے اور تم نے ان کو مہر دیا تھا وہ تم واپس لے لو۔ اور جو کافروں کی عورتیں مسلمان ہوکر تمہارے پاس آ گئیں اور انہوں نے تم سے نکاح کر لیا ہے تو کافروں نے جو مہر دیا تھا واپس کر دو

ذلکم حکم اللہ یحکم بینکم واللہ علیم حکیم یہ اللہ کا حکم ہے تمہارے لیے۔ اس کے فوائد اور حکمتیں وہی خوب جانتا ہے کس لیے کہ اللہ علیم بڑا علم والا حکیم حکمت والا ہے۔

واضعانِ قوانینِ ملی وقومی وسیاسی کے قوانین و احکام جب ہی قابلِ پذیرائی ہوتے ہیں کہ جب ان کو علم بھی ہو عواقب امور پر نظر ہو طبائع بشریہ و خواصِ قومیہ و ملکیہ سے واقف ہوں اور اس کے ساتھ رفق وسہولت و تدابیر برجستہ بھی پہچانتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ان باتوں میں کون زیادہ ہے؟ بلکہ وہ سب سے زیادہ ہے پھر خرابی ہے اس ملک وقوم کی جس کے واضعان قوانین ان باتوں سے واقف نہ ہوں نہ ان میں رعایت مصالحہ کا مادہ ہو بلکہ وہ جاہل ہوں یا غیر لوگ اپنے طبائع اور خیالات پر دوسرے لوگوں کو حکومت اور شوکت کے دباؤ سے مجبور کرتے ہوں اس لیے شریعتِ محمد علی صاحبہا الف الف تحیہ وسلام سے کوئی قانون اور دستور العمل بہتر نہیں ہے بشرطیکہ اس بات کے سمجھنے کا دماغ بھی رکھتا ہو۔

ف یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟ یعنی اب اگر ایسا واقعہ ہو تو کیا مہر لینے اور دینے چاہییں؟ اکثر کے نزدیک یہ حکم محدود اور موقت تھا کفار مکہ کے لیے بموجب عہد نامہ حدیبیہ کے۔ کفار عرب میں بھی مہر دینے کا دستور تھا وہ عورت کو پہلے دے دیا کرتے تھے اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا اس لیے عہد نامہ ہونے کے بعد یہ واپسی قائم رکھی کیوں کہ کفار کی بیویاں جو مہر لے چکی تھیں مسلمان ہوکر مسلمانوں میں آ ملتی تھیں اور مسلمانوں کی مہر دی ہوئی عورتیں جو اسلام نہیں لاتی تھیں کفار کے پاس رہ جاتی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد پھر اس حکم کی ضرورت نہ رہی عرب کے اور قبائل کی عورتیں مسلمان ہوکر آئیں نکاح مسلمانوں سے کیے یا ان قبائل کے لوگ بیویاں چھوڑ کر مسلمان ہوئے، مہر نہ لیے گئے نہ دیے گئے۔ اس لیے دار الحرب کے کفار کی بابت تو یہ حکم ہرگز نہیں۔ اور ذمیوں کی بابت یہ حکم نہیں کوئی ذمی عورت مسلمان ہوکر مسلمان سے نکاح کر لے تو مسلمان کو اس کے ذمی شوہر کا مہر یا خرچ شادی واپس دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو تو دینا چاہیے۔

چوتھا حکم

وان فاتکم شیءٌ من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم فاتوا الذین ذہبت ازواجہم مثل ما انفقوا کہ جو تمہاری بیویوں میں کوئی کفار کی طرف جائے اور تمہاری نوبت آئے تو تم وہ مہر جو مہاجرہ کی بابت اس کے پہلے خاوند کافر کو دینا تھا ان مسلمانوں کو دیدو جن کی بیویاں مہر پاکر کفار کے پاس چلی گئیں۔

عام مفسرین اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر تمہاری بیویوں میں سے مرتد ہوکر کفار کے پاس چلی جائیں الخ مگر بغور دیکھیے تو تعمیم ہے جو ان کو بھی شامل ہے کہ جن کی بیویاں مسلمان نہیں ہوئیں اور کفار ہی کے پاس رہ گئیں، اور مہر پا چکی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ چند عورتیں اس قسم کی تھیں جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی تھی فاتکم شیءٌ من ازواجکم الی الکفار

ان لوگوں پر صادق آتا ہے اور یہ بھی ہے کہ جن کی بیویاں وہاں رہ گئیں تو ان مہاجرات کا مہر جو ان کے کفار خاوندوں کو دینا چاہیے تھا ان مسلمانوں کو دینا چاہیے کہ جن کی عورتیں مہر پاکر وہیں رہ گئیں چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمانوں کو غنیمت میں سے مہر دیا تاکہ حساب برابر ہو جائے کس لیے کہ کفار سے ان عورتوں کا مہر لینا تھا جو ان کے ہاں رہ گئیں اور ان کی عورتیں جو یہاں آئیں ان کا مہر واپس کرنا تھا وہ اس میں وضع ہو گیا۔

عاقبتم کے معنی میں بھی علماء کے کئی قول ہیں :-

ایک یہ کہ تمہاری باری آئے مہر لینے کی اس صورت میں کہ تمہاری بیویاں کفار کے پاس رہ جائیں۔

دوم یہ کہ تم کفار سے جہاد کر کے غنیمت حاصل کرو۔

ع ٢ ٨

ان سب باتوں کے بعد یہ بھی فرمادیا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون کہ تم اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ یہ جملہ تمام احکام کی پابندی پر ابھارنے والا ہے۔

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ

اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ

اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ

شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا

بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ

يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ

اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں

بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ

کے سامنے (یعنی روبرو دیدہ و دانستہ) کوئی بہتان

وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ

باندھیں گی اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی

مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ

نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول کر اور ان کے لیے اللہ

لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

سے بخشش مانگ اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا

اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی

قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ

نہ کرو جن پر اللہ غصہ ہوا وہ تو

يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ

آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے کہ جیسے

الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

کافر قبر والوں سے ناامید ہو گئے۔

ترکیب

اذا جاءک شرط یبایعنک حال من المؤمنٰت ولا یسرقن وما بعدہ معطوف علیٰ ان لا یشرکن یفترینہ نعت لبہتان او حال من الضمیر فی یاتین فبایعہن وما عطف علیہ جواب الشرط غضب اللہ علیہم الجملۃ نعت لقوما قد یئسوا الخ نعت اخریٰ من اصحٰب القبور متعلق بیئس ای یئسوا من بعث اصحاب القبور ویمکن ان یکون حالا ای کائنین من اصحٰب القبور والکاف فی کما فی محل النصب۔

تفسیر

پہلی آیات میں مومنات کے امتحان کا ذکر تھا جب کہ وہ ہجرت کر کے آئیں اور اس کے بعد ہجرت سے جو تفرقہ کافر خاوند اور بیوی میں تھا اس کے احکام تھے کہ باہمی معاہدے

کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ اب یہاں ان عورتوں کے احکام بیان کرتا ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کو آتی تھیں کہ اگر وہ ان باتوں پر بیعت کریں یعنی عہد موثق کریں تو بیعت قبول کر لے۔

(۱) کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ عرب میں بت پرستی عام تھی عورتیں اس بلا میں زیادہ مبتلا تھیں، اب بھی توہمات باطلہ اور تخیلات فاسدہ کی پرستش اسی گروہ میں مردوں کی نسبت زیادہ ہے اس لیے سب سے اول اسی اہم بات کو پیش کیا۔

(۲) چوری نہ کریں گی۔ چوری اگرچہ مردوں کے لیے بھی سخت عیب اور بدنما دھبہ ہے لیکن عورت کے حق میں اور بھی زیادہ عیب ہے خصوصاً خانہ داری میں خاوند سے چوری خانہ بربادی کا سبب ہے اس کے بعد اس کو منع کیا۔

(۳) زنا نہ کریں گی۔ زنا مردوں کے لیے بھی برا کام ہے مگر معاذ اللہ عورت کے لیے تو اور بھی شرمناک دھبہ ہے جو اس کی اولاد اور خاندان سے بھی دور نہیں ہوتا اور گو توبہ کر کے یہ عورت محاسبۂ آخرت سے پاک ہو جائے مگر دنیا میں تو عمر بھر کلنک کا ٹیکا ہے۔ لیکن شرفا عورتیں ایسا کام نہیں کرتیں اور بہت کم ان سے یہ حرکت وقوع میں آتی ہے اس لیے چوری کے بعد اس کو ذکر کیا۔

خاوند کے مال میں سے کچھ چرا لینا شرفا عورتیں ایسا بڑا عیب نہیں سمجھتی تھیں۔ چوری عام لفظ ہے پیسہ سے لے کر بے انتہا تک خواہ نقد کی ہو خواہ گھر کے اسباب کی ہو میاں کی بے اجازت اس کی کوئی چیز چھپانا یا اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں یا اور کسی کو دے دینا سخت معصیت ہے اور خدا تعالیٰ کی باز پرس کا باعث اور دنیا میں اس کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ اس عورت سے خاوند کو نفرت ہو جاتی ہے اور پھر خاوند کے گھر کا پورا اختیار اس کو نصیب نہیں ہوتا۔ امانت و دیانت عجب چیز ہے۔

زنا جس طرح ممنوع ہے اسی طرح اس کے دواعی بھی ممنوع ہیں یعنی وہ باتیں جو زنا کا باعث اور سبب ہیں غیر محرم کا گھر میں آنے دینا یا اس سے بے ضرورت باتیں اور اخلاق کا اظہار کرنا یا اس سے تخلیہ کرنا اور اسی طرح خاوند کے گھر سے باہر جانا اور غیروں کے ساتھ سیر و تفریح میں باغوں سیر گاہوں میں جانا یا فحش اور شہوت انگیز قصہ کہانی کی کتابیں دیکھنا یا سننا جیسا کہ فسانہ عجائب، بدر منیر وغیرہ اخلاق کو برباد کرنے والی کتابیں ہیں یا نئے ناول نکلے ہیں۔ اسی طرح ناچ رنگ کی محفلوں میں شریک ہونا ان کی شہوت انگیز نقل و حکایات سننا، یا آپ گا کر لوگوں کو سنانا یا اپنے زیور یا کپڑے کی جھلکی دکھانا شراب و مسکرات کا استعمال کرنا یہ ساری باتیں زناکاری کے دروازے ہیں جن میں یہ باتیں ہیں وہاں زناکاری کی بھی کچھ انتہا نہیں۔ جس قدر ترقی ہوتا ہے یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں وہیں زناکاری بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ برخلاف قری و قبائل کے لوگوں کے کہ ان میں یہ کم ہے۔ اور اس لیے عصبیت اور جواں مردی بھی ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ زناکار قوم میں غیرت نہیں رہتی۔ انجام کار وہ قوم دنیا میں تنزل اور پستی کا منہ دیکھتی ہے۔

اس بات پر ایک روایت یاد آئی جس کو مفسرین نے اس مقام پر نقل کیا ہے وہ یہ کہ فتح مکہ کے دن جب عموماً وہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے اور مردوں کی بیعت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مسلمان عورتیں بھی بیعت کے لیے آمادہ ہوئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھے اور حضرت عمر نیچے تھے عورتوں نے بیعت کرنی شروع کی۔ انہیں امور پر ہند بنت عتبہ زوجۂ ابی سفیان بھی برقع اوڑھے بے پہچانے پیش ہوئیں[1]

[1] یہ ہند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے (باقی برصفحہ آئندہ)

حضرت عمرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت لے رہے تھے، جب آں حضرتؐ نے فرمایا اللہ سے شرک نہ کرنا۔ ہند نے سر اٹھایا اور کہا کہ ہم نے اب تک بت پرستی کی تھی، آپ ہم سے وہ عہد لیتے ہیں جو مردوں سے نہیں لیا ان سے تو صرف اسلام وجہاد پر عہد لیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا چوری نہ کرنا۔ اس پر ہند نے کہا ابوسفیان کنجوس آدمی ہے اس کے مال سے میں نے کچھ لے لیا اب نہیں معلوم کہ حلال ہے یا حرام ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میرے مال سے جو کچھ تو نے پہلے لے لیا یا آئندہ لے سب تجھ کو معاف اور حلال ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ہند کو پہچان لیا اور فرمایا کیا تو ہند عتبہ کی بیٹی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! جو کچھ مجھ سے پہلے قصور سرزد ہوا معاف کیجیے اللہ آپ کو معاف کرے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا زنا نہ کرنا۔ ہند نے کہا کیا شریف بی بیاں بھی زنا کرتی ہیں؟ یہ تو چھوکریوں لونڈیوں کا فعل ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ہند نے یہ کہا کہ ان بیبیوں میں سے کسی نے کبھی یہ کام نہیں کیا[1]۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا (۴) ولا یقتلن اولادھن کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ عرب میں دستور تھا کہ دامادی کی عار وننگ سے بیٹیوں کو مار ڈالتے تھے اس کی بھی ممانعت ہوئی۔ اس پر ہند نے کہا ہم نے تو ان کی لڑکپن میں پرورش کی جب وہ بڑے ہوئے تو تم نے ان کو مار ڈالا اب تم جانو وہ جانیں[2]۔ اس پر حضرت عمرؓ کو اس قدر ہنسی آئی کہ لوٹ گئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم کیا۔

(۵) ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن پھر فرمایا کوئی بہتان نہ باندھے۔ یہ لفظ عام ہر قسم کے بہتان کو شامل ہے خواہ کسی پر چوری کا بہتان لگایا جائے یا زنا کا۔ عورتوں میں یہ عادت بد بہت ہے کہ وہ جھٹ پٹ بدگمان ہو کر بہتان لگا دیتی ہیں۔ اس سے بھی منع کیا، وہ خاوند پر بہتان لگا دینا تو ایک ادنیٰ بات سمجھتی ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ کسی غیر کے بیٹے کو اپنے خاوند کی اولاد نہ بناؤ۔ فراء کہتے ہیں کہ عرب میں عورتیں کسی کا بچہ اٹھا لاتی تھیں اور خاوند سے کہہ دیتی تھیں کہ یہ میرا بچہ ہے تجھ سے۔ یہ ہے وہ بہتان کہ جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے بنایا گیا اور یہ اس لیے کہ لڑکا جب دودھ پیتا ہے تو ماں اس کو سامنے ڈال لیتی ہے اور وہ اس کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے ہوتا ہے۔ مگر اس کے معنی دیدہ ودانستہ کے ہیں بین ایدی محاورہ ہے اس معنی میں کہ دیدہ ودانستہ کسی پر بہتان نہ باندھو۔ یہ بھی سخت جرم ہے۔ (آں حضرتؐ نے جب اس حکم پر ہند سے بیعت لی تو) اس کے بعد ہند نے کہا واللہ بہتان بری بات ہے اور آپ عمدہ باتیں اور مکارم اخلاق سکھاتے ہیں۔

(۶) ولا یعصینک فی معروف پھر فرمایا اور کسی نیک بات میں رسول کی نافرمانی نہ کریں۔ یہ بڑا وسیع لفظ ہے اس میں اور سب عمدہ باتیں آگئیں اگر ان چھے باتوں پر عہد کرلیں اور اس پر بیعت کریں تو اے نبی! ان کی بیعت قبول کرلے اور ان کے پہلے گناہوں پر اللہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بڑی دشمن تھی، حضرت حمزہؓ کا کلیجہ دانتوں سے اسی نے چبایا تھا اس کا ایک بیٹا حنظلہ تھا بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا ۱۲ منہ

[1] اللہ رے شرافت وعصبیت کفر وبت پرستی میں بھی یہ کام نہایت برا اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ تف ہے ان پر کہ بہن بیٹیوں سے یہ کام کرانے اور ان کی کمائی سے عمدہ کپڑے پہن کر اینٹھتے پھرتے ہیں ۱۲ منہ

[2] یہ جنگ بدر کے مقتولوں کی طرف اشارہ تھا جن میں اس کا بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا ۱۲ منہ

معافی مانگ، اللہ غفور رحیم ہے۔ اس بیعت پر قائم رہنے کا یہ صلہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اگلے جہان میں جہاں نئی زندگانی ہے عیش و آرام ابدی ہے۔

عورتوں کی تربیت
اسلام اور نئی تہذیب میں

آج کل نئے علوم اور نئی روشنی کا بہت کچھ زور شور ہے اور نئی تہذیب یافتہ قومیں جو عیسائی مذہب کے برائے نام پابند ہیں اس امر میں بہت کچھ دعوے کرتے ہیں کہ عورتوں کی تعلیم پر ان کی بڑی ہمت مصروف ہے اور اپنے کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم یافتہ عورتوں کو فوقیت دیتے ہیں۔ اور دیگر اسباب تمدن کے علاوہ ناچنا گانا بھی سکھاتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہو اگر ان میں یہ پچھلے باتیں نہیں تو کسی غیرت مند آدمی کے نزدیک ان کا درجہ ایک بازاری عورت سے بھی زیادہ نہیں جو دل ربائی اور عیش و نشاط کے طریقے اپنے خانگی مکتبوں میں سیکھ کر بیٹھتی ہیں۔ ان چند باتوں کے علاوہ سینا پرونا اور ہنرمندی کی باتیں بھی اگر عورت میں ہوں تو نورٌ علیٰ نور۔

اسلام اپنی تعلیم نسواں میں نہ صرف بائیبل پر بلکہ بڑے حکیموں پر بھی فخر کر سکتا ہے۔ زمانہ حال کے غیرت مند تعلیم یافتہ سے وہ صدمہ پہنچنا چاہیے جو اس کو اپنی دل ربا بیوی کی خیانت اور سرکشی اور غیروں کے ساتھ اختلاط کرنے سے ہوتا ہے۔ ہندستان میں ایک جماعت ہے جو فرنگیوں کی ہر ہر بات میں تقلید کرنا ہی ترقی جانتی ہے۔ فرنگی تو اپنی آزادیٔ نسواں سے تنگ آگئے ہیں اور یہ اپنی نیک بیویوں کو اسی طرح آزاد ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں یہ کیا کہ بیوی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے، بجز ہمارے اور کسی مرد کی شکل بھی نہیں دیکھتی اس کی عقل میں فراخی نہیں آتی بلکہ ہمارے ساتھ بن ٹھن کر کسی تھیٹر یا مجلس میں چلے اور ہمارے جوان جوان دوست اٹھ اٹھ کر اس سے مصافحہ کریں، بغل میں لیں، پاک محبت سے بوسہ بھی لیں اور بغل میں ہاتھ دبا کر کسی کرسی پر جا بٹھائیں اور کوئی دبنگ جنٹل مین برانڈی کی بوتل چڑھائے ہوئے اس کی بغل میں ہاتھ دے کر اس کو کرسی پر سے اٹھا لے اور دونوں ناچتے ہوئے چلے جائیں اور ہارے تھکے بڑی دیر میں دورہ تمام کر کے آئیں۔ کسی روز ہماری غیبت میں ہمارا کوئی سچا دوست آئے اور سوار کرا کے اس کو سیر کرانے لے جائے اور جہاں چاہیں پھر آئیں اور جب چاہیں آئیں۔

اور کبھی یہ بھی ہو کہ بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہم کو اس کا کوئی دوست بیٹھا ہوا ملے جس کو ہم نہ پہچانتے ہوں اور ہم تہذیب کے قاعدے سے ان کے پاس نہ جا سکتے ہوں اور جب تک چاہیں وہ بیٹھے رہیں اور ہم جلا کریں اور کچھ نہ کر سکیں، ایسی باتوں سے ذہن میں فراخی ہو جاتی ہے پھر یہ پولیٹکل امور میں بھی رائے دینے کے قابل ہو جائیں گی عورتیں کسی طرح مردوں سے کم نہیں تمام باتوں میں ان کو مردوں کا ہم پہلو اور پلہ بپلہ رہنا چاہیے۔ پرانے خیالات نے ان کو اثاث البیت سمجھ رکھا تھا۔ استغفر اللہ اس نئی روشنی کے خیال کو نبوت کے پہلے ارشاد کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قوائے بہیمیہ کا کہاں تک غلبہ ہو گیا ہے۔ الامان الامان۔

بیعت

بیع۔ خریدن و فروختن۔ اسلام میں یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ قوی ہے کہ کسی بزرگ یا سردار قوم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا جاتا ہے جس کی پابندی اشد ضروری خیال کی جاتی ہے، گویا اس بیعت کرنے والے نے کسی ثواب یا رضائے الٰہی میں اس اقرار کو پورا کرنے کے لیے

اس بزرگ کی معرفت اپنے تئیں بیچ ڈالا۔

اس بیعت کی چند قسمیں ہیں:۔

اول جو بیعت اسلام میں ہوئی وہ غزوۂ حدیبیہ میں تھی، صحابہؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا تھا کہ آپ کا ساتھ دیں گے پیٹھ نہ پھیریں گے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم کہ اے نبی جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے کرتے ہیں کس لیے کہ تیرا ہاتھ ان کے ہاتھ پر اللہ کی طرف سے ہے گویا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اس کا نام بیعتِ رضوان تھا۔

دوم اسلام و جہاد پر بھی لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیا کرتے تھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

سوم بیعت ترکِ معصیت و التزام حسنات پر اس آیت میں یہی بیعت مراد ہے۔

چہارم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر بھی بیعت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی پر شروع ہوئی۔ یعنی خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے تھے اس کو بیعتِ خلافت کہتے تھے۔ خلفائے اربعہؓ اور ان کے بعد کے خلفاء کے لیے بھی یہ رسم تخت نشینی تھی۔ عباسی خلفاء بھی لوگوں سے بوقتِ خلافت بیعت لیتے تھے، یہ بھی اسلام کی قدیم سنت ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوئی۔

پانچویں قسم بیعتِ انابت ہے۔ جو پیرانِ طریقت سے کی جاتی ہے۔ دراصل یہ کوئی نئی قسم نہیں بلکہ وہی ہے یعنی تیسری قسم کی بیعت ہے جو ترکِ معصیت و التزامِ حسنات کے لیے ہے یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی ہوتی تھی۔ مگر اس میں قدرے تغیر ہوگیا ہے وہ کیا؟ وہ یہ کہ التزام اذکار، طریقہ معینہ اور ان کی روش کی پابندی۔ اس قدرے تغیر سے اس کو بدعت قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔ یہ بیعت بھی بیعتِ خلافت کی ہم عمر ہے اسی عہد سے یہ بھی جاری ہے اور بڑی مقدس جماعت میں جاری رہی اور اس کے عمدہ نتائج پیدا ہوئے تہذیبِ قوائے باطنیہ و تزکیۂ روح و اکتسابِ کمالاتِ روحانیہ اسی کے ثمرات ہیں۔

موجودہ زمانے کی پیری مریدی

مگر آج کل بعض نے تو اس کو بہت ہی بدنما کر دیا ہے یہ حالت ہوگئی ہے کہ خود بیعت لینے والا جاہل طریقت تو درکنار شریعت سے بھی محروم صرف یہی تفاخر ان کو حاصل ہے کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں سے ہیں یا کسی خانقاہ کے موروثی سجادہ نشین ہیں، پھر بیعت بھی ایک بیعت۔ کہیں شربت کا پیالہ پلایا جاتا ہے، کہیں صرف شجرہ لکھ کر دے دیا جاتا ہے، نہ کسی عمل کا تقید نہ اوراد و اذکار کی تلقین، نہ معاصی کے ترک کا اقرار لیا جاتا ہے۔ پھر بیعت کرنے والے کون؟ اکثر عوام جہلا۔ بدکار امراء شہوت پرست رنڈیاں قوال۔ اور بیعت کس لیے؟ محض اس لیے کہ اس کے سبب سے ہم جمیع آفات و بلیاتِ دنیوی سے محفوظ رہیں گے۔ آخرت میں وہ بزرگ کہ جن کی طرف یہ سلسلہ منسوب ہے خواہ ہم کچھ ہی کریں عذاب کے فرشتوں سے چھڑا کر جنت میں لیجائیں گے اور یہ سجادہ نشین بھی اسی خیال بخشش کی ترغیب کو نذرانہ حصول کرنے اور اپنی فرماں روائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بعض پیرزادے تو رنڈیوں ڈوموں بھانڈوں کو مرید کرکے ناچ مجرا دیکھتے ہیں اور اس شہوت پرستی کو فقیری اور معرفت و حقیقت کی سیڑھی سمجھتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان بدکاروں اور فواحش کا انکی قبروں پر

جگمگار بنتا ہے۔ بہت نے تو یہ پیری مریدی ذریعہ معاش سمجھ رکھا ہے۔ اگر وہ امراء اور فساق کو معصیت و ترکِ شریعت پر توبیخ کریں اور ان کے اعمالِ بد کے برے نتائج پیش آنے والوں سے ڈرائیں تو نذرانہ اور آمدنی جاتی رہے بلکہ اپنے بزرگوں کی بے انتہا قدریں بیان کر کے اور ان کے مبالغہ آمیز قصے سنا کر اور بھی جرأت دلاتے ہیں۔ ایسی پیری مریدی بدعت کیا بلکہ دام شیطانی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

عورتوں کے لیے بیعت امورِ مذکورہ پر بیان فرما کر مردوں کو حکم دیتا ہے یایھا الذین آمنوا لا تتولوا الخ کہ اے ایمان والو تم اس قوم سے دوستی اور محبت نہ رکھو کہ جس پر خدا تعالیٰ کا غضب ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ان سے غصہ ہوا قد یئسوا من الآخرۃ کما یئس الکفار من اصحٰب القبور۔ وہ قوم آخرت سے ایسی ناامید ہو گئی ہے کہ جیسا کفار مُردوں سے ناامید ہیں کہ وہ پھر جی اٹھیں گے یا یہ معنی کہ وہ قوم جس پر خدا کا غصہ ہوا ہے آخرت سے ایسے ناامید ہیں جیسا کفار جو اصحاب القبور ہیں یعنی مُردے آخرت کے ثواب سے منکر ہیں۔ چنانچہ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ کفار جب قبر میں داخل ہوتے ہیں تو رحمت الٰہی سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ کس لیے کہ قبر میں اپنے کفر اور بد اعمال کا بد نتیجہ ان کو ناامیدی دلا دیتا ہے اور دارِ آخرت کی کیفیت ان کو معلوم ہو جاتی ہے وہاں اپنے لیے کوئی بھلائی نہیں پاتے۔

یہ کون قوم ہے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ یہود مراد ہیں اور معاذ اللہ جب انسان کو دارِ آخرت کا خیال نہ ہو تو پھر اس سے کسی کو بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ دغا، فریب، عیاری سب کچھ اس سے بعید نہیں۔ اس لیے ان کی دوستی سے منع کیا گیا کہ سوائے مضرت کے اور کوئی بات حاصل نہیں۔

مسلمانوں میں کچھ لوگ فقیر و محتاج تھے، وہ یہودِ مدینہ سے جا کر ملا کرتے تھے ان سے یہود کچھ سلوک کرتے تھے اور مسلمانوں کے حالات دریافت کیا کرتے تھے اور زمانہ تھا باہمی جدال و قتال کا۔ پھر یہ غربا۔ اندرونی تدابیر سے ان کو مطلع کر دیتے تھے اس لیے منع کر دیے گئے کہ ان سے دوستی نہ کرو۔ اور قطع نظر اس کے یہ ایک مقہور و مغضوب قوم تھی اور ایسی قوم سے دوستی رکھنے والا بھی ان کے ساتھ اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس میں وہ ہونے والے ہیں۔ اور نیز بدوں کی صحبت سے حذر لازم ہے جس طرح امراض متعدیہ کا دوسرے میں اثر پہنچتا ہے اسی طرح بد کی صحبت کا اثر پڑتا ہے۔

سورۂ صف

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں چودہ آیتیں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی

آسمان و زمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس

الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ①

کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا

مسلمانو! تم ایسی بات کیوں کہہ بیٹھتے ہو جو

؎ خیر و ثواب آخرت کی ان کو کچھ امید نہیں یا تو اس لیے کہ وہ قوم یعنی یہود آخرت کے منکر تھے کس لیے کہ یہود میں ایک فریق آخرت کا منکر تھا یا اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے ہو گئے ہیں ۱۲ منہ

لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ
کرتے نہیں اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے
اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ
کہ جو کہو اور اس کو کرو نہیں بے شک اللہ تو
يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ
ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے
صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴
ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے

ترکیب

ان تقول الجملۃ بتاویل المصدر فاعل کبر مقتا تمیز منہ عند اللہ متعلق بکبر صفا حال من فاعل یقاتلون فی سبیلہ متعلق بہ۔ کانھم الجملۃ کذلک حال منہ و صفا بمعنی صافین قال صاحب الکشاف لم ہی لام الاضافۃ داخلۃ علی ما الاستفہامیۃ کما دخل علیہا غیرہا من حروف الجر کقولک بم وفیم وعم ومم و حذف الالف لان ما والحرف کشئی واحد۔

تفسیر

یہ سورت بھی بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی کہ جب ملک عرب میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کفار کا مسلمانوں پر ہر طرف سے نرغہ تھا اور مسلمانوں کی قلیل جماعت کو استقلال وجواں مردی سے اپنے دینی دشمنوں کا مقابلہ ضرور تھا، اس لیے اس سورت میں ان باتوں کی بھی ترغیب ہے۔ خدا تعالیٰ سب سے اول اس سورت میں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ ہماری مخلوق میں ہر ایک چیز ہماری قدرت و یکتائی کا نمونہ اور مظہر ہے ہر شے کا حال اور بعض کا مقال اس

بات کو بیان کر رہا ہے یہی ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ پھر اے انسان اشرف المخلوقات تو کس لیے جہل و غفلت و شہوات کے عمیق گڑھوں میں اوندھا پڑا ہے کس لیے اس کی تسبیح و تقدیس نہیں کرتا اور اس کے اوامر کو بجا نہیں لاتا اور کس لیے لاف زنی کرتا ہے؟ اے مسلمانو! اے پاک باز جماعت! تمہارا صف باندھ کر ثابت قدمی سے اعدائے دین سے لڑنا بھی تسبیح و تقدیس ہے جیسا کہ آسمانوں پر فرشتے صف باندھ کر ہماری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اسی طرح زمین پر صف بستہ ہو کر تمہاری جاں نثاری کرنا ہے اس لیے ہم کو نہایت پسند ہے۔

مباحث

(۱) کفار و مشرکین حق سبحانہٗ کی نسبت برے برے اعتقاد رکھتے تھے اور ان پر جمے ہوئے تھے اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے یک دل ہو کر مقابلہ کرتے تھے اس لیے شروع سورت میں فرمایا سبح للہ ما فی السموات وما فی الارض کہ آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے ایمان دار خدائے پاک کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور بری باتوں اور عیوب سے اس کی ذات کو مبرا ٹھیراتے ہیں اور اسی طرح ہر چیز اس کی مخلوق میں سے بزبان حال اس کی پاکی بیان کر رہی ہے پھر ان نادانوں کے عیوب لگانے سے کیا ہوتا ہے ان کے مقابلے میں ان کی کیا مقدار اور کیا اعتبار؟ اس کے بعد فرمادیا وھو العزیز الحکیم کہ کچھ آسمانوں اور زمین والوں کی تسبیح و تقدیس پر موقوف نہیں وہ خود بھی عزیز یعنی ہر شے پر غالب اور حکیم حکمت والا ہے۔ ان دو لفظوں میں بے شمار صفات حمیدہ کے ثبوت اور بری باتوں اور عیوب سے مبرا ہونے پر دلالت ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ غالب ہے کسی کا مقابلہ اس کی مرضی کو روک نہیں سکتا اور حکیم ہے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں رسولوں کو بھیجتا ہے۔

(۲) کفار و مشرکین جو بری باتیں ذاتِ پاک کی نسبت بناتے تھے اس پر ان کی سبح للہ الخ میں بڑی حکمتِ بالغہ سے تنبیہ و توبیخ کی گئی مگر اس کے ساتھ ان مسلمانوں پر بھی تنبیہ کرنا مناسب ہوا کہ جو بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے تھے اور کرتے کچھ نہ تھے کیوں کہ یہ تسبیح و تقدیس کرنے والوں کی شان سے بعید ہے یعنی ایسا کرنے والے اس جماعت میں داخل ہونے کے قابل نہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرمادیا یاایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون الخ کہ اے مسلمانو! تم کس لیے وہ باتیں کہتے ہو جو کرتے نہیں، یہ بری بات ہے۔ مسلمان جو کہے اس کو کرے بھی، صرف زبانی لاف زنی سے کچھ فائدہ نہیں۔

علماء کہتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو زبان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہارِ محبت و جلادت کرتے تھے کہ ہم آپ پر جان فدا کریں گے مگر اُحد کی لڑائی میں سست پڑ گئے اور بچر مچر کرنے لگے۔ بعض کہتے ہیں ان منافقوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو زبان سے دعوائے ایمان و جاں نثاری کا کرتے تھے مگر وقت پر کچھ بھی نہ نکلے۔ قوی تر یہی بات ہے کہ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی لاف زنی کرے اس کی نسبت ہے۔

اس آیت میں ایک سخت مؤکد حکم کی جو اس سے پچھلی آیت میں آنے والا ہے تمہید ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ یا رسول کے جانشینوں سے عہد کرو اس کو پورا بھی کیا کرو۔ اس آیت نے صحابہؓ کے دلوں میں ثبات اور بات پر قائم رہنے کا مادہ پیدا کر دیا تھا اور حقیقت میں جس قوم میں یہ مادہ نہیں وہ کبھی کسی کام میں کامیاب نہ ہوگی۔ ان کی مجلسیں اور کمیٹیاں سب بچوں کا کھیل ہیں اس لیے اس کے بعد یہ فرمادیا ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص کہ اللہ کو ان لوگوں سے محبت ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں۔ یعنی جس طرح کفار و مشرکین خدا تعالیٰ کے احکام روکتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے مغلوب کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جو اللہ کے نزدیک بہت برے ہیں اسی طرح ایمان داروں کو ان کے دفع کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑنا چاہیے۔ اس میں جہاد کی ترغیب ہے۔

صف باندھ کر لڑنے سے کیا مراد؟ لڑائی میں صف باندھ کر عرب لڑا کرتے تھے حال کے زمانے میں باقاعدہ فوجیں صف بستہ ہو کر لڑتی ہیں، اس سے مخالف پر رعب بھی پڑتا ہے اور دشمن کے مغلوب کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے کس لیے کہ صدہا آدمی بمنزلہ شخصِ واحد کے ہو جاتے ہیں پھر ان کے زور کا کیا کہنا۔ اتفاق عجب چیز ہے۔ اسلام نے عبادت سے لے کر دشمنوں کے مقابلے کے وقت تک جماعت اور اتفاق کی تاکید کر کے افرادِ متفرقہ کو جمع کر دیا، پھر صف بھی کیسی؟ کانھم بنیان مرصوص گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے یعنی غیر منتقل اور بھگوڑے نہ ہوں بلکہ آہنی دیوار کی طرح جم جائیں۔ کسی کے مرجانے زخمی ہو جانے سے تر بتر ہو کر نہ بھاگ پڑا کریں افراء کہتے ہیں مرصوص بالرصاص اس وقت کہتے ہیں کہ جب دیوار کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کر دیا جائے۔ لیث کہتے ہیں رص کے معنی ملا دینا ہے کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پتھر پر پتھر دھر کر چھوٹے پتھروں سے درز بندی کرتے تھے اس کے بعد اینٹ اوپر رکھتے تھے ایسی دیوار کو اہلِ مکہ مرصوص کہتے تھے) بعض علماء کہتے ہیں کچھ خاص صف بستہ ہونا بھی مراد نہیں بلکہ یہ ثباتِ قدمی اور باہمی اتفاق اور یک دلی کے لیے ایک تمثیل ہے۔ یعنی ایک دل ہو کر لڑنا چاہیے۔

اس آیت نے صحابہؓ کا ایک ایسا باقاعدہ اور مستحکم

لشکر پیدا کر دیا تھا جس کے مقابلے میں اسلام و ہدایت کے روکنے والے ٹھہر نہ سکے۔ قیصر و کسریٰ کے چمک دار سنیا اور زرق برق سپاہی کچھ بھی کام نہ آئے۔ ایسے لشکر کا غالب آنا تو معجزہ تھا ہی مگر سرے سے ایسا لشکر ایسے مفلس اور خود سر ملک میں پیدا کر دینا جس پر کسی خزانے سے کسی بادشاہ نے ایک کوڑی بھی صرف نہ کی ہو ایک عظیم الشان معجزہ اور کتب مقدسہ کی پیشین گوئیوں کی پوری تصدیق تھی۔ آیت کے شروع میں عزیز حکیم اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

صف بستہ ہو کر لڑنا انسان کا اپنے جمیع قوائے روحانیہ کو ابھار کر شیطانی قوتوں اور شہوات کے لشکر کو زیر و زبر کرنے کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔ اس جنگ میں بھی استقامت و استقلال شرط ہے ذرا دنیا کی تجمل دیکھا اور پھسل گئے، خواہش نفسانی نے غلبہ کیا اور اپنے تجملات دکھائے ڈگمگا گئے ایسے لوگوں کو اس ملک باقی اور شہر قدس کی سلطنت کب نصیب ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ

اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم تم مجھے

تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ

کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس

اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ

اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں پھر جب ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے

اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

دل ٹیڑھے کر دیے اور اللہ (ازلی) بدکار قوم کو

الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ

ہدایت نہیں دیا کرتا اور جب کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے

مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ

نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف

اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ

اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توریت (وغیرہ) ہے

مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ

اس کی تصدیق کر رہا ہوں اور جو میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے

مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ

جس کا نام احمد ہے خوشخبری دیتا ہوں پھر جب ان کے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

کھلی کھلی نشانیاں کر آئے تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے

ترکیب

واذ منصوب علی المفعولیۃ باضمار اذکر والجملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلہا من شناعۃ ترک القتال یقوم بیان لقولہ قال وقد تعلمون الجملۃ حال موکدۃ لانکار الایذاء والتقدیر ای تؤذوننی عالمین علما قطعیا انی رسول اللہ وقد لتحقیق العلم وصیغۃ المضارع للدلالۃ علی استمرارہ واللہ لا اعتراض تذییلی مقرر لمضمون ماقبلہ من الازاغۃ واذ قال عیسی اما معطوف علی اذ الاولی معمول لعاملہا واما معمول لمضمر معطوف علی عاملہا۔ مصدقا حال موکدۃ والعامل فیہا رسول او مادل علیہ الکلام ومبشرا حال ایضا ای ارسلت الیکم حال کونی مصدقا لما تقدمنی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ الجملۃ فی موضع خبر نعتا لرسول او فی موضع نصب حالا من الضمیر فی یاتی۔

تفسیر

پہلے بعض لاف زنوں کی برائی بیان ہوئی تھی اور اللہ کی

راہ میں ثابت قدم ہو کر مخالفانِ راہِ راست کے مقابلے کا حکم تھا۔ وہ لاف زن جن کو بسبب ظاہری ایمان کے مؤمن کے لفظ سے تعبیر کیا در اصل منافق تھے وہ علاوہ لاف زنی کے پیغمبر علیہ السلام کی جناب میں اور نیز مخلصین اہلِ ایمان کے حق میں بدگمانی اور تمسخر بھی کیا کرتے تھے اور ایذائیں بھی دیا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دیتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، موسیٰؑ کو بھی باوجود صدہا معجزات دیکھنے کے اس کی قوم نے ایذائیں دیں اور اس پاک باز بندے نے سہیں، اس لیے فرمایا واذ قال موسٰی لقومہ یٰقوم لم تؤذوننی وقد تعلمون انی رسول اللّٰہ الیکم کہ یاد کر جب کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم کی پے درپے ایذاؤں کے بعد ان سے یہ کہا کہ اے قوم مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں، یوں بھی کسی ہادی اور خیر خواہ قوم کو ستانا برا ہے مگر جب کہ اس بدنصیب قوم کو یقین ہو جاوے کہ یہ اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے ہیں تو اور بھی برا ہے۔

موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل تھی آپ کے صدہا معجزات اس قوم نے مصر میں بھی دیکھے تھے۔ قلزم سے خشکی سے پار لے جانا اور فرعونیوں کا اسی رستے میں غرق ہونا اور نیز فرعون کی قید سے آزاد کرنا اور ید بیضا اور عصا اور پتھر میں سے پانی نکلنا ابر کا سایہ کرنا من و سلویٰ نازل ہونا وغیرہ سیکڑوں معجزے دیکھے تھے جن سے ان کو آپ کے رسول ہونے کا یقینِ کامل تھا مگر جبلی شرارت اور ازلی بدبختی سے مجبور تھے، پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے ستاتے تھے کہیں بچھڑا پوجنے لگے کہیں قارح وغیرہ ایک جماعت نے موسیٰ سے ہارونؑ کی امامت کی بابت سخت جھگڑا کیا، ایک بار عمالیق کے مقابلے کے وقت پھر گئے کہ ہم سے نہیں لڑا جاتا، کہیں سفر کی صعوبتوں پر ناخوش ہو کر مصر کی ترکاریاں یاد کر کے موسیٰ کے حق میں سیکڑوں ناشائستہ باتیں کہنے لگے (از توریت) اس پر موسیٰ نے ان سے یہ کہا کہ مجھے کس لیے ستاتے ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰؑ سے کمال درجے کی مشابہت نبوت میں تھی جیسا کہ توریت سفر استثنا کے اٹھارویں باب اور قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا اس لیے اس بارے میں خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا اور نہ اور بہت نبیوں کو ان کی قوم نے ایذائیں دی ہیں۔ کسی نبی کے رستے میں قوم نے پھول بچھائے ہیں؟ بلکہ کانٹے ڈالے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا جس طرح ان کی قوم کو یقین کامل تھا اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی کسی ہوشمند کی نظرِ غائر میں مخفی نہ تھی، قطع نظر آیات معجزات کے آپؐ کی سیرت وصورتِ پاک بھی ایک اعجاز تھی۔

اس کے علاوہ سب سے اخیر نبیِ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپؐ کے ظاہر ہونے کی خبر دے چکے تھے، اس لیے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور نیز خاص ان کا معاملہ بھی ذکر کرتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ صدہا معجزات و آیات دیکھ کر کیا سلوک کیا۔

یہ دونبی حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ موجودہ دنیا کے مسلم الثبوت نبی تھے پھر ان کے ساتھ ایذا و نافرمانی کا برتاؤ جو ان کی قوم نے کیا ان کی رسالت میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا تو آپؐ کی شان میں چند منافقوں کا

ایذادہ معاملہ کیا نقص پیدا کر سکتا ہے؟ پھر جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو قضاؤ قدر نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیے بدکام کرتے کرتے بدی کا ملکہ اور دل میں کجی پیدا ہو جاتی ہے، یہی اللہ کا ٹیڑھا کرنا ہے اور پھر ہدایت بھی نہیں ہوتی اور یہی مراد ہے اس سے کہ اللہ بد قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا یوں کہو کہ ازلی بدکاروں کو جو علم الٰہی میں ہمیشہ کے لیے بدکار قرار پا چکے ہیں ہدایت نہیں ورنہ عارضی سیکڑوں بدکاروں کو ہدایت ہوتی ہے اور انہیں کی ہدایت کے لیے قرآن اور نبی علیہ السلام آئے، بیمار کو حکیم کی زیادہ ضرورت ہے، واذ قال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرآءیل انی رسول اللہ الیکم اور یاد کرو جب کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس رسول اور پیغام پہنچانے کو بھیجا گیا ہوں۔

فوائد

(۱) عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن میں اکثر جگہ ابن مریم کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ تاکہ زمانہ موجود کے عیسائیوں کا وہ خیال رد ہو جائے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ کے نہیں بلکہ مریم کے بیٹے ہیں۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ تمام میں اور قومیں بھی تھیں مگر خاص بنی اسرائیل یعنی یہود سے کہا کہ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تمام جہان کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ خاص بنی اسرائیل کے لیے۔ گویا حضرت موسیٰؑ کے دین کے مصلح اور کامل کرنے والے تھے۔ (انجیل متی، باب ۱ ورس ۵)

(۳) حضرت عیسیٰؑ نے یٰقوم نہ کہا بلکہ یا بنی اسرائیل کہا اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو بنی اسرائیل اپنا ہم قوم سمجھتے تھے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کا دنیا میں کوئی باپ نہ تھا ہاں ان کی ماں مریم ضرور اسرائیل کے خاندان سے تھیں اور اولاد کا نسب باپ کی جانب منسوب ہوتا ہے نہ کہ ماں کی طرف، اس لیے بنی اسرائیل ان کو اپنی قوم سے شمار کرنے میں کلام کرتے تھے۔ اناجیل میں جو ابن داؤد کے لقب سے حضرت عیسیٰؑ کو یاد کیا گیا ہے یہ ان کے معتقدین خاصہ کا کام ہے۔

(۴) عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت یا اظہار میں علاوہ معجزات و آیاتِ بینات کے دو باتیں کہیں اول مصدقا لما بین یدی من التورٰیۃ کہ میں اپنے سے پہلی کتابوں کی یعنی توریت کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہی مضمون انجیل متی کے پانچویں باب سترھویں جملے میں ہے "یہ خیال مت کرو کہ توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کو آیا ہوں، کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو"

جن لوگوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر آئے تھے وہ توریت کو مانتے تھے پھر آپ کا اس کی تصدیق کرکے معجزات دکھانا عمدہ تعلیم دینا ان لوگوں کے لیے صاف نبوت پر یقین دلانے والا امر تھا اور کوئی وجہ سرتابی اور سرکشی کی نہ تھی مگر ازلی بدبختی مانع آئی۔

پولس اور لوتھر کی تعلیم

حضرت مسیح علیہ السلام تو توریت کی بابت یہ فرمائیں اور نیک کاموں پر پابند ہونے کی تاکید کریں مگر پولس اور اس کے بعد لوتھر وغیرہ جو عیسائیوں کے رسول اور مجتہد اور دینی بزرگ ہیں وہ توریت اور حضرت موسیٰؑ کے حق میں یوں کہیں اور حلال و حرام عمل کی قید سے آزادی دیں:۔

"جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سو لعنت کے

تحت ہیں۔"(۱۳۰) "مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنتی ہوا کیوں کہ لکھا ہے جو کوئی (یعنی مسیح) کاٹھ پر (صلیب پر) لٹکایا گیا سو لعنتی ہے (۱۴۱) پر شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں۔" یہ حضرت پولس کے اس خط کے فقرے ہیں جو آپ نے گلتیوں کو لکھا تھا' یہ اس کے تیسرے باب میں مذکور ہیں۔ پھر اس خط میں جو عبرانیوں کو لکھا تھا' اس کے ساتویں باب میں پولس صاحب توریت کی بابت یہ فرماتے ہیں قولہ "اگلا حکم اس لیے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا" یعنی توریت جو کمزور اور بے فائدہ تھی اٹھ گئی۔

وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلاط نامہ (مطبوعہ ۱۸۴۱ء) کے صفحہ ۳۷ میں مارٹن لوتھر کا قول اس کی کتابوں سے نقل کرتا ہے[ل]۔ مارٹن فرماتا ہے (اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد صفحہ ۴۰، ۴۱ میں) قولہ "ہم نہ سنیں گے اور نہ دیکھیں گے موسیٰ کو اس لیے کہ وہ صرف یہودیوں کے لیے تھا اور اس کو ہم سے کسی چیز میں علاقہ نہیں"۔ پھر دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ "ہم موسیٰ کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کی توریت کو اس لیے کہ وہ دشمن عیسیٰ ہے"۔ پھر لکھتے ہیں "موسیٰ تو جلادوں کا استاد ہے"۔ پھر لکھتے ہیں "توریت کے دس حکموں کو عیسائیوں سے کچھ علاقہ نہیں ان کو دور کرنا چاہیے تمام بدعات ان سے موقوف ہو جائیں گی"۔ حالانکہ ان دس حکموں میں یہ باتیں بھی ہیں بت پرستی نہ کرو، ماں باپ کی تعظیم کرو، ہمسایہ کو ایذا نہ دو، ناحق خون نہ کرو، زنا نہ کرو، جھوٹی گواہی نہ دو وغیرہ۔ گویا لوتھر فرماتے ہیں "حرام و حلال کی قید سے آزاد ہو جاؤ حرام کاری کرو خون کرو جس قسم کی چاہو بدکاری کرو اور خوب دلیری سے کرو اور دن میں سو بار کرو مگر صرف مسیح پر ایمان رکھو تمہاری نجات ویسی ہی یقینی ہے جیسا کہ مسیح کی"۔

سب عیسائیوں کا صدہا برس سے بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت سے پہلے ہی عقیدہ ہو گیا تھا اور اس لیے وہ بدکاریوں اور ہر قسم کے گناہوں کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے' اس لیے حکمتِ الٰہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ ان سب کو سدھارنے کے لیے ایک زبردست رسول قائم کرے اور الہام سے یہ بات کہ عیسائی ایسے ہو جائیں گے اور ان کے پاس اصلی کتابیں بھی نہ رہیں گی اور وہ مجھ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگیں گے حضرت عیسیٰؑ کو معلوم کرائی گئی تھی جس لیے آپ نے یہ دوسری بات اپنی نبوت کے ثبوت میں بیان فرمائی و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (کہ میں ایک رسول کی خوش خبری بھی دیتا ہوں کہ جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے)

البتہ ایک ایسے نبی کی پیشین گوئی نبوتِ مسیح علیہ السلام کی پوری دلیل تھی۔ اور ایسی پیشین گوئی (جب کہ اس قوم سرکش نے حضرت مسیح کو قبول نہ کیا اور ایذا رسانی پر کمر باندھ کھڑے ہو گئے) پُرضرور تھی تاکہ ان سرکشوں کو تنبیہ کی جائے کہ ایک ایسا نبی صاحبِ شوکت بھی آنے والا ہے جو تمہارے بل سیدھے کرے گا۔

فارقلیط میں بحث

اب ہم کو اس پیشین گوئی کی بابت بحث کرنی ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جس کی بابت خبر دی ہے اور اس کو فارقلیط سے تعبیر کیا ہے' اس سے روح القدس کا نازل ہونا مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حواریوں پر جب کہ وہ ایک مکان میں مجتمع تھے نازل ہوا تھا جس سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ روح القدس

ل اور یہ مارٹن لوتھر فرقہ پراٹسٹنٹ کا جو آج کل ہندستان میں حکومت کر رہا ہے پیشوا اور مصلح دین اور مجتہد ہے ۱۲ منہ

کسی خاص شکل میں دکھلائی نہیں دیا تھا بلکہ ان پر اس کا ایک ایسا اثر ہو گیا تھا جیسا کہ کسی کے سر پر شیخ سدو یا کوئی جن چڑھ کر بولتا ہے۔ اور یہ معاملہ تھوڑی دیر تک رہا تھا۔ اس سے مراد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اہلِ اسلام سمجھتے ہیں۔

قبل اس کے کہ میں فارقلیط کی تحقیق کروں اور اس کے ساتھ جو اور بھی الفاظ ہیں جو کسی طرح روح القدس کے نازل ہونے پر دلالت نہیں کرتے اور روح القدس پر چسپاں نہیں ہو سکتے ان کو بیان کروں عیسائیوں کی دینی کتابوں پر بحث کرتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان کا کیا حال تھا؟ آیا وہ اصلی کتابیں بغیر تحریف و تبدیل کے سب کلیساؤں میں موجود تھیں یا نہیں؟

اہلِ کتاب موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کو توریت کہتے ہیں اور پھر حضرت یوشع بن نون خلیفہ حضرت موسیٰؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی تصنیف کردہ کتابوں کو ملا کر عہدِ عتیق اور انجیل اربعہ اور حواریوں کی تاریخ اور ان کے ملفوظات و مکاشفات کو عہدِ جدید کہتے ہیں، اور کبھی عہدِ عتیق کو کہ جس کو پرانا عہدنامہ یا "اولڈ ٹسٹمنٹ" بھی کہا کرتے ہیں سب کو "توریت" کہہ دیتے ہیں اور عہدِ جدید کہ جس کو نیا عہدنامہ یا "نیو ٹسٹمنٹ" بھی کہتے ہیں سب کو "انجیل" کہہ دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کلام الٰہی الہام ہوا تھا اب خواہ ان کو کوہِ طور پر ہوا ہو یا دیگر مقامات پر اصل توریت جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہی ہے اور ہونا بھی چاہیے اور اس کے برحق ہونے میں کچھ بھی کلام کسی ایمان دار کو نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس توریت کو کاغذ پر لکھوایا تھا یا لکڑی کے تختوں پر یا اور کسی چیز پر اس کا پورا پتہ دریافت کرنا مشکل بات ہے۔ خواہ کسی چیز پر لکھوایا ہو مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا برس بعد تک وہ کتاب (جس کا غالباً ایک ہی نسخہ ہوگا کاغذ و کتابت کی قلت کی وجہ سے) بنی اسرائیل میں رہی کسی خاص دن میں لوگ اس کو پڑھا بھی کرتے تھے اور اس کا وعظ بھی سنتے تھے اور وہ کتاب حضرت موسیٰؑ نے صندوقِ شہادت میں رکھوا دی تھی جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اکتیسویں باب کے چوبیسویں جملہ میں ہے قولہ " اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی کتاب کو لے کے خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے ایک بغل میں رکھو تا کہ وہ تمہارے برخلاف گواہ رہے"۔ شریعت کی کتاب توریت ہی تھی ورنہ اس کے سوا اور کوئی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ثابت نہیں ہوتی۔

پھر رحبعام بادشاہ یہود کے عہد میں ایک بار مصر کا بادشاہ سیسق بنی اسرائیل پر چڑھ آیا' وہ بیت المقدس کا تمام سامان لوٹ کر لے گیا جو اس کے باپ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تیار کیا تھا اور اسی حادثہ میں وہ کتاب اور صندوق بھی غارت ہوا۔ مگر اول کتاب السلاطین کے آٹھویں باب نویں ورس سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب حضرت سلیمانؑ کے عہد سے پہلے ہی حادثوں میں جاتی رہی تھی کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ "سلیمان نے جب وہ صندوق کھولا تو بجز دو لوحوں کے اس میں سے اور کوئی چیز

۵ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبورات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی امثال و غزلیں بھی شامل ہیں جو استعارات و تشبیہات سے پر ہیں ۱۲ منہ

نہیں نکلی"۔

اس عہد سے لے کر یوسیاہ بادشاہ کے عہد تک جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو چوبیس[۶۲۴] برس پہلے تھا توریت کا کہیں پتہ نہ تھا مگر اس کے عہد میں اٹھارویں سال خلقیاہ سردار کاہن نے دعویٰ کیا کہ میں نے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب پائی ہے (۲۔ کتاب السلاطین باب ۲۲) اس کے بعد یوسیاہ نے تمام قوم کو جمع کر کے یہ کتاب جس میں احکام شرعی تھے سنوائے اور اسی کا نام توریت تھا۔

فرض کرلو کہ اس عرصۂ دراز تک کوئی توریت سے واقف بھی نہ تھا' صرف خلقیاہ کو کسی جگہ سے مل گئی اور اس میں کوئی کمی بھی نہ ہوئی نہ کوئی ورق کم ہوا' نہ عبارتیں مٹیں' مگر یہ بھی اس کے بعد بخت نصر کے حادثہ میں دنیا سے معدوم ہو گئی جیسا کہ کتب تواریخ شاہد ہیں۔ پھر ستر برس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے احکام شریعت و دستورات عبادت و بعض روایات کو اپنی یادداشت سے لکھا۔ عام اہل کتاب اسی کو توریت کہتے ہیں کہ از سر نو اس کو لکھوایا' مگر یہ نہیں ثابت ہوتا، بلکہ یہی کہ دینی دستورات و روایات کو یادداشت کے موافق جمع کیا تھا مگر اس کے بعد انٹیوکس ابی فلنس سُریا کے بادشاہ نے سن عیسوی سے ایک سو ستر برس آگے یروشلم پر کئی بار چڑھائی کی' ایک بار اس نے چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور تمام کتابوں کو تلاش کر کے جلا دیا اور بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ بت خانہ بنا دیا اور کئی کروڑ کا قیمتی اسباب لے گیا۔ مقابیس کی پہلی کتاب کے اول باب میں ہے کہ انٹیوکس نے یروشلم کو فتح کر کے عہد عتیق کی کتابوں کے جتنے نسخے اسے ملے پھاڑ کر جلا دیے اور حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی کتاب عہد عتیق کی نکلے گی یا وہ شریعت کی رسم بجا لائے گا تو مارا جائے گا اور ہر مہینے میں یہ تحقیقات ہوتی تھی"۔

اس حادثہ میں حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء تصانیف یا ان کے بعد جو شمعون صادق نے تخمیناً دو سو بانوے[۲۹۲] برس مسیح علیہ السلام سے پہلے یادداشت کے طور پر یا سُنی سُنائی باتیں لکھیں اور اسی کو یہود توریت سمجھتے تھے وہ بھی سب کچھ اس حادثہ میں تلف ہو گیا اور یہود بالکل دینی کتابوں اور احکام شریعت سے بے بہرہ ہو گئے' یہ عہد عتیق پر تیسرا[۳] حادثہ تھا جو بہت بڑا حادثہ تھا۔

اس کے بعد یہوداہ مقابیس نے سن عیسوی سے تخمیناً ایک سو پینسٹھ[۱۶۵] برس پہلے پھر بیت المقدس کی تعمیر شروع کی اور حضرت عزیر علیہ السلام کی طرح یادداشت پر عہد عتیق کی نقل جمع کی' پھر یہی نسخہ بنی اسرائیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک بلکہ ان کے بعد تک توریت اور کتب انبیاء سمجھا جاتا تھا' اور یہ صرف ایک ہی نسخہ تھا جو بیت المقدس میں دھرا رہا کرتا تھا' مگر ۷۰ء عیسوی میں روم کا شہزادہ یہودیوں کی سرکشی اور بدعہدی کی وجہ سے بڑے طیش میں آ کر شہر یروشلم پر چڑھ آیا اور محاصرے کے بعد شہر کو غارت کیا اور بیت المقدس کو بالکل مسمار کر دیا' اور گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور بہت کو غلام بنایا اور کتابوں اور بے شمار اسباب اور بیت المقدس میں آگ لگا دی جس کا شعلہ آسمان تک بھڑک اٹھا اور اس نسخے کو اپنے ساتھ روم میں لے گیا جیسا کہ بعض اہل کتاب کا خیال ہے[۱]۔ پھر جب توریت کا یہ حال ہوا تو اور کتب انبیاء علیہم السلام زبور وغیرہ کیوں کر ان حوادث میں بچ رہی ہوں گی؟۔

[۱] ملاحظہ ہو مفتاح الکتاب رومن، مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء صفحہ ۲۱۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا توریت کی تصدیق کرنا اور وعظ فرمانا اور اسی طرح حواریوں کا اس سے سند لینا اکثر تواریخ سے ثابت ہے'۔ پھر جب اصل توریت دنیا میں موجود نہ تھی تو یہ کیوں کر ہوا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی تاریخ اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری کرام نے یہ شہادت دی ہو کہ یہ وہی توریت اور وہی صحفِ انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان میں کسی جگہ تحریف وتبدیل نہیں ہوئی، نہ کمی زیادتی' اور یہ ہرگز ہرگز وہ حضرات نہیں کہہ سکتے تھے کس لیے کہ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ موسیٰ کا جنگ نامہ اور یا ہو غیب بین کی کتاب اور اسی طرح اور کتابیں جن کی تعداد پندرہ بیس کے درمیان ہے مفقود ہو گئیں اور کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ کتاب استثنار کا اخیر باب اور کتاب یشوع کا اخیر باب اور دیگر مقامات کہ جن میں ان چیزوں کا ذکر ہے کہ جو حضرت موسیٰ و یوشع علیہما السلام کے سیکڑوں برس بعد پیدا ہوئیں ہرگز ہرگز موسیٰؑ و یوشعؑ کا کلام نہیں بلکہ بعد میں کسی اور نے ملا دیا' اور اس ملانے والے نے متن اور حاشیہ و تفسیر کا بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا اور نہ اپنا نام ظاہر کیا' یوں خوش اعتقادی سے چاہو حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لے لو یہ اور بات ہے' اسی طرح زبور اور دیگر صحفِ انبیاء کے مصنفین میں آج تک علمائے اہلِ کتاب کو اختلاف ہے پھر کیوں ان کی بابت حضرت مسیح علیہ السلام نے فیصلہ نہیں کر دیا؟ اور سامریوں نے اپنی توریت میں عیبال پہاڑ کی جگہ جرزین بنا لیا اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ توریت ہمارے موافق ہے۔ سامری کہتے تھے کہ جرزین پہاڑ پر حکم ہوا تھا' اصلی ہیکل ہماری ہے اور یہود کہتے تھے نہیں بلکہ عیبال پہاڑ پر بنانے کا حکم ہوا تھا وہ اصلی ہیکل ہماری ہے۔

——— پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے (جب کہ ایک سامری عورت نے آپ سے اس کا فیصلہ پوچھا' یوحنا ۴ باب ۱۹ و ۲۵)، تو اس کا بھی کوئی فیصلہ نہ کیا اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی جھوٹا یا سچا نہ بتایا، ممکن ہے انہوں نے توریت کی تحریف اور اس کا اصلی حال بھی کھول دیا ہو مگر لکھنے والوں نے نہ لکھا ہو کیونکہ آپ کی بہت سی باتیں نہیں لکھی گئیں جیسا کہ انجیل یوحنا کے ۲۰ باب' ۳۰ ورس اور ۲۱ باب ۲۵ ورس میں تصریح ہے۔

اور جب کہ حال کے روشن دماغ توریت کے طرزِ کلام کو دیکھ کر فوراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت دنوں بعد تاریخ کے طور پر کسی نے جمع کی ہے۔ چنانچہ لندن میں ایک بشپ[1] (پادری) نے توریت کی بابت اپنی یہی رائے ظاہر کی جس پر وہ اس عہدہ سے معزول کیا گیا پھر اس کی اپیل اس نے کی۔ پھر کیا حضرت مسیح علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا ہوگا خصوصاً جب کہ یہود کی دیانت داری اور سخن پروری اور حق پوشی کا ان کو صدہا باتوں سے یقینِ کامل ہو گیا تھا اور عیبال اور جرزین کے مقدمے میں ایک گروہ دوسرے پر تحریف کا الزام لگاتا تھا۔

طیطس کے بعد روم کے بت پرستوں کی طرف سے جو سخت سخت حادثے اہلِ کتاب پر پڑے وہ ایسے تھے کہ ان میں جان بچانا بھی مشکل تھا پھر ایسی کتاب کہ جس کے متعدد نسخے نہ ہوں اور سامانِ کتابت میسر نہ آنے کے سبب تختیوں یا موٹے بدنما کاغذوں پر لکھی ہوئی ہو کہ جو کئی اونٹوں پر لادی جائے کیوں کر بچ سکتی تھی؟ اور جو بچی بھی تو یہ کیوں کر یقین ہو سکتا ہے کہ اس میں سے کوئی جزو یا ورق یا حصہ کم نہیں ہوا۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تھا تو یہ کتابیں جو اہلِ کتاب کے پاس بالفعل موجود ہیں اور موسیٰ

[1] کلنز۔ ۱۲ منہ

علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی استشہاد کی طرف منسوب ہیں وہ کہاں سے آگئیں؟ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بھی اہلِ کتاب کے پاس تھیں جن کا قرآن میں متعدد جگہ ذکر ہے اور آں حضرت علیہ السلام نے بھی استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح علمائے اہلِ کتاب پچھلے حادثوں میں جہاں توریت کا دنیا سے مفقود ہو جانا یقیناً ثابت ہوتا ہے) یادداشت کے طور پر بنام نہاد ان اصلی کتابوں کو جمع کرتے رہے اسی طرح ان حادثات کے بعد کسی نے اصل توریت کے مطالب جو پچھلے نسخوں میں جمع تھے اور مسائلِ شریعت اور حکایات و روایات کو اپنی یادداشت سے اور کسی سے سن سنا کر یا کوئی شکستہ و برباد شدہ پہلے نسخوں کا حصہ بہم پہنچا کر جمع کیا اور اس کا نام توریت و زبور وغیرہ رکھا۔ یہ دستور اہلِ کتاب میں نیا نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد خلقیاہ سردار کاہن نے کیا جب کہ دنیا میں کوئی بھی توریت کا واقف کار نہ رہا تھا۔ اس کے بعد بابل کی اسیری کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء نے مل کر کیا اس کے تلف ہو جانے کے بعد شمعون صادق نے کیا۔ جب انٹیوکس کر دی میں یہ بھی جاتا رہا تو مقابیس کا جمع کردہ ذخیرہ طیطس کر دی میں جاتا رہا تو پھر اور کسی نے جمع کر لیا ہوگا۔

توریتِ موجودہ میں اور اسی طرح زبور وغیرہ دیگر صحفِ انبیاء علیہم السلام میں اصل توریت وغیرہ کے الہامی مطالب بھی ہیں اور دیگر رطب و یابس روایات و حکایات بھی ہیں اس لیے جہاں تک یہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کے موافق ہیں ٹھیک ہیں ورنہ غلط یا منسوخ۔ چنانچہ نور الانوار وغیرہ کتبِ اصولِ فقہ میں علمائے اسلام نے اس کی تصریح کر دی ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی یہی کہہ رہی ہے لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم الحدیث۔ کہ نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔ یہ وہاں ہے جہاں کتاب و سنت ساکت ہو۔ اور چونکہ اس مجموعے میں اصل توریت کا خصوصاً احکام شریعت میں ایک بڑا حصہ تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود کو احکام شرعیہ کی مخالفت پر الزام دینے کے لیے ان کے زعم کے موافق اس کو استشہاد میں لانا اس کا حوالہ دینا یا اس کی تعظیم کرنا اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی کہ ان بزرگواروں نے بلاکم و کاست اس کتاب کو اصلی اور غیر محرف مان لیا ہے، یا کسی مؤرخ کا ان کے حوالے دینے سے بھی اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی۔ لا تصدقوا کا فقرہ جو خاتم المرسلینؐ کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے اور اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا یہود کے حق میں یہ فرمانا قولہ "پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا" انتہیٰ (انجیل متی ۱۵ باب۔ ۶ درس) اس بات کی طرف صاف صاف اشارہ کر رہا ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول کہ میں توریت کو مٹانے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں اس بات کی شہادت نہیں کہ وہ موجودہ کتاب کو اصلی اور غیر محرف کہہ رہے ہیں' یہ اس کے احکام کی بابت ہے کہ جن کو یہود نے ترک کر دیا تھا خواہ وہ احکام کسی کتاب میں کسی نے درج کیے ہوں یا سینہ بسینہ چلے آتے ہوں۔

اس کے علاوہ عیسائیوں کے قدماء محققین بوقتِ مباحثہ یہود پر یہ بھی الزام قائم کرتے تھے کہ تم نے بہت سی پیشین گوئیاں کتابِ مقدس سے نکال ڈالیں۔ چنانچہ جسٹن نے جو عیسائیوں کا بڑا عالم تھا طریفون سے جو ایک یہودی عالم تھا مباحثہ کے وقت یہ کہا (اس بات کو یوسی بیس مؤرخ اپنی کتاب چہارم کے ۱۸ باب میں لکھتا ہے) اور علاوہ اس کے صدہا مقامات میں اختلاف اور غلط ہونا جس کی تفصیل علماء اسلام نے کتبِ مناظرات میں کی ہے اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ وہ توریت نہیں اگر اس میں اصلی حصہ بھی ہے تو اس کے ساتھ لوگوں کا کلام بھی اس طرح مخلوط

ہوا ہے کہ امتیاز کرنا مشکل ہے۔

پھر اس کے بعد بھی جو کچھ تبدیل و تغییر اہلِ کتاب کی غفلت یا بددیانتی سے اس میں واقع ہوئی وہ بھی کتابِ مذکور کو قابلِ اعتبار نہیں ہونے دیتی اور اس بات کا ذکر ابھی کسی قدر آتا ہے، اسی لیے سیکڑوں محققینِ یورپ اور دیگر مورخین نے اقرار کرلیا ہے کہ اصلی توریت جاتی رہی۔

انجیل شریف

اس کا حال تو توریت مقدس سے بھی زیادہ افسوس ناک ہے۔ اس میں کوئی شبہ بھی اہلِ اسلام کو نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی تھی کما قال واتینٰہ الانجیل کہ ہم نے عیسیٰ کو (نہ کہ کسی اور کو) انجیل عطا کی۔ انجیل کے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیے جانے سے ان کو صرف قوت الہام و بشارات دیا جانا مراد لینا ایک بے کار توجیہ اور سست تاویل ہے۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کتاب کتنی بڑی تھی اور کس طرح اور کس وقت لکھی گئی تھی؟ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں کس کے پاس رہا کرتی تھی؟ مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے الہامات کو جمع کرایا تھا اور یہی وہ کتاب مقدس انجیل تھی کہ جس پر اہلِ اسلام کو ایمان لانا ضرور ہے۔

مگر نصاریٰ اس بات کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں مسیح علیہ السلام پر کوئی خاص کتاب نازل نہیں ہوئی تھی نہ آپ نے اپنے اہتمام سے ان الہامات کو جمع کرایا تھا کہ جس کے گم کر دینے کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے بلکہ الہامات کو حواریوں نے ان کے بعد جمع کیا، اور حواریوں کی جمع کردہ کتابیں ہی انجیل ہیں۔

مگر پولس کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں حضرتؑ کی کوئی کتاب تھی، پولس اس خط میں جو گلتیوں کو لکھا ہے اس کے اول باب کے ۶ جملے سے ۸ تک کہتا ہے۔ قولہ "میں تعجب کرتا ہوں کہ تم اتنی جلدی اس سے جس نے تمہیں مسیح کے فضل میں بلا دیا پھر کے دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے سو وہ دوسری انجیل تو نہیں مگر بعض ہیں جو تم کو گھبراتے ہیں اور مسیح کی انجیل الٹ دینا چاہتے ہیں لیکن اگر ہم یا کوئی آسمان کا فرشتہ سوائے اس انجیل کے جو ہم نے سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے سو ملعون ہو۔"

یہ لوگ کہ جن سے پولس خطاب کر رہا ہے دوسرے عیسائی واعظوں کے تابع ہو کر بدعات کی طرف متوجہ ہوئے تھے جن کو پولس انجیلِ حضرت عیسیٰؑ کی پیروی پر آمادہ کرتا ہے۔ اُس عہد میں ان چاروں اناجیل کا جو اب انجیلِ متی و انجیلِ مرقس و انجیلِ لوقا و انجیلِ یوحنا کے نام سے نامزد ہیں وجود بھی نہیں تھا کس لیے کہ یہ انجیلیں اس خط کے لکھنے کے بعد لکھی گئیں جیسا کہ تواریخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر بتلاؤ کہ وہ کون سی انجیل اس وقت پولس کے پاس تھی جس کو وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل کہتا اور اس کی پابندی پر مامور کرتا ہے؟ معلوم ہوا کہ وہی انجیل کہ جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اور اسی طرح انجیل مرقس کے ۱۶ باب ۱۵ ورس میں بھی اس انجیل کا ذکر ہے۔ قولہ "اور اس نے کہا تم تمام دنیا میں جا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔"

اور یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مصیبت کے سفر میں توریت لکھیں، حضرت یوشعؑ کو اس لڑائی کے وقت کتاب لکھنے کی فرصت ملے اسی طرح اور اور انبیاء علیہم السلام کے

صحیفے ان کے روبرو لکھے جاویں مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ فرصت ملے نہ وہ حکم الٰہی سے اس ضروری کام پر مامور ہوں؟ پھر اگر انجیل چند بشارات و تعلیم ہی کا نام تھا اور اس نام کی کوئی کتاب نہ تھی تو حواریوں کو اپنی کتاب کا نام انجیل پر رکھنا کس نے بتا دیا اور اس کی ان کو کیوں ضرورت ہوئی اور کس بیے اس بات کی طرف ان کا دل للچایا، اور ان کے بعد پھر سیکڑوں انجیلیں پیدا ہوگئیں؟

ضرور ایک کتاب اس نام کی تھی جو خاص حواریوں کے پاس رہتی تھی[1] جس پر انہوں نے بھی اپنی اپنی کتابوں کے نام تبرکاً اور اعتبار جمانے کے لیے انجیل رکھے اور بعد تک یہ دستور جاری رہا۔ مگر پولس کے عہد کے بعد سے خصوصاً جب کہ یہ چاروں انجیلیں مشہور ہوئیں اس اصل انجیل کا نام و نشان بھی سننے میں نہ آیا، اس کے مفقود ہونے کا زمانہ ان بے انتہا مصائب کا زمانہ ہے جو اول ہی صدی میں عیسائیوں پر پڑے ہیں، اور سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنان دینِ مسیحی نے حواریوں سے وہ نسخہ چھین کر تلف کر دیا۔ اس کے بعد حواریوں نے یادداشت کے طور پر اس کے مضامین اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تاریخی واقعات کو لے کر جمع کر کے اس کا نام انجیل رکھا اور کچھ عجب نہیں کہ ہر ایک نے اپنی انجیل مروّج کرنے کے لیے اس تسلی سے کہ اس کے مضامین بھی تو اس میں ہیں اصل نسخے کو طاقِ نسیان میں ڈال دیا جو شدہ شدہ مفقود ہو گیا' ہر چہ باشد مگر ضرور حضرت مسیح کی عبرانی زبان میں ایک کتاب انجیل تھی جو سیکڑوں برس سے مفقود ہے۔ بلکہ دوسری صدی عیسوی سے اس کا پتہ نہیں۔ حفظ کا رواج نہ تھا قلمی نسخوں کی قلت تھی اس پر ہر ایک کو اپنے اپنے پیر و مرشد انجیلی کے انجیل پر تکیہ تھا کہ بس یہی تو وہ ہے بلکہ مع شئے زائد اس لیے اس کے مفقود ہو جانے کی پروا نہ کی، اہل اسلام کے سے نہ ان کے طبائع تھے نہ حافظے کہ خدا کے کلام کو جدا محفوظ رکھتے اور پیغمبر کی احادیث و تاریخ کو جدا۔ نہ خدا کو یہ منظور تھا نہ اس کی حفاظت کے اسباب پیدا کیے جس مصلحت سے اس نے اگلے انبیا علیہم السلام کے صحیفوں کو مفقود ہونے دیا آنے والے خاتم المرسلین علیہ السلام کی کارگزاری کی وجہ سے اس کے بھی مفقود ہونے کو روا رکھا۔ تلک حکمۃ بالغۃ:

اب جن کو عیسائی انجیل کہتے ہیں میں کسی قدر انہیں کا حال بیان کرتا ہوں وھو ہذا:۔

انجیل متی[1]، انجیل لوقا[2]، انجیل مرقس[3]، انجیل یوحنا[4]، حواریوں کے اعمال یعنی تاریخ پولس کے خطوط، یعقوب کا خط وغیرہ۔ ان اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اقوال و افعال مندرج ہیں۔ طرزِ تحریر کہہ رہا ہے آنکھوں دیکھے یا سنے سنائے حالات لکھتے ہیں، نہ الہام کا دعویٰ ہے نہ الہامی طور ہے نہ الہام کی حاجت۔ ان کتابوں میں واقعات کی نسبت کمی زیادتی بھی ہے اور

[1] ہارن مفسر اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں کہتا ہے کہ قدیم علماء کا قول ہے کہ متی اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی میں ایک صحیفہ تھا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات تھے اور انہوں نے اس سے نقل کیا۔ متی نے بہت لوقا اور مرقس نے تھوڑا۔ انتہیٰ۔ فاضل نورٹن نے اپنی کتاب علم الاسناد مطبوعہ شہر بوسٹن ۱۸۳۷ء کے دیباچہ جلد اول میں اکھارن کا قول نقل کیا ہے کہ ابتدائے ملتِ مسیحی میں ایک کتاب تھی جائز ہے کہ یہ وہی اصل انجیل ہو۔ فرقۂ ابیونی کے پاس عبرانی کی ایک انجیل تھی جس کو وہ بارہ حواریوں کی انجیل کہتے تھے۔ یہ ساری باتیں ہمارے خیال کی مؤید ہیں ۱۲ منہ

مخالفت بھی پائی جاتی ہے۔

ان کتابوں کو عیسائی منزّل من اللہ جانتے ہیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ نہ ان کے مصنفوں کی نبوت ثابت ہے نہ کوئی معجزہ ان سے سرزد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ تعجب ہے کہ لوقا اور مرقس حواری نہیں، اور متی اور یوحنا جو حواری ہیں تو حواریوں میں بڑے رتبے کے نہیں، ان سے بڑے بڑے مقرب حواری شمعون پطرس وغیرہ تھے، ان کی کوئی انجیل نہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ تخمیناً ایک سو بیس[1] اور کتابیں ہیں کہ جن میں عیسائیوں کے ہاں اختلاف ہے یا یوں کہو کہ اختلاف تھا، قدماء نے ان میں بعض کو الہامی اور بعض کو غیر الہامی مانا اور متاخرین نے اس میں خلاف کیا اور بعض کتابوں کو الہامی تو نہیں مگر جس طرح اہلِ اسلام حدیث کی کتابوں کو مانتے ہیں وہ بھی ان کو اسی مرتبے میں سمجھتے ہیں انہیں میں سے برنباس حواری کی انجیل ہے۔

متی نے انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی، لارڈنر نے اپنی کتاب (مطبوعہ ۱۸۲۷ء بمقام لندن) کے صفحہ ۵۷۴ جلد دوم میں ازجن کے تین قول نقل کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی انجیل عبرانی میں تھی۔ اور اسی طرح یوسی بیس اور جروم وغیرہ عیسائیوں کے بڑے بڑے عالم اس کے قائل ہیں اور ہارن مفسر نے اپنی تفسیر کی جلد چہارم میں ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی تصنیف ۳۷ء یا ۳۸ء میں ملک یہودیہ میں ہوئی[2] اور ۶۱ء میں پھر اس کا عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ متی نے نہیں بلکہ کسی اور شخص نے اس کا ترجمہ کیا۔ پادری فنڈر "اختتام دینی مباحثہ" (مطبوعہ سکندرہ اکبرآباد ۱۸۵۵ء) کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ "یا حواریوں کے کسی مرید نے اس کا ترجمہ یونانی میں کیا ہے"۔

اصل عبرانی انجیل متی کا اب کیا صدیوں سے دنیا میں نشان نہیں کسی کلیسا میں نہیں اور اس کے مفقود ہونے پر تمام عیسائی متفق ہیں، اب اس کے مفقود ہونے کی جو وجہ خیال میں آئے وہی اصل انجیل کی سمجھ لینی چاہیے۔ اب رہا ترجمہ یونانی اول تو مترجم کا حال یقینی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کس لیاقت اور کس دیانت کا آدمی تھا؟ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ در اصل یہ اس کتاب عبرانی کا ترجمہ ہے یا کوئی اور نئی کتاب ہے؟ اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور غلط ہے تو کس قدر؟ کیونکہ یہ باتیں اصل سے مطابق کیے بغیر معلوم ہو نہیں سکتیں، اور اصل کا دنیا میں نشان بھی باقی نہیں۔ اس انجیل یونانی کے اول اور دوسرے باب کو عیسائیوں کے محقق ڈاکٹر ڈیمس وغیرہ اور نیز عیسائیوں کا ایک فریق جس کو یونی ٹیرین کہتے ہیں الحاقی اور جعلی کہتے ہیں۔ خصوصاً باب اول میں جو نسب نامہ ہے مسیح علیہ السلام کا اس میں تو ایسی فاحش غلطیاں ہیں جن کی بابت مفسرین انجیل کو کوئی جواب بھی بن نہیں پڑتا مگر اور عیسائی اس کو بھی الہامی مانتے ہیں۔ پھر فارقلیط کی بشارت میں الحاق ہونا کون بڑی بات ہے؟۔

انجیل مرقس

مرقس کا اب تک صحیح حال بھی عیسائیوں کو معلوم نہیں کہ وہ کس ملک میں پیدا ہوا اور کس برس میں عیسائی ہوا، صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ وہ پطرس حواری کا شاگرد ہے اور اس نے پطرس وغیرہ لوگوں سے سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات لکھے اور اس کتاب کا سن تالیف بھی بخوبی معلوم نہیں۔

پادری اسکاٹ دیباچہ تفسیر رومن (صفحہ ۲۲۹، ۲۴۰) میں کہتا ہے "ٹھیک معلوم نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا مگر

[1] پادری اسکاٹ اپنی تفسیر رومن میں انجیل متی جو عبرانی میں تھی اس کا زمانۂ تصنیف ۶۳ء بتاتا ہے ۱۲ منہ

گمانِ غالب ہے کہ اس کی تصنیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان ہوئی اور بالاتفاق شہر روم میں اس نے یہ کتاب تصنیف کی اور رومیوں کے لیے لکھی۔ تو لاطینی یعنی رومی زبان میں لکھی گئی کس لیے کہ رومی لوگوں کی زبان لاطینی ہے مگر اس اصل نسخے کا اب تک پتہ نہیں، ہاں اس کا ترجمہ یونانی موجود ہے۔

اب اول تو مرقس کی نبوت ثابت نہیں پھر الہام تو درکنار۔ دوم پطرس اور پولس اس کے راوی ہیں۔ لیکن وہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا اور یہ بات پوری شبہ پیدا کرنے والی ہے۔ سوم اصل کتاب مفقود ہے، ترجمہ میں کلام ہے۔

انجیل لوقا

یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں بلکہ پولس کا شاگرد ہے، نہ اس شخص کا پورا حال دریافت ہوا کہ کہاں کا باشندہ[1] تھا اور کس کے ہاتھ پر دین میں داخل ہوا۔ اور اس کی اصل زبان کیا تھی اور یہ انجیل اس نے کب لکھی اور کس زبان میں لکھی، اور جب کہ متی اور مرقس کی انجیل تصنیف ہو چکی تھی تو پھر اس کو انہیں باتوں کے قلم بند کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ کیا وہ اس کے نزدیک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی تھی؟ اس کا سن تالیف بھی قیاسی طور پر ۶۴ء بیان ہوا ہے۔

یہ کہیں نہیں کہتا کہ میں رسول ہوں اور میں جو کچھ لکھتا ہوں الہام سے لکھتا ہوں۔ اس کی روایت بھی مقطوع ہے کیونکہ یہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا۔

انجیل یوحنا

یہ یوحنا حواری کی طرف منسوب ہے، اس کی تالیف کا زمانہ بھی تخمینی ہے یعنی تخمیناً سوویں عیسوی میں یعنی عروج مسیح سے ستر برس بعد۔ مگر یہ بھی الہام اور رسول ہونے کا مدعی نہیں۔ اس کے طرز بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مبالغہ بھی اس کے کلام میں ہے، چنانچہ اسی انجیل کے ۲۱ باب، ۲۵ درس میں یہ ہے کہ "مسیح کے حالات میں کتابیں جو لکھی جائیں تو دنیا میں نہ سمائیں" ہرگز یہ صحیح نہیں کس لیے کہ اگر کوئی حضرت مسیح کا روزِ تولد سے آخر تک روزنامچہ بھی لکھتا اور فرض کر لو کہ ایک روز کے حالات ایک کتاب میں درج ہوتے تو بھی وہ سب کتابیں یروشلم میں سما سکتی تھیں دنیا تو بڑی وسیع ہے۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ دوسری صدی میں لوگوں نے انجیل یوحنا کی بابت کلام کیا کہ یہ ان کی تصنیف نہیں۔ اس وقت آرنیوس موجود تھا اور یہ پولی کارپ کا شاگرد تھا اور پولی کارپ یوحنا حواری کا۔ مگر آرنیوس نے اپنے دادا استاد کی کتاب پر شہادت نہ دی، معلوم ہوا کہ اس کو بھی شک تھا یا اس کے استاد نے ذکر بھی نہیں کیا تھا ورنہ ایسے موقع پر سکوت کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا، اس کے علاوہ کاتلک ہرلڈ کی چوتھی جلد (مطبوعہ ۱۸۴۴ء صفحہ ۲۰۵) میں یہ ہے۔ استادلن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "انجیل یوحنا مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں" اور اسی طرح محقق برتیشنیڈر کہتا ہے کہ "یوحنا کی تصنیف سے نہ یہ انجیل ہے نہ اور رسائل بلکہ دوسری صدی عیسوی میں کسی اور شخص نے تصنیف کر کے ان کے نام سے مشہور کر دیے کہ لوگوں میں اعتبار ہو"۔

جب ان چاروں انجیلوں کی یہ کیفیت ہے تو اور کتابوں کا کیا ذکر ہے۔ پولس کے خطوط اور بعض دیگر

[1] گو بعض پادریوں نے انطاکیہ لکھ مارا ۱۲ منہ

رسائل جواب عہدِ عتیق میں شامل ہیں مدتوں عیسائیوں میں غیر معتبر مانے گئے۔

تحریف

تحریف نے جو بعد میں ان کتابوں میں ہوئی اور بھی اعتبار کھو دیا اور عیسائیوں کے مقدس لوگوں میں خاص پہلی ہی صدی سے اس بات نے کہ جھوٹ بول کر بھی دین میں کوشش کرنا امر محمود ہے جیسا کہ پولوس کہتا ہے اور بھی کتبِ مقدسہ کی بے اعتباری کر دی اور جب کہ یہ طوفان بے تمیزی موج زن تھا کہ آپ تصنیف کرنا اور رواج دینے کے لیے کسی مشہور اور معتبر آدمی کے نام سے منسوب کر دینا جیسا کہ یونانیوں کا قدیم شیوہ تھا ان عیسائیوں کا بھی انہیں یونانی نسلوں کی جماعت میں داخل ہو جانے سے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو گیا تھا، اور جس وقت عیسائیوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا اور زمین پر ان کے لیے کوئی جگہ امن کی نہ تھی، اور یہ بات روم کے بت پرست ظالم بادشاہوں اور ان کے عمال اور رعایا سب کی طرف سے صدیوں تک رہی ہے اور اس وقت جان بچانا ہی غنیمت تھا، تلاش کر کر کے کتابیں جلائی جاتی تھیں اور جس کے پاس کوئی ورق بھی نکلتا تھا تو شکنجے میں کھینچ دیا جاتا تھا اس وقت اس کام کا ایسے چالاکوں کے لیے بڑا موقع تھا کہ آپ تصنیف کر کے جس حواری کے نام چاہا لگا دیا، پوچھنے والا اور تحقیق کرنے والا ہی کون تھا اور جس کتاب میں جو چاہا کم زیادہ کر دیا۔ درحقیقت اس طوفان کے زمانے میں کتبِ سابقہ کو جیسا کچھ صدمہ پہنچا بیان سے باہر ہے۔ پرانے یونانی اور سریانی زبان کے ترجمے سپٹوا جنٹ وغیرہ سب ہی پر تو آفت آئی۔

جب امن کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی میں آیا اور عیسائیوں کے ہوش و حواس بجا ہوئے تو اب کتبِ مقدسہ کی تلاش کرنے لگے اور جو کوئی کتاب بہم پہنچاتا تھا تو بڑی قدردانی سے لی جاتی تھی۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کتابوں کے بھی (جو اس طوفان کے پہلے تھیں خواہ وہ کیسی ہی ہوں جیسا کہ پہلے معلوم ہوا) کچھ نسخے ہاتھ لگے ہوں گے کیونکہ استیصال کلی خلاف تجربہ ہے اور ان میں سے بہت مفقود بھی ہو گئی ہوں گی اسلامی مصنفوں کی بہت سی کتابیں مفقود ہیں اور جو کتاب حفظ کے ذریعے سے صدہا آدمیوں کے سینے کے صندوقوں میں محفوظ نہ رکھی جائے جیسا کہ قرآن مجید اور صرف دو ایک قلمی نسخوں ہی پر اس کے وجود کی بنیاد ہو جیسا کہ کتبِ مقدسہ ان کا ایسے حوادث میں پورا رہ جانا سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ پھر کسی کتاب کا جو بہم پہنچی ہوگی اول و آخر ندارد کسی کا اول نہیں اخیر ہے، کسی کا اخیر نہیں اول ہے، کوئی درمیان سے کم ہے کسی کے چند اوراق کو کیڑا چاٹ گیا۔ کسی کے کچھ اوراق پانی سے بھیگ کر باہم مل گئے اور اب جو چھڑائے گئے تو کچھ پڑھا نہیں جاتا اور کبھی کچھ پڑھا بھی جاتا ہے تو صاف نہیں پھر اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے کسی کا اول بنایا گیا کسی کا اخیر کسی کے بیچ میں سے جملے بنا کر ملائے گئے، اور کہیں جو یہ معلوم نہیں ہوا کہ کس کی تصنیف ہے اس کے مطالب کی شان پر نظر کر کے ایسے ہی شخص کی طرف منسوب کر دی گئی، یہی سبب ہے کہ کتبِ عہد کے مؤلفوں میں علماء اہلِ کتاب کا اختلاف ہے۔ ایک کتاب ہے کوئی کہتا ہے یہ فلاں شخص کی تصنیف ہے کوئی کہتا ہے دوسرے شخص کی ہے۔ یہی اسباب ہیں جن سے ان انجیلوں اور پرانی کتابوں کے باہم نسخوں میں اس قدر اختلاف ہے کہ جس کا ٹھکانا نہیں ان کتابوں کی تو یوں ترمیم کی، اور جو نہ ملیں اور نام یاد تھے ان کی جگہ نئی تصنیف انہیں کے ناموں سے کی گئی کسی نے تصنیف کر کے کسی کے نام، کسی نے اور دوسرے کے نام لگائیں۔ پھر تو وہ بازار گرم ہوا کہ صدہا مصنف اٹھ کھڑے ہوئے، ایک سو کئی ایک انجیلیں نکل پڑیں،

حواریوں کے خطوط و ملفوظات کا تو کچھ شمار ہی نہ رہا، کسی جوان مرد نے ایک خط گھڑ کے یہ بھی اُڑادی کہ یہ آسمان سے گرا ہے حضرت مسیح نے لکھ کر بھیجا ہے۔ علماء کی مجالس اس تحقیق کے لیے آمادہ ہوئیں اور جہاں تک ہوسکا تحقیق کی مگر پھر بھی بہت جگہ پتہ نہ چلا۔ اس بیان کی تصدیق کے لیے شہر نائس اور دیگر شہروں میں جو مجلسیں ہوئیں ان میں فہرست کتب مقدسہ جو پیش ہوتی رہی وہ غور کے قابل ہے کہ کسی مجلس میں کوئی کتاب کسی مجلس میں اور دوسری معتبر ٹھہری، پھر دوسری مجلس میں پہلی مجلسوں کے حکم کو رد کر کے اور چند کتابیں داخل کر دیں، اور بعض کتاب اور بعض کے چند ابواب و فقرات پر خط کھینچ دیا۔

اسی لیے عیسائی مذہب کے بہت سے فرقے ہو گئے اور ان کا اصل کتب مقدسہ میں بھی اختلاف ہے۔ مانی کا فرقہ اور یونی ٹیرین وغیرہ چند ان کتابوں کو نہیں مانتے جن کو اور عیسائی مانتے ہیں، اسی طرح رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ فرقے میں اختلاف ہے اور بہت سے محققین تو بول اٹھے کہ صرف ظنی اور قیاسی طور پر یہ کتابیں حواریوں اور ان کے شاگردوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، ورنہ ثبوت یقینی کچھ بھی نہیں۔

اس بیان کی شہادت نسخوں کے اختلاف سے بھی ہو سکتی ہے۔ وارڈ اپنی کتاب "غلط نامہ" میں کہتا ہے کہ ڈاکٹر مل نے جو عہد جدید کے نسخے ملائے تو تیس ہزار اختلاف پائے اور ڈاکٹر گریسباخ نے جو اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا یعنی تین سو پچپن کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے، اگر اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا جاتا تو اور بھی اختلاف نکلتے۔ یہ صرف انجیل کے اختلافات ہیں۔ اس بات کو پادری فنڈر نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ (اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبر آباد) ہم پادری مذکور کی عبارت نقل کر کے اپنے تمام بیان کی تصدیق کرائے دیتے ہیں:۔

قولہ "اگرچہ ہم لوگ قائل ہیں کہ بعض حروف و الفاظ میں تحریف وقوع میں آئی اور بعض آیات کے مقدم و مؤخر اور الحاق کا شبہ ہے تو بھی انجیل کو بے تحریف کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ اس کا مضمون اور مطلب نہیں بدل گیا"۔

میکیلس صاحب ڈاکٹر مشلی صاحب کا قول اپنے عہد جدید کے دیباچہ (جلد اول صفحہ ۲۶۳) میں نقل کرتے ہیں کہ "جن لوگوں کے پاس صرف ایک ہی قلمی نسخہ بچا ہوا تھا جیسے رومی اور یونانی ان میں یہودی معلموں کے ایسے قصور پائے گئے ہیں اور ان کی اصلاح میں ایسے عیب ملے ہیں کہ باوجود دو پوری صدیوں کے نہایت عالم اور تیز فہم نکتہ چینوں کی محنتوں کے وہ کتابیں اب تک غلطیوں کا انبار رہیں اور اسی طرح رہیں گی"۔

پادری صاحب کو اختیار ہے بابوں اور کتابوں اور آیتوں کے تبدل و تغیر و الحاق پر بھی اور مصنفوں کے نام معلوم نہ ہونے پر وہ اپنی کتاب کو بلا تحریف کہیں، مگر لطف یہ ہے کہ پادری فنڈر صاحب یہ بھی (صفحہ ۱۳۰ میں) کہتے ہیں۔ قولہ "کہ یہ بات سچ ہے وریس ریڈنگ[ل] (غلطی کتابت) بہت ہیں اور ہر حال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے"۔ (صفحہ ۱۳۱)

"پہلے یوحنا کے ۵ باب کی ۷۔ ۸ آیتیں اور یوحنا کے ۵ باب کی پہلی سے ۱۱، آیت تک اکثر مصححین مشتبہ جانتے ہیں، ان کے علاوہ صرف دو آیات اور ہیں جن کی صحت پر شبہ ہے یعنی یوحنا کے ۵ باب کی ۴ آیت اور اعمال کے ۸ باب کی ۲۷۔ آیت"۔

کیا اب بھی پادری صاحب کو انجیل کی تبدیل و تحریف میں کوئی شبہ ہے؟ اور عجیب تر یہ ہے کہ ان مشکوک اور الحاقی آیات کو اب تک انجیل میں لکھ رکھا ہے۔

ل Various Reading. یعنی اختلافِ نسخہ۔

خیر یہ تو جو کچھ تھا سو تھا اس کے بعد جب پوپوں کا دور دورہ ہوا اور بت پرستی اور جہالت کی گھٹا عیسائیوں پر چھائی اور ۴۷۶ء عیسوی کے قریب شمال کی جانب سے بت پرست اور وحشی اور ظالم و جاہل قوموں نے قیصروں پر حملہ کیا اور جہاں ان کا غلبہ ہوا انہوں نے مدرسوں اور کتب خانوں اور علم اور دین کی کتابوں کو جلا کر نیست و نابود کر دیا۔ اس پُر آشوب حادثے سے شب تاریک سے زیادہ تاریکی عیسائیوں پر زمانہ دراز تک چھائی رہی اور اسی زمانے میں آفتاب ہدایت مکے سے جلوہ گر ہوا۔

اس حادثے کے بعد جب بدحواسی دور ہوئی تو پھر کتابوں اور علم کی درستی کی طرف التفات ہوا۔ اب خود غرضوں کو اور بھی تحریف و تبدیل کا موقع ہاتھ آیا۔ دیدہ و دانستہ کتاب میں کم زیادہ کرنا اہلِ کتاب کا قدیم دستور ہے، بلکہ اپنے اغراض کے خلاف کتابوں کو جلا دینا بھی ان کا پیشہ قدیم ہے چنانچہ ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہدِ عتیق کے عبری تمام قلمی نسخے جن کا موجود ہونا اب ہم کو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو ستاون ۱۴۵۷ عیسوی کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر کے نسخے یہودیوں نے معدوم کر دیے اور بشپ والٹن اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

عیسائیوں میں جعل سازی کا بازار تو پہلی ہی صدی عیسوی سے گرم ہو گیا تھا۔ چنانچہ پولس کے عہد میں جھوٹی انجیل اور جھوٹے واعظ پیدا ہو گئے تھے اور خود پولس بھی دین کے رواج دینے کے لیے جھوٹ بولنا پسند کرتا ہے (دیکھو وہ خط جو رومیوں کو لکھا تھا اس کا ۳۔ باب) اور جب دوسری صدی میں مباحثے کے بعد آرجن کی رائے کو مان لیا گیا کہ غیر قوموں سے مباحثے کے وقت حکمانہ طور اختیار کر لینا چاہیے اس سے عیسائیوں کی راستبازی میں فرق آنے لگا اور اسی سبب سے جعلی تصانیف پیدا ہونے لگیں کیونکہ فیلسوف

جب کسی کے طریقے کی پیروی کرتے تھے تو اس کے نام سے ایک کتاب تصنیف کر کے مشہور کر دیتے تھے، یہ دستور کئی سو برس تک رہا اور رومی کلیسا میں جاری رہا جو بہت ہی خلافِ حق اور قابلِ الزام شدید تھا۔ (تاریخ کلیسا)

ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد (مطبوعہ لندن، ۱۸۲۲ء صفحہ ۲۳۱) میں لکھتے ہیں کہ بلاشک بعض خرابیاں (تحریفات) جان بوجھ کر ان لوگوں نے کی ہیں جو کہ دین دار مشہور تھے اور اس کے بعد انہیں تحریفات کو ترجیح دی جاتی تھی تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے اوپر آنے نہ دیں"۔

اب میں ان پرانے نسخوں کا کہ جن پر اہلِ کتاب کو ناز ہے اختلافِ باہمی اور ایک کی دوسری سے کمی زیادتی چھوڑ کر جو تفصیل طلب بیان ہے اہلِ کتاب کی ایک تھوڑی سی خیانت بتاتا ہوں، وہ یہ کہ اگر آپ جب سے مطبوع ہونا شروع ہوا ہے مطبوعہ نسخے صرف انجیل کے ملا کر دیکھیں پھر جرمن اور انگریزی اور فرنچ زبان کے مطبوعہ اور ان کے ساتھ اردو فارسی عربی کے ترجمے بھی رکھ لیں پھر دیکھیے کیا کچھ تفاوت نہ صرف الفاظ میں بلکہ مطالب و معانی میں آپ کو معلوم ہوگا اور قلمی نسخوں کو بھی سامنے رکھ لو تو پریشان ہو جاؤ گے صرف اردو کے نئے اور پرانے چھپے ہوئے نسخوں کو ملاحظہ فرمائیے کہ پہلے لفظ فارقلیط لکھا جاتا تھا۔ جب دیکھا کہ اہلِ اسلام اس سے سند پکڑتے ہیں تو یہ لفظ ہی نکال ڈالا اور اس کی جگہ روح کا لفظ لکھ دیا۔ کسی نے وہیں "یعنی" کر کے تفسیر بھی کر دی اور اس کو متن میں شامل کر دیا تاکہ کسی کو کچھ پتہ نہ لگے۔ اور یہ جو آج کل پادری انجیل چھپی ہوئی اور صاف اور عمدہ کاغذ پر لکھی ہوئی جاہلوں کو دکھا کر کہا کرتے ہیں کہ "تمام اناجیل اس موافق ہیں اس میں تحریف دکھاؤ کہ کہاں ہے اور اگر یہ محرف ہے تو تم اصلی اور غیر محرف دکھاؤ یہ خداوند مسیح کا انجیل ہے" محض دھوکہ اور

جاہلانہ گفتگو ہے۔ جب وہ اصلی انجیل اول اور دوسری صدی عیسوی میں ہی مفقود ہوگئی جس طرح کہ متی حواری کی عبرانی انجیل مفقود ہوگئی اور اب جو عبرانی انجیل متی ہے تو یہ یونانی ترجمہ کا ترجمہ ہے تو ہم کہاں سے دکھائیں۔ جو لوگ دنیا میں نہیں رہے اور عالم ہستی سے ان کا نام و نشان ہی مٹ گیا تو اب ان کو کوئی کہاں سے لاکر دکھائے، پھر کیا کوئی فرضی شخص ان کے نام سے وہی ہو سکتا ہے؟ اور خداوند کی یہ انجیل نہیں یہ متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا کی ہے۔ خداوند کی تو وہ انجیل تھی جس کو پولس کہتا ہے کہ میرے پاس ہے اور قطعاً وہ ان چاروں انجیلوں کے سوا تھی کس لیے کہ ان کا تو دیکھنا بھی پولس کو ثابت نہیں اور قرآن مجید میں اُس انجیل کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی قرآن مجید میں متی مرقس لوقا یوحنا کی انجیل کا ذکر تک نہیں پھر یہ مسلمانوں پر کس طرح حجت ہو سکتی ہیں؟ ہم ان سے جو مضامین نقل کرتے ہیں تو محض تمہارے قائل کرنے کو کیوں کہ تم ان کو مانتے ہو ورنہ ہمیں کچھ ضرورت نہیں اور جو کوئی کوڑ مغز مسلمان ان کو انجیل سمجھے یہ اس کی جہالت ہے جس کا وہی ذمہ دار ہے نہ کہ اور مسلمان۔ اور ان متعدد انجیلوں کے منکر کو انجیل شریف کا منکر قرار دینا جہالت پر جہالت ہے۔

اب ہم مبشرًا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کی تفسیر کرتے ہیں۔ ان اناجیل میں بھی کہیں اس کا نام و نشان ان دین داری عیسائیوں کے ہاتھ سے جو قصداً تحریف کیا کرتے تھے باقی رہ گیا ہے کہ نہیں؟ انجیل یوحنا میں جانتے کیوں کر اس بشارت کو ان دین داروں نے باقی رہنے دیا، اس انجیل میں متعدد جگہ اس بشارت کا پتہ ملتا ہے۔ میں انجیل یوحنا جو عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شہر لندن میں ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۳ء میں چھپی ہے اس سے نقل کرتا ہوں۔ چودھویں باب کا سولھواں جملہ یہ ہے قولہ " اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے (یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے لیکن تم اسے جانتے ہو کیوں کہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم میں ہووے گی) ۲۶۔ لیکن وہ فارقلیط (جو روح حق ہے) جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھا دے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں یاد دلائے گا (۲۹) اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا کہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ (۳۰) بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں (۱۵ باب ۲۶ درس) پھر جب وہ فارقلیط جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یعنی روح حق جو باپ سے نکلتی ہے) آوے تو وہ میرے لیے گواہی دے گا اور تم بھی گواہی دو گے کیوں کہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو (۱۶ باب ۷ درس) لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لیے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا (۸) اور وہ آکر دنیا کو گناہ پر اور راستی پر اور عدالت پر سزا دے گا گناہ پر اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے، راستی پر اس لیے کہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے عدالت پر اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا میری اور بہت باتیں ہیں کہ جن کو تم سے کہوں لیکن تم ان کی اب برداشت نہ کر سکو گے پھر جب روح حق آوے گا تو ساری سچائی کی راہ تم کو بتاوے گا کس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں غیب کی خبریں دے گا اور میری بزرگی بیان کرے گا۔"

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام یوحنا حواری نقل کرتا ہے جو حضرتؑ نے اپنے ساتھ یہود کی بدسلوکی اور

تدبیر قتل سے خبر پاکر حواریوں سے کیا تھا، اس کلام میں آپ اپنا دنیا سے تشریف لے جانا ظاہر فرماتے ہیں اور حواریوں کے غمگین دلوں کو ایک آنے والے فارقلیط سے تسلی دیتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ فارقلیط آکر میری بزرگی بیان کرے گا اور جن لوگوں نے مجھے نہیں مانا اور مجھ پر موت کا حکم لگایا یعنی ان کو ملزم اور سزاوار ٹھیرائے گا اور وہ فارقلیط جہان کا سردار اور مجھ سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اس کی کوئی بات مجھ میں نہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں یہ بشارت ہمارے نبی پاک کی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی آپ بشارت دے رہے ہیں اور آں حضرتؐ کا نام احمدؐ بھی ظاہر کر رہے ہیں کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان میں کلام کرتے تھے اور عبرانی میں صاف احمد کا لفظ ذکر کیا تھا۔ اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ جب کسی کلام کا ترجمہ کرنے بیٹھتے ہیں تو ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے ہیں۔ اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں، پھر جب یوحنا کے کلام کا یونانی میں ترجمہ کیا تو احمد کا ترجمہ بھی کر دیا۔ اور یونانی زبان میں پیرکلوطوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمدؐ یعنی بہت سراہا گیا بہت حمد کرنے والا پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کا معرب فارقلیط کر دیا۔ عیسائی کہتے ہیں یونانی نسخوں میں پاراکلی طوس ہے جس کے معنی معین و وکیل کے ہیں۔ اگر پیرکلی طوس ہو تو بے شک احمد یا محمدؐ کے قریب قریب اس کے معنی ہوتے ہیں۔

اوّل تو یہ کچھ بڑا تفاوت نہیں کس لیے کہ بعض زبانوں میں رسم الخط دیکھا جاتا ہے کہ وہ اعراب کی جگہ حروف مفردہ ہی لاتے ہیں اور بعض خطوط میں سرے سے اعراب ہی نہیں جیسا کہ ہندی خط اس میں ایسے اختلاف کو بڑی گنجایش ہے قدیم یونانی خط کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں گل کو گال، گیل ہر طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ پھر پیر کا تلفظ پارا اور کلو کا کلا یا کلے کوئی بڑی بات یا زیادہ تفاوت نہیں۔

دوم یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تفاوت تلفظ اور خط میں اعراب نہ ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہے جیسا کہ کہتے ہیں تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کس لیے کہ ہمارے حضرتؐ کا نام معین اور وکیل بھی ہے۔ تو بھی ایک نام سے نہیں دوسرے نام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا ثابت ہوتا ہے۔

سوم جن دین داروں نے بقول ہارن صاحب اعتراض سے بچنے کے لیے یا مخالف کا مدعا ثابت نہ ہونے دینے کی وجہ سے یا اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے انجیل توریت میں بہت جگہ تحریف و تبدیل کی ہے اور عبارت کو گھٹایا بڑھایا ہے تو یہ ذرا سی تحریف و تبدیل ان سے کیا بعید ہے؟ ایسی کمی بیشی کرنے سے عیسائیوں نے فارقلیط کے آنے سے روح کا نازل ہونا مراد لے لیا اور پھر اس مطلب کو قوی کرنے کے لیے یہاں تک خیانت کی کہ متن میں یعنی کر کے روح کی تفسیر کو بھی ملا دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ یعنی تو حضرت مسیح کا کلام نہیں، نہ یوحنا نے بڑھایا، یہ تو بعد میں کسی دین دار پادری صاحب نے کاری گری کی ہے۔ مگر بڑے شرم کی بات ہے کہ عبارت میں تحریف آپ پکار رہی ہے کہ مجھ میں تحریف ہوئی ہے مگر پادری صاحب ہیں کہ انکار کر رہے ہیں، یہ وہی مثل ہے کہ غلامی کا داغ ماتھے پر موجود مگر غلامی کا انکار۔ اگر پادری صاحبوں کے اگلے بزرگواروں کو اتنی گنجایش اس بشارت میں نہ ملی کہ وہ اس کو نزولِ روح پر چسپاں کرتے تھے تو بخدائے لایزال اس کو کتاب ہی میں سے نکال ڈالتے مگر ان کو یہ کیا خبر تھی کہ اس بشارت میں جو اور بھی الفاظ ہیں وہ اس کو نزولِ روح پر چسپاں نہیں ہونے دیں گے اور

مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک حجت الزامی آجائے گی۔

اور ایک تعجب کی بات ہے کہ ستر برس بعد یوحنا حواری کو تو یہ بشارت یاد رہی کہ اس نے اپنی کتاب میں لکھ دی مگر متی اور مرقس اور لوقا کو ان سے پہلے یاد نہ آئی، ان میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا اور یہ کوئی ایسی چھوٹی بات نہیں تھی بلکہ اپنے سے زیادہ مرتبے والے کے آنے کی خبر تھی جس پر ایمان لانے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے کیسا اہتمام کیا۔ ہمارا یقین ہے کہ ضرور ذکر کیا ہوگا مگر اس وقت یا اس کے بعد یاروں نے اس کا باقی رکھنا مصلحت نہ سمجھا کس لیے کہ ان کی بشارتوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا پورا پورا پتہ ہوگا۔ تاویل کی گنجائش نہ ہوگی۔ اس کتاب میں تاویل کی گنجائش دیکھی تو اس کو رہنے دیا مگر کسی قدر ادھر ادھر سے تراش کر اپنے موافق کر لیا مگر تو بھی موافق نہ ہوئی۔ اور ان الحاقات اور کتابوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے کا حال ہمارے بیانِ سابق سے جو کتبِ مقدسہ کی بابت تھا آپ کو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا۔

دو امر اور بھی غور طلب ہیں۔

اول یہ کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے پہلے تک اس فارقلیط کو عیسائی کوئی آدمی اور اولو العزم شخص خیال کرتے تھے کہ ضرور ایک ایسا شخص جو دینِ عیسوی کا مددگار و معین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طرف دار ظاہر ہوگا اور اس لیے دوسری صدی عیسوی میں منٹس عیسائی نے جو بڑا پرہیزگار اور عالم تھا یہ دعوے کیا تھا کہ جس کے آنے کی حضرت مسیح نے خبر دی ہے وہ میں ہوں اور ایشیائے کوچک میں ہزاروں عیسائی اس پر ایمان لے آئے۔ (دیکھو تاریخ کلیسا از ولیم میور مطبوعہ ۱۸۴۸ء) اس کے علاوہ دوستھیوس، شمعون مجوسی وغیرہ چوبیس شخص نے آدرین قیصر کے عہد سے لے کر ۱۶۸۲ء کے قریب تک فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا (تفسیر رومن اسکاٹ مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۱۸۶)

پھر کیا ان کو انجیلِ یوحنا بھی معلوم نہ تھی اور پادریوں کی بھی تاویل سے واقف نہ تھے کہ فارقلیط سے روح مراد ہے نہ کہ انسان۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو ایک شے بقول پادریان کے ہے ہی نہیں تو اس کا ان لوگوں نے کیوں کر دعویٰ کر دیا۔ یہ بات اور ہے کہ وہ دراصل اس فارقلیط کے مصداق نہ تھے مگر اس زمانے میں یہ بات ہر ایک عیسائی جانتا تھا کہ فارقلیط کوئی انسان آنے والا ہے جیسا کہ اسلامیوں میں مہدی آخر الزماں رضؓ کے آنے کی ایک ایسی مشہور خبر ہے کہ جس کو سب جانتے ہیں، اس بنا پر آج تک بہت سے بوالہوسوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا، اگر مسلمان اس کو جانتے ہی نہ ہوتے یا وہ مہدی سے مراد کسی فرشتہ کا نازل ہونا لیتے کہ وہ صحابہؓ کے عہد میں نازل ہو چکا تو پھر کسی کو بھی اس عہدے کی تمنا نہ ہوتی۔

لب التواریخ کا مصنف لکھتا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاصر یہودی اور عیسائی ایک نبی کے منتظر تھے اس بات نے محمدؐ کو فائدہ بخشا اور آپ نے کہہ دیا کہ وہ میں ہوں۔" اس نبی کا حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کے ظاہر ہونے کے بعد تک بھی انتظار کیا جاتا تھا۔

دوم بہت سے عیسائیوں نے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اس بات کا اقرار کیا کہ آپؐ کا ذکر انجیل میں ہے من جملہ ان کے حبشہ کا بادشاہ نجاشی جو انجیل و توریت کا بڑا عالم تھا۔ من جملہ ان کے جارود بن علاء ہے جو عیسائی اور بڑا عالم تھا، اپنی قوم کے ساتھ حاضر خدمت ہو کر اسلام لایا اور اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس وقت تک یہ بشارت ان حبشی اور عربی عیسائیوں میں بدلی نہیں گئی تھی۔

اب ہم لفظ فارقلیط پر اور دیگر الفاظ پر بحث کرتے ہیں اور عیسائیوں کے شبہات کا جواب دیتے ہیں۔

بحث اول۔ فارقلیط

یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔

بعض کہتے ہیں یہ زبان خالدیہ کا لفظ ہے جو بابل اور اس کے اطراف کی زبان تھی اور اسی کو کلدیہ اور کلدانی بھی کہتے ہیں۔ مگر مجھے اس میں کلام ہے کس لیے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی اور مسلم ہے کہ حضرت کی زبان عبرانی تھی جو ملک یہودیہ کی زبان ہے، آپ کو کلدانی زبان کا لفظ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر یہ ممکن ہے کہ کلدانیوں کے غلبہ سے اور بنی اسرائیل کے مدت دراز تک ان میں رہنے سے اس زبان کے الفاظ بھی عبرانی میں شامل ہو گئے ہوں جیسا کہ اور زبانوں میں اختلاط ہوا اور ہوتا رہتا ہے، اس تقدیر پر یہ لفظ خاص حضرت کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے، پھر یونانی میں یا تو اس کا ترجمہ پیرکلوطس کیا گیا یا بتغیر حرکے لایا گیا جس کے معنی احمد کے ہیں۔ بشپ مارش اسی کے قائل تھے جو عیسائیوں میں مسلم شخص تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے یعنی ملک سیریا یا شام کی زبان کا۔

تیسرا یہ کہ یہ عربی لفظ ہے۔ بشپ مذکوران دونوں قولوں کو بھی مانتے ہیں۔ مگر زبان عرب میں اس کا پتہ نہیں معلوم ہوتا۔

چوتھا قول وہ ہے کہ جس کو ہم نے پہلے فاضل محقق مولانا مولوی محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتاب اظہار الحق سے نقل کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی زبان میں پیشین گوئی کی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام احمد لیا مگر جب اس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو اس کے ہم معنی لفظ پیرکلوطوس کا ذکر کیا جس کا معرب فارقلیط ہوا اور یونانی زبان میں پیرکلوس ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوس کی جگہ پاراکلوس لکھ دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوس تھا۔ دستی تحریروں کا غارت ہونا اس گمان کی اور بھی تائید کرتا ہے۔ اور لفظ پیرکلوس ہومر وغیرہ شعراء و فضلاء کے استعمال میں آیا ہے جس کے معنی ستودہ ہیں جو محمد یا احمد کا ٹھیک ہم معنی ہے۔

اس کے علاوہ ایک بڑی تائید اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض عبرانی نسخوں میں اب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک موجود ہے دیکھو پادری پارکھرسٹ صاحب کی یہ عبارت "و بادحمدہ خل ہگویم" (از حمایت الاسلام مطبوعۂ بریلی ۱۸۷۳ء صفحہ ۸۱-۱۴۰ ترجمہ اپالوجی از گاڈفرے ہگنس صاحب مطبوعۂ لندن ۱۸۲۹ء)۔

واضح ہو کہ عرب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا جو آج کے پراٹسٹنٹ فرقے اور رومن کیتھولک سے بھی علیحدہ تھا، وہ نسطورا کا فرقہ کہلاتا تھا، ان کے پاس ان چاروں انجیلوں کے علاوہ ایک اور بھی انجیل تھی جس کو اب کے عیسائی انجیل طفولیت کہتے ہیں، جو ان کی کتب الہامیہ کی فہرست سے خارج شمار ہے۔ خیر یہ جو چاہیں کہیں اس کی تحقیق یورپین عیسائیوں کو ہوئی ہوگی مگر وہ تو اس کو اصلی اور الہامی انجیل کہا کرتے تھے۔ اس کے سوا اور کسی انجیل کے معتقد نہ تھے۔ یہ چاروں انجیلیں تو انہوں نے آنکھ سے بھی نہیں دیکھی تھیں پھر جب انہوں نے نہیں تو مسلمانوں کو خصوصاً ایسی حالت میں جو ان پر طاری تھی کہاں سے مل گئی ہوں گی؟ جو یہ گمان کیا

جائے کہ ان سے دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے اپنے لیے پیشین گوئی بنائی ہو۔ یہ گمان محض فاسد ہے اور بالکل بے اصل بدگمانی ہے عرب کے عیسائیوں میں سے اس پیشین گوئی کے اظہار سے پہلے ایسے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس پیشین گوئی کو آپؐ کے حق میں پورا ہوا مطابق پالیا تھا۔ اور اس پیشین گوئی کے اظہار کے بعد ان عیسائیوں کو بھی یہ حوصلہ نہ ہوا جو کہ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اسلام کی تکذیب میں نہایت سرگرم تھے کہ وہ کہتے یہ غلط بات ہے، ہرگز حضرت عیسیٰؑ نے آپؐ کی پیشین گوئی نہیں کی۔ اگر ان کی انجیل میں آپؐ کے نام سے یہ پیشین گوئی نہ ہوتی یا ان کو ذرا بھی تامل کرنے کی گنجائش ملتی تو وہ بغیر غل شور مچائے کبھی چُپ نہ رہتے۔ نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوے سے پیشین گوئی کا اظہار فرماتے۔ یہ بات حیطۂ ادراک سے باہر ہے۔ کوئی دانش مند بھی ایسا نہیں کر سکتا۔

عیسائیوں میں برنباس حواری کی بھی ایک انجیل ہے۔ گو یہ عیسائی اس کو الہامی نہیں جانتے، یہ ان کو اختیار ہے کہ لوقا اور مرقس کی کتاب کو الہامی مانیں اور اس کو نہیں، اس کی کوئی کھلی ہوئی دلیل بجز گمان اور قیاس یا حسن ظن کے اور کوئی بات ہم کو تو اب تک معلوم نہیں ہوئی لیکن با ایں ہمہ وہ اس کو معتبر جانتے ہیں اس انجیل میں صاف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی تصریح ہے۔

اس کے جواب میں عیسائی یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کسی مسلمان کی تحریف ہے یا کسی ملحد نے بات بنائی۔ مگر تعجب ہے کہ مسلمان کو دنیا بھر کے نسخے کہاں سے مل گئے کہ اس نے سب میں تحریف کر دی۔ جس انجیل برنباس کو دیکھیے اس میں یہ بشارت ہے۔ اور ملحد کو پہلے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کہاں سے معلوم ہو گیا تھا جو اس نے انجیل میں داخل کر دیا؟ یہ سب جھوٹے حیلے ہیں جن کو عقل سلیم ہرگز قبول نہیں کرتی، اس کے علاوہ اور بہت جگہ بائبل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ہیں جو بجز ذات بابرکات کے اور کسی پر صادق نہیں آتیں، پھر کیا وہ بھی کسی مسلمان نے لکھ دیں یا کسی ملحد نے داخل کر دیں؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پادریوں کی کتابوں میں ملحد آمیزش کر دیا کرتے ہیں۔

دوسری بحث

اب ہم انجیل یوحنا کی پیشین گوئی کے اور الفاظ پر بحث کرتے ہیں جو نزول روح القدس پر کسی طرح صادق نہیں آتے۔

(۱) "میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔" اس سے مراد روح القدس نہیں ہو سکتا کس لیے کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہا بلکہ ایک دن تھوڑی سی دیر تک پھر عمر بھر وہ بات نصیب نہیں ہوئی۔

(۲) "روح حق تمہیں وہ سب باتیں جو میں نے کہیں بتا دے گا۔" روح القدس جب حواریوں پر اُترا اس نے ان کو وہ سب باتیں جو مسیح نے کہی تھیں یاد نہیں دلائیں اور نہ وہ بھولے ہوئے تھے کہ یاد دلانا پڑتا بلکہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ البتہ بھولی ہوئی باتیں توحید و عبادات الٰہی ترک شہوات دار آخرت کی رغبت وغیرہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلائیں۔

(۳) "میں نے واقع ہونے سے پہلے تم کو خبر کر دی تاکہ جب واقع ہو تو ایمان لاؤ۔" اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک

ایسی چیز کے واقع ہونے کی خبر دیتے ہیں کہ جس کا انکار ان سے قریب الوقوع تھا۔ اس لیے تاکید اور بندوبست کر دیا کہ ایمان لائیں انکار نہ کریں۔ یہ روح القدس کے نازل ہونے پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ اول تو روح القدس کا نازل ہونا حواری پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ دوم وہ ایک حالت سی تھی جس پر طاری ہو اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا' ہاں خاتم المرسلینؐ کا انکار بہت قریب القیاس تھا اور اب تک ہو رہا ہے حیلے بہانے بنائے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے کو بھی ٹال دیا۔

(۴) "اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں"۔ روح القدس اور باپ یعنی خدا اور بیٹا یعنی عیسیٰؑ یہ تینوں تو عیسائیوں کے نزدیک ایسے ایک ہیں کہ مجموعہ مرکب بنا کر خدا کہا جاتا ہے' پھر روح القدس عیسیٰ اور عیسیٰ روح القدس ہیں' اگر وہ جہان کے سردار ہیں تو اب بھی جو کچھ ایک میں ہے وہ دوسرے میں ہے' پھر یہ جملہ اس پر کس طرح صادق آسکتا ہے؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ وہ جہان کے نبی تھے اور نبی سردار ہوتا ہے' یہ اوصاف حضرت مسیح علیہ السلام میں کہاں تھے؟

(۵) "فارقلیط آکر میرے لیے گواہی دے گا"۔ روح القدس نے اول تو گواہی نہیں دی اور جو دی بھی تو صرف حواریوں کے سامنے جس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے تمام دنیا کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی دی۔ یہود کو ملزم کیا۔

(۶) "میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے"۔ یہ بھی روح القدس پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ روح القدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو اتحاد مانا جاتا ہے' پھر اگر نہ جاؤں تو نہ آئے کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ یہ بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری صادق ہے کس لیے کہ حضرت عیسیٰؑ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تقدم اور تاخر زمانی ہے آپ کا دور تمام نہ ہولے تو دوسرا شروع نہ ہو۔

(۷) "روح الحق آکر دنیا کو گناہ اور راستی اور عدالت پر سزا دے گا"۔ یہ بھی صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ روح نے کسی کو کچھ سزا تو کیا ملزم بھی نہیں کیا' مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین مسیح علیہ السلام کو خطاکار ہی ثابت نہیں کیا بلکہ انتقام بھی لیا اور اس فقرے کے لفظ یہی اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے کسی ذی شوکت منتقم کے آنے کی خبر دے کر حواریوں کو یہود کی جفاکاری اور ستم پروری پر تسلی دے رہے ہیں۔

(۸) "روح حق تم کو ساری سچائی کی باتیں بتاوے گا"۔ روح القدس نے کوئی بات حواریوں کو نہیں بتائی ہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھولے نصاریٰ کو ضرور راستہ بتایا۔

(۹) "جو سنے گا وہی کہے گا اور غیب کی خبریں بتاوے گا"۔ روح القدس تو عیسائیوں کے نزدیک عین خدا یا جزو خدا ہے پھر سننا چہ معنی؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ اس کے جزو وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے (وما ینطق عن الھوٰی) آپؐ نے دار آخرت اور صفات کے متعلق جو غیب ہے سیکڑوں خبریں بتائیں جن کی ضرورت تھی مگر عیسائیوں کے روح القدس نے اس روز کچھ نہ بتائیں۔

باایں ہمہ جب وہ فارقلیط صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور اپنے ساتھ معجزات و آیات بینات بھی لایا کما قال اللہ تعالٰی فلما جاءھم بالبینٰت تو ازلی گمراہوں نے بجائے اس کے کہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق قبول کرتے یہی کہہ دیا ھٰذا سحر مبین کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے اور صاف جادو ہے۔

یہ بات عرب کے مشرکین نے بھی کہی اور عیسائی فرقے بھی ان کے ہم زبان ہو گئے۔ جہالت و وحشت میں یہ عیسائی ان مشرکین عرب سے کم نہ تھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں فلما جاء کی ضمیر حضرت عیسٰے علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام ان یہود کے پاس معجزات لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے کھلا ہوا۔ مگر سباقِ کلام پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

آیات کی تفسیر کے بعد یہ بھی کہتا ہوں کہ انجیل یوحنا سے جو ہم نے فارقلیط کی بشارت نقل کی وہ اس مقام کے مطابق تھی ورنہ اس کے علاوہ اب بھی جس قدر پیشین گوئیاں بائیبل یعنی توریت و اناجیل و صحف انبیاء علیہم السلام سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پائی جاتی ہیں اور کسی کے حق میں نہیں، اس کے علاوہ صدہا دلائل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر آفتاب سے زیادہ روشن موجود ہیں لیکن کورئ باطن اور شقاوتِ ازلی کا کوئی علاج نہیں، وہ سب کی طرف سے آنکھوں پر پردہ ڈالتی ہے کانوں میں ٹینٹیاں ٹھونس دیتی ہے دلوں پر مہر کر دیتی ہے پھر ان کو ان گھری اندھیریوں کی تہوں میں سے کون نور کی طرف لا سکتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی ظلمات جہنم بن کر ہمیشہ جلائیں گی۔

اگر ذرا بھی انصاف ہو اور کچھ بھی فہم سلیم ہو تو کسی عیسائی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار اور عداوت کی گنجائش نہیں کس لیے کہ آپ اصل عیسوی مذہب کے سرِ مو مخالف نہیں، نہ حضرت عیسٰی ؑ کے منکر، نہ حواریوں کے خلاف۔ ہاں اگر خلاف ہے تو ان ہی زیادتیوں میں جو مسیح علیہ السلام کے بعد لوگوں نے دینِ عیسوی کا جزو قرار دے لیں، اور پھر اندھے مقلد بن کر ان کی تحقیقات اور سمجھنے میں کوشش کرنا ممنوع قرار دے لیا۔ روشن دماغ عیسائی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ عیسوی کا مصلح سمجھتا ہے۔

حکایت

ایک بار ایک بوڑھے پادری سے سفر میں ملاقات کا اتفاق پڑا۔ مذہبی گفتگو بھی چھڑ گئی۔ کفارہ اور الوہیتِ مسیح اور تثلیث پر بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ پادری صاحب نرم دل اور خدا ترس تھے، آخر کار ہر بحث میں اقرار کر لیا کہ یہ تینوں مسئلے حواریوں کے عہد تک نہ تھے اور نہ ان پر نجات موقوف ہے اگر ہوتی تو خدا تعالیٰ ان احکام کو اگلے نبیوں اور ان کی نجات یافتہ جماعت پر ضرور ظاہر کرتا اور اسی طرح ان کا شہرہ ہوتا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے۔

پھر میں نے کہا اب تمہارے نزدیک نجات کس اعتقاد پر موقوف ہے؟ کہا خداوند تعالیٰ اور روح القدس اور عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لانے پر۔ میں نے کہا ہر مسلمان ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہے، پھر فرمایئے ہماری نجات میں کیا کلام ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ پھر اس نے پوچھا آپ کے نزدیک ہماری نجات میں کلام ہے؟ میں نے کہا کہ اگر بغیر حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے کسی یہودی کی نجات ممکن ہے تو بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے آپ کی نجات بھی ممکن ہے۔ اس نے سر نیچا کر لیا اور کہنے لگا کہ ہم ضرور محمدؐ صاحب پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بھی خدا کا نبی ہے، ہمارا کوئی حق نہیں کہ اس کو برا کہیں، نہ ہم کو اس کی کوئی انجیل ہدایت کرتی ہے، بلکہ بغور دیکھو تو یہ دونوں مذہب ایک ہی ہیں حضرت محمدؐ مسیحؑ کے مذہب کے لیے ریفارمر ہیں اور ایک زمانہ آتا ہے کہ سب عیسائی اس ریفارمر کی طرف متوجہ ہوں گے۔[1]

---

[1] انبیاء علیہم السلام جو خیر خواہِ خلق ہیں ان کے لیے لوگوں نے جو کچھ سلوک کیے وہ ظاہر ہیں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا مگر جو لوگ دنیا میں ان کے نام لیوا ہیں کسی قدر حصہ ان کو بھی مل کر رہتا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

اور اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ

الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ

باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف ابھی بلایا جا رہا ہو

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾

اور اللہ (ازلی) ظالم کو (تو) ہدایت نہیں کرتا

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ

(اور) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾

اور اللہ اپنا نور پورا ہی کر کے رہے گا منکر بڑے برا مانا کریں۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

(اور) وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور

وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ

دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر

كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ ع ۹ ۱

غالب کرے مشرک اگرچہ بڑے برا مانا کریں۔

ترکیب

و لعطف الجملۃ اوللاستئناف من مبتدا اظلم مع المفضل علیہ وصلتہ خبرہ وھو یدعی قرء الجمھور یدعی من الدنیا مبنیا للمفعول وقری یدعی من الادعاء مبنیا للفاعل و انما عدی بالی لتضمین معنی الانتماء والانتساب والجملۃ حال من فاعل افتری و اللہ الجملۃ مقررۃ لمضمون ماقبلھا یریدون جملہ مبنیۃ لغرضھم من الافتراء لیطفئوا منصوب بان مقدرۃ واللام مؤکدۃ مزیدۃ ودخلت علی المفعول لان التقدیر یریدون ان یطفئوا (قالہ ابن عطیہ) والاطفاء الاخماد واصلہ فی النار و استعیر لما یجری مجراھا من الظھور والمراد من النور القرآن او الاسلام او النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنور اللہ استعارۃ تصریحیۃ والاطفاء ترشیح و اللہ مبتدا متم نورہ الخ خبرہ قرء الجمھور متم نورہ بالاضافۃ وقری بالتنوین واعرابھما ظاھر و بالھدی حال من رسولہ لیظھرہ ای یغلبہ اللام متعلقہ بارسل الدین المراد بہ الجنس ای الادیان ولذا صح تاکیدہ بکلہ ولو الجملۃ مقررۃ لما قبلھا۔

تفسیر

پہلے ذکر تھا کہ جب وہ رسول کہ جس کے آنے کی خبر چلی آتی تھی ان لوگوں کے پاس نشانیاں لے کر آیا تو اس کو جادو کہنے لگے۔ اب فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم اور جفاکار ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی آیات کو سحر کہے اور اس کے بیٹے بیٹیاں اور بیوی قرار دے حالانکہ اس کو کسی بری بات کی طرف نہیں بلایا جاتا بلکہ اسلام کی طرف، یہ جفاکار ہٹ دھرم لوگ ہدایت کا منہ نہیں دیکھیں گے محروم رہیں گے اور رہتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: چنانچہ یہ راقم الحروف مبشرًا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کی تفسیر لکھ رہا تھا کہ کسی نے زہر دیا اور اس کے کئی روز تک جو کچھ تکلیف اور سختی طاری رہی وہ اس وقت کے دیکھنے والوں سے دریافت کرنی چاہیے کس لیے کہ میں تو بے ہوش تھا اور آج پانچواں روز ہے اب تک حالتِ اصلی نہیں عود کر آئی۔ بعد الحمد کہ یہ ہیچ کارہ بھی اس زمرے میں داخل کیا گیا (۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ) ابھی چند روز کا عرصہ گزرا کہ مولانا مولوی محمد لطف اللہ صاحب مدظلہ کو بھی زہر دیا گیا تھا ۱۲ منہ

توضیح

دنیا میں جس قدر مذاہب موجود ہیں یا تھے خواہ ان کی اصل من اللہ تھی اور بعد میں لوگوں کے خیالات نے اس پر قلعی کر کے ان کی اصلی صورت بدل دی یا وہ سرے سے جاہلانہ خیالات اور اوہام باطلہ کا ایک مجموعہ تھا جب ان سب کو حقانی مذہب سے جس کو اسلام کہتے ہیں مقابلہ کر کے دیکھیں گے تو ان میں سیکڑوں جھوٹی اور خیالی آمیزشیں ملیں گی جن پر ان مذاہب کے مروجین نے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضی اور نجات و عذاب کو منحصر کیا ہے' یہی وہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ عیسوی مذہب کو دیکھو تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیح اور اسی طرح عشاء ربانی اور اصطباغ کا مسئلہ اور ان کے بعد پوپوں کے سیکڑوں ڈھکوسلے ایسے ہیں کہ جن پر وہ لوگ نجات کا مدار سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ہنود نے گائے کی پرستش اور برہما شن مہیش کے علاوہ اور سیکڑوں غیر ذی چیزوں کی الوہیت نافع وضار ہونے کی عقیدت اور خودکشی اور تغیر ہیئت جو ان کے جوگیوں اور گسائیوں کا دستور ہے اور گوشت کا ترک اور بتوں کی پرستش اور سیکڑوں دور از قیاس افسانے جو ان کی کتابوں وید اور پورانوں کا سرمایہ ہے نجات اور مکتی اور سعادت دارین کا باعث اور نارائن کی خوشنودی کا سبب قرار دے رکھا ہے' اسی طرح عرب کے جاہلوں کے سیکڑوں غلط دستور اور بہت سے جھوٹے افسانے تھے جن کو مرضی الٰہی کا مدار بنا رکھا تھا۔ کہیں کہتے تھے کہ ہمارا فلاں بت قیامت کے روز ہم کو جہنم سے بچالے گا اور فلاں کو رزق و ارزانی کا مختار بنا رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔

افسوس اس انسان کی یہ محنت شاقہ اور یوں رائگاں گویا پانی کی باڑھ، آخرت میں نجات کے بدلے عذاب کا باعث ہے۔ اس لیے اس رحیم کریم نے دنیا میں وہ رسول بھیجا جو اس اہم مسئلہ کو حل کر دے اور توہمات و تخیلات باطلہ کو دور کر کے مرضیات الٰہی اور نجات و سعادت انسانی کا سیدھا رستہ دکھا دے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام پورا کر دیا اور اس سیدھے رستے کا نام خدا تعالیٰ نے اسلام رکھا جس کے ظاہری معنی خدا کی فرماں برداری اور اس کے آگے گردن جھکانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پھر افسوس پر افسوس کہ جب اس گم گشتہ وادی توہمات کو اس سیدھے رستے کی طرف بلایا جاتا ہے تو اس کو نئی بات جان کر چونکتا ہے اور اس پرانے دستور مالوف کا چھوڑنا اس کو شاق جاتا ہے' اگر اس کو خدا نے چراغ توفیق عطا کیا ہے تو وہ ادھر سیدھا چلا آتا ہے ورنہ اس داعی کے مقابلے میں ان جھوٹے افسانوں اور تخیلات فاسدہ کو پیش کرتا ہے۔ در حقیقت اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا اور اس کو ہدایت بھی نہیں ہوتی۔ یہ ہیں معنی ومن اظلم ممن افترى على الله الكذب وهو يدعى الى الاسلام والله لا يهدى القوم الظلمين کے۔

اسی قدر پر بس نہیں بلکہ اپنے اس ناقص اور قابل ترک مذہب کے غالب کرنے کے لیے اس آسمانی طریقے کو جس کو پچھلا نبی دنیا میں لایا جو اس پرآشوب تاریکی اور پرخطر ظلمات کے لیے نور یعنی شمع ہے اس کو بجھانا بھی چاہتے ہیں یریدون لیطفئوا نور اللہ اور بجھانا بھی کاہے سے بافواههم اپنے منہ سے یعنی پھونکیں مار مار کر بافواههم میں اشارہ ہے کہ وہ جو منہ سے من گھڑت افسانے بیان کرتے ہیں اسلام کے مقابل جس کو افترا علی اللہ کہنا چاہیے ان منہ کی نکلی باتوں سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پھر کیا وہ ان سے مٹ سکتا ہے؟ کیونکہ واللہ متم نوره ولو كره الكفرون اللہ تو اپنی روشنی پوری ہی کر کے رہے گا اس کے منکر شپرہ چشم گو نہ چاہیں۔

بہ بابت صادق آئی اور اس آسمانی شمع پر جس کا کتاب یسعیاہ کے ۴۱-۴۲-۶۱ بابوں میں اشارہ ہے۔ اس وقت کے مخالفوں کے پھونکنے سے نہ بجھی بلکہ وہ خود جل جل کر مر گئے اور یہ شمع اس قدر روشن ہوتی گئی کہ تمام برِّ عرب سے بھی اس کی روشنی نکل کر شام و ایران و خراسان و ممالکِ یورپ و ایشیا و افریقہ تک پہنچی اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں ان کی سچی کوششوں کی چمنی نے اس کو حفاظت میں رکھ کر اور بھی تیز کر دیا اندھوں نے رستہ پایا راہِ ہدایت صاف دکھائی دینے لگی، ان کے بعد جو جو تند ہوائیں اس پر چلیں وہ اہلِ تاریخ سے مخفی نہیں۔ باہمی قتال و جدال پھر حرب صلیب کا فتنہ کہ صدیوں تک تمام عیسائیوں نے مل کر زور مارا اور کوئی دقیقہ اس کے گل کرنے میں اٹھا نہیں رکھا مگر آخر وہی جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر چنگیز خانی مغلوں کا حملہ جس نے بغداد کے سے دارالاسلام شہر کو نیست و نابود کر دیا، اس کے کتب خانوں کی سیاہی سے دجلہ کا پانی سیاہ ہوا مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں تب بھی کچھ نہ ہوا نہ قرآن میں ایک حرف کی کمی زیادتی ہوئی نہ اصولِ اسلامیہ میں فرق آیا نہ اس کے علوم مندرس ہوئے اور اب بھی مخالف کوئی کمی نہیں کر رہے ہیں اور برائے نام مسلمانوں نے بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے، کہیں نیچری بن کر اس پر حملہ کیا، کہیں تعزیہ پرستی گور پرستی اور صدہا رسم و رواج کو جزوِ اسلام بنا کر اس شمع کے گل کرنے کا کافی بند و بست کیا مگر کچھ نہیں ہوا اب اس شمع کی روشنی امریکا اور یورپ کے دور دراز ملکوں تک بھی جا پہنچی چین و جاپان پر بھی پرتو ڈال دیا۔

یہ شمع چونکہ آسمانی شمع ہے اس کو کون بجھا سکتا ہے، اس بات کو اس آیت میں بیان فرماتا ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کہ اللہ نے دنیا میں اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے یعنی ان غلط آمیزش کے مذہبوں کو بے رونق کرے۔ ایسا ہی کر دیا کوئی مذہب بجز اسلام کے دنیا کے عقل مندوں کے نزدیک توہمات جاہلانہ سے پاک نہیں اور یوں بھی جہاں اس مذہب کے پاک اصول بیان کیے جائیں اور اس کے مقابلے میں دوسرے کے بھی تو یہی غالب آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ ممالکِ افریقہ میں اور دیگر بلاد میں بغیر کسی کوشش کے خود بخود اسلام پھیلتا جاتا ہے اور نصرانیت شکست کھاتی جاتی ہے، کوئی دن جاتا ہے کہ تمام دنیا کا مذہب اسلام ہو جائے گا۔ اور اس کے سچے پیرو یوں بھی مخالفوں پر غالب رہے اور رہیں گے ولو کرہ المشرکون مشرکین عیسیٰؑ کے پوجنے والے پادری اور بتوں اور عناصر کے پوجنے والے ہندو آریہ وغیرہ گو بُرا مانیں اور زبانی قیل و قال کریں اور اگر مکر کر کے باتیں بنائیں اور اسلام پر جھوٹے الزام لگائیں مگر کیا ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

ایمان والو! کہو تو میں تمہیں ایک ایسی سوداگری

تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۹

بتاؤں جو تم کو عذابِ الیم سے بچائے

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ

وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۱۱

یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ

(اللہ) بخشدے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور تم کو ایسے باغوں میں

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ
داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں
طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
رکھے گا جو جنت عدن میں ہیں یہ ہے بڑی
الْعَظِیْمُ ⑪ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ
کامیابی اور ایک چیز اور بھی دیگا کہ جسے تم پسند کرتے ہو وہ خدا
مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ⑫
کی مدد اور جلد فتح یابی اور مژدہ سنادے ایمان داروں کو

ترکیب

هل ادلكم الخ الجملة ندا هل الاستفهام ايجاب واخبار معنىً وقيل المعنى سادلكم تنجيكم الجملة صفة لتجارة قرء الجمهور تنجيكم من الانجاء اى بالتخفيف وقرئ بالتشديد من التنجية تؤمنون تفسير للتجارة وقيل استيناف كانهم قالوا كيف نعمل فقال تؤمنون بالله وهو خبر فى معنى الامر ويجوز ان تكون فى موضع جر على البدل او فى موضع رفع على تقدير هى و ان محذوفة ولما حذفت بطل عملها وتجاهدون عطف على تؤمنون ان كنتم شرط جوابه محذوف فافعلوه يغفر مجزوم اما هو جواب شرط محذوف دل عليه الكلام تقديره ان تؤمنوا يغفر لكم واما ان تؤمنون بمعنى آمنوا الخبر بمعنى الامر هذا قول الزجاج والمبرد واما انه جواب لما دل عليه الاستفهام والمعنى هل تقبلون ان دللتكم واما انه جواب استفهام على اللفظ هذا قول الفراء ضعفه بعض وصوبه الفخر الرازى فى تفسيره ويدخلكم معطوف على يغفر لكم ومسكن جمع مسكن منصوب لكونه معطوفاً على جنت واخرى منصوب على تقدير ويعطيكم اخرى اى نعمة اخرى۔ او على تقدير تحبون المدلول عليه تحبونها وقال الفراء والاخفش هى معطوفة على تجارة فهى فى محل جر اى وهل ادلكم على خصلة اخرى و قيل هى فى محل رفع اى ولكم خصلة اخرى۔ نصر۔ وفتح خبر مبتدأ محذوف اى هى۔ وبشر معطوف على محذوف اى قل وبشر او على تؤمنون بمعنى آمنوا۔

تفسیر

اگلی آیت میں تھا کہ اللہ اپنے دین کو سب دینوں پر غالب کرے گا اس میں اشارہ تھا کہ عالم بالا دنیا پر ایک آسمانی سلطنت قائم کرنے والا لشکر تیار کرنے والا ہے جس سے اس نور کے بجھانے والوں کو زیر کیا جائے اس لیے ان آیات میں ایک بڑے اجر اور بیش بہا تنخواہ پر جو دنیا و آخرت کی سعادت کو شامل ہے اعلان دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اس ضروری کام سے پہلو تہی کرنے پر عذاب الیم کا خوف بھی دلاتا ہے کہ بڑی مستعدی کے ساتھ ایک لشکر جرار تیار ہو جائے جو دنیا کو تمام نجاستوں سے پاک کر دے۔ یا یوں کہو انسان اس دنیا میں ناحق نہیں آیا ہے بلکہ اس عمر گراں مایہ میں کچھ حاصل کر کے ایک ابدی جہان میں جاتا ہے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اس پیرایہ میں بیان فرماتا ہے کہ انسان تاجر ہے مگر تجارت کرنا نہیں جانتا ہم اس کو تجارت سکھاتے ہیں فقال یاایها الذین آمنوا هل ادلكم على تجارة تنجيكم من عذاب اليم کہ اے ایمان دارو لو تم کو میں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچاوے۔

تجارت ایک شے کا دوسری شے سے معاوضہ۔ تجارت میں دو چیز ہوا کرتی ہیں ایک مال جس سے کوئی چیز خریدی جائے۔ دوسری وہ چیز جس کو خریدتا ہے اور تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی، اور عقلاء کے نزدیک وہ تجارت کہ جس میں ضرر کا احتمال ہی نہ ہو اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس پر اور بھی خوبی ہو کہ جس سے وہ چیز

خریدی جائے وہ اپنی طرف سے معاوضے کی چیز کے سوا کچھ اور بھی دے۔ اس جگہ سب سے پہلے دفع مضرت کا ذکر کر دیا تنجیکم من عذاب الیم کہ عذاب الیم جو انسان کو اس گراں مایہ زندگی کے عبث اور بے کار گناہوں کے کاموں میں صرف کرنے سے ہوتا ہے' اس سے تم کو یہ تجارت نجات دے گی۔ بڑا خسارہ انسان کے لیے آخرت میں عذاب الیم کا ہے سو اس وعدہ سے پہلے ہی اطمینان کر دیا کہ اس تجارت میں گھاٹا ہی نہیں۔ اس کے بعد تجارت کے لیے مال بیان فرماتا ہے تؤمنون باللہ ورسولہ کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ جب اللہ اور اس کے رسول کو برحق جانے گا اور ان کو مانے گا تو فرشتوں اور قیامت اور اس کے سب رسولوں اور کتابوں کو بھی برحق سمجھے گا اور ان کے تمام اقوال کی تصدیق کرے گا جو تکمیل قوت نظریہ کو حاوی ہے۔

شبہ یایھا الذین اٰمنوا سے معلوم ہوا کہ آیت میں ایمان والوں سے خطاب ہے پھر جو ان کو تؤمنون باللہ ورسولہ فرمایا پھر کیا وہ اللہ اور رسول پر ایمان نہ لائے تھے تو ان کو مومن کیوں کہا؟ اور اگر لائے تھے تو پھر اس کی کیا ضرورت کہ بار دگر ایمان لائیں۔

جواب

ایمان والوں سے خطاب تھا مگر بار دگر جو فرمایا کہ ایمان لاؤ تو اس سے اس پر دوام و ثبات مراد ہے یعنی اس ایمان پر ہر وقت قائم رہو۔ یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ کسی کام کے کرنے والے کو جو کہا جاتا ہے "کرتے رہو" تو یہ مراد ہوتی ہے کہ خوب عمدہ طرح سے اور مضبوطی سے ہمیشہ کرو غافل نہ ہو جاؤ۔ ایمان ایک بڑا بیش بہا جوہر ہے اس کے چور بھی بہت ہیں اس لیے بار بار تاکید ہوتی ہے کہ اپنی جیب کو دیکھتے رہو ہر گھڑی اس کی تصدیق قلبی پر نظر کر لیا کرو۔

بعض مفسرین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ اٰمنوا کے لفظ سے منافقوں کو خطاب ہے وہ بظاہر مومن تھے اس لیے ان کو باطن میں بھی ایمان لانے کی تاکید کی۔

مراتب جہاد کے

یہ اس تجارتی نقد کا ایک حصہ تھا۔ اب دوسرے کو بیان فرماتا ہے وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں کوشش کرو۔ یہ جملہ تکمیل قوت عملیہ کے لیے بڑا وسیع المعنی جملہ ہے کس لیے کہ جہاد کے کئی مرتبے ہیں۔

اول مرتبہ

اول اپنے نفس سرکش کا مقابلہ مال سے اور جان سے۔ مال سے اس طور کہ طمع نفسانی نہیں چاہتی کہ نیک کاموں میں کچھ خرچ کرے اقارب یتامیٰ مسافر آفت زدہ اس کے ہاتھ کو تکتے ہیں۔ نفس ہے کہ دور اندیشوں کی مہیب صورتیں دکھا دکھا کر اس کے ہاتھ کو روکے لیتا ہے' اب اس کو لازم ہے کہ اس نفس بد کا مقابلہ کرے یا وہ نیک اور مفید کام جو قوم یا بنی آدم کے لیے نافع اور اس کی یادگار ہوں گے ان میں دینے سے روکتا ہے۔ یا برے کاموں میں ناچ تماشے، رنڈی بازی، شراب خوری، جوا، تھیٹر کا تماشا، میلے ٹھیلے، ارباب نشاط کے جلسے، نمود اور تجمل کے کارخانے۔ دوسروں کی ایذا رسانی وغیرہ وغیرہ بے ہودہ کاموں میں صرف کرنے کو نفس خبیث ابھارتا ہے وہاں اس کو روکنا اور سخت مقابلہ کر کے شکست دینا چاہیے۔ مال سے زیادہ جان عزیز ہے اس لیے اموالکم کے بعد انفسکم کا لفظ آیا۔ جان کا جہاد اس مرتبہ میں یہ ہے کہ خواہشات نفسانیہ سے روکے اور عبادات و ریاضات

اور عمدہ کاموں میں اس کو لگائے۔ یہ نہیں کہ شتر بے مہار کی طرح جس طرف اس کا نفسِ خبیث لے جائے دوڑا چلا جائے۔

دوسرا مرتبہ

دوسرا مرتبہ حجابِ ظلمانیہ کو اُٹھا کر انوارِ قربِ الٰہی میں مراقبہ ذکر فکر اشغال بالعبادت سے آگے قدم رکھنا اور اس رستے میں جس قدر دشمن سامنے آئیں شمشیرِ ہمت سے ان کو مارھگانا اخیر مرتبہ جس کو اس جہاد کی شہادت کہتے ہیں یہ ہے کہ اپنی ہستی کو اُس باقی کی ہستی میں فنا کر دے جس کے بعد اس کو حیاتِ جاودانی اور بقائے سرمدی عطا ہوتی ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

تیسرا مرتبہ

تیسرا مرتبہ ان تکمیلِ نفس کے بعد تکمیلِ غیر کا ہے اس میں جان اور مال سے کوشش کرنا بدراہوں کو نرمی اور لینت سے راہ پر لانا ان کی ہدایت کے رستے کھولنا آخر کار جو کج رو اور بدنہاد اس راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں ان کا جواں مردی سے مقابلہ کرنا، مال سے لشکر کے سامان تیار کرنا، جان سے لڑنا یہ "جہادِ شرعی ہے" اس کے شہید کے بھی۔ بڑے مرتبے ہیں وہ بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

اس کے بعد تجارتی مال کو بیان فرماتا ہے جو ان دونوں مالوں سے خریدا گیا ہے۔ فقال یغفر لکم ذنوبکم تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ لکم کے لفظ نے یہ بھی فائدہ دیا کہ یہ تمہارے گناہ کسی کے واسطہ یا وسیلہ سے نہیں بلکہ تمہارے لیے بخشدیے جائیں گے۔ رہی شفاعتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان لوگوں کے حق میں گناہوں کے معاف کرانے کے لیے نہ ہو گی بلکہ اور زیادہ انعام اکرام عطا کرانے کے لیے۔

دوسری بات دین خلکم کہ تمہیں ایسی بہشتوں میں بسائیں گے کہ جہاں نہریں جاری ہیں اور عمدہ مکانوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے آگے دنیاوی بادشاہوں کے محل بے حقیقت ہیں۔ مال بھی دو قسم کے تھے اس کے بدلہ میں چیزیں بھی دو دیں۔

اب اپنی طرف سے ایک اور تیسری چیز عطا فرماتا ہے واُخریٰ تحبونہا نصر من اللہ وفتح قریب جس کو ہر ایک پسند کرتا ہے ہر مرتبے کے جہاد میں فتح اور مددِ غیبی ساتھ لگی ہوئی ہے صحابہ کرامؓ نے بڑے بڑے دشمنوں پر کیسی کیسی جلد فتحیابی حاصل کی۔ یہی مضمون قرآن میں ایک اور آیت میں بھی آچکا ہے ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ یقتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون۔ اس مبارک سودے کا مژدہ اے نبی ایمان داروں کو دیدے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ
ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ
کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ
جیسا کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے حواریوں سے کہا
مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ
کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے کہا
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ
ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر ایک گروہ تو بنی اسرائیل کا
مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ
ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہو گیا

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ

تب ہم نے ایمان داروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا

ع ۵ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ۲ ۱۰

پھر تو وہی غالب ہو کر رہے

ترکیب

انصار اللہ الانصار (جمع نصیر کشریف واشراف) منصوب لکونہ خبر کونوا قرئ انصار اللہ بالتنوین و بالاضافۃ والرسم یحتمل القرأتین کما والکاف فی موضع نصب علی اضمار القول ای اقول لکم کما قال وقیل ہو محمول علی المعنی اذ المعنی انصروا اللہ کما نصر الحواریون عیسی بن مریم الی اللہ ای من یکون معی فی نصرۃ اللہ لیطابق السوال وحواری الرجال صفیہ وخلصائہ من الحور وہو البیاض الخالص۔

تفسیر

اس تجارت کے بعد صاف صاف لشکر آسمانی میں داخل ہونے کی تاکید فرماتا ہے اور اس کے ضمن میں ایک پہلی قوم سے تشبیہ پیدا کرنے کا ارشاد فرماتا ہے فقال یا یہا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ کہ اے ایمان والو اللہ کے مددگار ہو جاؤ۔ اللہ پاک و بے نیاز ہے اس کو کسی کی مدد کی کچھ بھی حاجت نہیں لیکن مراد یہ کہ دین الٰہی کے پھیلانے اور اس کی تعمیل میں سرگرم اور آمادہ ہو جاؤ اس کام کے لیے کمر باندھ کر تیار رہو کما قال عیسی ابن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ ایسے سرگرم ہو جاؤ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سرگرم اور مستعد ہو گئے تھے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا میرا کون مددگار ہوتا ہے اللہ کی راہ میں تو قال الحواریون نحن انصار اللہ حواری بول اٹھے کہ ہم ہیں اللہ کے کاموں میں آپ کے مددگار۔

حواری کا لفظ عربی زبان میں حور سے مشتق ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اس لیے دھوبی کو بھی حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑے سفید کرتا ہے اور مددگار اور خالص دوست کو بھی' جس کے دل میں محبت و نصرت کی سفیدی یعنی روشنی ہے' اور یہ جمع نہیں بلکہ بروزن حوالی ہے جو کثیر الحیل کو کہتے ہیں جمع اس کی حواریون ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں کو جو اول اول ان پر ایمان لائے اور یار و مددگار ہوئے اس لیے حواری کہتے ہیں نہ اس لیے کہ وہ دھوبی تھے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ ان بارہ شخصوں کے یہ نام ہیں۔ شمعون جو پطرس کہلاتا تھا۔ اور اس کا بھائی اندریاس' زبدی کا بیٹا یعقوب۔ اور اس کا بھائی یوحنا۔ فیلبوس۔ اور برتھولما۔ تھوما۔ اور محصول لینے والا متی۔ ہلقا کا بیٹا یعقوب اور لبی۔ جو تدی بھی کہلاتا تھا۔ اور شمعون کنعانی اور یہوداہ اسکرتی جس نے ان کو پکڑوا بھی دیا۔ (انجیل متی باب ۱۰)

یہ بنی اسرائیل تھے ان میں سے کچھ ماہی گیر تھے یا یہ کہ یہ ماہی گیری کرتے تھے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بلایا جیسا کہ انجیل متی کے چوتھے باب میں پہلے چاروں حواریوں کی بابت مذکور ہے۔ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو سب سے اول قبول کیا اور حضرتؑ کی ہمدردی و محبت میں نہایت سرگرم اور مستعد اور مخلصین تھے' چنانچہ انجیل متی کے دسویں باب میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سی باتیں کہیں کہ "پہلے اسرائیل کی بستیوں میں جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی' سامان سفر کچھ ساتھ نہ لو اور میں تمہیں بھیڑیوں میں بھیجتا ہوں لوگ تمہیں کوڑے ماریں گے' عدالتوں کے حوالے کریں گے' میرے نام کے سبب تم سے سب دشمنی کریں گے پھر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔ یہ مت خیال کرو کہ میں صلح کرانے آیا ہوں

نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں۱؎ کیوں کہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹے کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے ۔

جو کوئی ماں باپ بیٹے بیٹی کو مجھ سے زیادہ چاہتا ہے وہ میرے لائق نہیں، جو کوئی اپنی صلیب اٹھا کے میرے پیچھے نہیں آتا وہ میرے لائق نہیں۲؎، جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے وہ اسے کھوئے گا اور جو اسے میرے واسطے کھوئے گا وہ پائے گا۔ جو تمہیں قبول کرتا ہے مجھے قبول کرتا ہے"۔ انتہی۔

اسی کے مطابق ان حضرات حواریین نے کیا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد ملک یہودیہ میں بھی منادی کرتے پھرے پھر سیریا (شام) کے علاقوں میں سے گزر کر یونان اور روم کے شہروں میں پہنچے اور سفر کی اور لوگوں کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں اور طرز معاشرت بھی درویشانہ ہی تھا کسی سے کچھ لیتے دیتے نہ تھے ۔ ان میں اس خلوص کی بدولت خدا تعالیٰ نے کرامت بھی دی تھی ان کی دعا سے بیمار تندرست ہو جاتے تھے اور ہر طرح کی کرامات و برکات لوگ دیکھتے تھے آخر لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے مگر دین عیسوی کو خوب پھیلا دیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فامنت طائفۃ من بنی اسراءیل وکفرت طائفۃ کہ بہت سے بنی اسرائیل ایمان لے آئے اور بہت سے منکر رہے ۔ مگر حواریوں کی کوشش اور جاں کاہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بحری اور برّی بہت سی ممالک نے مذہب عیسوی قبول کر لیا اور اس عرصے میں گھر گھر لڑائی اور جنگ کی آتش بھی شعلہ زن ہوئی مگر آخر کار خدا تعالیٰ نے حضرت عیسٰی ؑ کے ماننے والوں کو منکروں پر غلبہ دیا فایّدنا الذین اٰمنوا علٰی عدوّھم فاصبحوا ظاھرین ۔ یہ بات اور ہے کہ پھر ان عیسوی لوگوں میں اصلی دین محرّف ہو گیا۔

ان آیات میں امتِ محمدیہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں جیسے ہونے کی ترغیب دلاتا ہے کہ تم بھی اشاعت اسلام کے لیے ویسی ہی کوشش کرو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری بن جاؤ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو پچھلے نبی تھے جو حضرت عیسٰی و موسٰی و ابراہیم علیہم السلام کے راستے کے پتھر اور کانٹے صاف کرنے آئے تھے، اور وہ قومیں جو اگلے انبیاء کی مخالف تھیں اب تو یہ موسٰی اور عیسٰی علیہما السلام کے نام لیوا یہود و نصاریٰ ہی سب سے بڑھ کر دشمن ہو گئے۔ کس لیے کہ حضرت موسٰیؑ و عیسٰیؑ کے بعد جو کچھ دین حق میں ان کے درویشوں اور مولویوں نے طوبیاں ملا کر معجونِ مرکب بنایا جو حق کے سراسر خلاف تھا، اس کا ترک کرنا ان کے نزدیک جان دینے سے بھی مشکل تھا اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں تلوار چلانے اور باپ بیٹے ساس بہو میں جنگ کرانے آئے ۔ چنانچہ مکہ میں ظہورِ اسلام سے لے کر فتح مکہ تک یہی حال رہا بدر کی لڑائی میں ایک بھائی ایک طرف تو دوسرا دوسری طرف تھا، بیٹا ادھر تو باپ اُدھر تھا اور جہاں جہاں اسلام پہنچا اس کے ساتھ اس کے رقیبوں اور پرانے دشمنوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کی ایک عمدہ جماعت اس کام کے لیے منتخب کی اور پھر ایک عمدہ انتظام سے ان کو مختلف خدمات پر مامور کیا کچھ قرا تھے

۱؎ اس تلوار چلانے کے لیے لشکر درکار تھا جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو میسر نہ آیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا جیسا کہ کتاب یسعیاہ کے ۴۳ باب میں وعدہ کیا تھا ۱۲ منہ

۲؎ صلیب: سُولی، یہ ایک محاورہ ہے کہ مرنے سے نہ ڈرے بلکہ سمجھے کہ سولی دیا جاؤں گا اور سولی بھی آپ ہی اٹھائے پھرے، ایسا مرنے کو تیار ہو جیسا کہ کہتے ہیں کفن سر سے باندھ کر میرے ساتھ آئے ۱۲ منہ

تو کچھ قوموں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے اور بوقت جنگ سپاہی تو سب ہی تھے۔ یہ سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریین تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جو کچھ انہوں نے اسلام کے لیے جان نثاری کی اور آں حضرتؐ کو بحکم حدیث لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین (متفق علیہ) ایسا ہی محبوب سمجھ کر فرمان ولیبلغ الشاہد الغائب پر عمل کیا اور فقر و فاقہ بھی اٹھایا[1] اور ان کی بے شمار کرامات دنیا نے دیکھیں اور پھر تابعین و تبع تابعین کی کوششوں نے ادھر اسپین اور یورپ و افریقہ کے ممالک تک ادھر ہند و چین ایران و ترکستان تک اس سرعت کے ساتھ اسلامی جھنڈا بلند کیا جو عیسائیوں اور حواریوں سے صدیوں تک نہ ہو سکا اس فرق بلکہ تفوق کو عیسائی مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ سر ولیم میور صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ کے پیروکاروں کو اگر محمدؐ کے پیروؤں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو عیسیٰؑ کے پیروکاروں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ اُس وقت کے مسلمانوں نے حواریوں کا مثل ہونے سے بڑھ کر کام کیا کہ ان سے بھی زیادہ بڑھ گئے۔

مگر آج کل کے علماء و مشائخین و امراء کیا کر رہے ہیں؟ ہندستان کے علماء سے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہندستان کے دیہات و قریات میں پھر کر شرائع اسلام کی تعلیم کرتے، لوگوں کو رسوم قبیحہ سے روکتے اور مشائخین و امراء مدد دیتے پھر غیر مذہب والوں کا مداہنت کرنا تو دوسری بات ہے افسوس باہمی جزئیات مسائل پر کیسے جھگڑے اور اصول سے کیا بے خبری۔

سورہ جمعہ

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے (ہر وقت) اللہ کی تقدیس کرتے ہیں

الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۱)

جو بادشاہ قدوس (اور) زبردست حکیم ہے

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا

وہ ہے کہ جس نے ان پڑھوں[2] میں انہیں میں سے ایک رسول

مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

بھیجا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق

اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۲)

اور اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

---

[1] صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے خاص اسلام کے لیے عرب کے ریگستان سے نکل کر سفر کیا چین تک ادھر اندلس تک پہنچے۔ ترک دنیا توکل اور ان کی کرامات کو اگر کچھ بھی لکھوں تو ایک دفتر کافی نہ ہو۔ دلائل النبوۃ اور شواہد النبوۃ وغیرہ کتابیں دیکھو اور اولیائے کرام کے تذکرے سنو تو حیرت ہو تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریوں کا موازنہ کر سکو گے ۱۲ منہ

[2] اَن پڑھ قوم سے مراد عرب ہے ان ہی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے علاوہ اور آیندہ آنے والی قوموں کے لیے بھی خواہ عرب کی نسلوں میں سے یا اور قوموں میں سے ہوں ۱۲ منہ

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ

اور دوسروں کے لیے بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ

اور وہ زبردست حکمت والا ہے یہ

فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ

اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور

اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے

ترکیب

الملک القدوس العزیز الحکیم مجرور علی انہ صفۃ للہ وقری بالرفع علی الاستیناف والجمہور علی ضم القاف من القدوس وقری بفتحہا وہما لغتان ۔ منہم صفۃ رسولا او حال وکذا مابعدہ یتلوا ویزکیہم ویعلمہم وان مخففۃ من الثقیلۃ واسمہا محذوف ای وانہم واللام لفی دلیل علیہا واٰخرین مجرور عطفا علی الامیین ای بعثہ فی الامیین الذین فی عہدہ وبعثہ فی آخرین منہم لم یلحقوا بہم الی الآن او منصوب علی انہ عطف علی الضمیر المنصوب فی یعلمہم ای ویعلم آخرین اوانہ عطف علی مفعول یزکیہم ای ویزکی آخرین ولما یلحقوا صفۃ لآخرین۔

تفسیر

قرطبی کہتے ہیں سب متفق ہیں کہ ابن عباسؓ کا قول اس سورت کی بابت یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور ابن الزبیرؓ بھی یہی کہتے ہیں۔ مسلم و سنن اربع کے مصنفوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہ سورت اور سورۂ منافقون پڑھتے سنا ہے۔ ابن حبانؒ اور بیہقی نے جابر بن سمرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔ مسلم اور اہل سنن نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ و اذا جاءک المنافقون پڑھتے تھے۔

اس سے پہلے یہ ذکر تھا کہ دین و اطاعت الٰہی میں ہمیشہ سرگرم اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی مدد و اعانت اور دینی استقامت کی حاجت ہے یا کوئی اس سے فائدہ ہے یا دفع مضرت ہے اس لیے ان خیالات کا ابطال اوّل سورت میں کرتا ہے فقال یسبح للہ ما فی السموٰت وما فی الارض کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی ہر وقت پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اس کو کسی کی بندگی و اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں اب جو کچھ تم کو حکم دیا جاتا ہے وہ صرف تمہاری بھلائی کے لیے ہے۔

پہلی سورت میں سبح بلفظ ماضی ذکر کیا تھا یہاں یسبح بلفظ مضارع تاکہ تجدد و دوام پر دلالت کرے۔ مضارع کے صیغے جیسا کہ تجدد پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ہمیشہ کرنے پر بھی بقرائن۔ یہ بھی ایک وجہ مناسبت اگلی سورت سے ہے۔ تسبیح کے معنی اور یہ کہ آسمان اور زمین کے رہنے والے کیونکر اس کی تسبیح کرتے ہیں (بزبان حال و بزبان مقال) اس کو ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں۔ اس جملے میں پہلے خیال کا ابطال ہے، اس کو کوئی حاجت نہیں تمام عالم اس کے آگے مسخر ہے۔ ہر چیز کی قدرتی بناوٹ اور اس کے حالات کا تغیر اپنے خالق کی یکتائی و بزرگی بیان کر رہا ہے جس کے کان ہوں سن لے آنکھ ہو دیکھ لے، دل ہو سمجھ لے۔ اسی بات کو ایک جگہ فرماتا ہے۔ وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم

اس کے بعد فرماتا ہے الملک وہ بادشاہ بھی ہے۔

یعنی غنی اور بے پرواہ ہے اس کے معنی واجب الوجود کے قریب قریب اس موقع پر مراد ہیں۔ کس لیے کہ بادشاہت بغیر جمع ہونے تمام کمالات و اسباب سلطنت کے حاصل نہیں ہوتی اس سے اشارہ ہے ثبوتِ صفاتِ عالیہ کی طرف جس میں دوسرے خیال کا رد ہے القدوس یعنی پاک ہے اس میں تیسرے خیال کی طرف اشارہ ہے۔ کوئی مضرت و نقصان اس کی ذاتِ پاک کی طرف عائد نہیں ہوسکتا۔

خیالات کے ابطال کے علاوہ الفاظ قرآنیہ میں ایک اور مسئلہ بترتیب بیان فرمایا جاتا ہے یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض سے الحکیم تک توحید کے مسئلہ کا عجب لطف کے ساتھ ثبوت ہے کہ تمام کائنات علوی و سفلی اسی کی تسبیح کر رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی کے مسخر ہیں۔ زمینوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستاروں کی حالت کہہ رہی ہے کہ کوئی ہے جو ہم کو مجبورانہ ایک خاص حرکت پر مجبور کر رہا ہے۔ جو لوگ کُرات ہی کو باعتبار فوق ہونے کے سماوات کہتے ہیں اب وہ بھی غور کریں کہ آفتاب و دیگر سیارات جو زمین سے ہزاروں حصے بڑے اور کروڑوں کوس دور ہیں اور اس سرعت کے ساتھ دورہ کرتے ہیں کہ منٹوں میں ہزاروں کوس کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور پھر بے شمار ہیں آپس میں ٹکرانے نہیں پاتے[۱] پھر ان کی یہ حالت اپنے خالق و مالک و مدبّر کی تسبیح ہی تو ہے۔

احادیث میں آیا ہے کہ آسمانوں پر ایک چپہ بھر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں ہزاروں روحانی و ملائکہ اس کی تسبیح و تہلیل نہ کرتے ہوں، وہ ایک قسم کی غیر مرئی مخلوق ہے جس کے ادراک سے فلسفۂ حال عاجز ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھر یہ انسان کیوں بے کار اور غیر معبودوں کی پرستش میں گرفتار ہے اس کو بھی اسی کی تسبیح چاہیے۔

الملک میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہی حاکم مطلق ہے وہی قابلِ پرستش و اطاعت ہے اسی کی نافرمانی سزا کی مستوجب کرتی ہے۔ القدوس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اوہام باطلہ نے خدا کے لیے تثلیث اور بیٹے بیوی اور کارکن سمجھ رکھے ہیں وہ ان سب سے پاک ہے اس میں جمیع مذاہب باطلہ کا اجمالی رد ہے۔ العزیز وہ زبردست بھی ہے۔ اس میں طرف اشارہ ہے کہ عزت و غلبہ اسی کو ہے اسی کے احکام قابلِ پذیرائی ہیں۔ الحکیم وہ حکمت والا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظامِ دنیاوی جس طرح اس کی حکمتِ بالغہ کا مقتضی ہے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا کتابوں کا نازل کرنا بھی بندوں کی معاد و معاش درست کرنے کے لیے اسی حکیم کی حکمتِ کاملہ کا مقتضی ہے۔

لہٰذا اس کے بعد مسئلہ نبوت کا اثبات کرتا ہے۔ فقال ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم کہ اسی حکیم نے اُمیوں یعنی اَن پڑھوں میں جس سے مراد ملکِ عرب لیا گیا ہے انہیں میں سے ایک رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث و برپا کیا گیا۔ مگر اُمیوں سے مراد تمام ممالک ہیں کس لیے کہ جن باتوں کی تعلیم کے لیے رسول آیا ان سب کی نسبت وہ اُمی اَن پڑھ اور جاہل ہی تھے اور جو کسی کو کچھ خبر بھی تھی تو اس پر سیکڑوں جہالت کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں پھر یہ کہنا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص عرب کے لیے نبی تھے غلط بات ہے اور

۱؎ ریل گاڑیاں باوجود اس قدر محافظت اور ایسے ہنرمندوں کی کوشش کے ہر سال ٹکرا جاتی ہیں مگر اس مدبّر و حکیم کے کرات نہیں ٹکرانے پاتے پھر اس سے زیادہ کون ثبوت اس کی توحید کے لیے ہوسکتا ہے۔ ۱۲ منہ

بالفرض امیوں سے مراد عرب ہی ہوں تو ان میں بر پا کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اور قوموں کے لیے نبی نہ تھے بلکہ یہ ایک واقعی بات کا بیان ہے جو دراصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب ہی میں پیدا ہوئے اور ظاہر ہوتے تھے۔

کیوں رسول بھیجا یتلوا علیھم ایتہ کہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنائے۔ ویزکیھم اور ان کو اخلاقِ بد کی نجاستوں سے پاک کرے، اپنی روحانی روشنی سے ان کے نفوس کو منور کرے۔ کوئی کیسا ہی پُر زور واعظ ہو ہزاروں وعظ و پند کرے جب تک اس میں روحانی کشش اور باطنی جاذبہ نہیں کچھ بھی اثر پیدا نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو جلد زائل ہو جاتا ہے وہ کیا نقش تھا جو عرب کے سخت دل شہوت پرست مغرور جاہلوں کے دلوں پر قائم کر دیا تھا کہ جو صدیوں تک نہ مٹا[1] اور ان کی دنیاوی اور دینی ترقی کا رہ نما بنا رہا، ہم نے زبان زور سیکڑوں واعظ دیکھے کہ جو بک بک کر تھک گئے پر کچھ اثر نہ ہوا مگر حضرتؐ نے تو پہاڑوں کو موم کر دیا اس کو رسالتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ اور صرف پڑھ کر سنائے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سلسلہ جاری رکھنے کے لیے ان کو ویعلمھم الکتٰب کتاب یعنی قرآن سکھائے۔ والحکمۃ اور حکمت بھی۔ کتاب سیکھنا اور چیز ہے اور اس کی برکات سے فائض اور دل میں جگہ دینا اور چیز ہے اسی لیے الکتٰب کے بعد الحکمۃ کا لفظ ارشاد فرمایا حکمت سے بعض نے سنت کو مراد رکھا ہے۔

ف تکمیل کا اول مرتبہ یہ ہے کہ کلام سنایا جائے، جس کے بعد اس کے دل پر سے کثافت و جہالت کی تاریکی دور ہوتی ہے، یہ دوسرا مرتبہ ہے، ان دونوں کو یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم میں بیان فرمایا، تیسرا مرتبہ اس اثر پذیر ہونے کے بعد یہ ہے کہ کتابِ الٰہی اس کو سکھائی جائے۔ سکھانے اور پڑھ کر سنانے میں بڑا فرق ہے، چوتھا مرتبہ یہ کہ اس کتاب کے اسرار و معانی اور اس کے احکام کے علل و اسباب اور مصلحتیں بھی وہ سمجھ لے ان دونوں کو یعلمھم الکتٰب والحکمۃ میں بیان فرمایا۔

حکمت کے معنی

حکمت کا لفظ فلاسفہ کے نزدیک حقائق الاشیاء کو ٹھیک ٹھیک طرح پر جاننے میں بولا جاتا ہے۔ اس لیے موجوداتِ خارجیہ آسمان و زمین انسان و دیگر حیوانات وغیرہا کے حالات جاننے کا نام حکمت رکھا ہے پھر موضوع متعین کر کے حکمت کو تقسیم کر دیا کسی کا نام حکمتِ عملیہ کسی کا نظریہ رکھا اور پھر حکمتِ عملیہ اور نظریہ کے بھی بہت سے اقسام جداگانہ ناموں سے نامزد ہوئے۔ نظریہ میں فلکیات و عنصریات و الٰہیات۔ اور عملیہ میں سے تدبیر المنزل سیاستِ مُدن، تہذیب الاخلاق نام قرار دیے گئے اور پھر ہر ایک کی اور بھی شاخیں ہیں ریاضی اور طب پھر ریاضی کے اقسام ہیئت نجوم زیج اکرہ مرایا حساب ہندسہ وغیرہ۔

[1] حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جو چوتھے خلیفہ تھے یہ بات ان کے بے جا طرف داروں کو بُری معلوم ہوئی لگے حضرات شیخین رضؓ پر اتہام لگانے اور اس کے لیے انہیں تمام صحابہ کبارؓ کو بُرا بھلا بھی کہنا پڑا جس لیے وہ اس کہنے پر مجبور ہوئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکمت نہیں سکھائی نہ تزکیہ کیا نہ کتاب سکھائی اور آپؐ کا اثر ان سے شبنم کی طرح جلد زائل ہو گیا جس کے مخالفِ اسلام بھی قائل نہیں اور خلافِ واقعہ بات بھی ہے۔ پھر ان مطالب کے اثبات کے لیے ان کو سیکڑوں جھوٹی احادیث و روایات بنانی پڑیں جن کو واقعہ اور تاریخ زمانہ رد کرتی ہے اور انہیں کے بھروسے وہ قرآن مجید میں تاویل کرتے اور جمہور اہلِ اسلام سے جھگڑتے ہیں، افسوس ۱۲ منہ

حکمتِ شرعیہ کا بیان

شرع محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں بلکہ اس میں کسی قدر تغیر کیا گیا۔ اور آلہ حق اور مبدء و معاد رسالت اور اسرار حکمت نوامیہ اور احکام الٰہیہ اور ان کے اسرار و مصالح اور تزکیہ نفس اور اس کے متعلق امور اور اسی طرح قوانین عدل و انصاف سیاست و اخلاق طہارتِ باطنی و ظاہری کا جاننا نہ صرف دلائلِ عقلیہ سے بلکہ الہام الٰہی سے نبی مرسل اور اس کے سچے پیروؤں کے وسیلوں سے جاننا حکمت ہے۔ ان میں علم بالسنۃ المطہرۃ بھی داخل ہے۔ دونوں حکمتوں میں فرق ہے اول کی بنیاد دلائل عقلیہ یا حکماء کے اشراق پر ہے جس میں بیشتر توہمات اور تخیلات کو دخل ہے اور اسی لیے یہ حکمت ہر زمانے میں نیا رنگ بدلتی رہتی ہے آج کل کا فلسفہ اور ہیئت کچھ اور ہی ہے اور قدیم فلسفہ اور دیگر علوم پر بڑے زور شور کے حملے ہو رہے ہیں اور شاید اس کے بعد جو زمانہ ترقی کر جائے تو اس پر بھی حملے ہونے لگیں اور یہ خیالات باطل ثابت ہو جائیں۔ بخلاف دوسری حکمت کے کہ اس میں ان امور کو دخل ہی نہیں وہ ان کدورتوں سے پاک و صاف ہے زمانہ کیسا ہی بدلے پر وہ حکمت نہ بدلے گی۔ اسی فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حکیم دوجہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ (متفق علیہ) کہ ایمان تو یمانی ہے اور حکمت تو یمانی ہے۔ یعنی میری امت میں سے جو اہل یمن ہیں میری حکمت وہ خوب جانتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ حکمتِ الٰہیہ کا مدرسہ یمان ہے نہ کہ یونان۔ اور دراصل لفظِ یمان میں یُمن و برکت کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے حکمت آسمانی مراد ہو سکتی ہے۔

فوائدِ حکمت

اس حکمت کے فضائل شرع محمدیہ میں بہت آئے ہیں ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت خیر دی گئی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی حکمت میں دل پر نور روح کو سرورِ ابدی ملتا ہے۔ حکمت یونانیہ میں انجام کار تردد و خبط اور شک و ظلماتِ روحانیہ کے سوا کچھ نہیں' اس لیے مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

یہ ذاتِ بابرکاتؐ عرب جیسے اُمّی اور جاہل ملک میں ظاہر ہوئی یعنی اس معلّم کو ایسے سخت اور جاہل لوگ دیے گئے پھر دیکھیے کہ آپؐ نے ان کو حکمت کی تعلیم کہاں تک کی۔ مؤرخین با انصاف عرب کی اُس حالت کا کہ جب آپؐ نے اظہار نبوت نہ کیا تھا اور اس کے بعد کی حالت سے خلفائے راشدینؓ کے عہد تک جو مقابلہ کرتے ہیں تو ان کو ایک سخت حیرت ہوتی ہے۔ صحابہؓ اور ان کے بعد والوں کے علوم برکات اور ان کی بے حد ترقیاں اور لیاقتیں صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ آپؐ نے حکمت سکھائی ہی نہیں بلکہ حکمت کا دریا بہا دیا۔

اب اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی قوم کو بھی دیکھیے باوجودیکہ وہ لوگ عرب جیسے اُجڈ نہ تھے لکھے پڑھے شائستہ بھی تھے مگر ان کو حکمت الٰہیہ سے کہاں تک حصہ ملا۔ کیا اسرائیلیوں کی گوسالہ پرستی اور بات بات پر سرکشی اور جلد جلد بت پرستی و بدکاری کی طرف رجوع کرنا جیسا کہ توریت سے ثابت ہے، یہ نہیں کہے گا کہ عرب کے ان مقدس اور پاک باز اور مستقل اور مردانہ و فرزانہ جماعتوں سے ان کو کوئی بھی مناسبت نہیں بڑے تعجب کی بات ہے کہ اُن کے معلّم تو مجسم کامل یعنی نبی مرسل قرار پائیں اور ان کے معلّم مجسم کامل یعنی نبی مرسل قرار

نہ پائیں۔

عرب کی حالتِ گمراہی اور دنیا کی اقوام کی ضلالت

وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین کہ اس سے پہلے وہ اُمی عرب بے شک صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس میں اسی مقابلہ حالت سابقہ کی طرف اشارہ ہے۔ عرب کی پہلی ضلٰل مبین کی جو کچھ مورخین نے شرح کی ہے اس کے ذکر کی تو یہاں گنجائش نہیں مگر اس قدر جاننا کافی ہے کہ علم و ہنر سے خالی تھے لکھنا پڑھنا بھی سیکڑوں ہزاروں میں سے کوئی جانتا تھا، افلاس کی کوئی انتہا نہ تھی قزاقی اور چوری اور قتل و زنا شراب خواری کی کوئی انتہا نہ تھی، شہوت پرستی یہاں تک تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو بھی تصرف میں لاتا تھا، سنگ دلی یہاں تک کہ معصوم بچوں کو زندہ دفن کر دینا ایک عام بات تھی، پھر سیکڑوں معبود اور سیکڑوں نھان جھنڈے پوجتے تھے، رتالوں، کاہنوں، عیاروں کے کرشموں پر ایمان تھا، فال و شگون پہ سفر و اقامت منحصر تھی۔ گندے میلے وحشی بنے ہوئے تھے۔ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت تک تھا۔ گو پہلے عرب میں شاہان یمن کے ذریعہ سے شائستگی ہوئی ہوگی اور علم و ہنر کی چمک ان پہ پڑی ہوگی مگر اب تو چاروں طرف سے جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ملتِ ابراہیمیہ بالکل مٹ گئی تھی اور اسی طرح تمام مذاہب اور جمیع اقوام کی حالت تھی۔ مجوس کا مذہب اصل میں جو کچھ ہو مگر اب تو شہوت پرستی اور عناصر پرستی کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ اسی طرح اہلِ کتاب کی حالت خراب تھی یہود توریت اور انبیاء علیہم السلام کے اصل نسخے کھو بیٹھے تھے جو بخت نصر وغیرہ بادشاہوں کے عہد میں ہوا۔ صرف کچھ مضامین اصل کتابوں کے باقی قصص و حکایات یا مذہبی دستورات تھے جن کو توریت و صحف انبیاء کہتے تھے، اس کے علاوہ ان کے احبار کی بے ایمانیاں اور قوم کی بے ہودگی تو اس درجہ تھی کہ جس کے حضرت مسیح علیہ السلام بھی شاکی تھے اور دنیا سے شاکی گئے۔ اور ملتِ مسیحیہ کا تو پولوس کی بد دیانتی سے اور بھی خراب حال تھا، سیکڑوں فرقے تھے اور سیکڑوں جدا جدا خیالات۔ انجیل ان کے پاس بھی نہ رہی تھی، عجائب پرستی اور پیروں کی پرستش اور اوہام باطلہ کی پابندی اور معمولی دستورات کی بجا آوری ہی مذہب رہ گیا تھا۔ تواریخِ کلیسا کے دیکھنے سے یہ بات ثابت ہوسکتی ہے۔ رہے ہنود و اہلِ چین و تتار تو اب تک بت پرستی اور توہمات باطلہ کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اور صرف اُس عہد کے لیے یہ آفتاب ہدایت جلوہ گر نہیں ہوا تھا یا عرب کے لوگوں کے لیے ہی نہ تھا بلکہ واٰخرین منھم اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے بھی۔ یہ مجرور ہے اس کا عطف امیین پر ہے یہ معنی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے عہد کے امی لوگوں کے لیے بھیجا اور ان کے علاوہ اوروں کے لیے بھی جو ہنوز نہیں پیدا ہوئے یا پیدا ہیں مگر ان میں نہیں ملے، اور یہ منصوب بھی ہوسکتا ہے، تب اس کا عطف ضمیر منصوب پر ہوگا جو یعلمھم میں ھم ہے، تب یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو بھیجا کہ ان امیوں کو کتاب و حکمت سکھائے اور ان کے علاوہ اوروں کو بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے لما یلحقوا بھم۔

امام ابو حنیفہؒ کی بشارت

بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے یہ جملہ

لما یلحقوا بھم پڑھا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ؟ آپؐ نے جواب نہ دیا، پھر سوال کیا، تیسری بار سلمان فارسیؓ پر جو ہم میں موجود تھے ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "ایمان اگر ثریا تک چلا جائے تو ان میں کے لوگ اس کو پالیں گے۔" یعنی اگر دنیا سے ایمان و خیر اٹھ کر آسمان تک بھی جا پہنچے۔ مطلب یہ کہ اس کا لینا مشکل ہو جائے تو ابنائے فارس کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔ مقصد یہ کہ آنے والے لوگوں سے غیر عرب جمیع امم مراد ہیں خواہ اہلِ فارس ہوں یا اہلِ روم اور اسی لیے آپؐ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے لیے نامے لکھے۔ (مجاہد وغیرہ سب کا یہی قول ہے) اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق بالخصوص اہلِ فارس میں سے بڑے بڑے نام ور اسلام میں پیدا ہوئے جن کی مساعی جمیلہ کی اب تک امتِ محمدیہ مشکور ہے اور یہ بشارت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ پر صادق آئی جیسا کہ جلال الدین سیوطی وغیرہ محدثین نے بھی اقرار کیا ہے۔

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء یہ اس کی عنایت ہے جس کو چاہے نصیب کرے، یہود و نصاریٰ یا کسی اور کا کیا خدا تعالیٰ کو دینا آتا تھا کہ اخیر نبی اور اس کے ایسے نام ور رہبر و انہیں میں سے پیدا کرنا، اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے کہ کس قوم میں اس خدمت کی بجا آوری کا مادّہ ہے۔ واللہ ذو الفضل العظیم اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

اَسْفَارًا ط بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

اٹھائے پھرتا ہے　کیسا ہی بُری مثال ہے اس قوم کی کہ جس نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

اللہ کی آیتیں　جھٹلائیں　اور ظالموں کو اللہ

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا

ہدایت نہیں کیا کرتا　(اے محمدؐ) ان سے جو

الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ

یہودی ہو گئے ہیں کہہ دو　اگر تم کو دعویٰ ہے کہ سب

اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا

لوگوں کے سوا تمہیں اللہ کے　پیارے ہیں　تو موت کی

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَ

خواہش کرو　اگر　تم　سچے　ہو　اور

لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اس کی تو وہ کبھی بھی خواہش نہ کریں گے　اپنے ہاتھوں کے ان کاموں کے سبب

اَيْدِيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾

جن کو کر چکے ہیں　اور اللہ　ظالموں کو خوب جانتا ہے

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ

کہہ دو　وہ موت　کہ جس سے تم بھاگتے　پھرتے

مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ

ہو　وہ ضرور تم کو آلے گی　پھر تم　کھلی اور

اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

چھپی چیزوں کے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے　پھر جو کچھ تم

ع ۸ / ۱۱

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ

ان لوگوں کی مثال کہ جن پر توریت　لادی گئی　پھر اس کو

يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

انہوں نے اٹھایا نہیں　اُس گدھے کی　مثال ہے　جو کتابیں

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

کیا کرتے تھے وہ تم کو بتا دے گا ۞

ترکیب

مثل الذین بتدا کمثل الحمار خبرہ یحمل الجملۃ اما حال و العامل فیہا معنی المثل او صفۃ للحمار اذ لیس المراد بہ معنیا فہو فی حکم النکرۃ کما فی ہذا القول ولقد امرعلی اللئیم یسبنی مثل القوم فاعل بئس الذین فی موضع خبر نعتا للقوم والمخصوص بالذم محذوف ای ہذا المثل ویمکن ان یکون فی موضع رفع تقدیرہ بئس مثل القوم مثل الذین فمثل المحذوف ہو المخصوص بالذم وقد حذف واقیم المضاف الیہ مقامہ (ابن الصائغ) وقدر العلامۃ ابو المسعود ہکذا ای بئس مثلاً مثل القوم الذین کذبوا علی ان التمیز محذوف والفاعل المفسر بہ مستتر و مثل القوم ہو المخصوص بالذم والموصول صفۃ للقوم۔ فانہ ملٰقیکم الجملۃ خبر ان ودخلت الفاء لما فی الذی شبہ الشرط وقیل الفاء زائدۃ وفیہ ما فیہ۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا کہ اس حکیم کی حکمت کاملہ کا مقتضیٰ ہے کہ اس نے رسول بھیجا تاکہ لوگوں کو پاک کرے اور علم و حکمت سکھائے اور یہ رسول عرب میں ظاہر کیا جو ان پڑھ لوگ تھے۔ یہود کی قوم کو اپنے علم و خاندان کا بڑا گھمنڈ تھا اور خاندانی آدمیوں کا جب اصلی کمال جاتا رہتا ہے تو ان میں یہی باقی رہ جایا کرتا ہے) ان کو اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اس کے نور سے مستفید ہونے سے عار ہوا اور کہنے لگے کہ علم و حکمت کا خزانہ ہمارے پاس ہے بڑے بڑے کتابوں کے ذخیرے ہمارے ہاں موجود ہیں یہ جاہلوں کے سمجھانے کے لیے ہے نہ کہ ہمارے' اس لیے خدا تعالیٰ اس قوم بدنصیب کی اصلی حالت بیان فرماتا ہے اور ان کے علم بے عمل کی پوری تشبیہ دیتا ہے:۔

فقال مثل الذین الخ کہ ان کی مثال جن پر توریت لادی گئی یعنی اس کی پابندی کی تاکید کی گئی گویا توریت کو ان پر سوار کیا گیا۔ یا یہ معنی کہ توریت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے کیوں کہ یہ حمل معنی اٹھانے کے نہیں بلکہ حمالہ بمعنی کفالہ و ضمان سے ہے (یہ زمخشری کا قول ہے) اور پھر انہوں نے اس کی پوری ذمہ داری نہ کی ایک گدھے کی مثال ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں۔ پھر اس گدھے کو ان کتابوں سے کیا فائدہ بجز اس کے کہ ان کے بوجھ کی مشقت اٹھا رہا ہے ؎

نہ محقق بود نہ دانشمند
چارپایہ بر و کتابے چند

یہی حال ان یہود کا ہے۔ گدھا حیوانات میں سے بالخصوص بارکش اور بدعقل جانور ہے اسی لیے اس سے تشبیہ دی نہ کہ گھوڑے خچر گاڑی چھکڑے سے۔ اور تہذیباً یہود کا نام نہ لیا بلکہ یہ فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی ایک گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔ اسفار سفر کی جمع ہے اور سفر بڑی کتاب کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اصلی معنی روشنی کے ہیں۔ کہتے ہیں اسفر الصبح چونکہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو پڑھنے سننے والے کو علم کا نور اور روشنی بخشتی ہے اس لیے اس کو سفر کہنے لگے اور اس کی نظیر اشبار ہے جو شبر (بالشت) کی جمع ہے۔

یہ ایک ایسی مثال ہے جس سے علماء امت محمدیہ کو بھی سن کر ڈر آنا چاہیے اور علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ وہ بھی گدھے شمار ہوں گے جن پر کتابیں لدی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ بئس مثل القوم الذین کذبوا بآیٰت اللہ کہ اس قوم کی جس نے آیات اللہ کو جھٹلایا یعنی یہود بری مثل ہے۔ مثل کے برے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ مثل بے جا اور نامناسب ہے بلکہ یہ تمثیل ٹھیک ہے اور ان پر چسپاں ہے مگر وہ بہت بری قوم ہے کہ جس کی یہ مثل ہو۔ آیات اللہ سے مراد آیات قرآنیہ ہی نہیں بلکہ وہ دلائل بھی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کے

برحق ہونے پر دال ہیں خواہ وہ عقلیہ ہوں خواہ نقلیہ یعنی وہ بشارتیں جو ان کی کتابوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مذکور ہیں جب ان پر عمل نہ کیا بلکہ ان کے برخلاف کیا تو ان کو جھٹلا دیا۔ یا یوں کہو کہ جب یہود نے توریت و صحفِ انبیاء کی ان ہدایات و تاکیدی احکام کو پس پشت ڈال دیا اور ان پر عمل نہ کیا بلکہ ان کو جھٹلا دیا۔ یہ بھی ایک قسم کی تکذیب ہے لسانی نہ ہو حالی سہی۔ واللہ لا یهدی القوم الظلمین ایسے متعصب لوگوں کو ہدایتِ الٰہی سے حصہ نہیں ملتا ہمیشہ بدنصیبی و خسران و ضلال ہی کے گڑھے میں پڑے رہتے ہیں۔

یہود کہتے تھے کہ ہم پر یہ الزام غلط ہے کس لیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے خاص اور پیارے بندے ہیں خواہ کچھ ہی کریں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قل یایها الذین هادوا ان زعمتم الخ کہ اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دے اگر تم کو گمان ہے کہ ہم اللہ کے خاص دوست ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب موروثی بزرگی اور غلّت اور دارِ آخرت میں جنت کے مستحق ہیں تو فتمنوا الموت ان کنتم صٰدقین موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو تا کہ تم مرنے کے بعد عیش و آرام اپنے ادعاء کے موافق پاؤ مگر دل بڑا منصف ہے اپنے اعمالِ بد کی شامت اسے معلوم ہو جاتی ہے اس لیے ولا یتمنونه ابدا بما قدمت ایدیهم (وہ اس کی ہرگز تمنا نہ کریں گے اپنے اعمالِ بد کے خوف سے) ملزم عدالت میں جانے سے ڈرتا ہے، پاک کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ نیک اور باخدا لوگ جن کو دارِ آخرت کے نعماء پانے کا ان کے رب کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے مرنے کے مشتاق رہا کرتے ہیں وہ دنیا کے عیش و آرام کو قید خانہ کے آب و دانہ سے کم نہیں سمجھتے مگر خدا تعالیٰ کے ملزم زبان سے لاکھ لاف ماریں

لے ہنود میں برہمن ایک قوم ہے وہ بھی مدعی ہے کہ ہم برہما جی کے پُتر یعنی بیٹے ہیں ہماری مُکتی یعنی نجات ہر حال میں ہے۔ گجرات دو تو برہمن کو دو نیکی کرو تو برہمن سے کرو برہمن کسی کو مارے تو اس سے بدلہ لینا روا نہیں، اور قومیں کئی بار جنم لے کر یعنی تناسخ کے میدانوں میں ٹھوکریں کھا کر نجات کے لیے برہمن کے گھر جنم لیتے ہیں۔ برہمن سے نطفہ حاصل کرنا بھی فخر سمجھا جاتا تھا۔ برہمنوں میں ایک گروہ کو پروہت کہتے ہیں وہ نواب تک ہنود کے نکاح بیاہ موت و سفر کے مالک ہیں اور مرنے کے بعد سُرگ نرک (بہشت و دوزخ) کی کنجی مُردے کے لیے انہیں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ مردے کے وارثوں سے کہتے ہیں اس قدر دو تو سُرگ میں ورنہ نرک میں بھیجتا ہوں بے چاروں کو دینا ہی پڑتا ہے پھر جو چیزیں اس عالم میں مردے کو درکار ہوتی ہیں لحاف رزائی بچھونا اوڑھنا پانی پینے کا لوٹا کٹورا وغیرہ سب پروہت جی لے کر مردے کے پاس پہنچانے کا ذمہ کرتے ہیں اگر پروہت جی کے گھر دودھ پینے کو گائے نہیں تو فرماتے ہیں گئو ماتا پُن کرو کہ اس کی دُم پکڑ کر یہ مرنے والا نرک کی جھیل سے پار اُترے۔ ہر موسم کی ترکاریاں اور میوے بھی پہنچا دینے کے بہے لیتے ہیں۔ ہندستان میں جب باہر سے مسلمان آئے اور ان سے ہنود کا میل جول ہوا تو لالچی مسلمانوں کے منہ میں یہ شکار دیکھ کر پانی بھر آیا اور جو ہندو مسلمان ہوئے ان کے دل میں بھی پرانا چسکا باقی تھا۔ ان حضرات نے دیکھا کہ ہندو تو ہمارے دام میں کیوں آنے لگے وہ برہمن کا شکار ہیں جاہل مسلمانوں کو گھیرو پھر تو انہوں نے بھی اپنے دینیات کو انہیں رسوم کے قوالب میں ڈھالنا شروع کر دیا کہ دسہرہ کے جواب میں محرم کا سوانگ بنایا۔ دیوالی کے جواب میں شبرات کی روشنی اور آتشبازی نکالی، مُردے کی روح نکالنے اور اشیائے مرغوب کو میت تک پہنچانے کا ملاجی نے بیمہ کرنا شروع کیا اور اسی طرح شادی غمی کے رسوم انہیں سے ملنے لگے۔ بیوہ کا نکاح ممنوع ہو گیا میت پر سرخ دوشالہ ڈالنا بھی سیکھا پروہت کی جگہ جاہل پیر قائم ہوا۔ بوہرہ قوم میں ان کا ملا بھائی جبرئیل کو چٹھی لکھا کرتا ہے کہ اس میت کو اتنے انار اتنے کھجور کے درخت دینا ۱۲ منہ

مرنے سے ڈرتے ہیں ہیں کی زندگی پر مرتے ہیں ہیں کے سامان واسباب پیدا کرنے کی فکر میں رہا کرتے ہیں۔ واللہ علیم بالظلمین (اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے) وہ بدکاروں کو ابرار کے درجے نہیں دیتا البتہ نیک نسل اپنے بزرگوں کے انعام کا حصہ پاتی ہے۔ یہود اس امتحان سے بھاگ نکلے اور وہ موت سے ڈرتے تھے اس لیے فرماتا ہے قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملٰقیکم (کہہ دے جس موت سے تم بھاگ رہے ہو آخر وہ ایک روز تمہیں آپکڑے گی) اس سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے؟ ثم تردون الی علم الغیب والشہادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون مرنے کے بعد تم اس کے پاس پہنچائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے۔ یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے۔

ان آیات میں مسئلہ معاد بھی کس خوبی کے ساتھ بیان کر دیا۔ اور ہدایات انبیا علیہم السلام سے بے خبر ہونے کا نتیجہ اور ان سے مفاخر آبائی کے غرور میں سرتابی کا انجام بڑے پُراثر الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا۔[1]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقت الٰہیہ کے زور پر عیسائیوں سے بھی مباہلہ کیا اور یہود سے بھی مگر وہ ڈر گئے۔ بخاری اور ترمذی اور نسائی اور احمد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مکے میں ابوجہل کعبے کے پاس مجھ پر حملہ کرتا (جیسا کہ وہ کہتا تھا کہ کعبہ میں پاؤں تو گردن مروڑ دوں) تو سب کے روبرو اس کو فرشتے اُچک لیتے اور اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا گھر دوزخ میں دیکھ لیتے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو نکلتے تو گھر آ کر مال واہل کچھ نہ دیکھتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ
مسلمانو! جب جمعہ کے روز
لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا
نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ
یاد کے لیے جلدی چلو اور سودا چھوڑ دو یہ
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨
تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو
فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي
پھر جب نماز ہو چکے تو زمین پر چلو
الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ
پھرو اور اللہ کا فضل (روزی) ڈھونڈو اور
اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم
تُفْلِحُوْنَ ⑩ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ
فلاح پاؤ اور جب کہ وہ لوگ تجارت یا تماشہ
لَهْوَا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ
دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو (اکیلا) چھوڑ
قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ
دیتے ہیں کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور
اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪
تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے

۲ ع ۳ ۱۲

[1] اسلام میں انبیاء و اولیاء زادہ ہونا بغیر ایمان و عمل صالح کے کچھ کام نہیں آتا ۱۲ منہ

[1] انفضاض شکستہ شدن۔ صراح ۱۲

ترکیب

اذا شرط من یوم من بمعنی فی ای فی یوم الجمعۃ۔ فاسعوا جوابہ وذروا عطف علی فاسعوا و الجمعۃ بضمتین وباسکان المیم مصدر بمعنی الاجتماع فاذا قضیت شرط فانتشروا جوابہ کثیرا ای ذکرا کثیرا واذا راوا شرط انفضوا جوابہ وترکوا معطوف علیہ قائما حال من المفعول فی ترکوک ما موصولۃ عند اللہ صلۃ خیر خبر للموصول والصلۃ۔

تفسیر

یہود پر تین زجر و توبیخ ہوئیں۔ اول جب انہوں نے اپنے علم و فضل کا فخر کیا اور عرب اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل قرار دیا تو ان کو گدھے سے تشبیہ دی اور جب انہوں نے یہ فخر کیا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے سبب خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر اور خاص دوست ہیں۔ دار آخرت کی نعماء ہمارے لیے تیار ہیں تو ان کی تکذیب کی اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو موت کی آرزو کرو کہ وہ چیزیں تمہیں تیار ملیں۔ تیسرا ان کا ایک اور فخر تھا کہ خدا نے ہمارے دین میں سبت (ہفتہ کا دن) رکھا ہے جس کی تعظیم و حرمت ہم پر واجب ہے اور اس میں بڑی برکات ہمارے لیے ہیں[۱] مسلمانوں کے لیے یہ نعمت نہیں۔ اس تفاخر کے مقابلے ہیں یا اس کی جگہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کے لیے جمعہ کا دن مقرر کرتا ہے جو ہفتہ اور اتوار سے بھی مقدم ہے اس لیے اس دن کی خاص عبادت کے لیے حکم دیتا ہے۔

فقال یا ایہا الذین آمنوا۔ الی۔ ان کنتم تعلمون۔ کہ اے ایمان دارو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اس کی طرف چلو اور جا کر یاد الٰہی کرو اور سوداگری یا اور کوئی دنیاوی کام ہو اس کو چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ کس لیے کہ دنیا اور اس کے نعماء جن کے حاصل کرنے میں تم سرگرمی اور کوشش کرتے ہو فانی ہیں تم کیا یہاں سدا رہو گے اور کیا تمہارے کام یہ چیزیں ہمیشہ آئیں گی؟ جہاں تمہیں جانا اور وہاں جا کر سدا رہنا ہے اس کے لیے کوشش کرنا بہتر ہے اور من جملہ ان کے جمعہ کے لیے چلنا اور تیار ہونا اور کار دنیاویہ کو چھوڑ دینا ہے۔

مباحث

(۱) فضائل جمعہ

فضائل جمعہ احادیث صحیحہ میں بہ کثرت وارد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پچھلے ہیں مگر قیامت میں سب سے آگے رہیں گے' یہی بات ہے کہ ان کو ہم سے پہلے کتاب ملی اور ہم کو بعد میں پھر یہ دن جمعہ کا ان پر فرض ہوا وہ اس میں جھگڑے' اللہ نے ہم کو بتا دیا سب لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں یہود اس کے ایک روز بعد نصاریٰ ان کے ایک دن بعد (متفق علیہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب دنوں سے جمعہ افضل ہے اسی دن آدمؑ پیدا ہوئے اسی دن جنت میں گئے اسی دن وہاں سے نکلے اسی دن قیامت ہوگی۔ (رواہ مسلم)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز

---

[۱] یہود ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے ہیں اس دن کاروبار دنیاوی ان کے ہاں حرام ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک اتوار کے دن کی تعظیم ہے وہ کہتے ہیں اس دن حضرت مسیحؑ قبر سے اٹھ کر آسمان پر گئے اور لوگوں کو دکھائی دیے۔ ہنود بھی اتوار کو مانتے ہیں ۱۲ منہ

ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جو کچھ بندہ اس ساعت میں مانگتا ہے پاتا ہے۔ (متفق علیہ)

مسلم کی روایت میں جو ابی بردہ سے ہے وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز تمام کرنے کے زمانے میں ہے۔ اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور احمد کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسب قول عبداللہ بن سلام وہ ساعت آخر ساعت ہے یعنی غروب کے قریب تک عصر سے لے کر۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ دن تمہارے سب دنوں سے افضل ہے اس دن مجھ پر درود بھیجا کرو وہ میرے سامنے لایا جاتا ہے۔

(۲) احکام جمعہ

(۱) یہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ غیر معذور پر واجب ہے۔ مگر علماء نے احادیث و آثار میں غور کر کے اس نماز کے وجوب کے لیے بارہ[۱۲] شرطیں قائم کی ہیں چھ[۶] خاص پڑھنے والے کے لیے وہ یہ ہیں:-

حریت[۱] یعنی آزاد ہو کسی کا غلام نہ ہو کس لیے کہ وہ بیگانہ تابعدار معذور ہے۔

ذکورۃ[۲] یعنی مرد ہو عورت پر واجب نہیں۔

اقامۃ[۳] یعنی مقیم ہو مسافر نہ ہو کس لیے کہ مسافر پر واجب نہیں۔

صحت[۴] تندرستی، کس لیے کہ بیمار پر واجب نہیں۔

سلامۃ الرجلین[۵] یعنی پاؤں ہوں لنگڑا اپاہج نہ ہو کس لیے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔

سلامۃ البصر[۶]، بینا ہو۔ کس لیے کہ اندھے پر واجب نہیں۔ بعض کہتے ہیں جب اندھے کو لے جانے والا ہو اس پر بھی واجب ہے۔

اور چھ[۶] دوسری شرطیں ہیں:- مصر جامع کہ شہر ہو جس میں بازار وغیرہ ہوں کس لیے کہ دیہات میں جمعہ واجب نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ شرط ثابت نہیں بلکہ جس بستی میں چالیس آدمی جمعہ میں آسکتے ہوں وہاں جمعہ واجب ہے۔ اور یہی امام احمد حنبلؒ کا قول ہے۔ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ چالیس سے بھی کم ہوں تو بھی واجب ہے۔

سلطان[۲] یا اس کا نائب منتظم بھی ہو۔ اس شرط میں بھی دیگر ائمہ کو کلام ہے۔

جماعت[۳]۔ اگر جماعت میسر نہ آئے تو جمعہ واجب نہیں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک کم از کم امام کے سوا تین آدمی اور ہوں گے تو جماعت ہو جائے گی۔ صاحبین کہتے ہیں امام کے سوا دو[۲] اور ہوں تو کافی ہے۔

وقت[۴]۔ ظہر کے وقت پر ہونا چاہیے۔ ظہر کے وقت سے پہلے یا اس کے بعد جمعہ نہ ہوگا۔ مگر حنبلیوں کے نزدیک زوال سے پہلے بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول وقت جمعہ پڑھا اس کو دیواروں کے سائے دیکھ کر بعض نے زوال کا وقت سمجھ لیا ہوگا۔

اظہار[۵] یعنی مخفی اور پوشیدگی کی حالت میں جمعہ نہیں، شہرت اور اذن عام ہونا چاہیے۔

خطبہ[۶] بھی ہونا نماز سے پہلے شرط ہے اگر خطبہ نہ ہوگا جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ (ملخص از ہدایہ و شرح وقایہ من درر الحکام)۔

باقی طہارت مصلّی وغیرہ اور نماز کی سب شرطیں ہیں۔ جب یہ شروط پائی جائیں تو جمعہ واجب و فرض ہے اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے ہوئے فرماتے تھے کہ لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آئیں، ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا کہ وہ غافل ہو جائیں گے (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سستی سے

تین جمعے ترک کرے گا اللہ اس کے دل پر مہر کر دے گا (رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وابن ماجہ والدارمی ومالک و احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قصد کیا تھا کہ کسی کو جمعہ پڑھانے کے لیے کہوں پھر دیکھوں جو شریک نہیں ہوتے ان کے گھروں میں آگ لگا دوں (رواہ مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ حق اور واجب ہے ہر مسلمان پر واجب ہے ساتھ مگر چار شخص غلام عورت لڑکے بیمار پر نہیں (رواہ ابوداؤد)

(۲) مسنون یہ ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرے اچھے اور صاف کپڑے پہنے خوشبو لگائے اور جب اول اذان ہو تو خرید و فروخت سب کاروبار بند کرے اور مسجد میں جاکر جہاں جگہ ملے چار رکعت سنت پڑھے پھر جب امام منبر پر چڑھے اور اذان ثانی شروع ہو تو بات چیت بند کرے اور نوافل و سنن بھی نہ پڑھے متوجہ ہو کر خطبہ سنے۔ امام خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر پڑھے اور بیچ میں تھوڑی دیر بیٹھ جائے پھر شروع کرے۔ خطبہ میں خدا کی حمد و ثنا اور پیغمبر علیہ السلام پر درود کے بعد وعظ و پند اور احکام الٰہی کی تعلیم و ترغیب ہو۔ راگنی میں نہ ہو صاف اور سادی وضع پر ہو۔ اور خطیب لباس مسنون پہنے ہاتھ میں عصا لیے اس پر سہارا کیے ہو۔ خطبہ عربی زبان میں ہو اور جو قوم بالکل نہ سمجھے ان کو ترجمہ کر کے سمجھا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، خطبہ کے بعد امام منبر سے اتر آئے اور اقامت کے بعد دو رکعت نماز پڑھائے پکار کر الحمد اور اس کے ساتھ اور سورت یا آیات قرآنیہ پڑھے، سلام کے بعد چار رکعت اور پھر دو رکعت یا صرف چار علیٰ حسب اختلاف الروایات اور بھی ہر ایک جدا گانہ پڑھے یہ مسنون ہے واجب نہیں۔ جمعہ کی نماز سے ظہر کے چار فرض ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور مسافر وغیرہ جو جمعہ میں شریک ہو جائیں تو ان سے بھی ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جو کوئی بلا عذر شریک نہ ہو گو شریک نہ ہونے سے گنہ گار ہو گا مگر وہ ظہر پڑھے لیکن جماعت نہ کرے۔ جمعہ سے پہلے اور نماز کے بعد کاروبار دنیاوی کی ممانعت نہیں۔ ہاں جو اس تمام روز متبرک میں خیرات و عبادت کے لیے تعطیل کرے تو بڑی برکت ہو گی۔

(۳) جمعہ کو اس لیے جمعہ کہتے ہیں کہ اس دن لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ جس نے سب سے اول اس دن کا جمعہ رکھا ہے بعض کے نزدیک کعب بن لوی ہے اور عرب پہلے اس دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انصار نے ہجرت سے پہلے جمع ہونے کا اور مل کر عبادت کرنے کا یہ دن مقرر کیا تھا۔ اس لیے کہ ہفتہ یہود کے لیے، اتوار

۱؎ وقبل الجمعۃ اربع بلا خلاف وبعدہا اربع بتسلیمۃ وعند ابی یوسف بعد الجمعۃ یصلی اربعا وبعدہ رکعتین بتسلیمتین وبہ اخذ الطحاوی واکثر المشائخ منا وبہ یعمل الیوم (مجمع الانہر) یعنی چار رکعت جمعہ کے پہلے بلا خلاف اور چار اس کے بعد ایک سلام سے ابو یوسف کے نزدیک بعد جمعہ کے چھ رکعت ہیں چار رکعت پڑھ کر دو اور پڑھے۔ امام احمد حنبل رحؒ کے نزدیک اول جمعہ کی کوئی تعداد نوافل کی مخصوص نہیں اور بعد میں اقل دو رکعت ہیں لانہ علیہ السلام کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین متفق علیہ اور زیادہ چھ۔ کما رواہ ابوداؤد ۱۲ منہ

۲؎ کعب کے عہد میں اسلام نہ تھا، اس نے اس دن کا نام جمعہ شاید یوں رکھا ہو گا کہ اس دن بازار لگتا ہو گا جس میں خرید و فروخت کے لیے جمع ہوتے ہوں گے ۱۲ منہ

نصاریٰ کے لیے تھا۔ تب وہ سعد بن زرارہؓ کے پاس جمع ہوئے انہوں نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور اس سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں وعظ و نصائح تھے تب سے اس دن کا نام جمعہ قرار پا گیا۔ یہ پہلا جمعہ اسلام میں ہوا۔ جب ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں اُترے اور پیر اور منگل اور بدھ اور جمعرات کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز نکلے مدینے میں آنے کے لیے تو آپؐ نے جمعہ بنی سالم ابن عوف میں پڑھا خطبہ پڑھ کر نماز پڑھائی یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا جمعہ تھا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ کہ جب جمعہ کے روز نماز کے لیے آواز دی جائے۔ اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا ہے اس وقت دی جاتی ہے کس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے عہد تک صرف یہی ایک اذان تھی مگر عثمانؓ کے عہد میں جب آبادی بڑھ گئی اور لوگ زیادہ ہو گئے اور یہ اذان کافی نہ سمجھی گئی تو حکم دیا کہ اس سے پہلے ایک اور اذان دیا کرو جو ان کے مکان پر دی جایا کرتی تھی جس کو زوراء کہتے تھے' اس کو سن کر لوگ نماز کے لیے آنے لگتے تھے۔ پھر جب سب جمع ہو جاتے تھے تو

امام جب منبر پر بیٹھتا تھا تو دوسری اذان بدستور ہوتی تھی۔ گو یہ حضرت عثمانؓ کا فعل تھا مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی کہ میرے طریقے کو اور میرے سچے جانشینوں کے طریقے کو لازم پکڑو اس لیے یہ بھی مسنون ہو گئی اور اُس وقت صحابہؓ میں سے کسی نے اس میں کلام نہ کیا تو آج تک یہ دستور چلا آیا۔ اس پہلی اذان سننے سے بھی نماز جمعہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے علمائے احناف فرماتے ہیں کہ اس اذان سننے کے بعد بیع و شرا کاروبار دنیاوی ممنوع ہیں۔

فاسعوا الی ذکر اللّٰہ تو ذکر اللہ یعنی خطبہ اور نماز کے لیے چلو۔ ذکر اللہ سے دونوں چیزیں مراد ہیں خطبہ اور نمازؒ۔ بعض کہتے ہیں نماز بعض کہتے ہیں خطبہ۔ اور سعی سے مراد دوڑنا بھاگنا نہیں کہ دوڑ بھاگ کر آؤ بلکہ چلنا اور قصد کرنا اور کوشش کرنا کما فی قولہ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ فلما بلغ معہ السعی۔ غسل کرنا، کپڑے پہننا بھی اس سعی میں داخل ہے۔

وذروا البیع اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ مراد کاروبار دنیاوی ہیں۔ چوں کہ اس دن لوگ اس کار میں زیادہ مصروف رہتے تھے اس لیے اس کا ذکر کیا کہ اذان سننے کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔ کشاف

ؒ اسلام نے عبادات میں بھی قوت اجتماعیہ ملحوظ رکھی ہے نماز باجماعت جس میں مسلمانوں کو پانچ وقت میل جول محبت ہمدردی کا موقع ملتا ہے۔ جمعہ میں شہر بھر کے مسلمانوں کا مجمع ہے خطیب کو قومی مصالح کی تعلیم اور وعظ و پند کا موقع ہے۔ اسی طرح عیدین میں اور حج میں تمام ملکوں کے مسلمان باہم مل جل سکتے ہیں سب ایک مشورت و تدبیر سے مطلع ہو سکتے ہیں مگر افسوس کہ ہم نے ان باتوں سے برکات حاصل کرنا چھوڑ دیا۔ مجموعی عبادت میں انوار کا انعکاس اور جماعت خدا پرستوں کا غلبہ و شوکت بھی غیر جماعتوں پر اثر ڈالنے والی چیز ہے اب جمعہ کو سبت اور اتوار سے مقابلہ کیجیے کہ بجز اس کے کہ تمام دن بازار و کاروبار بند کر کے آرام کرو اور کیا ہے توریت میں سبت کے دن کوئی نماز نہیں ہاں بعد میں بنالی ہو تو خیر۔ جمعہ میں پوری سبت کی اصلاح ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سبت کے دن بعض کام کر کے معطل رہنے کی رسم کو اٹھانا چاہا تھا مگر یہود نے بڑا نزغہ کیا آنے والے مصلح پر تقدیر نے اس کو بھی چھوڑ دیا ۱۲ منہ

ہیں ہے کہ عامۂ علماء کے نزدیک باوجود ممنوع ہونے کے جو کوئی بیع کرے گا تو یہ فاسد نہ ہوگی کہ حرمت لعینہ نہیں بلکہ نماز سے روکنے کے لیے ہے چنانچہ اذان سُن کر چلتے ہوئے جو کوئی رستہ میں بیع و شراء کرے اس میں کچھ بھی قباحت نہیں۔ مگر امام مالکؒ کہتے ہیں بیع فاسد ہوگی۔

ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون اس وقت خرید و فروخت چھوڑنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہے کس لیے کہ دنیا فانیہ کی تجارت سے آخرتِ باقیہ کی تجارت بہرحال بہتر ہے۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ پھر جب نماز سے فارغ ہو چکو تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کے فضل و رزق روزی کی تلاش کرو۔ فضل اللہ سے مراد روزی ہے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ پہلے جو ممانعت کی تھی اس کی اجازت ہے۔

واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون اور صرف روزی ہی کی تلاش میں بے ہوش نہ ہو جاؤ بلکہ اللہ کو یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ تسبیح و تحمید استغفار و ذکرِ قلبی و لسانی سے ہر حال میں اللہ کو نہ بھولو دست بہ کار دل بہ یار رہے نماز کے باہر بھی ذکرِ الٰہی جاری رہے۔

بخاری و مسلم وغیرہما نے جابر بن عبداللہؓ سے نقل کیا کہ ایک وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہوئے خطبہ پڑھ رہے تھے کہ مدینے کا کارواں آیا اشام سے غلّہ لے کر آیا اور دن قحط سالی کے تھے اور اس کی ڈگڈگی بجی (تو لوگ اس کے دیکھنے کو چلنے لگے یہاں تک کہ صرف بارہ[۱] آدمی (خطبہ و نماز میں) رہ گئے کہ جن میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں واذا راوا تجارۃ او لھوا[۲] انفضوا الیھا (کہ جب تجارت یا لہو یعنی ڈونڈی پٹتی دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں) وترکوک قائما (اور تجھے اے نبی کھڑا چھوڑ جاتے ہیںؐ) شاید اُس وقت خطبہ عیدین کی طرح بعد میں تھا یہ سمجھے کہ نماز تو ہو چکی قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ کہہ دے جو کچھ اللہ کے پاس ہے ثواب اور دارِ آخرت کی نعمتیں جو خطبہ اور نماز سے حاصل ہیں وہ لہو ڈگڈگی کی آواز اور تجارت سے بہتر ہیںؐ کس لیے کہ وہ نعمائے باقیہ ہیں پھر عمدہ چیز چھوڑ کر بری کی طرف دوڑنا کون عقل ہے۔

واللہ خیر الرازقین اللہ بہتر ہے روزی دینے والوں سے۔ دراصل وہی روزی دیتا ہے نہ تجارت نہ زراعت نہ نوکری۔

سورہ منٰفقون

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں

اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ

رکوع ۹

---

[۱] ایک بار کے معاملہ پر تو بیجا بولا گیا قتادہ کہتے ہیں تین بار ایسا کیا گیا تین بار قافلہ آیا اور لوگوں نے ایسا کیا۔ کشاف ۱۲ منہ

[۲] واذا الخ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ ایک نکاح میں جب لونڈیاں گانے بجانے لگیں تو لوگ خطبہ میں سے اٹھ کر چلنے لگے اور ایک بار قافلہ کے لیے بھی چل دیے تو دونوں معاملوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ لہو سے مراد لونڈیوں کا گانا بجانا۔ تجارت سے قافلہ ۱۲ منہ

إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۗ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ

آپ ضرور اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک

الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝ اتَّخَذُوا

منافق جھوٹے ہیں انہوں نے اپنی

أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ

قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے پھر (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے

اللَّهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۲

ہیں (یہ) بہت ہی بُرا کر رہے ہیں

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا

یہ اس لیے کہ یہ (ظاہر میں) ایمان لائے پھر منکر ہو گئے

فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا

پھر ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی جس لیے وہ

يَفْقَهُونَ ۝ ۳ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ

سمجھتے ہی نہیں اور (اے مخاطب) تو ان کو دیکھے تو تجھے (ان کے ڈیل ڈول)

أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ

بھلے معلوم ہوں اور اگر وہ کچھ کہیں تو ان کی

لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ ۖ

بات سُنے گویا کہ وہ (دیوار کے سہارے) لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں

يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ

ہر ایک آواز کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ

وہی دشمن ہیں پس ان سے بچتے رہو انہیں اللہ کی مار

أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ ۴

کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں

ترکیب

اذا شرط قالوا جوابہ وقیل محذوف و قالوا حال ای جاؤک قائلین کبت وکبت فلا تقبل منہم وقیل جوابہ اتخذوا وفیہ ما فیہ۔ واللہ یعلم الخ جملہ معترضۃ مقررۃ لمضمون ما قبلہا وہو الشہادۃ باللسان مع الانکار فی القلب اتخذوا الخ الجملۃ مستانفۃ لبیان کذبہم وحلفہم علیہ ایمانہم عند الجمہور بفتح الہمزۃ جمع الیمین و قریٔ بکسرہا والجنۃ الترس سپر۔ ساء ہٰہنا بمعنی بئس فی افادۃ الذم فطبع قرء الجمہور مبنیا للمفعول وقریٔ مبنیا للفاعل واذا رایتہم شرط تعجبک جوابہ وان یقولوا شرط تسمع جوابہ وقریٔ یُسمع علی البناء للمفعول کانہم خشب مسندۃ فی خبر الرفع علی انہ خبر مبتداء محذوف او کلام مستانف لا محل لہ۔ و قریٔ خشب علی انہ جمع خشبۃ کبدن جمع بدنۃ وقیل جمع خشباء و ہی الخشبۃ المجوفۃ وقریٔ بالتثقیل مسنّدۃ من الاسناد بمعنی الامالۃ والتشدید للمبالغۃ وقریٔ خشب بضمتین و قریٔ باسکان الشین وقریٔ بفتحتین۔

تفسیر

یہ سورت بھی مدینے میں نازل ہوئی ابن عباسؓ وغیرہ اکثر اسی کے قائل ہیں۔ جمعہ کی نماز میں اول رکعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ جمعہ پڑھتے تھے ایمان داروں کو بیدار و ہوشیار کرنے کے اور دوسری رکعت میں اس سورت کو پڑھتے تھے منافقوں کی سرزنش کے لیے (اس مضمون کو سعید بن منصور نے اور اوسط میں طبرانی نے نقل کیا ہے۔

بخاری اور مسلم وغیرہما نے زید بن ارقمؓ صحابی سے نقل کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے[۱]

[۱] بعض کہتے ہیں غزوہ تبوک میں یہ واقعہ ہوا۔ بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ غزوہ بنی المصطلق تھا ۱۲ منہ

[illegible]

تو وہاں لوگوں کو تکلیف پہنچی (بھوک پیاس کی) اور بخاری کی
کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری[1]
کے کسی بات میں خفا ہو کر تھپڑ مار دیا تھا انصاری نے انصار
کو مدد کے لیے پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو اور اس وقت
مہاجر تھوڑے اور انصار بہت تھے۔ آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ کیا گندی بات ہے۔ بات گئی گزری
ہوئی۔ مگر عبداللہ[2] بن ابی نے کہا کیا مہاجر نے ایسا کیا ہے
تب تو اس کو دلی بغض نکالنے کا موقع مل گیا جوش میں آکر
کہنے لگا کہ لو ہمارے ٹکڑے کھا کر ان لوگوں کو یہ دن لگے ہیں
بخدا مدینہ پہنچ کر ہم شہر کے رئیس ان ذلیل پردیسیوں کو
نکال دیں گے اور لوگوں سے کہا کہ جو اس نبی کے پاس ہیں
یعنی مہاجرین ان کو آیندہ سے کچھ دیا لیا نہ کرو پریشان
ہو کر بھوک کے مارے آپ بھاگ جائیں گے۔ یہ بات
زید کہتے ہیں میں نے سن لی اور میں نے اپنے چچا[3] یا عمرؓ سے
ذکر کر دیا انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کہا
آپؐ نے مجھے بلا کر پوچھا میں نے صاف صاف کہہ دیا پھر
عبداللہ بن ابی سردار منافقین کو بلا کر پوچھا اس نے انکار
کیا اور قسمیں کھانے لگا اور بڑی باتیں اخلاص مندی کی
کرنے لگا۔ زید کہتے ہیں لوگوں نے مجھے جھوٹا سمجھ کر بڑی ملامت
کرنی شروع کی یہاں تک کہ میں شرمندگی کے مارے
گھر میں بیٹھ رہا مگر خدا تعالیٰ سے امید تھی کہ قرآن میں میری
بابت کوئی بات ضرور نازل فرمائے گا پھر جب یہ آیات
نازل ہوئیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر
فرمایا زید خدا نے تجھے سچا کر دیا (خلاصۃ الروایات) یہ ہے ان
آیات کا شانِ نزول۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ منافقوں کے اس قول کو بھی
نقل کرتا ہے اور پھر ان کے قسمیں کھانے اور اخلاص ظاہر
کر کے جان بچانے کا بھی حال بیان فرماتا ہے مگر شانِ الہامی
اور رحمتِ خداوندی یہ ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا۔ فرماتا
ہے اذا جاءک المنفقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ
جب کہ آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی
دیتے ہیں کہ تو اے محمد اللہ کا رسول ہے۔

منافق شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ جو بظاہر مسلمان
اور در پردہ کافر ہو۔ وہ عند اللہ بھی کافر ہے گو شرعِ ظاہر
سے اسلام کے ظاہری احکام میں شریک ہے۔ اس پر
نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی میراث کا حصہ بھی پائے گا
لیکن مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور جس کا
ظاہر کچھ ہو باطن کچھ ہو اس کو بھی منافق کہتے ہیں مگر حقیقی
منافق نہیں۔ اسی طرح جس میں منافقوں کی عادات ہوں
جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا امانت میں خیانت کرنا گالی
بکنا، نماز میں سستی کرنا وہ حقیقی منافق نہیں بشرطیکہ دل
میں کلمہ کی تصدیق ہو مگر ان بری باتوں کے سبب گناہ گار
اور نفاق کے رنگ میں رنگا ہوا ہے مدینے میں ابتدائے اسلام
کے وقت چند لوگ ایسے تھے جن کا سردار عبداللہ
ابن ابی تھا وہ اور اس کا گروہ آپؐ کے سامنے آکر گواہی
دیتے تھے۔

---

[1] انصار بنی اوس و بنی خزرج مدینے کے اصلی باشندے اور مہاجر وہ لوگ جو باہر سے وطن چھوڑ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے ۱۲ منہ

[2] عبداللہ بن ابی انصار میں بڑا شخص تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف لانے سے پہلے اسی کو سرداری کی پگڑی بندھنے والی تھی جو آپ کے آنے سے خاک میں مل گئی اس کے دل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی عداوت تھی اور منافقوں کا سردار تھا ۱۲ منہ

[3] طبرانی کے نزدیک چچا سے مراد سعد بن عبادہؓ ہیں جو قوم خزرج کے سردار تھے ۱۲ منہ

واللہ یعلم انک لرسولہ فرماتا ہے ان کی گواہی پر موقوف نہیں اللہ خود جانتا ہے کہ تو اس کا لے محمدؐ رسول ہے۔ یعلم اللہ کا لفظ عرب کے محاورہ میں قسم میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ تب اس جملہ میں قسم سے تاکید اور زیادہ ہو جائے گی۔ مگر ان کی گواہی دل سے نہیں اور گواہی میں دل اور زبان کا موافق ہونا ضرور ہے اگر دونوں موافق نہیں تو وہ شہادت جھوٹی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللہ یشھد ان المنفقین لکذبون کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنی شہادت میں ضرور جھوٹے ہیں۔ نہ اس کہنے میں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں کیوں کہ یہ خبر تو صادق ہے واقع کے مطابق ہے۔ اور خبر کے صدق و کذب کا اسی پر مدار ہے اگر واقع کے مطابق ہے تو خبر صادق ہے ورنہ کاذب ہے۔ مخبر کے اعتقاد کا اعتبار جمہور کے نزدیک نہیں لے مگر جاحظ کہتا ہے کہ جس طرح شہادت کے سچے ہونے میں واقع سے مطابق ہونے کے ساتھ اعتقاد سے مطابق ہونا بھی شرط ہے اسی طرح خبر میں بھی، کس لیے کہ شہادت بھی خبر ہے۔ یہاں مؤکد ہے چوں کہ ان کی خبر اعتقاد کے مطابق نہ تھی گو واقع کے مطابق تھی اس لیے

ان کو خدائے پاک نے جھوٹا کہا۔ بعض کہتے ہیں خدا نے جو انہیں اس سچی بات کے کہنے میں جھوٹا کہا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے نزدیک جھوٹے ہیں کس لیے کہ وہ انک لرسول اللہ کو جھوٹ جانتے تھے نہ یہ کہ وہ دراصل جھوٹے تھے کس لیے کہ بات تو سچی تھی۔ اشھد اور نشھد یا اس کا ترجمہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یمین اور حلف ہے۔ کچھ قسم کھا کر کہنے پر موقوف نہیں

پھر فرماتا ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں اس لیے کھاتے ہیں۔ اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ کہ اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے الزام سے بچنے کے لیے پھر وہ اللہ کے رستے سے روکتے ہیں یا خود رک گئے۔ ایمان یمین کی جمع۔ یمین کے لغت میں معنی قوت کے ہیں اور شرع میں اس کلام کو کہتے ہیں جس کو حلف اور قسم سے قوی کیا جائے خواہ لفظ اللہ یا اس کے کسی اور نام یا صفات سے صادر ہو جیسا کہ عربی میں باللہ تاللہ بالرحمٰن بالرحیم بعزۃ اللہ وجلالہ کہہ کر کوئی بات کہے۔ اردو میں خدا کی یا اللہ کی قسم یا اس کو

لے جمہور کے نزدیک خبر کا سچا اور جھوٹا ہونا واقع سے مطابق ہونے نہ ہونے پر منحصر ہے آیت میں خبر میں کاذب نہیں فرمایا بلکہ شہادت میں جن کو وہ اشھد اور انّ اور لَ سے مؤکد کر کے ادا کرتے تھے یا کاذب اپنے اعتقاد میں یا اس قول میں نہیں بلکہ وہ جو کہتے تھے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ مہاجروں کو مدینہ سے نکال دو اس میں جھوٹے ہیں کیوں کہ انہوں نے یہ بات ضرور کہی ہے۔ نظام معتزلی کہتا ہے خبر کے صدق و کذب کا مدار صرف اعتقاد پر ہے اگر اعتقاد کے موافق خبر دی تو سچ گو واقع کے مطابق نہ ہو۔ اسی طرح اگر اعتقاد کے موافق نہیں گو واقع کے مطابق ہے وہ خبر جھوٹی ہے جیسا کہ اس آیت میں خدا نے منافقوں کی خبر انک لرسول اللہ کو جھوٹا کہہ دیا اعتقاد کے مطابق نہ ہونے کے سبب گو واقع سے مطابق تھی، جاحظ دونوں کی مطابقت صدق میں اور دونوں کی عدم مطابقت کذب میں معتبر جانتا ہے۔ اس کے نزدیک بھی آیت میں جو منافقوں کو انک لرسول اللہ کہنے میں کاذب کہا اس لیے کہ اعتقاد کے مطابق خبر نہ تھی ۱۲ ابو محمد عبد الحق۔

حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں۔ ان الفاظ سے جو کہے۔

پھر یمین کی تین قسمیں ہیں۔

اول یمینِ غموس جو کسی گزشتہ بات پر ایسی قسم کھا کر کہے اور مقصود جھوٹ کہنا ہو۔ کہ واللہ یہ بات یوں تھی۔ اور جانتا ہے کہ یوں نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جھوٹی قسم کھائے اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا اس کا بجز توبہ و استغفار کے اور کوئی کفارہ نہیں۔ منافق بھی یمینِ غموس میں مبتلا تھے۔ اس سورت میں آگے ان کے لیے استغفار ہی کی تاکید ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کفارہ دے۔

دوم یمینِ منعقدہ کہ آیندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے کہ واللہ یوں کروں گا یا بخدا ایسا نہ کروں گا۔ اس کے خلاف کرنے میں کفارہ ہے۔

سوم یمینِ لغو کہ کسی گزشتہ بات کی قسم کھا کر خلاف خبر دی مگر یہ اس کو خلاف نہیں جانتا (یا یوں ہی بلاقصد واللہ باللہ کہا کرے جیسا کہ بات بات پر عوام واللہ باللہ کہا کرتے ہیں۔ اس میں کفارہ نہیں مگر ایسی قسم نہ کھانا چاہیے) (الشافعی)

فرمایا تھا کہ اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس لوگوں کو اللہ کے رستے جہاد ایمان اعمالِ صالحہ سے روکتے ہیں دلوں میں شبہ ڈال کر اور اسلام میں جھوٹے عیوب اتہام لگا کر اور جو ان کا یہ جرم کسی نے ظاہر کر دیا تو قسمیں کھا کر سزا سے بچ گئے یہ دستور کر رکھا ہے۔ لیکن ساء ما کانوا یعملون یہ بہت بری بات ہے۔

اب ان کے اس جرم کے ارتکاب کا سبب بیان فرماتا ہے ذلک بانھم امنوا ثم کفروا کہ وہ زبان سے ایمان لائے پر دل سے منکر ہو گئے یا یوں کہو کہ اول ایمان لائے پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں کافر و مرتد ہو گئے فطبع علی قلوبھم پھر تو ان کے دلوں پہ مہر ہو گئی فھم لا یفقھون پھر کچھ نہیں سمجھتے حق و باطل میں امتیاز نہ رہا۔ اب اس کے بعد ان کے ظاہری حالات بیان فرماتا ہے واذا رایتھم تعجبک اجسامھم کہ بڑے چپڑے چکنے ڈیل ڈول کے خوب صورت بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں کہ دیکھنے سے بھلے معلوم ہوں یا تعجب ہو وان یقولوا تسمع لقولھم اور خوش بیان چرب زبان بھی ہیں کہ مجلس میں بات کریں تو ان کی بات کان لگا کر دھیان سے سنی جائے مگر یہ ظاہری ڈھول ہے اندر سے خالی ہیں کانھم خشب مسندۃ گویا وہ دیوار سے لگی ہوئی لکڑیاں ہیں۔

تشبیہ اس بات میں ہے کہ:۔

(۱) خشک لکڑی جب جلنے کے سوا اور کسی کام میں نہیں لائی جاتی نہ عمارت میں نہ کسی چیز کے بننے میں تو اس کو دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں ان میں خود کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہیں۔ یہی حال ان منافقوں کا ہے نکمے ہیں دل خالی ہیں خیر و ایمان سے، صرف جہنم میں جلانے ہی کے قابل ہیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں کس لیے کہ دلوں پر مہر ہے کوئی بات خود حق و باطل کی سمجھ نہیں سکتے۔

(۲) یہ بھی ہے کہ وہ خشک لکڑیاں اصل میں تر و تازہ تھیں کٹ کر خشک ہو گئیں اسی طرح اصل فطرتِ انسانیہ کے لحاظ سے یہ بھی اچھے اور ایمان دار تھے مگر جب اس سے کٹ گئے خشک ہو گئے۔

(۳) اب جس طرح جلانے کے سوا ان لکڑیوں سے اور کوئی مقصود نہیں اسی طرح ان کفار و منافقین کو جہنم کا ایندھن سمجھنا چاہیے۔

(۴) لکڑی کٹی ہوئی کے دو رخ ہوتے ہیں ایک اوپر دیوار سے ملا ہوا دوسرا زمین سے لگا ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے بھی دو رخ ہیں ایک اوپر ظاہری ایمان چرب زبانی کا دوسرا کفر و بد باطنی کا سرنگوں اور ذلت اندوز ہے۔

(۵) دیوار سے لگے ہوئے خشک لٹھے سے ان کے قد و قامت میں بھی تشبیہ ہے۔ نامرد ایسے ہیں یحسبون کل صیحۃ علیھم کہ جو کوئی آواز ہو گھوڑا چھوٹ جائے یا کوئی کھڑکا ہو یا کوئی کسی کو پکارے تو سمجھتے ہیں کہ ہم ہی پر بلا آئی فوراً اچھل پڑتے ہیں۔ فرماتا ہے ان کی چکنی چپڑی باتوں پر نہ جاؤ ھم العدوّ اصل دشمن اسلام یہی ہیں ان سے بچو۔ آپ ہی بد دعا کرتا ہی محاورۂ عرب کے مطابق قاتلھم اللہ اللہ ان کی گردن مارے انّٰی یؤفکون کہاں سے پھرے جاتے ہیں ہدایت کے چشمے سے پیاسے جاتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لو آؤ رسول اللہ تم کو

رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ

معاف کرائیں تو اپنے سر ہلانے لگتے ہیں اور آپ

يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ۝

ان کو روکتے ہوئے اور متکبر بنے ہوئے دیکھو گے

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ

برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے معافی مانگیں

أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ

یا نہ مانگیں اللہ ان کو ہرگز بخشنے کا ہی

لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

نہیں بے شک اللہ بدکار قوم کو ہدایت

الْفَاسِقِينَ ۝ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ

نہیں دیتا (یہ) وہی تو ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا

لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ

کہ جو لوگ رسول کے پاس رہتے ہیں ان کو مت دیا کرو

حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ

یہاں تک کہ تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنی خزانے

وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا

ہیں سب اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں

يَفْقَهُونَ ﴿٧﴾ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا

سمجھتے کہتے تھے کہ اگر ہم لوٹ کر

إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا

مدینہ گئے تو عزت دار وہاں سے ذلیلوں کو نکال کر

الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَ

رہیں گے حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور

لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ

ایمان داروں کو ہی ہے لیکن منافق

ع ۸ ۱۳ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

جانتے نہیں

ترکیب

واذا قیل شرط یستغفر مجزوم لوقوعہ فی جواب الامر ای تعالوا۔ لوّوا جواب الشرط وھم مستکبرون الجملۃ حال من فاعل یصدون و رایت لوکان من الرؤیۃ البصریۃ فیصدون حال والا فھو مفعول ثان حتی ینفضوا قرأ الجمھور من الانفضاض وھو التفرق و قرئ ینفضوا من نفض القوم اذا فنیت ازوادھم۔

تفسیر

اور جب ان کی جھوٹی قسمیں کھانے اور ان کے کذب ثابت ہو جانے یا منہ سے وہ نالائق باتیں کہنے پر جن کا ذکر ابھی آیا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ چلو رسول اللہ ﷺ پاس کہ تمہارے لیے خدا سے بخشش اور معافی مانگے تو اکڑتے اور سر ہلاتے ہیں۔ اے رسول خواہ ان کے لیے آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اللہ

ان کو نہ بخشے گا۔ ھم الذین سے لے کر آخر تک وہ کلمات ہیں جو عبداللہ بن ابی نے کہے تھے کہ آں حضرتؐ کے لوگوں کو کچھ نہ دو کہ چلے جائیں اس کے جواب میں فرماتا ہے وہ کیا دیں گے زمین و آسمان کے خزانے اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور یہ بھی کہتا تھا کہ مدینے چل کر عزت دار یعنی میں ذلیلوں یعنی مہاجرین کو نکال دوں گا اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ عزت اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے یعنی مہاجرین ذلیل نہیں آئے تم ذلیل ہو مگر تم جانتے نہیں[1]

ع ۲ / ۱۴ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ
اے ایمان والو! تم کو تمہارا
اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ
مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل
ذِكْرِ اللّٰهِۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
نہ کرنے پائے اور جس نے ایسا کیا تو وہی
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا
خسارے میں پڑ گیا اور ہمارے دیے میں سے
رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ
اس دن سے پہلے دے لو کہ تم میں سے کسی کو
الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ
موت آجائے تو پھر کہنے لگے کہ اے رب مجھے ذرا تو مہلت
اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ
دی ہوتی کہ میں خیرات دے لیتا اور
مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۞ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ
نیک ہو جاتا اور اللہ تو کسی کو ہرگز
نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَاؕ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ
مہلت نہیں دیتا جب کہ اس کا وقت آجاتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞
جو تم کر رہے ہو

ترکیب

فیقول بالنصب بالفاء الواقعۃ فی جواب الامر[2] وہو انفقوا لولا حرف التخصیص معناہا حض علی الفعل ان دخلت علی المضارع ولوم ان دخلت علی الماضی فاصدق بالنصب لوقوعہ فی جواب لولا۔ واصلہ اتصدق والجمہور علی ادغام التاء فی الصاد۔ واکن اصلہ اکون سقطت الواو بالجزم۔ وقرء الجمہور بالجزم عطفا علی محل فاصدق

[1] ترمذی نے نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی نے یہ کلمات بکے تو زید نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور عبداللہ ابن ابی سے جو پوچھا گیا تو قسمیں کھا کر انکار کر گیا مگر اس کے بیٹے عبداللہؓ جو خالص ایمان دار تھا باپ کو پکڑ لیا کہ بخدا شہر مدینے نہ جانے دوں گا جب تک تو یہ اقرار نہ کرے کہ میں ذلیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت دار ہیں، آخر اس نے کہا۔ اور یہ جہاد جس میں عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں بکی تھیں چوتھے سال ہجری میں تھا۔ بعض کہتے ہیں چھٹے میں۔ درحقیقت عزت اللہ اور اس کے ماننے والوں کو ہے۔ صحابہؓ کی عزت کو غور کر لو اور خزانے بھی اللہ کے پاس ہیں دیکھ لو صحابہؓ کو کیسے خزانے عطا کیے اور یوں بھی بارش ہوا گرمی سردی جس قدر رزق کے اسباب ہیں اسی کے ہاتھ میں ہیں ۱۲ منہ

[2] بعد الفاء الواقعۃ فی جواب الامر والنہی والاستفہام والنفی والتمنی والغرض بقدر ان ناصبۃ ۱۲ منہ

کانہ قیل ان اخرتنی واکن وقرئ اکون بالنصب عطفا علی لفظۃ فاصدق۔ لن یؤخر الخ الجملۃ تدل علی جواب اذا جاء۔

تفسیر

منافقوں کی افسوس ناک حالت بیان فرما کر مسلمانوں کو یادِ الٰہی اور خیرات کی طرف اُبھارتا ہے اور ایک ناگہانی آجانے والے وقت سے ڈراتا ہے فقال یاایھا الذین اٰمنوا کہ اے ایمان دارو! مال اور اولاد کے مشغلہ میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوجانا اور جو غافل ہوگیا فاولٰئک ھم الخٰسرون تو وہ بڑے نقصان میں ہے۔ یہ مانا کہ حق سے غافل ہو کر آپ نے بہت مال جمع کیا بڑی جائداد پیدا حاصل کیں نقد و زر، زیور و جواہرات ہاتھی گھوڑے شال دوشالوں نقرئی و طلائی برتنوں کی کوئی کمی نہیں رہی مکان بھی اور ان میں باغ بھی بہت آراستہ کیے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں حوض چھلک رہے ہیں عیش و نشاط کے ہزاروں سامان موجود ہیں خوب صورت ماہ رُو عورتیں بھی بناؤ سنگار کیے ان باغوں میں آپ کے ساتھ گا بجاکر دل لُبھا رہی ہیں اولاد بھی ہے مگر عمرِ گراں مایہ کہاں وہ جوانی اور طبیعت کے جوش نہ رہے تو سب ہیچ دنیا ہی میں معلوم ہونے لگا پھر ایک دن چل دیے سب یہیں پڑا رہا خود ایک گڑھے میں پڑے ہیں چند روز بعد ہڈیوں کے ریزے ریزے ہو گئے یہ سب عیش خوابِ پریشاں معلوم ہونے لگا، گناہوں کا بوجھ سر پر اور وہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کا کوئی سامان نہیں پھر ہمیشہ طرح طرح کی ذلت اور آفت اور حسرت و ندامت اگر خسارہ نہیں تو اور کیا ہے؟ لعنت ہے اس تھوڑی دیر کے عیش پر جس کے بعد ہمیشہ کی یہ مصیبت ہو۔[1]

بس دارِ آخرت کا توشہ لو۔ وہ کیا ہے؟ یادِ الٰہی اس سے ایک گھڑی نہ بھولو۔ روح جوہرِ لطیف ہے آلودگی جسمانی سے یہ اس نورِ حقیقی کی طرف متوجہ ہونے میں پس و پیش کرتی ہے اور لذائذِ دنیا پر گری پڑتی ہے یہ

ف۱ گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے ؎ اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

ف۲ کسی شاہی اجڑے ہوئے دار الامارت کو دیکھ لو کہ کبھی یہاں کس قدر مہ جبین عورتیں جواہرات میں مغرق پھرتی ہوں گی مکان اور باغوں کی روشیں کیسی آراستہ ہوں گی باہر سیکڑوں سپاہی کمربستہ کھڑے ہوں گے اور کیا کیا ہوگا ہائے آج کچھ بھی نہیں، ان عورتوں اور ماہ رویوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں کہ اس محل کا حال اس سے پوچھتے نہ کوئی اس عہد کا کپڑا ہے کہ وہاں کے لباس کی طرز معلوم ہوتی۔ ہائے یہ بے شمار سپاہ کہاں غائب ہوگئی یہ ہزاروں ہاتھی گھوڑے جو سنہری جھولیں اور زریں پوششوں سے آراستہ صف بستہ کھڑے تھے اور وہ بانکے جوان جو عجب سج دھج سے ان کی رکاب میں تھے کس رستے سے گئے ہیں کہ جا پکڑوں ہائے ان کی تو آواز بھی نہیں آتی ان تیز رو گھوڑے ہاتھیوں کی گرد بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اے کوشک اور اے بامِ شکستہ اور اے اس کے صحنِ بے رونق پراگندہ ذرا یہ تو بتادے کہ یہاں کون رہتے تھے اور کیا کیا عیش و نشاط کے سامان تھے کون ماہ رو یہاں ناز سے خراماں پھرا کرتے تھے ذرا ان کا حلیہ یا ان کی پیدائش اور رہنے کا مکان یا محلہ یا ان کی برادری کنبہ بھی تم بتاسکتے ہو کیا اُن دنوں میں ایسے ہی رات دن تھے ایسی ہی گرمی جاڑا برسات ہوتی تھی۔ پھر ہر موسم میں کیا کیا بہاریں تھیں خدا کے لیے اتنے لوگوں میں سے کوئی تو بولے۔ اے محل تیرے بڑے چھوٹے کنگورے کن ہاتھوں نے بنائے تھے وہ اب کہاں ہیں جس عیش کو یہ فنا تو اس پر تف ہے اور اس پر مرنے والے پر بھی تف ہے ۱۲ منہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ یَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴﴾ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ

آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اسی نے تو تم کو پیدا کیا ہے پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مؤمن اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا ہے اور صورت بنائی تمہاری پھر اچھی صورت بنائی تمہاری اور اسی کے پاس پھر کر جانا بھی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جو تم مخفی کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے اور جو تم ظاہر کرتے ہو اس کو بھی اور اللہ دلوں کی بات بھی جانتا ہے کیا تم کو ان کافروں کا حال معلوم نہیں ہوا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ انہوں نے اپنے کام کی سزا چکھی تھی

اس کے حق میں زہر ہے اس لیے اس کو روک تھام کر اس کی یاد میں لگانا سعادت ہے، اس کے بعد اس کی رضامندی کے لیے مال جو تمام آسائش دنیا اور جملہ غفلات کا ذریعہ تھا اس کے دینے کا حکم دیتا ہے وانفقوا مما رزقنٰکم کہ ہمارے دیے میں سے دو جس طرح ذکر اللہ میں نماز فرائض یا نوافل حج وغیرہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ عام مراد تھی نماز روزہ حج بھی اور ایسے ذکر و فکر و مراقبہ بھی ہو۔ اسی طرح یہاں خرچ کرنے سے خاص زکوٰۃ و صدقات واجبہ مراد نہیں بلکہ عام ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ کام بہت جلد کرو۔ برسوں کے آنے والے سامانوں پر منحصر نہ رکھو کہ یوں ہوگا اور اس قدر ہو جائیگا تب دبن گے اور فرصت سے اللہ کو یاد بھی کیا کریں گے کس لیے کہ موت کا کوئی وقت معین نہیں ہر وقت کھٹکا لگا ہوا ہے ؎

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے
بہوش باش کہ عالم روا روی پر ہے

پھر عمر بھر تو یاد الٰہی نہ کی۔ حتیٰ کہ نماز پنج گانہ سے بھی غافل پڑے رہے۔ اللہ کی راہ میں کوڑی تک نہ دی، زکوٰۃ و صدقات واجبہ بھی نہ دیے، اور خیالات میں بے فکر تھے کہ موت کے سامان پیدا ہو گئے اور یقین ہو گیا کہ اب ان سب نعمتوں کو چھوڑتے ہیں ایسا کہ پھر کبھی یہاں آنا نہ ہوگا تو اب لگے حسرت و افسوس سے یہ کہنے کہ اے خدا مجھے ذرا تو مہلت دے کہ میں خیرات دے لوں نیک ہو جاؤں مگر اس وقت کسی کو ایک ذرا بھی مہلت اللہ نہیں دیتا، اب تم کو مہلت بہت ہے، جو کرنا ہو کر لو، وہ تمہیں دیکھ رہا ہے تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

سورۃ تغابن

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھارہ آیات دو رکوع ہیں

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ

اور ان کو (آخرت میں) سخت عذاب ہوگا یہ اس لیے کہ ان کے

كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے تھے

فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَ

تو وہ یہی کہتے رہے کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے؟ سو انہوں نے انکار کیا اور

تَوَلَّوا وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ

منہ موڑ لیا اور (پھر تو) اللہ نے بھی پروا نہ کی اور اللہ

غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٦﴾

ہی بے پروا سب خوبیوں سے موصوف ہے

ترکیب

وھی الجملۃ معطوفۃ علی ما قبلھا۔ ویمکن ان تکون حالا من الضمیر فی لہ فمنکم خبر مقدم کافر مبتدا۔ والجملۃ تشریح و تفصیل للخلق و منکم مؤمن الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ۔ واللہ مبتدا۔ بصیر خبرہ بما تعملون متعلق بہ بالحق حال من فاعل خلق ای خلق متلبسا بالحق بشر مبتدا یھدوننا خبرہ ٭

تفسیر

یہ سورت بھی اکثر کے نزدیک مدینے میں نازل ہوئی ہے چنانچہ ضحاک بھی کہتے ہیں' ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر کلبی کہتے ہیں کہ یہ سورت کچھ مکے میں کچھ مدینے میں نازل ہوئی یعنی اخیر کی چند آیات یآیہا الذین اٰمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم مدینے میں نازل ہوئیں جب کہ عوف بن مالک اشجعیؓ نے اپنی اولاد اور بیوی کی بدسلوکی اور زیادتی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی تھی۔ عطاء بن یسار بھی ایسا ہی کہتے ہیں بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن حبان نے ضعفا میں اور طبرانی و ابن مردویہ و ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی پیشانی پر اس سورت کی پانچ آیتیں اول کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں[1] ابن کثیر فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں۔

مناسبت

اس سورت کو اول سورۂ منافقون سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں منافقوں کی مذمت تھی اس میں صادقوں کی مدح و خوبی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس سورت کے اخیر میں یہ تھا کہ تمہارے مال و اولاد تمہیں یادِ الٰہی سے غافل نہ کریں جو سراسر خسران ہے۔ اور موت کا ہر وقت کھٹکا ہے پھر اس وقت مہلت نیکی کرنے کی نہیں ملے گی۔ اس مضمون پر ہدایت کی اس سورت میں تاکید فرماتا ہے کہ اس کی یاد کچھ

[1] پیشانی پر ان آیتوں کے لکھے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ سیاہی اور قلم سے خطِ نسخ میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ ہر بچہ ہنوز زنگِ جہالت و بت پرستی سے عاری ہوتا ہے اب تک اس کی وہی اصل فطرت ہوتی ہے اس کا چہرہ بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں الخ الغرض یہ ایک استعارہ ہے۔ اس کی حالتِ اصلیہ سے جس کو بلفظِ کتابت تعبیر کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا رازِ حقیقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے ۱۲ منہ

تم پر موقوف نہیں بلکہ یسبح للہ ما فی السموٰت وما فی
الارض کہ آسمان و زمین کے رہنے والے اس کی ہر وقت
تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں اور وہ اسی کے لائق بھی ہے
(۱) اس لیے کہ لہ الملک ولہ الحمد بادشاہت
اور ستائش اسی کو ہے، بادشاہتِ حقیقی کے تو کیا کہنے ہیں
مجازی بادشاہت جس کو حاصل ہوتی ہے سب اسی کی طرف
جھکتے ہیں اسی کا ذکر خیر کرتے ہیں، ہر ایک رعیت اسی کی
طرف دوڑتی ہے۔ پھر جب کہ بادشاہ میں صفاتِ حمیدہ بھی
ہوں (جن کی طرف لہ الحمد میں اشارہ ہے کس لیے کہ حمد
کسی نہ کسی ذاتی یا صفاتی خوبی پر ہوا کرتی ہے اور اسی لیے
اس جملہ کو بعد میں ذکر کیا) تو اور بھی مرغوب و محمود ہوتا ہے
چہ جائے کہ بادشاہِ حقیقی ہو اور اس میں تمام خوبیاں بھی ہوں
غصہ کا دھیما، جواد، کریم، آنکھوں میں بے انتہا مروت جب
کوئی سامنے جا کر عذر آور ہو معاف کر دے اور
پھر:۔

(۲) وھو علی کل شیٔ قدیر ہر چیز پر قادر بھی ہو
بھلا کرنے پر بھی، مضرت پہنچانے پر بھی جیسا کہ وہ صاحبِ
نعمت و جود ہے ویسا ہی صاحبِ ہیبت و جبروت
بھی ہے۔ ہر بادشاہ ہر بات پر قادر نہیں ہوتا ہے لیکن وہ ہر بات
پر قادر ہے اس لیے اور بھی ہر ایک مخلوق اس کی تسبیح و تہلیل کر
رہی ہے، غیر ذوی العقول کی صرف حالتِ امکانیہ و صورتِ
احتیاجیہ ہی زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے سبوح
قدوس لک الملک و لک الحمد۔ اور ذوی العقول
میں سے ایمان دار تو زبان سے بھی ثنا خواں ہیں خصوصاً ملائکہ
جو بڑی جاں نثار رعیت ہے ہمہ وقت اسی میں لگے رہتے ہیں۔ پھر
اے انسان تو کیوں غافل اور مہلتِ چند روزہ میں دنیاوی
لذات و شہوات میں شاغل ہے۔

اس کے بعد حضرت انسان کی طرف خطاب کر کے اپنے
انعام و افضالِ سابقہ و لاحقہ یاد دلا کر تسبیح و تقدیس پر آمادہ
کرتا ہے (اور نبوت کا یہ فرض منصبی ہے۔ فقال ھو الذی
خلقکم کہ اللہ جس کی ہمہ وقت تسبیح و تقدیس آسمانوں اور
زمین پر ہو رہی ہے وہ ہے کہ جس نے تم کو بھی پیدا کیا۔ اس لیے
وہ لائق ہے کہ تم بھی اسی کی تسبیح کرو مگر تمہاری یہ حالت ہے
فمنکم کافر ومنکم مؤمن کہ تم میں سے کچھ کافر و ناشکر ہیں نہ
اللہ کو جانتے ہیں نہ مانتے ہیں تسبیح و تقدیس کیسی بجائے اس کے
غیر معبودوں کی طرف رجوع ہیں، اور بعض مؤمن ہیں اسی کی
پرستش کرتے ہیں اسی کو مانتے ہیں۔ اس دنیا میں جو کچھ تم کرتے
ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ضرور سزا و جزا دے گا واللہ بما
تعملون بصیر۔

بندہ کاسب ہے نہ خالق

اہلِ سنت کے نزدیک بندہ اور اس کے جملہ افعال و
کفر و ایمان و نیکی بدی اللہ کے مخلوق ہیں بدلیل قولہ تعالیٰ واللہ
خلقکم وما تعملون چوں کہ بندہ کاسب ہے اس لیے
اس کے اعمال کی جزا و سزا اس کو ملتی ہے اور کاسب و خالق
میں فرق ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں خدائے پاک کفر وغیرہ قبائح
کا خالق نہیں کیوں کہ یہ اس کی تقدیس میں بڑا فرق ڈالتا ہے اس
لیے اس آیت کو معتزلہ نے یوں بیان کیا کہ اللہ نے تم کو پیدا
کیا بعد میں از خود کچھ کافر کچھ مؤمن ہو گئے سنی مفسروں نے
کہا نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر کیونکر
پیدا کیا کہ کچھ کافر پیدا کیے کچھ مؤمن۔ اس آیت کے معنی عطار و
حسین بن فضیل وغیرہ کے نزدیک یہی ہیں کہ تم میں سے کچھ
کافر کچھ مومن بن گئے اور یہی سیاقِ کلام کے مناسب ہے
اہلِ سنت کا استدلال کچھ اس پر موقوف نہیں۔

پھر فرماتا ہے کچھ تمہیں کو پیدا نہیں کیا بلکہ خلق السموٰت و
الارض آسمانوں اور زمین کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ یہ نہیں کہ حرکاتِ
فلکیہ اور کواکب کی تاثیرات سے حوادث ظہور کرتے ہیں اور
اچھی بری صورتیں بھی تاثیراتِ فلکیہ سے ہوتی ہیں حتیٰ کہ سعادت و

نحوست بھی انہیں سے ہے جیسا کہ بہت حکماء اور عرب و یونان وہند وغیرہ کے لوگوں کا خیال تھا اس کا رد کرتا ہے۔

وصورکم فاحسن صورکم کہ تمہاری صورتیں بھی اسی کے ید قدرت نے بنائیں پھر دیکھو کیا عمدہ نقشہ کھینچا، ناک کی جگہ کان اور منہ کی جگہ شانے ہوتے تو کیا ہی بدنما معلوم ہوتا یہ اور بات ہے کہ انسانوں میں بھی تفاوت ہے کوئی خوبصورت کوئی اس کے لحاظ سے بدصورت[۲] مگر بدصورت بھی مناسبت واعتدال فطری کے لحاظ سے خوب صورت ہے۔ اس کی شکل کو طبعی مناسبت واعتدال کے خلاف تصور کر کے دیکھو تو کیسا برا معلوم ہوگا۔

پھر فرماتا ہے کہ پیدا کر کے آزاد نہیں کر دیا کہ آیندہ اس سے کوئی سروکار نہیں رہا بلکہ والیہ المصیر اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ دنیا میں بھی جب اسباب منقطع ہو جاتے ہیں بندہ اسی کی طرف پھر کر جاتا ہے۔ پھر وہی سوجھتا ہے۔

اس کے بعد اپنے وصف علم کا ثبوت کرتا ہے۔ فقال یعلم ما فی السمٰوٰت الخ کہ آسمانوں اور زمین کی اور تمہارے دل کی مخفی باتیں جانتا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے منافقوں پر کہ دل میں نفاق رکھ کر خدا سے کہاں چھپاؤ گے؟ یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ وہی تسبیح وتقدیس کے لائق ہے اور جو کوئی احسان فراموشی کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرتا ہے تو وہ دنیا میں بھی گردن مروڑ دیتا ہے۔ اس لیے بڑی بڑی بادشاہ قوموں کے حالات کی طرف اجمالاً اشارہ فرماتا ہے الم یاتکم الخ کہ تمہیں پہلے لوگوں کی خبر نہیں معلوم ہوئی کہ دنیا میں بھی انہوں نے اپنے کردار کا مزہ چکھا اور آخرت میں عذاب الیم کے حوالے ہوئے اور یہ کیوں ہوا اس لیے کہ ان کے پاس رسول نشانیاں اور معجزے لے کر آئے تو وہ منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی آدمی اور ہم بھی، ان میں کیا فوقیت ہے جو یہ ہم کو ہدایت کرنے آئے ہیں[۳]؟ منہ موڑ لیا اور نخوت وتکبر سے بے پروائی کی، پھر تو اللہ نے ان سے بے پروائی کی، چاہتا تو ان کو راہ راست پہ لاتا، ان کے دلوں کو روشن کرتا، مگر متکبر سے وہ بھی متکبرانہ پیش آیا کرتے ہیں اور اس کو خاک میں جلد ملایا کرتے ہیں اُسے کسی کی کچھ پروا بھی نہیں ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ
کافروں نے سمجھ لیا کہ قبروں سے اٹھائے نہ جائیں گے کہو

بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ
کیوں نہیں قسم ہے مجھے اپنے رب کی ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تم کو بتلایا جائے گا

بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝
جو کچھ تم نے کیا تھا اور یہ (بات) اللہ پر آسان ہے۔

[۱] آیات میں الفاظ کی ترتیب وتقدیم وتاخیر میں جو کچھ اسرار ہیں ان کے بیان کے لیے دفتر چاہیے۔ اور کس خوبی کے ساتھ مسئلہ توحید اور اثبات ذات وصفات علیم بذات الصدور تک بیان فرمایا ہے۔ اور الم یاتکم الخ سے مسئلہ نبوت شروع کیا، منکرین نبوت کا شبہ اور ان کی سرتابی اور اس کا انجام بد بھی نہایت پر اثر الفاظ میں کس اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اور بندے کو عبادت وخلوص اور نیک رائی پر الیہ المصیر و علیم بذات الصدور و یسبح للہ ما فی السمٰوٰت الخ جملوں میں کیسا آمادہ کیا۔ زمانہ گزشتہ کی عبرت ناک اجمالی تاریخ بھی بیان فرما دی۔ یہ ہے اعجاز قرآنی ۱۲ منہ

[۲] کس لیے کہ خوب صورتی اور بدصورتی اضافی بات ہے۔ ایک خوب صورت ہے مگر اس کی نسبت جو اس سے بھی بڑھ کر ہے بدصورت کہلاتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں حسن کی انتہا نہیں اور یہی حال بدصورتی کا ہے ایک بدصورت اپنے سے زیادہ بدصورت کی نسبت خوب صورت خیال کیا جاتا ہے ۱۲ منہ

[۳] یعنی رسول بشر نہیں ہونا چاہیے، مگر خدا حجر ہو جائے تو مضائقہ نہیں ۱۲ منہ

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ
پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر کہ جس کو

اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۸
ہم نے نازل کیا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو

یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ
جس دن تم کو جمع کرے گا جمع ہونے کے دن وہ

یَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ
دن ہے ہار جیت کا اور جو ایمان لایا اللہ پر اور

یَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ
اس نے اچھا کام کیا اس کی برائیاں دور کر دیگا اور

یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ
بہتی ہیں ان میں سدا رہا کریں گے یہ ہے

الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۹ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا
بڑی کامیابی اور جنہوں نے انکار کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ
اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں

النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝۱۰ ع ۱۵
دوزخی اس میں رہا کریں گے ہمیشہ اور وہ بری جگہ ہے

ترکیب

زعم یتعدی الی المفعولین کالعلم ان مخففۃ واسمہا ضمیر الشان محذوف ای انہم لن یبعثوا فان المخففۃ مع اسمہا وخبرہا قامت مقام المفعولین۔ قل بلیٰ الخ لایجاب النفی و ربی قسم لتبعثن جواب القسم ثم لتنبؤن جملۃ مستقلۃ

داخلۃ تحت الامر وارادۃ لتاکید ما افادہ کلمۃ بلیٰ من اثبات البعث فاٰمنوا الفا فصیحۃ تدل علی شرط حذف لظہورہ ای اذا کان الامر کذا فاٰمنوا۔ واللہ الخ والجملۃ تذییلی مقرر لما قبلہ من الامر یوم قال النحاس الناصب فیہ لتنبئن فیوم ظرفہ وقیل خبر وقیل محذوف ہو اذکر وقیل اول علیہ الکلام ای تتفاوتون یوم یجمعکم خلدین فیہا ابدا حال مقدرۃ وفیہ مراعاۃ معنیٰ من والذین الموصول وصلتہ مبتدا اولئک الخ الجملۃ خبرہ وبئس الخ بیان لکیفیۃ التغابن۔

تفسیر

ذکر معاد

مسئلۂ توحید و نبوت کے بعد مسئلۂ معاد کو بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جائے۔ فقال زعم الذین کفروا الخ کہ کافروں کو گمان ہے مر کر اٹھائے نہ جائیں گے کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ بس مر کر خاک ہو گئے گویا روح بھی مر گئی بارِ دیگر زندہ ہونا اور حساب و کتاب کیسا؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے قل اے محمد کہہ دیجئے بلیٰ کیوں نہیں۔ قیامت ہوگی۔ اٹھائے جاؤ گے پھر قسم کھا کر بلیٰ کی تاکید کرتا ہے وربی لتبعثن اے محمد! کہہ دے مجھے اپنے رب کی قسم ضرور زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جاؤ گے۔ ثم لتنبؤن بما عملتم۔ پھر تم کو بتایا جائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ یعنی نیک و بد کاموں کی جزا و سزا ہوگی۔

مکہ بلکہ عرب اور دیگر ممالک کے باشندے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ مر کر پھر جینا نہیں ہاں اعمال کی جزا و سزا اگر ہے تو اسی زندگی میں ہے برے کام کیے کسی کو ستایا بیمار ہو گیا یا اولاد مر گئی یا مال کا نقصان ہو گیا۔ اور اچھے کام کیے تو تندرستی مال و اولاد کی ترقی عزت و آبرو حاصل

ہوگی یا دوسرے جنم میں برائی بھلائی ظاہر ہوگی۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ سزا و جزا بھی کسی کے ہاتھ میں نہیں کیوں کہ خدا تعالیٰ کے تو وہ قائل نہ تھے۔

دہریے کہتے تھے کہ طبیعت اجسام ہی مدبر ہے جس کو آج کل نیچر کہتے ہیں پس اگر خدا بھی کچھ ان کے اعتقاد میں تھا تو وہ بھی نیچر جیسا بے اختیار کہ عالم میں خلافِ قانون نیچر کچھ نہیں کر سکتا جیسا کسی کل کا محرک کہ اب ہلانے کے بعد اس کو کچھ اختیار نہیں۔

آریا دھرم کا ایشر یعنی خدا بھی اسی کے قریب ہے اس لیے وہ لوگ شہوت پرستی جفاکاری عیاری وغیرہ افعالِ قبیحہ کی مضرت کا کچھ زیادہ اندیشہ نہیں کرتے تھے۔ اور افعال کا حسن و قبح بھی انہیں کے خیالات و رسم و عادات پر منحصر تھا۔ مخلوقِ خدا پر رحم کرنا نفع پہنچانا بڑوں کی تعظیم محسن کی شکرگزاری کو وہ بھی نیکی سمجھتے تھے اور اس کے برخلاف کو بدی اور اس قدر سمجھنے میں ان کا خیال غلط نہ تھا مگر اور بہت سے بد اور بے ہودہ کام تھے جن کو وہ یا تو بد اور بے ہودہ ہی نہیں سمجھتے تھے یا اس کے برعکس عبادت جانتے تھے جیسا کہ بت پرستی شراب خوری عیاری کھیل کود گانا بجانا ناچنا کودنا شادی غمی کے بے ہودہ مصارف، اولاد کا قتل کرنا وغیرہ اسی طرح بہت سے نیک کاموں کو بد یا عبث سمجھتے تھے۔ ان سب باتوں کے فیصلے کے لیے بھی الہام و نبوت کی ضرورت تھی اور پھر دارِ آخرت اور وہاں ان اعمال کی جزا و سزا دوسری زندگی میں پانا وغیرہ امور بیان کرنا بھی الہام ہی کا کام تھا اس لیے مسئلہ نبوت کے بعد مسئلہ حشر شروع کیا اور ان جملہ امور کی طرف ثم لتنبؤن بما عملتم میں اشارہ کر دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا وذٰلک علی اللّٰہ یسیر کہ بارِ دگر زندہ کرنا اللہ کو آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔

پھر جب یہ ہے تو فامنوا باللّٰہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا ایمان لاؤ تاکہ تم کو اس جہان کی خوبی حاصل ہو اور وہ کس دن حاصل ہوگی؟ یوم یجمعکم لیوم الجمع کہ جس دن وہ سب کو جمع کرے گا جمع کرنے کے دن یعنی قیامت میں، ذٰلک یوم التغابن وہ دن خسارے کا ہے کس لیے کہ دنیا میں جن کاموں کو عمر بھر محنت اٹھا کر نیکی سمجھ کر کیا تھا آج عدالتِ آسمانی میں وہی سزا اور ناراضگی کا سبب ہوگئے۔ محنت برباد گناہ لازم ہوگئے۔ اسی خسارے کو ایک اور آیت میں فرماتا ہے ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا۔ الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا کہ کہو تو میں تم کو سب سے زیادہ نقصان پانے والوں کو بتاؤں؟ کہ جن کی دنیا کی کوشش بے کار گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔ اس دن سیکڑوں خیالات اور ہزاروں غلط مذاہب کا فساد معلوم ہو جائے گا پھر اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ اور غبن ہوگا۔ (والتغابن تفاعل من الغبن فی المجازاۃ والتجارات کبیر ا اور اسی تغابن کے لفظ کی وجہ سے اس سورت کا نام تغابن ہوگیا)۔

ایمان کے ساتھ نیک کام بھی ہونے چاہییں

پھر اس دن کام آنے والی چیزیں بیان فرماتا ہے ومن یؤمن باللّٰہ ویعمل صالحا کہ جو دنیا میں اللہ پر ایمان لایا اس کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے موافق ویسا ہی جانا اور یقین کیا اور اس کے ساتھ نیک کام بھی کیے۔ نیک وہی کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہیں جن کی رسول نے

خبر دی اور عقلِ سلیم نے بعض کی تصدیق کی۔ خالی ایمان بغیر نیک کاموں کے درخت بے برگ و بے ثمر ہیں۔ یعقوب حواری اپنے خط میں بھی کہتا ہے اور اعمال کی بڑی تاکید کرتا ہے مگر پولوس اعمالِ صالحہ کو بے کار ہی نہیں بلکہ ملعون ہونے کا سبب کہتا ہے۔ پھر عیسائیوں نے پولوس ہی کی بات کو مزہ دار سمجھ کر مانا۔ معاذ اللہ جس مذہب میں اعمال کوئی چیز نہ ہوں صرف ایمان کافی سمجھا جائے ان کی بدکاری ظلم و عیاری جس قدر ہو کم ہے جس کی نظیر عیسائی ممالک ہیں جہاں شراب و زنا کی انتہا نہیں۔

شفاعت و کفارہ میں فرق ہے

پھر اس ایمان اور اعمالِ صالحہ کا کیا نتیجہ ہوگا یکفّر عنہ سیّاٰتہ (۱) پہلی بات یہ ہوگی کہ اس کے گناہ اس سے مٹادے گا بشریت سے گناہ بھی ہو گئے ہیں تو ان کے لیے کفارہ اسی کے اعمالِ صالحہ اور ایمان ہے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے کس لیے کہ دل سے خلوص و محبت رکھ کر اطاعت کرنے والے غلام کے قصور معاف ہونے کا سبب اگر ہے تو اسی کا خلوص و اطاعت ہے نہ کہ کوئی اور، ہاں اس خلوص و اطاعت پر نظر کر کے شاہی منشاء دیکھ کر اور کوئی مقرب سفارش کر سکتا ہے۔ یہاں سے شفاعت و کفارہ کا فرق بھی معلوم ہو گیا۔

گناہوں کو مٹادینا فرمایا بخشنا نہیں کہا۔ اس میں یہ سر ہے کہ گویا سرے سے گناہوں کا وجود ہی اس کے نامۂ اعمال میں نہ رہے گا وہ دفتر دھو دیا جائے گا، اور بخشنے میں یہ ہوتا ہے کہ گناہ تو ہیں مٹے نہیں مگر ان کی سزا سے درگزر کیا گیا۔ بلکہ ایسے مخلصین کے وہ قصور کہ جن کے بعد وہ گریہ و زاری کر کے معافی مانگتے ہیں نیکیاں بن جاتے ہیں کما قال فاولٰئک یبدل اللہ سیّاٰتھم حسنٰت اور کتاب یسعیاہ کے اوّل باب ۱۸ ورس میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) ویدخلہ جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ابدًا کہ اس کو صاف کرنے کے بعد ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے نہ وہاں سے کبھی باہر کیے جائیں گے نہ موت نہ بیماری دیکھیں گے، وہ باغ اس جہان کے باغ نہیں بلکہ دوسرے جہان کے، جہاں مرتے ہی آدمی جاتا ہے وہاں نہ غم ہے نہ کوئی اندیشہ ہے ہمیشہ سرور و فرحت ہے۔

اور یہ بڑی مراد کا پانا ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سی مراد اور کامیابی ہوگی۔

اس کے بعد فریق مخالف کا حال بیان فرماتا ہے والذین کفروا اور جنہوں نے کفر کیا یعنی اللہ اور اس کے رسول کو نہ مانا، یہ ایمان کے مقابلہ میں کیا۔ وکذبوا باٰیٰتنا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، یہ اعمالِ صالحہ کے بدلے میں کیا۔ آیات سے عام مراد ہے خواہ آیاتِ الٰہامیہ یعنی کتاب اللہ کے مطالب اور جملے ہوں، خواہ اس کی قدرت و یکتائی کے وہ دلائل جو شب و روز بندے کے سامنے آتے ہیں اور یہ ان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور ہی جھٹلاتا ہے۔ ان کی اُس جہان میں کیا حالت ہوگی؟ اولٰئک اصحٰب النار یہ آگ والے ہوں گے یعنی جہنم کی آگ میں جلا کریں گے۔ خٰلدین فیھا ہمیشہ اس میں رہا کریں گے۔ وبئس المصیر اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

پھر اس دن سے زیادہ کون سا دن حسرت اور تغابن کا ہوگا کہ ایک فریق عزت و شادمانی کے ساتھ حیاتِ ابدی پا کر شادمانی کے تخت پر بٹھایا جاتا ہے اور دوسرا فریق ابدی قید خانہ میں ڈالا جاتا ہے جہاں سوائے رونے پیٹنے چیخنے چلانے کے کوئی آرام نہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ

اللہ کے حکم بغیر کوئی بھی مصیبت نہیں پڑتی

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ

اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے (مصیبت میں ثابت قدم رکھتا ہے)

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

اور اللہ ہر بات جانتا ہے اور اللہ کی اطاعت کرتے رہو

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا

اور رسول کی بھی اطاعت کرو پھر اگر تم نے منہ موڑ لیا تو

عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ

ہمارے رسول پر بھی صرف کھول کر پہنچا دینا ہی ہے اللہ ہے کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی پر ایمان داروں کو

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

بھروسہ رکھنا چاہیے اے مسلمانو!

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ

تمہاری بیویوں اور اولادوں میں سے بعض

عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ

تمہارے دشمن بھی ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر

تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ

بخشنے والا مہربان ہے تمہارے مال

وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ

اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

بڑا اجر ہے

ترکیب

من شرطیة یهد قلبه جوابه قلبه بالنصب والرفع فالرفع علی الفاعلیة والنصب علی انه مفعول لیهد مثل سفه نفسه فان تولیتم شرط فانما الجملة جوابه و علی اللّٰه متعلق بیتوکل قدم للتخصیص۔ عدوًّا بالنصب علی انه اسم ان وخبره من ازواجکم واولادکم۔

تفسیر

ابھی فرمایا تھا کہ اللہ پر ایمان لانے والے نیک کام کرنے والے فائز المرام اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا تھا کہ بہت سے ایمان دار دن نیکوں کو ہم مصائب میں مبتلا دیکھتے ہیں پھر وہ کامیابی کہاں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے ما اصاب من مصیبة الا باذن اللّٰه کہ کوئی مصیبت (بیماری تنگ دستی اقارب کی موت دشمنوں کا غلبہ مال وجاہ کا زوال یا اس میں کوئی فرق وغیرہ) بغیر حکم الٰہی انسان پر نہیں پڑتی۔

اذن اللہ کے معنی ابن عباسؓ نے امر اللہ کے بیان فرمائے۔ یعنی اس کی تقدیر ومشیت سے۔ غرض یہ کہ اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے یا اس کے بعد کوئی سامان عمدہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے جس کو یہ نعمت موجودہ حائل تھی یا مومن کا تعلق قلبی اس چیز سے اٹھانا مقصود ہوتا ہے۔ یا اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اجر دینا مقصود ہوتا ہے۔ یا اس کی غفلت ومعصیت کا تازیانہ ہوتا ہے کہ جلد ہوشیار ہو جائے اس سے فائز المرام ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ دنیا کا فوز مراد نہیں بلکہ آخرت کا ہے۔ ومن

ومن یؤمن باللّٰه یهد قلبه اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے' وہ اس مصیبت کی رمز سے آگاہ ہو جاتا ہے' مومن جان جاتا ہے کہ یہ مصیبت میری فلاں گناہ یا غفلت کی سزا دنیا ہی میں مجھے دیدی' عقبیٰ کے عذاب سے پاک کر دیا۔ اور

یہ بھی جان جاتا ہے کہ میرا کیا تھا اس نے دیا تھا اسی نے لے لیا ہے، اب جزع و فزع گلہ و شکایت کیا؟ اس لیے مصیبت کے وقت مؤمن انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے کہ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کی طرف واللہ بکل شئ علیم میں اشارہ کرتا ہے۔

ایک شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگا کہ سب سے افضل کون سا کام ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا' اس نے عرض کیا اس سے آسان بتائیے، آپؐ نے فرمایا تو اللہ کو کسی کام میں جو تیرے لیے فیصلہ کرے متہم نہ کر۔

ایمان باللہ اور نور معرفت کے دو رستے ہیں نعمت کا شکر اور مصیبت پر صبر۔ انسان جس طرح حصولِ نعمت کے لیے بجا اور بے جا کوششیں کر کے اپنے وقار و قرار کو برباد کرتا ہے اسی طرح دفعِ مضرت کے لیے بھی پہلے سے پہلے ہزاروں تدابیر عمل میں لاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا بیٹا بیمار پڑا تو پھر علاج وغیرہ جائز تدابیر کے سوا کوئی ناجائز اور خلافِ عقل طریقہ بھی نہیں چھوڑا رمّال جفّار اڑ ٹنگ بڑ ٹنگ کرنے والے ملاں سیانے جادوگر جھتنی والے برہمن کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھا ہے پھر خلافِ عقل جو کچھ وہ کہتے ہیں عمل میں لا رہا ہے گدھوں کو گھنگھنیاں کھلا رہا ہے چوراہے پر چراغ جلاتا ہے، کھانا پکا کر رکھتا ہے چیل کوّوں کو گوشت کھلا رہا ہے' مقابر حضرات اولیاء کرام سے التجائیں ہو رہی ہیں' عرضیاں لکھ کر لٹکائی جا رہی ہیں اور کیا کیا خرافات کر رہا ہے دیوانہ بنا ہوا ہے نہ دن کو چین نہ رات کو خواب کھانا پینا کیسا مگر ہوتا وہی ہے جو مقدّر ہو چکا ہے' پھر جس کو یقینِ کامل نصیب ہو جائے کہ ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ وہ کس اطمینان کے ساتھ اپنے خدائے ذوالجلال کی طرف ملتجی ہے اور مصیبت واقع ہو جانے کے بعد دل ٹھیرا ہوا ہے کہ یوں ہی مقدر الٰہی تھا' یہ ہائے وائے شور و فغاں ہیچ۔ یہ باتیں تیرہ سو برس[۱۳] ہوئے عرب کے وحشیوں کو نبوت نے تعلیم کی تھیں جن پر اُن کا پورا عمل تھا' آج ترقی یافتہ اور مہذب قومیں ان سے حصہ لینے کا قصد کر رہی ہیں۔ واہ اسلام کی کیا کیا برکات ہیں جن سے ہم قد بھی مسلمان محروم رہے جاتے ہیں۔

ان جملہ امور کی پابندی مذہب اسلام کا ایک عمدہ رکن ہے اس لیے فرماتا ہے واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کہ اللہ اور اس کے رسول کی تابع داری کرو اور کسی دوسرے طریقے پر نہ چلو فان تولیتم فانما علیٰ رسولنا البلٰغ المبین اگر تم نہ مانوگے تو تمہارا ہی نقصان ہے، ہمارے رسول پر کوئی الزام نہیں کس لیے کہ اس کا کام تو صرف کھول کر حکم پہنچا دینا ہے[۱]۔

اور یہ بھی جان لو کہ اللہ لا الٰہ الا ھو اللہ بھی وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر اس سے سرتابی اور عدول حکمی کر کے جاؤگے کہاں اور کروگے کیا؟۔ بعض احادیثِ قدسیہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو میری بھیجی ہوئی مصیبتوں پر صبر نہ کرے اور میری دی ہوئی روزی پر قناعت نہ کرے تو وہ میرے آسمان کے تلے سے نکل جائے میری زمین پر نہ رہے اور کوئی خدا تلاش کرے۔

[۱] جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے معاملے میں عمرؓ و ابوبکرؓ کے لحاظ یا خوف کے سبب علیؓ کی خلافت کو صاف بیان نہ کیا تھا تو ان کو مان لینا چاہیے کہ خلافتِ علیؓ کوئی آسمانی حکم نہ تھا ورنہ ضرور بلاغ مبین کرتے۔ بلکہ انتظامی بات تھی جس کو لوگوں کی رائے اور مصلحتِ وقت پر چھوڑنا مناسب جانا ۱۲ منہ

کس قدر توکل کی تاکید ہے اس لیے فرماتا ہے وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون اور اللہ ہی پر (نہ کہ کسی اور پر) ایمان دار بھروسہ رکھا کرتے ہیں۔

ایمان کی یہی شان ہے کہ ہر کام میں اس کا اللہ پر بھروسہ ہو اور اسباب کو صرف اسباب ہی سمجھے اور جانے کہ کبھی اسباب ہوتے ہیں اور کام نہیں ہوتا اور کبھی اسباب ہی پورے ہونے نہیں دیتا اسباب بنانے اور بگاڑنے اس کو دیر ہی کیا لگتی ہے؟ یہی اعتقاد عرب کے غریب اور بے کس مسلمانوں کا رہبر تھا جو وہ قیصر و کسریٰ جیسے قہار بادشاہوں پر غالب آ گئے یہی وہ شراب ہے کہ جس کو پی کر تیس مسلمانوں نے جنگ یرموک میں تیس ہزار سپاہ مخالف سے بڑی جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہی اعتقاد آدمی کو قومی کاموں میں محنت صرف کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ توکل اور تعطل میں فرق ہے۔ اسباب کو ترک کر کے بیٹھنا تعطل ہے نہ کہ توکل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم تدابیر حسنہ عمل میں لاتے تھے۔ ہمارے احدی اور سست لوگوں نے جو کاہلی اور عیاشی کے سبب نکمے بنے پڑے رہتے ہیں اس بے ہودہ صفت کا نام توکل رکھا ہے۔ یہ ہرگز توکل نہیں۔ جس میں یہ صفت توکل نہیں مومن کامل نہیں ایمان کامل کا مزا اسے نصیب نہیں۔ رسمی اسلام کچھ کام نہیں آتا حقیقی اسلام حاصل ہونا چاہیے۔ توکل ترک کرا کے بے قرارانہ کوششوں کی طرف اکثر انسان کی اولاد اور بیوی مجبور کیا کرتی ہے ان کی خواہشیں اور خانگی مصارف توکل چھڑا دیتے ہیں نیک کاموں سے روک دیتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ ان کے بے جا تعلق کے رشتہ کو قطع کرتا ہے۔

فقال یا یها الذین اٰمنوا ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم کہ اے ایمان والو! تمہاری اولاد اور بیویوں میں سے تمہارے دشمن بھی ہیں[۱]۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آدمی کو معصیت اور قطع رحم پر ابھارتے ہیں" ہر چند نہیں کرنا چاہتا مگر پھر کرنا ہی پڑتا ہے۔ مثلاً میاں نہیں چاہتا کہ شادی میں رنڈیاں نچوائے بھانڈ کو بلائے دولت اڑائے مگر بیوی صاحبہ کے حکم سے مجبور ہے' اور صدہا خرافات میں مبتلا کرتے ہیں' بیٹا مصر ہے کہ میری شادی میں ناچ ہو' با وا کرتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے فرمایا مکے میں کچھ لوگ اسلام لائے تھے' وہ ہجرت کرنا چاہتے تھے ان کے بال بچے اور بیویوں نے نہ چھوڑا' رونے لگے چمٹ گئے"۔ ایسا ہی ترمذی و ابن جریر نے نقل کیا ہے۔

فرماتا ہے فاحذروھم کہ ان سے بچو نہ یہ کہ قتل کرو مارو پیٹو' اور دلی رنجش جو خلاف کرنے میں بیوی بچوں سے پیدا ہو جاتی ہے اس کی نسبت فرماتا ہے و ان تعفوا الخ اگر تم معاف کرو درگزر کرو بخشو تو بہتر ہے اللہ غفور رحیم ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنة مال اور اولاد آزمائش کی جگہ ہے ان میں مسلمانوں کو اللہ سے غافل نہ ہونا چاہیے اور نہ ان کے سبب برے کام کرنے چاہییں نہ مکارم اخلاق اور حسنات باقیات سے رکنا چاہیے۔ یہ دنیا کے جھگڑے ہیں ان میں بقدر ضرورت مصروف ہونا چاہیے کس لیے کہ جاننا دوسرا جہان میں ہے یہ تو رستہ میں شب باشی کے سامان ہیں۔ واللہ عندہ اجر عظیم اجر عظیم جس کو حیات جاودانی

---

[۱] وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون کا مخالف مفہوم یہی ہے کہ مومن توکل کرتے ہیں نہ کہ کافر پھر جس میں توکل نہیں گویا وہ کافر ہے ۱۲ منہ

[۲] مصائب پر صبر و برداشت کا ذکر تھا بیوی اور اولاد کا دشمن اور بدخواہ ہو جانا بھی مرد کے لیے بڑی مصیبت ہے اس لیے اس کے بعد اس کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ رفق و گزشت کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ فتنہ ہے اور اجر عظیم اللہ کے پاس ہے ۱۲ منہ

کہنا چاہیے اللہ کے پاس ہے مرنے کے بعد ملے گی۔

ان من کے لفظ میں اشارہ ہے کہ سب اولاد اور بیویاں ایسی نہیں بلکہ بعض دین و دنیا میں معین و محب انصار و مددگار بھی ہوتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا
پھر جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (حکم) سنو
وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ
اور مانو اور اپنے بھلے کے لیے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
اور جو شخص اپنے دل کے لالچ سے محفوظ رکھا گیا سو وہی
الْمُفْلِحُوْنَ (۱۶) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا
فلاح بھی پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو اچھی طرح سے قرض
حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
دو گے تو وہ تم کو دگنا کر کے دے گا اور تم کو بخش دے گا
وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (۱۷) عٰلِمُ الْغَيْبِ
اور اللہ قدردان سمائی والا ہے وہ چھپے
وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۱۸) ع ۲ ۸ ۱۶
اور کھلے کا جاننے والا (اور) زور آور حکمت والا ہے

ترکیب

خیرا منصوب بفعل مضمر دل علیہ انفقوا کانہ قال ائتوا فی الانفاق خیرا لانفسکم او قدموا خیرا لہا ہذا قول سیبویہ۔ وعند الکسائی والفراء ہو نعت لمصدر محذوف ای انفاقا خیرا و قال ابو عبیدہ ہو خبر یکن مقدرۃ فی جواب الامر۔ وقال الکوفیون منصوب علی الحال وقیل ہو مفعول بہ لانفقوا ومن شرط فاولئک الجملۃ جوابہ ان تقرضوا شرط یضعفہ جوابہ و لذا صار مجزوما ویغفر معطوف علیہ علم الغیب بالرفع علی انہ خبر بعد خبر۔ العزیز موصوف الحکیم صفتہ وکلاہما خبر مبتدا او واحد ہما مبتدا والآخر خبر۔

تفسیر

پہلے فرمایا تھا تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں اور اجر عظیم اللہ کے پاس ہے' اور انسان پھر انسان ہے اس فتنہ میں پڑ ہی جاتا ہے' اس لیے فرماتا ہے خیر اگر تم مال و اولاد کے سبب معاصی میں مبتلا بھی ہو جاؤ تو فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ اسمعوا واطیعوا۔ تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنو اور سن کر مانو۔ یہ کفارہ زن و فرزند کی بے جا محبت کا ہے اور مال کی محبت کا یہ کفارہ ہے کہ وانفقوا خیرا لانفسکم اس کو اپنی بھلائی کے لیے خرچ کرو کس لیے کہ جو دے لو گے وہ تمہارے ساتھ چلے گا جس کا اجر یقیناً ملے گا اور جو چھوڑ گئے وہ تمہارے پاس سے جاتا رہا۔

یا یوں کہو کہ اجر عظیم جو اللہ کے پاس ہے اس کے حاصل کرنے کے طریقے بتلاتا ہے (۱) اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے یہ قوت نظریہ کی تکمیل ہے (۲) سنو اور عمل کرو۔ یہ قوت عملیہ کی تکمیل ہے مگر دونوں بدنی عبادت ہیں (۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ مالی عبادت ہے۔ خرچ کرنا عام ہے زکوٰۃ ہو یا صدقات نافلہ ہوں' اقارب و یتامیٰ و غرباء و مسافرین وغیرہ اس کے مستحق ہیں پہلے کئی بار بتلا چکا اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا۔

قتادہ و ربیع بن انس و سدی و ابن زید وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم ناسخ ہے اس آیت کی اتقوا اللہ حق تقتہ کہ اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنا چاہیے۔ ابن ابی حاتم نے اسی کی تائید میں ایک روایت کی ہے کہ جب اتقوا اللہ حق تقتہ نازل ہوئی

تو لوگوں نے اعمال کی سخت مشقت اختیار کی یہاں تک کہ نماز میں کھڑے رہنے سے پاؤں سُوج سُوج گئے تب اللہ نے مسلمانوں پر تخفیف کرنے کے لیے یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم نازل فرمائی کہ جہاں تک طاقت ہو وہاں تک ڈرو۔ مگر ابن عباسؓ وغیرہ علماء فرماتے ہیں یہ ناسخ نہیں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ حق تقتہ کے یہ معنی نہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ ڈرو کیوں کہ خدا تعالیٰ بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیتا بلکہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ جہاں تک طاقت ہو اور یہی ڈرنے کا حق بھی ہے۔ ابن عطا فرماتے ہیں کہ ما استطعتم اس کے لیے ہے جو اس سے ثواب پر راضی ہو اور جو راضی نہ ہو تو اس پر وہی حکم حق تقتہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ خرچ کرنا ان کا کام ہے جو لالچی اور حریص نہیں اور جو لالچ اور حرص سے بچے ہوئے ہیں وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب بھی ہیں (شح بخل اور لالچ۔ یہ عام ہے مال کا ہو یا جاہ کا ہو یا عورت کا ہو) انسان کے اوصافِ رذیلہ میں سے یہ بھی ایک ایسی بُری خصلت ہے کہ عزت سے محروم کرتی ہے اور نیک کاموں سے روکتی ہے بری باتوں چوری قتل غصب جھوٹ بولنے بدعہدی کرنے پر اُبھارتی ہے عصمت پارسائی کو کھو دیتی ہے۔

پھر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کو قرض دینا فرما کر اطمینان دلاتا ہے اور اس کے فوائد ظاہر کرتا ہے۔ (۱) یضعفہ لکم اس کا دو چند ثواب دے گا یہاں تک کہ ایک کے سات سو تک ملیں گے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس مال کو بڑھائے گا یہ تجربہ ہے کہ سخی کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ (۲) تم کو بخش دے گا اور اللہ قدر دان ہے حلیم بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا پھر بندے کے اجر ضائع کرنے میں کیوں کر جلدی کرے گا مگر صدقہ میں نیت اور خلوص پر مدار ہے اس لیے قرض حسنؒ فرمایا تھا اس کی طرف علم الغیب والشہادۃ میں اشارہ کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کہنے سے کہ اللہ کو قرض دو یہ نہ سمجھو کہ وہ عاجز ہے بلکہ العزیز زبردست اور قادر ہے یوں نہ دو گے تو وہ برباد بھی کر سکتا ہے الحکیم اس دینے میں تمہارے لیے صدہا حکمتیں ہیں۔

سورۃ طلاق

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں بارہ آیات دو رکوع ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء

اے نبی (لوگوں سے کہہ دو کہ) جب عورتوں کو طلاق دو

ف۱ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ الٰہی دینے والے کو عوض دے دوسرا کہتا ہے بخیل کو برباد کر۔ (متفق علیہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم تجھے دیا جائے گا (متفق علیہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے بچو کہ وہ قیامت کے دن ظلمات ہے اور لالچ سے بچو کیوں کہ پہلے تم سے جو ہلاک ہوتے ہیں اس لالچ سے ہوئے اس نے ان کو خون کرنے اور حرام چیزوں کے حلال کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ غضب الٰہی کو بجھا دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ بخیل بری موت مرتا ہے ادنیٰ بات یہ ہے کہ مرتے وقت مال و اسباب کی جدائی کا ایسا رنج ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو بھی بھول جاتا ہے ۱۲ منہ

ف۲ قرض حسن یعنی اچھا ہو مال اور خلوص نیت سے ۱۲ منہ

فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ج

تو ان کی عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت گنتے رہو

وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ج لَا تُخْرِجُوهُنَّ

اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے نہ تم ہی ان کو ان کے

مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ

گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب

يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ط وَتِلْكَ

کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں اور یہ

حُدُودُ اللَّهِ ط وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ

اللہ کی حدود باندھی ہوئی ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے بڑھا

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ

تو اس نے اپنا برا کیا آپ کو کیا معلوم کہ شاید اللہ

يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ① فَإِذَا

اس کے بعد اور کوئی نئی بات پیدا کردے پھر جب

بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو یا ان کو دستور کے موافق (زوجیت میں) رکھ لو

أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا

یا دستور کے موافق چھوڑ دو اور اپنے میں سے

ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ

دو معتبر شخصوں کو گواہ بھی کرلو اور اللہ کے لیے گواہی

لِلَّهِ ط ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ

پوری دو یہ نصیحت کی باتیں ان کو سمجھائی جاتی ہیں کہ جو

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۵ وَمَنْ

اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور جو

يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ② وَيَرْزُقْهُ

اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے مخلصی کی صورت بھی نکال دے گا اور اس کو وہاں سے

مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَتَوَكَّلْ

روزی دیگا کہ جہاں کا اس کو تو گمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسہ

عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ط إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ

کرتا ہے تو وہ اس کو بس بھی کرتا ہے بے شک اللہ اپنا کام پورا کیے

أَمْرِهِ ط قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③

رہتا ہے اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کردیا۔

ترکیب

اذا طلقتم شرط والمراد اذا اردتم تطلیقھن علی تنزیل المقبل علی الامر المشارف له منزلة الشارع فیه کقوله علیه السلام من قتل قتیلا فله سلبه ومنه الماشی الی الصلوٰة والمنتظرلها فی حکم المصلی کشاف فطلقوھن لعدتھن الجملة جواب الشرط والجار فی لعدتھن متعلق بطلقوا ای مستقبلات لعدتھن کقولک اتیته لیلة بقیت من المحرم ای مستقبلا لها والمراد ان یطلقن فی طھر لم یجامعن فیه ثم یخلین حتی تنقضی عدتھن الا استثناء من قوله لا تخرجوھن۔ فاذا شرط فامسکوا اوفارقوا جواب الشرط واشھدوا واقیموا جملة مستانفة ذٰلکم مبتدا یوعظ فعل مجھول من موصولة مع صلته مفعول مالم یسم فاعله والمجموع خبرہ ومن شرطیة یجعل ویرزقه جوابه وکذا من یتوکل حسب المصدر بمعنی الفاعل بالغ امرہ قری بتنوین بالغ ونصب امرہ وقری بالاضافة وقری بتنوین بالغ ورفع امرہ لانه فاعل بالغ اوعلی ان امرہ مبتدا موخر وبالغ خبر مقدم وقری بالغا بالنصب علی الحال و یکون خبر ان قوله قد جعل۔

تفسیر

ربط اس سے پہلی سورت کے اخیر میں فرمایا تھا کہ من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم

کہ بعض اولاد اور بیویاں تمہاری دشمن ہیں ان سے بچو۔ اور بعض مواقع پر پورا بچنا پڑتا ہے یعنی طلاق دینی پڑتی ہے۔ اس لیے اس سورت میں طلاق کے احکام نازل فرمائے اور عرب میں جو طلاق کے بُرے دستورات تھے ان کو اٹھا کر عمدہ دستور قائم کیا۔

یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ کہ اے نبی جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو۔

ابحاث

اول یایھا النبی سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں خطاب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد امت ہے کہ اے مسلمانو! جب تم طلاق دینا چاہو الخ اور جب کسی قوم سے خطاب کرنا ہوتا ہے تو اس کے رئیس سے خطاب کرکے اس قوم سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وامت دونوں کی طرف خطاب ہے کس لیے کہ اس حکم میں جس طرح امت پر پابندی ہے ویسی ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے۔

دوم اذا طلقتم النساء سے یہ مراد نہیں کہ بے ضرورت و بے قصور جب چاہو عورت کو طلاق دے دو جیسا کہ یہودی شریعت میں تھا۔ جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کی سخت دلی پر کمال نفرت ظاہر فرما کر طلاق دینے سے روکا اور فرمایا کہ "جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے تو وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی کو بیاہے زنا کرتا ہے اور موسیٰ نے جو تمہیں حکم دیا کہ طلاق نامہ دے کے اسے چھوڑ دے تو تمہاری سخت دلی کے سبب سے تھا۔" (انجیل متی، ۱۹ باب)

عرب کا دستور بھی یہودی شریعت کے قریب قریب تھا۔ عورت گائے بھینس کی طرح سمجھی جاتی تھی، چاہا رکھا چاہا اپنی خواہش کے موافق چھوڑ دیا۔ ہمارے بعض علماء نے بھی لفظِ اذا کی تعمیم سے شاید ایسا خیال کیا ہو اور دستورِ عرب اور دلی خواہش نے اس کی تائید کی ہو۔ اسی خیالِ فاسد کو یورپ کے ناواقف عیسائیوں نے اسلام کا حکم قرار دے کر اسلام کو تیروں کا نشانہ بنایا اور لوگوں کو بالخصوص عورتوں کو اسلام سے نفرت دلانے کا کافی بندوبست کیا۔[1]

اسلام نے نہ عیسوی مذہب کی طرح طلاق کا جواز صرف زبان پر منحصر کرکے دائرہ معیشت کو تنگ کیا اور نہ یہود کی طرح ادنیٰ ادنیٰ بات پر طلاق روا رکھ کر ہمدردی انسانی پر دھبہ لگایا، اس عہد میں جو یہودیوں کا دستور طلاق کے بارے میں سخت نفرت خیز اور وحشیانہ تھا حضرت مسیح علیہ السلام نے طلاق کا دروازہ بند کرنا مناسب جانا اور صرف ایک ہی سبب طلاق کے لیے جائز سمجھا مگر یہ حکم عام نہیں ہو سکتا کس لیے کہ زنا کے سوا اور بھی بہت سے ایسے اسباب پیش آجاتے ہیں کہ جہاں بغیر طلاق کے مرد اور عورت کے لیے جاں بری اور رستگاری اور عافیت کی اور کوئی صورت نہیں ہوتی اور فریقین کو ایک دوسرے کی موت کا بندوبست

[1] طلاق دینے میں بھی جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور قاعدہ سے آپ ظاہر ہو رہا ہے۔ اور ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو حیض کی حالت میں طلاق نہ دو یہ اس لیے کہ حیض میں عورت کی طرف دل راغب نہیں ہوتا شاید اس نفرت طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو۔ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں عدت میں (باقی بر صفحہ آئندہ)

نہیں کرنا پڑتا۔ اسلام نے بھی طلاق کو بہت بند کیا اور بجز قوی سبب کے اجازت نہیں دی اور عورتوں کی کج خلقی پر صبر و برداشت کی تاکید فرمائی چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عورتوں کے حق میں نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں وہ تو انسان کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور ٹیڑھی پسلی اوپر ہی رہا کرتی ہے اگر سیدھا کرنا چاہو گے ٹوٹ بھی جائے گی اور اگر توڑنا نہ چاہو تو ٹیڑھی رہے گی پس عورتوں سے نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں (متفق علیہ) پھر فرمایا ایماندار مرد ایماندار عورت سے نفرت نہ کرے اگر اس کی کسی بات سے ناخوش ہوگا تو دوسری بات سے خوش بھی ہو جائے گا۔ (مسلم) پھر فرمایا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح نہ مارے پیٹے کہ پھر شام کو گلے لگا کر سوئے۔ (متفق علیہ) پھر فرمایا خدا کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ (دار قطنی) ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر زنا کے شبہ کے بے شک اللہ تعالیٰ کو مزہ لینے والے مرد اور عورتیں پسند نہیں (طبرانی و دار قطنی) یہ حدیث تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مقولہ کے قریب قریب ہے اور اس میں اس بات کی صاف تشریح بھی ہو گئی کہ جو کوئی بغرض شہوت طلاق دے کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کو لے یا عورت ایک مرد کو چھوڑ کر مرغوب دل مرد کو لینے کے لیے طلاق حاصل کرے۔ یہ امر خدائے عظیم کے نزدیک سخت ناپسند ہے اسی کو حضرت مسیح علیہ السلام نے زناکاری سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن اسلام نے زنا کی قید پر انحصار نہیں رکھا صرف یہ فرق ہے اور اس کو زمانہ اور ملکوں اور قوموں کی مصلحتوں پر لحاظ رکھنے والے ضرور پسند کریں گے۔ باقی حسن معاشرت اور عورتوں سے نرمی و اخلاق سے پیش آنا اسلام کی بڑی ہدایت ہے مگر اس میں بھی اس قدر ترمیم ضرور کی ہے کہ میاں کو بیوی کا غلام نہیں بنا دیا اور عورت کے اس قدر اختیارات وسیع نہیں کیے کہ جن کو کوئی بھی غیرت مند طبیعت پسند نہیں کر سکتی۔ باقی اور کوئی فرق نہیں اور وہ جھوٹے الزامات ہیں جن کے ذمہ دار وہی وحشی اور جاہل مسلمان ہیں جو ایسا ظالمانہ برتاؤ اپنی بیویوں سے کرتے ہیں نہ کہ اسلام۔

اب طلاق دینے میں جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور قاعدے سے آپ ظاہر ہو رہا ہے فقال فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ کہ ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ اس جملہ کی شرح اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے:۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دے دی تھی اس کی عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بہت خفا ہوئے پھر فرمایا اس سے رجوع کر کے رکھے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو جائے اس کے بعد اگر طلاق ہی دینا ضرور ہو تو پاکی کی حالت میں طلاق دے قبل اس کے کہ اس کو ہاتھ لگایا ہو۔ یہ ہے وہ عدت کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کو کہا ہے۔ (متفق علیہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جاتا رہے، جاہلیت میں عورت پر ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے اور عدت کو بڑھا دیتے تھے علاوہ ازیں عدت میں نفقہ مکان بھی نہیں دیتے تھے ان امور کو اسلام نے منع کر دیا ۱۲ منہ

احکام

اوّل حکم حیض میں طلاق نہ دے جو فطلقوھن لعدتھن کا خلاصہ مطلب ہے۔ اس بات پر جمہور کا اتفاق ہے اور حدیثِ مذکور اس پر پوری دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور خفا ہوئے۔ یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا اور وہ میلی کچیلی بھی ہوتی ہے شاید اس نفرتِ طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر اُبھار دیا ہو اس لیے طُہر میں طلاق دینی چاہیے تاکہ اصلی مصلحت کا تقاضا معلوم ہو۔

ف قرآن مجید میں عدتِ طلاق ثلٰثۃ قروء بیان ہوئی۔ صدرِ اول کے بعد جب علماء نے احکام میں زیادہ غور و تامل کرنا شروع کیا تو اس لفظ کے معنی میں بھی غور کیا گیا۔ امام ابوحنیفہؒ اور بہت سے علماء نے یہ فرمایا کہ اس کے معنی ہیں تین حیض اور پھر اس قول کو لغت اور صحابہ کبارؓ کے اقوال سے مستند کیا۔ امام شافعیؒ اور ان سے آگے اور علماء نے کہا اس کے معنی ہیں تین طہر یعنی وہ زمانہ کہ جس میں عورت حیض کے بعد پاک ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کے دلائل میں سے یہ آیت بھی ہے فطلقوھن لعدتھن کس لیے کہ لام لعدتھن میں وقت کے معنی دیتا ہے یعنی عدت کے وقت میں طلاق دو۔ اور یہ مسلّم ہے کہ طلاق کا وقت طُہر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عدت بھی طہر ہے نہ کہ حیض۔ اس کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے ایک آیت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء کہ طلاق دی ہوئی عورتیں تین قروء تک اپنے آپ کو روکیں۔ معلوم ہوا کہ عدت تین قروء ہیں اور قروء حیض کو کہتے ہیں گو طہر پر بھی استعمال ہوتا ہے مگر ثلٰثہ کا لفظ کہے دیتا ہے کہ تین حیض مراد ہونے چاہییں کس لیے کہ طلاق تو بالاتفاق طہر میں ہوئی چاہیے پھر اگر اس طہر کو بھی عدت میں شمار کیا گیا تو تین پورے نہ ہوئے کس لیے کہ کچھ زمانہ اس طہر کا طلاق دینے سے پہلے ضرور گزر گیا تھا اور اگر اس کے سوا اور تین طہر کیے گئے تو یہ مل کر تین سے زیادہ بڑھ گئے ہاں حیض مراد لینے میں یہ خرابی پیش نہیں آتی۔ اور لام اضافت کے لیے بھی آتا ہے اور بیانِ علت و سبب کے لیے بھی جیسا کہ اس آیت میں انما نطعمکم لوجہ اللہ اور عند کے معنی بھی دیتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اقم الصلٰوۃ لدلوک الشمس کہ نماز قائم کرو نزدیک آفتاب ڈھلنے کے۔ اور استقبال کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں اتیتہ للیلۃ بقیت من المحرم آیت میں لام اسی معنی میں ہے کہ عدت کے موقع پر طلاق دو یعنی طہر میں دو اس کے بعد عدت حیض سے شروع ہو گی اور اس کی مؤید بہت احادیث ہیں۔ من جملہ ان کے یہ ہے ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعدتھن کے موقع پر لقبل عدتھن پڑھا (رواہ عبدالرزاق فی المصنف وابن المنذر والحاکم وابن مردویہ) ابن عمرؓ و مجاہدؒ و ابن عباسؓ سے بھی یہ قرارت منقول ہے۔ یہ تفسیر کے طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہو گا۔ اور ایک حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عدت حیض ہے نہ کہ طہر، اور وہ یہ ہے۔ حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ لونڈی کے لیے دو طلاق ہیں[1] اور اس کی عدت دو حیض ہیں (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی) لونڈی کا نصف مرتبہ حرہ سے رکھا گیا مگر تین طلاق کا نصف ڈیڑھ حیض، شرع میں کوئی تعداد صحیح نہ تھی اس لیے پورے دو کر دیے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حرہ کی بھی عدت تین حیض ہیں کہ نہ طہر۔

---

[1] یعنی جہاں حرہ کو تین طلاق دے کر مغلظ کیا جاتا ہے لونڈی کے لیے دو طلاق کافی ہیں ۱۲ منہ

دوسرا حکم[2]

واحصوا العدۃ کہ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں غفلت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر طرح طرح سے ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے۔ اور عدت کو بڑھا دیتے تھے اور عدت میں نفقہ اور مکان بھی نہیں دیتے تھے۔ ان باتوں کو اسلام نے منع کر دیا۔

یہ بات قابلِ بحث باقی رہ گئی کہ طلقتم النساء میں نساء سے کون عورتیں مراد ہیں؟ گو لفظ میں کوئی تخصیص نہیں مگر بقرینۂ کلام آیندہ وہ عورتیں مراد ہیں کہ جن کو حیض آتا ہو۔ (صغیرہ اور آئسہ اور حاملہ نہ ہوں) اور ان سے کم از کم ایک بار صحبت بھی کی ہو۔ یہ اس لیے کہ جس سے صحبت نہ کی ہو اس کے لیے طلاق کے بعد عدت ہی نہیں[2] جیسا کہ قرآن میں آچکا ہے من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ حاملہ کی اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بعد میں مذکور ہے بقولہ والّئٰ یئسن الخ۔

اقسامِ طلاق

طلاق تین قسم پر ہے:-

(۱) احسن یہ کہ جس طُہر میں وطی نہیں کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے کس لیے کہ صحابہؓ ایک طلاق سے زیادہ دینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس میں بغیر مرضیٔ عورت کے عدت کے اندر مرد کو رجوع کر لینے کا اختیار باقی رہتا ہے۔

(۲) حسن وہ یہ کہ وطی کی ہوئی عورت کو تین طہر میں تین طلاق بتفریق دے اس کو بھی حنفی طلاق مسنون کہتے ہیں[3]۔ مگر امام مالکؒ اس کو بدعت کہتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک ایک طلاق سے زائد دینا کسی حال میں سنت نہیں خواہ ایک طہر میں ہو خواہ کئی میں مگر امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب ایک طہر میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بدعت جانتے ہیں نہ کہ کئی طہر میں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک بار تین طلاق دینے میں بشرطیکہ طہر میں ہوں کچھ ہرج نہیں کس لیے کہ وہ کہتے ہیں طلاق کی تعداد میں بدعت و سنت کچھ نہیں ایک مباح بات ہے۔ پس امام مالکؒ صرف ایک طلاق دینا مسنون جانتے ہیں طُہر میں اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تفریق اور وقتِ طُہر کی رعایت ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک صرف وقتِ طُہر کی رعایت ہے (کشاف)

(۳) طلاقِ بدعی، یہ وہ ہے جو حالتِ حیض میں ہو یا ایک طہر میں ایک سے زائد ہو یا اُس طہر میں ہو کہ جس میں وطی کی ہو، گو ایک ہی طلاق ہو۔ عام ہے کہ وہ مدخولہ ہو یا نہ ہو اور جس کو صغر یا کبر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اس کو ایک مہینے میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بھی بدعت ہے۔ اسی طرح حاملہ کو بھی ایک مہینے میں ایک سے زیادہ طلاق دینا بدعت ہے۔ یہ طلاقِ بدعی بھی پڑ جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہ گار ہوتا ہے۔ (ملخص از ہدایہ)

---

[1] بغیر وطی کی ہوئی کو ایک ہی طلاق دینا حسن ہے گو حیض میں ہو۔ اور اسی طرح جس کو حیض نہیں آتا اس کو ہر مہینہ کے بعد ایک طلاق دینا حسن ہے اگرچہ وطی کے بعد ہو۔ تفسیر احمدی ۱۲ منہ

[2] اصل آیت سورہ احزاب میں یوں ہے یاایھا الذین اٰمنوا اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا ۱۲

[3] مسنون تو احسن بھی ہے مگر اس میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔ وہ اس کو بدعی کہتے ہیں اس لیے حنفی اس کا نام طلاق السنہ رکھتے ہیں ۱۲ منہ

الفاظِ طلاق

یہ دو قسم کے ہیں۔

ایک صریح لفظِ طلاق استعمال کیا جائے اس سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے کہ اس کے بعد رجوع کرسکتا ہے اس میں نیت کو نہ دیکھا جائے گا۔

دوسری قسم کنائی ہے کہ کنایہ سے طلاق دے صریح الفاظ کا استعمال نہ کرے البتہ اس میں اس کی نیت دیکھی جائے گی ان الفاظ سے جو مراد وہ کہے گا وہی عدالت شرع منظور کرے گی جھوٹ سچ اس کی گردن پر۔ پھر کنایات بھی دو طرح کے ہیں۔ تین لفظ تو ایسے ہیں کہ جن سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے وہ یہ ہے۔ عدت کر۔ رحم پاک کر۔ تو اکیلی ہے۔

اور باقی الفاظ سے طلاقِ بائن پڑتی ہے کہ بغیر نکاحِ جدید شوہر رجوع نہیں کرسکتا، جیسا کہ "میں نے تجھے چھوڑ دیا۔" "تو حرام ہے۔" "تیری رسی چھوڑ دی"، وغیر ذلک۔

احکام

اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو اس کو ایک ہی طلاق کافی ہے، اب یہ اس کی ہرگز بیوی نہیں رہی، عدت کے بعد اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے خواہ اس سے کرے یا غیر سے۔

اسی طرح مدخولہ کو اگر طلاقِ بائن دی ہے یا تین طلاق دے چکا ہے تب بھی کوئی حق شوہرِ اول کا نہیں رہتا عدت کے بعد اس کو اختیار ہے۔

ہاں اگر ایک یا دو طلاق دی ہیں خواہ ایک طہر میں خواہ دو میں تب زوج کو اختیار ہے کہ عدت سے پہلے رجوع کرے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔

اور رجوع یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا، یا وہ افعال کرے جن سے زن و شو ثابت ہوں بوسہ لینا صحبت کرنا شہوت سے لگانا وغیرہ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں بغیر زبان سے کہے رجوع کرنا معتبر نہ ہوگا اور رجوع کے لیے دو گواہ کرلینا بہتر ہے۔ مگر امام شافعیؒ کہتے ہیں واجب ہے۔

اور عدت کے بعد بھی ہر طلاق کے بعد بارِ دگر نکاح کرسکتا ہے مگر تین طلاق کے بعد نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں کرسکتا۔ وہ یہ کہ بیوی پہلے کسی اور سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کرے پھر وہ طلاق دے پھر عدت کے بعد زوجِ اول نکاح کرے۔ یہ سزا اس لیے مقرر کی کہ تین طلاق دینے سے باز آئے یہ سخت مکروہ ہے۔ ایک بار[1] تعلق منقطع کرنا شرع نے پسند نہیں کیا۔ اس لیے بتدریج طلاق دینا مسنون ہوا کہ پھر کہیں گھر بس جائے تو بہتر اور طلاق کے موقعہ سے پہلے باہمی پنچایت کے ذریعہ سے ملاپ کی تاکید کی گئی ہے۔

ف طلاقِ رجعی کی عدت میں بیوی کا شوہر کے سامنے آنا بناؤ سنگار کرنا رغبت دلانا ممنوع نہیں بلکہ محمود ہے کس لیے کہ ہنوز نکاح باقی ہے اور ملاپ مقصود ہے۔ اور طلاقوں کی عدت میں یہ حکم نہیں، بلکہ زینت کے ساتھ مرد کے سامنے آنا اختلاط کرنا حرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا واتقوا اللہ ربکم کہ اللہ سے ڈرو جو تمہارا پرورش کرنے والا ہے۔ لفظِ اللہ ذات پر دال ہے جس کی جبروت سے ہر عقل مند کو ڈرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا لازمی ہے مگر عقولِ سافلہ کو وہاں تک بغیر کسی صفت کے رسائی نہیں۔ اس لیے اس کے بعد ربکم بھی بیان فرمادیا کہ اللہ کون ہے؟ تمہارا رب جو تم کو پرورش کرتا ہے رزق کے سامان بھی وہی پیدا

---

[1] یعنی یکایک، فورًا۔

کرتا ہے ہر گھڑی تمہارے وجود کا وہی محافظ و مربی ہے۔ البتہ مربی اور محسن کی مخالفت سے عام طبائع ڈر سکتی ہیں اس لیے کہ وہ کہیں اپنے یہ انعام بند نہ کرلے اسی لیے ایسی صورت کا ذکر کیا۔

نمبر ۳ حکم

مطلّقہ کو مکان دینا واجب ہے

یہ جملہ آیندہ حکم کے لیے تاکید ہے! اس لیے اس کے بعد تیسرا حکم ذکر کرتا ہے۔ لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" کہ ان مطلقہ عورتوں کو ایام عدت میں ان کے گھروں سے نہ نکالو نہ وہ آپ نکلیں مگر جب صریح فحش کریں تو نکال دینے میں مضائقہ نہیں۔

مطلّقہ کو اُسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں وہ طلاق سے پہلے رہتی تھی گو وہ خاوند کا گھر تھا مگر گھر عورت ہی کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اس لیے بیوتھن فرمایا۔ اضافت بیت کی ان کی طرف کی جیساکہ سورہ احزاب میں ازواج مطہرات کو قرن فی بیوتکن سے مخاطب کیا تھا، اور بیت کو ان کی طرف مضاف کیا تھا۔ اضافت تملیکیہ نہیں بلکہ سکونت کے سبب سے ہے۔

فاحشۃ مبینۃ بالکسر فاعل کا صیغہ جس کے معنی بیان کرنے والی یعنی وہ فاحشہ بات اپنی برائی آپ بیان کر رہی ہے اور مبینۃ بالفتح بھی پڑھا ہے کہ اس کی برائی براہین و دلائل سے بیان ہو گئی ہے۔ فاحشۃ مبینۃ کے معنی اکثر مفسرین نے زنا کے بیان کیے ہیں کہ جب عورت بدکاری کرے تو اس کا نکالنا ممنوع نہیں۔ بعض نے اس کی اور بھی تخصیص کی ہے کہ وہ حد مارنے کے لیے نکالی جائے اس کے بعد پھر دہیں رکھی جائے۔ (وفیہ ما فیہ) امام شافعیؒ فرماتے ہیں فاحشۃ مبینۃ سے مراد بدزبانی فحش گوئی ہے کیوں کہ مطلقہ کو خاوند سے طلاق کے بعد رنج پیدا ہونا طبعی بات ہے پھر عورتوں سے ایسے وقت بدزبانی فحش گوئی کچھ بھی بعید نہیں پھر جب ایسی نوبت ہو تو آیندہ اور فسادات کے اندیشے ہیں اس صورت میں نکال دینا مصلحت ہے اس کے سوا اور ضرورتوں کے سبب بھی (جیساکہ مکان گرنے کو ہو یا دشمن کا خوف ہو یا مکان کرایہ کا تھا مالک اٹھاتا ہو) باہر نکلنا ممنوع نہیں۔ مگر ان صورتوں میں خاوند کو لازم ہے کہ اور مکان عدت گزارنے کو دے۔

سکنیٰ اور نفقہ بھی دینا چاہیے

قرآن مجید کے الفاظ میں کوئی قید نہیں طلاق رجعی یا بائن یا مغلظ کوئی ہو اور مطلقہ حائض ہو یا حاملہ یا آئسہ یا صغیرسن سب کے لیے سکنیٰ یعنی سکونت کا مکان دینا شوہر کا ذمہ ہے اور چند آیات کے بعد اور بھی تاکید فرماتا ہے:۔ اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم جمہور ائمہ کا یہی قول ہے مگر حسن بصری و عطاء بن ابی رباح و شعبی و احمد و اسحاق تخصیص کرتے ہیں کہ جس عورت سے شوہر طلاق کے بعد رجوع نہیں کر سکتا (طلاق بائن یا تین طلاقوں کے بعد) تو وہاں خاوند پر مکان دینا واجب ہے نہ روٹی نہ کپڑا۔ کس لیے کہ شوہر کا کوئی تعلق نہیں رہا اور دلیل نقلی ان کی حدیث فاطمہ بنت قیس ہے وہ کہتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میرے خاوند نے مجھے تین طلاق دی تھیں حضرتؐ نے مجھے نہ مکان دلوایا نہ روٹی کپڑا اور ابن ام مکتومؓ کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا۔ اس کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں اصحاب سنن اربعہ اور مسلم بھی ہیں۔ جمہور کہتے ہیں اس حدیث کو حضرت عمرؓ نے رد کر دیا تھا کہ کیا ہم ایک عورت کے

کہنے سے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو چھوڑ دیں گے؟ کیا معلوم بھول گئی یا یاد سے کہتی ہے۔ پس حضرت عمرؓ سکنیٰ اور نفقہ دونوں دلاتے تھے (اس بات کو بھی مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و طحاوی و دارقطنی نے روایت کیا ہے) جمہور کا مکان دینے میں اتفاق ہے۔ اور مکان کے ساتھ نفقہ بھی خاوند پر واجب ہے کس لیے کہ رجعی طلاق میں تو خاوند کا تعلق ہی قائم ہے اس سے صحبت کر سکتا ہے اور بائن میں عورت نکاح ثانی سے خاص شوہر اول کی وجہ سے روکی گئی کہ اس کا حمل بخوبی معلوم ہو جائے اور جلد دوسرے کے پاس جانے میں مظنۂ تہمت تھا پس اس کو مکان اور نفقہ دونوں دینے چاہییں۔ اور نیز چند آیات کے بعد مطلقہ حاملہ کے لیے نفقہ دینے کا صاف حکم ہے۔ وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن الآیۃ اور حاملہ اور غیر حاملہ کا اس بارے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ عمرؓ و عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کبار صحابہ کا یہی قول تھا اور سفیان ثوریؒ و امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ اور علماء کوفہ کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ غیر طلاقِ رجعی میں بھی شوہر کو مکان دینا ضرور ہے اس آیت کے بموجب لیکن اس میں نفقہ کا ذکر نہیں صرف حاملہ کے لیے نفقہ کا ذکر ہے اس لیے نفقہ نہ دیا جائے گا یعنی خرچ۔ یہ امام مالک ولیث بن سعد و امام شافعی کا قول ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں فاحشۃ مبینۃ سے مراد بدگوئی و فحش زبانی ہے فاطمہ بنت قیس بدزبان اور فحش گو عورت تھی اس لیے اس کے لیے مکان بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دلایا یا غیر کے گھر عدت گزاری اور نفقہ بھی نہ دلایا۔ ان سب احکام میں غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ اسلام نے طلاق کو کہاں تک محدود کیا ہے اور پھر ملاپ ہو جانا ملحوظ رکھا ہے۔

ان احکام کے استحکام کرنے کے لیے فرماتا ہے وتلک حدود اللہ کہ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود ہیں ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ اور جس نے اللہ کے حدود سے تجاوز کیا اس کا کیا بگاڑا اپنا ہی نقصان کیا کس لیے کہ ان احکام میں صدہا دنیوی مصلحتیں خدا تعالیٰ نے ودیعت رکھی ہیں، اس کو کیا معلوم کہ ان احکام کی پابندی کے بعد خدا کہاں تک نتیجہ دکھاتا ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرًا کے یہی معنی ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ صرف عدت اور مکان دینے کی طرف راجع ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شاید بعد میں اس ارتباط و حسن سلوک سے ملاپ ہو جائے۔

چوتھا حکم

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف کہ جب ان مطلقات کی اجل یعنی عدت پوری ہونے کو ہو (بلغن کے یہی معنی ہیں) تو ان کو دستور کے موافق رکھ لو، یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ آیت کا سیاق کہہ رہا ہے کہ یہ حکم طلاقِ رجعی کی عدت سے متعلق ہے کہ ہنوز خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار رہے پھر عدت تمام ہونے کو آئے تو عورت کو پھر بدستور سابق بغیر نکاح جدید اپنی بیوی کر لے مضرت کا قصد نہ کرے کہ بار دگر گھر میں ڈال کر خوب دل کے غبار نکالے بلکہ حسن معاشرت سے پیش آوے اور جو اپنے مصالح کے مناسب نہ سمجھے تو ترک کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جائے اس کا مہر وغیرہ دیدے اور دوسرے شخص سے نکاح کرنے میں حارج نہ ہو۔ مگر طلاقِ بائن اور ثلاث میں بھی امساک بمعروف او تسریح باحسان ہو سکتا ہے کہ

ے روٹی کپڑا ۱۲ منہ

نکاح جدید کے بعد حسن معاشرت سے رکھے یا اس کو بالکل چھوڑ دے کہ جس سے چاہے نکاح کرے اس کا مہر وغیرہ سب دیدے یہی مضمون سورۂ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔

پانچواں حکم

واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ

کہ اس مراجعت یا ترک پر اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں میں سے کم از کم دو شخص ثقہ اور نیک بختوں کو گواہ بھی کر لو۔ کہ پھر کسی طرح کا باہمی جھگڑا نہ پیدا ہو۔ مثلاً دونوں میں سے ایک مرجائے اور دوسرا وراثت کا دعویٰ کرے اور وارث جھٹلانے لگیں کہ تم نے رجوع نہیں کیا تھا یا باہم نکاح باقی نہیں رہا۔ اور نیز یہ بھی ہے کہ مرد نے رجوع کیا کسی کو خبر تو کی نہیں عدت گزر گئی اس نے دوسرے سے نکاح کی ٹھان لی جھگڑا پڑا، اور بھی مصلحتیں ہیں اہل معاملہ کو گواہ کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو اللہ کے لیے بلا کم وکاست گواہی ادا کرنے کا بھی حکم دیا یہ حکم امام شافعیؒ کے نزدیک ضروری التعمیل یعنی واجب ہے رجوع کرنے کے وقت ضرور گواہ بنائے۔ امام ابو حنیفہؒ اور دیگر علماء فرماتے ہیں ہاں گواہ کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں اور یہ امر ایسا ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں واشھدوا اذا تبایعتم۔ حالانکہ بیع کے وقت گواہ بنانا واجب نہیں۔

ف صاحب اتقان فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذوی عدل منکم گواہوں کی تخصیص نے سورۂ مائدہ کی تعمیم ذوی عدل منکم او اخران من غیرکم کو منسوخ کر دیا۔ یعنی سورۂ مائدہ میں تو یہ حکم تھا کہ دو ثقہ شخص تم میں سے ہوں یا اور لوگوں میں سے ہوں اور یہاں یہ کہہ دیا کہ تم میں سے ہوں اس تعمیم کو منسوخ کر دیا لیکن یہ قول چنداں قوی نہیں کس لیے کہ سورہ مائدہ میں گواہی وصیت کے باب میں تھی یہاں رجعت کے بارے میں ہے۔

پھر ان احکام کی پابندی پر تاکید فرماتا ہے ذٰلکم یوعظ بہ من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر یہ احکام وہ ہیں کہ جن سے نصیحت پکڑتا ہے یا فائدہ اٹھاتا ہے وہ شخص جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اشارۃً یہ کہہ دیا کہ جو ان احکام کی پابندی نہیں کرتا گویا وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس میں ایماء عرب کی جاہل قوموں کی طرف ہے کہ وہ طلاق دے کر عورت کو معطّل کر دیتے تھے بے چاری یوں ہی بیچ میں جھولتی رہتی تھی نہ تو آپ اس کی خبرگیری کرتا تھا نہ اور سے نکاح ہونے دیتا تھا۔ یہ بڑا ظالمانہ برتاؤ تھا۔ اب بھی بعض مرفہ الحال لوگ جو عزت وغرور کے نشہ میں چور ہیں ایسا ہی کرتے ہیں، نکاح اور طلاق میں قانونِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کا مطلقاً عمل نہیں، وہ کہتے ہیں اشراف ایسا نہیں کرتے معاذ اللہ یہ کلمہ حدِ کفر تک پہنچتا ہے قیامت کو جب کہ اللہ جبار وقہار تخت پر بیٹھ کر عدالت کرے گا شرافت معلوم ہو جائے گی۔

یہ ساری بے اعتدالیاں خوفِ خدا نہ ہونے کے سبب ہیں اور ان احکام میں غفلت واعراض کا باعث طمع یا فکر ہوتی ہے کہ اس کو کہاں سے کھلائیں گے مہر کیوں کر دیں گے روک رکھو کہ مہر نہ مانگے بلکہ جو کچھ لیا ہے واپس کر لو۔ اس لیے سب سے پہلے خوفِ خدا کی تاکید اور اس کے فوائد بیان فرماتا ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا ویرزقہ من حیث لا یحتسب کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے آخرت میں تو اس کو اس کے ثمرات ملیں گے مگر دنیا میں بھی اس کو دو چیزیں عطا کرتا ہے:۔

ا؎ کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد بھی عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا ۱۲ منہ

اول یجعل له مخرجا کہ اس کے لیے ہر مشکل میں خلاصی دیتا ہے رنج و غم سے رستگاری عطا کرتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جب انسان اللہ سے ڈرا اور ہر مصیبت کو اسی کی طرف سے سمجھ کر اس کی طرف رجوع کیا اول تو اس کے دل کو اطمینان و انشراح پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مصیبت اس کے نزدیک بہت ہلکی ہو جاتی ہے۔ اور واقعی لوگوں کے قلوب کے موافق مصیبت کا اثر پڑتا ہے بعض ایسے بھی ہیں کہ ذرا سی بات سے دست آنے لگتے ہیں بے قرار ہو جاتے ہیں اور بعض کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حادثہ کس پر گزر گیا؟ الغرض استقلال و جواں مردی تقویٰ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یوں بھی عالم بالا سے اس کی مشکل کشائی کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ خدا ترس لوگوں کو جو جو مدد غیبی حوادث میں پہنچی ہے ان سے کوئی ایمان دار جو کتب سماویہ پر یقین رکھتا ہے انکار نہیں کر سکتا البتہ حال کا فلسفہ اس کو کچھ نہیں سمجھتا یہ ان کی جہالت ہے۔

بعض مفسرین نے مخرجا کو خاص بھی کیا ہے۔ چنانچہ کلبی کہتا ہے کہ جو اللہ سے ڈر کر مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اللہ اس کو آتش جہنم سے مخلصی دیتا ہے شعبی اور ضحاک کہتے ہیں یہ خاص طلاق کی بابت ہے کہ جس نے حکم الٰہی کے موافق طلاق دی اس کے لیے سنۃ رجوع کرنے کا عدت میں خدا نکال دیتا ہے۔

دوم ویرزقه من حیث لا یحتسب کہ جہاں سے گمان بھی نہ ہو گا روزی دے گا۔ وہ قادر مطلق اپنے پاک باز بندوں کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ جن کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس میں خاوند کو تسلی ہے کہ رزق و روزی کے فکر سے طلاق نہ دو نہ طلاق کے بعد زبردستی روک رکھو ہم بے گمان روزی دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے اس کو بھی خاص کیا ہے جیسے ابن فضل کہتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرے گا اور ادائے فرض کرے گا اس کو عذاب سے خلاصی دے گا اور اسی طرح ثواب دے گا کہ اس کو گمان بھی نہ ہو گا تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ گناہوں کے سبب رزق سے محروم کیا جاتا ہے اور تقدیر کو دعا کے سوا اور کوئی چیز رد نہیں کرتی اور عمر کی زیادتی کا باعث نکوئی ہی ہوتی ہے۔ (رواہ الامام احمد)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایمان داروں کے لیے خدا تعالیٰ گناہوں سے تنگ دستی دیتا ہے اور نیکی سے فراغ دستی اور نیکی و احسان کرنے والے کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور بندہ جب اللہ سے عجز و زاری سے مانگتا ہے تو عطا کرتا ہے آئی مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ توریت میں جا بجا بنی اسرائیل کی تنگ دستی اور فراغ بالی کو ان کی نیکوکاری و بدکاری پر محول کیا ہے۔ ہاں کبھی ازلی بدبختوں اور کفار کو ان کی سرکشی اور بدکاری پر بھی افزائش مال و جاہ کرتا ہے یہ اس کا امتحان و ابتلاء ہے۔ آخر کار دنیا میں بھی ایک روز بدکار قوم کو اقبال و عزت کو رخصت کرنا پڑتا ہے اور نکبت و بدبختی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ فلسفہ حال اس بات کو بھی لچر و بیہودہ اور پرانا خیال سمجھتا ہے اس لیے پاک دامنی خدا پرستی ان کے نزدیک ایک عبث کام ہے جس پر وہ ٹھٹھے لگاتے ہیں عنقریب ان پر ٹھٹھے لگیں گے۔

اس کے بعد توکل کے فوائد اور اس کی تاکید فرماتا ہے ومن یتوکل علی اللہ فهو حسبه کہ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ توکل اللہ پر اعتماد اور اسباب کی فراہمی اور ان پر کامیابی سب کو اسی کے دست قدرت میں سمجھنا جس میں یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو بڑی جواں مردی سے معاملات میں لوگوں سے پیش آتا ہے سیر چشمی کرتا ہے جو اس کی عزت و حرمت بڑھانے کا

عمدہ ذریعہ ہے اور جو کوئی مصیبت بھی اس پر آجاتی ہے تو اس کو من اللہ سمجھ کر دل میں بے قراری پیدا ہونے نہیں دیتا، عجب شادمانی سے زندگی بسر کرتا ہے، یہ ہے خدا تعالیٰ کا اس کے لیے کافی ہونا۔ اور یوں بھی غیب سے ایسے لوگوں کے کام بن جایا کرتے ہیں مسبب الاسباب اسباب پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ توکل اور تقویٰ روح کو منور کرنے والی چیز ہے اس سے ظلمات ہیولانیہ جو اس کے اور خالق کے درمیان حجاب اکبر ہیں اٹھ جاتے ہیں۔ پھر روح کا بارگاہِ قدس تک پہنچنا اور وہاں سے قوت پانا دنیا میں ایسے ایسے حیرت انگیز کاموں کا باعث ہو جاتا ہے جنھیں کم تر درجہ کے دماغ خلافِ قانونِ قدرت سمجھ کر خواہ مخواہ انکار کرتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے حیرت افزا کام اور ان کی برکات اناجیل میں نہیں؟ پھر کوئی عیسائی انکار کر سکتا ہے؟ اسی طرح صحابہ کرامؓ و اہلِ بیت عظامؓ اور بعد میں حضرات اولیاء اللہؒ کی کرامات اس قدر ہیں کہ جن کا انکار ہو نہیں سکتا۔

ف اس میں شوہر کو تسلی ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھو بدمعاملگی نہ کرو، وہ تمہارے لیے کافی بندوبست کر دے گا، ہر معاملے میں راستی اختیار کرنے کے لیے اس اعتقاد سے بڑھ کر اور کوئی چیز محرک نہیں۔ اس طرف کم تر درجے کے لوگوں کا خیال جا سکتا تھا کہ خدا ہے کیا اور عالمِ اسباب میں کر کیا سکتا ہے کارخانہ دنیا اسباب پر مبنی ہے جیسا کہ آریہ اور آج کل کے روشن دماغ یورپین کہا کرتے ہیں اس لیے ان کے اطمینان کے لیے فرماتا ہے ان اللّٰہ بالغ امرہٖ کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے ہی رہا کرتا ہے اس کے یدِ قدرت کو کوئی روک نہیں سکتا مگر قبل الوقت نہیں کرتا کس لیے کہ قد جعل اللّٰہ لکل شیءٍ قدراً ہر چیز کا اس نے اندازہ کر رکھا ہے جو مصالح پر مبنی ہے۔

وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ

اور تمہاری عورتوں میں سے جن کو حیض کی امید نہیں

نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُہُنَّ

رہی ہے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت

ثَلٰثَۃُ اَشْہُرٍ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ

تین مہینے ہیں اور (یہی عدت) ان کی بھی جن کو حیض نہیں آیا اور

اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ

حمل والیوں کی عدت ان کے بچہ

حَمْلَہُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ

جننے تک ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے کام

مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ﴿٤﴾ ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰہِ

آسان کر دیتا ہے یہ اللہ کا حکم ہے

اَنْزَلَہٗٓ اِلَیْکُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ

کہ جس کو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اسکی

عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعْظِمْ لَہٗٓ اَجْرًا ﴿٥﴾

برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کو بڑا اجر بھی دیتا ہے

اَسْکِنُوْہُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ

(اور) طلاق دی ہوئی عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو

مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْہُنَّ

اپنے مقدور کے موافق اور ان کو ستاؤ نہیں

لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْہِنَّ ؕ وَاِنْ کُنَّ

کہ ان کو تنگ کرو اور اگر ان طلاق

اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْہِنَّ

دی ہوئی عورتوں کو حمل ہو تو جب تک جنیں

حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَہُنَّ ج فَاِنْ اَرْضَعْنَ

ان کا خرچ اٹھاؤ پھر اگر تمہارے بچے کو

لَکُمْ فَاٰتُوْہُنَّ اُجُوْرَہُنَّ ج وَاْتَمِرُوْا

دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور آپس میں

بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ

نیک بات کہو اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو غیر

فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۞ ۶ لِيُنْفِقْ ذُوْ

اور عورت اسے دودھ پلائے مقدور والا

سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ

اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے اور جو تنگ دست

رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ

ہو تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ

اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جو اس کو دے رکھا ہے

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۞ ۷ ع

اور بہت جلد تنگ دستی کے بعد فراخ دستی دیتا ہے

ترکیب

والّٰئ موصول یئسن صلتہ من نسائکم بیان والّٰئ ان ارتبتم شرط فعدتھن جوابہ والمجموع خبر والّٰئ والّٰئ لم یحضن مبتدا والخبر محذوف ای فعدتھن کذلک واولات الاحمال مبتدا اجلھن مبتدا ان یضعن خبرہ الجملۃ خبر اولات الاحمال من حیث قال الزمخشری من للتبعیض ای بعض مکان سکناکم وقال الرازی والکسائی زائدۃ وقال ابو البقاء والحوفی لابتداء الغایۃ من وجدکم الوجد بضم الواو والفتح والکسر ومعناہ من سعتکم وطاقتکم وھو بدل من حیث وائتمروا قال الکسائی معناہ تشاوروا بدلیل قولہ تعالیٰ ان الملا یأتمرون بک وقال مقاتل المعنی لیتراض الاب والام علیٰ اجر مسمّٰی۔

تفسیر

عدت حیض آنے والیوں کی آیت سے پہلے مسلمانوں کو معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ثلٰثۃ قروء تین حیض ہیں۔ مگر جنہیں حیض نہیں آتا عمر زیادہ ہونے یا کم ہونے کے سبب یا حمل کے سبب سو یہ تین قسم کی عورتیں وہ ہیں کہ جن کی عدت طلاق دریافت طلب تھی اس لیے حق سبحانہ ان تینوں قسموں کی عدت بیان فرماتا ہے:۔

قسم اول

والّٰئ یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلٰثۃ اشھر کہ جو ناامید ہو جاویں تمہاری عورتوں میں سے حیض آنے سے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین

ع ۱ ۷ ۱۷ مہینے ہیں۔

جو عورتیں سن رسیدہ ہو جاتی ہیں پھر ان کو حیض نہیں آتا جو جسمانی قوت کے دنوں میں آیا کرتا تھا صرف کچھ رطوبت سی آنے لگتی ہے اور بعض کو وہ بھی نہیں آتی بلکہ اور کسی خاص بیماری کی وجہ سے ایام معتاد یا غیر معتاد میں خون آتا ہے جس سے حیض کا دھوکا ہوتا ہے، اور گاہے انقطاعِ حیض کے قریب زمانے میں وہ رطوبت بھی شبہ میں ڈال دیتی ہے۔ الغرض ایسی عورت کو آئسہ کہتے ہیں یعنی حیض آنے سے ناامید ہوگئی اور سنِ ایاس جسمانی اور ملکی قویٰ کے تفاوت سے ضرور متفاوت ہوتے ہیں، گرم ملکوں میں عورتوں کو جلد حیض آتا ہے اور بڑھاپا بھی جلد آجاتا ہے اور حیض بھی چند برسوں کے بعد بند ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ چالیس برس کی عمر میں اچھی خاصی بڑھیا ہو جاتی ہے۔ لیکن سرد ملکوں میں چالیس برس کی عمر میں جوان سمجھی جاتی ہے، اسی طرح قوائے جسمانی کا تفاوت ہے، اس لیے اس کا کوئی زمانہ معین نہیں ہو سکتا، نہ قرآن مجید نے کہا، ہاں فقہائے کرام نے تخمینہ کیا ہے، بعض نے کہا ساٹھ برس کی عمر میں عورت آئسہ ہو جاتی ہے، بعض نے کہا پچپن برس کی عمر میں۔

اگر تم کو شبہ ہو حیض آنے ہیں تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ (ان ارتبتم) کرخی فرماتے ہیں یہ صفت کاشفہ ہے کوئی قید نہیں کس لیے کہ جو عورتیں آئسہ ہیں ان کی ہر حال میں یہی عدت ہے خواہ تم کو شک ہو یا نہ ہو۔ پھر ان ارتبتم کے معنی میں کلام ہے کہ کاہے میں شک ہو، اس میں دو قول ہیں:۔

اول یہ کہ حیض منقطع ہوگیا اور اس کی ہم عمروں کو آتا ہے، اب تم کو شک ہے کہ رک گیا یا آنا ہی بند ہوگیا، یا حیض منقطع ہونے کے بعد استحاضہ کا مرض ہوگیا، اب حیض نہیں معلوم ہو سکتا، یا بعد انقطاع کے کوئی رطوبت آیا کرتی ہے جس سے حیض کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ سلف کا قول ہے جیسا کہ مجاہد و زہری و ابن زید۔

دوسرا قول جس کی طرف ابن جریر و ابن سعید وغیرہم کا رجحان ہے یہ ہے کہ تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو کہ کیا کرے۔ اور اس کی تائید میں ابن جریر ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ چند عورتوں کی عدت معلوم نہیں ہوئی بڑی عمر والیوں کی اور چھوٹی عمر والیوں کی یعنی نابالغوں کی اور حمل والیوں کی۔ اس کے جواب میں یہ آیت واللّٰئی الخ نازل ہوئی۔ اور ابن ابی حاتم نے اس سے بھی تفصیل وار نقل کیا ہے۔

دوسری قسم ۲

واللّٰئی لم یحضن وہ عورتیں کہ جن کو حیض نہیں آتا ہے کم سنی کی وجہ سے تو ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں (یہ پہلے واللّٰئی پر معطوف ہے) یہ عدتِ طلاق ہے، اس میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

تیسری قسم ۳

ان کے بعد تیسری قسم کی عورتوں کی عدت بیان فرماتا ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن کہ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے یعنی جننا عدت ہے جب وہ جنیں تو پوری ہوگئی۔

ف اگر پورے دنوں میں بچہ نہیں ہوا اور حمل ساقط ہوگیا کیا اس سے بھی عدتِ طلاق پوری ہو جائے گی؟ ظاہر الفاظ کہہ رہے ہیں کہ عدت تمام ہو جائے گی۔ کسی نے آج طلاق دی اور اس کو مہینے بھر کا حمل تھا تو آٹھ مہینے تک عدت میں رہے گی، نویں مہینے جنتے ہی عدت تمام ہو جائے گی۔

ہدایہ میں ہے وان کانت ممن لا تحیض من صغر او کبر فعدتھا ثلاثۃ اشھر لقولہ تعالیٰ واللّٰئی یئسن الخ وکذا من بلغت بالسن ولم تحض (باخر الآیۃ) وان کانت حاملاً فعدتھا ان تضع حملھا (کہ اگر صغر سنی یا کبر سنی سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہیں اس آیت سے واللّٰئی یئسن الخ اور اسی طرح اگر بالغہ ہو جائے اور حیض نہ آتا ہو تو بھی عدت تین مہینے ہیں اور اگر حمل ہے تو عدت وضعِ حمل ہے)۔

بحث

بظاہر آیت واولات الاحمال الخ عدتِ طلاق کے بارے میں ہے اور عدت وفات سورۂ بقرہ میں اربعۃ اشھر و عشرا چار مہینے دس روز کی آچکی۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں آئسہ ہو صغیرہ ہو حاملہ ہو۔ لیکن جب عدت کی مصلحت کی طرف غور کیا گیا کہ وہ امتیاز نطفہ ہے کہ

ا؎ خون آنے کی بیماری جو عورتوں کو حیض کے علاوہ ہو جاتی ہے ۱۲ منہ

ایک نطفہ کے ساتھ دوسرا مخلوط نہ ہو تو حاملہ کے پیٹ میں اول شوہر کا نطفہ باقی ہے خواہ وفات کی عدت ہو خواہ طلاق کی جب تک یہ الگ نہ ہو لے عدت قائم رہے گی اور رہنی بھی چاہیے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کر دی کہ طلاق پر موقوف نہیں وفات میں بھی یہی عدت ہے اور جمہور علماء کا سلف سے خلف تک یہی قول ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا تھا الذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا کہ جن کے خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت کریں۔ اس میں یہ قید نہ تھی کہ وہ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ۔ اسی طرح اس آیت واولات الاحمال میں یہ ہے کہ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے کوئی قید نہیں کہ وہ حمل والیاں مطلقہ ہوں یا بیوہ ہوں۔ اب آن کر دونوں آیات میں حاملہ بیوہ کی عدت میں تعارض ہوا۔ سورۂ بقرہ کی آیت تو کہتی ہے کہ چار مہینے دس دن عدت کرے خواہ حمل اس سے پہلے وضع ہو یا بعد میں لیکن یہ آیت کہتی ہے کہ وضع حمل عدت ہے خواہ چار مہینے دس دن کے بعد ہو خواہ دوسرے روز ہی وضع حمل ہو جائے عدت تمام ہو جائے گی۔ مگر یہ آیت واولات الاحمال بعد میں نازل ہوئی ہے لہٰذا اس بارے میں سورۂ بقرہ کی آیت منسوخ قرار دی جائے گی۔ بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد وغیرہ محدثین نے مختصراً و مطولاً ایک حدیث نقل کی ہے کہ سبیعہ اسلمیہ سعد بن خولہ بدری کے نکاح میں تھی، سعد حجۃ الوداع میں مر گئے اور سبیعہ حاملہ تھی، بعد چالیس روز کے اس نے بچہ جنا پھر جب نفاس سے پاک ہوئی تو اپنے آپ کو نکاح کے لیے آراستہ کیا، اس کے پاس ابوالسنابل ابن بعکک بھی گیا اس نے کہا تو نکاح کرنا چاہتی ہے؟ یہ نہ ہوگا کس لیے کہ تیرے شوہر کو مرے چار مہینے دس دن نہیں ہوئے تب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے گئی، آپؐ نے فرمایا جب تیرا حمل وضع ہوا تیری عدت تمام ہو گئی اس کے بعد اس نے نکاح کر لیا۔

اس حدیث مشہور کی صحت میں کسی کو کلام نہیں، یہ مختلف طرق سے متعدد راویوں نے روایت کی ہے اور اسی پر اکثر صحابہؓ و تابعین و ائمہ کا عمل رہا ہے، مگر ابن عباسؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے تھے کہ دونوں عدتوں میں سے جو زیادہ ہو وہ کرے یعنی اگر دس روز بعد وضع حمل ہوا تو چار مہینے دس روز عدت کرے۔ مگر عبداللہ بن مسعودؓ نے اس قول کو ہرگز نہ مانا اور کہا جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے کہ سورۂ نساء قصریٰ یعنی سورۂ طلاق کہ جس میں اولات الاحمال ہے سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے یعنی یہ اس کی ناسخ ہے۔ اس بارے میں ہدایہ میں ہے وعدۃ الوفاۃ فی الحرۃ اربعۃ اشھر وعشرا وعدۃ الامۃ شھران و خمسۃ ایام وان کانت حاملا فعدتھا ان تضع حملھا علماء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

اس حکم کے بعد اس کی تاکید فرماتا ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کرے گا یعنی ان احکام پر عمل کر و اللہ سے ڈر کر تاکہ تمہیں نکاح و طلاق کے بارے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے اور خدا تمہارے سارے کام آسان کرے ذٰلک امر اللہ انزلہ الیکم یہ حکم اللہ نے تمہارے لیے نازل کیا اللہ سے ڈرو اور اس پر عمل کرو کس لیے ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیاٰتہ ویعظم لہ اجرا کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے خدا اس کے گناہ اس سے مٹا دیتا ہے اور اس کے لیے بڑا اجر تیار کرتا ہے۔

ؔ کس لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضع حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں بھی یہ آیت متعارض نہیں ۱۲ منہ

عدت کے احکام

طلاق کے بعد ایام عدت میں خاوند کو مطلقہ کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ اس کا بیان فرماتا ہے۔

اوّل حکم (۱) اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم کہ جہاں تم رہو اپنے مقدور[1] کے موافق ان کو بھی وہیں رکھو کس لیے کہ طلاق کے بعد طرفین میں رنجش معمولی بات ہے فوراً نکال دینا قریب الوقوع بات ہے اس میں عورت کی کمال بے حرمتی اور معاملہ سابقہ کے لحاظ سے کمال بے مروتی ہے اس لیے مکان دینے کا حکم دیا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے مگر خرچ و خوراک میں کلام ہے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی، مکان کے ساتھ خرچ و خوراک بھی ضرور ہے۔ کس لیے کہ اگر صرف مکان مراد ہوتا یہ تو پہلے بھی بیان ہو چکا لاتخرجوھن من بیوتھن میں۔ دوم من وجدکم کا لفظ بھی یہی کہہ رہا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں طلاق بائن میں خرچ و خوراک دینا واجب نہیں۔

دوسرا حکم (۲) ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن۔ خدائے پاک مطلقہ پر تنگی کر کے ضرر پہنچانے سے منع کرتا ہے کہ مکان اور کھانے پینے میں تنگی نہ کرو کہ تنگ ہو کر نکل جائے اور ہر قسم کی ایذا کی ممانعت ہے سخت کلامی، لڑائی جھگڑا، ترش روئی۔ اور یہ بھی ہے کہ جب عدت تمام ہونے کو آئے مثلاً دو روز باقی رہ جائیں پھر رجوع کر لے اور پھر طلاق دیدے تاکہ اور عدت بڑھ جائے اس سے بھی منع کیا۔ عرب ایسے ایسے معاملات عورتوں سے کرتے تھے جن سے اسلام نے روک دیا اور تہذیب و شائستگی سکھا دی۔ معاملات میں مہذب رہنا بڑی بات ہے۔

تیسرا حکم (۳) وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن اگر وہ مطلقہ حمل والیاں ہیں تو وضع حمل تک ان کو خرچ و خوراک بھی دو، اس قید سے امام شافعیؒ نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مطلقہ کو حمل نہیں ہے تو صرف مکان دینا واجب ہے نہ کہ نفقہ۔ اس کا جواب پہلے گزر گیا۔ مگر آیت میں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ آیت مطلقہ کے بارے میں ہے۔ اگر خاوند مر جائے تو اس کے لیے مکان اور نان و نفقہ کا کیا حکم ہے؟ حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ و شریح و نخعی و شعبی و حماد و ابن ابی لیلیٰ و سفیان اور ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ اس کو مکان و خوراک میت کے کل مال میں سے ملے گا۔ لیکن ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ و جابر بن عبداللہؓ و مالکؒ و شافعیؒ و ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس کے حصہ میں سے خرچ ہوگا۔

سوال

جب ہر قسم کی طلاق میں خواہ بائن ہو خواہ رجعی خواہ وہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ، امام ابوحنیفہؒ کے قول کے موافق مکان کے سوا نفقہ بھی واجب ہے تو وان کن اولات حمل کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

جواب

اس لیے کہ حمل کی مدت معمولی عدت سے زیادہ ہوتی ہے کوئی یوں نہ سمجھ لے کہ تین مہینے تک نفقہ دینا چاہیے پھر نہیں، اس لیے یہ ذکر کرنا پڑا۔

چوتھا حکم (۴) فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن اگر مطلقہ وضع حمل کے بعد تمہارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کو اس کی اجرت دو یہ خیال نہ کرو کہ دودھ تو ہمارے ہی حمل سے تھا مجبور کر کے بغیر اجرت دودھ پلایا جائے

[1] وجد بالضم مقدور ۱۲ منہ

اس حکم کی کئی صورتیں ہیں۔ اول یہی جو بیان ہوئی۔ دوسری یہ کہ عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ خاوند نے طلاق دیدی اب عدت کے ایام میں نفقہ جدا دینا ہوگا اور دودھ کی اجرت جدا دینی ہوگی (اطلاق سے کس خوب صورتی سے روکا گیا ہے) تیسری یہ کہ تمہاری دوسری بیوی کے بچے کو دودھ پلائے یعنی اس کے شکم کا نہ ہو تو بھی اجرت کی مستحق ہے (سب صورتوں میں جب ہی اجرت دینا واجب ہے اگر وہ طلب کرے)۔

واتمروا بینکم بمعروف اور باہم مشورہ سے کام کرو یعنی رضامندی ایک دوسرے کی ملحوظ رکھے۔ نہ خاوند بہت کم اجرت دے نہ یہ زیادہ طلب کرے دستور و معمول کے موافق دے اور لے۔ وان تعاسرتم فسترضع لہ اخریٰ اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔

ف اور اگر اور عورت نہ ملے یا بچہ دودھ اور کا نہ پیے تو عورت کو مجبوراً دودھ پلانا پڑے گا اور دستور کے موافق اجرت دی جائے گی۔

ف غیر مطلقہ جو اپنے بچے کو دودھ پلائے اس کی اجرت جداگانہ خاوند پر واجب ہے کہ نہیں؟ اس کا کوئی حکم قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ جو کچھ ہو قیاسی حکم ہوگا۔

پانچواں حکم (۵) مگر اس اجرت اور نان و نفقہ کی تعداد معین کرنا نظام عالم میں خلل انداز تھا کس لیے کہ ملک اور قوم اور رواج کے موافق ہر جگہ یکساں حکم جاری کرنے میں بڑی دقت تھی اس لیے اس کا فیصلہ بھی کر دیا۔ لینفق ذوسعۃ من سعتہ کہ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے یعنی مرد کی حیثیت خیال کی جائے اور اوسط درجہ لیا جائے ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتٰہ اللہ اور جو ایسا ہے کہ اس کا رزق اس کے اندازہ کے موافق ہے یعنی تنگ دست[1] ہے تو وہ اس میں سے دے جو اس کو اللہ نے دیا۔ یعنی وہ اسی کے موافق دے۔

لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتٰھا اللہ کسی کو زیادہ حکم نہیں دیتا مگر اسی قدر کہ جو اس کو دیا۔ یعنی قوت و مقدور سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔ انسان پر کوئی حکم اس کی طاقت سے باہر چیز میں صادر نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کم مقدور لوگوں کو تسلی بھی دیتا ہے۔ سیجعل اللہ بعد عسر یسرا کہ تنگی کے بعد خدا فراخ دستی بھی عطا کر دیتا ہے۔ اس میں مرضعہ کو سمجھایا جاتا ہے کہ کیا خبر یہ لڑکا تونگر ہو جائے یا اس شخص کو خدا کشایش عطا کرے تو تیری وقتِ افلاس کی رفاقت کو ملحوظ رکھے اور ایسا ہوتا ہے۔ یہ کوئی ہر ایک کے لیے عام حکم نہیں کہ ہر تنگ دست کو فراخ دستی ملے گی۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان داروں کو دنیا کی تنگ دستی اور تکلیف کے بعد فراخی اور راحت ضرور ملے گی اور جلد ملے گی۔ دنیا کی زندگی سریع الزوال ہے۔ لیکن آیت میں صحابہؓ کی طرف خطاب ہے اور وہ اس وقت بہت تنگ دست تھے اپنے وعدے کے موافق خدا نے بہت جلد ان پر فراخ دستی کے دروازے کھول دیے۔ قیصر و کسریٰ کے خزائن اور عمدہ اشیاء اور ان کے سامان ان کے پاؤں تلے ڈالے گئے۔ یہ بشارت پوری ہوئی۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا

اور کتنی ایک بستیاں اپنے رب اور اس کے رسول کے حکم سے

[1] تنگ دست کو قدر علیہ رزقہ سے تعبیر کرنے میں تسلی کے سوا ایک لطیفہ بھی ہے ۱۲ منہ

وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا
سرکش ہوگئی ہیں پھر تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا

وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ
اور ان کو بُری سزا دی پھر انہوں نے

وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا
اپنے کیے کا مزہ چکھا اور ان کی انجام کار

خُسْرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا
بربادی ہوئی آخرت میں بھی اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب

شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖ
تیار کر رکھا ہے پھر اے دانشمندو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ
(عقلمند وہی ہیں) جو ایمان لائے بے شک اللہ نے تمہاری طرف سمجھانے والا

ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ
رسول بھیجا ہے جو تم کو اللہ کی کھلی کھلی آیات

اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ
پڑھ کر سُنایا کرتا ہے تاکہ جو ایمان

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ
لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہیں ان کو اندھیروں سے نکال کر

اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ
روشنی میں لے جائے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور

يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ
انہوں نے نیک کام بھی کیے تو اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں وہاں میں سدا

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾
رہا کریں گے البتہ اللہ اس کو اچھی روزی دے گا

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
اللہ وہ ہے کہ جس نے سات آسمان بنائے

وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ
اور زمین بھی ان کے مانند بنائی ان میں

الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
حکم نازل ہوا کرتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ
ہر چیز پر قادر ہے اور (نیز) اللہ

قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾
نے علم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے

۲ ع ۵ ۱۸

تفسیر

ان احکام کو بیان فرما کر ان کی پابندی کی تاکید کرتا ہے وکاین من قریۃ عتت عن امر ربہا ورسلہ فحاسبنہا حسابا شدیدا وعذبنہا عذابا نکرا کہ بہت سی بستیوں یعنی شہر والوں نے اپنے رب سے سرکشی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی جیسا کہ لوط کی بستیاں وغیرہ تو خدا نے ان سے سخت حساب لیا، ان کے اعمال بد کا گن گن کر پورا بدلہ ان کی گودوں میں ڈالا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ فذاقت وبال امرہا وکان عاقبۃ امرہا خسرا پس ان لوگوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور انجام خسران ہوا۔ آخرت میں عذاب شدید ان کے لیے مہیا کیا گیا اُجڑے ہوئے شہروں اور برباد شدہ قوموں اور خاندانوں کو دیکھ کر فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

لہ رسولاً منصوب لکونہ بدلا من ذکرا بمعنی ذاکرا ولہ وجوہ اخریٰ ذکرہا القوم قد احسن الجملۃ حال ثانیۃ او مترادفۃ للخالدین مثلہن بالنصب علی انہ عطف علی سبع سموات وقرئی بالرفع علی الابتداء ۱۲ منہ

اے ہوشمندو! عقل والو اللہ سے ڈرو اس کی نافرمانی سے بچو عبرت کرو۔

پھر آپ ہی بتلاتا ہے کہ عقل مند کون ہیں الذین امنوا وہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ دراصل یہی لوگ عقل مند ہیں جن کی انجام پر نظر ہے اور یہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں کما فرمائے عقل کیا ڈرے گا۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرا کہ تحقیق اللہ نے تمہارے پاس ذکر یعنی تذکرہ (یاد دلانے والا سمجھانے والا) بھیجا ہے وہ کون؟ رسولا رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم یتلوا علیکم ایت اللہ مبینت جو تم کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے جو صریح اور ظاہر ہیں جن میں کوئی پیچیدگی اور خلاف عقل بات نہیں۔ یا یہ معنی ہیں کہ آیات نہایت ہی مسائل حلت و حرمت مبدء و معاد اخلاق و قصص سابقہ کو بیان کرتی ہیں لیخرج الذین امنوا وعملوا الصلحت من الظلمت الی النور تاکہ ایمانداروں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لائے۔ مذہب باطل کی اندھیری اخلاق بد کی اندھیری رسم و رواج کی پابندی کی اندھیری خدا اور آخرت سے جہالت کی اندھیریاں عرب پر گھٹا کی طرح چھائی ہوئی تھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکال کر نور میں لائے۔

ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحا پس جو اس نور میں آگیا یعنی اللہ پر ایمان لایا اعتقاد درست کر لیا اور پھر اچھے کام کیے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا۔ (دراصل یہی نور ہے جو قیامت میں آگے اور دائیں بائیں دوڑتا ہوا چلے گا اور مرنے کے بعد عالم قدس میں پہنچائے گا۔ تکمیل قوت نظریہ و عملیہ دونوں کی طرف اشارہ ہے) تو یدخلہ جنت تجری من تحتہا الانہر اس کو مرنے کے بعد ایسے باغوں میں بسائے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی یعنی عالم قدس میں باغ اور نہریں اس کی قوت نظریہ و عملیہ کا مظہر ہوں گی خلدین فیہا ابدا وہاں ہمیشہ رہا کرے گا۔ ایمان و اعمال بھی اس کے ساتھ ہمیشہ تھے، ان کی نہریں جاری رہا کرتی تھیں قد احسن اللہ لہ رزقا اللہ نے اس کے لیے عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ وہاں کے نعماء اور دیدار الٰہی۔ یہ قابل اعتبار بات ہے کس لیے کہ اس اللہ نے خبر دی جس نے خلق سبع سموت سات آسمان ومن الارض مثلہن اور ان کے مانند زمین بنائی یتنزل الامر بینہن ان میں اس کا حکم نازل ہوتا ہے آسمانوں اور زمین میں بغیر حکم قضا و قدر کے ذرہ نہیں ہلتا۔ یہ اس لیے لتعلموا ان اللہ علی کل شیء قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شیء علما کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم میں ہر چیز ہے پس وہ قادر بھی ہے کہ دار آخرت میں اپنے وعدے کو پورا کرے۔ دنیا میں مخالف کو تباہی آخرت میں رو سیاہی دے اور اس کا فرمانا خبر دینا اس کے علم کی وجہ سے صداقت پر مبنی ہے ؛

سورہ تحریم

مدینہ میں نازل ہوئی اس میں بارہ آیات دو رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ

اے نبی! جن چیزوں کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا پھر آپ ان کو کیوں

لک تبتغی مرضات ازواجک

حرام کرتے ہو (کیا) اپنی بیویوں کی رضامندی ڈھونڈتے ہو؟

ف امام رازی فرماتے ہیں اگر سات زمینوں سے سات اقلیم مراد لی جائیں جہاں تاثیر سیارات مختلف طور پر نمایاں ہے تو ممکن ہے مگر وہ روایات کہ جن میں سات زمینوں کا یکے بعد دیگر ہونا اور ہر ایک میں پانسو برس کا فاصلہ ہونا اور اخیر زمین کا مچھلی پر ہونا مذکور ہے اور اسی طرح آسمانوں کی بابت ایک یاقوت کا دوسرا زمرد کا وغیر ذلک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی ۱۲ منہ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ
اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے   اللہ نے تمہارے لیے
لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ
قسموں کا کھول ڈالنا بھی فرض کر دیا ہے   اور اللہ تمہارا مولا ہے
وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ
اور وہ دانا (اور) حکیم ہے   اور جب
اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ
نبی نے چھپا کر اپنی کسی بیوی سے ایک بات
حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ
کہہ دی   پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا اور اللہ نے اس کو
اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ
نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے بعض کا اقرار اور بعض کا
عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ
انکار کیا   پھر جب نبی نے اس عورت کو خبر دی تو کہنے لگی
مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ
تجھے یہ کس نے بتائی؟ نبی نے کہا مجھے بڑے دانا خبر دار نے
الْخَبِيْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ
بتائی ہے   اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کر لو (تو بہتر) ورنہ
صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا
تمہارے دل تو مائل ہی ہو گئے   اور اگر تم دونوں نبی پر
عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ
چڑھائی کرو گی تو اس کا رفیق ہے اللہ اور جبرئیل
وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
اور نیک مسلمان ہیں اور فرشتے
بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④
اس کے بعد مددگار ہیں۔

ترکیب

تبتغی استیناف او تفسیر لقولہ تحرم او حال من الضمیر فی تحرم۔ والمرضاۃ اسم مصدر واصلہ مرضوۃ۔ وہو مضاف الی المفعول ای ان ترضی ازواجک والی الفاعل ای ان یرضین ہن۔ ومعناہ الرضاء۔ ویمکن ان تکون الجملہ للاستفہام الانکاری تحلۃ اصلہ تحللۃ فسکن و ادغم۔ واذ فی موضع نصب باذکر فلما شرط عرف جوابہ فلما شرط قالت جوابہ ان تتوبا شرط و الجواب محذوف ای فذاک واجب دل علیہ فقد صغت لان اصغاء القلب الی ذلک قریب۔ قلوبکما انما جمع وہما اثنان لان لکل انسان قلبا ومالیس فی الانسان الا واحد جاز ان یجعل الاثنان فیہ بلفظ الجمع وجاز ان یجعل بلفظ التثنیۃ وقیل وجہہ ان التثنیۃ جمع ہو مبتداء وخبرہ ان ویجوز ان یکون ہو فصلا۔ فاما جبریل وصالح المؤمنین ففیہ وجہان احدہما ہو مبتداء والخبر محذوف والثانی ان یکون مبتداء۔ والملائکۃ معطوفا علیہ وظہیر خبر الجمیع و ہو واحد فی معنی الجمع ای ظہراء۔

تفسیر

یہ سورت بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ یہی فرماتے ہیں۔

ربط اس کا اول سورت سے یہ ہے کہ اول سورت میں طلاق کے احکام بیان ہوئے تھے جو عورتوں کے متعلق تھے اور نیز طلاق کے بعد جو عورت حلال تھی حرام ہو جاتی ہے اس لیے اس سورت میں بھی عورتوں کی ضد و خواہش اور ہٹ اور اصرار سے مباح چیز کو اپنے اوپر ممنوع کر کے معاشرت کے دائرہ کو تنگ کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے

اس لیے فرماتا ہے:۔
یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک اے نبی کیوں حرام کرتے ہو اس چیز کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہے۔ تبتغی مرضات ازواجک اس حرام کرنے میں اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہو۔ یعنی ایسا نہ کرو۔ یہ ایک قسم کی ناپسند بات ہے۔ اللہ غفور رحیم خدا معاف کرنے والا ہے۔ اور تم جو بیویوں کے کہنے سے قسم کھا بیٹھے ہو تو قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم تو اللہ نے تمہارے لیے ایسی قسموں کا توڑ دینا فرض کر دیا ضرور توڑ دو کس لیے کہ اللہ مولٰکم وھو العلیم الحکیم اللہ تمہارا رفیق و کارساز ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس میں تمہیں دقت اور تنگی پیش آئے گی اور ہمیشہ کے لیے ایک مباح چیز امت میں حرام سمجھی جائے گی، اور یہ اصول شریعتِ محمدیہ کے برخلاف ہے، اللہ علیم و حکیم ہے کسی چیز کو حرام و ممنوع قرار دینا اس کے عواقبِ امور پر نظر کر کے اسی کا کام ہے پھر جس کو وہ حرام نہ بنائے تم نہ بناؤ۔ رہبانیت جس کو اسلام نے رد کر دیا اس میں بھی یہی بات تھی کہ نفس کو تکلیف دینے کے لیے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جاتا تھا۔ اسی طرح ہنود وغیرہ قوموں کے درویش کیا کرتے ہیں، کوئی دودھ نہیں پیتا، کوئی میٹھا نہیں کھاتا، کوئی نکاح نہیں کرتا۔ کوئی ایک قسم کی چیز جو بے مزہ ہو اور ایک قسم کا کپڑا جو بے قدر ہو پہننا شروع کرتا ہے اور اس کو تقرب الی اللہ اور سعادتِ آخرت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ شریعتِ مصطفویہ نے ان باتوں کو بے اصل قرار دے کر سچے اصولِ سعادت بیان کر دیے، وہ اخلاق وعقائد کی درستی کے بعد اللہ کی عبادت و مراقبہ و فکر و ذکر اور مخلوق کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنا ہیں۔ فقراء اہلِ اسلام میں جو ریاضت ہے وہ اور معنوں پر مبنی ہے، وہ ان چیزوں کو حرام و ممنوع نہیں قرار دیتا بلکہ مباح امور میں نفس بد کی خواہش روکنے کی مشاقی کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے کہنے یا ان کے خوشنود کرنے کو کون سی چیز اپنے اوپر ممنوع کر لی تھی اور اس کے لیے قسم کھا بیٹھے تھے اور پھر قسم توڑی، کیا تھی؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حرم محترم کی بابت اشارہ ہے۔ پھر کسی نے کہا کہ وہ ماریہ قبطیہ ابراہیمؓ کی والدہ ہیں کہ حفصہؓ کے گھر میں ان سے (جبکہ وہ اپنے والد ماجد کے ہاں گئی ہوئی تھیں) اختلاط کیا اور دونوں کو آکر حفصہؓ نے اپنے حجرہ میں دیکھا اور دیکھ کر رنج کے آثار ان کے چہرہ سے ہویدا ہوئے، تب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوشی کے لیے یہ فرما دیا کہ میں اب سے ماریہ کے پاس ہی نہیں جاؤں گا، اس بات کو حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہہ دیا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک کے خلاف تھا، الہام سے آں حضرتؐ کو یہ خبر دی گئی کہ اس نے عائشہؓ سے کہہ دیا ہے اور آپؐ نے عائشہؓ سے کچھ بات حفصہؓ کی بتلائی ہوئی کہہ دی اور کچھ اور جو اس نے اپنی طرف سے کہی تھی اس سے سکوت کیا۔ عائشہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ (کس لیے کہ اس مخفی بات کو یا عائشہؓ جانتی تھیں یا حفصہؓ) آپؐ نے فرمایا اللہ نے جو علیم و خبیر ہے۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ ہے کہ ماریہ آپ کی حرم ہیں کس لیے ان کی خوشی سے آپ اس کو اپنے اوپر ممنوع کرتے ہیں قسم توڑ دیجیے۔ آپؐ نے قسم توڑ دی اور کفارہ ادا کر دیا۔ اس بات کو نسائی و حاکم و ابن مردویہ و

لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رازدارانہ بات حفصہؓ نے عائشہؓ سے کہی ہے ۱۲ منہ

بزاز و طبرانی و ابن سعد و ابن المنذر و ہیثم بن کلب نے اپنی مسند میں اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں نقل کیا ہے مگر کسی نے کوئی جملہ زیادہ کیا ہے کسی نے کم اور پھر کسی کی سند ضعیف ہے کسی کی صحیح۔ لیکن امور خارجیہ پر جو نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ روایت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کس لیے کہ ماریہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم تھیں جن کے پیٹ سے ابراہیمؑ پیدا ہوئے تھے، صرف حفصہؓ کے گھر میں جو دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تھا ان سے اختلاط کرنے سے نہ حفصہؓ کے نزدیک کوئی بری بات تھی نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بے قصور کو اپنے اوپر حرام کرنے والے شخص تھے۔

دوسری روایت جس کو بخاری مسلم وغیرہ جلیل القدر محدثوں نے نقل کیا ہے اس آیت کی شان نزول میں یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں شہد آیا ہوا تھا آپ کو شہد سے رغبت تھی یا آپ اس کو صحت جسمانی کے لیے مفید سمجھتے تھے، ہر صبح آپ زینبؓ کے گھر جاتے اور شہد نوش فرماتے تھے اور یہ طبعی بات ہے کہ آخر وہ بھی بیوی تھیں تھوڑی دیر وہاں بیٹھتے بھی ہوں گے یہ بات حضرت حفصہؓ اور عائشہؓ کو جو باہم محبت رکھتی تھیں اور زینبؓ کے مقابلے پر تلی ہوئی تھیں رنج معلوم ہوئی اور طبعی بات ہے دونوں نے شہد چھڑانے کے لیے باہم کوئی تدبیر نکالی کہیں ایک نے کہہ دیا کہ آپ کے منہ سے بو آتی ہے۔ آپ کو بو سے نفرت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کوئی بد بودار چیز نہیں کھائی صرف زینب کے ہاں شہد ضرور کھایا ہے آئندہ نہیں کھاؤں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات قرین قیاس ہے کس لیے کہ عورتوں کی باہم رقابت معمولی بات ہے۔ زینبؓ کے ساتھ یہ خصوصیت ہر روز شاق گزرتی۔ شہد میں کیکر وغیرہ کے پتوں کی اکثر خوشبو یا بدبو بھی ہوا کرتی ہے اس میں بھی ہوگی، پھر ایک نے نفرت دلانے کے لیے اس بات کو بڑھا کر اور زور دے کر کہا اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی کہا ہوگا اور رنجیدگی بھی ظاہر کی ہوگی اور آپ نے اس کی تسلی بھی کی ہوگی، بیویوں کی دل جوئی معمولی بات ہے، آپ نے زینبؓ کے گھر جاکر شہد کھانے کو اپنے اوپر ممنوع کیا اور قسم بھی کھائی ہوگی، پھر ایک نے دوسری سے خوب اظہار مسرت کیا ہوگا کہ لو داؤ چل گیا۔ یہ بات خدا تعالیٰ کے نزدیک اچھی نہ معلوم ہوئی اور شان اولو العزمی کے مخالف بھی ہے، اس لیے آپ کو تنبیہ ہوئی اور قسم کے توڑ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ اب مطلب آیات کا صاف ظاہر ہوگیا اور کوئی قبح بھی پیدا نہیں ہوا۔

پھر آگے اس معاملہ کا تذکرہ کرتا ہے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا اور جب نبی نے اپنی کسی ایک بیوی سے مخفی بات کہی۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں وہ حفصہؓ سے اور مخفی بات شہد یا ماریہؓ کے حرام کرنے کی تھی اور اپنے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت کی بشارت بھی دی تھی۔ مگر یہ تحقیق کرنا کہ وہ مخفی بات کیا تھی مشکل امر ہے کس لیے کہ نہ اس کو اللہ نے ظاہر کیا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پھر کس طرح یقین ہو کہ یہی بات تھی، لیکن قرینہ کہتا ہے کہ اسی قسم کی بات ہوگی کہ جو شوہر اپنی بیوی سے اس کی محبت اور دوسری پر فوقیت کے بارے میں کہا کرتا ہے۔ فلما نبات بہ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا کس سے کہا؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں عائشہؓ سے۔ واظہرہ اللہ علیہ اور خدا نے یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیا عرف بعضہ واعرض عن بعض تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر کا عائشہؓ سے اظہار کیا کہ تجھ سے حفصہؓ نے یہ کہا ہے اور کسی قدر سے اعراض و سکوت کیا۔ وہ کہنی مناسب نہ جانی ہوگی۔ بہت سی باتیں خاوند ایک بیوی سے کہہ دیتا ہے جو دوسری سے کہنی مناسب نہیں سمجھتا۔ بعض کہتے ہیں وہ خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کی بات تھی جس سے مصلحت جان کر سکوت کیا۔ فلما نباھا بہ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ کو یہ بات بتا دی کہ تجھ سے حفصہ نے یہ کہا تو تعجب سے عائشہؓ نے کہا من انباک ھذا آپ کو

کس نے کہا کہ حفصہ نے مجھ سے یہ کہا ہے قال نبانی العلیم الخبیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے علیم خبیر نے بتادیا قصہ تمام ہوا۔

اب حفصہؓ و عائشہؓ دونوں کو اس سازش کرنے پر متنبہ کرتا ہے[1] ان تتوبا الی اللہ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو بہتر کس لیے کہ فقد صغت قلوبکما[2] تمہارے دل تو ضرور مائل تھے کہ آپ زینب سے یہ خصوصیت ترک کردیں شہد نہ کھائیں یا ماریہ کو ترک کردیں۔ خبردار ایسے رشک و رقابت سے باز آؤ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی نہ کرو۔ وان تظاھرا اور اگر چڑھائی کرو گی فان اللہ ھو مولٰہ تو اللہ اس کا رفیق و چارہ گر ہے۔ وجبریل اور عالم ملکوت میں جبریل بھی چارہ گر ہے' الہامات میں مؤید ہے' اور ناسوت میں صالح المؤمنین نیک بندے ایماندار مددگار ہیں' خلفاء اربعہ وغیرہ اور اس کے سوا ہر وقت اور ہر جگہ فرشتوں کا باڈی گارڈ یا حفاظتی لشکر آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ والملئکۃ بعد ذلک ظھیر کے یہی معنی ہیں۔

ف حلال چیز کا اپنے اوپر حرام کرلینا جیسا کہ آیت میں لم تحرم ما احل اللہ لک ہے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ فقہاء کبار کے نزدیک یمین ہے کس لیے کہ بعد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم کہ اللہ نے یمین کا کھولنا فرض کیا ہے اور یمین کا کھولنا کفارہ دینا ہے اگر گناہ کی بات پر قسم کھالے یا خواہ مخواہ کسی مباح اور حلال چیز پر قسم کھا بیٹھے کہ ایسا نہ کروں گا تو کفارہ دے کر اس قسم سے الگ ہوجانا چاہیے فرض اللہ کا لفظ بتارہا ہے کہ ضرور اس قسم سے دور ہونا چاہیے۔ کفارہ یمین غلام آزاد کرنا۔ یا دس مسکینوں کو اس قدر کپڑا دینا کہ نماز پڑھ سکیں اور زیادہ دے تو توفیق ہے یا دس مسکینوں کو کھانا پیٹ بھر کر کھلانا اور مقدور نہ ہو تو تین روزے رکھنا۔ یہ منحل یمین ہے بعض کہتے ہیں یمین میں ان شاء اللہ کہہ دینا بھی منحل ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مباح کا حرام کرلینا یمین نہیں لیکن کفارہ دینا خاص اس صورت میں ہوگا کہ جب اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دینے لگے گا آیت میں یہی بات تھی۔ اور اگر شہد کا معاملہ تھا تو آپ نے بعد میں اس پر حلف بھی کیا تھا اس لیے اس کو یمین قرار دیا گیا نہ کہ محض اس لیے کہ مباح کو حرام کرلیا تھا۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ دیا ایک غلام آزاد کیا۔ (ابن کثیر) حسن کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا کس لیے کہ آپ مغفور تھے۔ کفارہ اور یمین میں جو ائمہ کے اقوال ہیں ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ

اگر نبی تم کو طلاق دیدیں تو بہت جلد ان کا رب انہیں تمہارے بدلے میں

---

[1] بعض شیعہ یہاں سے حفصہؓ و عائشہؓ پر الزام لگاتے ہیں۔ مگر یہ غلط خیال ہے کس لیے کہ میاں بیوی میں ایسی باتیں طبعی ہیں کیا حضرت سیدہ فاطمہؓ زہرا و علی مرتضیٰؓ میں کبھی رنجش نہیں ہوئی؟ بات یہ ہے کہ ان حضرات نے علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ حسینؓ کو ملائکہ میں ملا دیا بلکہ انبیاء علیہم السلام پر بھی فوقیت دیدی۔ دیکھو اسی سورت میں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تحریم ما احل اللہ پر کیسی تنبیہ کر رہا ہے پھر کیا اس سے ان کی شان میں کوئی فرق آسکتا ہے؟ ۱۲ منہ

[2] فقد صغت قلوبکما کے معنی مفسرین نے یہ لکھے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے صغوت و اصغیت ملت لتصغی لتمیل۔ صراح میں ہے صغو میل کردن اس کے معنی مائل ہونے کے ہیں یعنی تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ حق سے مائل ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں باہمی سازش کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور یہی ٹھیک ہے مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے ایمان یا دین میں خلل ہو ۱۲ منہ

أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ مُسْلِمَاتٍ

تم سے اچھی بیویاں دے دیگا　فرماں بردار

مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ

ایمان دار　دعا کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں

سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ⑤

روزہ دار　گھر بری ہوئیں اور　کنواریاں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ

اے　ایمان والو! اپنی جان کو اور اپنے گھر

وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ

والوں کو آگ سے بچائے رکھو کہ جس کا ایندھن　آدمی

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ

اور پتھر ہیں　اس پر　سخت تند خو فرشتے

شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ

معین ہیں　جس کام کا اللہ ان کو حکم دیتا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے

وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ⑥

اور جو حکم دیا جاتا ہے　وہی کرتے ہیں

ترکیب

عسیٰ من افعال المقاربۃ ربہ فاعلہا ان یبدلہ الخ الجملۃ خبرہا ان طلقکن شرط وقع بین فاعل عسیٰ و خبرہا وعسیٰ مع اسمہا وخبرہا جواب الشرط یبدلہ بالتخفیف والتشدید ازواجًا منصوب لکونہ مفعول یبدل خیرا وکذا مسلمٰت وما بعدہا صفات لازواجًا واھلیکم عطف علیٰ انفسکم وکلاہما مفعول اول لقوا نارا مفعول ثان وقودھا الناس الجملۃ صفۃ لنار وکذا علیہا ملٰئکۃ۔ لا یعصون اللہ الجملۃ صفۃ لملٰئکۃ ثانیۃ امرھم ما موصولۃ والعائد محذوف

ای لا یعصون اللہ الذی امرہم بہ او مصدریۃ ای لا یعصون اللہ امرہ علیٰ ان یکون ما امرہم بدل اشتمال من اللہ ویفعلون ما یؤمرون بہ الجملۃ صفۃ ثانیۃ لملٰئکۃ۔

تفسیر

اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو ڈرایا جاتا ہے، فقال عسیٰ ربہ الخ کہ تم کسی اور خیال میں نہ رہنا اگر نبی علیہ السلام نے تم کو طلاق دے دی تو اللہ تم سے بہتر اور عورتیں اس کو دیدے گا جو مسلمٰت حضرتؐ کی دل سے مطیع ہوں گی یا ان کا ظاہر بھی اسلام ہوگا مؤمنٰت دل میں بھی ایمان ہوگا یعنی ظاہر و باطن ایمان دار دین دار ہوں گی قٰنتٰت عبادت کرنے والیاں قنوت کے معنی طاعت ہیں۔ اس سے مراد تہجد گزار پنج گانہ نماز پڑھنے والیاں دعائیں مانگنے والیاں۔ یعنی صرف ایمان و اسلام ہی پر بس نہیں بلکہ اس کے بعد عملی حصہ میں بھی بڑا حصہ پانے والیاں ہوں گی۔ ایمان و اسلام کے بعد اگر طاعت و عبادت نہیں تو ایمان میں رونق نہیں۔

اور اپنی طاعت پر فخر کرنے والیاں اور بشریت سے جو قصور ہو اس پر ہٹ اور ضد کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ تٰئبٰت توبہ کرنے والیاں ہوں گی۔ توبہ کے معنی رجوع کے ہیں گنہ گار گناہ سے توبہ یعنی رجوع کرتے ہیں اور ابرار ذرا دیر کی حق سبحانہ سے غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اعلیٰ ترین مقاماتِ قرب کو طے کر کے ان سے توبہ کر کے اس سے بلند زینہ پر پاؤں دھرتے ہیں۔ ہر انسان بالخصوص عورت میں یہ نہایت عمدہ وصف ہے کہ وہ اپنے قصور پر نادم ہو، ہٹ دھرم اور اڑیل سے امید نہیں کہ وہ اس بری بات سے باز آئے۔

عٰبدٰت یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے کہ نماز و دعا کی عبادت پر بس نہیں بلکہ ہر قسم کی عبادت کرنے والیاں ہوں گی صدقہ و خیرات حج و زکوٰۃ خدمتِ شوہر و پرورشِ اولاد عزت و

مال کی حفاظت صلہ رحمی خاوند سے ادب و خوش خلقی اور اس کی فرماں برداری اور اس کے ساتھ ہمدردی سب عورت کی عبادت ہے۔ عبادت کے معنی ہیں تذلل یعنی پستی اور جھکنا خداوند تعالیٰ کے آگے اور اس کے بعد اپنے دنیاوی آقا کے آگے جھکنا عبادت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نرم اور خوش خلق بھی ہوں گی۔ بعض عورتیں نیک بخت نمازی پرہیزگار تو ہوتی ہیں مگر سخت بدمزاج سرکش شوخ بھی ہوتی ہیں یہ وصف خاوند کے حق میں زہر اور معاشرت کے لیے قہر ہے وہ اس سے بھی مبرا ہوں گی۔

سٰٓئِحٰتٍ یہ سیاحت سے مشتق ہے جس کے معنی بہ نظر سیاحت مفسروں نے مختلف طور پر بیان کیے ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں روزہ رکھنے والیاں۔ روزہ میں صبح سے شام تک بھوک پیاس کے میدان کو طے کرنا پڑتا ہے اس لیے اس کو بھی سائح اور عورت کو سائحہ کہتے ہیں۔ زید بن اسلم اور حسن بصری فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں ہجرت کرنے والیاں۔ کس لیے کہ ہجرت یعنی وطن چھوڑ کر خاص اللہ کے لیے مدینے میں عورتیں آئی تھیں یہ ان کی سیر تھی۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ مدینے میں ہم سے زیادہ بہتر اور کون ہے جو ہماری جگہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ زوجیت میں داخل ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ باہر سے ہجرت کرکے آجائیں خدا کے ملک میں کیا کمی ہے۔ ہم کہتے ہیں معنی کو عام رکھنا بہتر ہے تخصیص کی کیا حاجت ہے۔ اب اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ صرف زمین اور پہاڑوں کے میدان کی ہی سیر کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ دنیا اور اس کے تجملات فانیہ کے میدانوں کی بھی سیر کرنے والیاں ہوں گی، ان کی نگاہوں میں یہ دنیا اور اس کی آسائش ہیچ ہوگی، ہر حوادثِ دہر اور انقلابِ جسمانی سے وہ سبق اور عبرت لینے والیاں ہوں گی اور اس کے بعد صحبتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو سیرِ آفاق و انفس بھی نصیب ہوگی وہ امکان و وجود کے منازل طے کرکے بارگاہِ قدس میں پہنچنے والیاں ہوں گی۔

ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْکَارًا ان میں سے کچھ خاوند برتی ہوئیں اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔ ثیّب وہ مرد جو رنڈوا ہو اور ثیّبہ وہ عورت جو خاوند کرچکی ہو عام ہے کہ پھر خاوند نے طلاق دیدی ہو یا وہ مرگیا ہو۔ ابکار بکر کی جمع جس سے مراد کنواری۔ یہ بیان امرِ واقعہ کے لحاظ سے ہے کس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بیوہ اور کنواریاں بھی تھیں، ان کے جواب میں یہ کلام صادر ہوا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح حظِ نفسانی سے نہیں کرتے تھے بلکہ اشاعتِ دین کے لیے یہ جماعت زمرۂ ازواجِ مطہرات میں داخل کی گئی اور شرفِ زوجیت عطا کیا گیا۔

ان صفات میں عجب لحاظ رکھ کر تقدیم و تاخیر کی گئی ہے، اول اجمالی طور پر خیرًا منکن فرمایا گیا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر تھیں پھر ان سے بہتر اور کون عورتیں ہوں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول میں ان طلقکن فرمادیا ہے طلاق کے بعد جب شرفِ زوجیت جاتا رہا تو پھر ان سے وہی عورتیں بہتر ہوسکتی ہیں جو آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

ف ان طلقکن شرطیہ کلام ہے تحقق شرط نہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کسی بیوی کو طلاق نہیں دی۔

اجمالی کے بعد ازواج کے اوصافِ حمیدہ بیان فرماتا ہے۔ اوصاف تین قسم پر ہیں:۔

اول ایمان و اسلام جو تمام حسنات کی اصل ہے ایمان کے ساتھ اسلام کا لفظ ظاہری و باطنی دین داری کے لیے آیا ہے۔

قسمِ دوم اعمالِ حسنہ ان کو چار صفتوں میں محصور کیا

قانتات تائبات عابدات سائحات۔ ان میں خدا تعالیٰ کی بندگی بھی آگئی اور خاوند کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قسم سوم ان کی جسمانی خوبی اور حسن ظاہری اس کے لیے یہ دو لفظ کافی تھے ثیبات و ابکارا۔ کنواری کی خوبی اور اس پر رغبت تو عام طبائع کا بھی فعل ہے مگر بہت سی بیویاں مطلقہ اپنے ذاتی کمالات اور حسن و خوبی کی وجہ سے کنواریوں سے بدرجہا فائق ہوتی ہیں ان کا امورِ خانہ داری میں تجربہ اپنے ناز و ادا سے درگزر کرکے مرد کی نازبرداری و اطاعت اور پھر ہم عمری عجیب لطف دیتی ہے۔

یہ ازواجِ مطہرات پر تنبیہ تھی، اس کے ضمن میں مردوں کو بھی نصیحت دینا لازمی تھا کس لیے کہ عورتوں کی محبت و رغبت میں اور شہوت کی آگ میں مرد دیوانہ ہوکر اصول حسنات سے غافل ہوجاتا ہے اور جو نہ کرنا ہو وہ کرتا ہے۔ فقال یا ایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا کہ اے ایمان دارو! (صرف ایمان پر تکیہ کرکے نہ بیٹھو) بلکہ آپ کو اور اپنے گھر بار کی بیوی اور مرغوب اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ ایسے کام نہ خود کرو نہ ان کو کرنے دو جس سے جہنم کی آگ میں جانا پڑے اور فرائض و واجبات کی تاکید کرو۔ صرف آپ دیندار پرہیزگار ہونا کافی نہیں زن و فرزند کی تعلیم و تدبیر کرنی چاہیے حقِ محبت بھی یہی ہے کیونکہ آپ جنت میں گیا یہ دوزخ میں گئے تو جدائی میں کیا لطف؟ احادیثِ صحیحہ میں بڑی تاکید ہے کہ اپنے گھر والوں کو بری باتوں سے روکو فرائض و واجبات پر مامور کرو۔

پھر وہ آگ بھی کیسی آگ ہے؟

(۱) وقودھا الناس والحجارۃ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ یعنی معمولی آگ نہیں بلکہ سخت اور تیز جس میں پتھر اور آدمی جلتے ہیں۔ یا یوں کہو بت پرست اور گنہگار اور ان کے جھوٹے معبود جو پتھر تھے سب جہنم میں جائیں گے کسی کے کام نہ آئیں گے۔

(۲) علیھا ملٰئکۃ غلاظ شداد اس کے داروغہ یا محافظ فرشتے ہیں سخت بدمزاج سخت دل یا بڑے قدآور طاقت والے جن پر کوئی مجرم زور سے غالب نہیں آسکتا نہ وہ کسی پر رحم و مہر کرتے ہیں۔

(۳) لا یعصون اللہ ما امرھم خدا کے حکم میں ذرا بھی قصور کرنے والے نہیں نہ رشوت لیں نہ سفارش مانیں نہ کسی کی سنیں۔

(۴) ویفعلون ما یؤمرون وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ عصیاں عیب تھا اس لیے اس کی اول نفی کی پھر طاعت کی خوبی ثابت کی۔ اس میں مشرکین عرب کے خیالاتِ باطلہ کا ابطال ہے۔ وہ کہتے تھے فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں ہم ان کو پوجتے ہیں ہم پر ضرور رحم کریں گے اور ہمارے بت ہم کو آگ سے بچالیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ

اے کافرو! (جہنم میں کہا جائے گا) تم آج باتیں نہ بناؤ

ع ۱ ۱۹ — إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑦

تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ

مسلمانو! اللہ کے سامنے

تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ

خالص توبہ کرو شاید تمہارا رب

أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ

تم سے تمہاری برائیاں دور کردے اور

يُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے کہ جن کے تلے نہریں

الْأَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ
بہتی ہوں گی جس دن کہ اللہ نبی کو اور ان کے ساتھ ایمان
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۚ نُورُهُمْ
لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا ان کا نور (ایمان)
يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ
ان کے آگے آگے اور داہنی طرف دوڑتا چلے گا
يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا
کہتے جائیں گے کہ اے رب ہمارے ہمارے لیے ہماری روشنی پوری کیجیو
وَاغْفِرْ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٨﴾
اور ہم کو بخش دے تو بے شک ہر بات پر قادر ہے

ترکیب

الیوم منصوب بہ لا تعتذروا۔ نصوحًا النصوح بفتح النون و یقرء بضمها علی الاول مصدر یقال نصح نصاحۃ ونصوحًا وقیل ہو اسم فاعل ای ناصحۃ والاسناد مجازی وعلی الثانی ہو مصدر لاغیر مثل القعود ثم اعرابہ علی الوجہین النصب علی الوصف للتوبۃ ای توبۃ بالغۃ فی النصح و یدخلکم منصوب علی انہ معطوف علی یکفر منصوب بناصبہ وقری بالجزم عطفا علی محل عسی کانہ قال توبوا یوجب تکفیر سیاتکم و یدخلکم یوم منصوب بیدخلکم او باذکر و الذین امنوا معہ معطوف علی النبی وقیل مبتدا وخبرہ قولہ نورہم علی الاول الجملۃ (نورہم الخ) حالیۃ او مستانفۃ لبیان حالہم۔ یقولون خبر ثان او حال۔

تفسیر

یہ تتمہ ہے کلام سابق کا کہ ملائکہ اس روز عذاب کریں گے اور سخت و تند ہوں گے، ان کے عذاب پر کفار معذرت کریں گے، ان کے جواب میں کہا جائے گا (ملائکہ کہیں گے) یایھا الذین کفروا الخ کہ اے منکرو! آج عذر نہ کرو باتیں نہ بناؤ کس لیے کہ آج معذرت کا دن نہیں (معذرت توبہ ہے) اس کا موقع دنیا میں تھا سو گزر گیا۔ اور یہ بھی نہ سمجھو کہ تم کو ناحق عذاب دیا جاتا ہے کس لیے کہ انما تجزون ما کنتم تعملون تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی تمہارے اعمال بد کی سزا ہے جو بویا تھا اس کو کاٹ رہے ہو۔ دنیا میں اعمال بد کی برائی چنداں ظاہر نہ تھی اب حجاب کھل گیا، وہ برائی آنکھوں کے سامنے آگئی۔

توبۂ نصوح

اس لیے ایمان داروں سے شفقت کی راہ سے فرماتا ہے یایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحًا کہ اے ایمان والو! دنیا میں توبہ کا وقت ہے بشریت سے جو کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے توبہ کرو، توبہ بھی کیسی؟ توبۂ نصوح یعنی خالص سچے دل سے۔ حسنؒ کہتے ہیں توبۂ نصوح یہ ہے کہ اس گناہ کو برا اور مکروہ جاننے لگے جس کو مرغوب جان کر کیا تھا اور جب یاد کرے تو استغفار کرے۔ کلبی کہتے ہیں توبۂ نصوح دل میں ندامت زبان سے استغفار اور اس کام سے باز رہنا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں توبۂ مقبولہ کا نام توبۂ نصوح ہے۔ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ توبۂ نصوح کیا ہے؟ فرمایا برے کام سے باز آنا اور پھر اس کو نہ کرنا۔ امام احمد و ابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توبہ گناہ سے یہ ہے کہ پھر نہ کرے۔

ابطال کفارۂ مسیح

اس کے بعد توبہ کے نتائج بیان فرماتا ہے عسیٰ ربکم ان یکفر عنکم سیاتکم کہ امید ہے اللہ

تمہارے گناہ تم سے مٹا ڈالے ان کو محو کر دے، توبہ سے گناہوں کا معاف ہو جانا یا ان کا مٹایا جانا قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔ اور قرین قیاس بھی ہے، اور پہلی کتابیں بھی اس کی شہادت دے رہی ہیں، کتاب یسعیاہ کے اول باب ۱۸ جملے میں صاف تصریح ہے کہ "اگرچہ تمہارے گناہ قرمزی ہوں پر برف کی مانند سفید ہو جائیں گے"۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو توبہ کا حکم دیا اور تاکید فرمائی "توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی" (انجیل متی باب چہارم جملہ ۱۷) اگر توبہ سے گناہوں کے معاف ہونے کی امید نہ تھی تو پھر اس کا فائدہ کیا تھا؟ مگر بعد میں پولوس اور اس کی امت نے ایک عجب مسئلہ گھڑا کہ توبہ سے گناہ نہیں معاف ہوتے معافی کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سب کے گناہ اپنے اوپر اٹھا لیے اور پھانسی پائی اور ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے۔ اب سب کے گناہ جو مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے معاف ہیں، اس کو کسی عمل خیر کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ اعمال حسنہ لعنت کا باعث ہیں۔ اس کو یہ کفارہ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ کیا برا اعتقاد ہے۔ کیا ایسا شخص سفاکی، بدذاتی، حرام کاری میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھے گا؟ پھر دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے آنے کا فائدہ کیا ہوا؟۔

توبہ کے بعد حقوق العباد ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ توبہ فرض ہے، دیر نہ کرے، موت کا ٹھیک نہیں کہ کب آجائے۔

پھر دوسرا نتیجہ توبہ کا ظاہر کرتا ہے ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھر۔ اور تم کو ایسی بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ بہشت عالم قدس ہے، اس میں جانے سے انسان کی کثافت ہی مانع ہے جو توبہ کے بعد دور ہو جاتی ہے۔ یہ کس روز یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان والوں کو رسوا نہ کرے گا۔ اس میں تعریض ہے کہ نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کے سوا اور لوگ رسوا ہوں گے۔ یہ جو آج تمہارے خیالی معبود اور گمراہ کنندہ بڑے بڑے دعوے کر رہے ہیں کہ قیامت میں ہمارا جھنڈا ہوگا اور خیمہ ہوگا ہم اپنے ماننے والوں کو اس کے تلے لے کر عذاب سے بچالیں گے یہ غلط بات ہے، وہ خود رسوا ہوں گے اور ان کے ساتھ ان کے مرید بھی۔

قیامت کو ظلمت ہوگی اور کسی کے پاس کوئی روشنی نہ ہوگی مگر نبی اور اس کے متبعین کے پاس۔ اس میں نبی کریم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ نورھم یسعٰی بین ایدیھم وبایمانھم ان کی روشنی (جو ایمان اور توبہ اور عمل خیر کی روشنی ہوگی) ان کے آگے آگے اور داہنی طرف سے دوڑتی ہوئی چلے گی اور اس ظلمانی راہ کو طے کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ آگے اور داہنی کی قید سے یہ مراد نہیں کہ اور طرف روشنی نہ ہوگی بلکہ ہر طرف مگر یہ دو جہت عمدہ ہیں اس لیے ان کا ذکر کیا۔ اس کی کیفیت سورۂ حدید میں بھی بیان ہوتی ہے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ دنیا میں ریاکاروں منافقوں کی روشنی اس روز چمک کر گل ہوگئی تو دعا کریں گے۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیء قدیر۔ کہ اے ہمارے رب ہماری روشنی پوری کیجیو رستہ میں گل نہ ہونے پائے اور ہم کو بخش دے تو ہر بات پر قادر ہے۔

یہ ہیں توبہ کے نتائج جس کی طرف ایمان داروں کو منکروں کی اندوہناک حالت بیان فرما کر ترغیب دلائی گئی ہے۔ قیامت کو اندھیرا ہونا اور ایمان کی روشنی میں اس سے رستہ طے کرنا اور جنت میں جانا اور وہاں حیات ابدی اور ہمیشہ کی شادمانی حاصل کرنا ایک مسلمہ مسئلہ ہے جس کو تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرو اور برگزیدہ بیان کرتے آئے ہیں جس میں کسی کو بھی شبہ نہیں کرنا چاہیے

اس کے علاوہ خدا انسان کو عدم سے ہستی میں لایا ہے اور عدم ایک ظلمانی عالم ہے اس کے صفات کاملہ جو اس کو پروردگار کی طرف سے نصیب ہوتے ہیں وہ اس کا جمیع معاملات میں نور ہے جو اس کو تمام ظلمانی اور تاریک وادیوں میں سے نکال کر راہِ مقصود پر چلانے اور منزل مقصود تک پہنچانے کا عمدہ ذریعہ ہیں دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد عالم قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ایمان دار کو لازم ہے کہ ہر دم یہی دعا کرے۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیٔ قدیر۔ خدا نہ کرے کہ یہ نور کسی کا بجھ جائے اور وہ اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتا پھرے اور فسق و فجور کے خطرناک گڑھوں میں جا گرے اور شاہد مقصود رب العزت تک نہ پہنچے۔ الٰہی میں بھی یہی دعا کرتا ہوں قبول کر آمین۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ
اے نبی! کفار اور منافقین سے
الْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ
جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ
دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے اللہ
اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ ع ۲
کافروں کے لیے ایک مثال بیان کرتا ہے نوح
نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ
اور لوط کی بیوی کی وہ ہمارے دو
عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ
نیک بندوں کے ماتحت تھیں
فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ
پھر ان دونوں نے انکی خیانت کی سو وہ اللہ کی مار سے بچانے میں کچھ بھی
شَیْـًٔا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دونوں کو اور جہنمیوں کے ساتھ
الدّٰخِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
دوزخ میں ڈال دو اور اللہ ایمان داروں کے لیے
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ
فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے
اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ
جب اس نے کہا کہ اے میرے رب میرے لیے اپنے پاس
بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ
جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام
وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۱﴾
سے بچائیو اور مجھے ظالموں سے رہائی دیجیو
وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ
اور مریم عمران کی بیٹی (کی بھی مثال بیان کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کو
فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا
محفوظ رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونک دی
وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ
اور اس نے اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو
كُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ﴿۱۲﴾
سچ جانا اور وہ عبادت کرنے والوں میں سے تھی

ترکیب

امرأت نوح معطوف علیہ وامرأت لوط معطوف و کلاہما مفعول اول لضرب ومثلاً مفعول ثان وانما اخر المفعول الاول لیتصل بہ ما ہو تفسیر لہ والیضاح لمعناہ۔ و یمکن ان یکون امرأت نوح وما بعدہا بدلاً عن مثلاً او بیان لہ

کانتا ہذہ جملۃ مستانفۃ مفسرۃ لضرب المثل امرات فرعون مزاعرابہا اذ ظرف لمثلا اولضرب عندک حال من ضمیر المتکلم اومن بیتا لتقدمہ علیہ فی الجنۃ بدل او عطف بیان لقول عندک اومتعلق بقولہ ابن. و مریم ای اذکر مریم اومثل مریم من القنتین من للتبعیض ویجوز ان یکون لابتداء الغایۃ۔

تفسیر

پہلے ذکر ہوا تھا کہ اے ایمان دارو توبہ خالص کرو تاکہ تمہارا عاقبت میں بھلا ہو اور کفار اور منافقوں کی بھی اصلاح مقصود تھی جس کا ذریعہ کفر و بدکاریوں سے توبہ و استغفار ہے۔ مگر یہ بھی انسانی خاصہ ہے کہ وہ بدی سے کبھی محض وعظ و نصیحت سے باز نہیں آتے۔ وہاں مشفق اور دردمند ناصح کو بشرطِ قدرت یہ بھی کرنا ضرور ہے کہ اس کو دھمکا کر ڈرا کر اس بدی سے روکے۔ جب نادان شخص ہمارے سامنے سنکھیا ہاتھ میں لے کر کھانے کو تیار ہے اور ہماری نصیحت سے باز نہیں آتا تو پھر ہماری دردمندی کا یہ مقتضیٰ نہیں کہ چپ ہو کر بیٹھ رہیں اور اسے مرتے دیکھیں، بلکہ دھمکا کر ہاتھ مار کر ہاتھ سے چھین لیں، اس لیے خدا تعالیٰ اپنے نبی رحیم و کریم کو ان نادانوں کی بابت حکم دیتا ہے یایھا النبی جاھد الکفار و المنفقین و اغلظ علیہم کہ اے نبی! ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر۔

جہاد عام لفظ ہے اس میں زبانی نصیحت اور دلیل و حجت سے الزام قائم کرنا بھی شامل ہے اور جو مخالف شمشیر بکف ہو کر مقابلہ میں کھڑا ہو تو وہاں اس کے لیے تلوار سے بھی کام لینے کو شامل ہے۔ اور سختی کرنے سے گالیاں دینا سخت کلامی یا بدمزاجی کرنا مراد نہیں کیونکہ یہ باتیں شانِ مصطفویہ و اخلاقِ محمدیہ سے بہت دور ہیں، اور اس سے کوئی نتیجہ بھی نہیں نکلتا بلکہ الطاف و عنایات کے حصے سے محروم کرنا اور بے توجہی اور عدم التفاتی کے چابک لگانا، اس کا بڑا اثر پہنچتا ہے۔ جہاد کفار کے لیے اور واغلظ (سختی) منافقوں کے لیے ہے۔ منافقوں سے جہاد نہیں کیا گیا کس لیے کہ وہ بظاہر مسلمان تھے۔ اور جو اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو ماوٰھم جھنم وبئس المصیر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

کفار و منافقین میں سے ایسے بھی لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبول صحابہ کی قرابت پر نازاں تھے اور اس قرابت اور ظاہری اختلاط کو نجات کے لیے کافی جانتے ہوں۔ یا یوں کہو ایمان داروں کو توبہ خالص کا حکم دیا تھا مگر ممکن تھا کہ بعض ایمان دار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہی کو بس سمجھ کر عمل صالح سے سست و ارتکاب منہیات میں دلیر ہو بیٹھیں اس لیے اللہ کے لیے خدا تعالیٰ حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام کی بیبیوں کی مثال بیان کرتا ہے:۔

فقال ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرات نوح وامرات لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین کہ وہ باوجودیکہ ہمارے دو نیک بندوں کے نیچے تھیں یعنی حکم اور زوجیت میں تھیں اور یہ ایک بڑی قرابت ہے جس میں اندرونی اور بیرونی کوئی پردہ بھی نہیں رہ جاتا، خاوند بیوی میں جو کچھ اتحاد ہوتا ہے اور جہاں تک اس کی رسائی ہوتی ہے کسی کی بھی نہیں ہوتی، یہ ایک فطری بات ہے مگر جب کہ فخانتھما ان کی خیانت کی (یہ مراد نہیں کہ زناکاری کی کس لیے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کسی نبی کی بیوی نے کبھی ایسا کام نہیں کیا) بلکہ اطاعت و انقیادِ ایمانی و دینی کا حق ادا نہیں کیا جس کو خیانت سے تعبیر کرنا ایک عمدہ استعارہ ہے فلم یغنیا عنہما من اللہ شیئا پھر وہ نیک بندے نوح اور لوط علیہما السلام

اپنی بیویوں کے کچھ کام خدا کے مقابلے میں نہ آئے۔ عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے۔ دنیا میں نوحؑ کی بیوی طوفان میں غرق ہوئی لوطؑ کی بیوی نمک کا کھمبا ہو گئی یعنی اس پر بھی وہی آفت آئی جو اس قوم پر آئی سب ہلاک ہوئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا۔ آخرت میں حکم ہوا ادخلا النار مع الداخلین کہ اور جہنمیوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں جاؤ۔ آگ میں ڈال دی گئیں۔

ف ۱ یہاں سے ثابت ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی مرنے کے بعد جہنم اور جنت ہے، اور یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

ف ۲ اس میں ایک لطیف سا اشارہ حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کی طرف بھی ہے کہ تم دونوں نے جو رسول کریمؐ کے مقابلے میں مشورہ کیا تھا ڈرو اور نوح اور لوط کی بیویوں کا حال سن کر عبرت پکڑو۔ اس کے بعد ان دونوں نیک بیویوں نے کبھی رشک و رقابت میں آ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انحراف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دم آخر تک حضرتؐ ان سے خوش رہے اور حضرت عائشہؓ کی گود میں سر مبارک تھا کہ روحِ اطہر نے پرواز کی۔ صلوات اللہ علیہ و سلامہ ابداً۔

ف ۳ اولاد اولیاء کرام و بزرگان دین و حضرات سادات عظام کو بھی تنبیہ ہے کہ قرابت کے غرور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں ورنہ یہ قرابت کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے اے فاطمہ! اس بات پر تکیہ نہ کرنا کہ میں محمدؐ کی بیٹی ہوں خدا کے معاملے میں میں کام نہ آؤں گا نیک کام کر۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں ایمان داروں کے لیے دو نیک بیویوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو دنیا داروں کے پنجہ اور ظلم میں مبتلا تھیں مگر اپنی ایمان داری اور نیکی سے باز نہ آئیں۔ بعض مسلمان مرد یا عورتیں کفار کے پنجہ میں تھے اور اس کو ایک عذر سمجھتے ہوں گے ان کے لیے یہ مثال از حد نافع ہے۔ اس لیے یہ تخصیص فرماتا ہے۔ و ضرب اللہ مثلاً للذین آمنوا کہ ایمان داروں کے لیے مثل بیان کرتا ہے۔ کس کی مثال؟ امرات فرعون فرعون کی بیوی کی۔

توریت موجودہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دریا سے نکال کر پرورش کرنا فرعون کی بیٹی کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ فرعونِ موجود کی بیوی اگلے فرعون کی بیٹی ہو، دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ بیگمات جو خاندانی اور بادشاہی نسل کی ہوتی ہیں ان کو شہزادی کہا کرتے ہیں، اگرچہ وہ ایک شاہ کی بیوی بھی ہوتی ہیں توریت میں فرعون کی بیوی کا ایمان لانا اور یہ دعا کرنا مذکور نہیں۔ مگر مذکور نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ واقعہ گزرا نہیں۔ توریت میں سیکڑوں واقعات نہیں اور سیکڑوں واقعات میں مبالغہ اور غلطی بھی ہے جس کو اہلِ کتاب کی دیانت یا غفلت سمجھنا چاہیے۔

مؤرخین اہلِ اسلام نے نقل کیا ہے کہ اس وقت کے یہود نے تسلیم کر لیا ہے کہ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھی پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کھلم کھلا مقابلہ شروع ہوا تو فرعون کو اس بیوی پر کمال غصہ آیا کہ اس نے اس کی پرورش کی تھی۔ وہ کمبخت اس نیک بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا مگر وہ سب تکلیفوں کو برداشت کر کے اپنے ایمان اور خدا پرستی پر قائم تھی، مگر جب از حد مجبور ہو گئی تو یہ دعا کی رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ کہ اے رب مجھے دنیا سے اٹھا کر اپنے پاس بلا لے اور میرے لیے اس شاہی گھر کے بدلے اپنے پاس جنت میں گھر بنا کہ میں سدا وہاں رہا کروں ونجنی من فرعون

وعمله اور مجھے فرعون سے اور اس کے کام سے نجات اور خلاصی دے۔ یعنی موت دے۔ فرعون کا کام کفر اور تکلیف دینا تھا ونجنی من القوم الظلمین اور فرعون کیا تمام خاندان ہی ناپاک اور موذی ہے وہ بھی طرح طرح سے ایذائیں دیتے ہیں ان سے بھی نجات دے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کی دعا قبول ہوئی یا نہیں ؟ مگر روایات سے معلوم ہوا کہ قبول ہوئی اور خدا پاک نے اس کو خواب یا بیداری میں جنت کا گھر دکھا دیا اور اس کی روح پرواز کر کے وہاں چلی گئی۔

ومریم ابنت عمران اور مریم عمران کی بیٹی کا حال بیان کرتا ہے اور اس کی بھی تمثیل دیتا ہے۔ مریم کون تھی؟ التی احصنت فرجها جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ یہود ان پر زنا کی تہمت لگاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (توبہ توبہ) حرامی کہتے تھے۔ اس کی پاک دامنی کے سبب فنفخنا فیه من روحنا ہم نے اس میں اپنے ہاں کی روح پھونک دی جس سے وہ حاملہ ہوگئیں۔ فیہ کی ضمیر فرج کی طرف راجع ہے۔ اور فرج کا اطلاق اس جگہ عضو مخصوص پر نہیں کس لیے کہ محاورہ عرب میں کرتے اور اس کے دامن یا گریبان کو بھی فرج سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے ان کے گریبان میں پھونک دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں فیہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔ اور بعض قرارت میں فیہا مونث کی ضمیر ہے، اس کا مرجع نفس عیسیٰ علیہ السلام ہیں کس لیے کہ نفس مونث ہے، اور یہ حضرت مریم کی طرف بھی رجوع ہو سکتی ہے کس لیے کہ حضرت مریم کے اندر روح پھونکی گئی تھی جس سے حمل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

مراد یہ کہ روح ڈال دی گئی۔ چوں کہ روح حیات کا باعث ہے وہ تمام جسم میں منتشر ہو جاتی ہے جس طرح کہ ہوا پھونکنے سے تمام ظرف میں منتشر ہو جاتی ہے اس لیے اس کو نفخ سے تعبیر کیا جو ایک عمدہ تشبیہ ہے۔ من روحنا کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ کی روح کا کوئی جزو مریم کے پیٹ میں ڈال دیا گیا جس سبب سے عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ بلکہ روح کی نا ضمیر متکلم کی طرف اضافت تشریف و تعظیم کے لیے ہے جیسا کہ بیت اللہ خدا کا گھر۔ ناقۃ اللہ۔ اللہ کی اونٹنی۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کسی گھر میں رہتا اور کسی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے۔ عزت دینے کے لیے کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا عام محاورہ ہے۔ بادشاہ عمدہ غلام یا عمدہ گھوڑے کو کہہ دیا کرتا ہے ہمارا غلام ہمارا گھوڑا۔

حضرت مریم کو بغیر باپ کے بیٹا جننے کی فرشتہ نے خبر بھی دی تھی، اس نیک عورت نے اس کی تصدیق کی وصدقت بکلمت ربها اپنے رب کی باتوں کو سچا جانا اور کتبه اس کی فرستادہ کتابوں پر بھی ایمان لائی، پہلی کتابوں میں حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور تھا۔ یہ اس کے ایمان کی کمال قوت ہے۔ وکانت من القنتین اور وہ عبادت کرنے والیوں میں سے تھی بیت المقدس میں

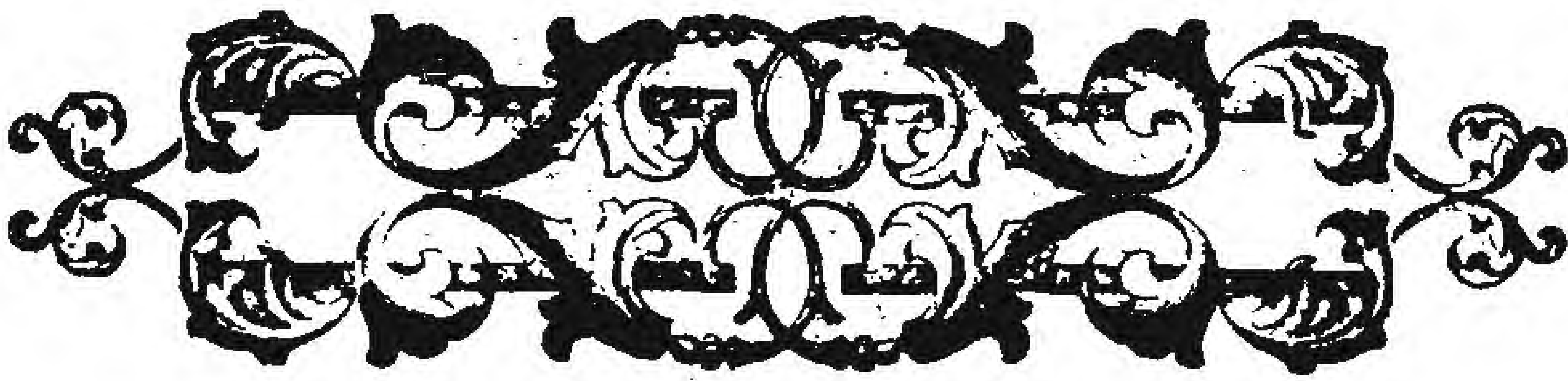
ل ان چار عورتوں کی مثال میں بہت فوائد ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ کسی کی نیکی بد کو فائدہ نہیں دیتی اور بد کی بدی نیک کو مضرت نہیں پہنچاتی۔ ازاں جملہ یہ کہ نیکوں کی صحبت کبھی بدوں پر کچھ بھی اثر نہیں کرتی۔ ازاں جملہ یہ کہ عورت کی عصمت و عفت نیک نتائج پیدا کرتی ہے جیسا کہ حضرت مریم کے لیے ہوا۔ ازاں جملہ یہ کہ حق سبحانہ کی طرف تضرع اور رجوع کرنا سیکڑوں مصائب سے نجات دیتا ہے اور ہر حال میں حضرت ازلیہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے (از کبیر) ۱۲ منہ

جو جماعت مردوں کی شب و روز عبادت میں رہتی تھی مریم بھی ان میں سے تھی، یا یہ کہ گو عورت تھی مگر مردانہ تھی اس لیے قٰنتین فرمایا نہ کہ قٰنتٰت۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں میں افضل مریم بنت عمران آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی و خدیجہ بنت خویلد و فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اخرجہ احمد و الطبرانی والحاکم)۔

صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں سے آسیہ فرعون کی بیوی و مریم عمران کی بیٹی و خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثریدؔ کی سب کھانوں پر ۞

تمت

الحمد للہ اٹھائیسویں پارے کی تفسیر تمام ہوئی





ؔ ثرید، روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو کر عرب کھاتے ہیں، اس کھانے کو ثرید کہتے ہیں۔ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کھانوں سے مرغوب تر تھا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تشبیہ دی ۱۲ منہ

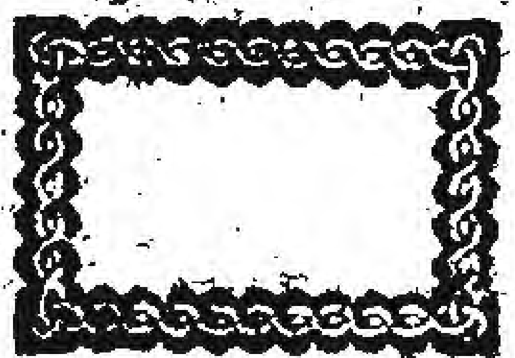
قرآنی علوم و معارف کا بے بہا خزینہ

الاتقان

فی علوم القرآن

(اردو)

دو جلدوں میں مکمل



قرآن فہمی کیلئے بنیادی کتاب

جس کو علامہ جلال الدین سیوطی نے صدہا کتب کے علمی جواہرات اور مفید و نادر معلومات سے مزین کیا، اس میں قرآن مجید کے اسی انواع علوم کا تذکرہ ہے، یہ کتاب اپنی افادیت اور جامعیت کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے

ترجمہ مولانا محمد الحلیم انصاری ، مولانا محمد عبدالحلیم چشتی

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی